

مصنّف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب :۔ فیوض الرحمٰن اُردو ترجمہ تفسیر رُوح البیان

پارہ ۲۶

مصنف :۔ سراج العلماء والفضلاء علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہ

مترجم :۔ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

سن طباعت :۔ باراول :۔ ۱۹۹۱ باردوم :۔ ۱۹۹۳ء

باہتمام :۔ عطاء الرسول اویسی رضوی

ناشر :۔ مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ۔ بہاولپور

فہرست مضامین تفسیر فیوض الرحمان پ ۲۶

مضمون · صفحہ

مضمون	صفحہ
رکوع اول عربی سورۃ الاحقاف	۳
ترجمہ رکوع مذکور و تفسیر ختم	۳
تفسیر وما خلقنا السموات والارض الآیۃ	۵
تفسیر والذین کفروا عما انذرو (الآیۃ)	۸
تفسیر قل ارائتم ما تدعون الآیۃ	۱۱
تفسیر ومن افضل ممن یدعو (الآیۃ)	۱۳
تفسیر واذا حشر الناس الآیۃ	۱۳
تفسیر واذا تتلیٰ علیہم (الآیۃ)	۱۷
کرامت وجادو کا فرق۔ اولیاء کی عقیدت بھی ولایت ہے	۱۹
تفسیر قل ما کنت بدعاً من الرسل (الآیۃ)	۲۰
وما ادری ما یفعل بی الخ پر وہابیوں دیوبندیوں کے سوالات کے جوابات	۲۱
علم غیب ذاتی اور عطائی کا ثبوت	۲۳
تفسیر قل ارائتم ان کان من عند اللہ (الآیۃ)	۲۳
حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ	۲۷
اولیاء سے محبت بھی عبادت ہے رد وہابیہ	۲۹
آیات عربی رکوع وقال الذین کفروا الخ	۲۹
رکوع مذکور کا ترجمہ	۳۰
تفسیر وقال الذین کفرو (الآیۃ)	۳۱
تفسیر ومن قبلہ کتاب موسیٰ (الآیۃ)	۳۳
تفسیر ان الذین قالوا ربنا اللہ (الآیۃ)	۳۵
ولی کامل کی شان اور عالم بے عمل اور خصوصیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۳۶
واقعہ خضر و موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام	۳۷
تفسیر ووصینا الانسان بوالدیہ الآیۃ	۳۸
مدت حمل در شکم میں احناف کی دلیل	۳۹
استدلال امام اعظم رحمتہ اللہ و مسائل حمل	۴۰
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ اور آپکی عزت وعظمت	۴۳
اوتاد کی تعریف	۴۵
ماں باپ کو راضی کرنے والے شخص کا انعام	۴۶
تفسیر والذی قال لوالدیہ (الآیۃ)	۴۸
یوسف علیہ السلام کو تنبیہ	۵۰
تفسیر وان جاہداک علیٰ ان تشرک بی (الآیۃ)	۵۲
تفسیر ویوم یعرض الذین کفروا (الآیۃ)	۵۳
حضور علیہ السلام کا اختیار	۵۶
رکوع واذکر اخا عاد الخ	۵۷
رکوع مذکور کا ترجمہ و تفسیر واذکر اخاعا (الآیۃ)	۵۸
ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا منسب نامہ	۵۹
ہندوپاک میں آدم علیہ السلام کا آنا	۵۹
اعدائے اولیاء کی علامت	۶۱
قوم عاد کے عذاب کا نمونہ	۶۳
تفسیر ولقد لکنا ہم (الآیۃ)	۶۶
حضور علیہ السلام کا قصاص دینا	۶۹
رکوع ولقد اہلکنا ما حولکم الخ	۷۰
ترجمہ رکوع مذکور و تفسیر آیت ولقد اہلکنا الخ	۷۱
انبیاء اولیاء سے وسیلہ اور وہابیہ کے وہم کا ازلہ	۷۳
تفسیر واذصرفنا الیک (الآیۃ) اور جنات کا مذہب	۷۳
جنات حضور علیہ السلام کی خدمت میں	۷۵
جنات کی دوسری حاضری	۷۸
کفار و مسلمان جنوں کی غذا اور ابلیس کی علامات	۷۹
تفسیر قالوا یقومنا (الآیۃ)	۸۰
تفسیر ومن لا یجب داعی اللہ (الآیۃ) اور	
حضور علیہ السلام اور ملائکہ کرام	۸۳
حضور علیہ السلام تمام ملائکہ کے نبی ہیں	۸۳
معتزلہ و اہلسنت کے مذہب کی تفصیل	۸۶
آکام المرجان کی تحقیق در دخول جنات فی الجنتہ	۸۸
مذاہب اور ہمدکے استدلات در بارہ جنات	۸۹
تفسیر اولم یروا ان اللہ الذی الخ	۹۱
امام کسائی نے علم نحو بڑھاپے میں پڑھا	۹۱
حیات کی اقسام (فائدہ)	۹۳
حکایت رابعہ بصری	۹۳
آسانی ولادت کے عملیات و تعویذات	۹۸
تعویذ لکھنے کی دلیل	۹۹
سورۃ محمد شریف کا پہلا رکوع عربی	۱۰۱
سورۃ محمد شریف کا ترجمہ مع تفسیر	
آیتہ الذین کفروا الخ	۱۰۲
دعائے نبوی اور حق کے معانی و مطالب	۱۰۳
موسیٰ علیہ السلام کا سوال اللہ تعالیٰ کا جواب	۱۰۵
بشر حافی رحمتہ اللہ کو زیارت مصطفیٰ صلی اللہ وسلم	۱۰۶
اولیاء سے عقیدت واتباع کا فائدہ	۱۰۶
تفسیر وما اذا لقیتم الذین کفرو (الآیۃ)	۱۰۷
تفسیر والذین قتلو (الآیۃ)	۱۱۱
فضائل شہداء	۱۱۲
تفسیر یا ایہا الذین آمنو (الآیۃ)	۱۱۳
نصرت کے اقسام	۱۱۳
تین وجہوں سے سالک ڈگمگاتا ہے	۱۱۳

تفسیر ذالک بانہم کرہوا (الآیتہ) ١١٥
تفسیر ذالک بان اللہ مولی الآیتہ ١١٦
حضرت زید بن ثابت کی کرامت ١١٧
رکوع عربی ان اللہ یدخل الذین ١١٨
رکوع مذکور کا ترجمہ ١١٩
تفسیر آیت ان اللہ یدخل الذین الخ ١٢٠
حکایت سیدنا اویس رضی اللہ عنہ ١٢٢
بھوک کے فوائد ١٢٣
تفسیر وکاین من قریتہ الخ ١٢٥
تفسیر افمن کان علی بینتہ الخ ١٢٦
شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ١٢٧
تفسیر مثل الجنتہ التی الخ ١٢٧
تفسیر ولہم فیہا من کل الثمرات الخ ١٣٢
تفسیر ومنہم من یستمع الیک ١٣٥
تفسیر فقد جاءت اشراطہا الخ
وعلامات قیامت ١٣٧
تفسیر واستغفر لذنبک الخ اور ذنب کا معنی، ١٣٩
حضور علیہ السلام کی حالتیں تین ہیں ١٤٠
حضور علیہ اسلام کو استغفار کا حکم تعلیم امت
کے لئے تھا ١٤٣
حضور علیہ اسلام اللہ کے راز دان ١٤٤
توحید بیکار جب تک رسالت کی شہادت نہ دی جائے ١٤٥
توحید ورسالت کے نکتے ہی نکتے ١٤٦
کوئی بے علم جاہل ولی اللہ نہیں ہو سکتا ١٤٨
رقص کی تردید اور حاشیہ پر دلایت
اویس رضی اللہ عنہ کا نکتہ ١٤٨
نفس کو بیدار کرنے کا طریقہ ١٤٩
ظالم کا بیڑا غرق اور رزق میں وسعت اور عرش کی سیر ١٥٠
فضائل لا الہ الا اللہ ١٥٢
رکوع ویقول الذین امنوا الخ مع ترجمہ ١٥٣
تفسیر ویقول الذین امنوا الخ ١٥٤
تفسیر فاولی لہم الخ ١٥٥
تفسیر فہل عسیتم الخ ١٥٧
محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
گستاخ کی سزا ١٥٩
تفسیر افلایتدبرون القرآن الخ ١٦٠
بغداد میں تین بشر نامی تھے اور بشر حافی کی کہانی ١٦١
تفسیر ان الذین ارتدو (الآیہ) ١٦٢
فاجر کی قبض روح کا ہولناک منظر ١٦٣
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازہ کا حال ١٦٥
رکوع عربی ام حسب اللہ الذین فی قلوبہم الخ ١٦٥
رکوع عربی مذکور کا ترجمہ اردو

تفسیرات آیت ام حسب الذین فی قلوبہم ١٦٦
حضور علیہ السلام منافقین کا حال جانتے تھے ١٦٧
سچے جھوٹے مرید کو مؤمن (ولی) فراست سے جانتے ہے ١٦٩
تفسیر ولنبلونکم حتی نعلم المجاہدین (الآیتہ) ١٧١
غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند اور
تفسیر ان الذین کفروا الخ ١٧٢
رد المعتزلہ والخوارج اور امام شافعی و حبیب
عجمی رحمہما اللہ ١٧٣
تفسیر وان تؤمنوا وتتقوا الخ ١٧٩
حضور علیہ اسلام کے علم غیب کو دیکھکر کافر
مسلمان ہو گیا ١٨١
تفسیر وان تتولو یستبدل الخ ١٨٢
اہل فارس کی فضیلت و شیخ سعدی رحمتہ علیہ
کی بزرگی ١٨٣
سورتہ الفتح کا شان نزول ١٨٥
سورۃ الفتح کا رکوع اول عربی مع ترجمہ ١٨٦
تفسیر انا فتحنا لک فتحا مبینا الخ ١٨٧
تحقیق الحدیبیہ اور خواب نبی علیہ السلام ١٨٨
معجزہ چشمے لہرائے اور دریا بہے ١٨٩
وہابیوں کا اعتراض اور ہمارے جواب اور
جاسوس نبوی ١٨٩
صحابہ کرامؓ کی جان نثاری اور حدیبیہ کو کوچ ١٩٠
کنویں میں چشمہ آب لگا دیا معجزہ ١٩٠
حدیبیہ میں صحابہ کرامؓ کا نمونہ ادب ١٩١
عروہ کی رپورٹ اور اسکا مسلمان ہونا
حضرت عثمان مکہ گئے ١٩٢
علم غیب نبوی کا ثبوت اور حضرت عثمان
کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ١٩٣
کفار نے حضور علیہ اسلام کے لئے پابندی لگائی آج
نجدی لگا رہے ہیں (حاشیہ) ١٩٣
شہادت عثمان غنی کی خبر اور وہابیوں کی تردید ١٩٤
بیعت الرضوان کے صحابہ کی فضیلت اور کفار مکہ واہل
اسلام میں مدبھیڑ ١٩٥
کفار مکہ کی صلح کی پیشکش اور مسلمانوں میں اضطراب ١٩٦
صلحنامہ حدیبیہ کا مضمون ١٩٦
صلح کی شرائط اور حاشیہ پر دلیل کہ یا محمد
مٹانے والے کون ١٩٧
صلحنامہ کے بعد اور تبرک بال مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم
١٩٨
معجزہ برکت طعام اور پیالہ پانی کا رحمت کا پرنالہ ١٩٩
فضائل سورۃ الفتح اور طعام آگے رکھ کر فاتحہ کا ثبوت ١٩٩
مکالمہ نبی علیہ اسلام و فاروق اور تردید شیعہ ٢٠٠

مضمون	صفحہ
تفسیر یغفر لک اللہ الخ	۲۰۲
تفسیر ما تقدم من ذنبک الخ	۲۰۳
حدیث وسیلہ از آدم برائے فخر آدم علیہ اسلام	۲۰۵
لغزش نہ تھی ناز تھا (حاشیہ)	۲۰۵
آیت مذکورہ کی تفسیر امام ابن العربی	۲۰۶
امان شعرانی و درس عبرت	۲۰۷
آیت مذکور کی تفسیر صوفیانہ	۲۰۷
تفسیر ویتم نعمتہ علیک الخ	۲۰۹
احکام کی ترتیب یعنی پہلے توحید پھر رسالت الخ	۲۱۱
سکینہ تین قسم ہے	۲۱۲
تفسیر وللہ جنود السموات والارض الخ	۲۱۳
تفسیر لیدخل المؤمنین الخ	۲۱۷
عقیدہ صحابی در علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۲۲۰
تحقیق الدائرہ	۲۲۲
تفسیر وللہ جنود السموات الخ	۲۲۳
انا ارسلناک شاہدا الخ	۲۲۵
تورات میں حضور علیہ اسلام کی فضیلت	۲۲۵
رد وہابی کے اس عقیدہ کا کہ حضور علیہ اسلام کو اپنی نبوت قبل از وقت علم نہ تھا	۲۲۲
نماز پنجگانہ کا ثبوت	۲۲۷
تیرے صدقے یا رسول اللہ دعوئ علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۲۲۷
جملہ مخلوق پر حضور علیہ اسلام شاہد (حاضر)	۲۲۹
نبی علیہ اسلام نور اور نور گر	۲۲۹
ہر امتی حضور علیہ اسلام کی نگاہ میں اور ہر نبی ولی ہے	۲۳۰
نبی علیہ اسلام نور من نور اللہ ہیں	۲۳۱
تفسیر ان الذین یبایعونک الخ اور حاشیہ پر امام احمد رضا بریلوی کی تفسیر	۲۳۲
اولیاء اللہ کی شان از حدیث قدسی	۲۳۳
من تو شدم (اللہ جل جلالہ صلی علیہ و آلہ وسلم کا تعلق	۲۳۵
آئینہ جمال اور مظہر کمال	۲۳۵
نائب خدا اور خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	۲۳۶
سبحانی ما اعظم شانی کا جواب	۲۳۶
بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی نہیں	۲۳۶
وہ سجدہ کیجئے جو سر کو خبر نہ ہو	۲۳۷
تفسیر فمن نکث الخ	۲۳۷
چاہ کندہ را چاہ در پیش	۲۳۸
بیعت والوں کے شرائط بیعت کی اقسام	۲۳۹
مرشد کے بے ادب کا انجام بد	۲۴۰
بیعت کا ثبوت از احادیث مبارکہ	۲۴۰
عورتوں کو مرید کرنے کا طریقہ صحابیات کو تبرک کی طلب	۲۴۲
برے پیروں کی مذمت اور حاشیہ پر بھی	۲۴۳
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سچا پیر	۲۴۳
جسکا پیر نہ ہو اسکا پیر شیطان ہے تعلیم نبوی اور صحابہ کرام	۲۴۳
ولی اللہ کعبہ سے افضل اور شریعت و طریقت	۲۴۶
امام اعظم نے امام ابو یوسف کا امتحان لیا	۲۴۶
تین سو ساٹھ پیچ شاگرد کو سکھائے پھر بے ادب ہو گیا	۲۴۸
بدعت کی تعریف اور اسکی مثالیں	۲۴۹
خرقہ پوشی کا ثبوت حسن بصری نے حضرت حضرت علی سے خرقہ پایا	۲۵۰
منکرین خرقہ حسن بصری کے متعلق تصانیف (حاشیہ)	۲۵۰
رکوع عربی سیقول لک المخلفون الخ	۲۵۱
ترجمہ اور تفسیر سیقول لک المخلفون الخ	۲۵۲
عرب و اعراب کا فرق	۲۵۳
تفسیر قل فمن یملک الخ	۲۵۵
قرآنی آیات کی برکات	۲۵۶
تفسیر بل ظننتم الخ	۲۵۷
تفسیر و من یومن باللہ الخ	۲۵۸
تفسیر سیقول لک المخلفون اذا انطلقتم الخ	۲۶
حسد کی تحقیق	۲۶۱
تفسیر قل للمخلفین الخ	۲۶۴
خطائے اجتہاد پر اجر و ثواب کا ثبوت	۲۶۶
تفسیر لیس علی الاعمیٰ الخ	۲۶۷
رکوع لقد رضی اللہ عن المؤمنین عربی	۲۷۰
ترجمہ رکوع مذکور	۲۷۱
تفسیر آیت اور رضی اللہ عن المومنین	۲۷۲
بیعت کس لئے اور فضائل اصحاب الشجرہ	۲۷۳
بخشش کا پروانہ اور روئے زمین میں افضل صحابہ	۲۷۴
فضائل بیعت الرضوان کی تفصیل	۲۷۴
شیعوں کے اعتراضات کے جوابات	۲۷۴
سوال شیعہ اور جواب اویسی	۲۷۸
حضور علیہ اسلام کی موت اور اسکے جوابات	۲۷۹
شجرہ رضوان کہاں اور وہابیوں کے بہتان کے جوابات	۲۸۰
جوابات از صاحب روح البیان مع حاشیہ اویسی	۲۸۲
دیوبندیوں وہابیوں کا خدشہ کا صدیوں پہلے قلع قمع	۲۸۲
تفسیر اثابہم فتحاً قریباً	۲۸۴
غزوہ خیبر اور اسکی وجہ تسمیہ	۲۸۶
غزوہ خیبر کی تیاری	۲۸۷
فاتح خیبر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور مرحب کا مقابلہ	۲۸۸
فدک اور اسکی تفصیل	۲۹۱
بی بی صفیہ کا خواب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا پہرہ	۲۹۲
ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو انعام اور بریلوی مسلک کی تائید	۲۹۳
یزید سے بڑھ کر ہے وہ جو مزارات کا دشمن ہے	۲۹۳

حضرت ابو ایوب کا وصال اور حقہ و تمباکو نوشی ۲۹۳
یزید کو امیر المؤمنین کہنے والوں کا رد (حاشیہ) ۲۹۴
مونچھیں کاٹنا اور حبشہ کے مہاجرین ۲۹۵
قیام تعظیمی پر اعتراض کا جواب اویسی ۲۹۵
ام حبیبہ سے نکاح معجزہ شجر اور بکری کے گوشت میں زہر ۲۹۶
سات بیماریوں کا ایک علاج یہودیہ کا زہر کا اقرار ۲۹۷
زہر خورانی پر وہابیہ کے اعتراض کے جوابات اویسی (حاشیہ) ۲۹۸
یہود کی جلاوطنی از فاروق اعظم ۲۹۹
تفسیر واخرىٰ لم تقدروا علیہا الخ ۳۰۱
یہودیہ مسلمان ہو گئی اور یہودیوں کے امتحانات (حاشیہ) ۳۰۱
فتوحات کی تفصیل اور قسطنطنیہ دار الخلافہ ۳۰۳
غزوہ حنین اور اسکے اسباب اور لشکر اسلام ۳۰۴
حنین کا داخلہ اور عارضی شکست ۳۰۵
غنائم حنین کا شمار اور تفسیر ولو قاتلکم الذین کفروا الخ ۳۰۶
تفسیر وهو الذی کف ایدیکم الخ ۳۰۹
خالد سیف اللہ کب بنے ۳۰۹
انوکھی جنگ ۳۱۰
قصہ فتح مکہ اور زوجہ ابو سفیان کا خواب ۳۱۲
قریش کی ندامت اور انکی مشاورتی کمیٹی ۳۱۳
لشکر نبوی کی تعداد اور فوج کے جھنڈے ہجرت حضرت عباس اور
ابو سفیان جاسوس ۳۱۴
ابو سفیان کا اسلام اور اسکا گھر دار الامان اور اسلام کا جھنڈا ۳۱۵
شوکت اسلام کا نظارہ مہادشاہ نہیں نبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۶
تین سو ساٹھ بت شکنی ۳۱۷
کعبہ کے اندر داخلہ اور فوٹو مٹادئے اور کعبہ کی دعا ۳۱۸
بیعت نبوی اور قیام مکہ معظمہ ۳۱۹
تفسیر هم الذین کفروا وصدوکم الآیۃ ۳۲۰
تفسیر لو تزیلوا لعذبنا الذین الآیۃ ۳۲۳
تفسیر اذ جعل الذین کفروا الآیۃ ۳۲۴
حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف ۳۲۷
حجاج کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حق گوئی ۳۲۹
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت ۳۲۹
خیانتی شاگرد کا واقعہ ۳۳۰
رکوع عربی لقد صدق اللہ رسولہ الخ مع ترجمہ ۳۳۱
تفسیر آیت لقد صدق اللہ رسولہ الخ ۳۳۲
حضور علیہ السلام کا ایک خواب اور آیت مذکور کا شان نزول
۳۳۲
تبرک کا ثبوت اور تقسیم تبرک از حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳۵
اولیاء اللہ کے قصے ۳۳۷
عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۴۰
ازلی نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۳۴۱
شرح الحدیث تردید وہابیہ وغیرہ ۳۴۱
انا من نور اللہ حدیث سے رد وہابیہ ۳۴۲
انا محمد واحمد وابو القاسم اور نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ۳۴۳
نکتے رسم محمد واحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۴۴
حکایت ابرہہ اور میلاد شریف کا ثبوت رد وہابیہ ۳۴۵
ثبوت قیام وسلام عند المیلاد ۳۴۶
حاشیہ پر حوالہ جات در فوائد میلاد شریف ۳۴۶
نذرانہ محبت و خلوص (حاشیہ) ۳۴۷
محافل میں انوار کی بارش اور مغفرت (حاشیہ) ۳۴۸
بدعت حسنہ کا ثبوت ۳۴۹
دولت دیدار برکت میلاد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۴۹
میلاد شریف کا استدلال از قرآن و حدیث ۳۴۹
میلاد شریف کی برکات اور میلاد میں پہلی تصنیف (حاشیہ) ۳۵۱
تفسیر والذین معہ الآیۃ ۳۵۱
تورات میں فاروق اعظم کے اوصاف (رضی اللہ عنہ) ۳۵۲
ماتھے کے داغ وہابیوں کی نشانی ۳۵۳
قدرتی ماتھے کا داغ اور امام زین العابدین ۳۵۵
تفسیر وذلک مثلهم فی التوراة ۳۵۷
تحقیق انجیل ۳۵۸
سادات ادری ۳۵۹
حق چار یار (رضی اللہ عنہم) ۳۶۰
فضائل صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ۳۶۰
عشرہ مبشرہ بالخصوص چار یار رضی اللہ عنہم ۳۶۱
شیعہ برادری کی خبر نبوی اور شیعہ کا رد ۳۶۱
ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم ۳۶۳
دو آیت قطب سے دعاء مستجاب فضائل سورۃ الفتح ۳۶۳
سورۃ الحجرات کا رکوع اول عربی ۳۶۴
سورۃ الحجرات کا اردو ترجمہ مع تفسیر
یا ایہا الذین آمنو ۳۶۵
آیت اول سورۃ حجرات کے چار شان نزول ۳۶۷
گستاخی کی سزا اور فضیلت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۳۶۸
تفسیر لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ۳۷۰
عباس رضی اللہ عنہ کی اونچی آواز کی شان ۳۷۳
شہید بولتا اور سب کچھ جانتا ہے اور مردہ کی وصیت ۳۷۳
صحابہ نے اسطرح عمل کیا جیسے شہید نے فرمایا ۳۷۵
ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے قصہ سے چند سنی استدلالات اویسی
۳۷۵
حبط اعمال کے اقسام ۳۷۶
شان رسالت کی نزاکت ادب تعظیم رسول اللہ صلی اللہ وسلم ۳۷۷
ذکر بالجہر وبالسر کا راز صحابہ کی رمز شناسی ۳۷۸
زائرین گنبد خضراء کو ہدایت اویسی (حاشیہ) ۳۷۸
بے ادبی و گستاخی کی نحوست ۳۸۱
تفسیر ان الذین یغضون اصواتہم الخ ۳۸۲

تفسیر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۳۸۳
صحابہ کی گستاخیاں از شیعہ (حاشیہ) ۳۸۳
فرمودہ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ ۳۸۴
تفسیر ان الذین ینادونک الخ ۳۸۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر سے کس نے پکارے ۳۸۶
شان نزول آیت مذکور (حاشیہ) ۳۸۶
حضور علیہ السلام کا علم غیب ۳۸۷
واقعہ سر پر نبی الفہر ۳۸۸
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آداب رسول صلی اللہ وسلم (حاشیہ) ۳۸۹
آداب معیت (رفاقت) عوام عرب و ترک ۳۹۱
شفاعت کا منظر اور اسکی احادیث مبارکہ ۳۹۳
تفسیر یاایھاالذین آمنوان جاء کم الخ ۳۹۴
تفسیر واعلموان فیکم رسول اللہ الخ ۳۹۷
تفسیر وکرہ الیکم الکفر والفسوق الخ ۳۹۹
شیخ اکبر اور ایک بے عمل عالم (حکایت) ۴۰۱
تفسیر وان طائفتان الخ ۴۰۲
لقمان حکیم کی حکمت ۴۰۳
آیت مذکورہ کا شان نزول اور منافق بے ادب کا قصہ ۴۰۴
تفسیر فان فارت فاصلحوا الخ ۴۰۷
شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰۹
ارشاد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ در تردید شیعہ بے وفا ۴۱۱
جنگ جمل و صفین کے متعلق ہدایات از (اویسی غفرا) حاشیہ ۴۱۰
تفسیر انما المؤمنین اخوۃ الخ ۴۱۱
خلت و اخوت کا فرق ۴۱۲
اخوت نبی و دینی کا فرق نبوی نسب تین قسم ہے ۴۱۳
قرابت نبوی معنوی اولیا کرام قرابت صوری معنوی خلفاء ۴۱۴
حقوق اخوت دینی کی تفصیل ۴۱۵
رکوع عربی یاایھاالذین لا یسخر قوم الخ مع ترجمہ اردو ۴۱۸
تفسیر یاایھاالذین لا یسخر الخ ۴۱۹
معروف کرخی رضی اللہ عنہ کے نام لینے سے حل مشکلات ۴۲۱
قبر معروف دعا کے مستجاب ہونے کا تریاق ہے ۴۲۲
آیت کے تین شان نزول ۴۲۲
تفسیر ولا تلمزوا انفسکم الخ ۴۲۵
لغیت و کفر جس پر کرو اگر وہ مستحق نہ ہو تو قائل پر پڑتی ہے ۴۲۵
تفسیر ولا تنابزوا بالالقاب الخ ۴۲۸
کسی کو غلط اور گندے القاب دینے پر شرعی سزا ۴۳۰
تفسیر یاایھاالذین آمنوا اجتنبوا الخ ۴۳۳
رد قادیانی و ناصبی و شیعہ خوارج و معتزلہ ۴۳۴
تفسیر ولا تجسسوا الخ ۴۳۹
حضرت جبرئیل علیہ السلام کے تین محبوب عمل ۴۴۰
تفسیر ولا یغتب بعضکم الخ ۴۴۳
آیت کا شان نزول اور گلہ گو کا قصہ ۴۴۵
پانچ آدمیوں کے روزے (معنوی طور ٹوٹ جاتے ہیں) ۴۴۷
پہلا گلہ گو ابلیس روز گلہ غیبت کے فقہی مسائل ۴۴۸
تفسیر یاایھاالناس انا خلقناکم الخ ۴۵۰
آیت کے دو شان نزول ۴۵۰
تفسیر ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم الخ ۴۵۲
بعض گدی نشینوں اور پیر زادوں کا رد (حاشیہ) ۴۵۳
آیت مذکورہ کی تفسیر صوفیانہ ۴۵۵
تفسیر قالت الاعراب الخ ۴۵۶
ابو منصور ماتریدی کے مذہب کی تائید ۴۵۹
انما المؤمنون الذین آمنوا الخ ۴۶۱
تفسیر قل اتعلمون اللہ الخ ۴۶۳
تفسیر یمنون علیک الخ ۴۶۵
تفسیر ان اللہ یعلم غیب السموات الخ ۴۶۷
غیب پر ایک اعتراض کا جواب از اویسی (حاشیہ) ۴۶۷
بدعت حسنہ پر عمل سے دعا مستجاب ۴۶۹
قرآن پاک کی منزلوں پر تلاوت پر دعا مستجاب ۴۷۰
قرآن پر نقطے حجاج نے لگوائے (بدعت) ۴۷۰
اعراب کی بدعات اور ابتدائی اعراب کی علامات خلیل کی بدعت کا تا حال عمل ۴۷۱
وہابیوں دیوبندیوں کے ایک غلط قاعدہ کی تردید (حاشیہ) ۴۷۱
ایک اور بدعت اور بدعت کے مفتیوں کو اویسی کا انتباہ (حاشیہ) ۴۷۲
کئی بدعات اور خط عربی کا پہلا موجد ۴۷۳
سورہ ق کا پہلا رکوع عربی مع ترجمہ اردو تفسیر ق ۴۷۴
ق میں شان حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا نور اول ۴۷۶
جبل قاف ۴۷۷
زلزلہ کا موجب اور کوہ قاف کے عجائبات ۴۷۹
ملائکہ کی تخلیق ۴۷۹
آسمانی سبزی کیسی آنکھوں کی بینائی میں اضافہ اور ابدال کا ایک قدم ۴۸۰
قطب الاقطاب اور ملائکہ کی ڈیوٹی چاندی کی زمین ۴۸۱
قیامت کی زمین اور تفسیر والقرآن المجید الخ ۴۸۳
تفسیر قد علمنا ما تنقص الخ ۴۸۳
رد الوہابیہ در عقیدہ حیات الانبیاء ۴۸۴
حضرت خضر کا عجوبہ اور ابلیس کی جوانی ۴۸۵
تقریر غزالی اور بایزید بسطامی رحمہما اللہ ۴۸۶
تقریر شیخ اکبر رضی اللہ عنہ ۴۸۷
بل کذبوا بالحق کی تفسیر ۴۸۷
حلاج منصور رحمۃ اللہ کی حقانیت ۴۸۹
مولانا رومی کے والد مرحوم کی کہانی اور تفسیر افلم ینظروا الخ ۴۹۰

دور حاضرہ کی سائنس اور اسکے غلط نظریہ کی تردید ۴۹۱
اولیاء کے طفیل دنیا قائم ہے ۴۹۱
تفسیر وانبتنا فیہا من کل زوج (الآیتہ) ۴۹۱
تفسیر ونزلنا من السماء ماء (الآیتہ) ۴۹۳
تفسیر کذبت قبلہم قوم نوح الآیتہ ۴۹۶
حنظلہ بن صفوان علیہ السلام ۴۹۷
تبع حمیری کا تفصیلی واقعہ (حاشیہ) ۴۹۸
تفسیر افعیینا بالخلق الاول (الآیتہ) ۵۰۲
کعبہ کا طواف اولیاء کرام کو ۵۰۵
رکوع عربی ولقد خلقنا الانسان الخ مع ترجمہ اردو
تفسیر آیات اول ۵۰۶
شب و روز میں وساوس کی تعداد ۵۰۷
تقریر وحدۃ الوجود از بایزید بسطامی تفسیر اذ یتلقی الآیتہ ۵۱۲
تفسیر یا یلفظ من قول (الآیتہ) ۵۱۳
جنبی انسان سے فرشتوں کی نفرت ۵۱۶
قبر کے مجاور فرشتے اور عجیب بندے ۵۱۷
کراماً کاتبین کا تبادلہ اور نگران ملائکہ کی تفصیل ۵۱۸
تفسیر وجاءت سکرۃ الموت (الآیتہ) ۵۱۹
صاحب مثنوی رحمہ اللہ کی موت اور موت کے ملائکہ کی تعداد ۵۲۳
صالح وطالع مرد کی کہانی ۵۲۴
غوث پاک رضی اللہ عنہ اور ایک مولوی کی موت ۵۲۵
جیسی کرنی ویسی بھرنی ۵۲۵
نبی علیہ السلام نے بوقت وصال کیا فرمایا ۵۲۶
تفسیر ونفخ فی الصور (الآیتہ) ۵۲۷
تفسیر وقال قرینہ الآیتہ روز شب معراج بڑھیا کی ملاقات ۵۳۰
تفسیر القیا فی جہنم الآیتہ ۵۳۱
تفسیر قال قرینہ لا تختصمو (الآیتہ) ۵۳۳
رکوع عربی یوم نقول لجہنم الخ مع ترجمہ اردو ۵۳۹
تفسیر یوم نقول لجہنم (الآیتہ) ۵۴۰
بہشت و دوزخ کا مناظرہ اور اللہ تعالیٰ کا قدم ۵۴۲
جنت کی وسعت ۵۴۵
شیخ اکبر و دیگر صوفیہ کرام رحمہم اللہ کی تقریر قدم کے بارہ ہیں ۵۴۶
تفسیر وازلفت الجنتہ (الآیتہ) ۵۴۷
تفسیر ھذا ما توعدون (الآیتہ) ۵۴۸
تفسیر من خشی الرحمان بالغیب (الآیتہ) ۵۵۰
تفسیر ادخلوہا بسلام الآیتہ ۵۵۱
تفسیر لہم ما یشاؤن فیہا (الآیتہ) ۵۵۲
دیدار الٰہی کہاں ہوگا ۵۵۳
تفسیر وکم اہلکنا قبلہم من قرآن الآیتہ ۵۵۵
تفسیر ان فی ذلک لذکری الآیتہ ۵۵۸
وہابیہ لفظ شہید سے بھی حاضر و ناظر ۵۵۹
قلب چار قسم ہے ۵۶۱
حدیث قدسیہ لا یسعنی عرش الخ ۵۶۲
قلب کی شرافت ۵۶۳
شیطان اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ۵۶۴
تفسیر ولقد خلقنا السموات (الآیتہ) ۵۶۵
تفسیر فاصبر علی ما یقولون الآیتہ ۵۶۶
تفسیر الخلفاء الراشدین (رضی اللہ عنہم) ۵۶۹
نوافل المشائخ اور تفسیر واستمع یوم الآیتہ ۵۷۲
میدان حشر کا منظر اور انوار مدینہ ۵۷۳
امت کا غمخوار صلی اللہ علیہ وسلم سربسجود ۵۷۵
تفسیر انا نحن نحی الآیتہ ۵۷۵
تفسیر یوم تشقق الارض الآیتہ ۵۷۶
سورۃ ق کی فضیلت اور خطبہ کی بدعت ۵۷۹
سورۃ ذاریات کا رکوع اول عربی مع ترجمہ ۵۸۱
تفسیر آیت والذاریت ذروا اور بہشتی دوزخی ہوا ۵۸۲
علم غیب نبوی اور ہوا کہاں سے آتی ہے اور آٹھ ہوائیں ۵۸۳
تفسیر فالحاملات وقرا ۵۸۵
تفسیر فالجاریات یسرا و مدبرات فرشتے ۵۸۶
ان ما توعدون صادق ۵۸۹
تفسیر والسماء ذات الحبک ۵۹۱
تفسیر قتل الخراصون ۵۹۳
ولی اللہ نے کرامت دکھائی ۵۹۵
تفسیر ذوقوا فتنتکم (الآیتہ) ۵۹۲
تفسیر ان المتقین الآیتہ ۵۹۸
تفسیر وبالاسحار ھم (الآیتہ) ۶۰۱
ایصال ثواب اہل اموات ۶۰۲
فضائل تہجد و آہ صبحگاہی ۶۰۳
تفسیر وفی اموالہم حق الآیتہ ۶۰۶
تفسیر وفی الارض آیات الآیتہ ۶۰۹
تفسیر وفی انفسکم الآیتہ ۶۱۱
بحر علم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۶۱۲
یا علی اسال الخ ۶۱۳
حضرت معروف کرخی کا ناز ۶۱۳
تفسیر وفی السماء رزقکم الآیتہ ۶۱۴
سیدنا اویس قرنی وہرم بن سنان رضی اللہ عنہما ۶۱۵
رزق باذن اللہ اولیاء کے ہاتھ میں ۶۱۶
رکوع عربی ھل اتاک حدیث الخ مع ترجمہ اردو ۶۱۷
تفسیر ھل اتاک حدیث ضیف ابراہیم ۶۱۸
مہمان نوازی کی فضیلت ۶۱۸
تفسیر اذ دخلوا علیہ الآیتہ ۶۲۱
تفسیر قالوا لا تخف الآیتہ ۶۲۲
تفسیر فصکت وجہہا الآیتہ ۶۲۴
صوفی بعد چالیس سال کے بار دہے کا مطلب ۶۲۶

تمت الفہرست

پارہ ٢٦

حٰمٓ

سورہ احقاف کی پینتیس (٣٥) آیات، ٤ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مکیہ ہے۔

رکوعاتہا ٤	(٤٦) سورۃ الاحقاف مکیۃ (٦٦)	آیاتہا ٣٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ○
قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ
شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ط اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ○ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ
اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ لا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ط اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ اِنِ
افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ط هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ط كَفٰى
بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ

الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا
اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَکَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ
شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ ع

ترجمہ: یہ کتاب اتارنا ہے اللہ عزت و حکمت والے کی طرف سے، ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقرر میعاد پر اور کافر اس چیز سے ڈرائے گئے منہ پھیرے ہیں۔ تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کونسا ذرہ بنایا یا آسمان میں ان کا کوئی حصہ ہے، میرے پاس لاؤ اس سے پہلی کوئی کتاب یا کچھ بچا کھچا علم اگر تم سچے ہو اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور انہیں ان کی پوجا کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان سے منکر ہو جائیں گے اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری روشن آیتیں تو کافر اپنے پاس آئے ہوئے حق کو کہتے ہیں یہ کھلا جادو ہے۔ کیا کہتے ہیں انہوں نے اسے جی سے بنایا۔ تم فرماؤ اگر میں نے اسے جی سے بنا لیا ہوگا تو تم اللہ کے سامنے میرا کچھ اختیار نہیں رکھتے وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو اور وہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا، تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر وہ قرآن اللہ کے پاس سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس پر گواہی دے چکا تو وہ ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا ظالموں کو۔

تفسیر عالمانہ: حٰمٓ۔ یہ وہ سورۃ ہے جس کا نام حٰمٓ ہے۔ بعض نے کہا کہ حاء کا اشارہ اہل توحید کی حمایت کی طرف اور میم کا اس کی رضا مندی مع اس کی زیارت کی طرف ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنے ہے حمیت قلوب

اہل عنایتی الخ یعنی میں نے اہل قلوب کی حمایت کی اور میں نے ان کے قلوب کو خواطرِ ہوا جس سے بچایا تو ان میں دین کے شواہد چمکے اور وہ نور یقینی سے روشن ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ: فقیر حقی (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن جیسے اہل اموات کی زندگی ہے کما قال اللہ تعالیٰ (اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى)[1] ایسے ہی مردہ قلوب کی بھی حیات ہے اس لئے کہ علوم و معارف و حکم قلوب و ارواح و اسرار کی حیات ہیں۔ نیز یہ دونوں اسمائے الہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس لیے کہ ابجد کے حساب سے حآء و میم کے ننانوے عدد ہیں نیز یہ اُن سات صفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں پیدا فرمائیں اور وہ سات صفات یہ ہیں۔ حیات علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ اس معنے پر حآء حیات پر اور میم کلام پر دلالت کرتا ہے۔ پہلے اور دوسرے مجموعہ کی طرف اشارہ ہوگیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے کہ اس کے اسماءِ حسنیٰ کو یاد کیا جائے اور اس کی صفات کو پہچانا جائے اور اس کے اخلاق سے متخلق ہوں۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ۔ قرآن مجید نازل کرنا ہے جو اس سورت اور دیگر عظیم الشان سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر "من اللہ" ہے۔ اور وہ اللہ سے ہے اور جو شے اللہ سے ہو وہ حق اور سچ ہے کما قال "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا"[2] **العزیز** (وہ غالب ہے) اور جو غالب سے ہے وہ اپنے نظم و معانی کے لحاظ سے جملہ کتب پر غالب اور ارباب ظاہر و باطن پر اس کی دلیل ظاہر و باہر ہوگی۔

الحکیم۔ وہ حکیم سے ہے اور وہ جو حکیم سے ہو اس میں حکمت بالغہ ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام بے شمار حکمتوں و مصلحتوں پر ہوتا ہے، کما قال "مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" ہم نے آسمان و زمین اور ان میں بحیثیت جزئیت کے یا بحیثیت استغراق کے جو کچھ ہے نہیں پیدا کیا "وَمَا بَيْنَهُمَا" اور جو کچھ ان کے اندر مخلوق ہے جیسے آگ اور ہوا اور بادل اور بارش اور مختلف پرندے وغیرہ "اِلَّا بِالْحَقِّ" مگر حق کے ساتھ یعنی ان کی تخلیق سے غرض صحیح اور حکمت صحیحہ ہے۔ اس میں ایک غرض یہ ہے کہ اس پر مکلفین قرار پکڑیں اور انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور اس کے احکام کی پابندی کریں پھر قیامت میں انہیں ان کے اعمال پر جزا و سزا ملے ان اشیاء کی تخلیق نہ عبث

---

[1] یا کلام کیا اس سے موتی نے ۱۲۔ [2] بات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے ۱۲۔

ہے نہ باطل اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی پیدائش میں ہزاروں حکمتیں رکھی ہیں اور جملہ وجود عالم کلمات الٰہیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر کلمے کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ ظاہر سے شے کی صورت اور باطن سے اس کا معنےٰ مراد ہے اور نہ صرف ایک بلکہ ہر باطن میں سات بطون ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔

فائدہ: اس سے نتیجہ نکلا کہ ہر وجود حق ہے یہانتک کہ وہ کلمات جنہیں ہم مہمل کہتے ہیں وہ بھی حق ہیں اس لیے کہ عالم وجود میں آچکے ہیں ایسے ہی باطل کے لئے سمجھئے لیکن یہ نہیں کہ باطل حق ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ باطل سے وہ معنے مراد ہے جو اس کلمہ کی حقیقت ہے مثلاً کسی نے کہا زید مات، حالانکہ وہ مرا نہیں۔ یہ کلام باطل ہے لیکن چونکہ وہ کلمہ حروف ہیں بایں معنی حق ہے۔ اگرچہ "زید مات" بحیثیت عدم وقوع واقعہ کے باطل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا حق ہے اس لیے کہ اس کی حقیقت آخرت ہے اور برزخ ان دونوں کے درمیان فاصل اور بمنزلۂ پل کے ہے۔

فائدہ: اس تقریر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول "الناس نیام" (یعنی تمام لوگ نیند میں ہیں اس وقت بیدار ہوں گے جب مریں گے) کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اسی معنے پر کہا جاتا ہے کہ خواب (رویا) حق ہے۔ ایسے ہی خواب کی تعبیر کا حال ہے لیکن ان دونوں کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کیونکہ خواب اور اس کی تعبیر ہر دونوں دنیوی ہیں لیکن ان کے دنیوی ہونے کے باوجود ان کے حق ہونے کے منافی نہیں ہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہی حق حقیقت ہے اسی لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا[1] اور حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کل کائنات ایک خواب خیال ہے اور وہ بھی فی الحقیقۃ حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مخلوقات صرف معرفت الٰہی کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ "فخلقت الخلق الاعراف" (میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ میری پہچان ہو۔)

حدیث شریف میں ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کو پورے طور پہچانو تو دریاؤں پر خشک راستہ کی طرح چلوگے اور تمہارے کہنے پر پہاڑ ٹل جائیں گے اسی معرفت کے لئے ارواح کے آسمان

---

[1] ابا جی یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب تعالیٰ نے حق بنایا ۱۲۔

اور نفوس کی زمین اور ان کے مابین جو قلوب و عقول اور قوٰی پیدا کیے گئے۔
"وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ" اس کا عطف الحق پر ہے، اس کا مضاف محذوف ہے یعنی تمہارے لیے ایک دن مقرر کیا گیا ہے جہاں تمہارے جملہ امور پہنچ جائیں گے اس سے قیامت کا دن مراد ہے وہ اس لیے کہ مخلوق قیامت کے دن سے مقترن ہوگی نہ کہ اسی (مخصوص) اجل سے۔
فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ کل کائنات فانی ہے اور پند و نصیحت اور زجر و توبیخ ہے۔ اے لوگو! جاگو اور غور کرو کہ تمہارا اصلی مقصد کیا ہے اور کیوں پیدا کیے گئے ہو اور اس میں اشارہ ہے کہ ہر عارف کی معرفت کے لئے میعاد مقرر ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر چالیس سال ہے کیونکہ سلوک کی آخری منزل کی یہی میعاد ہے اسی لیے کسی کو اپنے علم و عرفان سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کیونکہ ہر عالم سے کوئی اور بڑا اہل علم ہوتا ہے اور ہر حد کی کوئی انتہا ہوتی ہے اور جملہ امور اوقات و زمان کے ساتھ مرہون ہیں۔ یہ اس کے لئے ہے جو فطرت اصلیہ پر چلتا ہے اور امکان کے امور سے محفوظ ہو کر زندگی بسر کرتا ہے ورنہ بہت سے لوگ ستر سال تک محنت کرتے رہے لیکن پھر بھی معرفت کی منزل نہ ملی۔
فائدہ: معرفت کی پہلی اور آخری منزل کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے۔ اس کی آخری منازل کے لئے تو بہت بڑی مدت چاہیئے لیکن اس کی ابتدائی منزلیں تھوڑی سی مدت میں حاصل ہو سکتی ہیں بلکہ بعض کو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی یہ منازل حاصل ہو گئیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کے جادوگروں کو ایک منٹ میں تمام منزلیں طے ہو گئیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو کہا: "اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (ہم رب العلمین پر ایمان لائے)

حضرت ابراہیم بن ادھم نے ڈوبتے کو بچالیا:

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بادشاہ تھے لیکن جب فقیرانہ درویشانہ راستہ اختیار کیا تو یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ ایک آدمی دریا کے گہرے پانی میں ڈوبنے والا تھا۔ جب وہ پل سے گرنے لگا آپ اس وقت کوسوں دور تھے لیکن آپ نے ہوا کو اشارہ فرمایا اسے وہیں پر روک دیا گیا جہاں وہ گر رہا تھا۔

رابعہ بصریہ کی شان:

حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا پہلے ایک معمولی کنیز تھیں اور سن رسیدہ عام کاروبار میں مصروف رہتی تھیں آپ کی خریداری کسی کو منظور نہ تھی۔ آپ کے مالک نے اعلان

کیا لیکن کسی نے نہ خریدی ایک تاجر نے آپ پر رحم کرم کر کے صرف ایک سو درہم میں خرید کر کے آزاد کر دیا۔ بی بی نے ایک سال تک عبادت میں وقت بسر کر دیا پھر وہ شان بن گئی کہ بصرہ کے جملہ وزہاد اور قراء زیارت کے لئے حاضر ہونے لگے۔ یہ اس کی نوازشات قدیمہ ازلیہ سے ہے اور وہ کسی علّت سے معلل نہیں۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: روح القدس کا فیض اگر مدد فرمائے تو دوسرے اسی طرح کرتے ہیں جیسے مسیح کرتا ہے۔

فائدہ: حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ خلق اعمال کے متعلق مجھے اشکال تھا کسی طرح یہ بھید نہ کھلتا تھا یعنے معتزلہ خلق اعمال اور اہلسنت کسب اعمال کے قائل ہیں۔ مجھے تردد تھا کہ ان میں حق پر کون ہے۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ راز منکشف فرما دیا چنانچہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوق کو خود پیدا فرمایا جبکہ ابھی مخلوق کا وجود بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس انکشاف کے بعد فرمایا اب بھی اشکال باقی ہے کیا میں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا ایسے ہی میرا جملہ عالم کا معاملہ ہے کہ جس میں ذرہ برابر بھی کسی کو کوئی دخل نہیں ہاں وہ امور جو اسباب کے وقت پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اسباب سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اسباب صرف موجب بنتے ہیں اور ان کی تخلیق میں خود کرتا ہوں (جیسا کہ اہلسنت کا عقیدہ ہے) مثلاً میں نے عیسیٰ علیہ السلام کے نفخ کو مُردوں کے زندہ کرنے کا سبب بنایا لیکن اس نفخ کا خالق میں خود ہوں ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کے نفخ کے بعد پرندے کا زندہ ہو جانا بھی میری تخلیق سے ہوتا تھا۔

تفسیر عالمانہ: وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ اور وہ لوگ جو کافر ہیں یعنی مشرکین مکہ عَمَّآ اُنْذِرُوْا جس سے ڈرائے گئے یعنی انہیں قیامت اور اس کے ہولناک امور سے ڈرایا گیا۔ "مُعْرِضُوْنَ" روگردانی کرنے والے ہیں یعنی ایمان و عمل کی استعداد کو ضائع کرنے والے۔

(مسئلہ) آیت میں اشارہ ہے کہ قیامت اور اس کے اندر ہونے والے واقعات سے اعراض کفر ہے۔

(مسئلہ) فقہاء کرام نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف کیا جو اس کی شان کے لائق نہیں مثلاً امکان - حدوث - جسمیت - جہات - ظلم - نوم - نسیان - ایذاء وغیرہ وغیرہ یا اس کے کسی رسم یا امر سے استہزاء کیا یا اس کے وعد و وعید اور ان امور میں سے کسی امر کا انکار کیا جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں تو بھی وہ فقہاء کے نزدیک کافر ہو گیا -

(مسئلہ) کسی نے زنا یا لواطت کا ارادہ کیا دوسرے نے اسے روکا تو اس نے جواب دیا کہ یہ فعل کروں گا اور میرے نزدیک یہ اچھا فعل ہے یہ بھی کفر ہے -

(مسئلہ) کسی کو کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کر وہ جواب دیتا ہے کہ ضرور کروں گا، روکنے والے نے کہا کہ اگر نافرمانی کروگے تو دوزخ میں جاؤ گے اُس نے جواب دیا کہ میں دوزخ سے نہیں ڈرتا ایسے جواب سے بھی کافر ہو جائے گا -

(مسئلہ) کسی نے کسی کو کہا زیادہ نہ کھایئے اور نہ زیادہ سویئے اور نہ ہی زیادہ ہنسیئے اُس نے جواب میں کہا کہ میں اپنی مرضی پر جتنا چاہوں سوؤں اور ہنسوں گا ایسے جواب کی وجہ سے وہ شخص کافر ہو جائے گا - اِس لیے کہ ان ہر تینوں کی کثرت کے ارتکاب سے روکا ہے اس لیے کہ یہ دل کو موت مارتی ہیں اسی لیے ان کے متعلق نصیحت کو رد کرنے سے حقیقۃً نص قطعی کا رد کرنا ہے اور وہ کفر ہے -

(مسئلہ) فتاویٰ ظہیریہ کے آخر میں ہے کہ شیخ امام ابو بکر محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ کوئی شخص کہے کہ میں نہ دوزخ سے ڈرتا ہوں اور نہ مجھے جنت کی امید ہے - میں تو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اسی سے امید وار ہوں - کیا ایسے شخص کو کافر کہا جا سکتا ہے - آپ نے فرمایا کہ ایسی بات کہنا غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خود دوزخ سے ڈرایا کما قال ”فاتّقوا النّار الّتی وقودھا النّاس اعدّت للکافرین ۝ اُس دوزخ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے“

(مسئلہ) کسی کو کہا جائے کہ اس سے ڈر جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے وہ کہے میں نہیں ڈرتا تو اس کا قائل کافر ہے اس لیے کہ اس نے نص قطعی کا رد کیا ہے -

توضیح از صاحب روح البیان :

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ہر وہ شخص جو دوزخ سے ڈرتا ہے نہ بہشت کی طمع رکھتا ہے اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ میرا ایمان صرف دوزخ کے ڈر یا بہشت کے لالچ پر مبنی نہیں بلکہ میں تو ایمان لایا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر، ایسے شخص کو کافر نہ کہا جائے بلکہ رشک کیا جائے کہ اسے خالص ایمان نصیب ہے۔ ویسے اس نے حق کہا ہے کہ دوزخ سے ڈرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے اس لیے کہ دوزخ میں وہی داخل ہوگا جو بندہ اس کی نافرمانی کرے۔ ہماری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ قائل مذکورہ بالا تقریر کے مطابق مذکورہ بالا جواب دے رہا ہے تو اب اس کی عبارت کا مفہوم " فاتقوا اللہ ولا تعصوا " کے عین مطابق ہے۔

(مسئلہ) کسی نص قطعی کا انکار کفر ہے اگر اس کے انکار پر اس کا مفہوم شرع مطہر کے مطابق بنایا جا سکے تو کفر نہ ہوگا ورنہ قائل کافر ہوگا۔

(مسئلہ) کسی کو کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈر وہ اس کے جواب میں کہے تو اپنی خیر منا تیرا جیسا مجھے کیونکر نصیحت کر سکتا ہے۔

اسم ذات کا ادب :

ہارون الرشید کسی سواری پر سوار جا رہا تھا۔ اسے کسی یہودی نے کہا " اتق اللہ " اللہ تعالیٰ سے ڈر، تو وہ فوراً لشکر سمیت سواریوں سے اتر پڑا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیوں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اسم کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے کہ وہ نیچے اور ہم اوپر۔

(مسئلہ) کوئی قسم کھائے کہ میں آسمان کو ہاتھ لگاؤں گا تو وہ حانث ہوگا اسے کفارہ ادا کرنا لازم ہے اس لیے کہ آسمان کو ہاتھ لگانا نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے کما قال اللہ حکایۃ عن الجن انا لمسنا السماء[2] لیکن ایسا کہنے والا عام آدمی گنہگار ہوگا اس لیے کہ قسم سے مقسم بہ کی تعظیم مطلوب ہوتی ہے اور یہاں تعظیم نہیں بلکہ ہتک ہوئی۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ناصح کی پند و نصیحت کو قبول کرے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتا رہے اور اس کی عظمت کو دل میں جگہ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ کا مظہر ہو جائے اور یقین رکھے کہ اللہ لطیف ہے اور جب اس کے احکام سے کفر اور روگردانی کرے گا تو قہر الٰہی کی صفات کا مظہر ہو جائے گا اس پر اسے معلوم ہوگا کہ وہ قہار ہے۔ ہم اللہ

---

[1] اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی بے فرمانی نہ کرو، [2] بیشک ہم نے آسمان کو چھوا ۱۲

تعالیٰ سے اس کی عفو و عطا اور اس کے لطف واسع اور اس کی رضا کا سوال کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ۔ کافروں کو تبکیتاً اور زجر و توبیخ کے طور فرمائیے کہ مجھے خبر دو ''مَا تَدْعُوْنَ'' تم کس کی عبادت کرتے ہو ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' اللہ تعالیٰ کے غیروں کی جو کہ بت اور ستارے ہیں ''اَرُوْنِیْ'' مجھے دکھاؤ یہ ارأیتم کی تاکید ہے۔ ''مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ'' زمین سے انہوں نے کیا پیدا کیا یعنی اگر واقعی وہ معبود ہیں، یہ اس ابہام کا بیان ہے جو ماذا میں ہے۔ یعنی زمین کے کسی ایک علیحدہ ٹکڑے کو انہوں نے پیدا کیا ہو تو دکھاؤ ''اَرَءَیْتُمْ'' کا مفعول اول ''ما تدعون'' اور دوسرا ''ماذا خلقوا'' ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا کہ بتاؤ کہ تم اپنے معبودوں کا حال بتاؤ۔ ''اَمْ لَھُمْ شِرْکٌ'' کیا انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرکت ہے۔ ''فِی السَّمٰوٰتِ'' آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر یا ملکیت میں تاکہ وہم کیا جا سکے کہ انہیں بھی عبودیت کا حق حاصل ہے اور جسے وجوہ مذکورہ میں سے کسی ایک وجہ سے معمولی طور بھی دخل نہ ہو تو پھر وہ کس طرح معبودیت کا استحقاق رکھتا ہے کوئی زندہ انسان وغیرہ بھی اس کا حق نہیں رکھتا اور یہ تو جماد محض ہیں۔ یعنی ظاہر ہے کہ تمہارے معبود بالکل عاجز محض ہیں انہیں زمین و آسمان کی کسی شے پر تصرف کی طاقت و قوت حاصل نہیں۔ پھر تم کس طرح انہیں میرا شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش کرتے ہو۔

(سوال) حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے اور پرندوں کی تخلیق (یخلق الطیر) کرتے اور ایسے کام کر دکھلاتے جسے غیر کو مقدور نہیں۔

(جواب) دراصل ان کا (ایسے ہی ہر ولی اور ہر نبی علیہ السلام) کا کر دکھلانا اللہ تعالیٰ کے اذن اور قدرت عطا کرنے سے تھا (جیسے ہم اہلسنت کہتے ہیں) اور یہ ان کے ذاتی عجز کے منافی نہیں۔

(سوال) عالم علوی میں شرک کی نفی کی گئی ہے حالانکہ وہ اسی طرح عالم سفلی کی اشیاء کی تخلیق سے بھی عاجز تھے۔

(جواب ۱) چونکہ عالم علوی کے آثار اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے لئے مختص ہونے میں مشہور ہیں۔ کیونکہ یہ عالم بلند و بالا بھی ہے اور بلندی کے باوجود بغیر ستون کے بھی ہے اور نہ ہی ان کے لئے کوئی میخیں ہیں۔

(جواب ۲) اس وہم کو دور کرنا مطلوب ہے کہ اگر کہا جاتا کہ کیا بتوں کو زمینوں

کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت ہے تو کوئی وہم کرتا کہ شاید عالم علوی میں تخلیق میں اس کا کوئی ہاتھ بٹانے والا ہے تو ایسے ہی زمینوں میں بھی ہونے چاہئیں۔

یہ تقریر یوں صحیح ہوگی جب اَمْ کو منقطعہ بنایا جائے لیکن صحیح تر یہ ہے کہ یہاں اَمْ متصلہ اَم منقطعہ کے بالمقابل محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی "ام لہم شرك فی السموٰت (کذا فی حواشی سعدی المفتی) اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ" یہ ان کی تعجیز پر تبکیت ہے کہ وہ اپنے دعوٰی پر کوئی دلیل نقلی نہیں لا سکتے، اس سے پہلے ان کے دلیل عقلی نہ لانے کا بیان تھا اب دلیل نقلی کے عجز کا اظہار ہے اور باء تعدیہ کی ہے یعنی اے کافرو کوئی کتاب الٰہی لاؤ جو "مِنْ قَبْلِ هٰذَا" اس کتاب سے پہلے ہو اس سے قرآن مجید مراد ہے جس میں توحید کا بیان اور شرک کا ابطال ہے یعنی کوئی ایسی آسمانی کتاب لاؤ جس میں تمہارے دعوٰی کا اثبات ہو حالانکہ اس سے قبل جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں سب میں توحید کا بیان اور شرک کا ابطال تھا پھر اس میں بھی وہی بات ہے۔ "اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ" یا کوئی علم کا ایسا نشان جس میں مذکور ہو کہ تمہارے معبود عبادت کے مستحق ہیں یہ "سمعنت الناقة علی اثرة من لحم وشحم" یعنی بقیہ لحم و شحم کانت بہا من لحم و شحم ذاہب ذائب[1] سے ماخوذ ہے "اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" اگر تم اپنے دعوٰی میں سچے ہو اس لیے کہ کوئی دعوٰی درست نہیں ہو سکتا جب تک اس پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل نہ ہو اور تمہارے دعوٰی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے برعکس عقلی و نقلی دلائل ہیں جو تمہارے غلط عقیدہ کا بطلان کرتے ہیں۔

واحد اندر ملک او را یار نے
بملکش اندر جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
سر کنش دعوٰی کند جز ہالکے

ترجمہ: ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد ہے۔ اس کے ملک میں سوائے اس کے کوئی سردار نہیں۔ اس کے مخلوق میں اس کے سوا کوئی مالک نہیں۔ جو بھی اس کے ساتھ شراکت کا دعوٰی کرے ہلاک ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ ما سوا اللہ میں سے خواہش ہو یا شیطان اور دیگر وہ چیزیں جن کی پرستش کی جائے وہ ارض نفوس اور سمٰوٰت روح میں ہر کوئی قدرت نہیں رکھتا اس لیے کہ ہر شے کا خالق وہی ہے، اسی سے ہر شے کی تاثیر اور اسی

---

[1] اونٹنی اپنے بقیہ گوشت اور چربی سے موٹی ہوگئی جو اس کے اندر آگیا

کے ہاتھ میں قلوب ہیں وہ انہیں جیسے پھیرنا ہے چاہے انہیں حق پر قائم رکھے چاہے باطل کی طرف مائل کردے ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش پر نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ کسی صاحب عقل و اہل مکاشفہ نے غیر اللہ کی پرستش کو جائز نہیں رکھا اسی لیئے تمام علماء ظاہر و باطن نے فرمایا ہے کہ اخلاص واجب ہے یہاں تک فرمایا کہ ایمان کی رغبت اور ثواب کی نیّت پر طاعت کرنا اور عذاب سے بچنے کے لئے خوف رکھنا کوئی فائدہ نہیں دیتا اس لیے کہ اس میں غیر اللہ کو دخل ہے ۔ نتیجہ نکلا کہ عبادت نہ جنّت کی لالچ میں ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ صرف رضائے الٰہی کے لئے ہو اور بس ۔

تفسیر عالمانہ: ”وَمَنْ“ من مبتداء استفہامیہ ہے اس کی خبر ”اَضَلُّ“ الخ ہے یعنی اس سے اور کون زیادہ گمراہ تر ہو سکتا ہے ”مِمَّنْ یَّدْعُوْا“ جو عبادت کرتا ہے ”مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ“ اللہ تعالیٰ کے غیر کی درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرکے غیر کی پرستش کرتا ہے ”مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ“ یہ جملہ یدعوا کا مفعول ہے یعنی ایسے لوگ تمام گمراہوں سے گمراہ تر ہیں کہ خالق سمیع قادر مجیب خبیر کی عبادت کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کی جو سمع و قدرت و استجابت سے عاری ہیں یعنی اگر کوئی مشرک اپنے معبود باطل کو پکارے تو اس سے استجابت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ”اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ“ یہ نفی استجابت کی غایت ہے یعنی قیامت تک سے مراد یہ ہے کہ جب تک دنیا ہے اُس وقت تک بتوں سے یہ امور نہیں ہو سکتے ۔

(سوال) اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انہیں یہ امور حاصل ہو جائیں گے حالانکہ یہ معنی بالاجماع غلط ہے ۔

(جواب) قاعدہ ہے کہ شے کے منتہیٰ کے بعد کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور پھر ”واذا حشر الناس“ الخ سے بھی سوال کی تقریر کا رد ہو جاتا ہے ۔

(سوال) قیامت میں تو بُت بولیں گے اور چند ایک سوالات کے جواب بھی دیں گے ۔

(جواب) نفی استجابت سے اس دعاء کی وہ استجابت مراد ہے جو دنیا میں کفار اپنے حصولِ نفع کے لئے انہیں پکاریں اور وہ ان کا جواب دیں یہ نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں۔

(سوال) قیامت میں بھی تو عدم استجابت ہوگی جبکہ وہ انہیں بلائیں گے ۔

(جواب) اس استجابت سے رغبت سے جواب دینا مراد ہے اور قیامت میں اگرچہ جواب دیں گے بھی تو ان کا رغبت کا جواب نہ ہوگا بلکہ الٹا کفار کو جہنم میں داخل کرانے کے لئے ہوگا۔ (حواشی سعدی المفتی مرحوم)

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ بتوں کی عدم استجابت نہ دنیا میں ہوگی نہ آخرت میں دائمی ہوگی بلکہ آخرت میں اپنے عابدوں کے لئے اور زیادہ سخت ہوگی کیونکہ وہاں پر بیزاری اور دشمنی کا اظہار ضروری ہوگا اسی لیے دنیا کے منتہی تک عدم استجابت کو بنانا اسی معنے کے لئے ہے ورنہ آخرت میں تو وہ ان کے لئے اور زیادہ تکلیف اور عذاب کا موجب ہوگی اس کی نظیر "اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ[1]" حالانکہ شیطان پر لعنت ابدی ہے لیکن "یوم الدین" سے اس کا منتہیٰ بنایا گیا ہے تو اس سے بھی یہی مراد ہے کہ شیطان پر قیامت میں لعنت کا اور اضافہ ہوگا جو دنیا کی لعنت سے کئی گنا زائد ہوگی۔

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ اور وہ بت اپنے پجاریوں کی پکار سے "غافلون" غافل ہوں گے اس لیے کہ وہ جماد محض ہیں وہ تو کچھ سمجھتے ہی نہیں پھر کیا جواب دیں گے ہاں ان کے وہ معبود جو عاقل ہیں جیسے ملائکہ وغیرہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں گے وہ بھی جواب نہ دیں گے "هُمْ" کا مرجع "یدعو" کا مفعول ہے اور دعاءہم کے فاعل کی طرف راجع ہے اگرچہ وہ واحد ہے لیکن باعتبار معنیٰ من کے جمع ہے جیسے اس کے لئے يَدْعُوْ واحد کا صیغہ باعتبار اس کے لفظ لایا گیا چنانچہ بارہا اس کا مضمون گذرا اور "غَافِلُوْنَ" ایسے ہی ضمائر ذوی العقول اس لیے ہیں کہ ان کے بتوں کو ذوی العقول قرار دیا اگرچہ وہ جماد محض ہیں یہ صرف بت پرستوں سے تہکم کے طور ہے ؎

بے بہرہ کے کہ چشمۂ آبحیات
بگذارد رُو نہد بسوئے ظلمات

ترجمہ: بے نصیب کو آبحیات کے چشمہ پر لے جاؤ۔ تو وہ بجائے آبحیات کے ظلمات کی طرف رخ کرے گا۔

"وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ" اور جب قیامت میں لوگ جمع کیے جائیں گے۔ "الحشر" بمعنے الجمع۔ (القاموس) اور الراغب میں ہے کہ الحشر بمعنے جماعت کو ان کی قرارگاہ سے نکال کر انہیں جنگ یا کسی دوسرے امر کے لئے لیجانا اور یہ لفظ صرف جماعت کے لئے مستعمل ہوتا ہے

[1] بیشک تجھ پر میری لعنت قیامت تک ہے ۱۲۔

اور قیامت کو حشر سے اسی لئے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے ہی اسے "یوم البعث ویوم النشر" کہا جاتا ہے "کانوا" ہوں گے وہ بت "لہم" اپنے پجاریوں کے لئے "اعداء" دشمن جو انہیں نقصان پہنچائیں گے کسی قسم کا انہیں نفع نہیں دیں گے، اس وقت ان کے تمام گمان غلط ہو جائیں گے جبکہ دنیا میں خیال کرتے تھے کہ قیامت میں ان کے یہی بت ان کی شفاعت کریں گے "وکانوا بعبادتہم کافرین" اور ہوں گے وہ بت اپنے پجاریوں کی پرستش سے انکار و تکذیب کرنے والے یا تو لسان حال سے انکار کریں گے یا لسان مقال سے جیسا کہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو زندگی دے گا تو وہ بت پرستوں کی پرستش سے برأت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے درحقیقت اپنی خواہشات کی پرستش کی، کیونکہ خواہشات نے انہیں حکم کیا کہ وہ ان کی پرستش کریں، یہ اس آیت کی نظیر ہے جو سورہ یونس میں گذری کما قال "وقال شرکاءہم ماکنتم ایانا تعبدون" اور انکے شرکاء (بت) کہینگے کہ تم ہماری پرستش نہیں کرتے تھے ۱۲۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں نوم غفلت سے بیدار ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ماسوا اللہ انسان کے دشمن ہیں۔ کما قال الخلیل علیہ السلام "فانہم عدولی الا رب العلمین[1]" اور فرمایا "انی بریء منی تشرکون" میں اے مشرکین! تم سے بیزار ہوں۔

حکایت بایزید بسطامی قدس سرہٗ: حضرت بایزید قدس سرہٗ حج کو جاتے ہوئے اونٹ پر اپنا اور اپنے ساتھیوں کا سامان لاد دیا۔ لوگوں نے عرض کی یہ تو صریح ظلم ہے کہ اونٹ پر بہت زیادہ بوجھ لادا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹ کے نیچے دیکھئے، طعنہ زن نے نیچے دیکھا تو بوجھ کسی اور شے نے اٹھایا ہوا ہے، اونٹ کو خبر بھی نہیں۔ طعن زن نے کہا یہ عجیب امر ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر میں اپنا حال ظاہر کروں تو تم اسے برداشت نہیں کر سکو گے۔ جب آپ مکہ معظمہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے گھر جلد واپس جائیے اس لیے کہ آپ کی والدہ مکرمہ بوڑھی ہے اور اسے آپ کی خدمت کی ضرورت ہے آپ اپنی جماعت کے ساتھ واپس بسطام پہنچے، لوگوں نے دو منزلیں چل کر آپ کا استقبال کیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا جب لوگ آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے شیخ قرصی کو بلا کر کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے آپ سے شرع کے خلاف امر دیکھا تو واپس لوٹ گئے۔ آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ دیکھیے میں نے ایک شرعی امر کے

---

[1] بیشک وہ میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے ۱۲۔

خلاف کیا تو خلق خدا مجھ سے منحرف ہو گئی۔

ازالۂ وہم: مسافر کو روزہ رکھنا ضروری نہیں ہوتا اسی لیے آپ نے حقیقۃً امر شرعی کے خلاف نہیں فرمایا تھا لیکن بظاہر خلاف تھا اور وہ بھی اپنے مشغلہ ذکر الٰہی کو بحال رکھنے کے لئے کیا تاکہ عوام کے میل جول سے ذکر حق سے رہ نہ جائیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تقریر

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے عمدًا لوگوں کو متنفر فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مشغول نہ کردیں اس لیے کہ جو سالک کو ذکر الٰہی سے مشغول رکھے وہ ان کا دشمن ہوتا ہے اور دشمن سے اجتناب ضروری ہے جس طرح سے بھی ہو سکے اسی لیے آپ نے رمضان شریف میں روزہ نہ رکھنے سے ان دشمنوں کو بھگانے کا سبب بنایا۔

(سوال) رمضان شریف کا روزہ نہ رکھنا ماہ رمضان کی ہتک ہے اور پھر روزہ توڑنے کا گناہ سوا۔ لوگوں کو بھگانے کا اور سبب بھی ہو سکتا تھا۔

(جواب ۱) اس وقت آپ نے سوا اس کے اور کوئی سبب نہ پایا اور روزہ توڑنے کا کفارہ بھی دے دیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا سبب اور اس کے ساتھ مانوس رہنا علی الدوام حاصل ہوا۔

(جواب ۲) پہلے ہم نے لکھ دیا کہ وہ اس وقت مسافر تھے اور مسافر پر روزہ وقتی طور معاف ہوتا ہے۔

دشمن اولیاء: اولیاء کرام کے اعداء کو جب اولیاء کے اسرار کا علم نہیں ہوتا تو وہ ان پر بلا سوچے سمجھے طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

سبق: ہم پر لازم ہے کہ ہم اولیاء کرام پر کسی قسم کی طعن و تشنیع نہ کریں اگر ان سے خلافِ شرع کوئی امر صادر ہو تو ہر ممکن اس کی صحیح توجیہ کریں ورنہ خاموشی بہتر۔

(جواب ۳) اگرچہ بظاہر آپ نے روزہ توڑ دیا تھا لیکن بباطن روزہ توڑا نہیں تھا اس لیے کہ ولی اللہ بظاہر کوئی کام کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ کام کرتے ہی نہیں اور عمومًا ملامیہ اولیاء کرام ایسے ہی کرتے ہیں اور انہیں اعدام و افناء اور ایجاد پر قدرت حاصل ہوتی ہے اس کی نظیر ان کی شراب نوشی کا معاملہ ہے کہ وہ بظاہر شراب پیتے ہیں لیکن جب حلقوم تک

پہنچتا ہے تو وہ شراب شہد بن جاتا ہے لیکن یہ اس کے لئے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اس طرح کا تصرف رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ خلافِ شرع عمل کر کے اس طرح کا کام کرنا معمولی اولیاء کا کام ہے ورنہ کاملین تو سرِ مُو بھی شرع کے خلاف نہیں کرتے۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت کا سوال کرتے ہیں)۔

"وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ" اور کافروں پر جب پڑھی جاتی ہیں" اٰیٰتُنَا "ہماری

تفسیر عالمانہ: آیات درانحالیکہ "بَیِّنٰتٍ" وہ اپنے مدلولات پر واضح الدلالۃ ہیں یعنی اس کے بیان کردہ حلال و حرام و حشر و نشر کے امور واضح ہیں۔ اور کاشفی نے کہا کہ اس کے دلائل اعجاز واضح ہیں۔ "قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ" اور کافروں کے حق میں کہا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ لام تعدیہ کی ہو۔ نقیض کو نقیض پر حمل کرنے کے قبیل سے ہے اس لیے کہ ایمان لفظ باء سے متعدی ہوتا ہے اور کبھی لام کے ساتھ بھی جیساکہ "اٰمَنْتُمْ لَهٗ" وغیرہ ہیں یہاں پر حق سے وہی آیات قرآن مراد ہیں جن کی تلاوت کی جاتی ہے اور اسے ضمیر کے قائم مقام اس لیے لایا گیا ہے تاکہ وہ منصوص ہوں اور معلوم ہو کہ ان پر ایمان واجب ہے۔ ایسے ہی اسم موصول لانے میں یہی حکمت ہے ورنہ وہاں بھی ضمیر لانا چاہیئے تھی اور کہا جاتا "وقالوا" الخ تاکہ ان کے کمال کفر اور ضلالت پر مہر ثبت ہو "لَمَّا جَآءَهُمْ" اور پہلی بار ان کے ہاں آیا جو بلا سوچے سمجھے انکار کر کے کہنے لگے "هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ" یہ جادو ظاہر ہے یعنی اس کا جادو اور باطل ہونا ظاہر ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور جب انہوں نے قرآن مجید کو جادو کہا تو اس کے جملہ ارشادات مثلاً قیامت اور حساب و جزا وغیرہ کا انکار کر دیا اور گدھے سے بھی جاہل تر ہو گئے اور کفر جہل سے ہوتا ہے۔ "اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ" بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو خود گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کیا۔

فائدہ: ان کا یہ دعویٰ نہ صرف بُرا بلکہ تعجب خیز بھی ہے کیونکہ قرآن مجید معجزہ ہے اور ایسا کلام ہے جس کی نظیر کسی فرد بشر کے امکان میں نہیں جب انسانی امکان سے باہر ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کیسے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی منسوب کر سکتے ہیں۔

(مسئلہ) سحر و افتراء ہر دونوں کفر ہیں بالخصوص اللہ تعالیٰ پر افتراء سحر

سے اور زیادہ بُرا کفر ہے " قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ " فرمائیے اگر بالفرض والتقدیر میں اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا " فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا " تو تم میرے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب دفع کرنے کے مالک نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر بالفرض میں افتراء کروں تو وہ مجھے لازماً عذاب کرتا تو پھر میں اللہ تعالیٰ پر کس طرح افترا یا اپنے آپ کو عذاب کیلئے کیسے پیش کر سکتا ہوں کہ جس سے نجات ناممکن ہو " هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ " یہ " اَفَاضُوْا فِي الْحَدِيْثِ " سے ہے بمعنی " خاضوا فیه وشرعوا " یعنی جب وہ بات میں غور و خوض کریں اور اس میں شروع ہوں ۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے طعن علی القرآن اور تشنیع بالآیات کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کی چال کو بھی جانتا ہے کہ وہ قرآن و آیات کو کبھی جادو سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی افتراء سے " كَفٰى بِهٖ " اسے اللہ کافی ہے ۔ یہ باء صلہ کی ہے " شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ " میرے اور تمہارے درمیان گواہ کہ وہ میری تبلیغ حق اور صدق کی اور تمہارے جھوٹ اور جمود و انکار کی گواہی دے گا ۔ یہ قرآن پر طعن و تشنیع کی جزاء کی وعید ہے ۔ " وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ " اور وہ غفور رحیم ہے یعنی اس نے تائب و مومن کے لئے مغفرت و رحمت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ باوجودیکہ وہ بہت بڑی جرأت کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں بھیجتا تاکہ معلوم ہو کہ وہ بڑا حلم والا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ رویتِ حق سے اندھے اور سماعِ حق سے بہرے ہیں وہ اللہ والوں پر جادو وغیرہ کی تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی باتیں منگھڑت ہیں (جیسے وہابی مودودی کہتے ہیں) اور عام طور اولیاء اللہ پر طعن و تشنیع ان کا محبوب مشغلہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ سچے کو دنیا و آخرت میں بہترین جزاء بخشتا ہے اور جھوٹے کو دنیا اور آخرت میں رسوا اور سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے ۔

بہشت کی کنجی : حضرت بایزید قدس سرہٗ کو کسی نے کہا کہ بہشت کی کنجی " لا الٰہ الا اللہ " ہے ۔ آپ نے فرمایا کنجی کے لئے دندانے ضروری ہیں اور اس کے دندانے چار چیزیں ہیں ۔

(۱) زبان جھوٹ و بہتان اور غیبت سے دور ہو ۔

(۲) دل مکر و فریب اور خیانت سے صاف ہو ۔

(۳) پیٹ حرامخوری بلکہ مشتبہ طعام سے پاک ہو ۔

(۴) عمل خواہشِ نفسانی اور بدعتِ سیئہ سے خالی ہو ۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن کو انجاس و ارجاس سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے اور ہر وقت ان احکام کی پابندی لازمی جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔

کرامت و جادو کا فرق : جادو اور کرامت میں حد فاصل اتباع نبوی ہے۔ اسی لیے بزرگان اسلام نے فرمایا کہ جادو فساق اور زندیقوں اور ان کافروں سے صادر ہوتا ہے جو احکام شرعیہ و متابعت نبویہ سے کوسوں دور ہیں اور اولیاء کرام وہ ہیں جو متابعتِ نبوی اور احکام شرعی کی پابندی سے بہت بڑے مراتب کو پہنچتے ہیں۔

منکرِ اولیاء : اولیاء کرام کے منکر کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ ان کے برکات وفیوضات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے اور یہ اس پر ادنیٰ سزا ہے بلکہ منکرِ ولی کے خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ (نعوذ باللہ من سوء القضاء) ہم سوء قضاء سے پناہ مانگتے ہیں۔

اولیاء کی عقیدت بھی ولایت : حضرت ابوالقاسم سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولایت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ اولیاء کے علوم کی تصدیق کرے (بحمد اللہ ہم اہلسنت اولیاء کرام کے جملہ علوم و کمالات کے قائل ہیں اور محروم القسمت ہیں وہ ٹولیاں جو اولیاء کرام کے کمالات و کرامات کے انکار میں سرگرم ہیں)

(فائدہ) کافر قرآنی آیات کے براہین واضحہ کے باوجود کفر کے گھیرے میں ہیں تو پھر ان سے اولیاء کرام کے کمالات و کرامات ماننے کے لئے کیسے امید کی جاتی ہے۔ ہاں جسے اللہ توفیق بخشے وہ اس کی خوش قسمتی ہے۔

واعظ کے وعظ سے حصولِ ولایت : حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک واعظ کی تقریر سنی تو معمولی طور پر میرے دل پر اثر ہوا پھر دوبارہ سنی تو راستہ تک اس کا اثر رہا تیسرے بار سنی تو میرے دل میں گھر کر گئی پھر جا کر جملہ آلاتِ لہو و لعب توڑ ڈالے اور راہ خدا وندی میں گامزن ہو گیا۔

سبق : حضرت عارف واعظ شیخ یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ چڑیا نے شاہین کو پھنسا لیا یہاں پر چڑیا سے واعظ اور شاہین سے حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہٗ مراد ہیں۔

فائدہ : وعظ کا دروازہ ہر ایک پر کھلا ہے لیکن اس دل پر اثر انداز ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو یاد رہے کہ سب سے بہترین اور بڑا وعظ قرآن مجید ہے۔ حضرت مولانا

جامی قدس سرہ نے فرمایا

حق ازاں حبل خواند قرآں را
تا بگیری بدی لسان حبل آنرا
بدر آئی ز جاہ نفس وہوای
کنی آہنگ عالم بالا

ترجمہ: (۱) اللہ نے قرآن کو حبل (رسی) اسی لیے کہا ہے تاکہ تم اسے مضبوط پکڑ لو۔
(۲) تاکہ نفس و ہوا (خواہش) سے باہر آسکو اور عالم بالا کی طرف ارادہ کر سکو۔

تفسیر عالمانہ: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۔ حل لغات: بدع بالکسر بمعنی البدیع یعنی وہ شے جس کی پہلے کوئی مثل ہو۔

(شان نزول) کفار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد اور مکابرہ کے طور آیات عجیبہ اور مغیبات کے متعلق سوال کرتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ آپ انہیں فرمائیں کہ میں رسولوں میں سے کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور نہ ہی صرف میں انسانوں کا رسول نیا بنکر آیا ہوں، میرے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیشمار رسل کرام علیہم السلام بھیجے ہیں اور وہ سب کے سب اخلاص فی التوحید اور صدق فی العبودیت کی دعوت دیتے رہے اور میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق جمیلہ کا اتمام کروں اور ضروری نہیں کہ مجھے وہی حاصل ہو جو انہیں حاصل تھا یہاں تک جو کچھ تم مجھ سے مانگتے جاؤ میں دیتا جاؤں یا ان جملہ امور غیبیہ کی خبر دوں جن کے لئے تم سوال کرو اور مجھ سے پہلے رسل کرام بھی وہ معجزات و آیات لاتے جو اللہ تعالیٰ عطا کرتا اور وہ اپنی قوم کو انہی امور کی خبر دیتے جن کا انہیں وحی کے ذریعے علم دیا جاتا پھر تم میرے سے ایسے امور کا کیوں مطالبہ کرتے ہو جو میرے اللہ نے مجھے تاحال نہیں دیئے۔

"وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ" پہلا ما نافیہ ہے اور اس کی تاکید کے لئے ہے اور دوسرا **ما** استفہامیہ مرفوع بالابتداء ہے اس کی خبر "یفعل بی" ہے یہ بھی ہے کہ دوسرا ما موصولہ اَدْرِیْ کی وجہ سے منصوب ہے لیکن درایت سے بیزاری کا تقاضا مقتضی ہے کہ اس کا استفہامیہ ہونا موزوں ہے یعنی میں از خود نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور نہ ہی از خود مجھے معلوم ہے کہ انجام کیا ہوگا۔ نہ میں اپنے لیے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ

تمہارے لیے اس لیے کہ میرے سے پہلے انبیاء علیہم السلام امتحان و آزمائش میں دوچار ہوئے کسی کو ہجرت سے آزمایا گیا کسی کو قسم قسم کے فتنوں میں مبتلا کیا گیا ایسے ہی ان کی امتوں کا حال رہا کہ بعض کو زمین میں دھنسایا گیا بعض کو مسخ و قذف میں مبتلا کیا گیا کسی کو آندھیوں اور سخت آوازوں سے تباہ کیا گیا کسی کو پانی میں ڈبویا گیا وغیرہ وغیرہ۔

ازالۂ وہم وہابیہ دیوبندیہ عہ: یہاں پر اپنے اور اپنی امت سے علم کی نفی از مستقبل کا مقصد صرف یہی ہے کہ بالاستقلال و بالذات علم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ورنہ بالعطاء و التعلیم حضور علیہ السلام کو بہت سے علوم حاصل ہوئے۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے اس وہم کا ازالہ سینکڑوں سال پہلے فرما دیا۔ (کما قال)

(جواب[1]) فنفى عليه السلام علم ما يفعل به وبهم من هذه الوجوه وعلم من هو الغالب المنصور منه ومنهم ثم عرفه الله بوحيه اليه عاقبة امره و امرهم فامره بالهجرة ووعده العصمة من الناس وامره بالجهاد واخبر انه يظهر دينه على الاديان كلها ويسلط على اعدائه ويستأصلهم

"حضور علیہ السلام کے اپنے اور اپنی امت کے خاتمہ کی بے خبری کے وجوہ وہی ہیں جو مذکور ہوا اور اس علم کی نفی کہ غالب و منصور ان میں کون ہے یہ پہلے کی بات ہے ورنہ اللہ نے آپ کو وحی کے ذریعہ آپ کے اور آپ کی امت کے خاتمہ کی خبر دے دی مثلاً کہ آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپ کو ہر طرح کی حفاظت رہے گی اور آپ کو جہاد کا حکم ہوا اور اطلاع دی کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا اور آپ اعداء پر مسلط ہو کر انہیں جڑ سے کاٹ دیں گے۔"

(جواب[2]) دیگر اور جواب تحریر فرمایا جسے ہم وہابیہ دیوبندیہ کو سناتے ہیں تو نہیں مانتے۔ (کما قال)

وقيل يجوز ان يكون المنفي هي الدراية المفصلة اى وما ادرى ما يفعل بي ولا بكم في الدارين على التفصيل اذ لا علم لي بالغيب كان الاجمال معلوما

"بعض نے کہا کہ اس میں درایت کی نفی یعنی دارین میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا اس کی تفصیل اللہ کو معلوم ہے کیونکہ مجھے علم غیب نہیں اگرچہ اجمالی طور آپ کو معلوم تھا کہ اللہ

---

[1] روح البیان ص ۴۶۷ ج ۴ : عہ اس لیے کہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ نبی علیہ السلام کو نہ اپنے خاتمہ کا علم تھا نہ دوسروں کا ملاحظہ ہو تقویۃ الایمان اور براہین قاطعہ، اصل عبارات فقیر کی کتاب "التحقیق الکامل" میں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

فان جند الله هم الغالبون وان مصير الابرار الی النعیم و مصیر الکفار الی الجحیم - (روح البیان ص۴۶۷ ج ۸)

کا لشکر غالب رہے گا اور نیک لوگوں کا رجوع نعمتوں کی طرف یعنی بہشت میں اور کافروں کا رجوع دوزخ کی طرف ہے ۔"

(جواب ۴) وقال المولی ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ والاظہر والاوفق لماذکر من سبب النزول ان ماعبارۃ عما لیس فی علمہ من وظائف النبوۃ من الحوادث والواقعات الدنیویۃ دون ماسیقع فی الاٰخرۃ فان ذلک من وظائف النبوۃ وقد ورد بہ الوحی الناطق بتفاصیل مایفعل بالجانبین (ھذا) روح البیان ص۴۶۸ ج ۸

" مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زیادہ ظاہر اور زیادہ موافق وہی ہے جو سبب نزول میں مذکور ہے وہ یہ کہ یہ امور جو آیت میں مذکور ہیں وہ علوم نہیں جو نبوت سے متعلق ہوں اسی لیے بحثیت نبوت کے متعلقات کے میں نہیں جانتا کہ حوادث و واقعات کیسے واقع ہوں گے ہاں جو آخرت کے متعلق امور ہوں انہیں میں جانتا ہوں کہ وہ نبوت کے متعلقات سے ہیں کیونکہ بہت سے امور اپنے اور اپنی امت کے متعلق تفصیل کے ساتھ آپ نے معلوم کر لیے جبکہ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئے" (اسے اچھی طرح یاد کر لے)

(جواب ۵) از اویسی غفرلہٗ: جمل علی الجلالین و دیگر مفسرین نے لکھا کہ یہ آیت " انا فتحنا لک فتحا مبینا " سے منسوخ ہے اور منسوخہ آیات سے استدلال گمراہی ہے ۔

(جواب ۶) یہاں درایت کی نفی ہے درایت کی نفی سے علم کی نفی کرنا جہالت ہے اس لیے کہ درایت بمعنی اٹکل پچو اور اندازہ اور تخمینہ سے کسی شئے کو جاننا اور نبوّت کا علم تخمینہ اور اندازے سے نہیں ہوتا بلکہ وحی ربانی سے ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوتا ۔ (مزید تفصیل فقیر کی کتاب " غایۃ المأمول فی علم الرسول " میں دیکھیے ۔ اویسی غفرلہٗ

شان نزول اور ہجرت کا خواب: مروی ہے کہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ عنقریب ایسے علاقہ کو ہجرت کر کے تشریف لے جائیں گے جہاں کھجوروں کے باغات اور دیگر درخت بکثرت ہیں ۔ آپ نے یہی خواب اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے ۔ (رواہ الکلبی)

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی اگرچہ حب الوطن والی حدیث صحیح ہے لیکن سختی سے اسی وطن میں مرنا اور کہنا کہ چونکہ یہاں پیدا ہوں لہٰذا یہاں زندگی بسر کروں گا تو یہ خیال اچھا نہیں۔

فائدہ: اس خواب کے بعد عرصہ تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کے مطابق ہجرت کا حکم نہ پایا اور ادھر مشرکین کی سختیاں بڑھ رہی تھیں تو حضور علیہ السلام سے عرض کی آپ نے فرمایا وہ ایک خواب تھی اور خواب ہر فرد بشر دیکھتا ہے (کبھی صحیح کبھی غلط) وہ حکم مجھے وحی کے ذریعے تو نہیں ہوا تھا کہ میں تمہیں یقین سے کہوں کہ تم ہجرت کر جاؤ اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔ (وما ادری مایفعل بی)

ازالۂ وہم از اویسی غفرلہٗ: اس سے ثابت ہوا کہ ہمارا مسلک برحق ہے۔ اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر احکامات اور علوم و اختیارات کا نزول تدریجاً ہوا اس کی ایک دلیل یہی ہے کہ روایت مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ میرا خواب، وحی نہیں حالانکہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ نہ صرف حضور علیہ السلام کی خواب وحی ہے بلکہ ہر نبی علیہ السلام کے خواب کو وحی ماننا ضروری ہے بلکہ ہر مومن کے ہر سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا۔ (فافہم ولا تکن من الوھابیین)

آیت کا معنی: اب معنے یہ ہوا کہ مجھے از خود معلوم نہیں کہ مکہ معظمہ میں رہوں گا یا ہجرت کا حکم دیا جاؤں گا جیسا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔

فائدہ: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بکم کا خطاب اہل ایمان کو ہے لیکن ماقبل ومابعد کے مضامین سے یہ خطاب اہل ایمان کے لئے رد کرتے ہیں کیونکہ ماقبل ومابعد کے مضامین سے واضح ہے کہ یہ خطاب کفار کو ہے۔

رد بد مذہب: اس سے واضح ہوا کہ (اہل ہوا و بدعت) وہابیہ کا خیال غلط ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ والوں اور نیکوں کو تکالیف و مصائب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ (وہابیہ اہلسنت کو تعریضاً کہا کرتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اختیار اور علم غیب ہوتا تو وہ تکالیف و مصائب میں مبتلا نہ ہوتے) اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ عقلاً قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو مصیبت میں مبتلا کرے۔ یہ ان کا خیال اس لیے غلط ہے کہ اگر یہ قاعدہ صحیح مان لیا جائے تو سب سے بڑی شخصیت یعنی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ میں رسول ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضرور بخشے گا لیکن فرمایا کہ مجھے از خود معلوم نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا تاکہ

سب کا یہ عقیدہ مضبوط ہو کہ ہر حکم اسی کا ہے اور وہ اپنے بندوں سے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ آیۃ میں حضور علیہ السلام نے اپنے سے علم غیب (ذاتی) کی بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اے دل تا کے فضولی والبوالعجبی
از من چہ نشان عافیت می طلبی
سرگشتہ بود خواہ ولی خواہ نبی،
در وادئ ما ادری ما یفعل بی

ترجمہ: اے دل کب تک فضول اور ابوالعجب رہے گا اور مجھ سے کب تک عافیت کا مطالبہ کرتا رہے گا۔ ہر ایک وہ نبی ہو یا ولی "وما ادری ما یفعل بی" کی وادی میں حیران و سرگرداں ہے۔

"ان اتبع الا ما یوحیٰ الی" میں تو صرف اسی کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ہر فعل وحی کے تابع تھا اس کا یہ معنی نہیں کہ وحی نبی علیہ السلام کے تابع نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے۔ یہ کافروں کے اس سوال کا جواب ہے جو حضور علیہ السلام سے ایسے غیوب کے متعلق پوچھا کرتے جن کے متعلق آپ کے ہاں وحی کے ذریعے نازل نہیں ہوئے۔ بعض نے کہا کہ یہ مسلمانوں کے سوال کے جواب میں ہے جبکہ وہ مشرکوں کی اذیتوں اور تکلیفوں سے خلاصی کے متعلق جلدی کا سوال کرتے تھے لیکن پہلی تقریر "وما انا الا نذیر مبین" کے زیادہ موافق ہے یعنی میں نہیں ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا جیسے مجھے حکم ہوتا ہے اور میرا ڈرانا کھلا اور واضح ہے اور اس کی تائید میں معجزات باہرہ سے ہوتی ہے۔

(مسئلہ) اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت حضور علیہ السلام کے ہاتھ میں نہیں (یعنی اس کی تخلیق) بلکہ اس کی تخلیق صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے یا نہ دے۔

ازالۂ وہم: ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ کا علم غیب ذاتی ہے اور یہی اسی کے ساتھ خاص

ہے ہاں انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی عطاؤ اذن سے بذریعہ وحی و الہام حاصل ہوتا ہے چنانچہ یہی مسلک صدیوں پہلے صاحب روح البیان قدس سرہ نے بیان فرمایا۔

وان علم الغیوب بالذات مختص باللہ تعالیٰ واما اخبار الانبیاء والاولیاء (علیہ السلام) فبواسطۃ الوحی و الالہام وتعلیم اللہ سبحانہ ومن ھذا القبیل اخبارہ علیہ السلام عن اشراط الساعۃ ومایظھر فی اخر الزمان من غلبۃ البدع والھوی و اخبارہ عن حال بعض الناس۔

(روح البیان ص۲۶۸ ج۸ تحت آیت ھذا)

"ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ہاں انبیاء و اولیاء کا خبر دینا وہ بواسطہ وحی و الہام و تعلیم الٰہی سے حاصل ہوا اسی قبیل سے ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیامت کے آثار کی خبر دینا ایسے ہی جو زمانہ قرب قیامت میں امور واقع ہوں گے مثلاً بدعات (سیئہ) اور خواہشات نفسانیہ کا غلبہ ایسے ہی بعض لوگوں کے حالات بتانا۔"

علمِ غیب نبوی: فرمایا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دروازے میں جو سب سے پہلے داخل ہوگا وہ بہشتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تشریف لائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں بھی وہ عمل بتائیے جس سے آپ بہشت کے مستحق ہوئے اس لیے کہ آج حضور علیہ السلام نے آپ کے لئے ایسے فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو ایک کمزور بندہ ہوں۔ ہاں میری عادت ہے کہ میں دل میں کسی کا کینہ اور بغض نہیں رکھتا اور نہ ہی فضول امر کے درپے ہوتا ہوں۔

حکایت: سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک دن مجھے میرے ماموں حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کیجئے لیکن میں اپنے آپ کو اس منصب کا مستحق نہیں سمجھتا تھا اس لیے متامل ہوا۔ اس کے بعد شب جمعہ میں نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اور فرمایا کہ اے جنید (رضی اللہ عنہ) لوگوں کو وعظ و نصیحت کیجیے۔ اس پر میں بیدار ہو کر اپنے ماموں حضرت سری سقطی قدس سرہ کے ہاں حاضر ہوا تو فرمایا تو نے میری بات نہ مانی اب تو تجھے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلہٰذا لوگوں کو پند و وعظ کیجئے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے ایک مجلس میں وعظ کا آغاز

کیا تو میرے سامنے ایک نصرانی لڑکا کھڑا ہوگیا اس سے میں واقف بھی نہیں تھا، کہنے لگا کہ اے شیخ! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی "اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ" اہل ایمان کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' کا کیا مطلب ہے۔ میں نے اس کا سوال سنکر تھوڑا سا سر جھکا کر کہا کہ بچہ! کلمہ طیبہ پڑھیے اب تیرے اسلام لانے کا وقت ہے چنانچہ وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔

سبق: (یہ حضور علیہ السلام کے غلاموں اور امت کے اولیاء کا حال ہے) اور جنید و شبلی قدس سرہما جیسے اکابر اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے الہامات بکثرت ہوتے تھے (تو پھر ان کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توقف بلکہ فتوائے شرک کیوں)

تفسیر عالمانہ: "قل ارءیتم" اے میری قوم مجھے خبر دو "ان کان" اگر وہ جو میری طرف وحی کی گئی ہے وہ واقعی قرآن "من عند اللہ" اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو۔ نہ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ وہ جادو ہے یا حضور علیہ السلام کی منگھڑت باتیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ تو شعیب علیہ السلام کے قول "ولو کنا کارھین" کی طرح شک کے لئے نہیں بلکہ کلام کے صلات سے ہے "وکفرتم" حالانکہ تم نے اس کے ساتھ کفر کیا۔ یہ خبر سے حال ہے اور اس میں قد محذوف ہے۔ اجزائے شرط کے درمیان میں اس لیے لایا گیا ہے تاکہ ان کے کفر پر مہر ثبت ہو جائے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا عطف کان پر ہو جیسے "قل ارءیتم ان کان من عند اللہ ثم کفرتم بہ" میں کفرتم کا عطف کان پر ہے لیکن اس کی شرط کا وقوع وعدم وقوع یا عتبار معطوف علیہ کے حال کی وجہ سے ہے اس لیے ان کا کفر تو ان کے نزدیک متحقق تھا البتہ اس میں شک تھا کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے نزدیک متحقق ہے یا نہ۔ ایسی ہی "وشھد شاھد من بنی اسرائیل" اور آنے والے دونوں فعلوں کی تقریر ہوگی کہ یہ جملہ امور فی نفسہ تو متحقق ہیں لیکن تردد اس میں ہے کہ واقعی ان کی شہادت وایمان واستکبار اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں یا نہ "وشھد شاھد من بنی اسرائیل" اور بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان لوگوں نے گواہی دی۔ اس سے بنی اسرائیل کے وہ اشخاص مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شئون واسرار سے واقف اور انہیں تورات کے ذریعے علم تھا "علی مثلہ" قرآن کی مثل کہ جیسے اس میں معانی ہیں ایسے ہی تورات میں تھے یعنی اس کے علوم قرآن کے مطابق تھے جس طرح قرآن میں توحید اور وعد و وعید وغیرہ کا

بیان ہے ایسے ہی اس میں ہیں گویا تورات کے جملہ مضامین اسی میں ہیں جیسا کہ فرمایا " وانہ لفی زبر الاولین " بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ علی صلہ کے لئے ہے اب معنے یہ ہوا کہ گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے " فامن " فاء دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کے حق شناس لوگوں نے قرآن مجید کے نزول کے بعد فوراً قبول کرلیا جب انہیں محسوس ہوا کہ یہ وحی ربانی کی جنس سے ہے۔ یہ کسی فرد بشر کا کلام نہیں " واستکبرتم " اس کا عطف شہد شاہد پر ہے اور شرط کا جواب محذوف ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور بنی اسرائیل کے بڑے علماء نے نہ صرف اس کی گواہی دی بلکہ بلا تامل اس پر ایمان لائے اور تم نے اس سے انکار کیا اب بتاؤ تم سے اور کون گمراہ تر ہوگا ہم نے یہ ترجمہ دوسری آیت " قل ارءیتم ان کان من عند اللہ ثم کفرتم بہ من اضل ممن ھو فی شقاق بعید " کے مطابق کیا ہے۔ " اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ " بیشک اللہ ظالم قوم کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا یہاں پر ظالمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اقرار و تسلیم کے بجائے جمود و انکار کرتے ہیں اور انہیں ظلم سے موصوف کرنے میں ان کے حکم کی علت کا اظہار مطلوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت اس لیے نہیں دی کہ باوجودیکہ ایمان اسلام کے لئے ان کے ہاں واضح اور بین براہین موجود ہیں لیکن پھر بھی ظلم و عناد اور سرکشی پر ڈٹے رہے۔ پھر ایسے بدبختوں کو ہدایت دینے کا کیا فائدہ۔

(فائدہ) آیت میں اشارہ ہے کہ جب دعویٰ کی حقیقت پر شاہد عدل پایا جائے تو اس کے خلاف خصومت خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔

عبداللہ بن سلام کے اسلام کا واقعہ : یہاں پر شاہد سے حضرت عبداللہ بن سلام بن حارث رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ وہ اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کا پہلا نام حصین تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا (رضی اللہ عنہ) جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سنا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حاضر ہو کر آپ کے چہرۂ اقدس کو دیکھ کر کہا کہ " انہ لیس بوجہ کذاب " ایسا چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ پھر عرض کی میں آپ سے ایسے تین سوال عرض کرتا ہوں جنہیں صرف نبی علیہ السلام جان سکتا ہے۔

(۱) قیامت کے قیام کی پہلی نشانی کیا ہے۔
(۲) اہل جنت کا سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا۔
(۳) شکل وصورت میں اولاد باپ کی طرف مائل ہوتی ہے یا ماں کی طرف۔
آپ نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک لائیگی۔ اور بہشت میں سب سے پہلا کھانا مچھلی کا جگر ہوگا اور تیسرے سوال کا حل یہ ہے کہ جماع کے وقت اگر باپ کا پانی سبقت کرتا ہے تو شکل وصورت میں باپ کی طرح ورنہ ماں کی طرح۔
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی کہا " اشهد انك رسول الله حقا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بعد کھڑے ہوگئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے خود کو آپ سے سوالات کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن میری یہودی قوم بیوقوف ہے اگر انہیں میرا اسلام لانا معلوم ہوجاتا اور سنتے کہ میں نے آپ سے سوالات کئے بغیر اسلام قبول کیا ہے تو مجھے بیوقوف کہہ کر آپ کے سامنے میری حقارت بیان کرتے۔ پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پچاس یہودی حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے میں عبداللہ بن سلام کیسے ہیں، کہا بہت اچھے ہیں اور وہ ہمارے سردار ہیں اور ان کے والد بھی ہمارے میں بہت بڑے عالم ہیں اور ان کے والد بھی۔ آپ نے فرمایا اگر وہ اسلام قبول کریں تو تم مان جاؤ گے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں اسلام قبول کرنے سے پناہ دے یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام ان کے ہاں تشریف لائے اور کہا: " اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) یہودیوں نے سن کر کہا کہ عبداللہ بدترین انسان ہے اور اس کا باپ بھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ ان سے مجھے اسی بات کا خطرہ تھا جسے آپ نے ان سے سنا۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے فضائل:-

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کے متعلق نہیں سنا تھا کہ فرمایا ہو کہ فلاں بہشتی ہے سوائے عبداللہ بن سلام کے اور "شهد شاهد من بني اسرائيل" بھی انہی کے حق میں نازل ہوئی۔
(سوال) حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا " وشهد شاهد من بني اسرائيل الخ حضرت عبداللہ بن سلام کے حق میں نازل نہیں ہوئی اس لیے کہ وہ سورتیں جن

میں ختم واقع ہے وہ تمام مکیہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں مسلمان ہوئے۔

(جواب) یہ ضروری نہیں کہ سورہ مکیہ ہو تو اس کی تمام آیات مدنیہ ہوں۔ (اس قاعدہ کی تفصیل ہم نے احسن البیان حصہ اول میں بیان کر دی ہے منجملہ ان کے یہی آیت ہے کہ مدنیہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکیہ سورت میں رکھا گیا ہے۔ (کذا قال الکلبی)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں توفیق عام کی طرف اشارہ ہے اور توفیق عام ایمان باللہ وایمان برسول اللہ وماجاء بہ مراد ہے اور توفیق خاص سے ان اعمال کی توفیق مراد ہے جو شرعاً مندوب ہیں۔ فرائض ہوں یا نوافل۔ اعمال و مجاہدات و ریاضات سے تصفیہ قلب اور اخلاق الٰہیہ کے ساتھ متخلق ہونا اور وصول الی اللہ لوم الذریہ مقصود ہوتا ہے۔ اور ایمان باللہ و بالانبیاء والاولیاء اصل الاصول ہے۔ جیسے انکار و استکبار حرمان و خذلان کا موجب ہیں اور اولیاء کے منکرین کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ ان کے برکات سے محروم ہوں۔

فائدہ: حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو قلب اللہ تعالیٰ سے اعراض سے مانوس ہو تو اسے بیشمار خرابیاں گھیر لیتی ہیں ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

ترجمہ۔ جب خدا کسی کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہے تو اسکا میلان طبع اولیاء پر طعن زنی کا کر دیتا ہے۔

رد وہابیہ: حضرت عارف شاہ شجاع کرمانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی محبت سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مقام محبت اور رضائے الٰہی کی اسے ہدایت بخشتا ہے۔ جس کے لئے چاہتا ہے لیکن ظالمین معاندین کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا کیونکہ ان کے ازل سے تالے بند ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ○ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ
اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○
وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ
وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ○ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ
وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي
النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ○ ع

ترجمہ: "اور کافروں نے مسلمانوں کو کہا اگر اس میں کچھ بھلائی ہوتی تو یہ ہم سے آگے اس
تک نہ پہنچ جاتے اور جب انہیں اس کی ہدایت نہ ہوئی تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا بہتان ہے۔
اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور مہربانی اور یہ کتاب ہے تصدیق فرماتی عربی زبان
میں کہ ظالموں کو ڈر سنائے اور نیکوں کو بشارت، بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب
اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے نہ اُن پر خوف نہ ان کو غم وہ جنت والے ہیں ہمیشہ اس میں
رہیں گے ان کے اعمال کا انعام، اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے
اس کی ماں نے اُسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے
پھرنا اور اُس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور
چالیس برس کا ہوا عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر
کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے اور
میرے لیے میری اولاد میں صلاح رکھ میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں یہ ہیں وہ

جن کی نیکیاں ہم قبول فرمائیں گے اور ان کی تقصیروں سے درگذر فرمائیں گے، جنّت والوں میں سچا وعدہ جو انہیں دیا جاتا تھا اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف تم سے دل پک گیا کیا مجھے وعدہ دیتے ہو کہ پھر زندہ کیا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے سنگتیں گذر چکیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیری خرابی ہو ایمان لا بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہتا ہے یہ تو نہیں مگر اگلوں کی کہانیاں یہ وہ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی اُن گروہوں میں جو ان سے پہلے گذرے جن اور آدمی بے شک وہ زیاں کار تھے اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے عمل کے درجے ہیں اور تاکہ اللہ ان کے کام انہیں پورے بھر دے ان پر ظلم نہ ہوگا اور جس دن کافر آگ پر پیش کیے جائیں گے ان سے فرمایا جائے گا تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں برت چکے تو آج تمہیں ذلّت کا عذاب بدلہ دیا جائے گا سزا اس کی کہ تم زمین میں ناحق تکبّر کرتے تھے اور سزا اس کی کہ حکم عدولی کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ: ”وقال الذین کفروا“ اور ان کفار مکّہ نے کہا بطور استکبار و انکار میں کامل ہیں ”للذین آمنوا“ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے، یہ کلام بالمشافہ اور خطاب کے طور نہیں ہوا تھا ورنہ ”ماسبقونا“ نہ کہتے ”لوکان“ اگر ہوتا وہ جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لائے ہیں قرآن یا احکام ”خیرًا“ بہتر! در حق ”ماسبقونا الیہ“ تو یہ لوگ اس کی طرف ہمارے سے سبقت نہ کر جاتے اس لیے کہ اعلیٰ و اولیٰ امور رذیل ترین لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتے اور یہ لوگ تو بہت گرے ہوئے ہیں اور فقراء بلکہ غلام ہیں۔ اس مرتبہ میں سبقت کے مستحق صرف ہم ہی ہیں کیونکہ ہمارے ہاں زر بکثرت اور بزرگی اور شہرت ہمیں حاصل ہے۔ ان بیوقوفوں کا خیال تھا کہ دینی مراتب عہدے بھی دنیوی اسباب سے حاصل ہوتے ہیں یہ ان کی سخت غلطی تھی کیونکہ مراتب دینی کا دار و مدار کمالات نفسانیہ و ملکات روحانیہ پر ہے اور یہ مراتب دنیا کے نقش و نگار سے روگردانی اور آخرت کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے سے حاصل ہوتے ہیں جیسے ایسے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ وہ آخرت کے جملہ عہدے و مراتب پر فائز ہو جاتا ہے اور جو ان سے محروم رہا اسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایسے مراتب و مقامات فضلِ الٰہی سے

نصیب ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں جو ان اسباب و علل کو پا لیتا ہے تو وہ بھی عطائے الٰہی سے ہوتا ہے، انسان کی اپنی ذاتی قابلیت کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ "و اذ لم یھتدوا بہ" یہ ظرف ایک محذوف فعل کے ساتھ متعلق ہے جیساکہ ماقبل اور مابعد کا ترتیب دلالت کرتا ہے۔ یہ فسیقولون کے متعلق نہیں اس لیے کہ یہ فعل مستقبل ہے اور لفظ اذ ماضی کے لئے آتا ہے اور اس وقت انہوں نے قرآن سے ہدایت نہ پائی جیسے اہل ایمان کو ہدایت نصیب ہوئی۔ پھر انہوں نے کہا جو کہنا تھا "فسیقولون" صرف اہل ایمان سے اپنے افضل ہونے کے دعویٰ پر اکتفا نہ کیا بلکہ کچھ اور بھی کہیں گے "ھذا" یہ قرآن "افک قدیم" یہ منگھڑت اور پرانی باتیں ہیں یہ ایسے ہے جیسے دیگر اوقات میں کہا "اساطیر الاولین" یعنی یہ جھوٹا کلام بہت پرانے زمانے کا کہا ہوا ہے یعنی اس طرح کی باتیں پہلے لوگ بھی کہہ گئے ہیں حالانکہ وہ قرآن مجید کی روح سے جاہل اور اس کے اسرار و رموز سے بے خبر تھے اور قاعدہ ہے کہ لوگ جن امور سے بے خبر ہوتے ہیں، ان کے دشمن ہو جاتے ہیں ؎

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نبیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چوں شخص آدمیت
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیت

ترجمہ: قرآن کے ظاہر کو تم اے بیٹے نہ دیکھو آدم کو صرف گارہ دیکھتا ہے۔
قرآن کا ظاہر آدمیت کی طرح ہے کہ اس کے نقوش ظاہر اس کی جان پوشیدہ ہے۔

(قاعدہ) جس کا منہ کڑوا ہو وہ ٹھنڈے میٹھے پانی کا ذوق اور لذت محسوس نہیں کرتا۔

سبق: جسے حق بات سمجھ نہ آئے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر طعن و تشنیع کے بجائے خاموشی اختیار کرے اس لیے کہ حق کی کنہ میں ادراک عاجز ہے اگر کوئی اس کی کنہ میں تجسس کرتا ہے وہ گمراہ اور جاہل ہے ہاں اس راہ رو سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ "لو کان خیرا ما سبقونا الخ کفار کا کہنا نفس کے مکر اور دھوکہ کی وجہ سے تھا تاکہ وہ ظاہر کر سکیں کہ ہم نے حق کو کیوں قبول نہ کیا وہ اس لیے کہ وہ حق قبول کرنے سے معذور تھے اس لیے کہ وہ حق نہیں تھا بلکہ (معاذ اللہ) باطل

تھا اور اس کے بطلان پر انہوں نے اپنی ایک غلط دلیل بھی قائم کردی حالانکہ وہ بدقسمت اس کے لائق نہیں تھے کیونکہ نہ ہی ایمان کا ذوق تھا اور نہ قرآن کا اور نہ ہی وہ مواہب ربانیہ کے مستحق تھے اسی لیے فرمایا "فسیقولون ھٰذا افك قدیم"

فائدہ: بعض فقہاء نے فرمایا کہ ہم جب کسی سے کرامت دیکھ کر کہہ دیں کہ یہ قضیہ اتفاقیہ ہے تو یہ ہمارے دماغ کی کمی ہے جب ہماری یہ حالت ہے تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جن کے دلوں پر ہزاروں پردے حائل تھے اسی لیے انہوں نے سخت تر اور بُری طرح اپنی جہالت کا اظہار کیا۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) گُلے کہ بہر کلیم از درخت طور شگفت
توقع از خس و خاشاک میکنی حاشاک

ترجمہ: (۱) وہ گل جو کلیم (علیہ السلام) کیلئے طور کے درخت سے پھوٹے۔ تو پھر توقع خس و خاشاک کی کرتا ہے تجھپر افسوس ہے۔ اور فرمایا ؎

(۲) مسکیں فقیہ میکند انکار حسن دوست
با او بگو کہ دیدۂ جانرا اجلی کند

ترجمہ: (۲) مسکین فقیہ (زاہد خشک) حسن دوست کا انکار کرتا ہے اسے کہو کہ وہ جان کی آنکھوں کو روشن کرے۔

تفسیر عالمانہ: "ومن قبلہ کتاب موسٰی" موسٰی علیہ السلام کی کتاب قرآن مجید سے پہلے تھی۔ کتاب موسٰی مبتدا اور من قبلہ اس کی خبر ہے یہ یہود کے قول "ھذا افك قدیم" کا رد و ابطال ہے کیونکہ قرآن کتاب موسٰی کی تصدیق اور اس کی حقیت کو ثابت کرنے والا ہے یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے جب ان کے وہ اہل علم اسلام قبول کر چکے جنہیں وہ اپنے جملہ دینی و دنیوی معاملات میں اپنا فیصل مانتے بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلومات کے متعلق انہی کا اعتبار کرتے اور یہ قرآن مجید ان کی بلکہ جملہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرتا ہے تو پھر انکار کیوں۔ "اماما" یہ کتاب موسٰی سے حال ہے۔ امام سے وہ شخص مراد ہے جس کی دینی امور میں اقتدا کی جائے "ورحمۃ" اور اہل ایمان اور جو اس کے موجب عمل کرتا ہے کے لئے رحمت "وھذا" اور یہ جس کے لئے یہودی بکواس کرتے ہیں "کتاب" عظیم الشان کتاب ہے "مصدق" اس کتاب موسٰی (علیہ السلام) کی کتاب کی تصدیق

کرنے والی ہے جو امام و رحمت ہے یا جملہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں "لسانا عربیا" یہ مصدق کی ضمیر سے حال ہے اور ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے یعنی یہ وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے اس لیے کہ یہ عرب والوں کے ہاں نازل ہوئی ہے "لینذر الذین ظلموا" یہ مصدق سے حال ہے۔ اس کی ضمیر کتاب یا اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے تاکہ ڈر سنائے ظالموں کو "وبشریٰ للمحسنین" اور محسنین کے لئے خوشخبری سنانے والی (کتاب) ہے۔ یہ محلاً منصوب اس کا عطف لینذر محل پر ہے کیونکہ یہ انذار و تبشیر کا مفعول لہ ہے، ظالمین سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں کیونکہ انہوں نے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو اللہ کے بیٹے کہا اور انہوں نے حضور علیہ السلام کی تورات و انجیل میں درج شدہ نعت کو بدلا اور اپنی کتابوں کی تحریف کی اسی معنے پر حضور علیہ السلام ان کے لئے نذیر اور ان اہل ایمان کے لئے بشیر مبعوث ہوئے جو جملہ انبیاء علیہم السلام کو مانتے اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا گئے اور دین قویم پر ثابت قدم رہے اور "انذار" (ڈرانا) دوزخ اور ابدی ہجر و فراق سے تھا اور خوشخبری بہشت اور وصال سرمدی کے لئے اسی لیے یہاں ایسے لوگوں کو محسنین سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ احسان اس عبادت کو کہا جاتا ہے جو مشاہدہ کے طور ہو اور قاعدہ ہے کہ جسے مشاہدہ حاصل ہو تو واصل ہو جاتا ہے ایسے ہی بالعکس یعنی واصل کو مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ ہم اللہ کا فضل چاہتے ہیں۔

(حکایت) کسی نیک آدمی (ولی اللہ) کا بھائی فوت ہوا تو خواب میں دیکھ کر اس سے پوچھا کہ کیا گذری، اس نے کہا بہشت میں داخل ہوں اور کھانے پینے کی فراوانی ہے اور جہاں چاہتا ہوں جاتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا میرا یہ مقصد نہیں بلکہ یہ بتائیے کہ دیدارِ الٰہی ہوا یا نہ۔ اس نے کہا کہ دیدار نہیں ہوا اس لیے کہ جس نے اسے دنیا میں نہیں پہچانا وہ آخرت میں اس کے دیدار سے محروم کیا جاتا ہے۔ اس خواب سے بیداری کے بعد وہ نیک بخت حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کے ہاں حاضر ہو کر ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا یہاں تک کہ مقام ولایت پایا یاد رہے کہ مرتبۂ ولایت کشف و شہود کے طریق سے حاصل ہوتا ہے۔ دلائل و براہین عقلیہ سے نہیں اور عرفانِ الٰہی کا دوسرا نام ولایت ہے۔

سید میر شریف کی کہانی: حضرت سید میر شریف نے فرمایا کہ جب تک مجھے شیخ زین الدین

کلالہ (جو کہ شیراز کے مشائخ سے تھے) کی صحبت نصیب نہ ہوئی میں نے ترکِ دنیا نہ کیا اور جب شیخ فرید الدین عطار کی صحبت نصیب ہوئی تو معرفت حق حاصل ہوئی۔

سلوک : عاقل پر لازم ہے کہ وہ طریق حق کے لئے اتنا جد و جہد کرے کہ اسے شہود حق کی سعادت نصیب ہو جائے اور اہل بشریٰ میں اس کا شمار ہو۔ یہی مخلصین اور عباد اللہ صالحین کا طریقہ ہے۔

تفسیر عالمانہ : "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" بیشک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت ہوئے یعنی جنہوں نے توحید جو کہ علم کا خلاصہ ہے اور **استقامت** امورِ دین جو عمل کا منتہیٰ ہے کو جمع کیا "ثم" رتبۂ عمل پر دلالت کرتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ہدایت توحید پر موقوف ہے۔ اور ابن طاہر نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابق اقرار بالتوحید پر ثابت قدم ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی منعم نہیں اور کسی حال میں اس کے سوا کسی کا شکر نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے غیر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور استقامت کے اسی معنے پر ثابت اور قائم ہیں۔ "فلا خوف علیہم" انہیں تکالیف وغیرہ پہنچنے کا کوئی خوف نہیں "ولا ھم یحزنون" اور نہ ہی وہ اپنی محبوب شے کی گمشدگی سے محزون ہونگے اور اس سے دائمی غم اور حزن کا فوات مراد ہے۔ "اولٰئک" وہی لوگ جن کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے اس سے ان کی وہی دو بڑی وصفیں مراد ہیں۔ "اصحٰب الجنة" بہشتی ہیں یعنی وہ ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔ "خٰلدین فیہا" یہ اصحاب کی ضمیر مستتر سے حال ہے "جزاء" یا عامل کا مقدر یعنی یجزون سے بوجہ مفعول مطلق ہونے کے منصوب ہے یا معنی متقدم کی وجہ سے اس لیئے کہ اصحٰب الجنة "جازینا ھم" کے معنے میں ہے "بما کانوا یعملون" یہ جزاء انہیں ان حسنات علمیہ و عملیہ کی وجہ سے ہے جو دنیا میں کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ دلوں میں ایمان کی استقامت کے بعد کہتے ہیں ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ارکان شریعت پر ان کا ہر عضو پختہ کار ہے اور آداب طریقہ پر اچھے اخلاق سے نفوس کا تزکیہ کرنے میں استقامت رکھتے ہیں اور قلوب کے اوصاف درست

کرنے کے تصفیہ پر مداومت کرتے ہیں اور اخلاق حق کے ساتھ متخلق ہوکر ارواح کو منجلی کرنے میں استقامت سے کام لے کر کہتے ہیں ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور ہم اس کے ساتھ ایمان لانے میں مستقیم ہیں اور نفوس سے ارکان ادا کرتے ہیں اور قلوب کے ساتھ یقین رکھتے ہیں اور اسرار کے ساتھ اس کے عرفان میں ہیں اور ارواح کے ساتھ احسان میں ہیں اور اخفاء کے ساتھ عیان میں ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ اپنی انانیت سے فنا میں ہیں اور اس کی ہیئت کے ساتھ بقاء میں ہیں انہیں انقطاع کا کوئی خوف نہیں اور حظ الدارین کی کسی شئے کے فوت ہونے سے غمگین نہیں ہوں گے وہی لوگ جنت الوحدۃ میں باقی رہنے والے اور اسی میں اثنینیت سے امن والے ہیں یہ ان کی استقامت علی الاعمال مع الاقوال کی جزا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل مدعی وکذابی

ترجمہ: اگر تم تمام علوم کے عالم ہو۔ اگر بے عمل ہو تو تم صرف مدعی اور کذاب ہو۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا ع

کرامت نیابی مگر از استقامت

ترجمہ: کرامت استقامت سے پاؤ گے۔

ولی کامل کی شان: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب انسان کمال کو پہنچتا ہے تو اس پر ذمہ داری کا اضافہ ہو جاتا ہے لیکن برکات الہیہ کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اس کے لیے املاک و افلاک سماوات و ارضین کے علاوہ دریا کی مچھلیاں اور جنگلات کے وحشی اور درختوں کے پتے استغفار کرتے ہیں۔

عالم بے عمل: مشائخ فرماتے ہیں اس جاہل پر حیف جس نے علم حاصل نہ کیا اور ہزار حیف اس عالم پر جس نے عمل نہ کیا۔

خصوصیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو اٹھ کر نماز کی ادائیگی یعنی تہجد مجھ پر فرض ہے اور تم پر یہ نماز فرض نہیں۔

وہ بھی اس لیے ہے کہ آپ چونکہ کل کائنات سے اکمل و مکمل ترین تھے اور ابھی ہم نے کہا کہ جتنا اللہ تعالیٰ کے ہاں کمال حاصل ہوتا ہے اتنا قدر طاعت میں مشقت اور تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے۔

سبق : انسان پر عبودیت اور اس پر استقامت لازمی ہے۔

حکایت : پیر ابو علی سیادہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر مرنے کے بعد تم سے پوچھا جائے کہ بہشت چاہتے ہو یا دو رکعت تو بہشت کے بجائے دو رکعت کو ترجیح لازم ہے اس لیے کہ بہشت انسان کی خواہش سے عطا ہوگی لیکن دوگانہ صرف ذات حق تعالیٰ کا حق ہے اس لیے کہ جس میں تمہارے نفس کا فائدہ ہو اس میں باطنی طور مراتب و کمالات کا نقصان ہوگا لیکن جس میں اللہ تعالیٰ کے حق کا تعلق ہوگا وہ ہر قسم کی کمی سے منزہ اور پاک بلکہ اس میں ہزاروں مراتب اور کمالات نصیب ہوں گے۔

واقعہ خضر و موسیٰ علیہما السلام کا ایک نکتہ

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے دو سوال ایسے کیے جو مخلوق (یعنی ایک لڑکے کے قتل کرنے، دوسرا کشتی توڑنے کے متعلق تھا تو میں خاموش رہا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے تیسرا ایسا سوال کیا جو نفسانیت سے متعلق تھا چنانچہ دیوار کی تکمیل کے بعد کہا "لوشئت لاتخذت علیہ اجرًا" اس پر مجھ سے رہا نہ گیا اسی لیے میں کہہ دیا "ھذا فراق بینی وبینک"۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ ایسے عمل کے درپے نہ ہو جس میں نفسانیت کو دخل ہو یا زینت دنیا وغیرہ کو عبادت میں خلل ڈالنے کا خطرہ ہو۔

(حکایت ابدال) منقول ہے کہ ابدال کی جماعت ہوا پر اڑتی ہوئی جا رہی تھی ان میں کسی ایک کو ایک ایسی جگہ پسند آئی جو نہایت خوشنما اور سرسبز شاداب تھی اور پانی نہایت صاف شفاف۔ دل میں خیال آیا کہ کاش میں اسی جگہ پر ہوتا اور وضو کر کے نماز پڑھتا اسی اثنا میں وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے دوسرے ساتھی وہاں سے چلے گئے اور وہ ان سے مہجور اور دور رہ گیا۔

سبق : اس حکایت سے سبق حاصل کیجئے اگر تمہیں کچھ سمجھ ہے جاننا چاہیئے کہ ترک تدبیر و شہود تقدیر کا نام عبودیت ہے۔ اس مضمون کے بقایا ابحاث حٰمٓ السجدہ میں

---

[1] اگر تم چاہتے تو مزدوری لے لیتے ۱۲، [2] یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے۔

مذکور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ارباب استقامت اور اصحاب دار مقامہ سے بنائے وہی صاحب فضل و عطا ہے۔ دنیا ہو یا آخرت وہی صاحب ہر ایک پر فضل و عطاء فرمانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: " ووصینا الانسان" اور ہم نے انسان سے عہد لیا کہ وہ احسان کرے " بوالدیہ احسانا" اپنے ماں باپ سے، یہاں پر فعل محذوف کر کے مصدر پر اکتفا کیا گیا ہے جیسا کہ فعل محذوف پر " حملتہ امہ الخ دلالت کرتا ہے اسے ماں نے اٹھایا **الام یعنی ماں الاب کے مقابل** آتی ہے۔ دراصل اس عورت کو کہتے ہیں جو بچہ جنے۔ اس بچہ کے لئے عورت ام (ماں) کہلائے گی یہ دو قسم ہے قریبہ و بعیدہ۔ قریبہ وہی جس سے وہ پیدا ہوا اور بعیدہ جس نے اس کی ماں کو جنا اسی طرح اس کے آگے یہاں تک کہ بی بی حوا کو بھی اُمّ کہا جاتا ہے اگرچہ ان کے اور ہمارے درمیان ہزاروں وسائط ہیں۔ ایسے ہی ہر شے اصلی اور تربیت کنندہ اور مُصلح اور مُبدع کو ام سے تعبیر کیا جاتا ہے " کرھا" یہ حملتہ کے فاعل سے حال ہے یعنی ماں نے اسے اٹھایا درانحالیکہ وہ مشقت والی تھی کرُہٌ بمعنی مشقت و صعوبت ہے اس سے عورت کا وہ زمانہ مراد ہے جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے۔ وہ زمانہ مراد نہیں جو بچہ جننے کے بعد اٹھاتی ہے کیونکہ اس سے اسے اتنا مشقت و صعوبت نہیں ہوتی جتنا بوقت حمل ہوتی ہے ایسے ہی " ووضعتہ" کو سمجھیے اور جب اس نے اسے جنا " کرھا" درانحالیکہ وہ مشقت و صعوبت والی تھی، اس سے انتہائے شدت مراد ہے جیسے حدیث شریف میں ہے" اشتدی ازمۃ تنفرجی" یہ جملہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کے لئے فرمایا جس کا نام ازمہ تھا اور وہ دردِ زہ میں مبتلا تھی، آپ نے فرمایا" اے ازمہ صبر کر یہاں تک عنقریب وضع حمل سے تو چھٹکارا پا جائے گی (کذا فی المقاصد الحسنہ) " وحملہ" اور بچے کی پیٹ میں حمل کی مدت " وفصالہ" اور دودھ چھڑانے کی مدت " فصال" سے دودھ چھڑانا مراد ہے یہ " الفطام" کے معنے میں ہے اہل عرب فطم الولد اس وقت بولتے ہیں جو دودھ پیتے چھوڑ دے، اس سے بچے کے دودھ پینے کی وہ مدت مراد ہے جہاں اس کا دودھ پیتے وقت ختم ہو اس معنے پر فصالا کہہ کر رضاع تام مراد لینا مجاز مرسل ہوگا اس لیے کہ ایک کی انتہاء دوسرے پر موقوف ہے جیسے امد بول کر مدت مراد

لی جاتی ہے جیساکہ کسی نے کہا ہے

کل حی مستکمل مدۃ العمر
ومردی اذا انتھی امدہ

ترجمہ: ہر زندہ اپنی عمر کی مدت کو مکمل کرے گا اور مرے گا اس وقت جب اس کی مدت ختم ہو گی۔

اس عبارت میں مردی بمعنیٰ ہالک ہے اور امد سے مدت عمر کی انتہا مراد ہے اس قاعدہ کی نظیر عرب کا مشہور قاعدہ ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "**من** الابتداء **الغایۃ** اور الی لانتہاء الغایۃ" جیسے یہاں غایۃ سے مدت مراد ہے ایسے ہی فصال سے رضاع کی انتہائی مدت مراد ہے "ثلاثون شھرا" تیس ماہ یعنی عورت بچے کی خاطر تیس ماہ مشقت و تکالیف برداشت کرتی ہے۔

تحقیق شہر: وہ مدت معروفہ جو چاند کی پہلی تاریخ سے شروع ہو کر دوسرے چاند کے آغاز تک ہوتی ہے اسے شہر (مہینہ) کہا جاتا ہے یا یوں کہو کہ سورج کے ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک پہنچنے کے بارہ اجزاء کے ایک جز کا نام شہر ہے چونکہ یہ مشہور معاملہ ہے اسی شہرت کی بنا پر اسے شہر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دلیل احناف: آیت احناف کی دلیل ہے جبکہ وہ فرماتے ہیں کہ حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے اس لیے کہ دوسری آیت میں رضاع کی مدت کو دو سال متعین فرمایا کما قال "حولین کاملین لمن اراد ان یتم رضاعہ" جب دو سال رضاع کے کٹ گئے تو حمل کے لئے لازماً چھ ماہ رہے۔ اطباء بھی ایسے ہی کہتے ہیں جس سے احناف کا استدلال اور پختہ ہو جاتا ہے۔

(مسئلہ) فقہاء کرام نے لکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رضاع کی مدت دو سال چھ ماہ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال ہے۔

(فائدہ خلافیہ) یہ اختلاف مبنی بر حرمت رضاع ہے ورنہ اجرت رضاع میں کوئی اختلاف ہے جبکہ اس کے لئے دو سال متعین ہیں۔

استدلال صاحبین رضی اللہ عنہما کی تقریر: صاحبین اپنے دعوی کو آیت "و

الوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین" سے ثابت کرتے ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استدلال کی تقریر: سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے "وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا" سے استدلال فرمایا ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ باری تعالیٰ نے یہاں پر دو چیزوں (۱۔ حمل ۲۔ فصال) کو ذکر فرمایا ہے اور ہر دونوں کی مدت کو یکجا دو سال چھ ماہ بتایا اور یہ مدت مشترکہ تو ہو نہیں سکتی بلکہ مکمل طور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ مدت سمجھی جائے گی مثلاً کوئی شخص اپنے دو قرضخواہوں کو چار ماہ (مثلاً) تک قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا تو دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مستقل طور چار ماہ ادائیگی قرض کی مدت متصور ہوگی ایسا نہیں کہ ان دونوں پر اس مدت کو تقسیم کیا جائے گا' ایسے ہی یہاں ہوگا۔ مدت حمل مقرر ہو چکی ہے جیسا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حمل ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ مدت تک نہیں رہ سکتا اگرچہ مغزل کے سایہ کے برابر بھی اس سے معمولی مدت مراد ہے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول سماعاً ہوگا کیونکہ ایسی باتیں از خود نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ ایسے امور کی حدبندی عقل و رائے سے نہیں کی جا سکتی اسی لیے دودھ چھڑانے کی مدت اپنے حال پر باقی رہ جائے گی " یرضعن اولادھن حولین کاملین" کو اجرت رضاع کے استحقاق پر محمول کیا جائے گا بایں معنیٰ کہ عورت دودھ پلائے تو دو سال تک اجرت کی مستحق ہے اس کے بعد اگرچہ دودھ پلائے تو اجرت کا کوئی استحقاق نہیں رکھتی۔

(فائدہ) دودھ پلانے کی مدت قمریہ مہینوں سے شمار ہوگی جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے شمسیہ مہینوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (ہمارے دور میں انگریزی مہینوں پر معاملات طے کیے جاتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔) (اویسی)

فائدہ: عین المعانی میں لکھا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے اس لیے دودھ پلانے کے لئے دو سال باقی رہ جاتے ہیں یہی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس حمل سے حمل علی الید مراد ہے اگر اس سے حمل البطن مراد ہو تو اقل مدت میں اکثر کا ذکر ضمناً ہو جاتا ہے۔

(فائدہ) بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں حمل کی اقل اور رضاع کی اکثر مدت بتانے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ رضاع و حمل کو منضبط اور نسب و رضاع کو مرتبط کیا جا سکے مثلاً کوئی عورت تزوج کے بعد چھ ماہ تک بچہ جنے تو اس سے لڑکے کا نسب ناکح کے لئے ثابت ہو جائے گا۔

جیساکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں ہوا کہ آپ نے وہ لڑکا ناکح کو دے دیا اگر بچہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو تو وہ لڑکا ناکح کے لئے ثابت نہیں کیا جائے گا۔
(مسئلہ) جس بچے نے مدت رضاع میں پستان منہ میں لے کر دودھ چوسا تو رضاع ثابت ہو جائے گا وہ عورت اس بچے کی ماں ہو جائے گی۔
(مسئلہ) الحقائق میں ہے کہ مدت رضاع کے متعلق صاحبین رضی اللہ عنہما کے قول پر فتویٰ ہے۔
(مسئلہ) فتح الرحمٰن میں ہے کہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ ادنیٰ مدت حمل چھ ماہ ہے لیکن اکثر مدت کے متعلق اختلاف ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے دو سال مقرر فرمائی اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے پانچ سال مشہور ہیں، ان کی ایک روایت میں چار ایک روایت میں سات سال منقول ہیں اور امام شافعی و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک چار سال ویسے عموماً بچہ ماں کے پیٹ میں نو ماہ کامل ٹھہرتا اور دسویں ماہ پیدا ہوتا ہے۔
اعجوبہ: انسان العیون میں ہے کہ امام مالک ماں کے پیٹ میں دو سال ٹھہرے ایسے ضحاک بن مزاحم تابعی بھی اور محاضرات السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے پیٹ میں تین سال ٹھہرے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی جس نے تین بچے جنے جس کا ہر بچہ پیٹ میں چار سال ٹھہرتا رہا اور بارہ سال کی عمر میں اس نے صرف تین بچے جنے۔ "حتی اذا بلغ اشدہ" یہ فعل محذوف کی غایت ہے دراصل "اخذ ما وصیناہ بہ حتی اذا بلغ الخ تھا یعنی وہ بچہ شروع ہوا اس میں جو ہم نے اسے وصیت کی یہاں تک کہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچا۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ یہ دراصل وقت اشدہ" تھا "روز بلوغ الاشد" بمعنی اس سن کو پہنچنا جہاں انسان کی قوت و عقل و تمیز کی تکمیل ہو اور کہولت اس سن کو کہا جاتا ہے جو بڑھاپے اور جوانی کے درمیان ہوتا ہے اور فتح الرحمٰن میں ہے " اشدہ" بمعنی کمال قوت و عقل و رائے اور اس کی ادنیٰ مدت تیس سال اور زیادہ سے زیادہ چالیس سال ہے۔ " وبلغ اربعین سنۃ" یہاں مضاف محذوف ہے یعنی یہاں تک کہ چالیس سال کی مدت کو پہنچے۔
فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام کو چالیس سال سے پہلے نبوت نہیں ملی لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کو چالیس سال سے پہلے نبوت

ہی (کذا فی بحر العلوم) بعض نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ جس نے مذکورہ بالا قاعدہ بیان فرمایا اس کی مراد یہ ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کے لئے ایسے ہوا ہے اور للاکثر حکم الکل کا ضابطہ عام مشہور ہے (کذا فی حواشی سعد المفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ) اور ابن الجوزی نے فرمایا کہ "ما من نبی نبئ الا بعد الاربعین" کی روایت موضوع ہے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے اس وقت ان کی عمر مبارک تینتیس ۳۳ سال تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے لئے چالیس سال کی شرط لگانا غلط ہے ایسے ہی یوسف علیہ السلام کو بارہ سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی (کذا فی التفاسیر)۔

فائدہ: نبوت پر ولایت کے قواعد کا قیاس ہے ایسے ہی اسلام و ایمان کی قوت کے قواعد سمجھیئے۔

"قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي" کہا اے میرے پروردگار مجھے توفیق بخشیئے اور میرے دل میں الہام فرمائیے۔ اوزع ایزاع سے بمعنی الاغراء اہل عرب کہتے ہیں فلان موزع بکذا بمعنی مغری بہ امام راغب نے فرمایا کہ "اوزعنی" بمعنی اَوْلِعْنِیْ ہے۔ اور الایلاع بمعنی سخت حریص ہونا یا اس کا معنے یہ ہے کہ مجھے ایسا بنا دے کہ میں اپنے نفس کو کفران نعمت سے روک سکوں "اَنْ اَشْكُرَ" یہ کہ میں شکر کروں "نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ" تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا یعنی ہمیں دین و اسلام کی نعمت سے نوازا کیونکہ دین و اسلام ہی نعمت کاملہ ہو سکتی ہے یا اس سے دین و اسلام کے علاوہ دیگر جملہ ہر قسم کی نعمتیں مراد ہے آیت میں اپنے ساتھ والدین کو شامل اس لئے کیا گیا ہے کہ والدین پر نعمت کرنا درحقیقت اولاد کو نعمت سے نوازنا ہے "وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ" اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو یعنی ایسا عمل جسے تو قبول کرنے اس سے فرائض خمسہ و دیگر طاعات مراد ہیں یہ تنوین تفخیم و تنکیر کی ہے۔

صوفیانہ مطلب: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو رضائے الٰہی پر مشتمل ہوں اور وہ نفس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور ماسوائے اللہ سے فارغ ہو کر مشاہدۂ حق میں مستغرق ہونے سے حاصل ہوتی ہے اس میں اشارہ ہے کہ کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق و ارشاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

"وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ" یہ ذرأ الشئ بمعنی کثر سے ہے اسی سے ذریت کا لفظ لیا

گیا ہے اور اس کا اطلاق ثقلین کی نسل پر ہوتا ہے (کذا فی القاموس) یعنی صلاحیت اور نیکی میری اولاد میں سرایت کرنے والا اور راسخ بنا اسی سرایت اور رسوخ کے معنے کی وجہ سے اسے لفظ فی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے ورنہ اصلح کا صیغہ بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں دوسری آیت "واصلحنا له زوجه" میں متعدی بلا واسطہ مستعمل ہوا ہے۔

فائدہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا معنے یہ کیا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ انہیں میرے خلف الصدق بنا اور وہ تیرے سچے بندے بنیں۔ اور محمد بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معنے یہ ہے کہ شیطان اور نفس اور خواہشات کو ان پر مسلط نہ فرمانا۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ آباء و اجداد کا نیک ہونا اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔

شانِ صدیق رضی اللہ عنہ

کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے کہ وہ والدہ کے شکم میں چھ ماہ رہے پھر پیدا ہونے کے بعد دو سال دودھ پیا اٹھارہ سال کی عمر میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تا دمِ زیست بلکہ الی الابد رفاقت کا شرف پایا اور سفر و حضر میں ہر وقت حضور علیہ السلام کی دوستی میں زندگی بسر فرمائی پھر جب حضور علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں اعلان فرمایا تو اس وقت اڑتیس (۳۸) سال کے تھے اور اعلانِ نبوت کے فوراً بعد ایمان قبول فرمایا جب خود چالیس سال کے ہوئے تو یہی دعا مانگی "رب اوزعنی الخ" اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔

(**صدیق اکبر کا کارنامہ**) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نو ایسے غلام آزاد فرمائے جن پر کفار کے ظلم و ستم زوروں پر تھے۔ ان میں ایک حضرت بلال حبشی بن رباح رضی اللہ عنہ بھی ہیں حضرت بلال بنی مذحج کے غلام تھے اور دوسرے عامر بن فہیرہ تھے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا عزت و عظمت تھی: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب بھی کسی کام کا ارادہ کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جملہ اولاد نے اسلام قبول کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ہی کی صاحبزادی ہیں جو امام الانبیاء علیہ السلام کے عقدِ نکاح کے شرف سے مشرف تھیں اور حضرت عبد الرحمٰن آپ کے فرزند اور ابو عتیق محمد آپ کے پوتے بھی مسلمان ہوئے اور

شرف صحابیت سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت ابو قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی ام الخیر سلمیٰ بنت صخر بن عمر بن سعد بھی مسلمان ہوئیں صحابہ میں کوئی ایسا صحابی نہیں تھا جس کا تمام کنبہ مسلمان ہوا ہو سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اور آپ کی اولاد میں سے اہل علم و صلاح پیدا ہوئے۔

"انی تبت الیک" جن امور سے تو راضی نہیں اور جو امور مجھے تیرے سے باز رکھتے ہیں ان سے میں نے تیری طرف رجوع کیا "وانی من المسلمین" اور بیشک ان لوگوں میں سے ہوں جو تیرے ساتھ اخلاص رکھتے ہیں "اولٰئک" یہ اشارہ انسان کی طرف ہے اور جمع اس لیے کہ اس سے جنس انسان مراد ہے کیونکہ مختلف صفات سے موصوف انسانوں کا ذکر ہوا ہے "الذین نتقبل عنھم احسن ما عملوا" وہ لوگ جن سے ہمیں ان کی وہ طاعات قبول ہوں جو احسن ہیں۔ یعنی فرائض و واجبات اور مندوبات اس سے مباحات مراد نہیں اس لیے کہ وہ حسن تو ہیں لیکن ان سے ثواب نہیں اور ترجمہ فتوحات مکیہ میں ہے کہ ہر حرکت پر لازم ہے کہ قربت حق تعالیٰ کا ارادہ ہو اگر مباح ہو اگر مباح نہ ہو تو اس کے قریب بھی بھٹکنا نہیں چاہیئے۔ جس حرکت سے قربت حق نصیب ہوتی ہے اس سے ثواب بھی میسر آتا ہے۔

فقیر حقی (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہاں پر صفت الی الموصوف کی تاویل موزوں ہے جیسے "سیاٰت ما عملوا" میں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہے۔ یہ عبارت دراصل "اعمالھم الحسنیٰ" تھی اس لیے کہ کوئی اعمال صالحہ ایسے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قبول نہ کرتا ہو بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ اس کے فضل و کرم سے ہر نیکی احسن ہے "ونتجاوز عن سیاٰتھم" اور توبہ سے پہلے جتنا برائیوں کے مرتکب ہوئے ان سے ہم تجاوز کرتے ہیں یعنی ان پر انہیں سزا نہیں ہوگی۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار کرنا چاہے گا اسے ہر برائی کی سزا ملے گی اور جسے معزز و مکرم کرنا چاہے گا تو اس کی برائیوں سے تجاوز فرمائے گا۔ "فی اصحٰب الجنۃ" درانحالیکہ وہ اصحاب جنت کی فہرست میں شمار ہوں گے یعنی ان کی سلک میں منتظم ہوں گے "وعد الصدق" نتقبل و نتجاوز سے مصدر مؤکد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدۂ صدق یہ ہے کہ وہ ان پر فضل و کرم اور ان سے درگذر فرمائے گا۔ "الذی کانوا یوعدون" وہ لوگ کہ جنہیں رسل کرام کی زبانی وعدہ دیا گیا تھا۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت نجم الدین قدس سرہ نے اپنی تاویلات میں بیان فرمایا کہ آیت میں

اشارہ ہے کہ والدین کی خدمت کرنا اور ان کے حقوق کی پاسداری ان کی تعظیم وتکریم کے پیش نظر ضروری ہے اِس لیے کہ انہوں نے ہماری جسمانی تربیت فرمائی اور ہم پر مختلف قسم کے انعامات فرمائے اس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کا سبق بھی ملے گا کہ ہماری تخلیق فرمائی اور ان گنت انعامات بخشے بالخصوص وجود کی دولت عطا فرمائی۔

(مسئلہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ ماں کا حق خدمت بہ نسبت باپ کے زیادہ ہے اس لیے کہ آیت میں والدین یکجا بیان کر کے پھر ماں کو علیحدہ ذکر فرمایا اور اس کی مشقت سر پر اٹھانے کی تفصیل بھی کہ وہ اپنے بچے کے لئے نو ماہ حمل کی تکلیف اور وضع حمل اور پھر دودھ پلانے کے دوران کی مشقت ان تین امور کے دوران جتنا ماں تکالیف برداشت کرتی ہے انہیں ہر ایک جانتا ہے۔

نکتہ حدیث شریف

فتح الرحمٰن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امہات کے احسانات بیان فرمائے ہیں۔ اس آیت میں چار مراتب کا ذکر ہے۔ پہلے مرتبہ میں ماں باپ کو یکجا پھر ماں کے حمل پھر وضع پھر دودھ چھڑانے کا ذکر فرمایا ہے اس سے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کی مناسبت معلوم ہوئی جبکہ آپ سے پوچھا گیا کہ کس کا زیادہ حق ہے۔ ماں کا یا باپ کا تو آپ نے تین بار ماں کا بتایا پھر چوتھی بار صرف باپ کا نام لیا چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس کے ساتھ زیادہ احسان کروں۔ آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ پھر پوچھا تو آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ پھر تیسری بار پوچھا تو آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ چوتھی بار پوچھنے پر فرمایا، باپ کے ساتھ۔

(اوتاد کی تعریف) حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں جا رہا تھا کہ میرے آگے ایک شخص عجیب رفتار سے جا رہا تھا۔ میں نے دیکھ کر تعجب کیا اور دل میں خیال گذرا کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں، میں نے انہیں قسم دے کر پوچھا آپ کون ہیں، انہوں نے فرمایا میں خضر ہوں۔ میں نے عرض کی اگر اجازت ہو تو میں آپ سے چند سوال کروں۔ آپ نے فرمایا پوچھیے۔ پہلا سوال میرا یہ تھا کہ شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مرتبہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اوتاد میں سے ہیں یعنی ان اولیاء سے ہیں جن کی وجہ جہات اربعہ یعنی شمال جنوب مشرق مغرب محفوظ ہیں۔ پھر میں نے عرض کی امام اہلسنت

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کیسے ہیں انہوں نے فرمایا "ھُوَ رَجُلٌ صِدِّیقٌ" وہ سچا انسان ہے۔ میں نے عرض کی تو بشیر ابن الحارث رضی اللہ عنہ کیسے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان جیسا تو اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ مرتبہ کہاں سے ملا فرمایا والدہ گرامی کی خدمت کی برکت سے۔

ماں باپ کی خوشنودی کا انعام یافتہ شخص

منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ دریا کے ساحل پر جا کر ایک عجیب منظر ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے جنات وانس کے لشکر سمیت دریا کے ساحل پر پہنچ گئے لیکن کوئی شئے نظر نہ آئی آپ نے ایک جن سے فرمایا دریا میں غوطہ لگائیے جو بھی شئے ملے میرے ہاں لائیے جن نے غوطہ لگایا لیکن کوئی شئے نہ ملی دوسرے کو فرمایا تو دوسرا بھی خالی ہاتھ لوٹا۔ پھر آپ نے اپنے وزیر حضرت آصف بن برخیا جن کا ذکر قرآن مجید میں قال الذی عندہ الخ میں ہے کو فرمایا انہوں نے غوطہ لگا کر ایک کافوری قبہ دریا سے نکال کر پیش کیا۔ اس سفید کافوری قبہ کے چار دروازے تھے ایک سفید موتیوں کا دوسرا جواہر خالص کا تیسرا سبز زبرجد کا چوتھا سرخ یاقوت کا باوجودیکہ چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی اس قبے میں نہیں جا سکتا تھا اور وہ قبہ دریا کی بہت بڑی گہرائی میں اتنا پوشیدہ تھا کہ تین بار غوطے کی مسافت طے کرنے کے بعد میسر آیا۔ حضرت آصف بن برخیا نے وہ قبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھا تو دیکھا گیا کہ اس قبہ کے درمیان میں ایک نوجوان نہایت بہترین لباس سے ملبوس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے، سلیمان علیہ السلام اس قبے کے اندر تشریف لے گئے اور اس نوجوان کو السلام علیکم فرما کر پوچھا کہ آپ اس شان و قدر تک کیسے پہنچے، اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی علیہ السلام میرا باپ چلنے پھرنے سے معذور میری ماں نابینی تھی، میں نے دونوں کی ستر سال خدمت کی۔ جب میری ماں مرنے لگی تو اس نے میرے لیے دعا مانگی، یا اللہ اس کی عمر دراز فرما اور وہ تیری عبادت میں زندگی بسر کرے پھر جب میرے والد گرامی فوت ہوئے تو انہوں نے دعا مانگی یا اللہ میرے بیٹے کو ایسے مکان میں رکھ جہاں شیطان نہ گھس سکے۔ ماں باپ کو دفنانے کے بعد میں نے دریا کے ساحل پر اس قبہ کو دیکھا اندر داخل ہوا اور یہ قبہ اس کنارے دریا پر تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو حکم فرمایا اس نے قبہ اٹھا کر دریا کے اندر اسی جگہ پر رکھ دیا جہاں سے آپ نے اٹھوایا

ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا آپ اس میں کب سے داخل ہوئے۔ عرض کی ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے۔ سلیمان علیہ السلام نے تاریخ دیکھی تو اس کو دو ہزار چار سو سال گذر چکے تھے لیکن وہ ابھی نوجوان اپنی جوانی میں تھا اس میں بڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ آپ نے پوچھا آپ کے طعام کا کیا انتظام ہے۔ عرض کی اے اللہ کے نبی ہر روز سبز رنگ پرندہ بھنا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی شکل انسانی سر کے مشابہ ہوتی ہے۔ جب میں اسے کھاتا ہوں تو دنیوی نعمتوں کے تمام ذائقے اسی میں محسوس کرتا ہوں اور اسی سے میری بھوک پیاس چلی جاتی ہے۔ اور گرمی سردی اور نیند اور سستی اور وحشت دور ہو جاتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا آپ کو واپس لوٹا دیا جائے۔ عرض کی مجھے واپس لوٹائیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کو فرمایا اسے وہاں پہنچا دو۔

سبق: سلیمان علیہ السلام نے فرمایا دیکھیے اللہ تعالیٰ نے والدین کی کس طرح دعا مستجاب فرمائی اسی لیے لازم ہے کہ والدین کی ناراضگی سے بچو۔

فائدہ: امام سجاوندی نے فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کسی دوست کی کسی دوست پر بد دعا اثر نہ کرے لیکن والدین کی بد دعا اولاد سے رد نہیں ہوتی۔

حدیث شریف

ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے جنگ پر ساتھ لے چلیے، آپ نے فرمایا کہ کیا تیری والدہ زندہ ہے۔ عرض کی زندہ ہے۔ فرمایا اس کی خدمت کرو کیونکہ بہشت ماں کے قدموں کے نیچے ہے ؎

جنت کہ سرائے مادرانست
زیر قدمات مادرانست
روزے بکن اے خدا مارا
چیزے کہ رضائے مادرانست

ترجمہ: جنت جو اہل بہشت کی سرائے ہے وہ ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔
اے اللہ ہمیں وہ دن دکھا جس میں ہماری خوشی ہے۔

تفسیر عالمانہ: "والذی قال بوالدیہ" والذی مبتدا ہے اولٰئک الخ اس کی خبر ہے اس لیے اس سے اسم جنس مراد ہے اور جس نے اپنے والدین کو کہا جب انہوں نے اسے ایمان و اسلام کی دعوت دی۔ اس میں وہ انسان داخل ہے جو اپنے والدین اور اپنے پروردگار کا بے فرمان ہے " اف لکما " تمہیں شرم ہونی چاہیئے۔ دراصل اف اس آواز کا نام ہے جو انسان سے کراہت اور ناگواری طبیعت کے وقت صادر ہوتا ہے اور یہ لام ھیت لک کی لام کی طرح مؤفف[عہ] کے لئے ہے یعنی یہ اف صرف تمہارے لیے ہے امام اصفہانی نے فرمایا کہ اُف ناخنوں اور دیگر گندی میل کچیل کو کہا جاتا ہے جس سے طبع کو نفرت ہو ایسے ہی جس سے نفرت و کراہت کے بجائے اس پر نفرت و کراہت کے اظہار کے طور پر لفظ مستعمل ہوتا ہے۔" اتعدانني" کیا تم مجھے ڈراتے ہو" ان اخرج" یہ کہ میں موت کے بعد قبر سے اٹھایا جاؤں گا " وقد خلت القرون من قبلی" حالانکہ میرے سے پہلے کئی امتیں یکے بعد دیگرے گذری ہیں ان میں سے تو کوئی بھی قبر سے نہیں اُٹھایا گیا اور نہ ہی کوئی واپس لوٹا ہے القرن ایک قوم دوسری سے مل کر گذرتی جائے۔ الخلو بمعنی المقی بمعنے گذرنا۔ "وھما یستغیثان اللہ" اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے کہ وہ ان کی فریاد رسی کرے اور ایمان کی توفیق بخشے " ویلک " درانحالیکہ وہ اسے کہتے ہیں کہ تجھے افسوس ہے ویل بمعنی افسوس اس میں دراصل وہ اس پر بددعا کرتے ہوئے اسے ایمان پر برانگیختہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ہلاکت وتباہی کا حقیقی معنے مراد نہیں اور اس کا منصوب ہو فعل مقدر کی وجہ سے ہے لیکن وہ فعل اس کا ہم معنے نہیں اور یہ ان مصادر سے ہے جس کا کوئی فعل مستعمل نہیں ہوتا بعض نے کہا کہ یہ فعل مقدر کا مفعول بہ ہے دراصل " الزمک اللہ ویلک" تھا یعنی تیرے اوپر اللہ تعالیٰ ہلاکت لازم کرے " امن " ایمان لا یعنی قیامت اور مرنے کے بعد قبر سے اٹھنے کی تصدیق کیجیئے " ان وعد اللہ حق " بیشک وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو وہ حق ہے۔ اس سے قیامت کا اٹھنا مراد ہے حق کی طرف مضاف کرنے میں اس کی حقانیت کی طرف اشارہ ہے نیز بتانا مطلوب ہے کہ جس وعدہ کو تو ہماری طرف منسوب کر رہا ہے وہ غلط ہے اور "حق" میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ضرور پورا ہو گا اس میں خلاف محال ہے اس لیے کہ خلاف وعدہ ایک نقص و عیب ہے اور وہ ہر عیب اور نقص سے منزہ اور پاک ہے۔ "فیقول" ماں باپ کی تکذیب کرتا ہوا کہتا ہے " ماھذا " جسے تم اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہہ رہے ہو

عہ جیسے اف کی گئی ۱۲!۔

یہ نہیں " الا اساطیر الاولین " مگر جھوٹی باتیں جنہیں پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ان کی رستم و بہرام و اسفندیار کی کہانیوں کی طرح کوئی حقیقت نہیں " اولئک " وہی لوگ جو ان کی جھوٹی باتوں کے قائل ہیں " الذین حق علیہم القول " وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت ہو گیا اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد گرامی " لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین " مراد ہے جیسا کہ " فی امم " دلالت کرتا ہے۔ یہ مجرور سے حال ہے یعنی وہ لوگ جو منجملہ گذشتہ امتوں میں سے ہیں " قد خلت من قبلھم الجن والانس " یہ " امم " کا بیان ہے۔ تحقیق ان سے پہلے بہت جن اور انسان گذرے ہیں۔ " انھم " بیشک یہ اور وہ تمام " کانوا خسرین " خسارہ والے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اپنی فطرت اصلیہ کو ضائع کیا وہ فطرت اصلیہ ان کے لئے بمنزلہ راس المال کے تھی جسے انہوں نے شیطان کی اتباع میں ضائع کر دیا۔ یہ جملہ حکم کی علت بیان کرتا ہے اور مستانفہ تحقیقیہ ہے۔ " ولکل " اور ہر دونوں مذکورہ فریقین میں سے " درجات مما عملوا " ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں درجات و مراتب عطا ہوں گے اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اچھے درجات و مراتب عطا ہوں گے اگر برے ہیں تو برے۔ یہ نعتیہ ہے یا بیانیہ اور ما موصولہ یا من سببیہ ہے بمعنی من رجل اعمالہم اس معنی پر ما مصدریہ ہے اور لکل کا متعلق ہے اور درجات در اصل ثواب کے بلند مراتب پر مستعمل ہوتا ہے لیکن یہاں بوجہ تغلیب کے مطلقاً (ثواب و عذاب کے لئے) مستعمل ہوا ہے " ولیوفیہم " تاکہ انہیں اعمال کی پوری جزا عطا فرمائے۔ یہ " وفا حقہ " سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا پورا حق ادا کرے " وھم لا یظلمون " اور ان پر ظلم نہ ہو گا یعنی ایسا نہیں ہو گا کہ ان کے ثواب کو گھٹایا جائے یا مجرم کو اس کے جرم سے زائد سزا دی جائے۔ لام فعل محذوف مؤخر کے متعلق ہے گویا عبارت یوں تھی " ولیوفیہم اعمالہم ولا یعلمہم حقوقہم فعل ما فعل " خلاصہ یہ کہ ہر ایک کو اعمال کے مطابق جزاء و سزا پوری ملے گی۔

فائدہ: ثواب کی جزاء کو درجات اور اعمال کی سزا کو درکات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(مسئلہ) آیت سے ثابت ہوا جو والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو ناراض کرتا ہے وہ مجرم ہے اگرچہ اُف کر کے اور پھر اس بدقسمت کا کیا حال ہو گا جو ان کی دل آزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا نیز اس سے ثابت ہوا کہ والدین کا بے فرمان اہل خسران سے ہے اور

خسران سے ایمان کا نقص، مراد ہے۔

سبق: یہ ماں باپ کے نافرمان کی سزا ہے نا معلوم اللہ تعالیٰ کا نافرمان جو اس کی مخالفت کرتا ہے اور گناہ کر کے اپنے مالک کو ایذاء دیتا ہے کی کیا سزا ہو گی۔

(حدیث شریف) میں ہے کہ بہشت کی خوشبو پانچسو سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی لیکن ماں باپ کا نافرمان اور قطع رحم کرنے والا اس خوشبو سے محروم رہے گا۔

یوسف علیہ السلام کو تنبیہ: مروی ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام کنعان سے مصر تشریف لائے تو یوسف علیہ السلام والد گرامی کی تعظیم کے لئے نہ اُٹھے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ کو اپنی عظمت پر ناز ہے یاد رکھیئے مجھے اپنی عزت کی قسم میں آپ کی پشت سے نبی نہیں پیدا کروں گا۔ (اس لیے کہ آپ نے والد گرامی کی عزت و عظمت کے آداب بجا نہیں لائے) کذا فی الاحیاء

(مسئلہ) جب ماں باپ ہر دونوں میں سے کسی ایک دوسرے کی رضا و عدم رضا کی ترجیح کا موقعہ درپیش ہو مثلاً والد صاحب کو راضی کرنا چاہتا ہے تو والدہ ناراض ہوتی ہے اگر والدہ کی خدمت کرتا ہے تو والد ناراض ہوتا ہے تو والد کی رضا کو ترجیح دے لیکن صرف تعظیم و تکریم میں کیونکہ سب اولاد باپ کی منسوب ہوتی ہے اور خدمت اور انعام و احسان میں والدہ کو ترجیح دے یہاں تک جس وقت ماں باپ سے ملاقات کے وقت باپ کی تعظیم کے لئے پہلے اٹھے اور کچھ انعام و دیگر اشیاء دیتے وقت ماں کو پہلے پیش کرے (کذا فی منبع الآداب)

(مسئلہ) امام غزالی نے فرمایا کہ اکثر علماء کا فتوٰی ہے کہ شبہات میں ماں باپ کی اطاعت واجب ہے لیکن حرام محض میں جائز نہیں مثلاً اگر مشتبہ طعام کھانے میں وہ شریک کرنا چاہتے ہوں تو اسے کھا لینا چاہیئے اس لیے کہ اشتباہ سے بچنا پرہیزگاری اور تقوٰی ہے لیکن والدین کی رضا جوئی واجب ہے۔

(مسئلہ) نفلی اور مباح سفر ان کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیئے۔

(مسئلہ) اگرچہ حج فرض ہو جائے لیکن والدین کی اجازت نہیں تو حج کو نہ جائے اس لیے کہ حج فی الفور واجب نہیں بلکہ اس میں تاخیر بھی جائز ہے۔ ایسے حصول علم بھی نفلی عبادت ہے ہاں نماز اور روزہ و دیگر فرائض سیکھنے ہوں اور گھر پر سکھانے والا کوئی نہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر ایسے فرائض سیکھنے کے لئے سفر جائز ہے حصولِ علم

کے لئے والدین کا پابند نہ ہو۔

(مسئلہ) اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی والدین پر اولاد اور غلام کی سردار پر اور عورت کی شوہر پر اور شاگرد کی استاذ پر اور رعایا کی حاکم پر ولایت ثابت ہو سکتی ہے لیکن ان پر تشدد اور جبر وغیرہ جائز نہیں ہاں انہیں معروف طریقہ سے سمجھائے اور بطور وعظ و نصیحت معروضات عرض کرے نرمی کے ساتھ گذارشات کرے ان پر گالی گلوچ اور سختی حرام ہے اور مارنا وغیرہ تو بطریق اولیٰ حرام ہے۔

(مسئلہ) والدین پر لازم ہے کہ وہ اولاد کو نافرمانی پر مجبور نہ کریں یعنی ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جس سے اولاد کو نافرمان ہونا پڑے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو خدمت کرنے اور احسان و مروت کا سبب بنے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس باپ پر رحم فرمائے جو اپنی اولاد کی نیکی میں مدد کرتا ہے یعنی اولاد کو برائی پر نہ اکسائے اور نہ ہی اپنی نافرمانی کا انہیں موقعہ دے۔

اعجوبہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کے ماں باپ دونوں یا ان میں کوئی ایک زندہ ہو تو اسے شادی بیاہ نہیں کرنا چاہیئے تاکہ عورت والدین کی نافرمانی کا موجب نہ بنے ہاں اگر کسی کو اطمینان ہو کہ اس کی عورت والدین کی نافرمانی کا سبب نہیں بنے گی تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد

ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم

دختر نرا ہمہ جنگست و جدل با مادر

پسر نرا ہمہ بدخواہ پدر می بینم

ترجمہ: بھائی بھائی پر رحم نہیں کرتا نہ ہی کوئی شوق باپ کو بیٹے پر دیکھتا ہوں۔
بچیوں کو ماؤں سے جنگ لڑتا دیکھتا ہوں۔ بیٹوں کو باپ کا بدخواہ دیکھتا ہوں۔

(مسئلہ) بڑے بھائیوں کے چھوٹوں پر وہی حقوق ہیں جو والدین کے اولاد پر ہوتے ہیں

(مسئلہ) جس کے ماں باپ فوت ہو گئے اور وہ زندگی میں ان کی خدمت نہیں کر سکا تو اب اسے ان کے لئے بکثرت استغفار کرنی چاہیئے اور ان کے لئے بہت زیادہ خیرات و صدقات کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے والا لکھا جائے۔

(فائدہ) جو شخص ماں باپ کے لئے دن اور رات میں صرف پانچ دفعہ دعائے خیر مانگتا ہے وہ بھی حقوق ادا کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ ایسے ہی جو شخص ہر جمعہ کو ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرتا ہے اسے ماں باپ کے فرمانبرداریں لکھا جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

(مسئلہ) زندوں کا مردوں کو ثواب پہنچانا جائز ہے ایسے ہی ان کے لئے استغفار اور دیگر ہدایا و تحائف بھیجنا شرعاً جائز ہیں۔

(فائدہ) شب اور دن جمعہ اور شب ہفتہ زائرین کو اہل قبور جانتے ہیں یہ خصوصیت جمعہ کی وجہ سے ہے۔

(مسئلہ) والدین اگر مؤمن ہیں تو ان کے لئے صدقہ و خیرات کرے تو انہیں قبور میں ثواب ملتا ہے اور بھیجنے والے کے ثواب میں بھی کمی نہیں آتی۔

(فائدہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ ایک ڈھیلہ دائیں جانب پھینکے دوسرا بائیں جانب پہلے میں والد کی نیت ہو اور دوسرے میں والدہ کی اور یوں تصوّر کرے کہ گویا وہ اپنے والدین سے غصہ پی رہا ہے اس سے ارادہ یہ ہو کہ میں اپنے والدین سے ناراضگی دور کر رہا ہوں تو بھی جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ والدین کے ساتھ جس طرح سے خدمت کرے تو برالوالدین میں شامل ہے۔

سبق: والدین زندہ ہوں یا مردہ ان کی خدمت ضروری ہے لیکن شرک اور معاصی میں ان کا کوئی حکم نہ مانے ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مؤدت قربیٰ

ترجمہ: جب اپنے میں دیانت و تقویٰ نہ رہے تو ایسے سے محبت قربت کے بجائے قطع رحمی بہتر ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"وان جاھدٰک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما"

ترجمہ "اگرچہ وہ کوشش کریں کہ تو ان کو شریک بنا رہا ہے جن کا تمہیں علم نہیں تو پھر ان کی اطاعت نہ کرنا۔"

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

ترجمہ: ہزار رشتہ دار جو خدا تعالیٰ سے بیگانہ ہو اس ایک وجود پر قربان جو آشنائے حق ہے۔

تفسیر عالمانہ: "ویوم یعرض الذین کفروا علی النار" اور اس دن کہ کفار کو دوزخ کے سامنے پیش کیا جائے گا یعنی انہیں عذاب میں مبتلا کریں گے یہاں پر "عرض" بمعنے تعذیب ہے۔ یہ "عرض الاساری علی السیف" قیدیوں کو تلوار کے سامنے پیش کرنا بمعنے انہیں قتل کرنا۔ اگر یہ معنیٰ نہ کیا جائے تو اس کو ذی شعور ماننا پڑتا ہے حالانکہ نار ذی شعور و اطلاع سے نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آگ پر پیش کرنے کا معنے یہ ہے کہ وہ آگ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور وہ آگ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے اس کے بعد پھر انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے کی بات ہے اور قلب کے باب سے ہے مبالغہ مطلوب ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ گویا ذی شعور اور آگاہی رکھتی ہے اور جس کو گرفت میں لیتی ہے تو پورا غلبہ اور قوت رکھتی ہے۔

فائدہ: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا یہاں ان دونوں تاویلوں کی ضرورت نہیں اس لیے کہ آخرت کی آگ کو شعور و ادراک ہوگا جیسا کہ اس کے "ھل من مزید" کہنے سے معلوم ہوتا ہے اور مومن کامل کو کہے گا "جز یا مومن فان نورک اطفاء ناری" وغیرہ وغیرہ نیز یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ عرض نار سے باعتبار دوزخ کے ملائکہ مراد ہوں کیونکہ وہ بھی اس وقت موجود ہوں گے اور ان کے ہاں عذاب نار جملہ اسباب بھی ہوں گے جنہیں آنکھوں سے دیکھیں گے اور دوزخ کے وہ مقامات بھی انہیں نظر آئیں گے جہاں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

تفسیر عالمانہ: "اذھبتم طیباتکم" یہ کافروں کو توبیخ کے طور کہا گیا ہے اور یہ محلاً منصوب علی الظرفیت ہے۔ اب یہ معنیٰ ہوا کہ جو کچھ تمہارے لئے لکھا گیا تھا وہ دنیا میں دنیوی لذتیں تم چکھ چکے ہو۔ "فی حیاتکم الدنیا" اپنے دنیوی جہان میں "واستمتعتم" اور تم نے اس سے نفع پایا۔ اب تمہارے لئے ذرہ برابر بھی نفع والی کوئی شے باقی نہیں ہے کیونکہ طیبات کی اضافت عموم کا فائدہ دیتی ہے خلاصہ یہ کہ تم لذتوں کو دنیا

میں ختم کر آئے ہو اب تمہارے لیے اس کا کوئی حصہ نہیں مفتی سعدی مرحوم نے فرمایا کہ استمتعتم اذہبتم کا عطف تفسیری ہے۔ "فالیوم تجزون عذاب الھون" ہون وحقارۃ ایک شے ہے یعنی ایسا عذاب جس میں ذلت وخواری اور حقارت ہوگی "بما کنتم" اس کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں "تستکبرون فی الارض بغیر الحق" ناحق زمین پر تکبر کرتے تھے۔

(مسئلہ) اس سے ثابت ہوا کہ حق کے لئے تکبر کرنا جائز ہے جیسے ظالموں وجابروں کے سامنے "وبما کنتم تفسقون" اور بدلہ ہے اس کا جو تم طاعت الٰہی سے نکل جاتے تھے یعنی تمہیں عذاب الٰہی ان دو امروں یعنی استکبار اور خروج عن الطاعۃ کی وجہ سے ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے عذاب کی دو علتیں بنائی ہیں:۔

(۱) قبول الحق اور قبول ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے استکبار اور یہی قلب کا گناہ ہے۔

(۲) فسق ومعصیت یعنی ترک مامورات وفعل منہیات اور یہ اعضاء کے گناہ ہیں اور اول کو ثانی پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قلب کا گناہ تاثیر کے لحاظ سے جوارح کے اعضائے عظیم تر ہے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ طالب حق کو تنبیہ ہے کہ اندازہ شرع سے قدم باہر نہیں رکھنا چاہیئے ؎

ہائے از حدود شرع بروں می نہی منہ
خود را اسیر نفس د ہوا میکنی مکن

ترجمہ: حدود شرع سے باہر نہ رکھو اپنے آپ کو اسیرِ نفس نہ بناؤ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ کہ نفس کے دنیوی لذات فانی اور روح کے طیبات آخرت باقی ہیں اس لیے کہ جو دنیوی شہوانی طیبات میں مشغول ہوتا ہے وہ آخرت کے طیبات روحانی سے محروم رہے گا اور یہ استعداد کمالیہ کے ضائع کرنے کے مترادف ہے جو آخرت کی طیبات چھوڑ کر دنیا کی طیبات کے درپے رہتا ہے اسی لیے قیامت میں نفس کے پجاریوں کو کہا جائے گا کہ آج کے دن تم ذلت وخواری کے عذاب میں مبتلا ہو اس لیے کہ تم نے شہواتِ نفس کے تابع ہو کر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہ کر کے تکبر کیا حالانکہ تمہیں ارواح کی طیبات کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اوامر

حق و نواہی سے نکل گئے ۔ آخرت میں روح اور ارباب قلوب کو کہا جائے گا کہ جو تم نے ایام گذشتہ میں اعمال کیے ان کا بدلہ ہے فلہذا کھاؤ پیو اور مزے کرو اس لیے کہ تم نے دنیا میں روح کے لئے لذات نفسانی چھوڑی تھیں اور تمہارے لیے نعیم جنت میں سے وہی ہوگا جو تم چاہوگے اس لیے کہ وہ ایسی طیبات ہیں جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یعنی مشاہدۂ جلال وجمال اور یہی روح کی طیبات ہیں ۔ (کذا فی التاویلات

(فائدہ) اس سے ثابت ہوا کہ دنیوی حظوظ و لذات اہل نار کی صفات سے ہیں ۔

سبق : ہر مومن وذی عقل و شعور پر لازم ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور سلف صالحین کی اتباع میں شہوات نفسانی کو ترک کردے اس لیے کہ انہوں نے آخرت کی نعمتوں کی امید پر دنیوی لذتوں کو ترک کیا ۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

افتد ہمائے دولت اگر در کمند ما

از ہمہ بلند رہا میسکنم ما

ترجمہ : ہُما کی دولت اگر میری قید میں آگئی اسے ہر لحاظ سے اپنے سے رہا کردُوں گا ۔

فائدہ : حضرت واسطی نے فرمایا کہ دنیا کی تمام لذتیں چھوٹی بڑی اسی آیت میں داخل ہیں ۔

حدیث شریف ۱ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت ایک چارپائی پر آرام فرما تھے جس کے اثرات آپ کے پہلو مبارک پر نمایاں تھے اسے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے ، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر کیوں روتے ہو ۔ عرض کی مجھے کسرٰی و قیصر یاد آتے ہیں کہ وہ بھی آخر اس دنیا میں رہتے ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول پاک ہیں ، آپ کی دنیوی شان و شوکت بلند ہونی چاہیئے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پہلو مبارک پر چارپائی کے بان کے آثار ظاہر ہیں ۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اے عمر وہ لوگ دنیا میں اپنی لذت کی چیزیں پا گئے اور ہمارے لیے آخرت میں تیار رکھی گئی ہیں ۔

حدیث شریف ۲ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے دو روز مسلسل جَو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ۔

بدعت کا ایک نمونہ : پیٹ بھر کر کھانا کھانے کی بدعت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ

وسلّم کے وصال کے فوراً بعد شروع ہوئی۔

حدیث شریف ۳ : بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ایک ماہ تک کھانا پکانے کے لئے آگ نہیں جلاتے تھے۔ اس اثناء میں ہمارا گذارہ پانی اور کھجور پر ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں کو بہتر جزاء عطا فرمائے کہ وہ ہمیں کبھی کبھی دودھ ہدیہ کے طور بھیجتی تھیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کا اختیار :۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زمین کا فرشتہ حاضر ہوا اور زمین کا جملہ ملک پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا میں ایک دن بھوکا اور ایک دن سیر ہو کر کھاتا ہوں۔

حضرت عمر و حضرت جابر رضی اللہ عنہما : مروی ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی شے لٹکی ہوئی ہے، پوچھا یہ کیا ہے۔ عرض کی یہ گوشت ہے مجھے اس کی خواہش ہوئی تو میں نے بازار سے خرید لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں "اذھبتم طیبا تکم فی حیاتکم الدنیا" کی آیت کا خوف مدنظر نہیں تھا ؎

نفس بد خو را بناز و نعمت دنیا مکن
آب و نان سیر کاہل میکند

ترجمہ : نفس بد کو ناز و نعمتِ دنیا سے نہ پال۔ اس لیے کہ آب و نان سے پیٹ سیر ہو جائے تو سست ہو جاتا ہے۔

اصحاب صفہ کا حال : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب صفہ کے ستر دوستوں کا حال دیکھا کہ کسی کی چادر نہیں تو کسی کی صرف چادر ہے تو وہ بھی گلے سے باندھے ہوئے جس سے چادر اور قمیص کا کام لیتا تھا کسی کی چادر کا صرف اتنا حصہ تھا جو بشکل گھٹنوں کو ڈھانپتا تھا۔ بعض کی چادر گٹوں تک تو تھی لیکن اتنا چھوٹی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چلتا تھا کہ کہیں کشف عورت نہ ہو۔

پند و نصائح :۔

(۱) جو شخص دنیا میں خواہشات کو پورا کرتا ہے اسے آخرت میں خواہش کی چیزوں سے محروم رکھا جائے گا۔

(۲) جو شخص دنیا کی زیب و زینت کو آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے اسے ملکوت السموات حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(۳) جو دنیا میں مطلوب اشیاء سے محروم ہو جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ایسے مقام پہ ٹھہرائے گا جہاں وہ جو چاہے گا اُسے ملے گا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مپرور تن ار مرد رای وہشی	کہ او را چو می پروری می کشی
خور و خواب تنہا طریق دد است	برین بودن نابخرد است
قناعت تونگر کند مرد را	خبر کن حریص جہان گرد را
غذا گر لطیفست گر سرسری	چو دیرت بدست افتد خوش خوری
گر آزادہ بر زمین خسپ و بس	مکن بہر قالی زمین بوس کس
مکن خانہ بر راہ سیل اے غلام	کہ کس را نگشت این عمارت تمام

ترجمہ (۱) اگر صاحب رائے و صاحب ہوش ہے تو جسم کو نہ پال۔ اسے جتنا پالیگا اتنا سرکشی کرے گا۔

(۲) صرف کھانا پینا درندوں کا کام اسی میں لگا رہنا بے عقلی ہے۔

(۳) قناعت انسان کو دولتمند بناتی ہے، جہانگشت حریص کو یہ خبر پہونچا دے۔

(۴) غذا لطیف ہو یا موٹی جب بھی ہاتھ آئے اگرچہ دیر سے تو خوش ہو کر کھا۔

(۵) اگر آزاد آدمی ہے تو زمین پر سو کر نیند کر لے، قالین کی لالچ میں کسی کی خوشامد نہ کر۔

(۶) سیلاب کے منہ میں گھر نہ بنا کیونکہ اس جگہ پر کسی نے عمارت مکمل نہیں کی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے طریق پر چلنے اور اس تک پہنچنے کی مدد اور توفیق اور رہبری کا سوال کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا
لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ
عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○ فَلَمَّا رَاَوْهُ
عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ
بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى

اَلَّا مَسٰکِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ○ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖؗ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ○

ترجمہ۔ "اور یاد کرو عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا اور بے شک اس سے پہلے ڈرسنانے والے گذر چکے اور اس کے بعد آئے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، بولے کیا تم اس لیے آئے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو تو ہم پر لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچے ہو اس نے فرمایا اس کی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو تمہیں اپنے رب کے پیام پہنچاتا ہوں ہاں میری دانست میں تم نرے جاہل لوگ ہو پھر جب انہوں نے عذاب دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے میں پھیلا ہوا ان کے وادیوں کی طرف آتا بولے یہ بادل ہے کہ ہم پر برسے گا بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے صبح رہ گئے کہ نظر نہ آتے تھے مگر ان کے سونے مکان ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں مجرموں کو اور بے شک ہم نے انہیں وہ مقدور دیے تھے جو تم کو نہ دیے اور ان کے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے تو ان کے کان اور آنکھیں اور دل کچھ کام نہ آئے جبکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انہیں گھیر لیا اس عذاب نے جس کی ہنسی بناتے تھے۔"

تفسیر عالمانہ "واذکر اخا عاد" اور اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار مکہ کو عاد کی برادری کے نبی کا واقعہ یاد دلائیے اس سے حضرت ہود علیہ السلام مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاد دلائیے تاکہ اہل مکہ عاد کے واقعہ سے عبرت حاصل کریں کیونکہ جب انہوں نے ان کی طرح نافرمانی کی تو ہم نے ان کی جڑ کاٹ دی ان کا ایک فرد بھی اس دنیا میں نہ رہا اب نہ کوئی نسب رہا نہ دین۔ "اخ" سے ان کی برادری کا ایک فرد مراد ہے اس سے ہود علیہ السلام کی اخوتِ دینی مراد نہیں کیونکہ ان کے اور قوم کے دین میں ایمان و کفر کا فرق تھا۔ یہ محاورہ عرب میں عام ہے مثلاً کہا جاتا ہے "یا اخا العرب" یعنی عرب کی برادری کا ایک فرد۔

ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا نسب :۔

قوم عاد عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھی اور ہود علیہ السلام عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد کے صاحبزادے تھے۔ "اذ انذر قومہ" جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا یہ بدل الاشتمال ہے یعنی ہود علیہ السلام کے قوم کے ڈرانے کے وقت کو یاد کیجیے "بالاحقاف" یہ ایک ریتلی جگہ کا نام ہے جو یمن کے علاقہ کے حضرموت کے قریب واقع ہے۔ حقف کی جمع ہے بمعنی اونچے اور پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلے جن میں کچھ ڈھلان ہو یہ احقوقف الشئ سے ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے ٹیڑھی ہو جائے اور اسے احقوقف سے اسی لیے اخذ کیا گیا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہونا تھا کہ مجرد سے مزید ماخوذ ہوتا ہے چونکہ احقوقف معنے کے لحاظ سے زیادہ بروشن اکثر اور بکثرت مستعمل ہوتا ہے اس لیے اسے اصل اور حقف کو اس کی فرع قرار دیا گیا ہے اس پر کلمۂ ابتداء بھی اسی لیے داخل کیا گیا تاکہ اس معنے پر تنبیہ ہو۔ (کذا فی حواشی سعد المفتی)

فائدہ: بعض نے کہا کہ قوم عاد خانہ بدوش لوگ تھے۔ خاص موسم میں گھروں میں واپس لوٹتے ورنہ باہر کے علاقوں میں رہتے تھے، ارم قبیلہ سے تھے بلاد یمن کے علاقہ شحر کے ریتلے ٹیلوں پر رہتے تھے۔ شحر (بکسر الشین وسکون الحاء بعض نے کہا بفتح الشین) یہ علاقہ دریا کے کنارے عمان وعدن کے درمیان واقع تھا اور بعض نے کہا کہ عمان و مہرہ کے درمیان واقع تھا۔

فائدہ: عمان بالضم والتخفیف یمن کا ایک شہر ہے اور وہ جو شام کے علاقہ میں ہے وہ بالفتح والتشدید ہے اور مہرہ ایک شہر جس کی طرف مہریہ اونٹ منسوب ہوتے ہیں۔

فائدہ: فتح الرحمٰن نے لکھا کہ صحیح ترین یہ ہے کہ عاد کے شہر یمن میں تھے ان کے بہترین باغات تھے اور احقاف حقف کی جمع ہے وہ ریت کا ایک ٹیلا ہے اور عموماً ریتلے علاقوں میں ہوا کی وجہ سے ایسے ٹیلے بن جایا کرتے ہیں۔

ہند میں آدم علیہ السلام :۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سب سے بُری وادی احقاف اور ایک اور وادی جو حضرموت میں ہے جس کا نام برہوت ہے اس میں کفار کی ارواح ڈالی جاتی ہیں اور بہترین وادی مکہ میں اور دوسری اور وادی جس میں آدم علیہ السلام اترے اور وہ ہند ہے اور بہترین زمزم کا کنواں ہے اور سب سے برا وہ کنواں جسے برہوت کہا جاتا ہے۔ (کشف الاسرار)

"وقد خلت النذر" اور بیشک رسل کرام گذرے۔ نذر نذیر کی جمع ہے بمعنے منذر" من بین یدیہ" ہود علیہ السلام سے پہلے" ومن خلفہ" اور ان کے بعد۔ یہ جملہ مفسر و مفسر اور متعلق و متعلق (بالکسر و بالفتح) ماقبل کی تقریر و تاکید کے لئے ہے کہ انہوں نے انذار کے موجب عمل کیے اسے ان لا تعبدوا الا اللہ اور انذار قوم کے درمیان لایا گیا ہے، تقریر و تاکید سے مضمون ذہن نشین ہو جاتا ہے اور متنبہ کرتا ہے کہ یہ عبادت لغیر اللہ میں ان جیسے نہیں، اب معنے یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہود علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو شرک کے انجام سے ڈرائیے اور انہیں عذاب عظیم سنائیے کیونکہ ہود علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد آنے والے رسل کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں سے ایسی خبریں سنائیں فلہذا آپ بھی سنائیے۔

فائدہ: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے در اصل انہ تھا بمعنی الشان یعنی شان اور قصہ یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یا ان مفسرہ یعنی اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو یا مصدریہ ہے لیکن یہاں پر باء محذوف ہے در اصل" بان لا تعبدوا الا اللہ" کسی شے سے نہی کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس شے کی مضرت و نقصان سے ڈرایا جاتا ہے۔" انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم" اور میں تمہارے اعراض عن التوحید اور شرک کی وجہ سے تمہارے لیے دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں اور یوم عظیم سے وہ دن مراد ہے جب ان پر عذاب نازل ہوگا اور اس کی سخت ہولناکی کی وجہ سے بطور مبالغہ اور مجازاً اسے عظیم کہا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ مجازاً اسناد الی الزمان کے قبیل سے ہو اور بوجہ اپنے ماقبل کے قریب ہونے کے اسے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے" قالوا اجئتنا لتأفکنا" یہ الافک (بالفتح) سے ہے بمعنی پھیرنا أفکہ یأفکہ افکاً بمعنے قلبہ وصرفہ عن الشیئ" اسے فلاں شے سے پھیرا" یعنی کافروں نے کہا کیا آپ اسی لیے آئے ہیں تاکہ ہمیں پھیر دیں " عن الھتنا" ہمارے معبودوں کی عبادت سے پھیر کر اپنے دین کی طرف لے جائیں اور یہ ناممکن ہے" فأتنا بما تعدنا" تو ہمارے ہاں وہ لائیے جس دردناک عذاب سے ہمیں آپ ڈراتے ہیں۔ یہ باء تعدیہ کی ہے۔" ان کنت من الصدقین" اگر آپ ان لوگوں سے جو اپنا وعدہ سچ کر دکھاتے ہیں" قال" ہود علیہ السلام نے فرمایا" انما العلم" عذاب کے نزول کا علم یا جملہ اشیاء جن میں سے نزول عذاب بھی ہے، کا علم" عند اللہ" اللہ تعالی کے ہاں ہے اس کا (ذاتی طور پر) مجھے کوئی علم نہیں اور نہ ہی اس کے لانے میں مجھے (ذاتی) اختیار ہے اس کا علم صرف اللہ

تعالیٰ کو ہے جس وقت میں اسے مقدر کر رکھا ہے اس وقت لائے گا " وابلغکم ما ارسلت به " اور میں تمہارے ہاں وہی پہنچاتا ہوں جو رسالت کے متعلق ہیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو میں نے تمہیں عذاب الٰہی کی وعید سنادی ہے اگر تم نزول عذاب کو معلوم کرنے کے باوجود شرک سے باز نہیں آؤگے تو لازماً تم پر عذاب نازل ہوگا " ولکنی اراکم قوماً تجھلون " اور میں تو تمہیں جاہل لوگوں سے سمجھتا ہوں اس لیے کہ تم مجھ سے وہ امور طلب کر رہے ہو جو رسالت کے متعلق نہیں کیونکہ رسول علیہ السلام عذاب الٰہی سنانے آتے ہیں عذاب نازل کرنا ان کے متعلق نہیں اور نہ ہی اس کی تعیین وقت بیان کرنا ان کے ذمہ ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے کافرو! تم صواب وخطا اور اصلاح و فساد کی تمیز نہیں رکھتے حالانکہ میں نے تمہیں واضح طور راہِ حق بتایا۔ آیت سے ثابت ہوا کہ بت دو قسم ہیں :-

(۱) ظاہری ۔ (۲) باطنی ۔

ظاہری تو وہی ہیں جن کی کفار پرستش کرتے ہیں اور باطنی نفس اور اس کی خواہشات و لذات دنیویہ فانیہ اور انبیاء علیہم السلام ان ہر دونوں سے روکنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اس لیے کہ ان کا کام ہوتا ہے کہ وہ نفس کو پاکیزہ کر کے ارواح کو مالک قدوس کی طرف پہنچنے کی ترغیب دیں ۔ ان کی وراثت میں اولیاء کرام کا بھی یہی طریقہ ہوتا ہے اسی لیے وہ فرمایا کرتے ہیں کہ خواہشاتِ نفسانی پر عمل کرنا عذابِ عظیم کا موجب ہے اور عبادت الٰہی سے بہت بڑا اجر و ثواب بلکہ رویتِ حق نصیب ہوتا ہے ۔

اعدائے اولیاء کی علامت :-

جن لوگوں کے قلوب شقاوت سے لبریز ہوتے ہیں وہ اللہ والوں کے مقابلہ پر تلے رہتے ہیں ۔ اور ہر وقت ان کی تردید اور ان سے عناد اور بغض و عداوت سے بھرپور رہتے ہیں ۔ اس سے ان کی ضلال و فساد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے پھر انہیں نہ صرف ثوابِ اعمال سے محرومی بلکہ وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اولیاء کی دشمنی بھی قلتِ عقل بلکہ کمال جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ کیونکہ جسے عقل تام اور معرفت کامل حاصل ہوتی ہے وہ کبھی خواہشِ نفسانی کی اتباع نہیں کرتا اور نہ ہی عبادتِ حق سے منہ موڑتا ہے ۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا پہلے عرفان الٰہی حاصل کرو پھر عبادت، کیونکہ جو اسے پہچانتا نہیں اور نہ ہی اس کی صفات و اسماء اور اس کے حقوق واجبہ کو جانتا ہے وہ اس کی کس طرح عبادت کرے گا بلکہ عبادت سے پہلے وہ امور بھی اپنے علم میں رکھے جو اس کی شان کے لائق نہیں کیونکہ بسا اوقات ایسے ہوگا کہ بعض صفات اللہ تعالیٰ کے لیئے مانے گا جو اس کے لائق نہیں ہوں گے تو وہ عبادت رائیگاں جائے گی بلکہ عذاب کا موجب بن جائے گی۔

(**حکایت**) ایک شخص آسمان پر شیطان ابلیس کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ تجلّیٔ حق ہے وہ اس گمان پر اللہ تعالیٰ کی بیس سال تک عبادت کرتا رہا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ تو شیطان تھا اپنی خطا پر نادم ہو کر تائب ہوا اور بیس سال کی قضا شدہ نمازیں لوٹائیں۔

(**مسئلہ**) انسان پر لازم ہے کہ معلوم کرے کہ اس پر واجب شرعیہ کونسی چیزیں ہیں تاکہ اسی طرح ادا کرے جس طرح وہ ان پر مامور ہے ایسے ہی مناہی کو جانے تاکہ ان سے رک سکے۔

(**حکایت**) ایک شخص نیک لیکن کم علم تھا اس نے ایک جانور خریدا لیکن بظاہر اسے اس کی ضرورت نہ تھی۔ عرصہ تک اسے اپنے پاس رکھا کسی نے پوچھا آپ کو بظاہر اس کی ضرورت تو ہے نہیں پھر خرید کر اسے اپنے پاس رکھنے کا کیا معنٰے۔ جواب دیا کہ میں اس سے وطی کرتا ہوں تاکہ زنا سے بچ جاؤں۔ لوگوں نے کہا جانور کی وطی بھی زنا سے کم نہیں اس غلطی سے وہ نیک آدمی نادم ہو کر تائب ہوا۔

سبق: معلوم ہوا کہ حلال و حرام کی تمیز ضروری ہے تاکہ صحیح طریقۂ اسلام نصیب ہو۔

(**مسئلہ**) انسان پر احوال و اخلاق کی معرفت اور برے اخلاق و عادات جیسے حسد و ریا و عجب و کبر و حُبِّ مال و جاہ وغیرہ وغیرہ کا جاننا ضروری ہے اور اچھے اخلاق و عادات سے متخلق ہونا لازمی ہے یعنی توکل و قناعت اور رضا و تسلیم و یقین وغیرہ جیسے عادات و خصائل اپنے میں پیدا کرے یہ لیکن ایسے امور کے لیئے معلم و مرشد کا ہونا ضروری ہے۔ بالخصوص اصلاحِ باطن کے لیئے اور زیادہ ضروری ہے۔

درآ بحلقۂ روشندلان عالم خاک
کہ تا زجاجۂ دل را کنی زعاد شہ پاک

ترجمہ۔ روشندلان عالم کے حلقہ میں آجا تاکہ تیرے دل کا شیشہ دنیا کی آلائش سے صاف

ہو جائے ۔

تفسیر عالمانہ: "فلما راوہ" فاء فصیحیہ ہے یعنی ان کو عذاب موعود نے گھیر لیا تو پھر جب اسے دیکھا درانحالیکہ "عارضاً" بادل آسمان کے کناروں پر پھیلنے لگا یا آسمان کے کناروں پر بادل ظاہر ہونے لگا "مستقبل اودیتھم" درانحالیکہ ان کی وادیوں کی طرف متوجہ ہونے والا تھا، اس کی اضافت لفظی ہے اسی لیے اسے نکرہ کی صفت واقع ہوا۔

فائدہ: مروی ہے کہ ان کے سامنے ایک سیاہ بادل نمودار ہوا

فائدہ: جس بادل سے بادل برسے اسے مغیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں پر عرصہ تک بادل نہیں برسا تھا اسی لیے بادل کو دیکھتے ہی نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے عذاب سے ڈرنے کے بجائے بہت بڑے خوش ہوگئے "قالوا ھذا عارض ممطرنا" کہا کہ یہ تو وہی بادل ہے جو ہمیں بارش دے گا۔ اس میں بھی اضافہ لفظی ہے۔ نبی علیہ السلام کو کہا "بل ھو ما استعجلتم بہ" اس سے ہود علیہ السلام مراد ہیں۔ یعنی اے میری قوم تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ غلط ہے بلکہ وہی عذاب ہے جس کی طلب میں عجلت کر رہے ہو "ریح" یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی "ھو ریح" یعنی وہ ہوا ہے "فیھا عذاب الیم" یہ ریح کی صفت ہے ایسے ہی "تدمر" بھی ریح کی صفت "تدمر" بمعنی "تہلک" ہے یعنی اس ہوا میں دردناک عذاب ہے جو تباہ کر دے گی "کل شیء" ہر شے کو جس پر اس کا گذر ہوگا وہ نفوس ہوں یا اموال یہ سب کو تباہ و ہلاک کر دے گی یہ استغراق عرفی ہے اس سے ہود علیہ السلام کی قوم کے مشرکین مراد ہیں "بامر ربھا" اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اس لیے کہ ہر شے کی حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ رب کی اضافت ریح کی طرف اس کی تعظیم کا اظہار مطلوب ہے ورنہ وہ ہر شے کا رب ہے۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ہوا کی حرکت اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے لشکروں سے ہے اور اس میں نہ تاثیر کواکب کو کوئی تعلق ہے اور نہ ہی کسی اور شے کو بلکہ یہ امر الٰہی ہے کہ جب وہ چاہتا ہے تو اسے کھول دیتا ہے اور کبھی اس سے سرکشوں کو سزا دینے کے طور ضرورت سے زائد کھول دیتا ہے "فاصبحوا" تو وہ ہو گئے عذاب سے اس حال میں "لا یری الا مساکنھم" یہ فاء فصیحہ ہے یعنی ان کے ہاں

جب ہَوا اچانک آئی تو اس سے وہ تباہ و برباد ہوگئے یہاں تک کہ اس کے بعد اب ان کے صرف مکانات نظر آتے تھے یعنی اب یہ حال تھا کہ اس کے بعد یہاں سے جو کوئی گذرتا تھا کہ صرف ان کے مکانات دیکھتا تھا لیکن مکین مرمٹ گئے تھے "کذلک" کاف منصوب ہے بمعنی مثل ذلک الخ یعنی اس سخت اور دردناک عذاب دیکر جڑ سے کاٹنے کی طرح "نجزی القوم المجرمین" مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں۔

قوم عاد کے عذاب کا نمونہ: منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہَوا کے مقرر کردہ فرشتوں کو حکم دیا کہ معمولی سے زائد صرف گائے کی ناک کے سوراخ برابر ہَوا چھوڑ دیں۔ فرشتوں نے عرض کی اے پروردگار اتنی مقدار سے تو تمام زمین پھٹ جائے گی اور اس پر تمام رہنے والے فنا ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انگوٹھی کے حلقہ کے برابر چھوڑ دو۔ ملائکہ نے حکم بجالایا تو مغرب کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلی تو اب انہیں معلوم ہُوا کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ان کے اموال و جانور آسمان و زمین کے درمیان اڑ رہے ہیں اور آسمان و زمین کے درمیان وہ اڑتے ہوئے جانور وغیرہ ٹڈی کی طرح محسوس ہوتے تھے اس کے بعد پتھر اڑ کر قوم کے سر پر گرے جن سے ان کے بھیجے نکل پڑے۔ یہ منظر دیکھ کر گھروں میں داخل ہوگئے اور دروازے بند کر دیئے۔ ہَوا نے ان کے دروازے اکھیڑ کر ان کے گھروں کو الٹ دیا اور احقاف (ریتلے ٹیلوں) کو اٹھا کر ان پر ڈال دیا وہ اسی ریت میں آٹھ دن اور سات راتیں دبے رہے۔ اسی اثناء میں ان ٹیلوں کے اندر سے رونے کی آواز ہوتی تھی پھر آٹھویں دن کے بعد ہَوا نے ان کے گھروں کو جڑوں سے اکھیڑ دریا میں پھینک مارا حالانکہ انہیں خیال سمایا ہوا تھا کہ ان جیسا اور کوئی طاقتور نہیں اس لیے کہتے تھے کہ ہَوا ہمارا کیا کرے گی لیکن ہَوا نے ان کے پرخچے اڑا دیئے اور ان کی قوم انہیں نہ بچا سکی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ ذرات زمین و آسمان
لشکر حقند گاہ امتحان

باد را دیدی کہ با عادان چہ کرد
آب را دیدی کہ با طوفان چہ کرد

ترجمہ (۱) زمین و آسمان کے جملہ ذرات دنیا کے امتحان گاہ میں حق کا لشکر ہے۔

(۲) ہوا کو دیکھ کہ اس نے عاد والوں سے کیا کیا۔ پانی کو دیکھ کہ اس نے نوح کی قوم کے ساتھ کیا کیا۔

ہود علیہ السلام کا معجزہ: حضرت ہود علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ہوا عذابِ الٰہی بن کر آرہی ہے تو پانی کے ایک چشمے کے نزدیک بیٹھ کر اپنے اور اپنے تابعداروں کے ارد گرد لکیریں کھینچیں جب ہوا ان سے گذرتی تو جسم کو خنکی اور طبیعتوں کو لذت بخشتی تھی۔ قوم عاد کی تباہی و بربادی کے بعد ہود علیہ السلام ڈیڑھ سو سال زندہ رہے۔ ان کا تفصیلی قصہ سورۂ اعراف میں گذرا ہے۔

فائدہ: آیت میں اہل مکہ کو وعید ہے کہ تم اگر تکذیب پر ڈٹے رہے تو یہ حشر تمہارا ہو سکتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تم پر وہی ہوا بھیجے جو قوم عاد پر بھیجی اس لیے عذابِ الٰہی سے ڈرنا لازمی ہے۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم جب تیز ہوا کے جھونکے چلتے دیکھتے تو آپ کے چہرہ مبارک پر خوف کے آثار نمودار ہو جاتے اور پھر کبھی آپ گھر کے اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر اور کبھی آگے اور کبھی پیچھے میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ماجرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم وہی ہوا ہو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلما راوہ عارضا الخ جب بادل سے بارش شروع ہوتی تو پھر خوش ہو جاتے اس کے بعد پڑھتے "ھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ" وہ اللہ جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے کہ وہ اس کی رحمت کے آگے خوشخبری سنائے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ آسمان قلوب پر کبھی بادل عارض ہوتا ہے تو ان پر رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ اس کی برکت سے ارض بشریت آباد ہو جاتی ہے جس سے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے برعکس اخلاق ذمیمہ و اعمال سوء بھی عارض ہو جاتے ہیں جن قلوب سے اخلاق ذمیمہ نمودار ہوتے ہیں ایسے لوگ خیر سے خالی ہوتے ہیں، اخلاق و آداب و اعمال صالحہ ایسے قلوب سے ظاہر نہیں ہوتے اور ایسے قلوب کو صدق و اخلاص اور رضاء و تسلیم نصیب نہیں ہوتا اور یہی ہے حق سے روگردانی کرنے والوں اور باطل کی طرف متوجہ ہونے والوں کی سزا ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ اس میں نقصان اور خسارے والے

لوگوں کی طرف اشارہ ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اہل لطف اور اہل حق ہیں اس لیے کہ مرنے سے پہلے چاہتے ہیں کہ ان کی قبروں پر بڑے بڑے قبے ہوں اور جاہل لوگ ان کی قبروں پر حاضر ہو کر چڑھاوے چڑھائیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں ان کی صرف قبریں ہی قبریں اور قبے ہی قبے ہوتے ہیں انہیں ثواب کے بجائے عذاب نصیب ہوتا ہے۔

لطیفہ: اہل حق نے فرمایا کہ اپنے نفس کے لئے قبر تیار نہ کی جائے بلکہ اپنے آپ کو قبر کے لئے تیار کیجیے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق بخشے جن سے اسے محبت اور وہ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان اعمال سے محفوظ فرمائے جو اس کی ناراضگی کا موجب ہوں۔

تفسیر عالمانہ: " ولقد مکناھم " التمکین بنے، کسی کو مدد دینا اور جگہ دینا یعنی ہم نے قوم عاد کو قدرت دی اور انہیں مالک بنایا " فیما " ان چیزوں میں " ان " نافیہ ہے " مکناکم " اے اہل مکہ جس کی ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی۔ یعنی انہیں مالی وسعت حاصل تھی اور جسمانی لحاظ سے بھی بڑی قدرت وطاقت والے تھے اور ان کی عمریں بھی طویل تھیں اور باقی تصرفات کا کیا کہنا۔

(نکتہ) اِنْ نافیہ اس لیے لایا گیا ہے تاکہ ایک جگہ پر لفظ ما کا تکرار نہ ہو اس لیے اس سے قبل ما موصولہ ہے اگر ما لایا جاتا تو اس کے ما کے بعد میم کو ھا سے تبدیل کرنا پڑتا جیسے مہما میں کیا گیا کہ وہ دراصل ماما تھا یا اسے زائدہ بنایا جاتا اور اگر شرطیہ مانا جائے تو اس کا جواب محذوف " کان بغیکم اکثر " ماننا پڑتا اگرچہ دوسرے مطالب صحیح ہو سکتے ہیں لیکن مقام کے مناسب یہی ہے۔ معنی موزوں تر ہے " وجعلنا لھم سمعا وابصارا وافئدۃ " اور ہم نے ان کے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ وہ انہیں استماع وحی ومواعظ رسل علیہم السلام پر استعمال کریں جن کے لئے ان کے یہ اعضاء پیدا کیے گئے اور انہیں وہ معرفت الٰہی کے حصول پر عمل میں لائیں اور یہ سمجھیں کہ کسی اعمال پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جاتی ہیں اور شکرانہ پر مداومت کریں تاکہ نعمتوں میں اضافہ ہو۔

(نکتہ) سمع کو مفرد اور باقیوں کو جمع ان میں اشارہ ہے کہ سمع سے صرف آواز سنی جاتی ہے بخلاف بصر کے کہ اس سے اشیاء کثیرہ کا ادراک ہوتا ہے۔ بعض کا بالذات

اور بعض بالواسطۃ اور قلب بھی ہر شے کا ادراک کرتی ہے اور فؤاد قلب میں ایسے ہے جیسے قلب سینے میں اور اسے فؤاد اس کے نفود یعنی تحرق کی وجہ سے کہا جاتا ہے فما یہ ما نافیہ ہے" اغنی عنہم سمعہم" تو نہ بچایا انہیں ان کے کانوں نے کہ انہیں استماع وحی اور مواعظِ رسل میں استعمال نہ کیا یہ" اغنی عنہ کذا" سے ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی کو بے نیاز کر دے تاج المصادر میں" الاغناء" بمعنی بے نیاز کرنا اور کسی کو کسی سے بچانا لکھا ہے" والابصارھم" اور نہ انہیں ان کی آنکھوں نے بچایا کہ وہ انہیں دنیا کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی آیات تکوینیہ کو دیکھنے کے بعد توحید کا اقرار کرتے لیکن نہ کر سکے" ولا افئدتہم" اور نہ ہی انہیں ان کے قلوب نے بچایا کہ وہ انہیں معرفت الٰہی میں استعمال کرتے تو انہیں عذابِ حق سے بچاؤ نصیب ہو جاتا" من شیٔ" بچانے کی کوئی صورت مراد ہے یہ مِنْ زائدہ ہے خلاصہ یہ کہ عذابِ الٰہی سے نہ انہیں کان بچا سکے نہ آنکھیں اور نہ دل (کذا قال الکاشفی)" اذ کانوا" اس لیے کہ از روئے تقلید و تعصب" یجحدون باٰیٰت اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے" اذ" اغنیٰ کے متعلق ہے ظرف تعلیل کے قائم مقام ہے اور وہ مضاف الیہ پر مرتب ہے اس لیے کہ تم جب" اکرمتہ اذ اکرمنی" کہتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے تم نے اس کی عزت اس لیے کی کہ اس نے تمہاری عزت کی تھی۔ اس کی عزت کرنا تمہاری عزت کرنے کی علت ہے" وحاق بھم" اور ان پر نازل اور ان کو محیط ہوا" ما کانوا بہ یستہزءون" جس کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے یعنی وہ عذاب جس کے لئے وہ عجلت کرتے تھے اور ان کا عجلت کرنا استہزاء کے طور تھا مثلاً وہ کہتے تھے کہ لائیے ہمارے ہاں وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔

فائدہ: اس میں اہل مکہ کو تخویف ہے تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) پس سپاس او را کہ ما را در جہاں
کرد پیدا از پس پیشینیاں

(۲) تا شنیدیم از سیاستہای حق
بر قرون ماضیہ اندر سبق

(۳) استخواں و پشم آں گرگاں عیاں
بنگرید و پند گیرید ای مہاں

(۴) عاقل از سر بنہد ایں ہستی و باد
چوں شنید انجام فرعوناں و عاد

(۵) ورنہ بنہد دیگراں از حال او
عبرتی گیرند از اضلال او

ترجمہ (۱) اس کا شکر کہ اس نے جہان میں پچھلے لوگوں کی خبریں ظاہر کیں۔

(۲) تاکہ حق تعالیٰ کی حکومت وسلطنت کی باتیں ہم سنیں اور پچھلے لوگوں کے حالات سے سبق حاصل کریں۔

(۳) ان بھیڑیوں کی ہڈیاں اور اُون ظاہر پڑی ہیں انہیں دیکھ کر اے سردار رُو عبرت حاصل کرو۔

(۴) عقلمند یہ ہستی اور ہوا سر سے باہر پھینکتا ہے جب فرعون و عاد کے انجام بربادسنتا ہے۔

(۵) ورنہ دوسرے لوگ اس سے اور اس کی گمراہی سے عبرت پکڑیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ سمع وبصر وفواد توحید کی تحصیل کے اسباب ہیں اور سمع سے شروع کرنے میں اشارہ ہے کہ فواد پر جملہ واردات سمع کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں اور آنکھیں دو اس لیے ہیں کہ مسموع منہ کی تصدیق کی سب سے بڑی شاہد آنکھ ہے کیونکہ مابہ التفکر اسی سے حاصل ہوتا ہے اور عموماً عبرت اسی سے ہی نصیب ہوتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ آنکھ ایک عظیم نعمت ہے اگرچہ حقیقی مبصر قلب ہے۔ آنکھ فواد کے ذکر میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ قلب تمام اعضاء سے عمدہ ہے۔ قلب کی عظمت کی وجہ سے ان دونوں کو پہلے بیان کیا گیا یہ ایسے ہے جیسے کسی کا نام لینے سے پہلے جناب یا حضرت کہا جاتا ہے اس سے مذکور کی عظمت مطلوب ہوتی ہے اور یہ دونوں آلات یعنی آنکھ اور کان قلب کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور ان کا ذکر خصوصیت سے اسی لیے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قلب کے لئے بمنزلہ وزیر کے ہیں اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو قلب کو جسم میں وہ مرتبہ حاصل ہوتا جو اسے اب حاصل ہے ظاہری انسان کے لئے سمع وبصر کو قلب کے لئے

ایسے ہیں جیسے خلافت ہیں قلب کے لئے جسد و نفس ہیں اس سے ثابت ہُوا کہ قلب کی تکمیل سمع و بصر پر اور سمع و بصر کا کمال قلب سے ہے اور انسان کو مکلّف بھی اسی وقت بنایا جاتا ہے جب اس کا قلب صحیح ہو اور اسے خطاب بھی ان جملہ اعضاء کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ حق کو سنے اور سن کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے بلکہ جمیع اعضاء کے مطابق جتنا امور کا اسے مکلف بنایا گیا ہے ان اعضاء کو ان کے لائق عمل ہیں لائے اور جمیع احکامات پر عمل پیرا ہونے اور جمیع منہیات سے رکنے کی جد وجہد کرے محرمات کے قریب نہ جائے مکروہات کو ترک کرے اور فضول مباحات کا بھی ارتکاب نہ کرے اس لیے کہ فضول مباحات کا اشتغال انسان کو مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہے اور مباحات کے فکر میں پڑنے سے انسان مقلب پر ظلمت چھا جاتی ہے جب مباحات کا یہ حال ہے تو پھر محرمات کے اشتغال سے کتنی تاریکیاں چھا جائیں گی جب گندگی سے پانی بدبودار ہو جاتا ہے تو اس سے وضو نا جائز ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کتا بھی پانی پی جائے تو پھر اور ہر عضو سے قیامت میں سوال ہو گا اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ محاسبہ سے پہلے ہی اپنا حساب کر لے۔

حضور علیہ السلام کا قصاص دینا :-

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو بلا عمد معمولی سی لکڑی ماری تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبار اور متکبر بنا کر مبعوث نہیں فرمایا۔ یہ سن کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو بلا کر فرمایا میرے سے قصاص لے، اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے آپ کو معاف کیا اور میرے سے یہ کام نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ تک اس کا نام نہ لوں گا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لئے خیر کی دعا فرمائی۔

سبق : جیسے ہاتھ سے ظلم کا ترک ضروری ہے ایسے ہی ظالموں کی معاونت کا ترک بھی لازمی ہے۔

حکایت : ایک عالم دین کسی ظالم کی قید میں تھے ان سے ظالم نے کہا کہ آپ تھوڑی سی مٹی اٹھا کر دیجیے تاکہ میں اپنی مہر پر لگا دوں۔ اس عالم دین نے فرمایا کہ پہلے مجھے وہ خط دکھائیے میں اسے پڑھ لوں ممکن ہے تو نے اس میں کوئی ظلم کا حکم لکھا ہو۔

سبق: اللہ والے ایسے ہی ظالموں کی معاونت سے احتراز کرتے ہیں۔

فائدہ: جو شخص آیاتِ الٰہی کے حلال و حرام کا اقرار کرتا ہے وہ ترکِ عمل پر جرأت نہیں کرتا پھر ان بدبختوں کا کیا حال ہوگا جو ان آیات کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔

(مسئلہ) توحید اور اس کا اقرار جملہ احکامات کا اصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ“

فائدہ: علم و عمل کے شرف و فضیلت میں کسی کو کلام نہیں بالخصوص ذکرِ الٰہی کی تو بہت بڑی فضیلت ہے۔

حکایت: موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ کیا تو میرے قریب ہے تاکہ میں تیرے سامنے مناجات کروں یا تو بعید ہے تاکہ تجھے زور زور سے پکاروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کا ساتھی ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی بسا اوقات ہم ایسے حال میں ہوتے ہیں کہ تجھے یاد کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے یعنی قضاءِ حاجت اور جنابت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے ہر حالت میں یاد کرو۔ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قضاءِ حاجت کے وقت اگر چھینکتے تو بھی الحمد للہ کہتے[1]۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ فَلَوْ
لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ
اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ
فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ
اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ
وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ
ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ
فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اَوَلَمْ يَرَوْا
اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦَ
الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ

---

[1] احیاء العلوم۔

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

ترجمہ۔ ’’اور بے شک ہم نے ہلاک کردیں تمہارے آس پاس کی بستیاں اور طرح طرح کی نشانیاں لائے کہ وہ باز آئیں تو کیوں نہ مدد کی ان کی جن کو انہوں نے اللہ کے سوا قرب حاصل کرنے کو خدا ٹھہرا رکھا تھا بلکہ وہ ان سے گم گئے اور یہ ان کا بہتان و افترا ہے اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے پلٹے بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی حق اور سیدھی راہ دکھاتی اے ہماری قوم اللہ کے منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانے والا نہیں اور اللہ کے سامنے اس کا کوئی مددگار نہیں کھلی گمراہی میں ہیں کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اور ان کے بنانے میں نہ تھکا قادر ہے کہ مردے جلائے کیوں نہیں بے شک وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور جس دن کافر آگ پر پیش کیے جائیں گے ان سے فرمایا جائے گا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمارے رب کی قسم فرمایا جائے گا تو عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے جلدی نہ کرو گویا وہ دن دیکھیں گے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے دنیا میں نہ ٹھہرے تھے مگر دن کی ایک گھڑی بھر یہ پہنچانا ہے تو کون ہلاک کیے جائیں گے مگر بے حکم لوگ۔‘‘

تفسیر عالمانہ: ’’ولقد اھلکنا ما حولکم‘‘ اے اہل مکہ ہم نے تمہارے اردگرد کے بہت سے لوگوں کو ہلاک و تباہ کیا۔ حول الشئ بمعنے شئے کی وہ جانب جس کے گرد پھرنا ممکن ہو ’’من القریٰ‘‘ بستیوں میں سے جیسے حجر ثمود یہ قوم ثمود کی رہائش گاہ تھی اور الٹی ہوئی بستیاں اس قوم لوط (علیہ السلام) کی رہائش گاہ ہیں لیکن ظاہر یہ ہے

کہ اس سے قوم عاد بھی شامل ہے اِس لیے کہ وہ تباہ و برباد ہوئے تو اس کی رہائش گاہیں باقی موجود تھیں " وصرفنا الآیٰت " اور ہم نے آیات یعنی دلائل و براہین اور عبرتوں کو بار بار دہرایا تاکہ ان سے وہی لوگ عبرت حاصل کریں اور کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے ان واقعات و آیات کا بار بار ذکر کیا اور گذشتہ امتوں کے قصے اور ان کی تکذیب و شرک کے واقعات دہرائے " لعلهم یرجعون " تاکہ وہ اپنے کرتوتوں یعنی شرک و کفر اور معاصی سے باز آجائیں تاکہ یہی توحید و طاعت کی بھاری رکاوٹیں تھیں لیکن ان کا کوئی ایک بھی اپنے رویہ سے نہ بدلا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر شے پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں ہدایت ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کرے۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس میں اہل ایمان کو امید دلائی گئی ہے اور کافروں کو طمع دلایا گیا ہے کہ ممکن ہے وہ ایمان لائیں ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کہ وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے۔

فائدہ: فقیر حقی (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اسرار و قدرت کا ایک ارادہ ہے اس میں بحث نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا لیکن ان میں بہت سے تھوڑے لوگوں نے ایمان قبول کر کے اطاعت کی۔

فائدہ: چونکہ ان لوگوں کو کھلم کھلا نشانیوں کے دیکھنے کی عادت تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آیات کو بار بار دہرایا اور انبیاء علیہم السلام نے معجزات دکھائے۔

فائدہ: امر تکلیفی و امر ارادی میں فرق اتنا ہے کہ پہلا مامور بہ کے حصول کا مقتضی نہیں بخلاف ثانی کے ورنہ ارادہ و مراد میں تخلف واقع ہونا اور وہ محال ہے۔

" فلولا نصرهم الذین اتخذوا من دون الله قربانا الهة ط " القربان بمعنی ما یتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ اور اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف اور دوسرا " الهة " اور " قربانا " حال ہے اب معنے یہ ہوا کہ ان معبودوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی جنہیں انہوں نے اپنی قربت حق کا وسیلہ بنایا ہوا تھا چنانچہ وہ کہا کرتے تھے " ما نعبدهم الا لیقربونا الی الله زلفی " اور " هؤلاء شفعاءنا " اس میں ان کے ساتھ تہکم ہے " بل ضلوا عنهم " بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے تھے یہ ان کے ساتھ دوسرا تہکم ہے۔ گویا انہیں بنایا گیا کہ تمہارے معبودوں کا تمہاری مدد نہ کرنا غیبوبت کی وجہ سے تھا یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ ان سے بالکلیہ ضائع ہو گئے " وذلك " اور ان کے معبودوں کا ضائع ہو جانا اور ان کی

مدد نہ کرنا "افکھم" ان کے بہتان کی وجہ سے تھا ان کا بہتان یہی تھا کہ وہ انہیں اپنے معبود سمجھتے تھے اور یہ ان کے شرک کا نتیجہ تھا "وما کانوا یفترون" اس کا "افکھم" پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے کے بعد۔ خلاصہ یہ کہ جو بھی آپ سے منہ پھیرے گا اسے کہیں بھی جگہ نہ ملے گی۔

انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کا وسیلہ اور ازالۂ وہم وہابیہ

اسباب و وسائل دو قسم ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ ان کو وسیلہ در سبب بنا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچیں جیسے انبیاء و اولیاء اور وہ امور جو وحی و الہام کے ذریعے حاصل ہوں اور یہ وسیلے ہدایت کا موجب ہیں کما قال اللہ "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" اور فرمایا "وکونوا مع الصادقین" (۲) جنہیں وسیلہ بنانے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے جیسے اصنام پرستی وغیرہ یہ گمراہی کے اسباب ہیں جیسا کہ آیاتِ قرآنی میں تصریحات ہیں۔

فائدہ: ان اسباب کے استعمال پر اللہ تعالیٰ فعل کو پیدا فرماتا ہے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہی امور تاثیر پیدا کرتے ہیں تاکہ بندے کو معلوم ہو کہ ہر شے کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑے، اسباب سے متعلق نہ رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی پند و نصیحت

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ پرندے کی طرح ہو کر وہ درختوں سے پیٹ بھرتا ہے اور پانی پی کر شام کے وقت دیواروں وغیرہ کے شگافوں میں بسیرا کرتا ہے اور ساری رات میری یاد میں گذارتا ہے اور میرے بغیر کسی دوسرے سے وہ واسطہ نہیں رکھتا بلکہ اسے مخلوق سے وحشت ہوتی ہے۔ اے موسیٰ علیہ السلام میرے سوا کسی پر سہارا نہ کرنا اس لیے کہ جو بھی میرے غیر پر سہارا کرتا ہے میں اس کی پشت توڑ دیتا ہوں اور جو میرے بغیر کسی دوسرے پر امید کرتا ہے تو میں اس سے منقطع کر دیتا ہوں اور جو بھی غیر اللہ سے مانوس ہوتا ہے میں اسے وحشت میں ڈال دیتا ہوں اور جو میرے غیر کے ساتھ دوستی کرتا ہے میں اس سے منہ پھیر لیتا ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں تخویف و تہدید ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے غفلت نہ کرے اور نہ ہی غیر اللہ پر سہارا کرے بلکہ انجام پر غور کرے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں نے تمہیں آخرت کی ترغیب دلائی لیکن تم راغب نہیں ہوئے میں نے تمہیں بار بار دنیا کے ترک کا فرمایا لیکن تم نے

زہد قبول نہیں کیا میں نے تمہیں دوزخ سے بار بار ڈرایا لیکن تم نہ ڈرے اور میں نے تمہیں بار بار بہشت کی ترغیب دلائی لیکن تم نے آرزو نہ کی۔ میں نے بار بار حرب دزاری کا کہا لیکن تم نے ایک نہ سنی مبارک باد کے مستحق ہیں وہ کشتگان حق جن پر شمشیر کا نیام بند رہا اور نیام سے دوزخ مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ: "واذ صرفنا الیک نفرا من الجن" اور جب ہم نے جنوں کی ایک ٹولی کو آپ کی طرف متوجہ کیا۔ نفر دس سے کم گنتی کو کہا جاتا ہے اس کی جمع انفار آتی ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفر مردوں کی اس مختصر ٹولی کو کہا جاتا ہے جو جنگ کر سکیں اور جن سے ایک روحانی جماعت مراد ہے اس لیے کہ روحانی لوگ تین قسم ہیں:-

(۱) پسندیدہ گروہ جنہیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) اشرار انہیں شیاطین کہا جاتا ہے۔

(۳) متوسط ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور شریر بھی انہیں جنات کہتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ملائکہ نہ مرد ہیں نہ عورت اور نہ ہی بچے جنتے ہیں اور نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور شیاطین نر مادہ ہوتے ہیں، بچے بھی جنتے ہیں اور مرتے نہیں بلکہ وہ ابلیس کی طرح قیامت تک زندہ رہیں گے اور جنات جنتے ہیں اور ان میں بھی نر مادہ ہوتے ہیں۔

جنات کا مذہب

فقیر حقی (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے مذکورہ بالا تقریر کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جنات کے مختلف مذاہب ہیں یہاں تک کہ وہ رافضی بھی ہوتے ہیں (اور وہابی وغیرہ بھی) اور ان میں لڑائی اور جنگیں بھی ہوتی ہیں لیکن ابلیس کے بارے میں اشکال ہے کہ نامعلوم وہ کون ہے ان میں ہے یا نہیں ویسے اسے ابوالجن کہتے ہیں۔ اور ان میں اور شیاطین میں ایمان و کفر کا فرق ہے "یستمعون القرآن" درانحالیکہ وہ قرآن مجید سنتے ہیں یہ نفر سے حال مقدر ہے اس لیے کہ یہ انہیں ایک صفت مخصوص کرنا مطلوب ہے یا اس کی دوسری صفت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلائیے کہ جنات کی ایک قوم کو ہم نے آپ کے ہاں متوجہ کیا درانحالیکہ وہ آپ سے قرآن مجید سنتے تھے "فلما حضروہ" جب وہ آپ کے پاس قرآن مجید سننے کے لیے حاضر ہوتے "قالوا" ان کے بعض

نے بعض کو کہا "انصتوا" الانصات بمعنی کلام ترک کر کے آواز کی طرف کان لگانا یعنی آپس میں کہنے کہ خاموش ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرآن مجید سنو۔ اس میں اشارہ ہے کہ فضول کلام اور حرص اور بکواس انسان کی طرح جنات کا بھی شیوہ ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نیکی کی حرص پسندیدہ عمل ہے۔

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ جنات کو خطاب کی ہیبت اور مشاہدہ کی وحشت نے ان کی زبان کو بولنے سے روک دیا اس لیے مقامِ حضرت میں سکوت اور خاموشی لازمی ہے "فلما قضی" جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت سے فراغت پائی "ولوا الی قومھم منذرین" اپنی قوم کی طرف لوٹے ڈرانے والے یعنی وہ ڈرانے کا خیال دل میں رکھتے تھے یعنی جنات نے قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیا اور احکام قرآنی کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ارادہ کیا کہ اپنی قوم کے ہاں واپس پہنچتے ہی انہیں بھی احکام خداوندی سنا کر عذاب الٰہی سے ڈرائیں گے۔

فائدہ: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر واپس لوٹے اس لیے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغامات سناتے ہیں لیکن وہ نہ نبی ہوتے ہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قاصد، اس سے ثابت ہوا کہ جنات نے اپنی قوم کو پیغاماتِ حق تو سنائے لیکن بحیثیت نبوت کے نہیں بلکہ بحیثیت پیام رسانی کے۔ اس کی مزید بحث سورہ انعام کی آیت "یا معشر الجن والانس" میں گذری ہے۔

جنات کی حاضری

مروی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے جنات آسمان پر چڑھ کر کچھ باتیں سن کر کچھ اپنی باتیں ساتھ ملا دیتے تھے لیکن بعثت کے بعد ان کو آسمان پر چڑھنے سے روک دیا گیا بلکہ آسمان پر چڑھنے پر انہیں پتھر لگنے لگے اسے ایک حادثہ سمجھ کر اپنی جماعت نمائندے تفتیش حال کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیے وہ چھ یا سات افراد تھے اور وہ جنات نصیبین میں رہتے تھے۔ نصیبین دیار ربیعہ کا ایک شہر ہے (کذا فی القاموس) اور انسان العیون میں ہے کہ نصیبین علاقہ شام کا ایک شہر ہے۔ بعض نے اسے یمن کا ایک شہر لکھا ہے۔

(حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنات کے ہاں تشریف لے جانا) مروی ہے کہ حضور تاجدارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نصیبین گیا۔ اور وہاں جا کر میں نے دعا مانگی یا اللہ اس شہر کی نہر کے پانی کو میٹھا اور اس کے درختوں کو ثمر دار

بنا رے، اور اسے بکثرت بارش عطا فرما۔

جنّات کے بادشاہوں کے نام

منقول ہے کہ موصل کے علاقہ نینوٰی میں جنّوں کے بادشاہ رہتے تھے۔ عین المعانی میں ان کے یہ اسماء لکھے ہیں۔ (۱) شاصر (۲) ناصر (۳) دس (۵) از (۶) دادنمان (۷) احقم۔ بعض علماء نے کہا کہ وہ نو تھے۔ سات وہی جو مذکور ہوئے آٹھواں عمرو نانواں سرق اور زوبعہ بفتح الزاء المعجمہ وہ لباء الموحدہ بھی انہی سے تھا۔ اور یہ ابلیس کا لڑکا تھا اور قاموس میں لکھا ہے کہ زوبعہ شیطان نام کا وہ جنوں کا رئیس تھا۔ اس تقریر پر دس افراد ہوئے۔

فائدہ: احقم کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ میم کے ساتھ ہے یا احقب باء کے ساتھ لیکن وہ ان میں سے کسی کا نام نہیں بلکہ وہ کسی ایک کی صفت ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ نو تھے ان کے اسماء یہ ہیں:۔ (۱) سلیط (۲) ناصر (۳) شاصر (۴) حاصر (۵) حساد (۶) مسا (۷) علیم (۸) ارقم (۹) ادرس۔ یہ اپنے علاقہ سے چل کر تہامہ تک پہنچے۔

فائدہ: تہامہ بالکسر مکہ مشرفہ کو کہا جاتا ہے لیکن علاقہ کے لحاظ سے تہامہ مکہ معظمہ کا نام نہیں۔ (القاموس)

یہ لوگ تہامہ سے عکاظ کے بازار کے قریب وادی نخلہ میں آکر ٹھہرے۔

فائدہ: نخلہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے اور نخلہ شامیہ اور یمانیہ دو وادیاں ہیں جو مکہ شریف سے ایک دن کے پر دور واقع ہیں اور عکاظ بروزن غراب کے ایک بازار کا نام ہے جو نخلہ وطائف کے درمیان جنگل میں ہے جو یکم ذیقعد سے بیس دن تک لگتا جس میں عرب کے قبائل جمع ہوکر اپنے کارناموں پر فخر و مباہات کے اشعار اور نثر میں ظاہر کرتے۔ ادیم عکاظی اسی مکان کی طرف منسوب ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ جنات کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ آدھی رات کے وقت نماز پڑھ رہے تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ اس وقت اکیلے تھے ایک روایت کے مطابق آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ: اس وقت آپ کو صرف صبح کی دو رکعت اور دو رکعت شام کو پڑھنے کا حکم تھا اور یہ صبح کا دوگانہ اس صبح والی نماز کے علاوہ تھا جو پانچوں نمازوں میں سے ایک ہے اور پانچوں نمازوں کا حکم شبِ معراج میں ہوا اور جنات کا آسمان پر چڑھنے کی رکاوٹ وحی کے ابتداء میں ہوئی تھی اور معراج بعثت کے دو سال بعد ہوئی بہرحال ان جنوں کے نمایندوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت قرآن مجید سنی اس وقت آپ سورہ طٰہٰ شریف تلاوت فرما رہے تھے اور وہ دن تھے جب آپ طائف سے تبلیغ کر کے واپس لوٹے تھے اور اسلام کے لئے اپنی قوم سے مدد چاہی لیکن سب نے آپ کی مدد سے انکار کر دیا تھا بلکہ الٹا ایذاء کے لئے لوگوں کو اکسایا اور آپ کو بہت ایذائیں پہنچائیں اور آپ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا جیسا کہ اس کی تفصیل ہم نے سورہ توبہ کے آخر میں بیان کی ہے۔ آپ نے طائف میں ایک ماہ دس دن رہ کر وعظ فرمایا اور آپ کا قیام وادی نخلہ میں چند روز رہا۔ اس کے بعد پھر مکہ معظمہ واپس تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ ان سے پھر کس طرح اسلام کے لئے مدد چاہیں گے جبکہ انہوں نے آپ کو وہاں سے نکالا اور تکلیفیں پہنچائیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زید ہمارا توکل کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ کوئی سبب ضرور بنائے گا اور وہی اپنے دین کی خود مدد کرے گا اور مجھے امید قوی ہے کہ وہ اس دفعہ میری ضرور مدد فرمائے گا یہ کہکر آپ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور جبل حراء میں آ کر ٹھہرے اور مطعم بن عدی کے ہاں پیغام بھیجا کہ میں مکہ میں تیرے ہاں آ کر ٹھہروں گا اگر تم چاہو تو میں آجاؤں اُس نے حامی بھر لی۔ یہ غزوہ بدر سے سات ماہ پہلے کافر ہو کر مرا تھا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو مطعم اپنے چھ یا سات بچوں سمیت مسلح ہو کر آپ کو مسجد میں لے آیا اور خود کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے قریشیو! میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے آج کے بعد انہیں کوئی بھی ایذاء نہ دے۔ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ بیت اللہ شریف میں تشریف لے جا کر طواف کیجیے آپ بیت اللہ شریف تشریف لائے طواف کے بعد نماز پڑھی اس کے بعد اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مطعم اور اس کے بیٹوں نے نگرانی کا حق ادا کیا۔ اور عرب کی عادت تھی کہ جس کی امان کا ذمہ اٹھاتے تو اسے نبھانے کی کوشش کرتے تھے اس لیے ابوسفیان نے کہا کہ اے مطعم جیسے تو نے امان دی

ہے ہم نے بھی اُسے امان دی۔

جنات کی اطلاع: اسی پناہِ مطعم کے دوران جنات مکہ معظمہ میں پہنچ چکے تھے لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی فرمایا کہ جنات آپ کی تلاوتِ قرآن مجید بار بار سن رہے ہیں۔ (گویا کہ اس سے حضور علیہ السلام کو تسلی دلائی گئی)

جنات کی گھر کو واپسی اور دوبارہ حاضری: جنات کے سات نمایندے تھے وہ بطن نخلہ میں چند روزہ قیام کے بعد اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گئے اور انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات سنائے جس پر تمام جنات نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری کا پروگرام بنایا جبکہ ابھی آپ مکہ معظمہ میں تھے اس بار تین سو یا بارہ ہزار جن آئے۔ اور وہ حجون میں آکر ٹھہرے۔ حجون[1] وہ جگہ ہے جہاں مکہ کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک جن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور! ہماری تمام برادری حجون میں پہنچ چکی ہے اور آپ کی زیارت کی خواہش مند ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں رات کا ایک وقت عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں جنات کو قرآن مجید سناؤں اور انہیں احکامِ الٰہی بتاؤں اور انہیں رات کا فلاں وقت دیا۔ چنانچہ اس رات کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حجون کے قریب پہنچے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دائرہ کھینچا اور مجھے فرمایا کہ تم اس دائرہ کے باہر سے نہ جانا جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہاں دائرہ کے اندر رہنا۔ اگر تم اس دائرہ سے نکلو گے تو پھر تا قیامت مجھے نہیں دیکھو گے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) تم اگر یہاں سے نکلو گے تو پھر تجھے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ یہ فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھ گئے اور قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ نے سورۂ اقرأ باسم ربک یا سورۂ رحمٰن پڑھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنات کا بہت بڑا شور سنتا تھا تو مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر ہوئی۔

---

[1] آجکل اس کا نام جنت المعلیٰ ہے۔

فائدہ: اللفظ " بالغین المعجمۃ والطاء المھملہ" آواز کا شور جس سے کوئی بات سنائی نہ دے ۔ اور جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا لیا تھا پھر علیحدہ ہو گئے اور جماعت جماعت بنا کر حاضر ہوتے تھے ۔ جس وقت ایک جماعت حضور کی زیارت کر کے واپس لوٹتی تو ایسے معلوم ہوتا جیسے بادل سیاہ آسمان پر نظر آتا ہے ۔ اس وقفہ سے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تھا ۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہو کر واپس تشریف لائے، تو فرمایا اے ابن مسعود کچھ دیکھا ۔ عرض کی ہاں ! مجھے بہت کالے سیاہ نظر آتے تھے، ایسے محسوس ہوتے تھے جیسے جاٹ قوم ہو۔

فائدہ: الزط ایک جن کا نام ہے اس کا واحد زطی آتا ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) ایک جنات کی جماعت ہے جو نعیبین سے آئے ہیں میں نے عرض کی حضور وہ شور کیوں مچاتے تھے ۔ اور میں آپ کو دیکھتا تھا کہ آپ انہیں ڈنڈے سے دور ہٹاتے تھے اور فرماتے تھے بیٹھ جاؤ ۔ اس کا سبب کیا تھا ۔ آپ نے فرمایا، وہ اپنے قاتل مقتول کا فیصلہ میرے سامنے پیش کر رہے تھے، میں نے ان کا فیصلہ کیا ۔ (اس سے وہ خوش ہو رہے تھے)

اہل اسلام جنات کی غذا: ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جب انہیں قرآن مجید سنایا تو اس سے " السلام علیکم " کہا تو جواب دیا تو شور اٹھایا ۔ اس کے بعد میرے سے پوچھا کہ ہمارا کھانا کیا شے ۔ میں نے کہا کہ تمہارا رزق ہڈیاں ہیں اور تمہارے جانوروں کے لئے گوبر ہے ۔ اہل اسلام جنات جس حلال گوشت کی ہڈی کو کھانے کے لئے اٹھاتے ہیں تو وہ ہڈی گوشت بن جاتی ہے اور جس گوبر اور مینگنی کو اٹھاتے ہیں تو وہ سرسبز گھاس اور دانے بن جاتے ہیں تاکہ ان کے جانور کھائیں ۔ اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے روکا ہے ۔

کفار جنات کی غذا: کافر جنات کی غذا یہ ہے کہ مردار ہڈی پر گوشت پاتے ہیں تو اسی حرام گوشت کو کھاتے ہیں ۔

ابلیس کی علامات

جب ابلیس کو آسمان سے زمین پر اتارا گیا تو اس کو علم کے بجائے سحر دیا گیا اور اس کی قرأت شعر ۔

در قیامت نرسد شعر بفریاد کسے
گر سراسر سخنش حکمت یونان گردد

ترجمہ۔ قیامت میں شعر کسی کی فریاد رسی نہ کرے گا اگرچہ سراسر اس کا سخن حکمت ہو۔
اس کی کتابت سوئی سے بدن چھونا اور اس کے اندر سرمہ چھڑکنا اور اس کی غذا ہر مردود ہے اور وہ چیزیں جن پر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہوا اور اس کا مسکن حمام اور اس کی نشستگاہ بازار ہیں اور اس کی آواز سرود اور گانے بجانے کے آلات اور اس کی شکارگاہ عورتیں لیکن اس کی اکثر رہائش حمام میں ہوتی ہے۔ بازاروں میں بعض اوقات آنا جانا ہوتا ہے۔

فائدہ: جنات میں جو اسلام قبول نہیں کرتا وہ شیطان کی جماعت میں شامل ہے جیسے کہ پہلے مذکور ہوا۔ انسان العیون میں جنات کی غذا کے متعلق تین اقوال ہیں۔
(۱) جنات غذا کو چباتے اور نگلتے ہیں اور پانی کو غٹ غٹ کر کے پیتے ہیں۔
(۲) وہ کھاتے نہیں بلکہ وہ غذا کو سونگھتے ہیں۔ اس سونگھنے سے ان کی بھوک مٹ جاتی ہے۔
(۳) جنات کے دو گروہ ہیں۔ کچھ کھاتے پیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں بلکہ غذا کو سونگھتے ہیں۔
یہی ان تمام کا خلاصہ ہیں اور آکام المرجان میں ہے کہ عام نصوص میں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کھاتے پیتے ہیں اور رقیق و لطیف اشیاء کھانا پینا مانع نہیں اور ملائکہ لطیف اجسام ہیں وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ اسی پر جملہ اہل اسلام کا اجماع ہے اور اخبار و احادیث صحیحہ میں بھی اسی طرح وارد ہے اور علماء کرام نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنات کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور جنات بھی آپ کی شریعت کے مکلف ہیں ان میں گنہگار بھی ہیں اور نیک بھی اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا اور وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کا قرآن سنا اور وہ آپ کی صحابیت سے مشرف ہوئے اور آپ کی زیارت و صحبت سے شرفیاب ہوئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صحابی بھی تھے (کذا فی شرح النخبۃ لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ: "قالوا" جنات نے اپنی قوم کی طرف رجوع کر کے کہا "یا قومنا انا سمعنا کتابا" اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے۔
(سوال) انہوں نے سالم قرآن مجید نہیں سنا تھا بلکہ بعض سورتوں کو سنا تھا پھر کتابا

کیوں فرمایا ؟

(جواب) کل بول کر جز مراد لینا جائز ہے اس لیے یہاں بھی وہی قاعدہ سمجھیے "انزل من بعد" وہ کتاب نازل ہوئی ہے "موسٰی" موسٰی علیہ السلام کے بعد۔

(سوال) جنات کو موسٰی علیہ السلام کا نام لینے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی ؟ حالانکہ حضور علیہ السلام سے پہلے تورات موسٰی علیہ السلام کے بعد انجیل و زبور اتر چکی تھیں۔

(جواب۱) جنات صرف موسٰی علیہ السلام کو مانتے تھے۔

(جواب۲) مفتی سعدی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک، ظاہر یہ ہے کہ جنات کا قول ویسے ہے جیسے ورقہ بن نوفل نے کہا "ھذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسٰی علیہ السلام" یہ جبریل وہی فرشتہ ہے جو موسٰی علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا حالانکہ وہ نصرانی تھا اور نصرانی موسٰی علیہ السلام کو نہیں مانتے تھے جو جواب اس ورقہ کے قول کا ہوگا وہی یہاں پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ موسٰی علیہ السلام کی چونکہ رسالت محقق تھی اگرچہ لفظاً نصرانی نہیں مانتے تھے لیکن کتاب کی حیثیت سے ضرور مانتے تھے بخلاف عیسٰی علیہ السلام کے۔ ان کی رسالت کو یہودی نہیں مانتے تھے کیونکہ ان کی کتاب میں عیسٰی علیہ السلام کا ذکر نہیں تھا۔ دوسرا جواب یہ کہ نصارٰی تورات کے بعض احکام کو مانتے تھے اور بوقت ضرورت اس سے تائید حاصل کرتے تھے۔ یہ دونوں وجہیں یہاں جنات کے لئے بھی بیان کی جا سکتی ہیں۔

(جواب۳) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جنات کو عیسٰی علیہ السلام کا علم نہ تھا ورنہ انہوں نے آپ کا نام سنا تھا۔ (جواب۴) انسان العیون میں ہے کہ موسٰی علیہ السلام کے بعد اگرچہ انجیل وغیرہ نازل ہوئیں لیکن وہ تورات کی مقرر تھی اس کے لئے ناسخ نہیں تھی اس معنے پر جنات نے کہا "من بعد موسٰی"۔

(جواب۵) صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ تورات ہی وہ پہلی کتاب ہے جو احکام و شرائع پر مشتمل تھی بخلاف باقی دوسری کتابوں کے کہ ان میں احکام و شرائع وغیرہ نہیں تھے وہ صرف ایمان و توحید پر مشتمل تھیں اسی لیے انہیں صحائف کہا جاتا اگرچہ مجازاً گاہ گاہ انہیں کتب کہا جاتا تھا جیسا کہ سیر حلبیہ میں اس کی تصریح ہے چونکہ قرآن مجید اور تورات ہر دونوں ایمان اور احکام و شرائع کے جامع ہیں اس لیے جملہ کتب الٰہیہ کا مجموعہ انہی میں ملتا ہے اس لیے صرف ان دونوں کو حقیقی معنی کے اعتبار سے کتاب کہا جاتا ہے اسی بنا پر ہی جنات نے موسٰی علیہ السلام کی تخصیص کی۔

فائدہ: اس میں موسٰی علیہ السلام کی کتاب تورات اور قرآن مجید کی شرافت و جلالت

شان کا بیان ہے۔

"مصدقا لما بین یدیه" وہ تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہُوا یعنی یہ قرآن مجید تورات وانجیل و دیگر کتب سماویہ کے موافق ہے جیسے ان میں نبوت و معاد و تہذیب الاخلاق وغیرہ کا بیان ہے۔ اس میں بھی وہی کچھ ہے "یهدی الی الحق" حق یعنی عقائد صحیحہ میں رہبری کرتا ہے "والی طریق مستقیم" اور وہ سیدھے راستے کی راہ دکھاتا ہے ایسا راستہ کہ جس میں ٹیڑھا پن نہیں اس سے شرائع اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عطاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید باطن میں حق کی جانب اور ظاہر میں صراط مستقیم کی طرف پہنچاتا ہے۔

"یاقومنا اجیبوا داعی الله" اے ہماری قوم اللہ کے داعی کا فرمان مانو۔ داعی اللہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مراد ہیں یا وہ احکامات جو انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنے اس لیے کہ قرآن جیسے ہادی ہے ایسے ہی وہ داعی بھی۔

"وآمنوا به یغفر لکم" اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ وہ تمہیں بخش دے گا "من ذنوبکم" تمہارے بعض گناہ۔

(مسئلہ) اس سے وہ گناہ مراد ہیں جو خالص حقوق الٰہیہ سے ہوں ورنہ حقوق العباد ایسے نہیں بخشے جائیں گے جب تک صاحب حق معاف نہ فرمائے یا اسے کسی طریقہ سے راضی نہ کیا جائے۔

(مسئلہ) ذمی اگر مسلمان بھی ہو جائے تو اس سے حقوق اللہ تعالیٰ معاف ہو جائیں گے لیکن حقوق العباد معاف نہ ہوں گے۔ ایسے ہی حربی کا مسئلہ ہے کہ اگر یہ وہ دار الاسلام میں ہر طرح سے باایمان ہو جائے گا لیکن حقوق بندگان سے اسے معافی نہیں ملے گی۔

(مسئلہ) کفر اور توبہ کے حقوق شدید ترین امر ہیں۔ قیامت میں یا تو صاحب حق کے گناہ اس کے حقوق کے اس کے سر پر رکھے جائیں گے یا اس کی نیکیاں صاحب حقوق کو دی جائیں گی اور کافر کے لئے کوئی نیکیاں نہیں ہوتیں اور نہ ہی جانوروں کے لئے کوئی گناہ ہوتے ہیں اسی لیے ان کے حقوق کے بجائے عذاب دیا جائے گا "ویجرکم من عذاب الیم" اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ وہ عذاب جو کافر کے لئے تیار کیا گیا ہے اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔

"ومن لا یجب داعی اللہ فلیس المعجز فی الارض" اور جو اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا یعنی زمین کے کسی کونے میں چلا جائے اللہ تعالیٰ سے نہیں بھاگ سکے گا اگرچہ زمین کے اندر بھی گھس جائے " ولیس لہ من دونہ اولیاء" اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا" اولیاء" جمع کا صیغہ لفظ "من" کے معنی کے لحاظ سے ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نجات دہندہ نہیں خواہ درمیان میں کتنا ہی وسائط و ذرائع لائے جائیں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان خود بخود نجات نہیں پا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو اور اولیاء جمع کا صیغہ مقابلۃ الجمع بالجمع باب سے ہے کیونکہ احاد الی الاحاد کی تقسیم ہوا کرتی ہے۔ "اولئک" یہی لوگ جنہوں نے داعی الی اللہ کی دعوت کو قبول نہ کیا " فی ضلال مبین" کھلی گمراہی میں ہیں یعنی ان کی گمراہی ایسی واضح ہے کہ کسی سے مخفی نہیں اس لیے کہ جو داعی سے روگردانی کرتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ اسے گمراہی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضور علیہ السلام اور ملائکہ کرام

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گذشتہ شب میرے ساتھ ملائکہ کرام کا ایک عجیب معاملہ ہوا وہ اس طرح ہوا کہ ملائکہ کرام میرے گرد جمع ہو گئے یہاں تک کہ کوئی سر کی طرف کھڑے ہو گئے اور کوئی پاؤں کی جانب اور کوئی دائیں اور کوئی بائیں جانب اور آپس میں کہنے لگے کہ آپ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں سوتی ہیں لیکن آپ کا قلب مبارک بیدار رہتا ہے اس لیے آپ سمجھنے کی کوشش فرمائیے جو کچھ ہم عرض کریں۔ اس کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مثال سے واضح کرو ایک نے کہا کہ آپ کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو ایک سرائے بنا کر اپنا داعی بھیجکر لوگوں کو اپنی دعوت کے لئے بلائے تو جو بھی اس کی دعوت قبول کرے گا تو اس کی سرائے میں داخل ہو کر طعام کھائے گا اور جو دعوت قبول نہ کرے گا تو وہ نہ سرائے میں داخل ہو گا اور نہ ہی کچھ کھائے گا ایسے شخص پر مالک ناراض ہو گا۔ یاد رکھیے کہ یہاں داعی سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں جو بھی آپ کی دعوت قبول کرے گا وہ بہشت میں داخل ہو گا اور جو آپ کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ بہشت میں داخل نہیں ہو گا اور نہ ہی اس کے میوہ جات کھا سکے گا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہو گا۔

(مسئلہ) آیت میں تصریح ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف بھی مبعوث ہوئے ہیں اس طرح سے پہلے کوئی نبی علیہ السلام مبعوث نہیں ہوا جو جن و انس ہر دونوں کے لئے پیغمبر ہوں - ہاں سلیمان علیہ السلام جنات پر صرف حکومت کرتے تھے، ان کے لئے نبی نہیں تھے -

فائدہ: فتح الرحمن میں لکھا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کے لئے مبعوث نہیں ہوئے امام بیہقی نے شعب الایمان کے باب چہارم میں تصریح فرمائی ہے - اور اس کے پندرہویں باب میں بھی یہی لکھا ہے کہ جنات حضور علیہ السلام کی شرع پر عمل کرنے کے مامور نہیں تھے اور امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں اپنے برہان نسفی نے اس قول کا اجماع نقل فرمایا ہے -

فائدہ: امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں ابن حامد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا اور بعض علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ ملائکہ عبادت کے مکلف نہیں اور نہ ہی انہیں وعد کی ضرورت ہے نہ وعید کی اور وہ انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہیں اور اس پر امت کا اتفاق ہے سوائے ابلیس کے اور ہاروت و ماروت کے کہ وہ معصومیت کے زمرہ میں نہیں یہ اس کے مذہب میں ہے جو انہیں ملائکہ میں شامل کیا ہے -

تحقیقی مذہب

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ارسلت الی الخلق کافۃ“ میں اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوق کا رسول ہوں - ”الخلق“ میں انس و جن کے علاوہ جملہ حیوانات، نباتات اور پتھر شامل ہیں اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خصائص کبریٰ میں اسی مذہب کی ترجیح دی ہے کہ ملائکہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت میں داخل ہیں - اور فرمایا کہ میرے سے پہلے امام تقی الدین شیخ سبکی قدس سرہ نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا بلکہ انہوں نے تو تمام رسل و انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک مکمل کائنات کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ثابت کیا ہے اور اس مذہب کو بارزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے راجح بتا کر فرمایا کہ نہ صرف جن و انس اور انبیاء و رسل علیہم السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں بلکہ جملہ حیوانات و جمادات بھی آپ کے امتی ہیں بلکہ یوں کہو کہ وہ خود اپنی ذات کے بھی رسول ہیں - (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(مسئلہ) محدثین کا اختلاف ہے کہ کیا ملائکہ بھی صحابۂ رسول ہیں یا نہ۔ امام بلقینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملائکہ صحابہ میں داخل نہیں اور دیگر علماء کرام امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح ملائکہ کو صحابہ میں شامل کرتے ہیں لیکن اشکال یہ ہے کہ پہلے تو امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اجماع امت کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے پھر وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ملائکہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی ہیں جب وہ سرے سے ملائکہ کو امتی نہیں مانتے تو پھر صحابی کیسے کہہ سکتے ہیں۔

(مسئلہ) اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اہل ایمان جنات کو نیکیوں کا ثواب ملے گا یا صرف جہنم سے نجات کافی ہے جیسا کہ فرمایا "یغفر لکم ذنوبکم و یجرکم من عذاب الیم" یہاں پر ان کے لئے صرف مغفرت اور عذاب نار سے نجات کا وعدہ ہے اور بس۔ یہی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اعمال صالحہ کا ثواب جنات کو نہیں ملے گا ان کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ انہیں جہنم سے نجات مل جائے۔ اس کے بعد جیسے جانوروں کا حکم ہے کہ حساب وکتاب کے بعد وہ مٹی ہو جائے یہ بھی مٹی ہو جائیں گے۔

(مسئلہ) حضرت امام نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر تیسیر میں لکھا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توقف فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بندوں سے جس طرح کا وعدہ فرمایا اس کے مطابق قیامت میں وعدہ پورا فرمائے گا لیکن جنات کے لئے دنی وعدہ کرم نہیں سوائے اس کے کہ فرمایا "یغفر لکم ذنوبکم و یجرکم من عذاب الیم" از روئے احسن پر قطعی فیصلہ ہوتا ہے لیکن جہاں صراحت نہ ہو وہاں قطعی بات نہیں کہی جا سکتی اس لیے ان کے لئے جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے دلیل قطعی چاہیئے اس لیے اس مسئلہ میں بھی توقف ضروری ہے۔

فائدہ: حضرت مفتی سعدی مرحوم نے فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ نہیں فرماتے بلکہ توقف فرماتے ہیں۔ قطعی طور نہیں فرمایا کہ جنات کو اعمال صالحہ کا ثواب ملے گا یا نہ جیسا کہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا گمان ہے یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنات کے ثواب کی کیفیت غیر معلوم ہے اس کا یہ معنے نہیں کہ سرے سے انہیں ثواب بھی نہیں ملے گا۔

فائدہ: ہم امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ اس لیے یونہی کر بیٹھے ہیں کہ

یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے مسلمانوں کو تو جنات النعیم سے حصہ ملے اگرچہ ہم اس کی کیفیت سے بے خبر ہیں ایسے ہی جنّات کے اہل اسلام کو جنات النعیم سے بالکلیہ کیسے محروم رکھا جا سکتا ہے ہاں یوں کہا جائے کہ ہم ان کے ثواب کی کیفیت سے بے خبر ہیں اس کی نظیر ملائکہ کرام ہیں ان کو بھی جنت جزا کے طور نہیں بلکہ وہ اس کی نعمتوں سے سرشار ہوں گے اور وہ بھی ان کے حال کے مناسب یہی قول علماء کے اقوال مختلفہ سے صحیح تر ہے۔

(مسئلہ) رویت باری تعالیٰ ملائکہ کرام کو نہیں ہوگی ایک روایت میں جنّات کو بھی نہیں (انسان العیون) لیکن تحقیق یہ ہے کہ ملائکہ کو بھی رویتِ باری تعالیٰ ہوگی لیکن کسی اور جانب سے اور انسانوں کو جانب دیگر جن علماء کرام نے ان سے رویت کی نفی کی ہے تو وہ اس معنے پر ورنہ مطلقاً نفی رویت ناموزوں سی بات ہے اس لیے کہ ملائکہ تو اہل حضور و شہود ہیں انہیں کیسے رویت سے محروم رکھا جائے گا۔ ایسے ہی اہل ایمان جنّات کے متعلق سمجھیے یعنی قیامت میں اہل اسلام جنات کو بھی رویت باری تعالیٰ نصیب ہوگی اگرچہ ان کا درجہ انسانوں کے اولیاء کرام سے بہت کم ہوگا بعض علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(مسئلہ) بزازیہ میں ہے کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل اسلام جنات کے ثواب میں توقف فرمایا ہے اور اپنے توقف کی استدلال آیہ "ویغفر لکم ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم" فرمایا ہے کیونکہ آیت میں صرف مغفرت اور عذاب جہنم سے نجات کا وعدہ ہے اور بس۔ اور یہ دونوں باتیں ثواب کو مستلزم نہیں۔

معتزلہ کا مذہب

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں نیکوں کو نیکی کے ثواب کا وعدہ فرمایا اور اسے اس کا ثواب دینا لازم اور ضروری ہے تو ظالم کو اس کے ظلم یعنی مجرم کو جرم کا عذاب ضروری ہوگا چنانچہ فرمایا "واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا" بہر حال بہت سے ظالم جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

اہلسنت کا جواب

اہلسنت نے اس کا جواب یہ دیا ہے اعمال صالحہ کا ثواب دینا اس کا فضل و احسان ہے۔ اس پر کوئی شے واجب نہیں اور نہ ہی مستحق کے استحقاق کے مطابق جزا دینا اس پر ضروری ہے۔

(سوال) " فبایّ الآء ربکما تکذبان " کی تصریح سے تو تمہارے مذہب کی تردید ہوتی ہے اس لیے کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنی بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کی تکذیب کا بیان دونوں جن وانس کے لئے اس سے ثابت ہوا کہ جنات کو بھی بہشت کی نعمتیں نصیب ہوں گی۔

(جواب) تم نے ہمارے مذہب کو سمجھا نہیں ہم جنات کے لئے جنت کی نعمتوں کے قائل ہیں لیکن اس کی کیفیت میں توقف کرتے ہیں کہ کیا جنات کو بہشت میں کھانے پینے اور لذائذ نصیب ہوں گے یا ملائکہ کی طرح صرف خدمت۔ زیارت۔ اہل جنت وغیرہ پر مامور ہوں گے جیسا کہ " یدخلون من کل باب " میں تصریح ہے کہ ملائکہ بہشت میں ہوں گے ضرور لیکن خدمتِ اہل جنت کے لئے۔ ایسے ہی اہل اسلام جنّات کا حال ہوگا یا کیونکہ اس معاملہ میں ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ توقف فرماتے ہیں۔

آخری فیصلہ

صحیح وہ ہے جو بحر العلوم (تفسیر) میں لکھا ہے کہ اہل اسلام جنات کو بہشت میں ثواب ملے گا اور برائیوں کی بھی سزا ملے گی۔ اور بنی آدم کی طرح وہ بھی مکلّف۔ اور احکام شرعیہ کے لئے مامور ہیں جیسا کہ اسی سورہ کے مضمون " ولکل درجات مما عملوا " سے ثابت ہوتا ہے اور یہاں پر مغفرت ذنوب وجہنم سے پناہ پر اقتصار محض ان کی تذکیر کی مناسبت کی وجہ سے ہے اور چونکہ انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ڈرانے اور وعظ سنانے کے لئے تشریف لائے تھے اس وجہ سے موضوع کے مطابق آیت نازل ہوئی ورنہ اس کا وہ معنیٰ نہیں کہ انہیں کسی نیکی کا ثواب وغیرہ عطا بھی نہ ہو۔ (ھذا ھو الحق)

استدلال دیگر

حضرت حمزہ بن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ کیا جنّوں کو بہشت میں ثواب عطا ہوگا آپ نے فرمایا ہاں ضرور عطا ہوگا اس کی دلیل آیت " لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان " ہے۔ بہشت میں انسان حوریں انسان مردوں کو اور جنی حوریں جن مسلمانوں کو ملیں گی۔

فائدہ: لفظ طمث سے بہشت کی نعمتوں کا جنات کے لئے استدلال کیا گیا ہے اس لیے کہ حور عین کا ہاتھ لگانا یا اس کے زندگی بسر کرنا بہشت میں ہی ہوگا۔

آکام المرجان کی تحقیق

حضرت سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے اپنی کتاب آکام المرجان فی احکام الجان میں لکھا کہ مومن جنات کے بہشت میں داخل ہونے میں اختلاف ہے اور اس کے متعلق چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں :۔

● (۱) جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل ایمان جنات بہشت میں داخل ہوں گے پھر اختلاف ہے کہ کیا بہشت میں داخل ہو کر نعمتیں کھائیں گے یا نہ ۔ امام ضحاک نے فرمایا کہ وہ کھائیں گے اور پئیں گے۔

● امام مجاہد سے بھی سوال ہوا کہ کیا اہل اسلام جنات بہشت میں داخل ہوں گے اور وہاں کھائیں پئیں گے یا نہ ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے لیکن نہ کھائیں گے نہ پئینگے ہاں انکے قلب پر تسبیح و تہلیل و تقدیس کا انتشار ہوگا اس سے وہی لذت پائیں گے جو اہل جنت کو طعام و شراب کی لذت نصیب ہوگی۔

● اور حارث محاسبی کا مذہب ہے کہ جنات بہشت میں داخل ہوں گے لیکن وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے اور ہم انہیں دیکھیں گے یعنی دنیا کے احوال کے برعکس کہ وہ ہمیں دیکھتے ہیں لیکن ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے ۔

● (۲) بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنات بہشت کے ایک کوتے میں پڑے ہوں گے انہیں تمام انسان دیکھیں گے لیکن وہ انسانوں کو نہیں دیکھ سکیں گے ۔

● (۳) جنات کو اعراف میں رکھا جائے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اہل ایمان جنات کو ثواب بھی نصیب ہوگا اور عذاب بھی لیکن باوجودیکہ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہوں گے لیکن بہشت میں نہیں جائینگے بلکہ انہیں اعراف میں رکھا جائے گا اور اعراف بہشت کی دیوار ہے اس میں نہریں بھی جاری ہیں اور اس میں درخت بھی ہیں اور ثمرات بھی ۔ صاحب الفردوس الکبیر نے ذکر فرمایا ہے ۔

فائدہ: امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے ۔

اعجوبہ: حدیث شریف میں ہے کہ جنات تین قسم ہیں :۔

(۱) سانپ ، بچھو ۔ حشرات الارض کی شکلوں میں ۔

(۲) ہوا کی طرح ہوا میں اڑتے رہتے ہیں ۔

(۳) تیسری قسم جو مشہور ہے انہی پر ثواب بھی ہے اور عذاب بھی ۔

ایسے ہی انسان تین قسم ہیں :-

(۱) جانوروں کی طرح کما قال اللہ " لھم قلوب لا یفقھون بھا (الی ان قال) اولئک کالانعام بل ھم اضل الآیۃ

(۲) ان کے اجسام تو بنی آدم کی طرح ہیں لیکن ان کی ارواح شیطان جیسی ۔

(۳) ایسی پاک جنس جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سایہ میں ہوگی جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا ۔ (رواہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ)

(۴) چوتھا مذہب ہے توقف ۔

چاروں مذاہب مذکورہ کے استدلالات کی تفصیل

مذہب اول کے علماء کا استدلال آیات عامہ کما قال " وازلفت الجنۃ للمتقین" اور حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص " لا الٰہ الا اللہ " کی خالصاً گواہی دے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا تو جیسے ایسے احکام کے مخاطب انسان ہیں ویسے ہی جنّات اور وعید کے مخاطب جنات بھی ہیں ۔ اس پر امت کا اجماع ہے تو پھر وعدہ کے مخاطب بھی ان کو ہونا لازمی ہے ۔ ان علماء کی دلیل قوی آیت " ولمن خاف مقام ربہ جنتان" ہے ایسے ہی سورۂ رحمٰن شریف کے آخر تک ۔ اس لیے کہ اس آیت میں خطاب ہر دونوں (انس و جنّ) کو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کی منت دونوں گروہوں پر ظاہر فرمائی ہے اور ہر دونوں کو بہشت کی نعمتوں کی وصف سنائی اور دونوں کو ان کا شوق دلایا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نعمتوں کے احسان کا اظہار دونوں گروہوں سے ہے تو دونوں گروہ بہشت میں جائیں گے بشرطیکہ مومن ہوں ۔ نیز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اے میرے صحابیو تمہارے سے تو جنّ بھی بہتر ہیں کہ جب میں نے ان میں سورۂ رحمٰن پڑھی تو وہ مجھے احسن طریقہ سے جواب دیتے تھے چنانچہ کہا " ولا بشیٔ من الائک ربنا نکذب" اے اللہ ہم تیری کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے ۔

دوسرا مذہب ابن حزم کا ہے اور اس نے آیت " اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ " الآیہ سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت میں مطلقاً ہر مومن کا ذکر فرما کر ان سے بہشت اور اس کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے اور عموم میں ہم اپنے تو کیسے خاص کریں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے حکم تو عام فرمایا ہے لیکن جنّات مراد

نہیں یہ کہنا بھی ناموزوں ہے فلہذا ماننا پڑے گا کہ جنات بھی بنی آدم اہل ایمان کی طرح نعمتوں سے سرشار ہوں گے۔

تیسرے مذہب والوں نے اپنی دلیل ثلاث پر اکتفا کیا۔

چوتھے مذہب والوں کا استدلال مندرجہ ذیل ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی مخلوق پیدا فرمائی:۔

(۱) کلہم بہشتی۔

(۲) کلہم دوزخی جیسے شیطان۔

(۳) وہ لوگ جو بہشت میں ہوں گے وہ انسان بھی ہوں گے اور جن بھی۔

(۴) ایسے ہی دوزخیوں کے لئے بھی ہوگا کہ ان میں بعض انسان ہیں اور بعض جن۔

پانچواں ایک اور مذہب بھی ہے جس کی عقل سے تائید ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں اسے مانا جائے۔ وہ یہ کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جو بھی ایمان لائے گا وہ ضرور بہشت میں جائے گا اس وعدۂ کرم کے بعد عقل نہیں مانتی کہ ہم جنات کو بہشت کا نہ مانیں کیونکہ اس کریم کے وعدہ کریمہ کے منافی ہوتا ہے۔

(سوال) ملائکہ میں سے ایک نے کہا ''انی الٰہ من دون اللہ'' تو اسے دوزخی ہونے کا فرمایا حالانکہ ملائکہ کو دوزخی کہنے کا کیا معنے۔

(جواب) اس سے ابلیس مراد ہے جس نے اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کیا اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ومن یقل منہم انی الٰہ من دونہ فذٰلک نجزیہ جہنم'' اگر ہم اسے ملائکہ سے بھی نہ مانیں تب بھی آیت میں شرط ہے اور یہ ضروری نہیں کہ شرط کا وقوع ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لئن اشرکت لیحبطن الخ دوسرے گروہ نے فرمایا کہ جب ان کے لئے بہشت کے داخلہ کا ذکر نہیں فرمایا تو وہ بہشت میں داخل ہوں گے۔

(جواب) یہ کہاں کا اصول ہے کہ جہاں شے کا ذکر نہ ہو یا کسی کو اس کا علم نہ ہو تو وہ شے سرے سے کچھ بھی نہ

(دوسری دلیل) ''ولوا الی قومہم منذرین'' سے معلوم ہوا کہ وہ قوم میں جا کر ڈرانے پر مامور ہوئے اگر وہ بہشت میں داخل ہو سکتے تھے تو انہیں بشارت بھی سنائی جاتی۔

(جواب) چونکہ وہ مقام مقام انذار تھا اس لیے انذار کا ذکر ہوا ورنہ بشارت کی نفی ضروری

نہیں کیونکہ سابق انبیاء علیہم السلام بھی تو اپنی امتوں کو صرف انذار فرماتے اگر صرف انذار کا ذکر بشارتِ بہشت کی نفی کرتا ہے تو پھر پچھلی امتوں کے لئے بہشت میں داخلہ کی نفی کرنی پڑے گی انبیاء علیہم السلام کی تقریریں ملاحظہ ہوں:۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: " انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم" اور ہود علیہ السلام نے فرمایا: " عذاب یوم عظیم" اور شعیب علیہ السلام نے فرمایا: "عذاب یوم محیط " وغیرہ وغیرہ ۔

بلکہ اس آیت " یغفر لکم" الخ سے ان کا بہشتی ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ جس کے گناہ مغفور ہو گئے اور اسے عذاب سے محفوظ رکھا گیا تو لازماً وہ بہشتی ہو اس لیے کہ جب وہ شرائع کا مکلّف ہوا اور وہ انہیں بجالائے تو یقیناً اس کو بہشت عطا ہو۔

قول ثالث و رابع کی دلیلیں پہلے مذکور ہوئیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تفسیر عالمانہ: " اولم یروا " ہمزہ انکاری اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے یہاں پر رؤیت قلبی مراد ہے یعنی کیا انہوں نے تفکر نہ کیا اور مشاہدہ وعیان سے انہیں یقینی علم نہیں ہوا " ان اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض" بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اور ابتداءً ہی ایسے پیدا فرمائے ان کی کوئی مثال پہلے نہیں تھی " ولم یعی بخلقھن" اور وہ ان کی تخلیق سے تھکا نہیں اور نہ ہی اسے اس سے کسی قسم کی تکلیف ہوئی اور نہ ہی وہ اس سے عاجز ہے۔

(حل لغات) یہ " عییتُ بالامر" سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو معاملہ کی وجہ معلوم نہ ہو اور اعییت بمعنی تعبت یعنی میں تھک گیا۔ القاموس میں ہے اعیی الماشی بمعنی کَلّ یعنی چلنے والا تھک گیا۔ اور تاج المصادر میں ہے کہ یہ علم (بکسر العین) کے باب سے ہے یعنی عاجز ہو جانا عِیَ وعیّ اس کا صیغہ صفت عیی بروزن فعیل آتا ہے اور وعی (بالفتح) یعنی ضرب کے باب پر بھی آتا ہے ۔ " الاعیا" بمعنی عاجز ہونا اور عاجز کرنا۔ اور کہا جاتا ہے " اعیی علیہ الامر" اسے معاملہ نے عاجز کر دیا۔

کسائی نحوی کی تعلیم کا موجب

منقول ہے کہ امام کسائی نے نحو کا فن بڑھاپے میں پڑھا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دن وہ کہیں جا رہے تھے چلتے چلتے تھک کر ایک مقام پہ آرام کے لئے بیٹھے اور کہا " عییت"

النشدید ر غلطی سے کی کہ افعال ہمزہ کے بجائے باب تفعیل پڑھا تو انہوں نے کہا بابا تو ہماری مجلس سے اٹھ جا اس لیے کہ تو غلط بولتا ہے۔ امام کسائیؒ نے کہا تو پھر کس طرح کہنا چاہیے تھا انہوں نے کہا اگر تو تعب (تھکان) مراد لیتا ہے تو تمہیں "اعییت" کہنا تھا اگر انقطاع حیلہ و تعجیر مطلوب ہے تو "عییت" (مخفف کرکے) کہنا تھا۔ کسائی اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے پوچھا کہ یہ علم مجھے کس سے حاصل کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا "زید" سے چنانچہ ایک عرصہ تک زید سے پڑھتے رہے پھر خلیل بن احمد کے ہاں جاکر تکمیل کی۔

فائدہ: فقیر حقی (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہاں پر عیّ سے لغوب مراد ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پہ فرمایا: "ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب" اور قرآن مجید کی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور "اعیاء" اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اس لیے کہ یہ ضعف و فساد کا مقتضی ہے "بقادر" یہ ان کی خبر ہے ان کی خبر پہ باء کا داخل ہونا دلالت کرتا ہے کہ ان اور اس کے مدخول پر نفی اثر انداز ہے اب معنے یہ ہوا کہ "الیس اللہ بقادر علی ان یحیی الموتی" کیا اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنے پہ قادر نہیں؟ اس کے جواب میں فرمایا "بلیٰ انہ علی کل شیءٍ قدیر" ہاں وہ ہر شے پہ قادر ہے۔ علی وجہ العموم اس کی قدرت کی تقریر کرتا ہے گویا وہ دعویٰ تھا یہ اس کی دلیل ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ ہر شے پہ قادر ہے تو وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے کیونکہ مُردے بھی شیءٌ من الاشیاء ہیں اور یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بعض مقدور سے متعلق ہو اور بعض سے نہ ہو۔ اور لفظ بلیٰ کا قاعدہ ہے کہ نفی پر داخل ہو کر نفی کا ابطال کرتی ہے جیسا کہ مشہور ہے اور رضی سے منقول ہے کہ یہ کبھی ایجاب کا فائدہ دیتا ہے "ویوم یعرض الذین کفروا علی النار" اور اس دن کہ کافروں کو دوزخ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے یعنی دوزخ میں انہیں عذاب کیا جائے گا جیسا کہ اسی سورت میں گذرا اور یوم ظرف ہے اس کا عامل مقدر ہے دراصل "یقال لھم یومئذ" تھا یعنی اس دن انہیں کہا جائے گا "الیس ھذا" کیا یہ وہی عذاب نہیں جسے تم دیکھ رہے ہو "بالحق" یعنی وہ عذاب حق ہے جسے تم جھٹلاتے تھے اس میں انہیں تہکم و توبیخ ہے یعنی جسے انہیں استہزاء کیا تھا ایسے ہی ان کے ساتھ بطور تہکم و توبیخ فرمایا جائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید کے متعلق کہا تھا "وما نحن بمعذبین قالوا بلیٰ" کافر کہیں گے ہاں واقعی یہی حق ہے "وربنا" بخدا وہی ہمارا پروردگار ہے۔

اسے قسم سے اس لیے موکد کیا کہ انہوں نے اپنی خلاص کی امید ہوگی یعنی خیال کرتے ہوں گے کہ جیسے ہم دنیا میں حق کا اعتراف کرکے نقصان سے بچ جاتے تھے ایسے ہی یہاں بھی چھٹکارا پا جائیں گے لیکن یہ ان کا خیال غلط ہے " قال " اللہ تعالیٰ یا دوزخ کا داروغہ فرمائے گا "فذوقوا العذاب" عذاب چکھو یعنی عذاب کو اسی طرح محسوس کرو جیسے کوئی چکھنے والا شے کا احساس کرتا ہے " بما کنتم تکفرون " بوجہ اس کے کہ تم دنیا میں کفر کرتے تھے " یہ باء سببیہ ہے ۔ یہ امر ان کی اہانت اور توبیخ کے لئے ہے یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے وعد و وعید کی تکذیب اور انکار و کفر کی وجہ سے زجر و توبیخ کیا جائے گا ۔

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا امر کو زجر و توبیخ سے کوئی تعلق نہیں ہاں ہم نے زجر و توبیخ " بما کنتم تکفرون " سے سمجھا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں وہ بعد و فراق کے عذاب میں معذب تھے جو انہوں نے کمالات کو قبول کرنے اور قربات کو پہنچنے کی استعداد فاسد کرتے تھے لیکن حواس ظاہرہ کے غلبہ اور حواس باطنہ کے کند ہونے کی وجہ سے دنیا میں عذاب کی کڑواہٹ اور اس کی گرمی کو محسوس نہیں کرتے تھے جیسے نیند والا چیونٹی اور مچھر وغیرہ کے کاٹنے کو محسوس نہیں کرتا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تمام لوگ نیند میں اس وقت جاگیں گے جب فوت ہوں گے ۔

فائدہ : موت واقع ہوگی اس میں کسی کو شک نہیں ایسے ہی موت کے بعد زندہ ہونے کے متعلق شک نہیں اگر منکر انکار کرتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ اس کی جہالت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے نیند سے جاگنے کو موت سے اٹھنے سے تعبیر کیا ہے اسی لیے وارد ہے کہ نیند موت کی مانند ہے ۔

فائدہ : حیات کی اقسام :۔

(۱) حیات فی القبور ، اس وقت انسان میں روح پھونکی جائے گی ۔

(۲) حیاۃ فی القبور ، اس وقت اسرافیل صور پھونکیں گے ۔

(۳) حیات فی القلوب ، یہ حیات فیض روحانی سے عطا ہوتی ہے ۔

(۴) حیاۃ الارواح ، یہ حیات سرِّ ربانی سے نصیب ہوتی ہے ۔

روحانی و جسمانی عذاب سے دخول جنت سے چھٹکارا ہوگا ۔ وہ بھی وصل الٰہی ربانی

کی وجہ سے لیکن وصالِ حق ریاضات و مجاہدات سے نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ جنت کو تکالیف سے گھیرا کیا گیا ہے ۔

حکایت رابعہ بصریہ

منقول ہے کہ ایک دن حضرت حسن بصری و حضرت مالک بن دینار اور حضرت شفیق بلخی رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ کے ہاں تشریف لے گئے ۔ بی بی صاحبہ اس وقت بیمار تھیں ۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا وہ شخص اپنے دعویٰ میں ہرگز سچا نہیں ہو سکتا جو اپنے مالک و مولیٰ کے طمانچہ مارنے پر صبر نہیں کرتا ۔ حضرت شفیق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہو سکتا جو اپنے مولیٰ کی مار پر شکر نہیں کرتا اور حضرت مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا نہیں ہو سکتا جو اپنے مولیٰ کے مارنے سے لذت محسوس نہیں کرتا ۔ حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی کہ آپ بھی کچھ فرمائیے ، بی بی نے فرمایا کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا نہیں جو مشاہدہ حق میں اپنے درد کی ضرب کو نہیں بھلاتا اور اس پر تعجب بھی نہیں کرتا اس لیے کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مشاہدہ سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے لیکن درد محسوس نہ پایا اگر کوئی شخص ذاتِ حق کے مشاہدہ پر درد محسوس کرتا ہے تو اس پر حیف ہے ۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے دعویٰ یعنی رابطہ حق میں سچا ہے وہ ایسی تمام مصیبتوں سے نہیں گھبراتا وہ وہی چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے ۔

عاشقاں را گر در آتش می نشاند قہرِ دوست
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ ۔ عاشق کو قہرِ دوست کا آگ میں بٹھائے میں تنگ نظر ہوں گا اگرچہ چشمۂ کوثر کو دیکھوں ۔

سبق : صادق کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا میں نارِ مجاہدہ میں نفس کو عذاب میں ڈالتا ہے بلکہ وہ اپنے نفس کو نارِ کبریٰ یعنی نارِ عشق و محبت میں ڈال کر بالآخر جس کا وجود نارِ عشق سے صاف ستھرا ہو گیا وہ آخرت میں نارِ جہنم سے محفوظ ہو گا اور اس کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے ۔ (مع العون، والامداد)

تفسیر عالمانہ ، " فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل " اور اسی طرح صبر کیجیے جیسے انبیاء و رسل کرام علیہم السلام نے صبر کیا ۔ یہ فا شرط محذوف کی جزا ہے ۔

(حلِ لغات) العزم لغت میں بمعنی جد و جہد اور وہ قصد جس میں یقین ہو یعنے جب

کافروں کا یہی انجام بکار ہے جو ندکور ہوا ہے تو جو کچھ آپ، کہ ان کی طرف سے مصائب و تکالیف پہنچتی ہیں اس پر صبر کیجیے اسی طرح جیسے اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام نے صبر کیا کیونکہ آپ بھی ان کی طرح اولوا العزم ہیں بلکہ آپ ان سے اعلیٰ و افضل ہے اس معنے پر یہ تبیین کا ہے اس لیے کہ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام اولوا العزم تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصائب و تکالیف نازل ہوتے انہیں بطیب خاطر سر پر اٹھا لیتے تھے۔

فائدہ: تکملہ میں ہے کہ اس طرح کہنا مناسب نہیں اس لیے کہ یہ آیت، کی تخصیص کے خلاف ہے حالانکہ یہاں تخصیص مراد ہے یعنی مخصوص رسل کرام مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ **من** تبعیضیہ ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام دو قسم ہیں:۔

(۱) اولوا العزم۔

(۲) غیر اولوا العزم۔ اس لیے کہ اولوا العزم سے وہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام مراد ہیں جو اصحاب شرائع تھے جنہوں نے احکام شرعیہ کو مضبوط اور پختہ کرنے میں جد و جہد کی اور مخالفین کی عداوت و دشمنی پر صبر کیا۔ ان کے چند مشاہیر یہ ہیں:۔

(۱) نوح

(۲) ابراہیم

(۳) موسیٰ

(۴) عیسیٰ۔ علیہم السلام۔ بعض شعراء نے انہیں نظم کیا ؎

اولوا العزم نوح والخلیل بن آزر
وموسیٰ و عیسیٰ والحبیب محمد

ترجمہ۔ اولوا العزم نوح اور خلیل بن آزر اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فائدہ: الاسئلۃ المفحمہ یہ قول ہی صحیح ہے بعض نے کہا کہ اولوا العزم وہ پیغمبر علیہم السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکالیف و مصائب پر صبر کریں جیسے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اذیت پر صبر کیا چنانچہ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کو قوم اتنا مارتی تھی کہ آپ بیہوش ہو جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نار نمرود اور اپنے بیٹے کے ذبح پر اور اسماعیل علیہ السلام نے ذبح ہونے پر اور یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادے کی گمشدگی اور یوسف علیہ السلام نے کنوئیں اور

قید کی تکلیف پر اور نوح علیہ السلام نے ضرر رسانی پر۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی تکالیف پر صبر کیا جب انہوں نے کہا ”انا لمدرکون“ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا ”ان معی ربی سیھدین“ اور یونس علیہ السلام نے بطن حوت میں صبر کیا اور داؤد علیہ السلام اپنی لغزش پر چالیس سال روتے رہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مکان کے بغیر زندگی بسر کی اور فرماتے تھے کہ دنیا گناہ گاہ ہے اس سے گذر جاؤ یہاں مکان بنانے کی ضرورت نہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جملہ انبیاء علیہم السلام اولوا العزم تھے سوائے یونس علیہ السلام کے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر قوم سے چلے گئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمایا۔ ”ولا تکن کصاحب الحوت“ اور آدم علیہ السلام بھی اولوا العزم میں شامل نہیں کما قال اللہ ”ولقد عھدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما“ اور حواشی ابن الشیخ آدم علیہ السلام کو اولوا العزم میں شامل نہ کرکے اس آیت کو دلیل بنانا صحیح نہیں اس لیے کہ آیت کا یہ معنٰے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کا ارادہ اپنے خلاف نہیں پایا اور یونس علیہ السلام کو بھی اولوا العزم میں شامل نہ کرنا ناموزوں ہے اس لیے کہ ان کا قوم سے چلا جانا بے صبری نہیں تھا بلکہ عذاب الٰہی سے بچنے کی وجہ سے تھا۔ ان ہر ایک کے دلائل پر اعتراضات ہیں جیسا کہ اہل فہم پر روشن ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ بارہ انبیاء علیہم السلام ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے جو اس وقت شام میں مقیم تھے بنی اسرائیل نے انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ہاں پیغام عذاب بھیجا انبیاء علیہم السلام پر شاق گذرا کہ امت پر عذاب نازل ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تم پر عذاب نازل ہو اور بنی اسرائیل بچ جائیں۔ چاہو تو تمہیں نجات ہو جائے اور قوم پر عذاب نازل۔ انبیاء علیہم السلام نے آپس میں مشورہ کیا سب نے طے کیا کہ بنی اسرائیل کو نجات مل جائے اور وہی عذاب ہم پر نازل ہو ان پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا اور بنی اسرائیل کو زمین کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ ان انبیاء علیہم السلام میں بعض کو آرے سے چیرا گیا اور بعض کے سر اور چہرے کا چمڑہ اکھیڑا گیا اور بعض کو سولی پر چڑھایا گیا، بعض کو آگ میں جلایا گیا وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم واحکم۔

فیصلہ: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ جس پر بھی اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی وہی صاحب فضیلت ہے البتہ وہ ایک دوسرے پر بعض خصائص سے فضیلت رکھتے ہیں

اگرچہ وہ اصل وحی و نبوت میں متساوی ہیں کما قال اللہ "تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض" ایسے ہی ان کی آزمائشوں میں فرق تھا کہ بعض کو بہت زیادہ تکالیف و مصائب پہنچے بعض کو تھوڑے بہر حال تکالیف و مشقات میں ہر ایک نبی علیہ السلام مبتلا ہوا اس لیے کہ دعوت الٰہی کا دارو مدار بھی ابتلاء پر ہے۔ اسی معنے پر سب کے سب اولوا العزم تھے۔ بعض اعلیٰ تھے بعض ان سے کم۔ یہ قاعدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں اعلیٰ مرتبہ والے اولوا العزم ہیں ان کے بعد رسل کرام ان کے بعد انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام سے افضل و اعلیٰ ہیں جیسا کہ " وانک لعلی خلق عظیم " سے معلوم ہوتا ہے اور خلق عظیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس میں شدت ابتلاء و آزمائش کا ہونا ضروری ہے اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جتنا مجھے ایذاء دیا گیا ہے اتنا کسی کو نہیں دیا گیا اسی لیے عزم عزم میں فرق ہے اور " ولا تکن کصاحب الحوت " مچھلی والے کی طرح نہ ہو۔ اور " اذ ذھب مغاضبا " ہر دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ یونس علیہ السلام سے کچھ نہ کچھ بے صبری ہوئی ایسے ہی یوسف علیہ السلام کا قول " فاسئلہ مابال النسوۃ " بھی دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی صفائی کے لئے فرما ہی دیا ایسے ہی لوط علیہ السلام کا قول " لو ان لی بکم قوۃ او اٰوی الی رکن شدید " بھی دلالت کرتا ہے کہ ان کے ذہن سے یہ بات اتر گئی کہ ان کے رکن شدید تو اللہ تعالیٰ ہیں تو پھر غیر کو رکن شدید تصور کرنے کا کیا معنے ایسے ہی عزیر علیہ السلام کا قول " انّٰی یحی ھذہ اللہ بعد موتہا " وغیرہ وغیرہ۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام مراتب ابتلاء و درجات، معارف اور طبقات عزم میں مختلف ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اولوا العزم وہ ہے جس کے ارادہ میں فسخ نہ ہو یعنی جو ارادہ کرے اس پہ ڈٹ جائے اور اپنے مطالبہ کو پورا کر کے سانس لے۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مرتبہ کیسے پایا۔ انہوں نے فرمایا، عزیمت کاملین کی پیروی سے۔

" ولا تستعجل لہم " اور کفار مکہ کے عذاب کے لئے عجلت نہ کیجیے کیونکہ وہ خود ایسے کردار ادا کر رہے ہیں یعنی تمتعات حیوانیہ کی استعداد پیدا کر کے عذاب الیم میں خود بخود مبتلا ہوں گے میں انہیں اسی لیے مہلت دے رہا ہوں تاکہ وہ خود ہی عذاب کے لئے مستعد ہوں۔ گویا جو لوگ ارشادات الٰہیہ سے روگردانی کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ عذاب کی مہلت دے کر بالآخر انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اسی لیے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک عجلت عذاب اور صبر سے روکا " کانہم یوم یرون ما یوعدون " گویا اس دن جبکہ جس سے ڈرائے جا رہے ہیں

یعنی عذاب کو دیکھیں گے" لم یلبثوا" دنیا اور ان کے نفع پانے میں نہیں ٹھہرے۔ "الا ساعۃ" مگر تھوڑی ہی دیر یعنی معمولی سے چند لمحات "من نھار" دن کے جبکہ وہ شدتِ عذاب اور اس کی طویل مدت کو دیکھیں گے یعنی انہیں عذاب کی شدت دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کو بھلا دے گی اگرچہ دنیا میں بہت لمبی مدت گذار کر مرے ہوں گے لیکن آخرت کی مدت کے مقابلے میں وہ مدت انہیں ذرہ برابر محسوس ہو گی بلکہ وہ دنیوی مدت اخروی مدت کے بالمقابل کالعدم متصور ہو گی خلاصہ یہ کہ جسمانی متنعمات روحانی عذاب کا سبب بنتے ہیں ایسے ہی برزخ اور قیامت میں جسمانی عذاب کا سبب بھی یہی ہیں ؎

غبار قافلہ چوں نمایاں نیست

دو اسپہ رفتن لیل و نہار را در یاب

ترجمہ۔ جب قافلہ کا غبار نمایاں ہو تو رات دن کے جانے دو اسپہ (جانے والوں کو حاصل کرو)

"بلاغ" یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ وہ ہے جس کے لئے تمہیں وعظ کیا گیا ہے۔ پند و نصیحت کافی ہے کیونکہ نا اہلوں کو مار کر سیدھا کیا جاتا ہے اور سمجھداروں کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

"فھل یھلک" اس عذاب سے جو ان پر واقع ہو گا نہیں تباہ و برباد ہوں گے "الا القوم الفاسقون" مگر وہ قوم جو فاسق ہے یعنی جو لوگ طاعت الٰہی دور اور خارج ہیں اور پند و نصیحت قبول نہیں کرتے۔

تفسیر صوفیانہ : بعض اہل تاویل نے کہا کہ فاسقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو طلب ماسواء اللہ میں اللہ تعالیٰ کی طلب کے عزم سے خارج ہیں۔ اس نصیحت کرنے میں وعید ہے۔

تیسیر الولادت کا تعویذ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کو بچہ جننا مشکل ہو جائے تو پاک صاف برتن پر یہ آیات لکھی جائیں[1]۔

---

[1] تفصیل فقیر اویسی کے مجربات میں دیکھیے۔

(۱) کانہم یوم یرون مایوعدون الخ

(۲) کانہم یوم یرونہا الخ

(۳) کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب۔ ان آیات کو دھوکر تھوڑا سا اس عورت کو پلایا جائے اور اسی پانی سے اس کے پیٹ اور فرج پر چھڑکا جائے۔ (بحر العلوم)

تیسیر الولادت کا دوسرا عمل: عین المعانی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس عورت پر بچہ جننا مشکل ہو جائے اس کے لئے مندرجہ ذیل دو آیتیں پیالہ پر لکھ کر عورت کو پلائی جائیں اور وہ دو آیات مع بسم اللہ یہ ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ الحکیم الکریم لا الہ الا اللہ العلی العظیم سبحان اللہ رب السمٰوٰت السبع و رب العرش العظیم۔ کانہم یوم یرون مایوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار فہل یہلک الا القوم الفاسقون، کانہم یوم یرونہا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاہا۔

تیسرا عمل برائے تیسیر الولادت: شرعۃ الاسلام میں ہے کہ جب عورت پر بچہ جننا مشکل ہو جائے تو اس کے لئے سفید شیشہ یا سونے کے پیالے میں مندرجہ ذیل دُعا لکھ کر پانی سے دھو کر پلائی جائے۔

بسم اللہ الذی لا الہ الا ھو العلیم الحکیم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العٰلمین کانہم یوم یرون الخ

حکایت عیسیٰ علیہ السلام اور تیسیر الولادت کا چوتھا عمل: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ایک گائے سے گذر ہوا وہ گائے دردزہ میں مبتلا تھی اس نے عرض کی اے کلمۃ اللہ! میرے لئے دعا فرمائیے تاکہ میں اس درد سے نجات پاؤں، عیسیٰ علیہ السلام نے مندرجہ ذیل دعا پڑھی:۔ "یاخالق النفس من النفس خلّصہا" عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے گائے نے بچہ جنا۔ یہ دعا عورت کی عسر ولادت ایسے ہی ہر جانور گھوڑی گائے وغیرہما کے لئے لکھی جاسکتی ہے۔

تعویذ لکھنے کے دلائل

آکام المرجان میں ہے کہ ہر طرح کی بیماری کے لئے سیاہی سے آیاتِ قرآنی لکھنا جائز ہے اور اس کو دھو کر پلانا بھی جائز ہے۔ امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے جواز پر نص فرمائی ہے۔

(مسئلہ) اُن تعویذات وغیرہ کے لکھنے سے احتراز کیا جائے جن کے معانی معلوم نہ ہوں اور نہ ہی وہ جو مختلف ادیان کی مختلف زبانوں میں سے ہوں اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ کفریہ کلمات

ہوں۔

(مسئلہ) تعویذات خون اور ایسے ہی نجس چیزوں سے تعویذ لکھنا حرام بلکہ کفر ہے اسی طرح قرآن مجید کی آیات کا الٹا پڑھنا اور ان کے حروف کو الٹا لکھنا وغیرہ۔

فائدہ: قرآن مجید کے لطائف میں سے یہ ہے کہ سورت کو عذاب شدید کے ذکر پر ختم کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ عذاب کفار و مشرکین کو ہوگا۔

سُورۃ محمّد

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا دوسرا نام قتال بھی ہے اور یہ سورۃ مدنیہ ہے۔ بعض کے نزدیک مکیہ ہے۔ اس کی انتالیس یا اڑتیس آیات ہیں۔

رکوعاتھا ۴	(۴۷) سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃٌ (۹۵)	آیاتھا ۳۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا
الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۗ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا ۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟
بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا
اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحیم والا۔

"جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے عمل برباد کئے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے رب کے پاس سے حق ہے اللہ نے ان کی برائیاں اتار دیں اور ان کی حالتیں سنوار دیں۔ یہ اس لئے کہ کافر باطل کے پیرو ہوئے اور ایمان والوں نے حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے ہے اللہ لوگوں سے ان کے احوال یونہی بیان فرماتا ہے تو جب کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو مضبوط باندھو پھر اس کے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دو چاہے فدیہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے بات یہ ہے اور اللہ چاہتا تو آپ ہی ان سے بدلہ لیتا مگر اس لئے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہ فرمائے گا جلد انہیں راہ دے گا اور ان کا کام بنا دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا انہیں اس کی پہچان کرا دی ہے اے ایمان والو اگر تم دین خدا کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا اور جنہوں نے کفر کیا تو ان پر تباہی پڑے۔ اور اللہ ان کے اعمال برباد کرے یہ اس لئے کہ انہیں ناگوار ہوا جو اللہ نے اُتارا تو اللہ نے ان کا کیا دھرا اکارت کیا تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے ان سے اگلوں کا کیسا انجام ہوا اللہ نے ان پر تباہی ڈالی اور ان کافروں کے لئے بھی ویسی کتنی ہی ہیں یہ اس لئے کہ مسلمانوں کا مولیٰ اللہ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔"

تفسیر عالمانہ: "اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" وہ لوگ جو کافر ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی اسلام اور طریق حق سے منہ موڑا یہ "صد صدودًا" سے مشتق ہے یہ اپنے ماقبل کی تاکید و تفسیر ہے یا صَدَّ صَدًّا سے ہے بمعنی وہ لوگ جنہوں نے عوام کو اسلام سے روکا جیسے یوم بدر میں کافروں نے بہت سے لوگوں کو طمع و لالچ میں پھنسا کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی عداوت اور دشمنی پہ ابھارا۔ اس معنے پر یہ "الذین کفروا" عموم کے لئے مخصص ہو گا لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر کافر اور راہ حق سے روکنے والے کے لئے عام ہے "اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝" اللہ تعالیٰ نے ان کے

اعمال کو ایسا ضائع اور باطل فرمایا کہ ان کا نام ونشان تک نہ رہا - اس کا یہ معنےٰ نہیں کہ وہ ان کے اعمال کا کوئی وجود تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مٹایا بلکہ اس کا معنےٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نیک عمل وباطل کو ضائع فرمایا - انہوں نے جتنی نیکیاں کیں مثلاً صلہ رحمی، مہمان نوازی، قیدی آزاد کرنے و دیگر اچھے اعمال سب بیکار گئے اس لیے کہ ان کے اعمال کے وقت ایمان نہیں تھا اور اعمال کی عدم قبولیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت اور اہل اسلام کے ساتھ بغض کی وجہ سے ہے - یہ تفسیر " فتعسالهم واضل اعمالهم " کے موافق تر ہے -

" وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور یہ آیت ہر مومن اور ہر نیک عمل والے مہاجرین واہل کتاب وغیرہم کو عام ہے ایسے ہی جملہ کتب الٰہیہ پر ایمان لانے کے اعتبار سے بھی عام ہے " وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ " اور ایمان لائے ساتھ اس کے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا -

سوال : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں مخصوص کیا گیا حالانکہ پہلے جملہ میں آپ پر ایمان کا ذکر ہو چکا ہے -

جواب : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت شان اور آپ پر نازل شدہ کتاب کی بزرگی کی اہمیت کا اظہار مطلوب ہے جیسے ملائکہ کے ذکر کے بعد جبریل علیہ السلام کے ذکر میں ان کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے اس معنے پر قرآن پاک پر ایمان لانے کی تاکید ہے اس لیے کہ بہ نسبت دوسری کتب کے اس پر ایمان لانا اصل ہے اسی لیے مؤکد فرمایا -

" وَهُوَ " اور وہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا " اَلْحَقُّ " حق ہے " مِنْ رَّبِّهِمْ " درانحالیکہ وہ ان کے رب تعالیٰ سے ہے اس طرح سے قرآن میں حقیت کی حصر ثابت ہوئی اور حق باطل کا بالمقابل ہے " كَفَّرَ عَنْهُمْ " اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے " سَيِّاٰتِهِمْ " ان کے گناہ یعنی ایمان وعمل صالح کی وجہ سے ان کے گناہوں کو چھپایا -

" وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ " اور ان کے دینی دنیوی کو ہمیشہ کے لئے سنوارا اور نیکی کی توفیق بخشی -

حل لغات : المفردات میں ہے کہ " البال " بمعنی وہ شے جس کی پرواہ کی جائے اسی لیے کہا جاتا ہے " مابالیت بکذا " میں نے اس کی پرواہ نہ کی - اور کبھی اس حال کو بال سے تعبیر کرتے ہیں جس پر انسان وقت بسر کرے -

اسی لیے کہا جاتا ہے " ماخطر البالی " یعنی میرے دل میں ایسے ہی کھٹکا -

القاموس میں ہے کہ ”البال“ بمعنی الحال ”ذٰلِكَ“ یہ اشارہ اضلال عمال وتکفیر السیات و اصلاح البال کی طرف ہے یہ مبتدا اور اس کی خبر ”بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا“ ہے یعنی یہ بسبب اس کے ہے کہ بیشک کافروں نے ”اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ“ باطل یعنی شیطان کی اتباع کر کے وہی کیا جو سب کو معلوم ہے یعنی کفر اور راہ حق سے اہل اسلام کو روکنا اضلال مذکور کی سببیت کا بیان مسببیت کے بیان کو متضمن ہے اس لیے کہ ان امور کی اتباع کا اصل وہی شیطان ہے ”وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا“ اور بسبب اس کے کہ اہل ایمان نے ”اتَّبَعُوا الْحَقَّ“ حق کا اتباع کیا یعنی وہ حق کہ جس کے سوا کوئی چارہ نہیں ”مِنْ رَّبِّهِمْ“ وہ حق ان کے رب سے ہے پھر انہوں نے وہ کیا جو سب کو معلوم ہے یعنی ایمان اور ایمان صالحہ تکفیر و اصلاح مذکور کی اتباع کی سببیت بعد ذکر سببیت اتباع ایمان و اعمال صالحہ کی سببیت کا بیان ان کی مسببیت کے بیان کو متضمن ہے اس لیے کہ یہی ان کا مبدا و اصل ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ تصریح و اشارہ کے ساتھ دو مقام پہ بیان کرنے سے تعارض نہیں۔ ”كَذٰلِكَ“ ایسے ہی عجیب مثل ”یَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ“ بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ان کی مثالیں۔

امام راغب نے کہا کہ ”ضرب الدراهم“ کا چابک مارنے پر اعتبار کیا گیا ہے اسی اعتبار سے ضرب المثل بھی کہتے ہیں اور اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی شئے کو ایسے طریقہ سے بیان کرنا جس کا اثر اس کے غیر پر ظاہر ہو۔ یہاں پر فریقین (اہل ایمان و کفر) کے وہ احوال و اوصاف جو عجیب و غریب ہیں جنہیں بطور مثال بیان کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ اول گروہ یعنی کافروں نے باطل کا اتباع کیا جنہیں خسارہ اور نقصان ہوا اور دوسروں یعنی اہل ایمان نے حق کا اتباع کیا جس کی وجہ سے انہیں کامیابی اور فلاح نصیب ہوئی۔

دعا نبوی: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرماتے تھے:۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه	”اے اللہ ہمیں حق دکھا اور اس کی اتباع عطا فرما
وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه	اور باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق بخش۔“

حق کے معانی و مطالب: حق کئی معانی میں مستعمل ہے:۔

(۱) شئے کے موجد کو کہتے ہیں کہ جس نے بتقاضائے حکمت اسے بنایا اسی لیے اللہ تعالیٰ کو

حق کہا جاتا ہے۔

(۲) موجد (بالفتح) کو حق کہا جاتا ہے کہ وہ بتقاضائے حق پیدا ہوئی اسی معنے پر اللہ تعالیٰ کے فعل کو حق کہا جاتا ہے مثلاً الموت حق والبعث حق اور اس میں جمیع موجودات داخل ہیں اس لیے کہ وہ عبث نہیں کیونکہ وہ حکیم مطلق کی تخلیق (فعل) ہے اور اس کا کوئی فعل عبث نہیں ہاں بعض موجودات جیسے شیطان وغیرہ اگر باطل ہیں تو ان کا بطلان اضافی ہے۔

(۳) اس اعتقاد کو بھی حق کہتے ہیں جو حقیقت کے عین مطابق ہو مثلاً کہا جاتا ہے، ہمارا اعتقاد ہے کہ بعث وثواب وعقاب اور جنت ونار حق ہے۔

(۴) اس فعل وقول کو بھی جو واقع کے مطابق ہو مثلاً کسی کو کہا جائے کہ تیرا قول وفعل حق ہے۔

فائدہ: انہی معانی کے بالمقابل اور نقیض کو باطل کہتے ہیں اسی معنے پر کہا جاتا ہے کہ ایمان حق ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے حکم فرمایا ہے اور کفر باطل ہے اس لیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ایسے ہی اعمال صالحہ حق اور معاصی باطل ہیں۔

مسئلہ: ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے مطلقاً اجتناب کیا جائے اور عمل صالح وہ ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اسی لیے اکابر مشائخ اس کے لئے جدوجہد فرماتے ہیں اس لیے کہ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو سعادت دارین کی کنجی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ سب سے کمزور تر تیرا بندہ کونسا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ عمل کے بغیر جنت اور دعا کے بغیر رزق کا طالب ہے۔ پھر پوچھا کہ بخیل تر بندہ کون؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بندہ جس سے سائل سوال کرے اور وہ اسے طعام کھلانے کی قدرت بھی رکھتا ہے لیکن نہیں کھلاتا اور وہ جو اپنے بھائی مسلم کو السلام علیکم نہیں کہتا ؎

گویند باز گشت بخیلاں بود بخاک
حاشا کہ ہیچ جا نہ پذیرد بخیل را

ترجمہ: "بخیل مٹی میں جا کر کہیں گے ہائے افسوس بخیل کو کوئی جگہ قبول نہیں کرتی۔"

فقیر حقی (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ وہ انفاق و اطعام مفید ہے جو محض طلب رضائے الٰہی پر مبنی ہو ورنہ بدر میں کفار مکہ نے انفاق و اطعام کی کوئی کمی نہیں کی تھی لیکن وہ الٹا ان کے لئے نقصان و خسارہ کا موجب بنا کیونکہ ان کا انفاق رضائے الٰہی کے بجائے شیطان کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی لیے ان کے جملہ اعمال اکارت ہوئے۔ ایسے ہی ہر امساک برا نہیں بلکہ وہ جس میں حقدار کو حق نہ دیا جائے ورنہ " ولا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل الله لکم قیاما " اس میں اللہ تعالیٰ نے غیر محل میں خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہاں کار خیر میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہوتا۔

مسئلہ : بدعت سیئہ ہر طرح سے باطل ہے اس لیے اس کا ارتکاب ٹیڑھا پن اور سنت مصطفویہ کے خلاف ہے اگرچہ اسے کتنا ہی اچھا کر کے کیا جائے اور کفر و بدعت سیئہ و جملہ معاصی اقبح الاشیاء ہیں جیسے ایمان اور سنت کی پیروی اور طاعت الٰہی احسن الاشیاء ہیں۔

بشر حافی کو زیارت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم : حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ کو خواب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا اے بشر حافی تجھے اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند مرتبہ کس وجہ سے عطا فرمایا عرض کی یا رسول اللہ آپ فرمائیں مجھے علم نہیں۔ آپ نے فرمایا اس لیے کہ تو میری سنت کی پیروی اور نیک لوگوں کو دوست اور اہل اسلام کی خیر خواہی اور میرے اصحاب و اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

اولیاء کاملین کی عقیدت و اتباع : حق کی اتباع اولیاء کی اتباع سے نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں اور انہی کو حق کا دامن نصیب ہے اور یہی حضرات صحیح رستہ پر ہیں جو ان کی اتباع کرے گا وہ یقیناً حق پر ہوگا اور جو اہل باطل کی اتباع کرتا ہے وہ یقینی گمراہ ہوتا ہے۔ اللہ والے ہی جمال الٰہی والے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں اور دوسرے یعنی گمراہ لوگ جلال الٰہی والے ہیں ان سب کا سردار شیطان ہے۔

سبق : عاقل وہ ہے جو رجوع الی الحق اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ "وکونوا مع الصّٰدقین" ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو حق سے حق کی خدمت کرتے ہیں اور بطلان و بطالت و زیغ مطلق سے بچائے۔ وہی حق اور باقی ہے اور اسی کی طرف سب کا رجوع ہے۔

تفسیر عالمانہ : "فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" اللقاء بمعنے دیکھنا اور جنگ کرنا اور پہنچنا۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللقاء ادراک بالحس اور بالبصر کو بھی کہا جاتا ہے اور بصیرت کے ساتھ بھی یعنی جب ثابت ہوا کہ کفار کے اعمال اکارت و ضائع ہوں گے اور وہ ہمیشہ خسارے میں رہیں گے اور اہل ایمان دائمی فلاح و صلاح میں ہوں گے تو مسلمانو! جب تم انہیں جنگ کے وقت ملو "فَضَرْبَ الرِّقَابِ" یہ در اصل "فاضربوا الرقاب ضربا" تھا فعل کو محذوف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کھڑا کر کے اسے مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور الف و لام اضافت کا بدل ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ کافروں کی گردنیں تلوار سے اڑا دو اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قتل کر دو۔ قتل کو ضرب الرقاب سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ ان کی سخت سے سخت مذمت ہو "ضرب الرقاب" گردن جسم سے علیحدہ کرنا اور جسم کا وہ عضو جسم سے ہٹا لینا جو جسم کا اصل اور سب سے اونچا اور بلکہ جملہ اعضاء سے معزز تر ہے اس میں مجاہدین کو رہبری ہے کہ جنگ میں آسانی سے جس طرح ہو سکے اسی طرح کفار کو فی النار والسقر کیا جائے۔

حدیث شریف : میں ہے میں اس لیے مبعوث نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو وہ عذاب نہ دوں جیسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو عذاب دیتا ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ میں ان کی گردنیں اڑاؤں اور ان کو قید کروں "حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ" یہ اثخان سے مشتق ہے بمعنی بکثرت قتل کرنا اور خوب۔

حل لغات : ان کے "اثخنتہ الجراحات" سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ایسا جکڑا جائے کہ اس پر حرکت کرنا مشکل ہو جائے۔ اور کہا جاتا ہے "اثخنہ المرض" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی پر مرض کی سخت تکلیف ہو۔ یہ ثخانۃ سے ہے بمعنی غلظ و کثافت المفردات میں ہے کہ "ثخن الشئ فھو ثخین" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے گاڑھی ہو جائے اور چلنے میں آگے کو مکمل طور نہ بڑھ سکے اسی سے استعارۃً کہتے ہیں "اثخنتہ ضربا و

استخفافاً " جملۂ قرآنیہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم انہیں بکثرت قتل کرو یہاں پر مضاف محذوف ہے یا اس کا معنے یہ ہے کہ جب تم نے انہیں قتل سے دو بھر کر دیا یہاں تک کہ اب انہیں کھڑا ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ " فَشُدُّوا الْوَثَاقَ " الوثاق بالفتح والکسر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی کو باندھا جائے جیسے بیڑی اور لوہے کی زنجیر وغیرہ۔

الوسیط میں ہے الوثاق الایثاق کا اسم ہے، او ثقہ ایثاقاً و وثاقاً یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو قید (بیڑی) وغیرہ باندھا جائے تاکہ چھوٹ کر بھاگ نہ جائے اب معنے یہ ہوا کہ انہیں باندھو اور ان کی پورے طور قابو کرو۔ یعنی کافروں کو پکڑو پھر انہیں مضبوط باندھو۔ حضرت ابو اللیث نے فرمایا یعنی جب تم ان پر غالب ہو جاؤ اور انہیں قید کر لو تو ان کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے سے باندھ دو تاکہ بھاگ نہ جائیں۔ یہاں پر قتل کے بعد کا ذکر مبالغہ کے لئے ہے " فَإِمَّا مَنًّا " پھر یا تو منت لگا کر چھوڑ دو وہ اس طرح کہ کافروں سے کچھ لیے بغیر چھوڑ دیا جائے۔ " بعد الوثاق " باندھنے کے بعد " وَإِمَّا فِدَاءً " یا فدیہ لے کر یعنی ان سے کچھ نقدی وغیرہ لے کر انہیں آزاد کیا جائے یا اس کے مقابلہ میں مسلمان قیدی کو آزاد کرایا جائے۔

حل لغات : یہ فداہ یفدیہ فدی وفداء سے ہے۔ اسی سے ہے فداہ وافتداہ وفاداہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو کوئی شے دے کر اپنے آپ کو چھڑا لے " الفداء " دی ہوئی شے کو کہتے ہیں کبھی بالقصر بھی مستعمل ہوتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

المفردات میں ہے کہ الفدیٰ والفداء وہ شے کہ جسے انسان خرچ کر کے اپنے آپ کو دکھ تکلیف سے بچائے جیسے کہا جاتا ہے " فدیتہ بمالی وفدیتہ بنفسی وفادیتہ بکذا " شیخ رضی نے کہا کہ ان مذکورہ بالا یعنی بیڑی وغیرہ سے باندھنے اور قتل کرنے اور غلام بنانے اور مفت چھوڑ دینے اور فدیہ لینے میں کوئی ایک ہو اور یہی مطلوب ہے یعنی حاکم وقت کو ان چاروں میں سے کسی ایک پر اختیار ہے کہ کافر بالغ قیدیوں میں سے جو چاہے کرے۔

مسئلہ : یہ اختیار امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت ہے لیکن ہم احناف کے نزدیک منسوخ ہے اس کا ناسخ " فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم " ہے یہ آیت بدر کے موقعہ پر نازل ہوئی لیکن پھر منسوخ ہو گئی۔ اب حکم صرف اتنا ہے کہ بالغ کافر قیدیوں کو قتل کر دیا جائے یا غلام بنایا جائے۔

مسئلہ : الدرر میں ہے کہ کفار سے فدیہ لے کر انہیں دار الحرب واپس بھیجنا حرام ہے اس

لیے کہ کافر قیدیوں کو دار الحرب میں واپس بھیجنا انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے پر تقویت دینے کے مترادف ہے۔ یہ ایسے مکروہ ہے جیسے انہیں جنگی ہتھیار بیچے جائیں اور مفت چھوڑ دینے میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔

مسئلہ: جنگ سے فراغت سے پہلے مال لے کر چھوڑ دینا بھی جائز ہے لیکن قیدی مسلمان لے کر اسے جنگ کی فراغت سے پہلے آزاد کرنا درست نہیں۔

مسئلہ: ہمارے علماء کے نزدیک جنگ کی فراغت کے بعد مال لے کر چھوڑ دینا جائز نہیں اور نہ ہی قیدی کے بدلے لے کر آزاد کرنا جائز ہوگا یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایات مروی ہیں۔

مسئلہ: امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آجکل نہ تو کفار قیدیوں کو مفت چھوڑنا چاہیئے اور نہ ہی فدیہ لے کر اب تو صرف یہ مطالبہ ہو کر وہ مسلمان ہو جائیں یا ان کی گردن اڑا دی جائے۔

مسئلہ: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کافر قیدیوں سے فدیہ لے کر ہرگز نہیں چھوڑوں گا اگرچہ وہ مجھے سونے کے دو مُد بھی دیں۔ یہ اس وقت فرمایا جب آپ کو لکھا گیا کہ فلاں قیدی کافر کے لیئے اگر اجازت ہو تو اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے قتل کر دو اور میرے نزدیک مشرکین کو قتل کرنا دنیا و دولت سے محبوب ترین ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح مکہ کے دن ابن الاخطل کو قتل کرا دیا اگرچہ وہ اس وقت کعبہ کے پردوں کو چمٹا ہوا تھا۔

"حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا" اوزار الحرب سے جنگ کے آلات مراد ہیں۔ اگر آلاتِ جنگ نہیں رکھتی بلکہ اس کا اہل رکھتا ہے لیکن یہ اسناد مجازی ہے اور اوزار سے وہ آلات اور ہتھیار و دیگر جنگ کی ضروری چیزیں جو کہ جنگ میں لازمی ہوتی ہیں مراد ہیں جیسے گھوڑے اور تلواریں وغیرہ۔ اوزار وزر بالکسر کی جمع ہے بمعنی بوجھ اور وہ چیزیں جو انسان اٹھائے۔ اسلحہ کو اوزار اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ کے دوران اٹھایا جاتا ہے اس معنے پر گھوڑوں کو اٹھانے میں شامل کرنا تغلیبًا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حتّٰی ان چاروں مذکورہ بالا امور کی غایت ہے یا مجموعہ امور کی غایت ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کافروں کو اس حالت پر نہ چھوڑا جائے تاکہ وہ شر پسند لوگوں میں شامل نہ ہو سکیں بلکہ ان کی ہر طرح کی شوکت

اور ان کا غلبہ ختم ہو جائے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ اہل حرب کے ہتھیار ختم کر دیئے جائیں تاکہ ہر جگہ اسلام کا بول بالا ہو یہاں تک کہ جنگ کا نام و نشان بھی ختم ہو جائے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قریب ہوگا اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت آخری جنگ دجال سے لڑے گی۔

مسئلہ: جب تک کفر ہے دار الحرب قائم رہے گا۔

"ذٰلِكَ" معاملہ ایسے ہی ہے یا ایسے ہی کرو۔

"وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ" لو ماضی کے لئے ہے اور مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو "لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ" ان سے جنگ کے بغیر بھی بدلہ لے سکتا ہے کہ بلا سبب وہ تباہ و برباد ہو جائیں مثلاً دھنس جائیں یا زلزلہ میں تباہ ہو جائیں یا ان پر پتھراؤ ہو جائے یا ڈوب کر مر جائیں یا بکثرت موت کا شکار ہو جائیں وغیرہ وغیرہ اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے بذریعہ ملائکہ بدلہ لے لے مثلاً ان کی سخت آواز سے مر جائیں یا وہ گلا گھونٹ دیں یا ان سے ایسے طریقے سے لڑیں کہ وہ انہیں دیکھ بھی نہ سکیں جیسے غزوۂ بدر میں ہوا "وَلٰكِنْ" لیکن وہ ایسے نہیں چاہتا "لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ" تاکہ تمہارے بعض کو بعض سے آزمائے اسی لیے تمہیں کافروں سے لڑنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ تم ان سے جہاد کر کے اجر عظیم کے مستحق بنو اور کافروں کو آزمایا کہ وہ تمہارے ساتھ لڑنے کا عذاب عظیم پائیں یا ان کے بعض کفر سے توبہ کر لیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ کافر نفس کو جہاں پاؤ مار مٹاؤ اس لیے کہ وہ جہاں بھی سر اٹھاتا ہے دنیا اور اس کی نعمتوں سے لذت میں مبتلا کرتا ہے فلہذا اس کا سر پھوڑ دو اور اسے دنیوی لذتوں سے دور رکھو یہاں تک کہ جب تم اس پر غلبہ پا جاؤ تو اسے شریعت کی بیڑیوں سے جکڑو اور آداب طریقت سے اسے مضبوط باندھو اس لیے کہ ان (شریعت و طریقت) کے پروں سے اڑ کر عالم حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد یعنی عالم حقیقت میں پہنچنے کے بعد اسے مفت چھوڑ دو یعنی اس سے مجاہدات و ریاضت نہ کراؤ یا اس سے فدیہ لے کر چھوڑو یعنی اسے کثرت عبادات میں لگا دو جس میں مجاہدات و ریاضات نہ ہوں لیکن یہ اس وقت ہے جب تم نفوس پر غلبہ پا جاؤ۔

مسئلہ: نفوس کو مخالفت کی تلوار کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے۔ ارباب طلب حق کے مذہب میں ہے کہ جس طرح بن پڑے نفس سے لڑائی کی جائے (اس سے) لڑا جاسکتا ہے اور اس مسئلہ میں کسی بھی ارباب طریقت کو کوئی اختلاف نہیں اور نفس کی لڑائی کا ہر طریقہ قابل قبول ہے کیونکہ مقصد تو یہی ہے کہ طالب کو مطلوب اور محب کو محبوب یعنی عاشق کو معشوق کا وصال نصیب ہو جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ نفس پر غلبہ پا یا جائے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ نفس کو روزوں کی مار سے لتاڑا جائے اگرچہ بعض دن روزے رکھے جائیں اور بعض دن ترک کیے جائیں اس لیے کہ روزوں سے ہی نفس مغلوب پڑتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس معاملہ میں کسی کامل مرشد یا صاحب فراست یا اللہ والے سے مشورہ ضرور لے تاکہ ناکامی نہ ہو اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نفوس کو بغیر سعی اور جد و جہد کے اپنی تجلی جلال سے مغلوب کر دے۔

تفسیر عالمانہ: "وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بدر اور احد اور دیگر جنگوں میں شہید ہوئے "فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَھُمْ" تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا انہیں ثواب عطا فرمائے گا "سَیَھْدِیْھِمْ" دنیا میں انہیں ارشد الامور کی طرف اور آخرت میں ثواب کی رہبری کرے گا۔ حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ انہیں منکر نکیر کے سوال کے جواب با صواب کی ہدایت دے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل شہادت سے نکیرین کے سوال نہیں ہوں گے "وَیُصْلِحُ بَالَھُمْ" اور ان کا حال عقبہ و توفیق سے سنوارتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سین تاکید کا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ انہیں یقیناً ان کے مقاصد اخرویہ کی ہدایت دے گا اور ان کے مخالفین کو راضی کر کے ان کے احوال کو سنوارے گا کیونکہ جہاد و شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بزرگی و شرافت ہے "وَیُدْخِلُھُمُ الْجَنَّۃَ عَرَّفَھَا لَھُمْ" یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی اسے ویدخلھم الجنۃ سے کوئی تعلق نہیں اب معنی یہ ہوا کہ دنیا میں ان کے اچھے اوصاف کا پرچہ ہو جائے گا اور لوگ اس کی زیارت کے مشتاق ہوں گے یا یہ کہ لوگوں کو اس کے اوصاف معلوم کرا دے گا اور وہ معلوم کر لیں گے کہ یہ بہشت میں ایسے مرتبے کو پہنچے گا ان کے خیال میں اس کے متعلق تصور راسخ ہو جائے گا کہ گویا وہ بہشت کا پیدائشی مکیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے بہشت میں بہشتی کا مکان اس کے دنیوی مکان سے زیادہ مشہور ہو گا۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ عرفہا "ای جعل لہ عرفا یعنی رائحۃ طیبۃ" اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بہشت کو سنوارے گا اور اسے بہتر سے بہتر بنائے گا۔ بعض نے اس سے بہشت کے حدود مراد لیے ہیں یعنی ان کے لئے بہشت کا ایک علیحدہ حصہ مقرر فرمائے گا عرف الدار سے ہے یعنی بہشت میں شہداء کی علیحدہ کالونی ہوگی۔ اس معنے پر بہشت مختلف کالونیوں پر منقسم ہوگی۔

فضائل شہداء: (۱) شہید کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی داخل ہونے کے بعد اس سے نکلنے کا نام نہ لے گا سوائے شہید کے کہ وہ آرزو کرے گا کاش اسے دنیا میں واپس لوٹایا جائے اور وہ راہ حق میں شہید ہو اور پھر شہید ہو ایسے ہی بار بار زندہ ہو کر جام شہادت نوش کرے۔ یہ اس لیے کہ شہداء کو بہت بڑے مراتب سے نوازا جائے گا تو پھر وہ اس طرح کی آرزو کرے گا۔

(۲) شہداء کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ شہید کے جملہ حقوق اللہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ قرض کے سوا شہید کے جملہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

فائدہ: قرض سے بندوں کے حقوق مثلاً غصب اور باطل طریقہ سے کسی سے کچھ لینا اور قتل عمداً اور کسی کو ناحق زخمی کرنا اس طرح کے دیگر جرائم ایسے ہی غیبت۔ چغلی۔ ٹھٹھہ مخول ان جیسے اور اعمال اس لیے ضروری ہے کہ ان کے مستحقین کو یہ امور مرنے سے پہلے ادا کر دیئے جائیں۔

فائدہ: قرطبی نے فرمایا کہ "قرض" جو انسان کو بہشت کے داخلہ سے روکے گا اس سے وہ مال مراد ہے جو مرنے کے بعد چھوڑ جائے اور اس کے لئے ادائیگی قرض کی وصیت نہ کر جائے یا قرض کی ادائیگی پر قدرت بھی رکھتا تھا اسے ادا کیے بغیر مر گیا یا بیوقوفی اور فضول خرچی کے طور کسی سے قرض لیا اور ادا کیئے بغیر مر گیا۔

مسئلہ: وہ قرض جسکا لینا بوجہ مجبوری تھا مثلاً فاقہ اور تنگدستی کے وقت لیا اور ادا کی قدرت نہ رکھتا تھا اور ادا کیے بغیر مر گیا تو اسے بہشت سے نہیں روکا جائے گا وہ شہید ہو یا غیر شہید بلکہ اس کا قرض اللہ تعالیٰ خود ادا فرمائے گا یا اس کے مخالف کو راضی کرے گا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگوں سے اس ارادہ پر قرضہ لیتا ہے کہ اسے ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض خود ادا کرتا ہے اور جو ضائع کرنے

اور نہ دینے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ہلاک اور تباہ کرے گا۔

مسئلہ: آیت میں جہاد کی ترغیب ہے جہاد اصغر ہو یا اکبر۔

فائدہ: جسے ظاہری دشمن قتل کرے وہ شہید ہے اور جسے باطنی دشمن یعنی نفس قتل کر دے وہ طرید ہے کسی شاعر نے کہا ہے

وآنکہ گشت کافران باشد شہید
کشتۂ نفس ہست نزد حق طرید

ترجمہ: جسے کافر قتل کر دیں وہ شہید ہے اور نفس کا قتل کیا ہوا طرید کہلاتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے نفس امارہ و شیطان کے ساتھ جنگ کرنے میں فتح و نصرت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ" اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرو گے "یَنْصُرْکُمْ" تو اللہ تعالیٰ تمہیں دشمنوں پر فتح عطا فرمائے گا "وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ" اور جنگوں کے مواقع پر یا حجت اسلام پر تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

نصرت کے اقسام: نصرت دو قسم ہے:۔

(۱) نصرۃ العبد یعنی بندے کی مدد کرنا یوں کہ اس کے لئے دین کے دلائل واضح کر دیئے جائیں اور دین پر شبہ ڈالنے والوں کے شبہات دور کیے جائیں اور احکام شرع کی شرح کر دی جائے اور اس کے فرائض و سنن اور حلال و حرام کا علم دیا جائے اور ان پر عمل آسان کر دیا جائے اور دشمنان دین کے ساتھ جنگ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی توفیق بخشی جائے حقیقۃً جیسے وہ خود جنگ و جہاد میں شامل ہوا اور جیسے مسلمانوں کے لشکر کو اس کے جھنڈے تلے جمع کر دیا جائے یا اس کی دعا سے مسلمانوں کو فتح و نصرت اور کافروں کو شکست ہو مثلاً دعا مانگے اور کہے "اللّٰھم نصر من نصر الدین واخذل من خذل المسلمین" اے اللہ جو دین کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو مسلمانوں کو رسوا کرے تو اسے رسوا کر اور اسے جہاد اکبر کی توفیق بخشے مثلاً وہ نفس پر غلبہ پا کر اسے پچھاڑ دے بلکہ ایسا مٹائے کہ اس کے اندر خواہش کا نام و نشان تک مٹ جائے۔

(۲) نصرۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انسانوں پر رحم و کرم فرمائے مثلاً رسل کرام بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں اور آیات و معجزات ظاہر فرمائے اور نعیم و جحیم کا راستہ دکھائے

اور حضرت کریم کی رہبری فرمائے اور جہاد اکبر و اصغر کے امر کا علم دے اور اپنی رضا کی طلب ہیں اس کی سعی کی توفیق بخشے اسے خواہش نفسانی کے تابع نہ ہونے دے اور اسے اعدائے دین پر غلبہ عطا فرمائے اور کلمۂ الٰہی کے اعلاء میں اعداء کو ذلیل و خوار کرے اور وجود فانی کو وجود باقی میں صفات جمال و جلال کے تجلیات کے ساتھ فناء کرنے کی توفیق بخشے۔

تفسیر صوفیانہ: اکابر مشائخ نے فرمایا کہ تین امور سے سالک کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے عطیات کے ساتھ شرک۔

(۲) غیر اللہ سے ڈرنا۔

(۳) غیر اللہ سے امید۔

اور تین امور سے ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے:۔

(۱) فضل الٰہی ہر وقت مدنظر رکھنا۔

(۲) نعمت الٰہی پر شکر کرتے رہنا۔

(۳) جمیع احوال میں اپنی کوتاہیوں کا احساس کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ جن امور کی اللہ تعالیٰ پر ذمہ داری ہے اس پر پورا اعتماد کرنا۔ ذرہ برابر بھی وہم و گمان نہ کرنا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ حسبِ استطاعت دین متین کی مدد کرے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

پیمان شکن ہر آئینہ گردد شکستہ حال

ان العہود لدی اھل النہی ذمم

ترجمہ: پیمان توڑنے والا یقیناً شکستہ حال ہوتا ہے۔ عقل والوں کے نزدیک معاہدہ بڑی ذمہ داریاں ہیں۔

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ" اور خواری کے لئے خواری و رسوائی اور ہلاکت اور نامرادی ہے اور وہ انہیں منہ کے بل گرا دے گی۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے یہ دراصل " اتعسہم اللہ فتعسوا " تھا اور " الاتعاس " بمعنی ہلاک کرنا اور منہ کے بل گرانا۔

الارشاد میں ہے کہ " فتعسا " اس فعل سماعی سے منصوب ہے جس کا حذف کرنا واجب ہے دراصل " فقال تعسا لہم " تھا التعس بمعنی الہلاک والعثار والسقوط والشر والانحطاط

اہل عرب کہتے ہیں " دجل ناعس ونعس " از باب منع وسمع " تعسه الله والتعسه عہ " عرب والوں سے منقول ہے " وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ " اس کا عطف تعسًا پر ہے اسی کی طرح یہ بھی اسم موصول کی خبریت کے حیز میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال گم اور باطل اور نابود کر دیئے۔

" ذٰلِكَ " وہ امور جو مذکور ہوئے جیسے تعس و اضلال اعمال " بِاَنَّهُمْ " بسبب اس کے کہ انہوں نے " كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ " اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن اور اس کے بیان کردہ توحید و احکام شرع جو ان کے مزاج کے خلاف تھے انہیں ناگوار گذرے کیونکہ وہ احکام ان کے نفوس کے ناموافق تھے " فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ " اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال حبط کیے وہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام سے کراہت کی اسے مکرر لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ قرآن کے احکام کا انکار کفر ہے اور اعمال سے طواف اور عمارت مسجد حرام اور اکرام ضعیف اور عاجزوں اور مظلوموں کی مدد کرنا اور یتامیٰ و مساکین کی خبر گیری کرنا و دیگر وہ امور جو بظاہر نیکی پر دلالت کرتے ہیں مراد ہیں اور یہ صرف کفار مکہ سے مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک ہر کافر بے دین کے اعمال کا یہی حال ہے " اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا " کیا کفارِ عرب چل کر نہیں دیکھتے " فِى الْاَرْضِ " زمین پر یعنی گھروں میں بیٹھے نہ رہیں بلکہ ارض شام و عراق و یمن کی طرف چلیں " فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط " تو دیکھیں ان لوگوں کا انجام جو ان سے پہلے گذرے ہیں یعنی وہ امتیں جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی جیسے عاد و ثمود اور اہل سبا اس لیے کہ ان کے آثار ان کے حالات کی خبر دیتے ہیں " دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ز " یہ جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال سابق کلام سے پیدا ہوا وہ یہ کہ جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو پھر ان کا کیا ہوا۔ جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے اہل و عیال اور اموال کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

حل لغات: " دمّرہ " بمعنی اہلکہ اور کہتے ہیں " دمّر علیہ " بمعنی " اہلک علیہ " یعنی اسے تباہ و برباد کیا اور طیبی نے فرمایا کہ یہ اطباق کے معنے کو متضمن ہے اسی لیے علیٰ کے ساتھ متعدی ہوا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تباہ و برباد کیا۔ تو ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچا۔

عہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا اور برباد کیا۔

اور حواشی مفتی سعدی مرحوم میں ہے کہ "دمّر اللہ علیھم" بمعنی اوقع اللہ میرحلیھم یعنے تباہی و بربادی کو ان پر ڈالا " وَلِلْكٰفِرِيْنَ " اور ان جملہ کفار کے لئے ان کے عادات کی وجہ سے " اَمْثَالُهَا " ان جیسے انجام یا سزائیں ہیں یعنی جیسے پہلے کافروں کو سزائیں ملیں انہیں بھی ویسے ہی ملیں اور جمع اس لیے ہے تاکہ ان کی مماثلت سے مناسبت ہو کہ جیسے انہیں مختلف طور سے سزائیں ہوئیں ان کو بھی اسی طرح کی سزائیں ملیں گی۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ نفوس امارہ جب صفات مذمومہ سے موصوف ہوں تو انہیں قرآنی احکامات ناگوار گذرتے ہیں اس لیے وہ احکام ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوتے ہیں اور نفوس پر شرع کی موافقات اور متابعتِ انبیاء علیہم السلام بارگراں ہوتا ہے اس لیے شرک اور ریاء و تصنع اور خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے ان کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں کیا وہ ارض بشریت پر چل کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں یعنی ان قلوب وارواح کا کیا انجام ہوا جنہوں نے خواہشات کی تابعداری کی اور حُبّ دنیا میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ریاء کی وادی اور بدعت وضلال کے جنگل میں تباہ و برباد کیا اور کافرین یعنی بد قلوب نفوس کے لئے ان جیسی گمراہی اور ہلاکت ہے۔

تفسیر عالمانہ: " ذٰلِكَ " یہ اشارہ ان کافروں کے اس مثالی عذاب کے ثبوت کی طرف جو ان سے پہلے والوں پر ہوا بعض نے کہا یہ اشارہ اہل ایمان کی نصرت اور فتحمندی اور کافروں کی مقہور و مغلوب ہونے اور ان کی تباہی و بربادی کی طرف ہے " بِاَنَّ اللّٰهَ " اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ " مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا " اہل ایمان کا مولیٰ اور ان کے دشمنوں پر انہیں فتح و نصرت دینے والا ہے۔ ظاہراً بھی باطناً بھی ان کے ایمان کی وجہ سے " وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ " اور اس لیے کہ کافروں کا " لَا مَوْلٰى لَهُمْ " کوئی حامی و ناصر نہیں کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان سے ان کا عذاب ان سے دور کر سکے اس ولایت سے نصرت مراد ہے۔ ولایت عبودیت کی نفی نہیں کیونکہ جملہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبد اور وہ ان سب کا مولیٰ ہے چنانچہ " ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق " یعنی ان کا مالک حق ہے اور وہی ان کا خالق ہے یا اس کا معنےٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا مولیٰ نہیں اس لیے کہ ان کا اعتقاد بتوں کے لئے ہے اور وہ ان کی پرستش کرتے ہیں اگرچہ فی نفس الامر اللہ تعالیٰ ہی ان کا مولیٰ ہے۔ اس لیے علماء کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید میں یہی آیت اہل ایمان کی سب سے بڑی امید گاہ ہے اس لیے کہ فرمایا " مولی الذین اٰمنوا " الخ یعنی جملہ اہل ایمان

کا مولیٰ۔ اس میں نہ زاہدوں کی تخصیص ہے اور نہ عابدوں کی اور اصحاب اوراد کی اور نہ اہل اجتہاد کی مومن اگرچہ عاصی ہو تب بھی مومن ہے۔ (ذکرہ القشیری قدس سرہ)

فائدہ: لشکر دو قسم ہے:۔

(۱) اہل دعا۔

(۲) اہل وغا۔

اہل وغا باب دیانت وتقویٰ ہیں وہ اپنے قوت بازوؤں سے منصور ومظفر ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے الطاف سے محروم نہیں ہوتے اور اہل دعا باب دنیا اور اپنے ظاہری حال میں اپنی ضعیفی وکمزوری کی وجہ سے ان کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دروازے سے محروم نہیں لوٹایا جاتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "انکم تنصرون بضعفائکم" بیشک تم اپنے ضعفاء کے صدقہ مدد کیے جاتے ہو، حضرت سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دعا ضیعفان امیدوار

زبازوئے مردی بہ آید بکار

ترجمہ: کمزور امیدوار کی دعاء مرد کے بازو پکڑ کر کام میں لاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موجود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کا ماسوا بہ نسبت وجود کے واجب الوجود ہونے کے معدوم ہے اور کفار معدوم کی پرستش کرتے ہیں جیسے بت اور طاغوت وغیرہ اس لیے ان کی منجانب اللہ مدد ونصرت نہیں ہوتی اور مومن چونکہ موجود حقیقی کی عبادت کرتا ہے اس لیے اس کی شدائد میں اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے۔ کفار چونکہ قلعوں اور ہتھیاروں پر سہارا کرتے ہیں اور اہل ایمان چونکہ قادر قوی فتاح پر توکل کرتے ہیں اس لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

کرامت حضرت زید رضی اللہ عنہ: مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے کسی شخص کے ساتھ طائف کی طرف سفر کو نکلے۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ وہ منافق ہے، ایک ویرانے میں پہنچ کر سو گئے لیکن بیدار ہو کر منافق نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مشکیں باندھ دیں اور ارادہ کیا کہ وہ آپ کو قتل کرے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا "یا رحمٰن اعنی" اے اللہ میری مدد فرما۔ منافق نے غیب سے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے اے فلاں اسے مت قتل کر، منافق نے ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی نظر نہ آیا پھر

ارادۂ قتل کیا تو وہی آواز کان میں آئی تو قتل کا ارادہ ترک کر دیا، ایسے ہی بار ثالث وہی آواز سنی لیکن کہنے والا نظر نہیں آتا تھا اب منافق نے قتل کا عزم بالجزم کیا تو ایک سوار نے اس کی گردن اڑا دی اور پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر کہا میں جبریل (علیہ السلام) ہوں اس وقت میں ساتویں آسمان پر تھا جب تو نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے جبریل (علیہ السلام) میرے بندے کو بچائیے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ تورات میں درج ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام جہاں جنگ کرے گی ان کے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جبریل علیہ السلام ہر جنگ میں شامل ہوتے ہیں خواہ وہ صحابہ کرام کی جنگیں ہوں یا امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کے غزوات، بشرطیکہ ان کی جنگ مبنی بر حق و انصاف ہو۔ جبریل علیہ السلام جس غزوہ میں شامل ہوتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھیں پرنم ہوتی ہیں بلکہ ان کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ ایسی جنگ میں دعا مستجاب ہوتی ہے اور فتح و نصرت یقینی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں منصور و مظفر لوگوں سے بنائے۔ (آمین)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ۝ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ

هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً
فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ فَاعْلَمْ
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝

ترجمہ: "بیشک اللہ داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیئے باغوں میں جن کے نیچے نہریں رواں، اور کافر برتتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھائیں اور آگ میں ان کا ٹھکانا ہے اور کتنے ہی شہر کہ اس شہر سے قوت میں زیادہ تھے جس نے تمہیں تمہارے شہر سے باہر کیا ہم نے انہیں ہلاک فرمایا تو ان کا کوئی مددگار نہیں تو کیا جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اس جیسا ہو گا جس کے بُرے عمل اُسے بھلے دکھائے گئے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلے احوال اس جنت کا جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے ہے اس میں ایسی پانی کی نہریں ہیں جو کبھی نہ بگڑے اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے میں لذت ہے اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کیا گیا اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور اپنے رب کی مغفرت کیا ایسے چین والے ان کی برابر ہو جائیں گے جنہیں ہمیشہ آگ میں رہنا اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے کہ آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ان میں سے بعض تمہارے ارشاد سنتے ہیں یہاں تک کہ جب تمہارے پاس سے نکل کر جائیں علم والوں سے کہتے ہیں ابھی انہوں نے کیا فرمایا یہ ہیں وہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی اور اپنی خواہشوں کے تابع ہوئے اور جنہوں نے راہ پائی اللہ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمائی اور ان کی پرہیز گاری انہیں عطا فرمائی تو کا ہے کے انتظار میں ہیں مگر قیامت کے کہ ان پر اچانک آجائے کہ اس کی علامتیں تو آہی چکی ہیں پھر جب وہ آجائے گی تو کہاں وہ اور کہاں ان کا سمجھنا۔ تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو اور اللہ جانتا ہے دن کو تمہارا پھرنا اور رات کو آرام لینا۔"

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ" اس میں اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا بیان ہے اور آخرت کا ثمرہ بنایا گیا ہے کہ آخرت میں اہل ایمان کے لئے کون سے ثمرات مرتب ہوں گے یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور نیک عمل والوں کو بہشت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں "وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ" اور کافر دنیا میں چند روز اپنے مال و متاع سے نفع حاصل کریں گے "وَیَاْکُلُوْنَ" حریص اور آخرت سے غافل ہو کر کھائیں گے "کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ" جیسے جانور اپنی چراگاہوں میں کھاتے ہیں اور انہیں اپنے انجام کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ آج گھاس کھا رہے ہیں تو کل ان کی گردن پہ چھری ہوگی۔

الانعام نعم (بفتحتین) کی جمع ہے یہ اونٹ اور گائے اور بھیڑ بکری کو کہتے ہیں "وَالنَّارُ مَثْوًی لَّہُمْ" ٥ اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ مثوی بمعنے منزل ثواء و اقامتہ یعنی یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

سوال: ان اللہ یدخل الذین الخ اور الذین کفروا الخ میں تقابل کیا ہے؟

جواب: یہ قبیل احتباک سے ہے۔ اعمال صالحہ اور دخول جنت کا ذکر حذف للفاسدۃ و دخول نار کی دلیل ہے اور تمتع و مثوی حذف التمتع و ماوی کی دلیل ہے۔

فائدہ: امام قشیری نے فرمایا کہ جیسے جانور بلا امتیاز کھاتے ہیں کہ وہ جہاں سے ملے کھا لیتے ہیں ایسے ہی کافر حلال و حرام کی تمیز کے بغیر کھاتا ہے جیسے جانور کے کھانے کا کوئی وقت مقرر نہیں جب آیا کھانے گئے ایسے ہی کافر بھی بسیار خور ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک میں۔ اور جیسے جانور غفلت میں کھاتا ہے ایسے ہی جو شخص کھانے وقت اللہ کو یاد نہیں کرتا اس کے اور جانور کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

فائدہ: حضرت حدادی نے فرمایا مومن و کافر کے کھانے کے درمیان یہ فرق ہے۔ مومن تین وجوہ کو مد نظر رکھ کر کھاتا ہے:۔

(۱) طیب طعام میں اتقاء۔

(۲) ادب۔

(۳) کسی سبب سے

اور کافر کے بھی تین وجوہ سامنے ہوتے ہیں :۔

(۱) حرص و ہَوا ۔

(۲) شہوت سے ۔

(۳) غفلت کے ساتھ عیش و عشرت ۔

فائدہ: مومن آخرت کا ساز وسامان تیار کرنے کے لئے کھاتا ہے ، منافق زیب و زینت کے درپے ہوتا ہے ، کافر نفع اٹھانے کے لئے کھاتا ہے اور دوسروں سے بھی طعام کو روکتا ہے۔

لطیفہ : کھانے میں یہ خیال مدنظر ہو کہ اس کے کھانے کے بعد نکلے گا کیا یعنی گوبر ۔گندگی ۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ کافروں کو کھانے پینے کی مشغولی رہتی ہے اور مومن اس مشغولی سے ہٹ کر یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے ۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ کھانا صرف زندگی بسر کرنے کے لئے کھائے یعنی اتنا کھائے کہ اس سے بدن کا قوام بحال رہے اور اس کے ذریعے سے عبادت الٰہی ادا کی جاسکے اور قوت نفسانی کو اتنی تقویت دینی چاہیئے جس سے وہ قدرت ربانی پر استدلال کر سکے ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ زندگی صرف کھانے پینے میں بسر ہو جائے اور "ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَ يَتَمَتَّعُوا" الخ سے مصداق ہو جائیں اور جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے کے پیچھے لگا رہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

خوردن برائے زیستن وذکر کردنست

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردنست

ترجمہ : کھانا صرف زندگی گذارنے اور ذکر کرنے کے لئے ہے تو اس خیال میں ہے کہ شاید زندگی صرف کھانے کے لئے ہے ۔

فائدہ: خلاصہ یہ کہ کافروں کو صرف بطون و فروج کی شہوت پرستی میں لگے رہتے تھے انہیں آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی اسی لیے وہ زندگی کے ایام کفر و معاصی میں ضائع ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا میں کھانے پینے کے لئے ایام گذارتے ہیں ۔ اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں طاعات و عبادات میں زندگی بسر کرتے ہیں اس لیے وہ ہر وقت ریاضات و مجاہدات میں لگے رہتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بلند و بالا مکانات بہشت میں تیار فرمائے ہیں یہاں سے "الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر" دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے

جنت ۔ جب مومن کو محسوس ہوگا کہ یہ دنیا قید خانہ ہے اور اس کی نعمتیں مٹ جائیں گی اس لیے وہ اپنے نفس کو طاعت وعبادتِ الٰہی میں مصروف رکھے گا بدیں وجہ اس کا انجام بہشت کے عالیشان مکانات ہیں اور وہ ان مٹ ہیں یعنی باقی رہنے والے اور کافر چونکہ آخرت کا منکر ہے اس لیے وہ دنیا میں لذات کے درپے رہتا ہے اس لیے آخرت میں جہنم میں جائے گا اور اسے زقوم کھلایا جائے گا ۔

فائدہ: اکابر مشائخ جو کچھ میسر آتا وہی کھاتے پیتے اور پہنتے ۔

حکایت اویس رضی اللہ عنہ: سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ تمام راستوں سے روٹی کے ٹکڑے اور پرانے کپڑے چن کر طعام ولباس کیلئے بسر اوقات فرماتے ۔ ایک دن آپ کے کھانے میں کتا شریک ہوگیا تو آپ نے اسے فرمایا بھائی اپنے آگے سے کھاؤ اور میں اپنے آگے سے ۔ مرنے کے بعد اگر میں بہشت میں چلا گیا تو تیرے سے بہتر ہوں گا (خدانخواستہ) اگر میں دوزخ میں گیا تو پھر تُو مجھ سے بہتر ہوگا ۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بھوک اور پیاس سے اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرو اس میں مجاہد جیسا اجر وثواب ملتا ہے اس لیے کہ بھوک اور پیاس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کوئی عمل محبوب تر نہیں ۔ (مختصر الاحیاء)

مثنوی شریف میں ہے ؎

زیں خورشہا اندک اندک باز بر
زیں غذائے خر بود نے آں حر
تا غذائے اصل را قابل شوی
لقمہائے نور را آکل شوی

ترجمہ: اس دنیا میں خوراک تھوڑی تھوڑی حاصل کر ۔ اس لیے غذا زائد گدھا کی خوراک نہ کہ اعلیٰ انسان کی تاکہ تم اصلی غذا کے لائق ہو نور کے لقمے کھانے والے ہو ۔

جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جوع باشد غذائے اہل صفا
محنت وابتلائے اہل ہوا

جوع تنویر خانۂ دل تست
اکل تعمیر خانۂ گل تست
خانۂ دل گذاشتی بے نور
خانۂ گل چہ میکنی معمور

ترجمہ ؛ بھوک اہل صفا کی غذا ہے۔ اہل ہوا کے لئے محنت اور دکھ ہے۔ بھوک تیرے دل کا نور ہے۔ کھانا مٹی کے گھر کی آبادی ہے۔ دل کے گھر کو تو بے نور چھوڑ رہا ہے اور مٹی کے گھر کو کیوں آباد کر رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) اندازہ خور زاد اگر مردمی
چنین پر شکم آدمی یا خُمی

(۲) درون جائے قوتست و ذکر و نفس
تو پنداری از بہر نانست و بس

(۳) ندارند تن پروران آگہی
کہ پر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ (۱) خرچ اندازہ پر رکھ اگر تو آدمی ہے، اتنا پیٹ بھر کر کھاتا کیا تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔
(۲) اندر قوت اور ذکر اور سانس کے لئے ہے، تیرا خیال ہے کہ وہ روٹی کے لئے ہے اور بس۔
(۳) تن پرور لوگ کوئی خبر نہیں رکھتے ہمیشہ معدہ پُر ہو تو وہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : مریدین کے اوصاف میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مجاہدہ کرے یعنی نفس پر سخت سے سخت تکالیف بدنیہ میں مبتلا کر دیا جائے مثلاً بھوک اور پیاس اور زنگار ہنا یا پھٹے پرانے کپڑے پہننا سالک کو چار موتوں کا دکھ درد اٹھانا لازم ہے :-

(۱) موت ابیض یعنی بھوک ۔
(۲) موت احمر یعنے خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت ۔

(۳) موت اسود یعنے تکالیف و مصائب برداشت کرنا۔

(۴) موت اخضر یعنے پھٹے پرانے کپڑے پہننا تاکہ نفس کی سرکوبی ہو یہ بھی اس طرح ہو کہ اس لباس سے شہرت کا شائبہ نہ ہو اس لیئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شہرتوں سے روکا ہے :۔

(۱) لباس نرم اور قیمتی۔

(۲) لباس گرم اور اقوی کیونکہ اس طرح کے لباس سے۔ انسان اپنے دوسرے بھائیوں سے ممتاز صورت اختیار کر لیتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں عامی انسان ان کی طرح ہو کر زندگی بسر کرو۔

ملفوظ ابراہیم بن ادھم : حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رات کو نفس کی خواہش کے خلاف ایک لقمہ کم کھانا ساری رات کے قیام سے بہتر ہے وہ بھی حلال لقمہ ورنہ حرام غذا تو الٹا نفس کی شرارت میں اضافہ کرتی ہے۔ پیٹ کا اگرچہ حلال لقمہ سے پر کرنے سے اور کوئی برا عمل نہیں ہے۔

بھوک کے فوائد : بھوک سے بہت بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں منجملہ ان کے چند یہ ہیں:۔

(۱) خاموشی۔

(۲) قلتِ کلام۔

(۳) جملہ خواہشاتِ نفسانی کا مٹ جانا۔

(۴) وسوسہ شیطانی سے حفاظت۔

(۵) ان جملہ خرابیوں سے بچاؤ جو پیٹ بھر کر کھانے سے پیدا ہوتی ہیں۔

فائدہ : معدہ جملہ اعضاء کے لیئے بمنزلہ حوض کے ہے۔ اس سے ہی تمام اعضاء اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ حیاتِ جسمانی کی پانی غذا ہے یعنی جسمانی حیات غذا پر موقوف ہے اس لیے حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ خلوت کا راز پانی میں ہے جیسے کسان یکبارگی کھیتی میں پانی چھوڑ دے تو وہ کھیتی خراب ہو جائے گی ایسے ہی اسے پانی نہ دے تب بھی کھیتی ضائع ہو جائے گی ایسے ہی انسان کے پیٹ کا معاملہ ہے کہ اسے اگر بھر دیا جائے اگرچہ لقمہ حلال سے تب بھی نقصان ہے اگر بالکل بھوکا رکھا جائے تب بھی۔ اس لیے لازم ہوا کہ اعتدال سے کھایا جائے۔ ہم اللہ

تعالیٰ سے حمایت و رعایت کا سوال کرتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ : " وَكَاَيِّنْ " یہ کلمہ کاف و ایّ سے مرکب ہے بمعنی کم خبریہ کے حضرت جامی قدس سرہ نے شرح کافیہ میں لکھا ہے کہ کایّن اس لیے مبنی ہے کہ تشبیہ کا کاف ایّ پر داخل ہوا اگرچہ ایّ معرب تھا لیکن دوسرے جزء کے ساتھ مل کر ایک جزء ہونے کی وجہ سے اس میں افرادی معنے پیدا ہوگیا اس لیے اس کا مجموعہ مفرد کی طرح ہوگیا بمعنی کم خبریہ کے اس اعتبار سے گویا وہ ایسا اسم ہے جو مبنی علی السکون ہے اس کے آخر میں لفظ مَنْ کی طرح نون ساکن ہے ۔ یہ تنوین تمکن کا نہیں اس لیے آخر میں نون کی صورت میں لکھا جاتا ہے حالانکہ نون تنوین کی کوئی صورت نہیں اور یہ محلاً مرفوع مبتدا ہے ۔

" مِّنْ قَرْيَةٍ " یہ کایّن کی تمیز ہے " هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ " یہ قریہ کی صفت ہے " الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ " یہ قریتک کی صفت ہے اس سے مکہ معظمہ مراد ہے یہاں مضاف محذوف ہے اور دونوں جگہ پہ مضاف محذوف ہے اور دونوں مضاف کے قائم مقام ہیں جیسا کہ آنے والی خبر یعنی " اَهْلَكْنٰهُمْ " دلالت کرتی ہے یعنی کتنی بہت بڑی بستیاں جو آپ کی اس بستی سے بہت بڑی طاقتور تھیں جس سے آپ کو کافروں نے ہجرت پہ مجبور کیا ہم نے ہلاک کر دیں ۔

فائدہ : قریۃ کو شدت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ بستی اجاڑنے کے لئے اولیٰ ہے ایسے ہی دوسری بستی کو حضور علیہ السلام کی ہجرت سے موصوف کرنے میں اس بستی کی غلطی کی قوت و شدت کی طرف اشارہ ہے " فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ " پہلے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بالکل نجات نہیں پا سکتے اگرچہ وہ کتنی ہی جد وجہد کریں اب بتایا گیا ہے کہ ان کی نجات ممتنع ہے اگرچہ اپنی مدد کے لئے دوسروں کو مددگار اور حامی بنائیں اور یہ فاء کی ترتیب کے لئے ہے یعنی مذکور غیر کو مذکور ذات پر مرتب کرنا مطلوب ہے یہ حال ماضیہ کی حکایت ہے ۔

شان نزول : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایسے ہی حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے وقت مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے مکہ تو مجھے اور میرے اللہ تعالیٰ کو تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے مشرکین نے یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو میں تجھے کبھی چھوڑ کر نہ جاتا ۔

فائدہ : اس معنے پر یہ آیت مکیہ ہے اور آیات مدنیہ میں داخل ہے ۔ (کیونکہ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی تمام آیات مدنیہ ہیں سوائے اس آیت کے)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں روح کی طرف اشارہ ہے اور قریہ سے جملہ جسم مراد ہے اس لیے کہ بہت سے اجسام روح سے مضبوط اور قوی تر ہوتے ہیں لیکن اسے بھی اللہ تعالیٰ نے موت دے کر تباہ و برباد کیا اس کی موت کو دفع کرنے کے لئے اس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوا چونکہ روح خارج از جسم بہت بڑی طاقت اور قوت والی ہے اس لیے موت دے کر ضعیف جسم سے نکال لینا ضروری ہوا کما قال اللہ "اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ" جہاں بھی تم ہو گے تمہیں موت پہنچے گی اگرچہ بہت بڑے مضبوط قلعوں میں ہو گے یہاں پر بروج سے موٹے اور پُر خون اور گوشت والے اجسام مراد ہیں ؎

سیل بے زنہار را در زیر پل آرام نیست
ما بغفلت زیر طاق آسمان آسودہ ایم

ترجمہ: بے ہنگام سیلاب کے لئے پل کے نیچے آرام نہیں لیکن ہم غفلت سے آسمان کے طاق کے نیچے آسودہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ" فاء کا فعل مقدر پر عطف ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ من سے وہ مومن مراد ہیں جو دین و اسلام کا دامن مضبوط پکڑتے ہیں یعنی ایسے نہیں جیسے مذکور ہوا بلکہ حق اسے نصیب ہے کہ جو شخص بھی دلیل مضبوط اور برہان واضح پر ہے اس سے قرآن مجید اور جملہ معجزات اور حجج عقلیہ مراد ہیں "کَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ" جس کے لئے بُرے اعمال مزین نظر آتے ہیں۔ بُرے اعمال سے شر اور دیگر معاصی مراد ہیں اس لیے کہ سنوارنے والے بدترین ہیں یعنی شیطان اور نفس امارہ۔ خلاصہ یہ کہ ہدایت یافتہ اور گمراہ برابر نہیں ہو سکتے "وَاتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ" اسی تزیین کی وجہ سے انہوں نے اپنے خواہشات کی اتباع کی جنہوں نے انہیں سیدھے راستے سے پھیرا اور مختلف گمراہیوں میں منہمک ہوئے اور خود انہیں اپنے اس انہماک میں شک ہے کہ نا معلوم وہ ہدایت پر ہیں یا گمراہی میں چہ جائیکہ انہیں حجت حاصل ہو تو جو ان کی ہدایت پر دلالت کرے اور ضمیر جمع کی مَنْ کے معنے کی وجہ سے ہے اور پہلے ضمائر کو مفرد اس لیے لایا گیا کہ مَنْ لفظ مفرد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اہل قلب و اہل نفس کی طرف اشارہ ہے چونکہ اہل قلب بُرے اخلاق سے پاک ہونے کی وجہ سے وہ شواہد حق کو دیکھتے ہیں اور وہ ہر

معاملہ میں بصیرت سے کام لیتے ہیں اور اہل نفس کو بدعات اور برے اعمال بھلے لگتے ہیں اس لیے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پاتے ہیں نہ بہشت کی طرف بلکہ وہ اپنے بُرے عقائد اور گندے اعمال کی وجہ سے گدھے سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیّنہ سے وہ نور مراد ہے جو انسان کو الہام و وسوسہ کا فرق بتاتا ہے اور یہ صرف ان حضرات کو نصیب ہوتا ہے جو اہل حقائق ہیں اور اس کا اصل حضور علیہ السلام کو حاصل ہوا، کما قال اللہ " لقد رایٰ من اٰیٰت ربّہ الکبریٰ" اور فرمایا " ماکذب الفؤاد مارایٰ"

حضور علیہ السلام کی شان: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جتنے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے ایسے کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہ ہوئے اس لیے کہ آپ اسم رحمٰن کے مظہر ہیں اور رحمٰن اسم علیم کے بعد صادر ہوا اس لیے جملہ معلومات کو اسم رحمٰن حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو زینت دنیا ناپسند تھی کیونکہ دنیوی امور زوال پذیر ہیں اس لیے آپ کو ان سے کوئی تعلق نہ تھا اس لیے کہ مظہر رحمانی انقضاء کے منافی اور ابدیت کے موافق ہے ؎

از ما مجو زینت ظاہر کسی چون صدف
ما اندرون خانہ بگوہر گرفتہ ایم

ترجمہ: ہم سے زینت ظاہری تلاش نہ کر کہ ہم صدف کی طرح ہیں کہ ہمارے اندر بہترین جوہر ہیں۔

تفسیر عالمانہ: " مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ" اس جنت کی مثال جس کا متقیوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے۔ اہل ایمان کو متقی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ اشارہ ہو کہ تقویٰ اور عمل صالح ایمان کے ابواب سے ہیں اور تقویٰ کہتے ہیں ادائے واجبات و ترک سیات کو اور مثل سے مراد یہ ہے کہ جنت ایک عجیب الشان چیز ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل عبارت " مثل الجنۃ الموعودۃ للمؤمنین الخ ہے یعنی بہشت وہ عجیبۃ الشان شے ہے جس کے متعلق تم سنتے ہو اور قرآنی آیات سے تمہیں اس کے متعلق معلومات ہیں وہ یہ ہیں۔ " فِیْهَآ " وہ بہشت جس کے متعلق اہل تقویٰ کو وعدہ دیا گیا ہے اس میں " اَنْهٰرٌ " نہریں ہیں۔ یہ نہر بالسکون کی جمع ہے

کبھی اسے متحرک بھی پڑھا جاتا ہے) بہنے والے پانی کے جاری ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے "مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ" یہ اٰسن الماء سے ہے از باب ضرب و نصر یا از علم یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی کا ذائقہ اور ریح متغیر ہو جائے "عین المعانی" میں ہے کہ یہ اٰسن بمعنی غشی علیہ ہے یعنی وہ کنواں جس پر بدبو کا غلبہ ہو اور "القاموس" میں ہے الاٰسن من الماء الآجن یعنی وہ پانی جس کا ذائقہ اور رنگ متغیر ہو یعنی بہشت کا وہ پانی ہوگا جس کے طویل مدت تک ٹھہرنے کے باوجود نہ اس کا رنگ متغیر ہوگا نہ ذائقہ اور نہ بو بخلاف دنیا کے پانی کے کہ وہ ایک مدت کے بعد متغیر ہو جاتا ہے اگرچہ برتنوں میں بھی ہو باوجودیکہ مختلف ذائقے رکھتا ہے اور باوجودیکہ زمین کی ایک جنس پر ہوتا ہے اور زمین بسیط بھی ہے اور وہ پانی اس کو متصل بھی ہے اور کبھی اصل خلقت کے اعتبار سے پانی متغیر ہوتا ہے اور کبھی عارض کی وجہ سے یعنی اس کے چشمے اور کنوئیں کوئی عارضہ پیدا ہو گیا تو وہ پانی متغیر ہو گیا۔ (کذا فی المناسبات)

صاحب روح البیان کی تحقیق: فقیر حقی (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ تو اپنے مقام پر حق ہے کہ تمام دنیائے عالم کا پانی کا سرچشمہ وہ مبارک پتھر ہے جو بیت المقدس میں ہے اور وہ اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے ٹھنڈا میٹھا اور پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ ہاں اس کے اندر تغیر مختلف مقامات سے جاری ہونے کی وجہ سے آجاتا ہے کیونکہ جن مقامات سے یہ پانی گذرتا ہے وہ تمام یکساں نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "وفی الارض قطع متجاورات" اور ظاہر ہے کہ زمین کے متجاور ہونا فی نفس الامر متحد ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ زمین کے مختلف ٹکڑے ہیں۔

صوفیانہ فائدہ: ایسے ہی علوم کو سمجھیے کہ وہ جب طبع غیر مستقیم سے گذرتے ہیں تو اپنے سے متغیر ہو جاتے ہیں پھر وہ اگرچہ بظاہر علوم ہیں لیکن انہیں حقیقت میں جہل کہا جاتا ہے جملہ اہل ہوا اور اہل بدعت اور گمراہوں کے علوم اسی قسم سے ہیں۔

"وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ" اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا ذائقہ متغیر نہ ہوگا وہ گاڑھا ہوگا کہ جس سے زبان کو ثقالت محسوس ہو اور نہ ہی کھٹا ہوگا غرضیکہ تمام خرابیوں سے پاک ہوگا دنیوی دودھ کی طرح نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ بہشت کا دودھ اصل خلقت کے لحاظ سے متغیر نہیں ہوگا۔ ہاں اگر بہشتی اپنی خواہش سے جس کا تغیر چاہیں گے تو وہ اسی طرح ہو جائے گا "وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ" اور شراب کی نہریں ہوں گی اور خمر انگور کے

اس نچوڑ کو کہتے ہیں جو نشہ پیدا کرے ہر نشہ آور شے کو خمر کہا جاتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

" لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ" لذت لذّ کی مؤنث ہے بمعنی لذیذ جیسے طب بمعنی طبیب یا مصدر ہے جس سے نعت مطلوب ہے بمعنی لذیذۃ یعنی وہ شراب نہ مکروہ ہوگا اور نہ اس کا ذائقہ خراب اور نہ بدبودار اور نہ نشہ آور ہوگا جیسا کہ دنیا کے شراب میں ہوتا ہے بلکہ وہ شراب سراسر لذت ہی لذت ہوگا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

ترجمہ: "ہم نے پیالہ میں عکس رخ یار دیکھا۔ اے ہمارے مستی والے شراب کی لذت سے بے خبر۔"

حضرت صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا ؎

بادۂ جنت مثال کوثر ست اے ہوشیار
نیست اندر طبع کوثر آفت سکر و خمار

ترجمہ: "بادۂ جنت سے حوض کوثر ایک مثال ہے اے ہوشیار۔ کوثر کی طبع میں سکر و خمار کی آفت نہیں۔"

" وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ" اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ عسل شہد کی مکھی کا لعاب اور قے ہے۔ قال ظہیر الفارابی ؎

بدان غرض کہ دہن خوش کنی ز غایت حرص
نشستہ منتظر صد کہ قے کند زنبور

ترجمہ: "غایت حرص سے اس خیال میں ہے کہ منہ خوش ذائقہ ہوگا منتظر بیٹھا ہے کہ بھڑ کب قے کرے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی حقیر ترین شے آدم زادے کا اعلیٰ ترین لباس ہے یعنی ریشم کے کیڑے کا لعاب اس کا ریشمی لباس ہے اور انسان کی اعلیٰ ترین غذا شہد کی مکھی کا گوہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد مکھی کے منہ کی غیر جگہ نکلتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شہد مکھی کے پیٹ سے نکلتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ اس کے منہ سے نکلتا ہے یا کسی دوسری جگہ سے (کذا فی حیوۃ الحیوان)

اس کی تحقیق ہم نے سورۂ نحل میں بیان کی ہے "مُّصَفًّى" وہ ایسا شہد ہوگا جس میں نہ موم ہوگی نہ ہی مکھی کے فضلات کی ملاوٹ اور نہ ہی دوسری خرابیاں، اسے اللہ تعالیٰ نے صاف ستھرا کرکے پیدا کیا ہے۔ اس کا یہ معنے نہیں کہ پہلے اس میں کچھ ملاوٹ تھی پھر اسے صاف کیا گیا بلکہ اس کا وہی معنے ہے کہ اس میں ابتدائً سرے سے کسی قسم کی ملاوٹ نہیں تھی۔

فائدہ: خالص اور صافی میں یہی فرق ہے کہ خالص وہ ہوتا ہے جس میں ملاوٹ کو دور کرکے صاف کیا جائے اور صافی وہ ہے جو ابتدائً صاف ہو جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو اس سے بہشت کی طرف شوق دلانا مطلوب ہے تاکہ مثال دے کر اس کی لذتوں کی طرف شوق ہو کہ جیسے دنیا کی شرابوں سے انسان لذّت اندوز ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر بہشت میں لذت اندوز ہوں گے کیونکہ جس سے لذت حاصل کی جائے وہ اگر ہر طرح کی الائش اور ملاوٹ اور ناخوشگوار امور سے پاک ہو اور پھر وہ دائمی ہو تو اس کی طرف طبیعت کو بہت بڑا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔

لطیفہ: چونکہ بلاد عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے اس کی لوگوں کو شدید ضرورت ہوتی ہے اس لیے بہشت کی نعمتوں کا آغاز "انہار" سے ہوا اور پھر چونکہ پانی کا متغیر ہوجانا قدرتی امر ہے اس لیے فرمایا کہ بہشت کا پانی متغیر نہ ہوگا۔ اس کے بعد دودھ کا ذکر ہے اور وہ چونکہ قلیل ہوتا ہے لیکن بہشت میں نہروں کی صورت میں جاری ہونا ایک عجیب وغریب امر ہے اس لیے انہار کے بعد مذکور ہوا اور شراب ایک مہنگی اور کمیاب شئے ہے اس لیے اسے تیسرے نمبر پر بیان فرمایا اور شہد ایک اعلیٰ نعمت ہے اور پھر قلت کے ساتھ پائی جاتی ہے اس لیے اس پر نعمتوں کے ذکر کا اختتام فرمایا۔

اعجوبہ: کعب الاحبار نے فرمایا کہ دجلہ بہشت کی نہروں میں سے ایک ہے اور فرات بہشتیوں کی دودھ والی نہر ہے اور دریائے نیل ان کے شراب والی نہر ہے اور سیحان ان کے شہد کی نہر ہے اور یہی چاروں نہریں کوثر سے خارج ہوتی ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بہشت میں جو نہریں ہیں وہ صرف ان اسماء سے موسوم ہیں ورنہ ان کی حقیقت ہماری نہروں سے الگ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کعب الاحبار نے بہشت کی نہروں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے کناروں پر کرسیاں بچھی ہوئی ہیں اور ان کے اردگرد قبے ہیں اور ان کا پانی آنسو سے زیادہ صاف اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے نرم تر اور ہر لذیذ سے لذیذ تر ہے۔ ان ہر ایک نہر کا عرض پانچسو سال کی مسافت ہے جو ہر محل اور کوٹھی کے نیچے گذرتی ہیں ان سے کپڑے تر ہوتے ہیں اور ان

کے پینے سے پیٹ کا درد نہیں ہوتا ان میں سب سے بڑی نہر کوثر ہے جس کا گارہ مشک خالص اور اس کے کناروں پر موتی اور یاقوت ہیں۔

فائدہ صوفیانہ: ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ جیسے بہشت میں چار نہریں شجر طوبی کے نیچے سے گذرتی ہیں ایسے ہی عارف کے دل میں شجرۂ طیبہ (جس کی جڑ ثابت اور ٹہنی آسمان میں ہے) کے نیچے چار نہریں جاری ہیں چنانچہ قلب کے چشمے سے انابت کا پانی اور سینے کے چشمے سے صفوت کا دودھ خمخانۂ سر سے خمر محبت اور حجر روح سے عسل مودت جاری ہوتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آب صبرت جوئے آب خلد شد
جوئے شیر خلد مہر تست ودد
ذوق طاعت گشت جوئے انگبیں
مستی وشوق تو جوئے خمر بیں
ایں سببہا چوں بفرمان تو بود
چار جو ہم مر ترا فرماں نمود

ترجمہ: صبر کا پانی خلد کی نہر کا پانی ہے بہشتی دودھ کی نہر محبت اور دوستی سے ہے۔ ذوق طاعت شہد کی نہر ہے مستی و شوق شراب کی نہر ہے اسی سبب سے تجھے فرمان ہے چار نہروں کے متعلق تجھے حکم فرمایا ہے۔

دوسرا فائدہ صوفیانہ: آیت میں پانی سے حیات قلب اور دودھ سے فطرت اصلیہ جو بدعت کی کھٹائی اور خواہشات نفسانی کی خرابی سے تبدیل نہیں ہوتی اور شراب سے خوشش محبت الٰہی اور شہد سے حلاوت قرب مراد ہے۔

صاحب روح البیان کا صوفیانہ قول: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ اس ترتیب سے ایک اور وجہ معلوم ہوتی ہے وہ اس طرح کہ قلب کو علم سے زندگی ملتی ہے اس کے بعد فطرت اصلیہ کی قوت کا ظہور ہوتا ہے اس کے بعد سالک محبت اکوان سے نجات پاکر محبۃ الرحمٰن کی طرف ترقی کرکے جوار الٰہی اور مقام قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ تجلی علمی چار صورتوں (پانی، دودھ، شراب و شہد) میں

واقع ہوتی ہے جو پانی کی تجلی سے بہرہ ور ہوا اسے علم لدنی سے نوازا جاتا ہے اور جو دودھ کی تجلی سے نوازا گیا اسے امور شریعت کے علم سے بہرہ ور کیا جاتا ہے اور جو شراب کی تجلی سے نوازا جاتا ہے اسے علم با کمال عطا ہوتا ہے اور جو شہد کی تجلی سے بہرہ یاب ہوتا ہے تو اسے بطریق وحی علم نصیب ہوتا ہے اور جسے قابلیت کے مطابق حاصل ہوتا ہے پھر ایسا اسے علم نصیب ہوتا ہے جس کا اسے پہلے علم حاصل نہیں تھا اس پر وہ بہت بڑا پیاسا ہو جاتا ہے اسی لیے مشائخ نے فرمایا طالب علم دریائی پانی پینے والے کی طرح ہے کہ جیسے دریائی پانی پینے سے الٹا پیاس بڑھتی ہے ایسے ہی علم کے طالب کی علم کی پیاس میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

شربت الحب کاساً بعد کاس

فما نفد الشراب ولا رویت

ترجمہ: میں نے محبت کے پیالے در پیالے پیئے لیکن نہ شراب ختم ہوا نہ پیاس بجھی۔

اور "قل رب زدنی علما" میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: بایزید بسطامی قدس سرہ کے شعر میں عدم ری یعنی پیاس کا نہ بجھنا مجازی معنے ہے حقیقی معنے مراد نہیں۔

مشائخ نے فرمایا کہ جو وفا کے پیالے پیتا ہے وہ بحالت غیبت لیکن غیر کو نہیں دیکھتا اور جو صفا کے پیالے پیتا ہے وہ ہر قسم کی غیریت و کدورت سے صاف ہو گیا اور جو فنا کا پیالہ پیتا ہے وہ ہمیشہ بے قرار رہا اور جو بحالت بقا پیتا ہے وہ ہمیشہ بقا سے مانوس ہوا اس کے بعد وہ کسی کو نہیں چاہتا کیونکہ وہ اپنے محبوب کے دیدار سے کسی کی عطا کا خواہش مند نہیں رہتا کیونکہ کبریائی اور جلال میں محو ہو گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ: (ربط) مشروبات کے ذکر کے بعد اب ماکولات کو بیان فرمایا چنانچہ فرمایا "وَلَهُمْ" اور ان متقیوں کے لئے "فِيهَا" بہشت میں "مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ" ہر طرح کے ثمرات ہوں گے اور ساتھ ہی انہار مذکورہ اقسام بھی ہوں گے اور ثمرات ایسے بکثرت ہوں گے جس میں قلت اور انقطاع نہ ہو گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر ہر قسم کے دو جوڑے مراد ہیں جیسا کہ دوسری آیت "فیهما من کل فاکهة زوجان" میں زوجان مصرح ہے اور یہ ثمرۃ کی جمع ہے ہر وہ اشیاء کھانے کے لائق درختوں سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ نفع جو کسی شے سے حاصل ہوا سے بھی ثمرہ کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "ثمرة العلم العمل الصالح" اور "ثمرة العمل الصالح الجنة"

"وَمَغْفِرَةٌ" اور بہت بڑی مغفرت "مِّنْ رَّبِّهِمْ" جو ہونے والی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے کیونکہ وہ ان کے ساتھ احسان و کرم فرماتا ہے اس لیے کہ جو اُن سے پہلے گناہ سرزد ہوئے وہ سب سے سب ایسے معاف فرماتا ہے کہ پھر ان کی وجہ سے نہ انہیں عذاب دے گا اور نہ عتاب فرمائے گا اور نہ ہی بہشت میں ان کی دی ہوئی نعمتوں میں کمی کرے گا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ محض تاکید کے لئے ہے جیسا کہ اس کا نکرہ ہونا بتاتا ہے اور اس کی عظمت کے لئے اگرچہ نکرہ ہونا کافی ہے لیکن اس کا رب تعالیٰ کی طرف مضاف ہونا اس کی فخامت و عظمت میں مزید اضافہ ہوا اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس کا عطف صنف محذوف پر ہے در اصل عبارت "ونعیم المطۃ المغفرۃ وسبنۃ" تھی اس لیے کہ مغفرت دخول جنت سے پہلے ہوگی۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ اس کا عطف اضاف مقدرہ پر ہے تاکہ معلوم ہو کہ بہشت کی نعمتیں دے کر بہشتیوں پر اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ کبھی آقا اپنے غلام کو نعمتیں دے کر ناراض بھی ہوتا ہے۔

صوفیانہ فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر ثمرات سے مکاشفات اور مغفرت سے وجود کے گناہ چھپانا مراد ہے جیسا کہ کسی شاعر نے فرمایا۔

ع وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

ترجمہ: تیرا وجود گناہ ہے اس پر اور کسی گناہ کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

سے پندار وجود ما گناہیست عظیم
لطفے کن و ایں گنہ ز ما در گذران

ترجمہ: دیکھ ہمارا وجود بہت بڑا گناہ ہے لطف کر کہ یہ گناہ ہمارے سے ٹل جائے۔

"كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ" یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے دراصل "امن ھو خالد فی الجنۃ الخ یعنی وہ جو بہشت میں رہے کیا اس کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ ہی دوزخ میں رہے گا اس لیے کہ بہشت میں بندے کو اپنے وعدۂ کریمانہ کے مطابق داخل فرمایا ہے تو پھر اپنے وعدہ کے خلاف کر کے اسے کیسے بہشت سے نکالے گا اور وہ جو اپنے شامتِ اعمال کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگا اور وہ دوزخ کے شعلے بجھنے والے نہیں اور نہ ہی اس کے قیدی کو چھوڑا جائے گا اور نہ اس کے مسافر سے انس کیا جائے گا، کما قال "والنار مثوی لھم" خلاصہ یہ کہ بہشتی دوزخی کی طرح نہیں ہو سکتا۔ "وَسُقُوا" یہ صیغۂ جمع باعتبار مَنْ کے معنے ہے یہ بہشت کی پینے کی مذکور نعمتوں سے بدل ہے اور وہ پلائے جائیں گے "مَاءً حَمِيمًا" گرم سخت گرم پانی "فَقَطَّعَ" تو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اس لیے کہ وہ بہت زیادہ

گرم ہوگا'' اَمْعَآءَهُمْ'' ان کی آنتیوں کو امعاء معی (بالکسر والقصر) کی جمع ہے پیٹ میں طعام کے مخزن کا نام ہے کیونکہ آنتیوں میں طعام آتا جاتا ہے لیکن ان میں طعام معدہ میں پہنچنے کے بعد آتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جب پانی ان کے قریب پہنچے گا تو ان کے چہرے جل جائیں اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا اور جب آنتیوں میں پہنچے گا تو آنتیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دبر سے نکل جائیں گی۔

سبق: اے غافل اس سے عبرت پکڑیئے اور اللہ واحد قہار کا خوف کیجیے کیا شراب اور ٹھنڈا میٹھا اچھا یا سخت گرم اور کڑوا پانی!

نکتہ: اللہ تعالیٰ انہیں اس عذاب میں اس لیے مبتلا فرمائے گا کہ دنیا میں ان کے قلوب اور معارف الٰہیہ سے خالی اور غفلت و جہل سے پُر رہے۔

نکتہ: آخرت کی نعمتیں دنیا کی معنوی نعمتوں سے بنتی ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم بن دینار قدس سرہ نے فرمایا کہ لوگ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں لیکن اکثر بیچارے اطیب اشیاء کے ذوق سے محروم گئے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اطیب الاشیاء سے کیا مراد ہے، آپ نے فرمایا معرفت الٰہی دنیا کی تمام اشیاء سے اطیب شے ہے جسقدر معرفت الٰہی کا ذائقہ دنیا میں نصیب ہوگا اسی مقدار میں آخرت میں اس کا ذوق حاصل ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ آخرت کی نعمتوں کے کمال کا دار و مدار دنیا میں معرفت الٰہی کے ذوق پر ہے۔

فائدہ: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ معرفتِ الٰہی جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین سے بہتر ہے۔

سبق: جیسے گرم حمام میں بند کر دیا جائے تو اسے موت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا پھر سوچیے اس بدقسمت کا کیا حال ہوگا جسے آخرت میں دار جہنم میں بند کر دیا جائے جس کی آگ غضب رب قہار سے سلگائی جائے گی اور اس کی کیفیت خود سمجھیے جسے جہنم میں گرم پانی پلایا جائے گا دیکھیے دنیا میں جب پیاس ستاتی ہے تو کسی قسم کا ٹھنڈا پانی بھی اسے نہیں بجھا سکتا لیکن آخرت کی پیاس تو اس سے کئی گنا زائد ہوگی اس لیے دنیا کی نعمتوں پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے جبکہ دنیا کے انہماک کا انجام جہنم اور گرم پانی ہے۔

حکایت: دور سابق میں مومن و کافر مچھلی کا شکار کرنے گئے تھے جب کافر نے شکار کیا تو اپنے معبودوں کا نام لیا تو اسے بہت سی مچھلیاں ہاتھ لگ گئیں لیکن مومن نے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا مگر خالی رہا شام کو ایک مچھلی ملی لیکن وہ بھی ہاتھ سے نکل کر پانی میں واپس

چلی گئی۔ کراماً کاتبین شام کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے مومن کا بہشتی مقام دکھایا تو فرشتوں نے کہا مومن کو یہ سستا سودا نصیب ہوا کیا ہوا اسے مچھلی نہ ملی لیکن اس مقام کے مقابلہ میں وہ کچھ نہیں اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں کافر کا مقام دکھایا تو فرشتے بولے کافر کو مچھلی کا شکار ملا تو کیا ہوا جب اس مقام پہ آئے گا تو پچھتائے گا ؎

نعیم ہر دو جہان پیش عاشقاں بدو جو

کہ آن متاع قلیلست واین بہائے کثیر

ترجمہ: دونوں جہانوں کی نعمتیں عاشق کے سامنے صرف دو جو کے برابر ہے اس لیے کہ یہ متاع قلیل ہے اور وہ قیمتی شے ہے۔

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ" بعض ان میں وہ ہیں جو آپ کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں۔

حل لغات: اہل عرب "استمع الیہ" اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی بات کی طرف کان لگائے۔

شان نزول: منافقین بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر آپ سے قرآن سنتے لیکن اس میں غور و فکر نہ کرتے بلکہ سنا ان سنا کر دیتے "حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ" ضمیر جمع مَن کی وجہ سے ہے اور اس سے پہلے ضمیر مفرد مَن کے لفظ کی وجہ سے تھا یعنی یہاں تک کہ جب وہ آپ سے فارغ ہو کر باہر جاتے ہیں "قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" تو اہل علم سے پوچھتے ہیں ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت ابن عباس و حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ "مَاذَا قَالَ اٰنِفًا" ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا' ان کا یہ سوال ٹھٹھا مخول کے طور تھا اگرچہ بظاہر اس سے وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے تھے "انفا" بروزن صاحب و صحب ہر دونوں طریق سے مستعمل ہوتا ہے کہ "انف الشئ" سے ہے ہر وہ گھڑی جو پہلے گذری اسے انف بمعنے ناک سے ماخوذ ہے۔

امام راغب نے فرمایا کہ اہل عرب کہتے ہیں "استانفت الشئ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئے کو ابتداء سے پکڑے اسی سے 'انفا لیا گیا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے کہا کہ آنف کا استعمال صرف وقت سے مخصوص ہے اور وہ ظرف حال پر دلالت کرتا ہے لیکن اب یہ اس ساعت کا اسم ہے جو اس ساعت سے پہلے ہو جس میں بھی تم ہو جیسا کہ صاحب کشاف نے کہا اور قاموس میں ہے کہ آنف بروزن صاحب و کتف دونوں طریقے پڑھے جاتے ہیں بمعنے

مذساعۃ یعنی وہ پہلا وقت جو گذشتہ ساعات میں سے ہمارے قریب ہے۔ یہاں سے وہ اعتراض اٹھ گیا جو کہا جاتا ہے کہ آنف بمعنے وقت حاضر ہے اور وہ یہاں موزوں نہیں کیونکہ وہی معنے مراد ہے جو صاحب قاموس نے فرمایا ہے اسی قاعدہ کو مدنظر رکھ کر بعض لوگ کہتے ہیں "مر انفا" بعض فلاں شخص ابھی گذرا ہے یا اسی گھڑی میں گذرا ہے یعنی تم چاہو تو فی ھذہ الساعۃ کہو اور چاہو تو کہو مَرَّ قریبًا ایک ہی مطلب ہے بمعنے اول الوقت" اُولٰٓئِکَ" وہ موصوفین جن کا ذکر ہوا "الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ" وہ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی ہے وہ اس لیے کہ ان کے قلوب خیر کی طرف متوجہ نہیں۔ اسی معنے پر خاتم کو طابع بھی کہتے ہیں۔

امام راغب نے کہا کہ "طبع" بمعنے کسی شے کی صورت بنانا جیسے سکے یا درہم پر مہر وغیرہ اور یہ ختم سے اعم اور نقش سے اخص ہے اور خاتم وطابع ایک ہی شے یعنی وہ شے کہ جس سے مہر لگائی جائے اور طابع طبع کا فاعل ہے" وَاتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ" اور انھوں نے اپنی باطل خواہشات کی اتباع کی پھر وہی کام کیے جو سب کو معلوم ہیں جن میں ذرہ برابر بھی خیر اور بھلائی نہیں تھی۔

"وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا" اور جو لوگ جنہوں نے ہدایت کی راہ پائی ان سے اہل ایمان مراد ہیں "زَادَھُمْ ھُدًی" انہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت میں بڑھایا یعنی ان کے قلوب میں خیر و بھلائی کا الہام فرمایا اور ہدایت کی توفیق بخشی "وَاٰتٰھُمْ تَقْوٰھُمْ ۝" اور انہیں تقویٰ وطہارت عطا فرمائی یعنی انمیں تقویٰ اور پرہیز گاری پیدا فرمائی یا ان کے لیئے وہ طریقے واضح فرمائے جن سے وہ پرہیز گاری اور تقویٰ کے مطابق عمل کرتے۔ ابن عطا قدس سرہ نے فرمایا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہدایت کی طلب میں سچے ہیں جنہیں ہم نے مقام ہدایت تک پہنچایا اور ہادی تک پہنچنے کے لیئے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا "فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ" تو کیا وہ منافقین و کافرین انتظار کر رہے ہیں" اِلَّا السَّاعَۃَ" مگر قیامت کا یعنی قیامت کا ہی انتظار کر رہے ہیں" اَنْ تَاْتِیَھُمْ بَغْتَۃً" ان کے ہاں اچانک آئے گی بغتۃ بمعنے مناجات یہ الساعۃ سے بدل الاشتمال ہے یعنی ان کے ہاں قیامت اچانک آئے گی، اس آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ لوگ نہ تو گذشتہ امتوں کے احوال سے نصیحت پذیر ہوتے ہیں اور نہ ہی قیامت کے حالات اور ان کی ہولناک خبروں سے عبرت پکڑتے ہیں انہیں جو باتیں سنائی جائیں معمولی طور بھی دھیان نہیں دھرتے بلکہ وہ تو صرف قیامت کے وقوع کے منتظر ہیں۔

"فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا" یہ مناجات کی تعلیل ہے مطلقاً قیامت کے اچانک آنے کی تعلیل نہیں یعنے اب ان کے انتظار کرنے کا کوئی ایک امر بھی باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ ان کے ہاں قیامت اچانک آپہنچے کیونکہ جب ان کے ہاں قیامت کی نشانیاں آئی ہیں تو انہوں نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا بلکہ قیامت کے وقوع کے ان مبادی کو کچھ بھی نہ سمجھا اشراط شرط (بالتحرک) کی جمع ہے بمعنے علامت یہاں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ مراد ہے اور آپ کی امت بھی کیونکہ آپ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی امت کے بعد کسی اور امت نے نہیں آنا۔ اس معنے پر آپ کی بعثت مبارکہ علامت ہے اس امر کی کہ اب دنیا کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں" فَاَنّٰی لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝" یہ ان کی خطا اور ان کی رائے کے فساد کا بیان ہے کیونکہ یہ قیامت کے آنے تک نصیحت قبول کرنے کو مؤخر کر رہے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو نصیحت کسی طرح بھی مفید نہیں بلکہ ان کا نصیحت قبول کرنا محالات سے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:
"یومئذ یتذکر الانسان وانی له الذکری" یعنے انہیں نصیحت کس کام کی جب قیامت آئے گی "انی لهم" خبر مقدم اور "ذکراهم" مبتدا مؤخر ہے اور "اذا جاءتهم" جملہ معترضہ ہے اسے خبر و مبتدا کے درمیان میں اس لیے لایا گیا ہے تاکہ قیامت جلد تر آنے پر تنبیہ ہو۔

نکتہ: یہاں قیامت کے آنے پر "بغتۃً" سے مقید نہ کرنا پتہ دیتا ہے کہ نصیحت سے نفع کے استحالہ کا دار و مدار مطلقاً قیامت کے آنے میں ہے اس کے اچانک آنے میں نہیں۔

قیامت کے علامات: حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقوع کی تعیین کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا مسئول عنہا سائل سے اعلم نہیں ہاں اس کی چند علامات یاد رکھ:-

(۱) کمر توڑ مہنگائی۔
(۲) بکثرت بارشیں لیکن ان سے انگوریاں پیدا نہیں ہوں گی یعنے بے ہنگام بارشیں ہوں گی۔
(۳) فتنے عام ہوں گے۔
(۴) زنا کی اولاد کی بہتات ہوگی۔
(۵) مال اور دولت کی عزت و عظمت ہوگی۔
(۶) مساجد میں فاسقوں کی آوازیں بلند ہوں گی۔
(۷) برے لوگوں کو اہل حق پر غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امانت کا ضیاع ہو سمجھ لو قیامت آ گئی۔ عرض کی گئی امانت کے ضیاع کا کیا معنے؟ آپ نے فرمایا جو امور نا اہلوں کے سپرد کیے جائیں۔

فائدہ: کلبی نے کہا کہ قیامت کے یہ علامات ہیں:۔

(۱) مال کی کثرت۔

(۲) تجارت کی کثرت۔

(۳) جھوٹی گواہیاں۔

(۴) قطع رحمی

(۵) با عزت لوگوں کی قلت۔

(۶) بدمعاشوں کی کثرت۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم تو چاہتے ہو کہ وہ دولت ملے جو گمراہی کا موجب بنے اور فقر وہ جس سے خدا بھول جائے اور مرض نصیب ہو جس سے فساد ہو اور بڑھاپا جو قبر کا منہ دکھائے یعنی موت تک نہ چھوڑے اور دجال جو چھپا ہوا شر ہے اور قیامت جو کالی سیاہ اور سخت کڑوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مرتے ہی قیامت قائم ہو جاتی ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت تیار رہے کہ مرنے کے بعد قیامت قیام ہو تو اسے تکلیف نہ ہو بلکہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قیامت کبریٰ کے لئے ہر وقت مستعد رہے کیونکہ یہ وہ کیمیا ہے کہ اس سے ماسویٰ اللہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے بلکہ اپنا وجود مجازی فنا ہو کر مٹ جاتا ہے تو اس کے بعد وجود حقیقی کا راز کھلتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رضا کی طرف جلدی کرنے والوں سے بنائے اور ہمیں اعضائے قوی عطا فرمائے جو اس کے امر بجا لائیں اور وہ اوقات بخشے جو اس کی طرف لیجائیں اور اس کے غیر سے دور رکھیں۔

"فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں یعنے اس ذات کے سوا کسی کی عبادت ہو سکتی ہی نہیں۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ سعادت کا دار و مدار توحید اور طاعتِ الٰہی پر ہے اور بدبختی اور شقاوت کی جڑ شرک اور معصیت ہے جہاں تک ہو سکے توحید و طاعت پر جمے رہو۔ یہی توحید وہ عقیدہ ہے جو تمام عقائد کا سرتاج ہے اور انسان پر سب سے پہلے یہی عقیدہ واجب اور لازم ہوتا ہے۔

اس لیے فَاعْرِفْ کے بجائے فَاعْلَمْ فرمایا ہے کیونکہ انسان کبھی کسی شے کو جانتا تو ہے لیکن اس کا احاطہ نہیں کر سکتا جب اس کا علم شے کو محیط ہو جاتا ہے تو پھر اسے اس شے کا عرفان حاصل ہوتا ہے (اس لیے عرفان ۔ معرفت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا اسے عارف نہیں کہا جاتا، عالم ۔ علیم کہا جاتا ہے ۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا احاطہ ناممکن ہے پھر ہمارے لیے اس کا علم کیسا ؟

جواب: ہم اس کے صفات کو جانتے ہیں تو صفات کے جاننے سے اللہ تعالیٰ کی کنہ کے جاننے کو مستلزم نہیں اس لیے اسے سوا اس کے کوئی نہیں ۔

سوال: بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ بعض عرفاء مرتبۂ الوہیت کو جانتے ہیں تو تم کیسے کہتے ہو کہ اس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا ۔

جواب: انہیں اکابر مشائخ کا فرمان جو مرتبۂ الوہیت کا عارف ہے یہ اس کی کنہ کو جاننا نہیں بلکہ مرتبۂ احدیت ہے اس کو تعین اول کہا جاتا ہے اور تعین اوّل کا علم اس کی ذات کی کنہ کے علم کو مستلزم نہیں اور نہ ہی اس کے ہویت کے غیب کا علم لازم اور نہ ہی اس کی صفات کا احاطہ ممکن اس تعین اول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو قدر و منزلت اور قابلیت کے لحاظ سے تمام مخلوق سے اکمل ہیں، کو فرمایا " فاعلم " الخ یعنی جان لو اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس میں آپ کو اور آپ کی امت (متبعین میں سے) کو تنبیہ ہے ۔ جانو اسے اپنی معرفت کے امکان کی مقدار میں اس کے جناب قدس سے اور جتنا اس پر کامیابی ممکن ہے اور وہ ہے مرتبۂ الوہیت یعنی تعین اول اس کے ماوراء حضرت الغیب المطلق اور غیب الھویت کو ذہن کی طاقت سے باہر ہے اس لیے اس کے ماوراء نہ اسم ہے نہ رسم اور نہ نعت ہے نہ وصف اور نہ اس پر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے کون تقیدی قوت میں نہیں کہ وہ اپنے تقاضائے تقیید سے بڑھ کر حلم دے اس تقریر سے ثابت حضرت الغیب المطلق اور غیب الھویت کا ادراک ناممکن ہے لیکن چونکہ حصول التوحید جو نفس کا کمال ہے موجب للاجابت اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا " فاعلم " الخ اسی بنا پر انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کی تکمیل کے بعد اس کے غیر کی تکمیل میں سعی کرے تاکہ عبادت میں مخلوق کا تعاون نصیب ہو ۔

تفسیر عالمانہ :-

ذنب سے استغفار کا مطلب: " وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ " اور اپنوں کے لئے

غفران طلب فرمائیے اگر اپنے لیے مانگنا ہے تو اسفل مرتبہ سے کیونکہ آپ جب عالی مرتبہ پر فائز ہوتے تو سفلی مرتبہ سے استغفار فرماتے یا اس سے وہ ترک اولیٰ مراد ہیں جو آپ کے شان کے لائق نہ ہوں جیسا کہ مشہور ہے "حسنات الابرار سیات المقربین" ابرار کی نیکیاں مقرب حضرات کی سیات ہیں، یا اس میں آپ کو تواضع کی تعلیم ہے اور کسر نفسی کا سبق ہے اور ظاہر کرنا ہے عمل صالح میں جد و جہد ضروری ہے "وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" اور اہل ایمان مرد عورتوں کے لئے استغفار کیجیے یعنی اپنی امت کے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا کیجیے اور انہیں ترغیب دیجیے کہ وہ عمل کریں جو ان کی بخشش کا موجب ہوں کیونکہ وہ لوگوں میں اس آپ کی دعا کے زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ وہ جو عمل کریں گے اس کا اجر آپ کو بھی ملے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ تربیت کنندہ اور نیک عمل کی ترغیب و تعلیم دینے والے کو عمل کرنے والے کی طرح اجر و ثواب ملتا ہے۔

سوال ۔ استغفار کے صلہ کا اعادہ کیوں جبکہ دونوں کا متعلق جنس کے باوجود مختلف ہے اور پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیوں ؟

جواب ۔ اس طرف اشارہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب میں اصل مومنین و مومنات ہیں پھر وہ اپنے نبی علیہ السلام کی استغفار کے بہت محتاج ہیں ۔ الاستغفار بمعنی سوال المغفرت و طلب الستر یا تو گناہ کے ارتکاب سے یعنی گناہوں کے ارتکاب سے بچا اس سے عصمت و حفظ کی طلب مراد ہوگی یا عقوبتِ ذنب کے پہنچنے کی معافی کا سوال تو پھر اس سے عفو مراد ہوگی ۔

نبی علیہ السلام کی تین حالتیں : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین حالتیں ہیں :۔

(۱) مع اللہ ۔ اِس لیے آپ کو حکم ہوا "وحدہ" اس کی توحید بیان کر ۔
(۲) مع نفسہ ۔ اِس لیے آپ کو حکم ہوا کہ واستغفر لذنبك
(۳) مع المومنین ۔ اِس لیے آپ کو ان کے لئے استغفار کا حکم ہے ۔

نکتہ : یہ آیت قرآن مجید میں سب سے زیادہ امید دلاتی ہے کہ ہماری بخشش ضرور ہوگی (انشاء اللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری بخشش مانگنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر بلکہ یقین ہے کہ آپ کی اس دعاء کو قبول ضرور فرمایا جائے گا کیونکہ اگر اس کا ایسا

ارادہ نہ ہوتا تو بخشش مانگنے کا حکم نہ دیا ہوتا۔

ہر کرا چون تو پیشوا باشد
نا امید از خدا چرا باشد
چون نشان شفاعت کبریٰ
یافت برنام نامیت طغرا
امتان با گناہگاریہا
بتو دارند امید واریہا

ترجمہ: جس کا آپ جیسا پیشوا ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے نا امید ہو، جب شفاعت کبریٰ کا نشان پایا آپ کے نام نامی نے طغرا، امت گنہگاری کے باوجود آپ سے ہی امیدیں وابستہ رکھتی ہے۔

"وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰکُمْ" (اور اللہ تعالیٰ تمہارا دن کو پھرنا اور رات کو آرام کرنا جانتا ہے۔) متقلب وہ مکان جہاں دنیا کے کاروبار اور معاشی امور طے کرنے کے بعد ٹھہرا جائے کیونکہ تجارتی اور معاشی امور میں مراحل ہوتے ہیں جنہیں طے کرنا پڑتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہارے چلنے پھرنے کو جانتا ہے کہ تم ایک حال سے دوسرے حال کی طرف کیسے لوٹتے ہو۔ مثوٰی سے آخرت میں ٹھہرنے کی جگہ بھی مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہاری ٹھہرنے کی جگہ جانتا ہے کہ وہ بہشت ہے یا دوزخ اس لیے وہ تمہیں ان امور کا حکم فرمایا ہے جو جو تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ہیں فلہٰذا تم اس میں جلدی کیا کرو جس کا تمہیں حکم ہو یہی تمہارے لیے دونوں جہانوں میں اہم ہے۔

آیت میں خطاب کس کو؟ (۱) بحر العلوم میں ہے "فاعلم واستغفر" کا خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور یہی ظاہر ہے اور ہر اس کو بھی ہے جو اہل ایمان ہے اور وہ استغفار کا علم اور اہلیت رکھتا ہے اس کی تائید آیت کے تتمہ میں ہے کہ وہاں جمع کا صیغہ فرمایا (متقلبکم ومثوٰکم)

(۲) کشف الاسرار میں ہے کہ اے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ نے بنظر و استدلال معلوم کیا توحید کے بارے میں بھلائی میں سے اسے خوب جان لو اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ یگانہ ہے اپنی ذات وصفات میں۔

(۳) حقائق سلمی میں ہے کہ جب عالم کو کہا جائے اِعْلَمْ (جان) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معلوم شدہ امر کو یاد کر۔

(۴) حضرت ابو الحسین نوری قدس سرہ نے فرمایا وہ علم جس میں (بلفظ اِعْلَمْ) آپ کو خطاب کیا گیا ہے اس سے علم الحروف مراد ہے اور علم الحروف لام الالف میں اور لام الف کا علم الف میں الف کا علم نقطے میں ہے اور نقطے کا علم معرفت اصلیہ میں اور معرفت اصلیہ کا علم لاول میں اور علم الاول کا علم مشیت میں اور مشیت کا علم غیب الھویت میں ہے وہی جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فاعلم کے خطاب میں دعوت دی ہے۔ اس تقریر پر انہ کی ضمیر کا مرجع غیب الھویت ہے۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کو جب کہا اَسْلِمْ تو عرض کی اَسْلَمْتُ لیکن جب حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا فَاعْلَمْ تو آپ نے کیوں نہیں کہا عَلِمْتُ (میں نے جان لیا)

جواب : خلیل علیہ السلام ابھی سالکِ راہ تھے جیسا کہ خود کہا " انی ذاھب الیٰ ربی " میں اپنے رب کے ہاں جا رہا ہوں اس لیے وہ ابھی وادئ تفرقہ میں تھے تو ان کو وہی جواب موزوں تھا اور حضور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربودۂ حق تھے نقطۂ جمع سے آپ کو نوازا گیا تھا جیسے " اسری بعبدہٖ " میں واضح ہے کہ معراج پر خدا تعالیٰ نے آپ کو بلا کر واپس آنے ہی نہیں دیا یعنی اپنے مشاہدات میں ہر وقت مصروف رکھا اس لیے آپ کے لئے یوں کہا کہ اٰمن الرسول الخ اور حقیقی ایمان بھی وہی ہے جس کا مومن کو علم تو ہے لیکن وہ خود حق تعالیٰ فرمائے کہ میرا بندہ مومن ہے اور اسے بھی معلوم ہے اور وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ علمتُ سے خبر دے۔

نکتہ : استغفار کا حکم گناہوں کے لئے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے استغفار کرو کہ تم کو معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے جان لیا ہے تو اب اس قول سے استغفار کیجیے کہ یہ بھی تمہارے لیے ایک قسم کا ذنب ہے اس لیے وہ حق تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے

ترا کہ داند کہ ترا تو دانی تو
ترا نداند کس ترا تو دانی کسی

ترجمہ : تجھے کون جانے جیسے تو خود کو جانتا ہے تجھے کوئی نہیں جانتا تو اپنی ذات کا خود عالم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "فاعلم" تم علم یقین سے جانو کہ کوئی معبود نہیں علم یقین یہی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم اسی طرح حق الیقین سے جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے صفت علم ذاتی سے جہولیت ذاتی بندے پر تجلی فرمائی تو اس کے نور علم سے بندے کی جہولیت کی ظلمت مٹ گئی جس سے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں پھر اسے کہا گیا اپنے گناہ سے بخشش مانگ یعنی اس گناہ سے کہ تو نے کیوں کہا کہ میں نے اسے جان لیا ہے۔ اور اہل ایمان مرد عورتوں کے لئے بھی کہ وہ بھی گمان رکھتے ہیں کہ انہیں علم ہو گیا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما قدروا اللہ حق قدرہ" انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر روح کے پھرنے کی جگہ کو کہ وہ کس طرح وصف خاص سے عدم سے وجود میں آیا ہے یعنی عالم ارواح میں مخصوص مقام میں اور ہر روح کا ٹھکانا اسفل السافلین یعنی وصف خاص کے ساتھ قالب خاص ہے پھر اس چلنا پھرنا اسفل السافلین قالب سے ایمان اور عمل صالح یا کفر اور برے عمل درجات روحانیہ کی طرف یا درکات نفسانیہ کی طرف اسی طرح اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا ٹھکانا اعلیٰ علیین یعنی قرب مخصوص میں یا سجین یعنی بُعد مخصوص میں۔ اس کی مثال اس پتھر اور ڈھیلے اور لکڑی کی ہے جن پر مکان بنایا جائے ٹھکانے مخصوص کے لئے یا کوئی جگہ دار میں سے تو اس کے ساتھ اور کوئی غیر اس کا شریک نہ ہوگا اس لیے روح کے ٹھکانے کی بھی ایک مخصوص جگہ جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

دوسری تقریر صوفیانہ: حضرت البقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے مطالعہ اور میرے وجود کے وصال میں اپنے وجود کے اظہار پر استغفار کر کیونکہ وجود حدثانی (فانی) کا وجود باقی کے سامنے ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ۔

مسئلہ: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہاں ذنب سے صغائر اور وہ لغزشیں مراد ہیں جو صفات بشریت سے ہیں یہ اس کا قول ہے جو انبیاء علیہم السلام سے صغائر اور لغزشوں کا قائل ہے۔

نبی علیہ السلام کو استغفار کا حکم تعلیم امت کے لئے تھا: معالم التنزیل میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو استغفار کا حکم (باوجودیکہ آپ مغفور تھے) اس لیے تھا تاکہ امت کو سنت کی اقتداء نصیب ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے ذنب سے استغفار کیجیے تاکہ آپ کی امت کو اقتداء نصیب ہو۔

بہتر بن مراد: تبیان میں لکھا ہے کہ عصمت کی طلب کیجیے تاکہ آپ کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے

محفوظ رکھے۔

فائدہ: بعض نے کہا اظہار بہ تقصیر عبودیت کی حقیقت میں سے ہے۔ ایسی عبودیت کہ اس کا ادراک کسی کو نصیب نہیں (سوائے آپ کے)

راز ہے جسے راز دان جانتا ہے: بعض اکابر نے فرمایا کہ جو ذنب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف مضاف ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ فاعلم میں ہے اسے سوائے راز دان کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ کی عارفانہ تقریر: ممکن ہے کہ ذنب کی نسبت آپ کی طرف مرتبۂ فرق کی حیثیت سے ہے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مرتبۂ جمع کے بھی جامع ہیں اور مرتبۂ فرق کے بھی) ۳۱ ہے مجھے ریاض الجنۃ میں (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سر مبارک جانب سے) کہا گیا کہ مخلوق کو سجدہ روا نہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باطن شریف کے کہ وہ حق ہے اور وہ ذنب جو اہل ایمان مرد عورتوں کی طرف مضاف ہے وہ اس لیے کہ وہ علم التوحید میں بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قاصر ہیں۔

کلمۂ توحید کی فضیلت: یہ کلمہ توحید ایسی توحید ہے کہ نہ اس کی کوئی مثال ہے نہ اس کے برابر کی کوئی شے ہے ورنہ وہ واحد نہ ہوتا بلکہ دو یا اس سے زائد ہوتا جب یہ کلمۂ توحید حقیقی مراد ہو تو وہ میزان میں نہیں سما سکے گی کیونکہ نہ اس کا مماثل ہے نہ برابر تو پھر وہ اس میں کیسے داخل ہو اسی طرف حدیث صحیح کا اشارہ ہے وہ یہ ہے:۔

حدیث شریف:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ساتوں آسمان اور اس میں رہنے والے میرے سوا ایسے ہی ساتوں زمینیں اور اس میں رہنے والے میرے سوا ایک پلڑے میں ہوں اور "لا الٰہ الا اللّٰہ" دوسرے پلڑے میں تو کلمۂ توحید کا پلڑا بھاری ہوگا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کلمۂ توحید حقیقی میزان میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مماثل اور برابر کی کوئی شے نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لیس کمثلہٖ شیئ" (اس کی مثل کوئی شے نہیں)

فائدہ: اگر توحید رسمی مراد ہو تو وہ میزان میں داخل ہو جائے گی اس لیے کہ اس کی اضداد پائی جاتی ہیں جیسا کہ صاحب السجلات کی حدیث میں ہے کہ ننانوے سجلات ایک طرف ہوں اور وہ کلمۂ توحید جسے فرشتے نے لکھا تو کلمۂ توحید رسمی کا پلڑا بھاری ہوگا اور اس سے یہی کلمہ مراد ہے جو لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے

کیونکہ یہ مخلوق ہے۔
فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ میزان شریعت میں داخل ہے اور اس کی ضد اور مخالف امر موجود ہے یعنی وہ گناہ جو سجلات میں مکتوب ہیں۔
نکتہ: اسے میزان کے پلڑے میں رکھنے میں اشارہ ہوگا کہ اہل موقف اس کی اہمیت سمجھیں تاکہ صاحب اسجلات کی بزرگی معلوم کریں۔
فائدہ: لیکن یہ بعض موحدین کے نار میں داخلہ کے بعد ہوگا اور موقف میں بھی باقی اہل جنت ہوں گے کیونکہ جنہیں اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرنا چاہے گا ان کا کلمہ توحید میزان میں نہیں رکھا جائے گا کیونکہ جہنم میں داخل کر کے شفاعت یا بعنایت الٰہیہ نکال کر بہشت میں بھیجے گا کیونکہ ان کے لئے بھی میزان میں کلمہ توحید رکھا جائے تو سرے سے انہیں جہنم میں داخل بھی نہ کرتا علاوہ ازیں قضائے حق کے بھی خلاف ہوگا اور وہ محال ہے اور میزان میں سجلات اور کلمۂ توحید رکھنا اس کے اپنے نرالے فضل میں اور ان کے لئے مخصوص ہیں جن کے لئے وہ چاہے گا۔
فائدہ: اللہ تعالیٰ نے عموماً افضل الاشیاء وضع فرمائی ہیں تاکہ اس کے بندے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھائیں کیونکہ اس شے کی اضداد کثیرہ ہوتی ہیں اس لیے ان کے مقابلہ میں ایسی شے ہو جو قوت سے بھرپور ہو کر ان اضداد کی ہر ضد کا مقابلہ کر سکے۔ ایسی قوت والی شے صرف اور صرف کلمہ توحید ہے یعنی لا الہ الا اللہ اسی لیے یہ افضل الاذکار ہے۔
مسئلہ: صرف اللہ اللہ کے ذکر سے لا الہ الا اللہ کا ذکر افضل ہے ایسے ہی ھُوھُو سے بھی کیونکہ یہ نفی و اثبات کا جامع اور زیادہ علم و معرفت پر حاوی ہے۔
سبق: لا الہ الا اللہ کے ذکر پر مداومت لازم ہے اس لیے کہ عمومی طور بڑی قوت والا ذکر ہے اس میں بہت زیادہ روشن نور اور بہت بڑے قرب والا ذکر ہے اور دنیا اور آخرت میں اسی سے نجات ہے اور کون ہے جسے نجات کی طلب نہ ہو اگرچہ اس کے طریقہ سے جاہل ہو۔
فائدہ: جس نے لا الہ سے عین الخلق کی نفی حکماً کی نہ علماً تو اس نے حق کو حکماً و علماً ثابت کیا اور جمیع اسماء سے الا صرف ایک عین ہے اور وہ ہے اللہ کا مسمّٰی جس کے ہاتھ میں رفع و خفض کی ترازو ہے۔
مسئلہ: صرف توحید بیکار ہے جب تک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شہادت و رسالت نہ ہو اس لیے کہ ان دونوں کلمات (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) (صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم) میں قومی اتحاد و اتفاق ہے۔

کلمہ توحید و رسالت کے نکتے ہی نکتے: (۱) دونوں کلموں کو خط کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بارہ حرف بنتے ہیں سال کے مہینوں کی تعداد پر اس میں اشارہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف مہینے کے گناہ معاف کراتا ہے۔

(۲) اگر دونوں کلموں کو نطق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو چودہ حروف بنتے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ یہ کلمہ چودہ طبق کو نور سے پُر کر دیتا ہے۔

(۳) اگر خط و نطق دونوں کا اعتبار ہو تو پندرہ حروف بنتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ اس کے اسرار جو عرش والے نے مخفی رکھے ہیں ان سے کوئی واقف نہیں سوائے اس کے جسے وہی توفیق بخشے اور یہ کلمہ ایک عجیب و غریب راز ہے۔

(۴) یہ حکم شرعی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ یہ دونوں کلمے ایسے ہیں کہ ایک دوسرے سے ان کی جدائی ناممکن ہے جو شخص ان دونوں (توحید حق اور رسالتِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اعتقاد و ایمان نہیں رکھتا اس کا اسلام پر ایمان قبول نہیں۔

مسئلہ: یہود و نصاریٰ کا ایمان و اسلام تب قبول ہوگا جب وہ یہودی یہودیت سے اور نصرانی نصرانیت سے برات ظاہر کرے اور بعد اس کے کہ وہ دونوں کلمۂ شہادتین کو دل اور زبان سے قبول کرے۔

مسئلہ: جب تک یہودی و نصرانی یہودیت و نصرانیت سے بیزاری کا اظہار نہ کریں ان کا کلمہ شہادت پڑھنا بیکار ہے اور نہ ہی ہم اسے مسلمان کہیں گے اگرچہ بار بار کلمۂ شہادت پڑھے کیونکہ کلمۂ شہادت کی یہی تفسیر ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمین کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

مسئلہ: یہ اس وقت ہے جب وہ شخص دارالاسلام میں ہے اگرچہ دارالحرب میں ہے اور اسے وہاں اٹھا کر دارالاسلام لایا گیا ہے اور اب وہ اسلام لاتا ہے تو پھر اظہار بیزاری از یہودیت و نصرانیت ضروری نہیں کیونکہ اس کا دارالحرب سے دارالاسلام میں آنا توبہ از یہودیت و نصرانیت کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ: ایسے ہی کوئی کہے کہ میں دین اسلام یا دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوا تو بھی قابلِ قبول ہے۔

دیگر مزید نکتے: اس کلمۂ اسلام کے بہت بڑے اسرار ہیں جو جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کو پُر سکتے ہیں اگر بیان کیے جائیں۔ چند ایک یہاں بطور نمونہ عرض کیے جاتے ہیں:۔

(۱) اس کے چار کلمات کی ترکیب تین حروف سے ہے جس میں اشارہ ہے کہ اللہ (وتر) ایک ہے اور طاق مخلوق ہے جسے اس نے ہر ایک کو جوڑا جوڑا کرکے پیدا فرمایا۔

(۲) کلمۂ اسلام کے چودہ حروف آسمان و زمین کی گنتی پر ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ ذات غیب محض ہے اور اس سے مقصود اس کا مسمیٰ ہے جو سب کا معبود ہے۔

(۳) لفظ اللہ کے پانچ حروف ہیں جو اسلام کے پانچ ارکان پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴) لفظ اللہ کے حروف طاق ہونے میں اس کی توحید کی دلیل ہے۔

(۵) اس میں کوئی حرف شفوی نہیں تاکہ اس کے ساتھ ملازمت ممکن ہو کیونکہ جو اس کے ملازمت رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو قریب تر اور اس تک پہنچنا اس پر ملازمت کے ساتھ اخلاص بھی ہو کیونکہ ذکر الٰہی کا ذاکر اس پر مور خلبت بھی کرسکتا ہے اس طرح سے کہ اس کے ساتھی کو بھی علم نہ ہو اور یہ اخلاص کی ایک دلیل ہے اس میں اگر شفوی حروف ہوتے تو ہونٹ کی حرکت سے غیر باخبر ہو جاتا اور اس سے خلوص پر حرف آسکتا ہے۔ یعنی ریاء کا شائبہ ہو سکتا ہے۔

(۶) یہ کلمہ مع القرینہ جب کلمۂ شہادت سے ملتا ہے تو اس کے سات کلمات بن جاتے ہیں جن میں اشارہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف جہنم کے ایک ایک دروازے سے روکنے کے لئے کافی ہے۔

(۷) اس کلمہ کے حروف علیحدہ علیحدہ مع القرینہ چوبیس ہیں ان میں اشارہ ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹے ہیں اور جو شخص یہ کلمات پڑھے گا تو وہ شب و روز کی تکالیف و مصائب سے محفوظ ہو جائے گا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نقطہ بصورت مگس است

وکلمہ شہادت از نقطہ معرا است

یعنی نقطہ کی شکل مکھی کی طرح ہے اور کلمۂ شہادت نقطہ سے پاک ہے۔
اس میں اشارہ ہے کہ یہ وہ شہد ہے کہ جس پر نفس پرستوں اور شہوت رانوں کی مگس (طبع) کو

دخل نہیں ہے ۔

کوئی بے علم ولی اللہ نہیں ہو سکتا : بعض عارفین نے فرمایا کہ کوئی شخص مرتبہ شیخوخت (ولایت) کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کتاب و سنت کا عالم نہ ہو اور امراضِ نفس کے دفعیہ کے طریقہ کا عارف نہ ہو اور اسے پچاس مقاماتِ توحید کے انواع باختلافات سالکین کا خوب علم ہو اور اسے معلوم ہو کہ ان مقاماتِ توحید کے مبتدی کیسے ہوتے ہیں اور متوسط کیسے اور منتہی کیسے اور اس قاعدہ پر جملہ مشائخ کا اجماع ہے کہ ما اتخذ اللہ ولیا جاھلا اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا اگر کسی کو ولی ولو اتخذہ ولیا لعلمہ[۱] (روح البیان ج ۹ ص ۵۱۴) بناتا ہے تو پہلے علم کی دولت سے نواز تا ہے ۔

رقص کی تردید : حضرت شیخ الشہیر باقادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ حاجی بیرام قدس سرہ کے طریقہ میں توحید کے حال کے وقت رقص کا کوئی طریقہ نہیں اور نہ ہی ان کی طریقت میں رقص کا کوئی جواز ہے ہاں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر ہم ذکر ضرور کرتے ہیں اور اس میں بھی ہم رقص نہیں کرتے اور ایسے ذکر کا حکم قرآن مجید میں ہے ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا " الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم " وہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر اور بیٹھتے وقت اور اپنی کروٹوں پر ۔ ہاں رقص اور شور مچانا دفع خواطر کے لئے بعض صوفیا نے وضع کیا ہے لیکن دفع خواطر کا توحید سے بڑھ کر اور کوئی علاج نہیں ۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارا طریقہ انبیاء علیہم السلام والا طریقہ ہے اور خود ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کے سوا اور کوئی تلقین نہیں کی ۔

احیاء العلوم غزالی قدس سرہ کی تقریر : سیدنا امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ کامل وہ ہے جو اپنے نفس کو صرف حق سے ہی خوش رکھتا ہے لیکن

---

[۱] جیسے بہت سے اولیاء کرام ظاہری علوم کسی سے نہیں پڑھے لیکن ان کی ولایت سب کو مسلم ہے جیسے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سیدنا دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے جیسے اور بے شمار لیکن ہمارے دور ۱۴۰۸ھ پر جہالت کا اتنا غلبہ ہے کہ اکثر گدی نشین اور پیرانِ عظام و مشائخ کرام کی اولاد اور ان متعلقین نفس کے غلام پرلے درجے کے جاہل اور دینی مسائل سے کورے لیکن جہلا اور خوشامدی مولویوں نے ان کو غوث و قطب کا لقب دے کر علم کا وقار اتنا گھٹا دیا کہ ایسے بعض جاہل پیروں اور ان کے جاہل مریدوں کے سامنے اہل علم کی کوئی قدر نہیں رہی ۔ (اویسی غفرلہ)

یاد رکھیے کہ "حسنات الابرار سیأت المقربین" ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں جو علاج للقلوب اور نفس کو حق کی طرف نرمی سے چلانے کے وجوہ کے علم کو محیط ہے اسے معلوم ہے بلکہ یقین ہے کہ نفس کو ایسے ادویہ سے بڑھ کر اور کوئی نافع علاج نہیں اور یہ وہ علاج ہے اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔

(نوٹ) یاد رہے کہ امام غزالی قدس سرہ کی مراد ان وجوہ علاج سے یہ امور ہیں (۱) سماع (۲) غنا (مزامیر وغیرہ) (۳) مباح لہو ولعب وغیرہ وغیرہ۔

نفس کو بیدار کرنے کا طریقہ: حضرت شیخ افتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ جب نفس کو خواطر کا غلبہ ہو تو ذکر الٰہی کیجیے لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفی (لا الٰہ) کو جہر سے اور اثبات (الا اللہ) کو آہستہ جب اطمینان ہو جائے یہاں تک کہ اثبات کا نفی پر غلبہ محسوس ہونے لگے تو پھر نفی (لا الٰہ) کو آہستہ اور اثبات (الا اللہ) کو جہر سے پڑھیں کیونکہ مقصود اصلی یہی ہے۔

ذکر اللہ کرنے کا طریقہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ نفی لام سے ذکر کا آغاز ہو اور (لا) کہتے وقت چہرہ بائیں طرف ہو پھر اس سے چہرہ پھیر کر دائیں جانب لیجائیں پھر اثبات (الا اللہ) کو بائیں جانب ڈالیں (یعنی دل پر ضرب لگائیں)

نکتہ: اصل وجہ یہ ہے کہ انسان پر ظلمت بائیں جانب چھائی ہوئی ہے جب دائیں جانب سے ذکر شروع ہوتا ہے تو ظلمت دائیں جانب چلی جاتی ہے جب وہاں ذکر کی آواز پڑتی ہے تو بائیں جانب لوٹتی ہے اس لیے اس وقت اثبات (الا اللہ) پر زور لگایا جاتا ہے تاکہ ظلمات دور ہو۔

نکتہ: دائیں جانب ظلمت نہیں ہوتی کیونکہ یہ وہ تخلیہ ہے جو خلوت کا راز ہے اور نور بھی دائیں جانب جب ذکر کے وقت منہ اس طرف کر کے پھر بائیں جانب ضرب لگانے میں اس نور کے بائیں جانب لانا مطلوب ہوتا ہے جو کہ یہی ایمان کی جگہ ہے اس لیے کہ یہ جگہ سینے کے بائیں جانب ہے اور یہ وہ تجلیہ ہے جو جلوت کا راز ہے۔

ازالہ وہم: یہ اس کے منافی نہیں جو دوسرے صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ نفی دائیں جانب ہو اور اثبات بائیں جانب۔ اس لیے کہ ہم نے بھی حقیقۃً نفی از جانب یمین کا کہا ہے اگرچہ اس کا آغاز بائیں جانب سے ہے اور ایسا آغاز اس کے منافی نہیں جنھوں نے کہا کہ ذکر کا آغاز دائیں جانب ہو دراسے

اچھی طرح سمجھ لے)

آداب الذکر: ذکر کے آداب سے ہے کہ اندھیرے گھر میں ہو اور دل کی آنکھ سے ہی دو ابرو کو دیکھے اور یہ وہ راز ہے جو اس کے سامنے منکشف ہوتا ہے جس نے اس کا ذائقہ چکھا۔

ظالم کا بیڑا غرق: جو شخص پچھلی دو تہائی منگل کی شب کو ایک ہزار بار لا الٰہ الا اللہ ہمت کو جمع اور حضور قلب سے پڑھ کر ظالم کی طرف پھونکے تو اللہ تعالیٰ اُسے جلا تباہ کر دے گا اور اس کا ملک بھی جلا تباہ کر دے گا اور اس پر آفات مسلط کر دے گا اور اسے مصائب میں مبتلا کرے گا۔

رزق میں وسعت: جو شخص ہر روز صبح کو لا الٰہ الا اللہ طہارت کاملہ سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس پر رزق کے اسباب آسان کر دے گا۔

عرش کی سیر اور اس کی غذا: جو نیند سے پہلے عدد مذکور پڑھ کر سوئے گا تو اس کی روح عرش کے نیچے شب باشی کرے گی اور وہاں کی غذا اپنی قوت کے مطابق حاصل کرے گی (شیطان قلوب) جو شخص کلمہ شریف (لا الٰہ الا اللہ) دوپہر کے وقت سو بار پڑھے گا اس کے لئے باطنی شیطانی طاقت کمزور پڑ جائے گی۔

حدیث شریف: اگر بادشاہ (صدر۔ وزیر اعظم) کو معلوم ہو کہ ذکر اللہ کے کیا فوائد ہیں تو وہ ان فوائد کو حاصل کرنے کے لئے کرسی چھوڑ دے اگر تاجر کو معلوم ہو تو تجارت چھوڑ دے اگر اس کی تسبیح کا ثواب اہل ارض پر تقسیم کیا جائے تو اہل دنیا کے ہر ایک فرد کو علیحدہ علیحدہ دنیا سے دس گنا ثواب حاصل ہوگا۔

حدیث شریف: اہل ایمان کے تین مضبوط قلعے ہیں:۔

(۱) ذکر اللہ

(۲) تلاوۃ القرآن

(۳) مسجد

فائدہ: مسجد سے اس کی اپنی عبادت گاہ مراد ہے وہ گھر ہو یا گھر کے باہر (ایسے ہی بعض اکابر مشائخ نے تاویل کی ہے۔)

ذکر کا فائدہ: حضرت حسن بصری قدس سرہ نے فرمایا کہ قلوب پر ذکر اللہ سے جھاڑو دو اس لیے سب

سے زیادہ زنگ قلوب پر چڑھتا ہے۔

فائدہ: المحادثہ بمعنی صفائی کرنا اور الدثور بمعنی چھری تلوار وغیرہ کا زنگ آلود ہو جانا، حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

(۱) یاد کن آنکہ در شب
اسری با حبیب خدا خلیل خدا

(۲) گفتگوئے از من رسول کرام
امت خویش را زبعد سلام

(۳) کہ بود پاک وخوش زمیں بہشت
لیک آنجا کسی درخت نکشت

(۴) خاک او پاک وطیب افتادہ
لیک ہست از درختہا سادہ

(۵) غرس اشجار آں لبعی جمیل
بسملہ حمدلہ است پس تہلیل

(۶) ہست تکبیر نیز از اں اشجار
خوش کسے کش جز این نباشد کار

(۷) باغ جنت تحتہا الانہار
سبز وخرم شود از اں اشجار

ترجمہ - (۱) یاد کیجیے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا کہا - (۲) ہماری طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو فرمائی چنانچہ پہلے امت کو سلام کہے - (۳) اور فرمایا کہ بہشت مطہر اور خوش جگہ ہے لیکن افسوس کہ کسی امتی نے اس میں اپنے لیے کوئی درخت نہ بویا - (۴) اس کی زمین تو پاکیزہ ہے - افسوس ہے کہ درختوں سے خالی ہے - (۵) وہاں کے درخت بونے کی اچھی کوشش کرکے یہ ہے کہ بسم اللہ والحمد للہ اور لا الہ الا اللہ) زیادہ سے پڑھے جائیں (۶) اللہ اکبر کہنا بھی اس کے درختوں سے ہے خوش قسمت ہے وہ جس کا اس کے سوا اور کوئی کام نہیں - (۷) باغاتِ بہشت ایسے ہیں کہ ان کے نیچے نہریں جاری

ہیں سبز اور خوش خنک درخت ہیں ان نہروں کی وجہ سے ۔

فضائل لا الٰہ الا اللہ

حدیث ۱ : میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت کرو اس لیے کہ شیطان نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا لیکن لوگوں نے مجھے لا الٰہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کر ڈالا جب میں نے ان کی یہ کاروائی دیکھی تو میں نے انہیں خواہشات سے ہلاک کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے سمجھا کہ وہ ہدایت والے ہیں اس لیے پھر وہ استغفار نہیں کرتے ۔

حدیث ۲ میں ہے کہ ایمان کی تجدید کرو صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ہم کیسے ایمان کی تجدید کریں فرمایا لا الٰہ الا اللہ کی کثرت کرو ۔

حدیث ۳ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور وصیت فرمائی کہ تمہارے پاس اہل کتاب آئیں گے اور تم سے مفتاح الجنت کے متعلق پوچھیں گے تو کہو جنت کی چابی لا الٰہ الا اللہ ہے ۔

حدیث ۴ میں ہے کہ جب مسلمان کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ تو ساتوں آسمان کو چیرتا ہوا یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کہتا ہے ٹھہر جا ٹھہر جا تو عرض کرے گا کیسے ٹھہروں تو نے کہنے والے کو بخشا ہی نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ تو ابھی تجھے لایا ہی تھا تو میں نے اسے بخش دیا ۔

مسئلہ : دوسرے اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت کی طلب سے اپنی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے ۔

حدیث ۵ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اہل ایمان مرد و عورت کے لئے استغفار کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مرد و عورت کی تعداد پر نیکیاں لکھتا ہے

حدیث ۶ میں ہے کہ جس کے پاس مال نہ ہو کہ اس سے صدقہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اہل ایمان مرد و عورت کے لئے استغفار کرے کیونکہ یہی اس کا صدقہ ہے ۔

حدیث شریف ۷ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز ستر بار استغفار فرماتے ۔ ایک روایت میں سو بار ہے ۔

مسئلہ : استغفار اہل ایمان مرد و عورت کے لئے کی جائے بالخصوص شہداء کے لئے

مسئلہ: قبور کی زیارت کرے اور موتٰی (اہل اموات) کے لیے استغفار کرے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کا ابتدا انسان اپنی ذات سے کرے پھر دوسروں کا نام لے۔

انتباہ: ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ کسی کو حق نہیں کہ استغفار کے وقت سب سے پہلے اپنے سوا کسی اور کا نام لے۔ یہی پیغمبران عظام کا طریقہ ہے یہاں تک نوح و ابراہیم علیہما السلام کو دیکھیے کہ انہوں نے کہا "رب اغفرلی ولوالدیّ" (مجھے اور میرے والدین کو بخش (نوح علیہ السلام) (اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا) "واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام" "مجھے اور میری اولاد کو دُور رکھ کہ ہم بت پرستی کریں (اور فرمایا) "رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ" (اے اللہ مجھے نماز پہ مقیم رکھ) ان دعاؤں میں انہوں نے خود کو پہلے ذکر کیا۔

مسئلہ: کوئی دعا کے لئے کہے تو اس سے یہ نہ سمجھے کہ وہ خود دعا مانگنے والا اس کا محتاج نہیں بلکہ چاہیے اپنے کو سوال میں مقدم کرے ورنہ عجب کا شکار ہو جائے گا اس لیے حکم ہے کہ دعا کے وقت اول خویش بعد درویش، اے اللہ ہمیں مغفورین سے بنا (آمین)

وَيَقُولُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ
اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ
مَّعْرُوْفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝
فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا
يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى
اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى
لَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ
فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ
وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ ع

ترجمہ: اور مسلمان کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نہ اتاری گئی پھر جب کوئی سورت اتاری گئی اور اس

بلکہ جہاد کا حکم نازل کیا اور تم دیکھو گے انہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ تمہاری طرف اس کا دیکھنا ایسے جس پر مردنی چھائی ہو تو ان کے حق میں بہتر یہ تھا کہ فرمانبرداری کرتے اور اچھی بات کہتے پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر اللہ سے سچے رہتے تو ان کا بھلا تھا تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں بیشک وہ جو اپنے پیچھے پلٹ گئے بعد اس کے کہ ہدایت ان پر کھل چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں دنیا میں مدتوں رہنے کی امید دلائی یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں سے جنہیں اللہ کا اتارا ہوا ناگوار ہے ایک کام میں ہم تمہاری مانیں گے اور اللہ ان کی چھپی ہوئی جانتا ہے تو کیسا ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے ان کے منہ اور ان کی پیٹھیں مارتے ہوئے یہ اس لیے کہ وہ ایسی بات کے تابع ہوئے جس میں اللہ کی ناراضی ہے اور اس کی خوشی انہیں گوارا نہ ہوئی تو ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

تفسیر عالمانہ: "وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا" اور اہل ایمان کہتے ہیں وحی کے اشتیاق اور جہاد کے حرص پر کیونکہ اس میں دو اچھائیوں سے ایک ضرور ہوتی بہشت و شہادت اور فتحمندی و غنیمت "لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ" سورت کیوں نہیں نازل ہوتی یعنی ایسی کوئی سورۃ کا نزول کیوں نہیں ہوتا جس میں جہاد کا حکم ہو "فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ" پس جب کوئی سورت محکمہ نازل ہوتی ہے اور اس میں جنگ اور لڑائی کا ذکر ہوتا ہے، محکمہ سے وہ سورت مراد ہے جو نہایت واضح احکام پر مشتمل ہو اور اس میں کسی دوسری قسم کا شبہ و احتمال نہ ہو سوائے وجوب کے اور یہاں بھی اسی طرح ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں جہاد کا حکم واجب ہوتا ہے۔

قاعدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ سورت جس میں قتال (جنگ اور لڑائی) مذکور ہو تو وہ سورت محکمہ ہوتی ہے وہ کبھی منسوخ نہیں ہوتی "رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ" دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی دنیا میں وہ ضعیف ہیں کسی وجہ سے یا منافقت کی وجہ سے یہی معنی زیادہ ظاہر ہے اس سے ایمان سے ظاہری زعمی مراد ہے۔ اور یہ کلام اسم ظاہر

ضمیر کے قائم مقام کھڑے کرنے کی قبیل سے ہے" یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط" تیری طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت طاری ہو تو نیم بیہوشی کی حالت میں دیکھ رہا ہو یعنی بزدل اور پریشان ہو کر آپ کو دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی عادت ہوتی ہے کہ جس پر حیرت اور سکرات طاری ہو تو پھر وہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے کہ اس وقت اس پر ایک عجیب سی کیفیت ہوتی ہے جبکہ وہ ملائکہ کرام کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

حل لغات: الغشی بمعنی منحر کہ حساسہ قویٰ کا قلب کے ضعف اور اس کی طرف روح کے اجتماع سے معطل ہو جانا بسبب اس کے کہ اس کا اندر سے گلہ بند ہو جاتا ہے اور روح کے خروج کا اور کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

غشی کے اسباب: اس کے چند اسباب ہیں:۔

(۱) گلہ کے گھٹ جانے سے اس کا گلہ بھر جانا۔

(۲) سخت ایذا پہنچانے والی ٹھنڈی شے کا پہنچنا۔

(۳) سخت بھوک۔

(۴) سخت درد۔

(۵) عضو شارک جیسے قلب و معدہ میں کسی آفت کا پہنچنا۔ (مغرب)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان کی علامات سے ہے جہاد کی تمنا اور موت کا شوق کہ اس طرح سے دیدار الٰہی نصیب ہوگا اور کفر و منافقت کی نشانیوں میں سے جہاد و موت سے کراہت کرنا۔

تفسیر عالمانہ: "فَاَوْلٰی لَهُمْ" تو انہیں خرابی ہو اور انہیں دوزخ نصیب ہو۔

حل لغات: اولی کا افعل کا صیغہ ہے اولی الولی بمعنی القرب اس جملہ میں ان پر بد دعاء ہے بایں طور کہ انہیں مکروہ امر قریب ہو بعض نے کہا کہ یہ فَعْلٰی کے وزن پر ہے آل سے ماخوذ ہے اس سے ان بد دعا مراد ہے کہ ان کا معاملہ مکروہ امر طرف راجع ہو۔

فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولیٰ تہدید کا کلمہ ہے کہ اس سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اور اس کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت و تباہی کے کنارہ پر ہو اسے اس سے بچنے اور دور ہونے سے برانگیختہ کیا جائے یا اس سے اس کو کہا جاتا ہے جو ہلاکت سے نجات پالے تو پھر اسے روکا کہا جاتا ہے کہ کہیں اس جیسے امر میں دوبارہ نہ پھنس جائے اکثر یہ مکررًا مستعمل ہوتا ہے گویا اسے انجام

امر پر غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ جس امر سے ڈرایا جا رہا ہے اس سے وہ متنبہ ہو۔
"طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ" (فرمانبرداری اور اچھی بات کرتے) یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان کا کام تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرتے اور ان کے حکم یعنی جہاد وغیرہ کو قبول کرنے کے لئے اچھی بات کرتے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فرمانبرداری اور اچھی بات کرنا ان کی اپنی بھلائی تھی یا یہ ان کے قول کی حکایت ہے اس کی تائید حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت سے ہوتی ہے ان کی قرأت میں ہے "یقولون طاعة وقول معروف" جیسا کہ سورہ نساء شریف میں ہے کہ "ویقولون طاعة فاذا برزوا من عندك بیت طائفة منهم غیر الذی تقول" اور کہتے ہیں ہم فرمانبرداری کریں گے تو جس وقت وہ علیحدہ ہوتے ہیں تو ایک گروہ ان کا اس کے خلاف باتیں کہتا ہے۔ "فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ" پھر جب حکم پکا ہو چکا۔

حل لغات : العزم والعزیمة بمعنی الجد یعنی پختہ اور یقینی امر کہ دل میں مضبوط ارادہ ہو کر یہ کام کر کے چھوڑنا ہے العزیمة تعویذ ہے گویا تیرا تصور ہے کہ تو نے شیطان پر گرہ ڈالدی کہ وہ تمہارے اوپر اپنا کوئی داؤ چلا سکے اب معنیٰ یہ ہوا کہ امر جہاد پکا ہو گیا اور جنگ کرنا فرض ہو گیا۔

سوال : عزم کو امر کی طرف اسناد کا کیا معنیٰ جبکہ یہ کام تو عزم کرنے والوں کا ہوتا ہے۔

جواب : یہ اسناد مجازی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا "ان ذٰلك من عزم الامور" بیشک یہ پکے امور سے ہے۔

فائدہ : ظرف کا عامل محذوف ہے کہ "خالفوا وتخالفوا" ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب امر قتال لازم ہو گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد کا پختہ ارادہ کر لیا تو ان منافقوں نے خلاف ورزی کی اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ گئے "فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ" پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے رہتے یعنی اس کلام میں (جو وہ جہاد کے حرص کا کہہ رہے تھے) اس کے موجب کے مطابق صحیح اترتے یعنی حرص جہاد کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچ بولتے "لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ" تو ان کے لئے صدق کذب سے اور جہاد گھر میں بیٹھنے سے بہتر ہوتا۔

فائدہ : اس میں دلالت ہے کہ "لولا نزلت سورة" کی تمنا میں سب مشترک تھے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے دلوں میں مرض تھا یعنی منافقین۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے صدق واجابت جہاد اصغر میں لازم اور ضروری ہے جبکہ اس پر وہ متعین ہو جائے۔ ایسے ہی جہاد اکبر کی طرف مجبور ہو تو بھی اور یہ (جہاد اکبر)

ریاضات و مجاہدات بموافق اشارۂ مرشد یا بہ فہم عقل سلیم ورنہ بیت طبیعت و نفس میں بیٹھے رہنا محرومی کا موجب ہے کہ قلب و روح کی غنیمتیں نصیب نہ ہوں گی اور وجود کو خرچ کرنے سے ان امور کا حاصل کرنا ہے جو اس فانی وجود سے بہتر ہے وہ ہے شہود اور اصلی ایمان و یقین۔

حکایت: حضرت حسن بصری حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے حضرت حبیب عجمی نے دو ٹکڑے جو کی روٹی کے اور نمک پیش کیے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی کھانے کے لئے تیار ہوئے تو کسی سائل نے دروازہ کھٹکایا کہ خدا کے لئے کھانا کھلاؤ حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہی دو ٹکڑے اور نمک فقیر کو دے دیئے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ دیکھتے رہ گئے اور فرمایا اے حبیب تو کیسا سنجیدہ انسان ہے لیکن اگر تھوڑا سا تمہیں علم نصیب ہوتا تو اس طرح کرتا کہ ایک ٹکڑا سائل کو دیتا اور ایک مہمان کے لئے چھوڑ دیتا حضرت حبیب عجمی خاموشی سے سنتے رہے کوئی جواب نہ دیا تھوڑی دیر گذری کہ ایک غلام دستر خوان سر پر رکھے حاضر ہوا جس میں حلوا، سبزی اور بہترین روٹی (پراٹھے) لایا اور پانچسو درم نقد سمیت حضرت حبیب کی خدمت میں پیش کیا آپ نے پانچسو درم تو فقراء پر بانٹ دیئے اور دستر خوان حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دیا حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑا کھا کر باقی واپس کر دیا حضرت حبیب نے فرمایا اے استاد تو نیک آدمی ہے اگر تھوڑا سا یقین بھی پاس رکھتے تو کیا ہی خوب ہوتے تمہیں معلوم ہے کہ علم کے ساتھ یقین کا ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: یعنی جس کے پاس یقین کامل ہو اسے اللہ تعالیٰ اس کے کسی امر کی گمشدگی پر اس کا بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے بلکہ اپنے فضل و کرم اور جود و سخا اس کا بہتر تدارک فرماتا ہے۔

سبق: لازم ہے کہ جہاد اصغر و جہاد اکبر میں مال اور وجود ہر دونوں خوب سے خوب تر خرچ کیے جائیں۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ۔ "افسوس کہ ہم دوست کے لئے عمر و مال خرچ نہ کر سکے کہ عشق کے کام میں ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔

تفسیر عالمانہ: "فَهَلْ عَسَيْتُمْ" تو کیا قریب ہے کہ تم یعنی تم سے توقع ہے یا ان سے کہ جن کے قلوب میں مرض ہے تو کیا اے منافقو تمہیں توقع ہے" اِنْ تَوَلَّيْتُمْ"

یعنی اگر تم لوگوں کے امور کے متولی اور ان کے حکام اور افسر بن کر ان پر مسلط ہو جاؤ اس معنی پر تولیتم الولایۃ سے ہے۔

"اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ" یہ کہ زمین پر فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو۔) ملک گیری کی ہوس اور دنیا میں منہمک ہونے سے اس لیے کہ جو بھی تمہارے حالات دیکھتا ہے (کہ وہ ضعف فی الدین اور حرص علی الدنیا پر دال ہیں کہ جب تمہیں جہاد کا حکم ہوا جو کہ وہ ہر خیر و صلاح کو جمع کرتا اور ہر شر و فساد کو دفع کرتا ہے اور اس کے تم مامور بھی تھے تمہیں چاہیئے تھا کہ تم طاعت کرتے اور اچھی باتیں کرتے لیکن تم اس کے خلاف ہوئے) تو وہ امید رکھتا ہے کہ جب تمہاری باگیں ڈھیلی کر دی جائیں تو تم فساد فی الارض اور قطع رحمی کا حکم کرنے والے ہو گے۔

حل لغات: الرحم یعنی عورت کی رحم جو بچے کی پیدائش کی جگہ یعنی بچہ دانی جہاں نطفہ ٹھہر کر پیٹ میں نشو و نما پاتا ہے پھر عرف میں قرابت اور ولادت کے رشتہ کو رحم کہا جاتا ہے بطریق استعارہ بوجہ اس کے کہ وہ ایک رحم سے خارج ہوئے۔"

فائدہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تولیتم (بضم التاء والواو وبکسر اللام) پڑھا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم پر ظالم لوگ حاکم مقرر ہوں اور تم ان کے ساتھ مل کر ظلم و ستم کرو اور فتنہ و فساد میں تم ان کی معاونت کرو جیسا کہ آجکل شہروں میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ: ابو حیان نے فرمایا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ اے منافقو اگر تم جنگ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری سے روگردانی کر کے زمین پر فساد برپا کرو اور اہل اسلام کی ان کے دشمنوں پر مدد نہ کرو اور قطع رحمی کرو کیونکہ تمہارے اکثر رشتے اہل اسلام کے ساتھ ہیں جب تم ان کی معاونت نہ کرو گے تو لازماً قطع رحمی ہو گی" اُولٰٓئِکَ " یہ اشارہ مخاطبین کی طرف ہے بطریق التفات کے خبر دینا ہے کہ ان کی اہانت مذکورہ کا تقاضا ہے کہ یہ لوگ رتبۂ خطاب کے لائق ہی نہیں اور ان کے ذلیل حالات کی حکایت میں دوسروں کو نصیحت ہے۔ یہ مبتداء ہے اس کی خبر" الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ " وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور رکھا" فَاَصَمَّهُمْ" حق کے سننے سے انہیں بہرہ کر دیا بوجہ ان کے اپنے برے اختیار کے" الاصمام" بمعنی بہرہ کرنا۔

" وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَهُمْ " اور ان کی آنکھیں اندھی کیں کہ وہ ان آیات کے مشاہدہ سے اندھی ہیں جو انفس و آفاق میں ہیں" الاعماء" بمعنی اندھا کرنا

سوال۔ " اصمّ اذانهم" کیوں نہیں فرمایا۔

جواب ۔ کانوں کی بندش سے ضروری نہیں کہ سنائی بھی کچھ نہ دے (جیسے آجکل کے دور میں سماعت کے آلے تیار ہوتے ہیں کہ بہرہ پن کے باوجود اس آلہ سے بہرہ سنتا ہے) اسی لیے "اذ الھم" نہیں فرمایا۔

سوال ۔ "اعماھم" کیوں نہیں فرمایا تاکہ کلام بھی مختصر ہوتا اور مقصد بھی پورا ہوجاتا ۔

جواب ۔ آنکھوں کے نہ ہوتے دیکھنا ختم نہیں ہوتا ۔

فائدہ : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا احمام الاذان اذہاب الاذان کا غیر ہے اس لیے ایک کے ہونے سے دوسرے کا ہونا ضروری نہیں اور صمم اور اعمیٰ ہر دونوں سے دو اعضاء (کان ۔ آنکھ) موصوف ہوتے ہیں اسی طرح ان کے بالمقابل سماع و ابصار سے اور انہی ہر ایک سے عرف مستمر میں ان کا صاحب موصوف ہوتا ہے اور قرآن مجید ہر دونوں استعمالوں کا اصمام میں اختصار اور اعماء میں اطناب فرمایا علاوہ ازیں فواصل کی رعایت بھی ملحوظ تھی ۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اہل طلب و اصحاب مجاہدہ کی طرف اشارہ ہے کہ اگر طلب حق سے اعراض کرو یہ کہ قلوب کی زمین کو فاسد کر ڈالو بایں طور کہ ان کی استعداد ختم کردو کہ فیض الٰہی کے لائق نہ رہیں اور یہ کہ حب فی اللہ کے حضرات سے انقطاع نہ کرو اگر ایسا کروگے کہ تم ان لوگوں کے سلک سے منسلک ہوجاؤ گے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ۔

ڈر لگتا ہے بے پرواہی سے : حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر صاحب صدق و وفا ہزار سال متوجہ الی اللہ رہے لیکن ایک لحظہ روگردانی کرے تو جو مراتب فوت ہوجائیں گے وہ ان مراتب سے بہت زیادہ ہوں گے جنہیں وہ حاصل کرے گا ۔

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے ادب و گستاخ کی سزا : فقیر حقی (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ میں مزارِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ حاضر ہوا تو سرہانے اقدس کی طرف بیٹھتا اور مشاغل میں رہتا جتنا عرصہ رہنا نصیب ہوا یہی میرا معمول تھا اندریں اثناء بعض عوام کی بے ادبی اور گستاخی سے میرے آنسو بہ نکلے اور گریہ کے غلبہ سے میں گویا کہ اپنے سے بے خبر ہوگیا اندریں اثناء میرے کانوں میں سنائی دیا کہ یہی آیت (اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ) یعنی جو لوگ مزارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک بے ادبی کر رہے ہیں وہ اہل آداب کے مقامات سے محروم ہیں[1] ۔

---

[1] بزرگوں کا دور تھا جس میں سراپا ادب اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور آج نجدیوں کو دیکھتے تو نا معلوم صاحبِ روح البیان خون کے آنسو بہاتے کیونکہ اس دور میں بے ادبی و گستاخی کا دور دورہ ہے ۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

(۲) بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(۳) ہر کہ بے باکی کند در راہ دوست
رہزن مردان شدہ نامرد اوست

ترجمہ ۔ (۱) خدا سے ادب کی توفیق کی درخواست ہے کیونکہ بے ادب لطفِ رب سے محروم ہے۔ (۲) بے ادب نہ اکیلا خود برباد ہوا بلکہ اس نے زمانہ بھر میں آگ بھڑکائی۔
(۳) جو دوست کے حق میں بے ادبی کرتا ہے وہ رہزن اور نامراد انسان ہے۔

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" تو کیا قرآن میں غور نہیں کرتے؟

تفسیر عالمانہ: حل لغات: التدبر بمعنی امور کے انجام میں دیکھنا اب معنی یہ ہوا کہ تو کیا قرآن کو دیکھ کر اس میں جو مواعظ و زواجر ہیں انہیں غور و فکر کریں تاکہ تباہ کن معاصی و جرائم میں نہ پڑیں "اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟ اس لیے ان تک بالکل ذکر پہنچتا ہی نہیں بلکہ ان کے دل خود قفل ہیں یعنی ایسی شے ان کے دلوں پر ہے جو قفل کی مانند ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مہر لگائی ہوئی ؎

در کہ خدا بست بروئے عباد
ہیچ کلیدش نتواند کشاد
قفل کہ زو بر در دلہا زند
کیست کہ بردارد و در واکند

ترجمہ ۔ جس در کو اللہ تعالیٰ بندوں پر باندھے اسے کوئی چابی نہیں کھول سکتی۔
وہ تالہ جو اللہ تعالیٰ دلوں پر مارے کسے طاقت ہے کہ اسے اٹھا کر دروازہ کھولے۔

حل لغات: اقفال قفل کی جمع وہ لوہا جس سے دروازہ بند کیا جائے (القاموس)

فائدہ: الارشاد میں فرمایا کہ ام منقطعہ ہے اس میں بل کا معنیٰ ہے اور اہل بمعنی توبیخ سے ساتھ عدم تدبر کے توبیخ کی طرف انتقال ہے کہ ان کے قلوب مقفل ہیں کہ وہ تدبر کو قبول نہیں کرتے نہ تفکر کو۔

ہمزہ تقریر و تنکیر کے لئے ہے۔ دلوں پر تالے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل ہولناکیوں میں اور ان کے حالات دگرگوں ہیں فساد و جہالت میں ان کے معاملات مبہم ہیں گویا کہا گیا ہے کہ ان کے دل بیگانہ وار ہیں کہ ان کے حالات سے بے خبری اور قساوت میں اس انتہا کو پہنچی ہے کہ اندازہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: اس سے بعض کے قلوب مراد ہیں یعنی منافقین اور دلوں کی طرف اقفال کی اضافت میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ تالے ان کے لئے مخصوص ہیں جو صرف ان کے لئے مناسب ہیں دوسرے اقفال کی جنس سے نہیں جو کہ لوہے سے تیار کیے جاتے ہیں اس لیے کہ یہ کفر کے تالے ہیں کہ لگائے جانے کے بعد پھر نہیں کھولے جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے کہ اس میں ہر بیماری کی شفا ہے تاکہ یہ انہیں حسن عرفان تک پہنچائے اور انہیں ہجران کی قید سے نجات دلائے کیا ان کے دلوں پر تالے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے خواہشات نفسانی والوں کے دلوں پر تالے لگائے ہیں جو ان میں تنبیہ کی زواجر داخل ہی نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان پر علم کا شعاع پڑتا ہے اور نہ ہی انہیں فہم خطاب نصیب ہوتا ہے جب دلوں پر تالے پڑ جاتے ہیں تو نہ ان سے شک و انکار نکل سکتا ہے اور نہ ان میں وہ صدق و یقین داخل ہو سکتا ہے جس کی انہیں دعوت دی جاتی ہے۔

حکایت: حضرت بشر حافی قدس سرہ اپنی ہمشیرہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا بہن میں کوٹھے کی چھت پر جانا چاہتا ہوں یہ کہہ کر ایک دو قدم اٹھائے اور کوٹھے پر چڑھ گئے اور سارا دن کھڑے کھڑے گذار دیا۔ شام کو نیچے اترے اور نماز با جماعت کے لئے تشریف لے گئے پھر دوسری صبح اسی طرح پھر بہن کے گھر تشریف لائے بہن نے پوچھا بھائی کل سارا دن مکان کی چھت پر کھڑے کھڑے گذار دیا اس کی کیا وجہ تھی کہا بہن بغداد میں تین بشر نامی ہیں:۔

(۱) یہودی

(۲) آتش پرست

(۳) بت پرست

اور میرا نام بھی بشر ہے الحمد للہ مجھے دولتِ اسلام نصیب ہوئی لیکن میں حیران ہوں کہ میں نے کونسا عمل کیا کہ جس سے مجھ پر فضل و کرم ہوا کہ دولتِ ایمان و اسلام سے نوازا گیا اور وہ تینوں (بشر نامی) محروم رہے۔

سبق: دلوں سے تالوں کا کھل جانا اللہ تعالیٰ علام الغیوب کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ مقام

قرب وقبول اور رتبۂ شہود ووصول ہر ایک کو میسر نہیں ہوتا اور قرآن مجید میں تدبر نہ کرنا رسوائی کی علامت اور مقتضیات الاعیان سے ہے ورنہ ہر طلب حصولِ مقصد تک پہنچاتی ہے حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ہے

تو از افشاندن تخم امید دست مدار

کہ در کرم نکند ابر نوبہار امساک

ترجمہ۔ بیج زمین میں ڈال کر ہاتھ امید سے نہ اٹھا اس لیے کہ ابر نوبہار جود وکرم میں بندش نہیں کرتا۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ" بیشک وہ جو اپنے پیچھے پلٹ گئے۔

حل لغات: الارتداد بمعنی اس راہ سے واپس لوٹنا جس پر وہ چلا لیکن (ردۃ) کفر سے مخصوص ہے اور الارتداد کفر میں اور اس کے غیر میں بھی مستعمل ہوتا ہے "الادبار" دبر کی جمع ہے قبل کی ضد اس سے دو عضو مخصوص مراد لیے جاتے ہیں اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اس راہ سے (کہ جس میں تھے) کفر کی طرف لوٹے ان سے وہ منافقین مراد ہیں جو مرگ قلوب وغیرہ سے موصوف ہیں یعنی افعال واحوال قبیحہ سے موصوف ہیں کیونکہ انہوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا اور کفر کیا (ورنہ وہ خدا و آخرت پر تو ایمان رکھتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاٰخر) لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے بے ایمان فرمایا کما قال (وما ھم بمؤمنین) "مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى" (بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی) دلائل ظاہرہ ومعجزات قاہرہ سے "الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ" (شیطان نے انہیں فریب دیا) من بعد سے جملہ شروع ہے اور یہ اپنے متعلقات سے مل کر ان کی خبر ہے یعنی ان پر عظائم کا سوار ہونا آسان ہے۔

حل لغات: سول سے ہے بمعنی استرخاء (ڈھیلا پڑ جانا) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سول وہ حاجت جس کے لئے نفس کو حرص ہو۔ التسویل بمعنی شیطان کا فریب دینا یعنی نفس کو وہ شئے سنگار کر دکھانا جس پر اس کا حرص ہے یعنی قبیح شئے کو حسین کر کے دکھلانا۔ "وَاَمْلٰی لَهُمْ" (اور انہیں دنیا میں مدتوں رہنے کی امید دلائی) انہیں آرزوں اور تمناؤں کی طرف کھینچا بعض نے کہا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مہلت دی اور انہیں عذاب میں مبتلا نہ فرمایا۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الاملاء بمعنی امداد مدت طویلہ کو ملاوۃ من الدھر وملوۃ من الدھر کہا جاتا ہے "ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ" یہ ارتداد اس لیے

انہیں نصیب ہوا کہ " قَالُوْا " خفیہ طور کہا " لِلَّذِیْنَ کَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ " انہیں کے لئے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قرآن ناگوار ہے) یعنی یہود اس لیے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول قرآن ناگوار تھا باوجودیکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ہیں یہ ان کا حسد تھا اور انہیں طمع تھا کہ قرآن ان پر نازل ہوگا " سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ " بعض امور میں ہم تمہاری اطاعت کریں گے یہ وہ جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا " الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانہم الذین کفروا من اہل الکتاب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احدا ابدا وان قوتلتم لننصرنکم " (کیا منافقوں کو نہیں دیکھا وہ اہل کتاب میں سے ہیں اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں کو کہتے ہیں البتہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی بھی اطاعت نہ کریں گے) اس سے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے وہ لوگ مراد ہیں جو کافروں سے دوستی اور یارانہ رکھتے تھے اور بعض امور سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ کسی کی اطاعت نہ کریں گے ۔

فائدہ: آیت ان کے کفر کا اظہار ہے اور ان کے ساتھ جنگ کے اعلان اور انہیں ان کے گھروں سے نکالنے سے پہلے ان کی کارروائی کی خبر دے گئی ہے اس لیے کہ وہ اس وقت اپنی کارروائی کا انکار کرتے تھے بوجہ اس ضرورت کے جو انہیں درپیش تھی کیونکہ اظہار ایمان میں انہیں بڑے منافع و فوائد حاصل ہوتے تھے " وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ " اور اللہ تعالیٰ ان کے مخفی رازوں کو جانتا ہے یعنی وہ باتیں جو ان یہودیوں نے کافروں کے ساتھ پوشیدہ طور کہہ رکھی تھیں " فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ " تو پھر ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب انہیں فرشتے فوت کریں گے) یعنی دنیا میں تو حیلے اور مکر و فریب سے کام چلا لیتے ہیں لیکن جب عزرائیل علیہ السلام اور ان کے اعوان ان کی ارواح قبض کریں گے تو پھر کونسا حیلہ و مکر و فریب کریں گے " يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ " ان کے چہروں اور پیٹھوں پر کوڑے ماریں گے ۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے کافروں کے چہروں پر اس لیے کوڑے ماریں گے کہ ان سے وہ حق سے روگردانی کرتے تھے اور پیٹھوں پر اس لیے کہ انہوں نے اہل حق کو پیٹھ کر کے حق سے منہ موڑا ۔

فائدہ: جملہ حالیہ ہے توفتہم کے فاعل سے انہیں تصور دلانا ہے کہ مرنے وقت ان کا بہت برا حال ہوگا ۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو بھی کسی گناہ کی حالت میں مرا تو اس کا بھی یہی حشر ہوگا کہ فرشتے اس کے چہرہ اور پیٹھ پر کوڑے ماریں گے (معاذ اللہ) (ذٰلِکَ) ایسا خوفناک مرنا یعنی ان کی ارواح کا ایسی خوفناک حالت میں قبض ہونا "بِاَنَّهُمُ" بسبب اس کے ہے کہ "اتَّبَعُوا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ" انہوں نے ان امور کی اتباع کی جو اللہ تعالیٰ کو غضب میں لانے والے تھے جیسے کفر و معاصی یعنی ایسے امور کا ارتکاب کیا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے موجب بنے "وَكَرِهُوا رِضْوَانَهٗ" اور اس کی خوشنودی سے کراہت کی یعنی ایسے امور سے کراہت جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے یعنی ایمان و طاعت سے انہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور یہود کے ساتھ ساز باز کر کے طاعتِ الٰہی سے نکل گئے "فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ" تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے یعنی وہ طاعات جو بحالتِ ایمان بجالائیں یا اس کے بعد والے اعمال صالحہ جو کہ اگر ایمان پر قائم رہ کر عمل میں لاتے کہ وہ ان سے نفع نہ پا سکے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کفر و معاصی حبطِ اعمال کے موجب اور عذابِ الٰہی کے باعث ہیں۔

فاجر کی قبض کا ہولناک منظر: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ فاجر کی روح جسم سے ایسے نکالی جائے گی جیسے اون کے تر گدے سے لوہے کی سلاخیں (معاذ اللہ) اور فاجر مردہ سمجھے گا کہ شاید اس کا پیٹ کانٹوں سے بھر گیا ہے اور اس کی روح سوئی کے سوراخ سے نکالی جا رہی ہے اور وہ خود گویا پہاڑ کے چٹان کے دو پڑوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے (پناہ بخدا)۔

حضرت کعب الاحبار کا بیان: حضرت کعب الاحبار سے پوچھا گیا کہ موت کا کیا منظر ہوگا؟ آپ نے فرمایا یوں سمجھیے کہ کانٹے دار درخت کی ٹہنی مردے کے پیٹ میں ڈال کر اسے بڑی قوت والا آدمی کھینچ رہا ہے اس سے اندازہ کر لیجیے کہ اس سے کیا کچھ ٹکڑے ٹکڑے ہوگا اور کیا کچھ بچے گا۔

حدیث شریف: حضرت محمد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سکرات الموت کا ایک جھٹکا تین سو تلوار کی کاٹ کے برابر ہے اندریں اثنا ملائکہ مردے کو ایک زہریلا تیر چبھو دیں گے جو جہنم کی آگ سے ہوگا اس سے مردے کی روح جسم سے گھٹ کر رہ جائے گی اور کوشش کرے گی کہ وہ جسم سے باہر نکلے جونہی وہ باہر نکلے گی تو اسے فرشتے پکڑ لیں گے اس منظر سے مردہ کا اصلی مادہ یوں گر جائے گا جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتے سے باہر نکل کر آواز کرتی ہیں اسے ملائکہ زبانیہ گرفت میں لے لیں گے اور یہی عذاب کے فرشتے ہوں گے یہ کافر اور فاجر کا حال ہے۔

مومن کی موت کا خوش منظر: مومن نیک کا حال مذکورہ بالا حال سے مختلف ہوگا کیونکہ وہ اہل رضا

سے ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازہ کا حال: نے فرمایا کہ میں طائف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ کے وقت موجود تھا۔ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو ہم نے دیکھا کہ ایک سفید پرندہ جو اڑتا ہوا آیا اور آپ کے کفن مبارک میں داخل ہو گیا پھر کفن میں تلاش بسیار کے باوجود وہ پرندہ ہمیں نہ ملا جب آپ کو قبر کے اندر لٹا کر اوپر سے مٹی ڈالی گئی اور قبر کی تکمیل کے بعد ہم نے سنا بولنے والا نظر نہیں آتا تھا، وہ کہتا تھا" یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ اور میرے بندوں میں داخل ہو کر بہشت میں چلا جا)

سبق: دانا آدمی پر لازم ہے کہ وہ موت کے لئے ہر وقت تیار رہے کوئی وقت بھی ضائع نہ کرے۔ حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ہے

ترا گر حاصلے ہست از حیات خود غنیمت دان

کہ من از حاصل دوران غم بے حاصلی دارم

ترجمہ۔ تجھے زندگی میں کچھ وقت مل گیا ہے اسے غنیمت جان۔ زمانہ سے جو مجھے کچھ حاصل نہ ہوا میں اس بے حاصلی سے غم کے آنسو بہا رہا ہوں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ
لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاۡ
اَخْبَارَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝ فَلَا تَهِنُوْا
وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝
اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ
لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝

هَا نْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ
فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ
قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۠

ترجمہ: "کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے اِس گھمنڈ میں ہیں کہ اللہ ان کے چھپے بیر ظاہر نہ فرمائے گا اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھادیں کہ تم ان کی صورت سے پہچان لو اور ضرور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لوگے اور اللہ تمہارے عمل جانتا ہے اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کر دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنیوالوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ہدایت ان پر ظاہر ہو چکی تھی وہ ہرگز اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے اور بہت جلد اللہ کیا دھرا اکارت کر دے گا۔ اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا پھر کافر ہی مرگئے تو اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا تو تم سستی نہ کرو اور آپ صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں تمہیں نقصان نہ دے گا دنیا کی زندگی تو یہی کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو وہ تم کو تمہارے ثواب عطا فرمائے گا اور کچھ تم سے تمہارے مال نہ مانگے گا اگر انہیں تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے تم بخل کروگے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل ظاہر کر دے گا ہاں ہاں یہ جو تم ہو بلائے جاتے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرے وہ اپنی جان پر بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج اور اگر تم منہ پھیرو تو وہ تمہارے سوا اور لوگ بدل لے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔"

تفسیر عالمانہ: "اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (کیا انہیں کہ جن کے دلوں میں مرض ہے گمان ہے) یعنی منافقین کیونکہ منافقت قلبی مرض ہے جیسے شک وغیرہ "اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ" "یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کینے پر ہرگز نہیں نکالیں گے" اس معنی پر ام منقطعہ اور ان مخففہ اضغان ضغن (بالکسر) بمعنی جسقدر کسی کی عداوت دل میں بند کرنا اور اس کے نقصان کے لئے فرصت کا انتظار کرنا اسی سے ناقہ (اونٹی) کو مشابہت دیتے ہیں۔ (ذات ضغن) اب معنی یہ ہوا کہ کیا تمہارا ان لوگوں کے لئے گمان ہے جن کے دلوں میں کینہ اور اہل ایمان کے حق میں ایسی عداوت ہے کہ

اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے وہ کینے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان سے عداوت ہے ان سے ہرگز نہیں نکالے گا ان کے معاملات پوشیدہ رہیں گے یعنی یہ ان امور میں داخل ہے جو ہمیشہ اختمال ہوتے ہیں۔

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ کینے والا انہیں مرتا جب تک کہ رسوائی وفضاحت نہ اٹھائے یہ منجملہ ان لوگوں سے ہے جس نے تھوم اظہار کھا ہو کہ کسی نہ کسی وقت اس کی بدبو ضرور ظاہر ہوگی یہ اس طریق سے ہے کہ جیسے خوشبو کے اٹھانے والے کا حال ہے اس سے خوشبو ضرور ظاہر ہوتی ہے اسے روکنے سے نہیں روکا جا سکتا ؎

اگر مسک خالص نداری مگوے
وگر ہست خود فاش گردد

ترجمہ ۔ اگر خالص مشک تیرے پاس نہیں تو نہ کہہ۔ اگر ہے تو وہ خود ظاہر ہوگی۔

"وَلَوْ نَشَآءُ" اگر ہم دکھانا چاہیں "لَاَرَیْنٰکَھُمْ" تو ہم آپ کو وہ دلائل سے دکھا دیں گے تو ان متعین افراد کو تم جان لوگے یعنی ایسی علامت بتا دیں گے جس سے دیکھتے ہی تم جان لوگے کہ یہ وہی بے ایمان ہیں "فَلَعَرَفْتَھُمْ بِسِیْمٰھُمْ" تو تم انہیں اس علامت سے پہچان لوگے جو ہم تمہیں بتائیں گے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ السوم (بالضم) والسمیہ والسیما والسیمیا (تمام بالکسر ہیں) بمعنی علامت السوم میں اس کے متعلق مذکور ہو چکا ہے۔

منافقین کے متعلق حضور علیہ السلام کو علم تھا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ماخفی علی الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھذہ الاٰیۃ شئ من المنافقین کان یعرفھم بسیماھم (روح البیان ج ۹ ص ۵۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کے نزول سے منافقین کا حال مخفی نہ رہا آپ انہیں ان کی علامات سے پہچانتے تھے[1]

منافقین کا پردہ فاش: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بعض غزوات میں تھے اس میں نو منافقین تھے رات کو سوئے صبح کو ہر ایک کے چہرے پر نمایاں لکھا تھا

---

[1] اس میں صریح رد ہے وہابیہ دیوبندیہ فرقہ کا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے بارے میں کوئی علم نہ تھا اور دلیل میں کہتے ہیں "لا تعلمھم نحن نعلمھم" یہ آیت نفی کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے فلہٰذا ان کا عقیدہ غلط اور باطل ہے۔

(هٰذا منافق) یہ منافق ہے اور لام جواب کی ہے معطوف ہیں مکرراً لائی گئی ہے محض تاکید مراد ہے اور فاء ترتیب المعرفۃ علی الاراءۃ کے لئے ہے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ ان ہر ایک کی پیشانی پر لکھا تھا ھذا منافق (یہ منافق ہے)۔

فائدہ: آجکل دیوبندیوں وہابیوں کے ماتھے میں عموماً سیاہ داغ پڑا جاتا ہے یہ اسی وراثت میں انہیں نصیب ہوا ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھیے وہابی دیوبندی کی پیشانی)۔

"وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ" (اور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لوگے)

فائدہ: لام قسم محذوف کا جواب ہے۔

حل لغات: "لحن القول" بمعنی بات کا مفہوم و معنیٰ اور اس کا اسلوب اور اس کا تعریض و توریت کی طرف مائل ہونا اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ان کا تعریض و توریت کی وجہ سے باتوں کے درست طریقہ سے موڑنے کو جانتے ہو اسی محاورہ سے ہے جو خطا والے کے لئے کہا جاتا ہے "لَاحَنَ" خطاء کی بوجہ اس کے کلام کے صواب کی سمت سے ہٹ جانے کے

حدیث شریف میں ہے کہ "لعل بعضکم الحن بحجتہ من بعض" یعنی بعض تمہارا اپنی بات کو حجت سے مضبوط کرکے دوسرے سے مدعا لے جائے۔ المفردات میں ہے کہ اللحن بمعنی کلام کو اس کے اس طریق سے ہٹانا جس پر وہ جاری تھی یا اعراب کے ازالہ سے یا تصحیف کرکے اور لحن مذموم ہے اور یہی استعمال کے لحاظ سے اکثر ہے یا لحن یہ ہے کہ کلام کو تصریح سے ہٹانا یا اسے اپنے اصلی معنیٰ سے ہٹا کر تعریض و مفہوم کی طرف لے جانا اور یہ من حیث البلاغت اکثر ادباء کے نزدیک محمود ہے یہ معنی مراد ہے شاعر کے قول سے کہ "خیرا الاحادیث ما کان لحنا" وہ بات نہایت اچھی ہے جس میں لحن ہو یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "لتعرفنھم فی لحن القول" میں اور یہی محاورہ ہے جو ایک زیرک انسان کے لئے کہا جائے جس کا کلام مفہوم کا مقتضی ہو کہ (لَحِنٌ) اور المختار میں ہے کہ اللحن بمعنی خطاء فی الاعراب از باب قطع (منع) اللحن (بفتح الحاء) بمعنی زیرکی از باب طرب (سمع)

حدیث شریف میں ہے "لول احدکم الحن بحجتہ بمعنی افطن بہا"

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لحن القول ان کی وہ بات ہے جو کہتے کہ ہمیں "مالنا ان اطعنا من الثواب" ہمیں کیا اجر و ثواب ملے گا اگر ہم اطاعت کریں" لیکن یہ بالکل نہ کہتے کہ "ما علینا ان عصینا من العقاب" اگر ہم گناہ کریں تو کتنا گناہ ہوگا یعنی وہ صرف لالچ و طمع میں وقت بسر کرتے۔

سچے جھوٹے مرید کی نشانی: اکابر مشائخ (پیرانِ عظام) فرماتے ہیں کہ ہم مرید کی صداقت اور خوشامد (چاپلوسی) اس کی باتوں سے سمجھ جاتے ہیں[1] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولتعرفنھم فی لحن القول ط واللہ یعلم اعمالکم" اور اللہ تمہارے اعمال جانتا ہے) تو وہ تمہارے اعمال کی وہی جزاء دے گا جیسا تمہارا قصد ہوگا اس میں اہل ایمان کو وعدہ اور خبر دینا کہ تمہارا حال بہتر ہے بخلاف منافقین کے کہ ان کا حال بُرا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ امراض قلب میں سے ایک مرض گھٹیا خیال اور جھوٹا گمان بھی ہے کیونکہ منافقین کا گمان تھا کہ ان کے خبیث ارادوں سے اللہ آگاہ نہیں اور نہ ہی وہ انہیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر کرے گا حالانکہ یہ بات نہ تھی جیسے انہوں نے سمجھ رکھا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے کر ان کی تلبیسات کو واضح فرمایا علاوہ ازیں

المؤمن فانہ ینظر بنور الفراسۃ و العارف بنور التحقیق والنبی علیہ السلام ینظر باللہ فلا یستتر علیہ شیٔ	مومن نور فراست سے دیکھتا ہے اور عارف نور تحقیق سے اور نبی علیہ السلام اللہ سے دیکھتا ہے اسی لیے ان پر کوئی شے چھپی نہیں رہتی۔

(روح البیان جلد ۹ صفحہ ۵۷)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ وہ اعمال جو خباثت باطن سے خارج ہوں انہیں محبوبانِ خدا جانتے پہچانتے ہیں کیونکہ اس اندرونی خباثت پر ان کے ہاں شواہد ہوتے ہیں۔

حکایت: حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہُوا کہ کیا "کراماً کاتبین" غیب جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ سائل نے عرض کی تو پھر وہ ان اعمال کو کیسے لکھتے ہیں جن کا تعلق قلوب سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر عمل کی علامت ہے جیسے ہر مجرم کی ایک نشانی ہوتی ہے جب وہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بدبو خارج ہوتی ہے اس لیے ایسے ہر عمل کی کوئی نشانی ضرور

---

[1] اسی لیے حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ (چاچڑاں (کوٹ مٹھن)) فرمایا کرتے کہ میرے صرف اڑھائی مرید ہیں۔ اپنا صاحبزادہ خواجہ محمد بخش عرف نازک کریم کامل اور سید ولایت شاہ (اوچی) کامل اور نواب صادق محمد (آف بہاول پور) آدھا حالانکہ آپ کے ہزاروں کی تعداد میں مرید تھے اور نواب صاحب بھی باوجودیکہ جاں نثار تھے لیکن پھر بھی آپ نے اسے آدھا مرید بنایا۔ یہ تو پرانا دور تھا اب پندرھویں صدی کا کیا حال ہوگا۔ (اویسی غفرلہ)

ہوتی ہے (جس سے کراماً کاتبین کو لکھنے کا موقعہ مل جاتا ہے)

حکایت: حضرت حارث بن اسد المحاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جب کوئی ایسا طعام پیش کیا جاتا جو مشکوک ہوتا تو آپ کی انگلیوں پر پسینہ نمودار ہو جاتا۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی والدہ جب انہی بایزید سے حاملہ ہوئیں تو حرام طعام کی طرف جب ہاتھ بڑھاتیں تو انہیں غیبی نداء آتی کہ تورع (بچ جانا چاہیئے) یا انہیں قے آنے لگتی یا طعام خون ہو جاتا یا اس پر سیاہ سانپ یا خنزیر بیٹھا نظر آتا وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: اس قسم کی بیشمار حکایات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاءؒ اصفیاء سے خاص فرمائی ہیں۔

سبق: تم پر مراقبہ لازم ہے اور ہر امر بالخصوص گفتگو کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا لازم ہے یہ بھی منجملہ حکمتوں کے ایک ہے اور جہنم میں لوگ اوندھے گرائے جائیں گے تو سب سے زیادہ اسباب اسی زبان کے کرتوت ہوں گے۔

فائدہ: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا من عد کلامہ من عملہ قل کلامہ اور چار چیزوں کو لازم پکڑو:-

(۱) مسلمانوں کے لئے غائبانہ دعا مانگنا۔

(۲) مسلمانوں کے لئے سینہ صاف رکھنا۔

(۳) فقراء کی خدمت کرنا۔

(۴) دوسروں کو اپنے اوپر فوقیت دینا۔

فائدہ: دوست کے ساتھ خاموشی سے گذارو جب تک جدائی کا سبب نہ ہو جب ایسا دیکھو تو اسے رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر نصیحت کرو اگر وہ نصیحت قبول کرے جبکہ اسے نہایت نرمی اور پیار سے سمجھاؤ۔ ورنہ اس سے معذرت کر کے علیحدہ ہو جاؤ (اسی میں بھلائی ہے)۔

فائدہ: اگر دوست اچھی نصیحت کرے تو اسے قبول کرو اور اس کی بات میں بات نہ کرو (یعنی اس کی بات نہ کاٹو)۔

سخن را سر است اے خردمند وبین
میاور سخن در میان سخن
خداوند بیر و فرہنگ و ہوش
نگوید سخن تا نہ بیند خموش

ترجمہ ۔ "سخن سرا اور جرٹ ہے اے عقلمند، سخن کو سخن کے درمیان نہ لا۔ صاحب تدبیر اور دانائی اور ہوش کا۔ بات نہیں کرتا جب تک دوسرے کو خاموش نہیں دیکھتا ۔

تفسیر عالمانہ : "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ" اور ہم تمہیں آزمائیں گے جنگ کا حکم دے کر اور اس طرح کی دیگر سخت تکالیف ۔

سوال ۔ امتحان تو وہ لے جسے علم نہ ہو اللہ تعالیٰ کے امتحان لینے کا کیا معنیٰ ؟

جواب ۱ ۔ یہ ان کے انجام کو ظاہر کے لئے ہے نہ کہ معلوم کرنا کہ یہ کیسے ہیں اور کبھی امتحان انجام ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے ۔

جواب ۲ ۔ یا ہم ان سے وہ معاملہ کریں گے جیسے ایک امتحان لینے والا کرتا ہے تاکہ اظہارِ عذاب زیادہ بلیغ ہو "حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ" یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے مجاہدین اور صابرین کو) علم فعلی سے ان کے جہاد کی مشقتوں کو جن سے جزا متعلق ہو اس کی تحقیق گذر چکی ہے اس پر مزید کی ضرورت نہیں ۔

"وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ" اور تاکہ ہم آزمائیں تمہاری خبروں کو" اخبار سے مخبر بہا مراد ہے یعنی وہ تمہارے جن سے تمہاری آزمائش ہو تاکہ ان کا حسن و قبح ظاہر ہو اس لیے خبر مخبر عنہ کے درجہ پر ہوتی ہے اگر وہ اچھا ہو یہ خبر اچھی اگر وہ قبیح ہو تو یہ بھی قبیح ۔

فائدہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اخبار کے امتحان سے اعمال کے امتحان کی طرف اشارہ ہے ۔ حضرت علامہ کاشفی نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہاری خبروں کو آزمائیں کہ تم کہا کرتے ہو ہم ایماندار ہیں ہماری آزمائش سے تمہارا سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے گا ۔

حکایت : حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو رو کر کہتے " اللّٰھم لا تبلنا فانك ان بلوتنا هتكته استارنا و فضحتنا " اے اللہ ہمیں نہ آزما اس لیے اگر تو ہمیں آزمائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے پردے کھل جائیں گے اور ہم رسوا ہوں گے ۔"

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ امتحان کی آگ سے ولایت کا سونا کھرا ہوگا اس لیے کہ آزمائش سے پہلے ولایت ایسے ہے جیسے سونے کی ظاہری صورت کو دیکھ کر اس کے ساتھ لہو و لعب کی جائے ظاہر ہے کہ امتحان و آزمائش کے وقت مردوں کے جواہر کھلتے ہیں۔ اس سے مومن و منافق کا امتیاز ہوتا ہے اور امتحان کے وقت ہی انسان کی یا عزت ہوتی ہے یا ذلت۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے تا ابد انسان کے جواہر کی خصوصیات سے باخبر ہے کیونکہ اس نے اسے

جن اوصاف سعادت وشقاوت پر پیدا فرمایا تو وہی اپنی مخلوق کو جانتا ہے وہی لطیف خبیر ہے اور زمانہ کے اختلاف سے جواہر کے احوال میں تبدیلی آسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر شے کو ایک ہی حالت میں دیکھتا جانتا ہے اور یہ احوال کی تبدیلیاں اس کی حالت کو تبدیل نہیں کر سکتیں اور کسی سے امتحان لینا بھی اس کے حالات سے دوسروں کو باخبر کرنا مطلوب ہے۔

فائدہ: اکابر مشائخ نے فرمایا کہ عارفین بصائر سے دیکھتے ہیں وہ اشیاء جنہیں عوام ابصار (آنکھوں) سے دیکھتے ہیں اور عارفین بصائر (بصیرت قلبی) سے وہ امور نادرہ دیکھتے ہیں جنہیں دوسرے عام لوگ کسی طرح سے بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ باوجود ایں ہمہ وہ اپنے نفوس سے مطمئن نہیں ہوتے ایسے ہی وہ مقدوراتِ رب سے اپنے نفوس پر مطمئن نہیں کرنا معلوم اس کے مقدورات کس رنگ میں ظاہر ہوں۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ علیا (اللہ۔ اللہ) سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ تیس دفعہ معاہدہ فرمایا کہ تیرے ساتھ کوئی خفیہ تدبیر نہ ہوگی۔ آپ سے پوچھا گیا تو پھر اب آپ مطمئن ہوں گے کہ آپ کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ ہوگی آپ نے فرمایا ان معاہدوں کے بعد اب بھی میری وہی حالت ہے جو معاہدوں سے پہلے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ عزیز حکیم (غلبہ اور حکمت والا ہے)۔

سبق: جب ایک عارف کامل کا یہ حال ہے تو اے نادان جاہل غافل کا کیا حال ہونا چاہیئے اس لیے ہر وقت بیداری و ہشیاری کی ضرورت ہے ؎

بر غفلت سیاہ دلان خندہ می زند
غافل مشو ز خندہ دندان نما صبح

ترجمہ۔ سیاہ دل لوگوں کی غفلت پر ہنسی آتی ہے اس لیے صبح دندان نما کے ہنسنے سے غافل نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا" (بیشک جو لوگ کافر ہیں اور راستہ سے روکنے والے ہیں، یعنی لوگوں کو روکتے ہیں "عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" اللہ کے راستہ سے یعنی دین اسلام سے جو رضائے الٰہی تک پہنچاتا ہے "وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اختلاف کیا" ان سے دشمنی بھی اور مخالفت کی اور ان کی جانب کے خلاف دوسری

(کفر) جانب ہو گئے اور مخالفت قیامت تک ہر شر کی جڑ ہے "مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى"
بعد اس کے کہ ان کو ہدایت ظاہر ہو گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کا مشاہدہ
کیا جیسے کہ توراۃ میں مسطور تھے اور آپ سے ظاہرات و معجزات دیکھے اور وہ آیات پڑھی سنیں جو
آپ پر نازل ہوئیں۔

فائدہ: ان سے قریظہ و نضیر یا وہ لوگ مراد ہیں جو بدر میں اس امید پر آئے کہ مسلمانوں کو کچل دیں گے یعنی
رؤسائے قریش " لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ " اپنے کفر اور راستہ سے روکنے سے اللہ تعالیٰ کو نقصان نہ دے
سکیں گے "شَيْئًا" کسی قسم کا بھی" یعنی ان کے کفر وغیرہ خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم) کو ان کا کوئی ضرر نہ پہنچے گا بلکہ ان کا شر اور ضرر ان پر لوٹے گا یا شئ کوئی ضرر ہو مراد ہے یا
معنیٰ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مخالفت سے کسی قسم کا نقصان نہ دیں گے۔

فائدہ: یہاں مضاف محذوف کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم مطلوب ہے
اور ساتھ یہ بھی بتانا ہے کہ ان کی مخالفت ایک خطرناک پہلو ہے۔

"وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ" اور ان کے اعمال حبط کرے گا۔

فائدہ: سین محض تاکید کے لئے ہے اور اعمال سے ان کے وہ منصوبے مراد ہیں جو انہوں نے دین
اسلام کے مٹانے کے لئے کھڑے کیے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں تدبیریں بنائیں
چنانچہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ الٹا انہیں پہلی سزا یہ ملی کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل
کیے گئے۔

فائدہ: ان سے قریظہ اور رؤسائے قریش کے اکثر لیڈر جو بدر میں مارے گئے اور ان بدبختوں یعنی مخالفت
کرنے والے یہودیوں کو شہر بدری کی سزا بھی ملی جیسے قبیلۂ نضیر کے لوگ۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" اے ایمان والو اطاعت کرو
اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقائد اور شرائع کلی میں کسی ایک بات میں
بھی ان کی مخالفت نہ کرو "وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ" اور اپنے اعمال باطل نہ کرو ان کافروں کی طرح
کفر و نفاق و ریاء اور من مرضی اور عجب وغیرہ سے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ عجب (خود بینی) نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو ؎

(۱) در ہر عملیکہ عجب رہ یافت
روئش زرہ قبول برتافت

(۲) اے گشتہ بکار خویشتن مغرور
وز درگہ قرب گشتہ مہجور

(۳) تا چند ز عجب و خود نمائی
وز دبدبۂ منی و مائی

(۴) معجب مشو از طریق تلبیس
کز عجب بچہ فتاد ابلیس

ترجمہ ۔ (۱) جس عمل میں عجب نے راہ پایا، اس کا منہ قبول الٰہی سے پھر گیا۔
(۲) اے فلاں تو اپنے عمل پر مغرور ہے، درگاہ حق کے قرب سے تو مہجور ہے۔
(۳) کب تک عجب و خود نمائی میں مبتلا رہے گا، مَیں مَیں کے دبدبہ میں سے کب نجات پائے گا۔
(۴) دھوکہ میں آکر عجب والا نہ ہو، دیکھیے عجب سے ابلیس نے کتنی سزا پائی۔

رد المعتزلہ والخوارج : اس میں خوارج و معتزلہ کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا وہ یہ کہ کبائر کے ارتکاب سے نیکیاں برباد جاتی ہیں یہاں تک کہ ان کے جمہور مولوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ایک کبیرہ کا ارتکاب کرے تو اس کی زندگی بھر کی تمام نیکیاں برباد گئیں مثلاً کسی نے زندگی طاعات الٰہی میں گذار دی لیکن شومیٔ قسمت سے اس نے کسی وقت ایک گھونٹ شراب پی لیا تو اس کی زندگی کی تمام نیکیاں برباد گئیں گویا اس نے اس سے قبل اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہیں کی (معاذ اللہ)۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم اور آپ کی سنت کے خلاف عمل کیا تو وہ باطل ہے اس کا اسے کوئی ثمرہ اور ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس نے اگرچہ وہ کام نیکی سمجھ کر کیا ہے تب بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ اس نے وہ کام اپنی طبیعت پر کیا ہے اور انسانی طبع ظلمانی ہے اور جو حکم شرع پاک نے دیا ہے وہ نورانی ہے تاکہ شرع کے نور سے طبع کی ظلمت مٹ جائے اس لیے شرع کے ہر حکم پر عمل سے ثمر اور ثواب نصیب ہوتا ہے اور ثمر سے مراد یہ ہے کہ اسے ظلمات طبع سے نکال کر نور حق کی طرف لے جائیں گے۔

سبق : اے عزیز طاعت الٰہی و نبوی کو لازم پکڑ اور شرع پاک کے ہر حکم کو بجالا اور مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے حکم رائیگاں سمجھنے سے دور ہو۔

حکایت : حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے تھے کہ وہاں سے

حضرت حبیب عجمی کا گذر ہوا امام حنبل نے فرمایا میں اس سے ایک سوال کروں گا امام شافعی نے فرمایا ان سے سوال نہ کرو یہ لوگ عجیب حال کے مالک ہوتے ہیں (نامعلوم کوئی ایسا جواب دیں جو ہم کو سمجھ نہ آئے) لیکن امام احمد حنبل نے سوال کر دیا کہ حضرت اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جس سے ایک نماز قضاء ہو گئی لیکن اسے یاد بھی نہیں۔ آپ حبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایسے شخص کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہوا اسے ادب سکھانا چاہیئے یہ کہہ کر چلے گئے انہیں سمجھ کچھ نہ آیا۔ حضرت امام شافعی نے امام احمد حنبل سے فرمایا کیا میں نے عرض نہیں کیا تھا کہ یہ لوگ عجیب حال رکھتے ہیں ان سے سوال نہیں کرنا چاہیئے۔

شرعی جواب: اس شخص کو چاہیئے کہ اس دن کی تمام نمازیں قضا کرے جو قضا ہو گی وہ بدل بنے گی باقی نوافل۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اطاعت اور فرمانبرداری کا سوال کرتے ہیں اور اس کی بارگاہ سے محرومی سے پناہ۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" بیشک جنہوں نے اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا "وَصَدُّوْا" اور لوگوں کو روکا "عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" اللہ کے راستہ سے جو اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی تک پہنچانے والا ہے "ثُمَّ مَاتُوْا" پھر وہ مر گئے اور اسی حالت پر دنیا سے جدا ہوئے "وَھُمْ کُفَّارٌ" حالانکہ وہ کافر ہو کر مرے "فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ" تو آخرت میں انہیں اللہ ہرگز نہ بخشے گا کیونکہ وہ کفر پر مرے تو جس حالت میں مرے اسی حالت پر اٹھیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے جیسے مرو گے جیسے زندگی گذارو گے اور ویسے اٹھو گے جیسے مرو گے۔ اور یہ حکم عام ہے کہ جو کفر کی حالت میں مرے گا اس کا یہی حشر ہو گا اگرچہ اس کا نزول خاص لوگوں (یعنی جو بدر میں جہنم کے گڑھے میں گرے یا قوم عاد قدیم) کے حق میں ہوا۔

فائدہ: بئر (کنواں) سے وہ گڑھا مراد ہے جس میں وہ کفار مقتولین بدر پھینکے گئے یا وہ کنواں مراد ہے جس سے بدر کے دن مشرکین نے پانی پیا (آج اس کنوئیں کو دیکھو اس سے بدبو آتی ہے ایسے ہی میں نے بدر کے متعلقین سے سنا ہے جبکہ میں وہاں سے گذرا)[1]۔

"فَلَا تَھِنُوْا" تو سستی نہ کرو۔

---

[1] یہ حضرت صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں ہو گا آج کل تو اس کنواں کا [illegible] ہم جب ۱۹۷۹ء کو زیارتِ گنبدِ خضراء اور حج کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوئے بدر کے واقفین [illegible] بتایا گیا کہ اب تو بدر نام کی کوئی شے نہیں۔ (اویسی غفرلہ)

حل لغات : " الوھن " بمعنی الضعف فاء فصیحیہ ہے یعنی جب تم پر وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے وہ ان کے اعمال ضائع کرتا ہے اسی لیے انہیں ہرگز نہ بخشے گا سو سستی نہ کرو یعنی کمزور نہ ہو کیونکہ جس پر اللہ کا غضب ہو وہ کامیاب نہ ہوگا ۔

" وَتَدْعُوْٓا اِلَی السَّلْمِ " اور نہ بلاؤ صلح کی طرف " فعل مجزوم ہے اس کا عطف تھنوا السلم (بفتح السین وکسرہا) دونوں لغتیں ہیں بمعنی الصلح یعنی کافروں کو صلح کی طرف جلدی نہ بلاؤ کیونکہ اس میں ذلت ہے یعنی ان سے جلدی صلح کی طلب ذلت وخواری اور کمزوری کی نشانی ہے " وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ " حالانکہ تم بلند و بالا ہو ۔

حل لغات : " الاعلون " اعلیٰ کی جمع ہے بمعنی اغلب ۔ یہ دراصل الاعلون تھا صرفیوں کے نزدیک فتح وضمہ کا اجتماع مکروہ ہے یعنی الاعلون بمعنی اغلبون ۔

فائدہ: کلبی نے فرمایا کہ انجام بکار غلبہ تمہارے لیے ہے اگرچہ بعض اوقات میں وہ غلبہ بھی پا جائیں اور یہ جملہ حالیہ ہے نہی کے لئے مقررہ ہے اور وجوب الانتہاء وجوب کے لئے مؤکدہ ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا قول " وَاللّٰهُ مَعَكُمْ " اور اللہ تمہارے ساتھ ہے کیونکہ ایمان والے اغلب ہیں اس لیے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کا مددگار ہے یعنی یہی اللہ تعالیٰ کی مدد ان امور سے اجتناب کی بہت بڑی قوت ہے جو ذلت وخواری کا سبب ہیں ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ان اہل اسلام کو ان کے اعمال کے مکمل اجر وثواب عطا فرمانا " وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ " اور اللہ تمہارے اعمال ضائع کرتا ہے ۔

حل لغات : " الوتر " بمعنی کم کرنا اور ضائع کرنا یعنی ہرگز ضائع نہیں کرے گا ۔ وترت الرجل بمعنی قتلت یعنی میں نے ایسے قتیل کو قتل کیا کہ اب نہ اس کی اولاد ہو نہ بھائی ہو اور نہ کوئی قریبی قرابت والا ہو اور اسے میں نے اکیلے قتل کیا الوتر سے ہے بمعنی الولد

القاموس میں ہے " وتر الرجل " بمعنی افزعہ " اسے ڈرایا " وادرکہ " اور اس نے پالیا مکروہ (ناگوار امر) کو و وترہ مالہ بمعنی نقصہ ایاہ یعنی اسے اس کے مال کو نقصان کیا ۔

نکتہ : ترک اثابت (ثواب نہ دینے) کو اعمال کے مقابلہ میں وتر سے تعبیر اس لیے کیا کہ وتر بمعنی معتدبہ شے چھین لینا یعنی انفس واموال ضائع کر دینا علاوہ ازیں اعمال بھی ثواب موجب نہیں جیسا کہ اہلسنت کا قاعدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے بخشے گا جس کا ظہور ان اعمال کے ثواب کی صورت میں ہوگا اس کے لئے جو اس کے لطف وکرم کا مستحق ہوگا ترک اثابت کو بمنزلہ اضاعت اعظم حقوق کے اور انہیں تباہ وبرباد کرنے کے ہے ۔

حدیث قدسی ۱ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انما ھی اعمالکم ثم اؤدیکم ایاھا" تمہارے اعمال میرے ہاں محفوظ ہیں وہ تمہیں ادا کروں گا۔

فائدہ: ھی قصہ کی ضمیر ہے یعنی تمہارے اعمال کی جزاء میرے ہاں محفوظ ہے وہ تمہیں کامل اور پوری ادا کروں گا۔

حدیث قدسی ۲ : حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام فرمایا ہے اور وہ بندوں پر حرام کیا ہے اس لیے اے میرے بندو ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ ظلم سے منزہ ہے اور جزائے اعمال کم کرنے سے منزہ ہے تو بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنی خیر مانگے بلکہ اسے چاہیئے اس سے عمل کی جزاء نہ مانگے کیونکہ وہ اکرم الاکرمین ہے وہ مطلوب سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ۔ تو عبادت گداگروں کی طرح اجر کی شرط پر نہ کر کیونکہ وہ کریم بندہ پروری کی روش خوب جانتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) عاشقانرا شادمانی وغم اوست
دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

(۲) غیر معشوق ار تماشائی بود
عشق نبود ہرزہ سودائی بود

(۳) عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ترجمہ۔ (۱) عشاق خوشی وغم اسی کا ہے، انہیں اسی کی خدمت کی اجرت و مزدوری چاہیئے۔ (۲) معشوق کے سوا باقی سب تماشا ہے اگر غیر معشوق میں مبتلا ہے تو وہ عشق نہیں مذاق ہے۔ (۳) عشق وہ شعلہ ہے کہ جب اٹھتا ہے تو سوائے معشوق کے سب کچھ جلا دیتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ اگر مسلمانوں میں قوت و طاقت ہے تو ان پر لازم ہے کہ وہ کافروں کی طرف صلح کا ہاتھ نہ بڑھائیں کیونکہ اس طرح سے ترک جہاد لازم آئے گا اگر ان میں طاقت نہیں تو صلح کرنے میں حرج نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "و ان جنحوا للسلم فاجنح لھا" (اگر وہ صلح کے پر بچھائیں تو تم بھی صلح کے پر بچھادو) یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہیں تو ان سے صلح کر لو (اسی طرح تفسیر مذکور کے علاوہ دوسری تفاسیر میں بھی ہے)

مسئلہ: اس میں مسلمانوں کو کافروں سے صلح سے منع کیا گیا ہے اور مفسرین نے کہا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے صلح کر کے مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ (حدیبیہ سے واپس لوٹ گئے) ایسے ہی حدادی نے اپنی تفسیر سورۃ النساء میں فرمایا کہ کافروں سے صلح اور لچک جائز نہیں اور نہ ہی ان کو جزیہ کے بغیر کفر پر چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب مسلمانوں میں ان سے غلبہ پا جانے قوت و طاقت ہو۔ اگر وہ ان کے مقابلہ سے عاجز اور اپنے نفوس و اولاد پر ان سے خطرہ ہے تو صلح کر لینا اور جزیہ لینے کے بغیر ان کا مقابلہ نہ کرنا جائز ہے اس لیے ترک جہاد سبب قوت کے نہ ہونا ہے لیکن جب وہ سبب نہ رہا تو جہاد کا وجوب بھی اٹھ گیا جب سبب ہٹ جائے یعنی عجز نہ رہے تو ان سے صلح کا حکم بھی نہ رہے گا۔

فائدہ: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مکہ معظمہ غلبہ سے فتح ہوا نہ کہ صلح سے اگر صلح سے فتح ہوتا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جو بھی دار ابو سفیان میں داخل ہوگا اسے امن ہے الخ

"اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا" بیشک اہل بصیرت کے نزدیک حیات دنیا ہے "لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ" کھیل تماشہ۔ باطل اور دھوکہ اس کا نہ اعتبار ہے اور نہ اسے ثبات ہے سوائے چند (تھوڑے) لوگوں کے یعنی یہ دنیا کھیل تماشہ کا گھر ہے اور ناپائیدار ہے اس میں مشغول ہونا بیکار و بے اعتبار ہے۔

حدیث شریف میں ہے "اللہ تعالیٰ نے فرشتہ پیدا فرمایا ہے جس نے دنیا پیدا کرنے پر شروع کیا لَآ اِلٰہَ قیامت قائم ہوگی جب اِلَّا اللّٰہُ کہے گا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ دنیا از اول تا آخر اور خورد و نوش اور جو کچھ اندر ہے در حقیقت اس کا کوئی وجود نہیں یہ ایک عارضی امر ہے جو زائل ہو جائے گا بس وہی اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے۔

تفسیر عالمانہ: "وَإِن تُؤْمِنُوا" اور اے لوگو ایمان لاؤ اس پر جس پر ایمان لانا واجب ہے "وَتَتَّقُوا" اور بچو کفر و معاصی سے "يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ" دے گا تمہیں اجر" یعنی تمہارے ایمان و تقویٰ کا اجر دے گا ان باقیات صالحات سے جن میں للچانے والے للچاتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں آخرت کے بلند اور باقی مراتب کی طلب پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور دنیا کمینی فانی سے نفرت دلائی گئی ہے۔

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست بعد از تو ہم

ترجمہ۔ ملک و جاہ و حشم پر تکیہ نہ کر، اس لیے تجھ سے پہلے بہت لوگ گذرے ہیں تیرے بعد بھی بہت سے لوگ آنے والے ہیں۔

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری
بخر جان من ورنہ حسرت خوری

ترجمہ۔ دنیا سے آخرت خریدی جا سکتی ہے، پیارے اسے جلد خرید لے ورنہ افسوس کھائے گا۔

"وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ" اور تمہارے سے مال نہیں مانگتا" جمع کی اضافت صیغۂ عموم سے ہے اس سے تمام مال مراد ہے کہ جس سے تمہاری معاش میں خلل واقع ہو جائے اور اس سے مقصود بہت تھوڑا مال ہے وہ چالیسواں (زکوٰۃ) اور دسواں (عشر) جسے تم نے فقراء کو ادا کرنا ہوگا اور اس سے تمہارا جی بھی خوش ہوگا "إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ" اگر تمہارے سے مال مانگے تو تمہارے کل مال کی طلب سے تمہیں مشقت میں ڈالے گا یعنی اگر فرما دے کہ تم اپنا سارا مال راہ خدا میں لٹا دو تو تمہیں دکھ ہوگا۔

حل لغات: الاحفاء والالحاف میں مبالغہ ہے اور شے کی انتہا تک پہنچنے کا معنیٰ دیتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "احفی شاربه ای دستاصله ای قطعه من اصله" یعنی اس نے مونچھیں جڑ سے کاٹ دیں۔

"تَبْخَلُوا" ان سے تم بخل کرتے اور مال راہ خدا میں نہ دیتے "وَيُخْرِجْ" یعنی اور اللہ نکالے (ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے) اس کی تائید اس قراۃ سے ہوتی ہے جس میں نون متکلم سے پڑھا گیا

ہے یا یہ ضمیر بخل کی طرف راجع ہے اس لیے بخل ہی اضغان (کینے) کا سبب ہے "اَضْغَانَكُمْ" تمہارے کینے اور اس کی تفسیر اسی سورۃ میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے مال روکنے پر تمہارے کینے ظاہر کرے اور قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم تھا کہ ابن آدم مقابلہ کرے گا اس کے ساتھ جو اس کا مال لے گا۔

فائدہ: اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے مال کی محبت نکالے گا۔ یہ اس شخص کا مرتبہ ہے جو اپنے نفس کو بخل سے بچائے رکھے اور وہ حضرات جو کونین کی گرد و غبار سے پاک اور طلب حق میں ان کا مرتبہ بلند ہے تو وہ مال کا ایک قطرہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنی روح خرچ کرنے کو تیار کر دیتے ہیں اور وہ خرچ و اخراج پر التزام رکھتے تھے اور مکاتب (عبد) وہ ہے جو اس کے پاس ایک درم باقی نہ رہے

"هَا" تنبیہ کے لئے ہے بمعنی آگاہ ہو جاؤ اور کان دھرو "اَنْتُمْ" یہ علیحدہ کلمہ ہے اور مبتداء ہے اس کی خبر "تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" خبردار تم وہ ہو جو بلائے جاتے ہو تاکہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ جملہ مستانفہ ہے پچھلے مضمون کے لئے مقررہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ انہیں بعض اموال کے خرچ کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور یہ خطاب انہیں ہے جو پچھلے مضمون (ان یسئلکموھا) سے موصوف ہیں جب یہ دعوت عام ہوئی تو ان کے بعض نے بخل کیا یا یہ جملہ ھٰؤلاء کا صلہ ہے بمعنی الذین اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے وہ لوگو جو بلائے جاتے ہو اس میں بہت بڑی توبیخ اور ان کے حال کی تحقیر ہے۔

مسئلہ: انفاق عام مراد ہے خواہ جنگ میں یا ادائیگی زکوٰۃ وغیرہما (اس میں ایصال ثواب کی خیرات اور اعراس بزرگان وغیرہ بھی شامل ہے) "فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ" (تو تمہارے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں) مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مَنْ شرطیہ نہیں یعنی یہ لوگ وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ یہ شرطیہ ثانیہ پر دلیل کے حیز میں ہے گویا اس پر دلیل ہی ہے کہ تم ادائے زکوٰۃ چالیسویں حصے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تمہارے بعض وہ ہیں جو اس سے بخل کرتے ہیں (زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) "وَمَنْ يَّبْخَلْ" (اور وہ جو بخل کرتا ہے) یہ مجزوم ہے کیونکہ یہ مَنْ شرطیہ ہے "فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ" تو بیشک وہ بخل کرتا ہے اپنی ذات سے کیونکہ انفاق کا نفع اور امساک (نہ خرچ کرنے) کا نقصان اس کا خود اپنا ہے۔

حل لغات: بخل کا صلہ من و عن ہر دونوں آتے ہیں کیونکہ یہ تعدی امساک کے معنیٰ کو متضمن ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ خیر و بھلائی کو بخل کر کے اپنی ذات سے اس کے فوائد روک رہا ہے۔

"وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ" اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تم سے اور تمہارے اموال سے بخلاف اس کے ماسوا کے کہ

وہ کسی نہ کسی معاملہ میں ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں "وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ" اور تم فقراء اس کے اور اس خیر و بھلائی کے جو اس کے ہاں ہے تو جس کا وہ تمہیں حکم فرماتا ہے وہ اسی لیے ہے کہ تم اس کے فوائد کے محتاج ہو اگر تم حکم مانو اس میں تمہارا فائدہ ہے اگر روگردانی کرو تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔

ملفوظ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ: آپ نے فرمایا فقر عبودیت کے اور غنا الوہیت کے لائق ہے۔ فقیر فقیری (ولایت) فقر کو مستلزم ہے بھی یہاں پر ایک فقر سے غنا نام مراد ہے۔

تلقین ابن مشیش قدس سرہ: آپ نے ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کو فرمایا کہ اگر تو اسے فقر سے ملے تو بھی اسے صنم اعظم کے ساتھ ملا۔ فقر نام یہ ہے کہ اس کے غیر سے عام سے مستغنی ہو جاؤ تب تم غنی کے صفت سے موصوف ہو گے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی لذاتہ بذاتہ ہے اس کے غنا سے ایک یہ ہے کہ اپنی قدرت سے اپنی مراد پر احکام جاری کرتا ہے اور اپنے تمام ماسوا سے مستغنی ہے اور ہم سب ابتداء میں اس کے محتاج ہیں تاکہ وہ ہمیں پیدا کرے اور وسط میں تاکہ ہماری تربیت کرے اور انتہاء میں تاکہ ہمیں اپنی انانیت سے بے پروا کر کے اپنی ہویت میں بقا بخشے اور وہ ہم سب سے از ازل تا ابد مستغنی ہیں اور ہم سب فقراء اور از ازل تا ابد اس کے محتاج ہیں ؎

مر او را رسد کبریا منی
کہ ملکش قدیمیست و ذاتش غنی

ترجمہ۔ اسی کو لائق ہے کبریائی اور میں ہونا کہ اس کا ملک قدیم اور اس کی ذات غنی ہے۔

نکتہ: چونکہ وہ خود غنی و جواد ہے بندوں کے لئے بھی چاہتا ہے کہ وہ بھی اس کی صفات سے موصوف ہوں اس لیے انہیں بذل و انفاق کا حکم فرمایا کیونکہ سخاوت بہشت اور رضائے الٰہی و قربت حق کی طرف لے جاتی ہے۔

رسول غیب دان کی غیب دانی پر کافر مسلمان ہو گیا: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ روم کے سفر سے واپس لوٹے اور چند قیدی پکڑ کر بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام پیش کیا انہوں نے اسلام قبول نہ کیا ان کے اسلام کے انکار پر ان کی گردن زنی کا حکم صادر فرمایا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو قتل کرانا شروع کیا آخر میں ایک نوجوان

کی باری آئی جسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اسے قتل نہ کرو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور! یہ تمام کافروں میں شدید ترین کافر ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابھی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نوجوان کو قتل نہ کرو کہ یہ ان سب میں بہت بڑا جوانمرد (سخی) ہے اور جوانمرد (سخی) کو قتل کرنا اچھا نہیں۔ جب اس نوجوان نے دیکھا کہ اسے چھوڑ دیا گیا تو اس نے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ مجھے کیوں قتل نہیں کیا گیا۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں وحی آئی ہے کہ یہ شخص اگرچہ کافر ہے لیکن جوانمرد (سخی) ہے اور سخیوں کو ہم قتل نہیں کرتے اور قیامت میں جوانمرد (سخی) مومن سے حساب وکتاب بھی نہ ہوگا وہ شخص کہنے لگا اب مجھے معلوم ہوا کہ دین اسلام حق ہے کیونکہ میری جوانمردی (سخاوت) کا کسی کو میرے سوا علم نہیں فلہذا مجھے یقین ہے آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے اس لیے میں پڑھتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس نوجوان نے خلعتِ ایمان جوانمردی (سخاوت) کی برکت سے حاصل کی ہے۔

جوانمرد اگر راست خواہی ولیست
کرم پیشۂ شاہ مردان علیست

ترجمہ۔ جوانمرد (سخی) اگر سچ پوچھتے ہو تو ولی اللہ ہے اس لیے کہ سخاوت اور احسان و مروت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پیشہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: "وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا" اور اگر تم روگردانی کرو گے) اس کا عطف "اِنْ تُؤْمِنُوْا" پر ہے یعنی اگر تم ایمان و تقوٰی اور دعوت اسلامی اور انفاق فی سبیل اللہ کی رغبت سے روگردانی کرو گے "یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ" تو تمہارے بدلے اللہ تعالیٰ سوا اور قوم لائیگا یعنی تمہیں دنیا سے اٹھالے اور تمہارے بجائے اور دوسرے لوگوں کو پیدا کرے "ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ" اور وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔ ایمان و تقوٰی و انفاق سے روگردانی میں تمہارے جیسے نہ ہوں گے بلکہ وہ ان امور میں رغبت کرنے والے ہوں گے۔

فائدہ: یہاں پر کلمۂ ثم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخاطب ایسی بات کا ہونا بعید از قیاس سمجھتا ہے کیونکہ جب لوگ احوال میں اور طبعی طور مال کی طرف میلان میں ایک دوسرے سے مشترک ہیں تو پھر وہ ہمارے ان عادات کے برعکس وہ کیسے ہوں گے۔

فائدہ: تتولوا کا خطاب قریش مکہ کو ہے اور بالبدل انصار بھی اس میں شامل ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے

اس ارشادِ گرامی **فان یکفر بھا فقد وکلنا بھا قوماً لیسوا بھا بکافرین** (اگر ان سے کفر کیا جائے گا تو ان کے لئے اور ایسی قوم بھیجیں گے جو ان سے کفر نہ کریں گے) کی طرح ہے یا یہ خطاب عرب کو ہے اور بالبدل اس میں عجم بھی شامل ہے ایسے ہی **اہلِ فارس بھی۔**

اہلِ فارس کی فضیلت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آیت مذا میں لفظ قوم کے بارے میں سوال ہوا کہ وہ کون لوگ ہوں گے اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے قریب تشریف فرما تھے آپ نے ان کی ران اقدس پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کی قوم مراد ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے اگر ایمان ثریا (کہکشاں) سے لٹکا ہوا ہو تو اسے فارس کے لوگ حاصل کریں گے۔

فائدہ: ثریا نجم معروف ہے یعنی کہکشاں، اس سے ثابت ہوا کہ اس سے وہ اہلِ فارس مراد ہیں جو مسلمان ہیں اور اس میں اس قبیلہ کی فضیلت کا بیان ہے۔

حدیث شریف ۲: میں ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی دو بہترین مخلوق ہیں:— (۱) قریش عرب میں اور (۲) فارس عجم (کشف الاسرار)

حدیث شریف ۳: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھ کر فرماتے تمہیں مبارک ہو اے بنو فروخ یعنی اے فارس والو (نباب)

فائدہ: بنو فروخ سے اہلِ فارس مراد ہیں اور القاموس میں ہے کہ "**الفروخ ہمچو التنور اخو اسمٰعیل واسحاق وابو العجم** جو کہ وسط البلاد میں ہیں۔

خواجگان جیسے شیخ سعدی وغیرہ قدس سرہ: اس میں اس قوم کی منقبت ہے جنہیں خواجہ وغیرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جو اہلِ فارس میں اکابر و ائمہ مشائخ میں سے اولیاء اللہ ہیں اور وہ فارس میں بے شمار ہیں۔ انہی میں ایک حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہٗ وغیرہ ہیں

شیخ سعدی قدس سرہ کا اعجوبہ: آپ کو اپنے ملک کا قطب بنایا گیا لیکن آپ نے فجر سے ظہر تک اس خلعت کو نبھا کر اسے ترک کر دیا (**الواقعات المحمودیہ**)

فائدہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تبدیلی کفار کے بجائے ہوتی یعنی کافروں کے بجائے اور لائے جائیں گے تو وہ مومن ہوں گے۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ اگر سارے کے سارے بھی کافر ہو جائیں اور ایمان سے روگردانی کر لیں تو بھی کوئی فرق نہ آئے گا اللہ تعالیٰ قادر ہے ان کے

بجائے اور رلاسکتا ہے چنانچہ فرمایا" ولولا ان یکون الناس امة واحدة" (اور کیوں نہیں کہ ہوں لوگ ایک ہی گروہ)

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بسا اعبودیت کی حقیقت پر صرف اہل سعادت کو ہی استقرار ہے اور بس کیا نہیں دیکھتے ہو اللہ کیا فرماتا ہے و ان تتولوا الخ اور آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو ملول پیدا کیا گیا اور حق تعالیٰ کی طلب میں غیر ثابت ہے ان کے بعض کا خاصہ ہے کہ وہ طلب حق میں حسن استعداد روحانی کی وجہ سے بڑی جد وجہد کرتے ہیں اور اثنائے سلوک میں مجاہدہ نفس اور مخالفت خواہشات میں خوب ہوتے ہیں کہ پیاسے (روزے سے) گذار رہے ہیں ۔ اور شب بیدار رہتے ہیں یہاں تک کہ مکائد شیطان سے اور طلب رحمت میں نفس کو اپنے تابع کر لیتے ہیں ۔ طلب حق سے وہ روگردانی کر کے رسوا ہو جانے اور کفران نعمت میں مبتلا ہو جانے اگر ان کا جذبۂ عنایت وحسن رعایت معاونت نہ فرماتی (یہ خاصانِ خدا ہیں) اگر یہ لوگ طلب حق میں صداقت نہ کریں تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اور ایسی قوم لائے جو طلب میں صادق اور قدم عبودیت میں ثابت ہو اور انہیں جذبات العنایت اپنے دامن میں لے لے اور ہدایت کی توفیق دیئے جائیں یہی رغبتِ شدید اور خوفِ خداوندی سے بھرپور ہوں اور اعراض بعد اقبال اور انکار اور ترک شکر وثناء میں تمہارے جیسے نہ ہوں بلکہ وہ تم سے جمیع احوال میں درجہا بہتر ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ جیسے چاہے پیدا کر سکتا ہے اور عظیم حکمت کا مالک ہے وہی کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے ۔ (تاویلات نجمیہ)

سورۃ الفتح

بلاخلاف مدنیہ ہے اور اس کی ۲۹ آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شانِ نزول عام | حدیبیہ میں مکہ مکرمہ سے واپسی پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ علامہ زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورۃ الفتح از اوّل تا آخر حدیبیہ کے متعلق ہے مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی اور بقاعی مرحوم نے فرمایا کہ یہ سورۃ ضجنان (بفتح الضاد والمعجمہ والجیم والنونین) میں نازل ہوئی اور القاموس میں ہے کہ ضجنان ہمچون سکران مکہ مکرمہ کے قریب ایک پہاڑ ہے اور انسان العیون میں ہے کہ یہ سورۃ کراعیہ الفهیم میں نازل ہوئی اور یہ جگہ عسفان سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور عسفان ہمچون عثمان مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ دور ایک جگہ ہے۔

سوال - جب یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہی نہیں ہوئی تو پھر اس کا مدنیہ نام کیسا؟

جواب - مفسرین کی اصطلاح میں مدنیہ وہ سورۃ ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی خواہ کہیں بھی ہو اور مکیہ وہ ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہو[1]۔

---

[1] حواشی سعد المفتی ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَ
يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا
عَزِيْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ
اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّيُدْخِلَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿۵﴾ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾ وَلِلّٰهِ
جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ
تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ
اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ
فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا
بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے
تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی
راہ دکھادے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں
میں اطمینان اتارا تاکہ انہیں یقین پر یقین بڑھے اور اللہ ہی کی ملک ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین
کے اور اللہ علم و حکمت والا ہے تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں
میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے
اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک
مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ پر گمان رکھتے ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ نے ان پر
غضب فرمایا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار فرمایا اور وہ کیا ہی برا انجام ہے

اور اللہ ہی کی ملک ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اور اللہ عزت و حکمت والا ہے بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنانا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے برے کو عہد توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔"

تفسیر عالمانہ: "اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ" فتح البلد سے مراد ہے اس پر غالب آکر یا صلح سے فتحیاب ہونا اور صلح بھی جنگ سے ہو یا بغیر جنگ کے کیونکہ جبتک اس پر فتح نہ ہو تو وہ گویا منغلق (بند) ہوتا ہے۔ یہ فتح باب الدار سے ہے، دار کا دروازہ کھلنا اور علین المعانی میں ہے الفتح وہ کشادگی جو غم کو دور کرنے والی ہو اس لیے کہ جب تک مطلوب حاصل نہ ہو وہ ایسے ہے جیسے کوئی شے بند پڑی ہو جب حاصل ہو جائے تو ایسے ہو گیا جیسے وہ کھل گیا ہے اور المفردات میں ہے کہ الفتح بمعنے ازالۃ الاغلاق والاشکال اور وہ دو قسم ہے:۔

(۱) آنکھ سے اس کا ادراک ہو سکے جیسے فتح الباب والغلق والغفل المتاع اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولما فتحوا متاعھم" اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا۔"

(۲) بصیرت سے اس کا ادراک ہو جیسے فتح الغم یعنی غم کو ہٹانا یہ دو قسم ہے:۔

(۱) امور دنیویہ میں جیسے کہا جاتا ہے "غمہ وفقر یزال باعطاء المال ونحو" اس کا غم ٹل جاتا ہے اور مال وغیرہ سے اس کا فقر ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) علمی مغلقات کا واضح ہونا مثلاً کہتے ہیں "فلاں فتح من العلم بابا مغلقا" فلاں نے علم کا مشکل باب کھولا یعنی اسے حل کیا۔

سوال۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جمع متکلم کا صیغہ کیوں فرمایا؟

جواب۔ بندوں کے جملہ افعال ایجاداً و تعلقاً اسی کی طرف منسوب ہیں اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا۔

فائدہ: اس سے فتح مکہ مراد ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی گئی۔

سوال۔ اسے ماضی سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ واقعہ تو نزول سے بعد کو ہوا۔

جواب - یہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ جن امور کا تحقق یقینی ہو اسے ماضی سے تعبیر کرتا ہے تاکہ خوشخبری میں تاکید مزید ہو یہی راز ہے حرف قد تحقیقیہ لانے میں - نیز اس میں مخبر کی دی ہوئی خبر کی عظمت شان بعینہ یہی فعل ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے اور خوشخبری بھی صرف اسی فعل کی دی جا رہی ہے اور بس تاکہ معلوم ہو کہ خوشخبری برائے فتح اللہ سبحانہ سے صادر ہوئی ہے یہ مفتوح کی خصوصیت سے نہیں -

فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انا فتحنا سے فتح مکہ مراد لی گئی ہے بلکہ یوں کہو اس سے وہ علوم والہدایات جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفتوح ہوئے وہی مراد ہیں کیونکہ یہی ثواب اور مقام محمود کا ذریعہ ہیں جو غفران الذنوب کا سبب بنے ہیں (اس کے علاوہ اور امور بھی ہم آگے چل کر عرض کریں گے) "فَتْحًا مُّبِيْنًا" ایسی فتح جو بالکل واضح اور مکشوف الحال ہے یا حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی - بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ صلح مراد ہے جو آپ نے کفار قریش سے غزوہ حدیبیہ میں فرمائی -

تحقیق الحدیبیہ: حدیبیہ بروزن دُوَیہیَہ اسے مشدد بھی پڑھا جاتا ہے - یہ ایک کنواں تھا مکہ (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے) کے قریب میں یا کہ وہ پیڑ جو اس وقت وہاں موجود تھا (قاموس) اس کے نام یا اس کے سبب سے اس جگہ کا نام پڑ گیا -

صلح حدیبیہ کی خواب: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھی کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت حلق کرا کر یا قصر سے یعنی بعض ان کے حلق، سر منڈوا کر اور بعض کتروا کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں اور آپ نے داخل ہو کر کعبہ پاک کی چابی لی اور خود اور صحابہ کرام نے طواف اور عمرہ کیا - اس خواب کی آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے - اس کے بعد آپ نے مکہ معظمہ جانے کے ارادہ سے صحابہ کرام کو خوشخبری سنائی کہ ہم عمرہ کے لئے جائیں گے سب نے سفر کی تیار کر لی آپ گھر سے غسل فرما کر دو کپڑے احرام کے پہن کر قصویٰ (اونٹنی) پر سوار ہوئے آپ کے ساتھ ایک ہزار چار سو صحابہ تیار ہو گئے یہی صحیح ہے لیکن دیہاتی لوگ قریش کے خطرہ سے مکہ معظمہ جانے سے رک گئے - آپ نے ستر اونٹ قربانی کے لئے ساتھ لیے آپ مدینہ طیبہ سے یکم ذیقعد ۶ سنہ ھجری بروز پیر روانہ ہوئے جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے یہی اہل مدینہ کا میقات ہے یہاں کی مسجد میں دوگانہ پڑھ کر احرام کی نیت فرمائی آپ کے ساتھ اکثر صحابہ نے احرام کی نیت کر لی بعض نے جحفہ میں جا کر احرام کی نیت کی یہ اہل شام کا میقات ہے -

سوال ۔ آپ یہاں سے احرام باندھ کر کیوں چلے ؟

جواب ۔ تاکہ کفار مکہ اور اس کے گرد و نواح کو معلوم ہو کہ آپ جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کی نیت سے تشریف لا رہے ہیں ۔

معجزہ چشمے لہرائے دریا بہے : راستہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں پانی ختم ہو گیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرما رہے تھے تو صحابہ جمع ہو گئے آپ نے فرمایا کیا ہے! عرض کی پانی نہیں تاکہ ہم وضوء کریں اور پیاس بجھائیں ۔ آپ نے پیالے میں ہاتھ رکھا تو وہ چشمۂ آب کی طرح ابلنے لگا (ہر انگلی مبارک سے علیحدہ علیحدہ چشمۂ آب جاری ہو گیا ۔ صحابہ کرام نے وضو کیا اور پیاس بجھائی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ہم اس وقت لاکھ ہوتے تب بھی کفایت کر جاتا ۔

معجزۂ محمدی و معجزۂ موسوی : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پتھر سے پانی نکلنے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں پاک سے پانی نکلنا عجیب تر ہے اس لیے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا معہود و معروف ہے بخلاف گوشت و پوست کے کہ اس سے پانی کا نکلنا نرالا ہے ۔

ازالۂ وہم وہابیہ[1] : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیالہ میں ہاتھ ڈالے بغیر پانی نکال سکتے تھے لیکن نہیں کیا

تأدبًا مع اللّٰہ لانہ المنفرد بابداع	اللہ تعالیٰ کے ادب سے کہ صرف وہی ہے جو اصل
المعدومات من غیر اصل	(مادہ) کے بغیر معدومات وجود بخشتا ہے ۔

جاسوسِ نبوی : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بشر بن سفیان کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ وہ اہل مکہ کے حالات سے آگاہی حاصل کریں کہ وہ ہمارے آنے سے کیا تأثر

---

[1] جب ہم اہلسنت یہ روایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار باذن اللہ میں پیش کرتے ہیں تو وہابیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہوتا تو آپ پیالہ میں ہاتھ ڈالے بغیر ہی پانی کے چشمے بہا دیتے تو اس کا جواب صاحب روح البیان نے صدیوں پہلے لکھ دیا کہ آپ باختیار ایزدی یونہی کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب فرمایا لیکن وہابی کیا جانیں کہ ادب کیا ہے اور پیالہ میں ہاتھ رکھنا تو دیکھا لیکن یہ نہ دیکھا کہ انگلیوں مبارکہ سے پانی کے چشمے بہا دیئے ۔ سچ ہے الوہابیۃ قوم لایعقلون ۱۲

(اویسی غفرلہ)

لے رہے ہیں حضرت بشر بن سفیان نے حالات کا جائزہ لے کر بارگاہ رسول میں مقام عسفان میں واپس حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ جب سے کفار مکہ نے آپ کی تشریف آوری کا سنا ہے وہ تو بپھر گئے ہیں اور ادنی لباس پہن لیا ہے۔ یہ ان کی آپ سے اظہار کینۂ وعداوت کی علامت ہے اور انہوں نے مکہ معظمہ کے گردو نواح میں آپ کے خلاف خوب زہر پھیلایا ہے اور عرب کے بڑے بڑے قبائل کو آپ کے خلاف متنفر اور خوب ابھارا ہوا ہے اور ان قبائل نے سامان اور عورتوں اور بچوں کو یکجا جمع کر رکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ بھاگنے والے نہیں بلکہ جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں اب وہ وادیٔ ذی طوی میں ہیں۔

فائدہ: طوی طاء کی ہر تینوں حرکتوں سے اور منصرف ہے (القاموس) اور عزم بالجزم رکھتے ہیں کہ وہ آپ کو ہمیشہ ہمیشہ تک مکہ معظمہ میں غلبہ کے طور داخل نہیں ہونے دیں گے۔

صحابہ کرام کی جان نثاری کا پروگرام: حضرت بشر بن سفیان کی تقریر سُن کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ نے اعلان فرمایا کہ مسلمانو! مکہ معظمہ میں داخلے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اگر کوئی ہمیں کعبہ معظمہ کی حاضری سے روکے تو کیا تم جنگ لڑو گے یا پیٹھ پھیرو گے؟ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی

یا رسول اللہ لانقول لک کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ علیہ السلام اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون ولکن اذھب انت وربک فقاتلا انا ھکما مقاتلون۔

"یا رسول اللہ ہم آپ کو بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے جیسے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تم جاؤ اور تمہارا خدا جاؤ لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم عرض کرتے ہیں آپ اور آپ کا خدا جنگ لڑے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

حدیبیہ کی طرف کوچ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام کی جان نثاری کا بیان سن کر مکہ معظمہ کی طرف چلنے کا حکم صادر فرمایا کہ چلو اللہ کا نام لے کر لیکن یہ بتاؤ تمہارے میں کوئی ایسا ہے جو ہمیں صحیح راستہ کی رہبری کرے کہ کافروں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ سے مکہ معظمہ آسانی سے پہنچ سکیں ایک صحابی اسلم قبیلہ کا ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کی یہ خدمت میں ہی سر انجام دوں گا چنانچہ وہ ایک راستے سے لے چلا جو نہایت پُرسکون اور آرام دہ تھا چلتے چلتے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ راستہ لو جس سے ہم حدیبیہ میں پہنچ جائیں چنانچہ وہی راستہ اختیار کیا گیا اور نہایت ہی سکون و آرام کے ساتھ حدیبیہ میں پہنچ گئے۔

معجزہ کنوئیں میں چشمۂ آب لگا دیا: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام حدیبیہ

یں پہنچے تو کنوئیں سے پانی کی ضرورت پوری کرتے رہے لیکن کنوئیں کا پانی ختم ہوگیا ادھر گرمی سخت ستا رہی تھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صحابہ نے پانی کی شکایت کی تو آپ نے اپنا تیر مبارک کمان سے نکال کر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرما کر ارشاد فرمایا کر اسے کنوئیں کے درمیان میں گاڑ دیں یا آپ نے اس میں کلی فرمائی پھر کیا ہوا کہ کنواں پانی سے بھر گیا اور آج تک اس کا پانی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا (یہ صدیوں کی بات ہے آج نجدیوں کی نحوست سے نہ وہ کنواں رہا نہ پانی فالی اللہ المشتکی۔ اویسی غفرلہ)
تفاسیر میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوب پانی حاصل کیا اور جانوروں کو خوب سیر کرایا۔

فائدہ: انسان العیون میں ہے کہ جب حضرت براء بن عازب نے کنوئیں سے تیر نکال لیا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام نے وہاں سے کوچ کیا تو کنواں خشک ہوگیا۔[1]

کفارِ مکہ سے گفتگو کا آغاز: جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر سکون فرمایا تو آپ کی خدمت میں بدیل بن ورقاء حاضر ہوا اور یہ اپنی برادری کا سردار تھا عرض کی آپ کس لیے تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ کعبہ معظمہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں بدیل بن ورقاء نے واپس جاکر تمام کیفیت کفارِ مکہ کو بتائی وہ نہ مانے حلیس بن علقمہ کو بھیجا یہ احابیش (قبیلہ) کا سردار تھا اس سے بھی وہی گفتگو ہوئی اس نے واپس جاکر حال سنایا اس کی بات پر بھی اعتماد نہ کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آدابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: کفارِ مکہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا یہ طائف کا رئیسِ اعظم اور بہت بڑا دولت مند تھا جب عروہ واپس لوٹا تو اس نے کفارِ مکہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آدابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یوں نقشہ کھینچا:-

لا یغسل یدیہ الا ابتدروا وضوءہ ای کادوا یقتلون علیہ ولا یبصق بصاقا الا ابتدروہ ای یدلک ومن وقع فی یدہ و وجھہ وجلدہ ولا یسقط من شعرہ شئ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وضوء کے دھوون کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر گر پڑتے ہیں آپ تھوکتے ہیں تو فوراً اٹھا کر اپنے ہاتھوں چہروں اور جسموں پر (تبرک کے طور) ملتے

---

[1] واللہ اعلم ممکن ہے ایسے ہی ہو کیونکہ جس مقصد کے لئے چشمہ بہایا گیا جب مقصد پورا ہوگیا پھر اسی طرح ہوگیا ہو جیسے پہلے تھا ۱۲۔ اویسی غفرلہ

الا اخذ وہ و اذا تکلم خفضوا اصواتہم عندہ ولا یحدون النظر الیہ تعظیما لہ[1] ہیں ان کا بال گرتا ہے تو اسے محفوظ کر لیتے ہیں آپ جب بولتے ہیں تو سب پر سناٹا چھا جاتا ہے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے یہ ان کی تعظیم رسول کی بنا پر ہے۔"

عروہ کی رپورٹ اور قبول اسلام: عروہ ثقفی نے کفار مکہ کے ہاں واپس جا کر کہا کہ "یا معشر قریش انی جئت کسری فی ملکہ وقیصر فی ملکہ والنجاشی فی واللہ ما رأیت ملکاً فی قوم قسط مثل محمد فی اصحابہ اخاف ان لا تنصروا علیہ" (روح البیان ج ۹ ص۴۲)

" اے قریشیو! میں کسریٰ و قیصر و نجاشی کے ہاں بھی گیا لیکن میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں اتنا معزز و معظم نہیں پایا جتنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہوں میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت و احترام کو دیکھا ہے"۔ مجھے خطرہ ہے کہ تم ان پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ اہل مکہ (کفار) نے کہا اے ابو سیفور ہمیں ایسا نہ کہو ہم تو انہیں اس سال مکہ معظمہ میں ہرگز نہیں آنے دیں گے آئندہ سال اگر وہ چاہیں تو آ سکتے ہیں۔ عروہ نے کہا مجھے تم پر نزولِ مصیبت نظر آ رہا ہے یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو لے کر طائف چلا گیا پھر بعد کو مسلمان ہو گیا (رضی اللہ عنہ)۔

کفار مکہ کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیامبروں کے ساتھ بدسلوکی: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خراش بن امیہ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے کفار مکہ کی طرف بھیجا اونٹ کا نام ثعلب تھا تا کہ اشراف مکہ کو آپ کا پیغام پہنچائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کو زخمی کر دیا اور خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کرنے کا ارادہ کیا لیکن احابیش (قبیلہ) کے روکنے سے رُک گئے حضرت خراش رضی اللہ عنہ نے واپس آکر رپورٹ عرض کی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ کو روانگی: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آپ جا کر اہل مکہ کے سرداروں کو فرمائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور آپ کو معلوم ہے کہ قریش سے مجھے سخت عناد ہے جانتے ہی مجھ سے سوائے قتل کر دینے کے اور کوئی بات نہ کریں گے اور میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی فرد بھی نہیں جو میری

---

[1] روح البیان ج ۹ ص۴۲ تحت آیۃ فتح ۱۲۔ اویسی غفرلہ

طرفداری کرے اور کفار مکہ کو جتنا میرے ساتھ بغض و عداوت ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور وہ تو میرے خون کے پیاسے ہیں میرا مشورہ ہے کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجیں جو مجھ سے اس معاملہ میں بہتر ثابت ہونگے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا کر مندرجہ ذیل کلمات ارشاد فرمائے جو مبنی بر علم غیب ہیں۔

علم غیب نبوی کا ثبوت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مکہ کے سرداروں کو فرمانا کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لڑنے نہیں اور فرمایا کہ مکہ معظمہ میں مقیم مردوں اور عورتوں کو خوشخبری سنادو کہ

ان اللہ قرب ان یظھر دینہ بمکہ حتی لایستخفی فیھا الا بالایمان

"اللہ عنقریب مکہ معظمہ میں ایسا غلبہ اسلام فرمائے گا یہاں تک کہ یہاں کوئی بھی ایمان دار چھپ کر نہ رہے گا۔" (روح البیان ج ۹ ص ۴۲)

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت لے کر دس صحابہ رضی اللہ عنہ کو باجازت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ کر کے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف اس لیے اجازت لی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کی ملاقات کریں گے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ میں پہنچنے سے پہلے ابان بن سعید سے ملاقات ہوئی آپ نے اسے ساتھ لے لیا تاکہ رؤسائے مکہ کو پیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچائیں جب آپ نے ان سب کو پیام پہنچایا تو سب نے کہا کہ ہم تو (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمیشہ تک مکہ معظمہ میں نہیں آنے دیں گے[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پیام رسانی سے فارغ ہوئے تو رؤسائے مکہ نے کہا:۔

---

[1] اس سے اندازہ لگائیے کہ مکہ معظمہ اور کعبہ مکرمہ میں کفار مکہ نے کیوں پابندی لگائی ہے صرف اس لیے کہ اس پر ان کا قبضہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ نجدیوں نے جو ۱۴۰۶ھ سے علمائے اہلسنت پر حجاز مقدس کی حاضری پر پابندی لگائی ہے تو کیا اس سے واضح نہیں ہوتا کہ نجدیوں کو کفار مکہ کی وراثت میں پابندی لگانی پڑی اور ہمارے علمائے کرام پر پابندی سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نصیب ہوئی۔ اس سے ان جہال کا اعتراض رفع ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بااختیار ہیں تو پھر نجدیوں کو اپنے مصلیٰ (حرمین شریفین) سے کیوں نہیں ہٹاتے کیا حدیبیہ میں حضور علیہ السلام میں اختیار نبوت نہیں تھا نہیں تھا تو جہالت اگر تھا تو استعمال کیوں نہ کیا تو (ما ھو جوابکم فھو جوابنا) اس میں حکمت تھی تو اب بھی اسی حکمت پر محمول کرلو۔ اویسی غفرلہ

ان شئت فطف، بالبیت فقال ما کنت لا فعل حتی یطوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (روح البیان ج ۹ ص۲)

"اگر چاہو تو اے عثمان تم کعبہ کا طواف کر لو آپ نے فرمایا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کعبہ نہ فرمالیں گے میں طواف ہرگز نہ کروں گا۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر اور وہابیہ دیوبندیہ کا اعتراض: قریش مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تین دن تک واپس نہ جانے دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے ایسے ہی وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنے رشتہ داروں کو ملنے گئے تھے، آپ نے فرمایا "لا نبرح حتی نناجز القوم ای نقاتلھم" ہم یہاں سے ہرگز نہ ہٹیں گے یہاں تک کفار مکہ سے جنگ نہ کریں اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے بیعت کا حکم فرمایا آپ نے اعلان فرمایا:۔

"ایھا الناس البیعۃ البیعۃ" اے لوگو! بیعت کے لئے حاضر ہو جاؤ۔" اس پر سیدنا جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور سب نے اللہ کا نام پکارا اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ نے شجرۂ سمر (بضم المیم مشہور درخت کیکر) کے نیچے بیٹھ کر سب سے بیعت لی کہ جنگ سے نہ بھاگیں گے یہاں تک کہ فتح نصیب ہو یا شہادت[1] اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیعت کا ہاتھ بڑھایا (اس قول کی بنا پر کہ اگر خبر غلط ہو) آپ نے اپنا سیدھا ہاتھ مبارک بائیں پہ رکھ کر فرمایا۔[2]

---

[1] اس واقعہ پر اعتراضات کے جوابات آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہوں۔ اویسی غفرلہ

[2] **سوال وہابی دیوبندی:** بیعت رضوان میں وہابی دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کو علم ہوتا کہ عثمان غنی شہید ہوئے یا نہ تو اڑتی خبر پر اعتماد کر کے بیعت کا اعلان کیوں کیا؟

جواب[1] اویسی رضوی: تفسیر روح البیان میں ہے کہ بیعت کا حکم اللہ نے دیا تو کیا اللہ تعالیٰ کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا علم تھا تو بیعت کا حکم کیوں فرمایا اگر کہو کہ اللہ کے حکم میں حکمت تھی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حکمت مان لی جائے تو کونسا فرق پڑنے گا۔

جواب[2]: حضور علیہ السلام کو علم تھا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ زندہ ہیں تبھی تو آپ نے ان کی طرف سے بیعت کا ہاتھ بڑھایا۔ یہ بیعت بتاتی ہے کہ آپ کو ان کے زندہ ہونے کا علم تھا ورنہ مردے کی طرف سے تو بیعت نہیں ہوتی۔ دراصل حکمت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ جمیع امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ جس طرح اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین و اسلام کے لئے قربانی فرض ہے۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

اللّٰھم ان ھذہ عن عثمان فانہ فی حاجتک وحاجۃ رسولک (روح البیان ج ۹ ص۵) "اے اللہ یہ ہاتھ بیعت کا ہے کیونکہ عثمان تیری اور تیرے رسول کی ضرورت پوری کرنے گیا ہے۔

فائدہ: اسے بیعت رضوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فائدہ: بیعت کا مطلب ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔

اصحاب بیعۃ الرضوان کی فضیلت: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اصحاب بیعۃ الرضوان کا کوئی ایک فرد بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

(۲) فرمایا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے) کہ جو بھی بدر یا حدیبیہ میں حاضر ہوا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔

فائدہ: سب سے پہلے حضرت سنان بن ابی سنان اسدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور عرض کی کہ میں اس پر بیعت کرتا ہوں جو میرے دل کی تمنا ہے فرمایا تیری تمنا کیا ہے؟ عرض کی کہ میں آپ کے سامنے تلوار چلاؤں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح دے یا میں شہید ہو جاؤں یہ سن کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اسی طرح بیعت کرتے ہیں جیسے سنان بن ابی سنان (رضی اللہ عنہ) کہہ رہے ہیں۔

فائدہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین دن کے بعد واپس حاضر ہوئے تو انہوں نے بیعت (کی تجدید) کی۔

کفار مکہ اور مسلمانوں کی مڈبھیڑ: حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگرانی کر رہے تھے تو کفار مکہ قریش نے چالیس آدمی بھیجے جن کا سربراہ مکرز بن حفص تھا وہ اس لیے آئے تاکہ رات کے وقت چکر لگائیں تاکہ لشکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی فرد ہاتھ لگ جائے تو اسے گرفتار کرلیں یا انہیں غافل پائیں تو ان پر ہلہ بول دیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پکڑ لیا صرف مکرز بن حفص بھاگ گیا۔ ان کو پکڑ کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ قریش مکہ کو اپنے آدمیوں کی گرفتاری کا علم ہوا تو ان کی ایک جماعت نے آکر مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے مسلمانوں میں سے ابن زنیم شہید ہو گئے مسلمانوں نے بارہ قریش مکہ کو گرفتار کر لیا اندریں اثنا کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں سہیل بن عمرو کو بھیجا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اے میرے یار و اب تمہارا کام آسان ہو گیا آپ نے سہیل کے لفظ سے یہ فال لی اور آپ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ایسے الفاظ سے فال لیتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)
ایسے ہی محبوب بندۂ خدا کے لئے بھی جان دینا فرض ہے تاکہ بندۂ خدا کے عزت و احترام اور اعزاز کا یقین ہو۔
(اویسی غفرلہ)

فائدہ: یہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کی دلیل ہے کہ جب کام انتہا کو پہنچا تو آپ نے ایسے کلمات ارشاد فرمائے ورنہ پہلے بھی تو کفار کے آدمی آتے رہے۔ (اویسی غفرلہ)

کفار مکہ کی صلح کی پیشکش: سہیل بن عمرو نے کہا یا (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کے صحابہ عثمان اور ان کے ساتھیوں کا ایسے ہی دوبارہ آپ کے دوسرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا قید کرنا ہمارے پروگرام میں نہیں ہے بلکہ ہم اسے غلط کاری سمجھتے ہیں یہ جو کچھ ہوا ہے ہمارے ہیں چند بیوقوفوں کی کارروائی ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں آپ نے جو ہمارے قیدی پہلی اور دوسری دفعہ قید فرمائے ہیں انہیں چھوڑ دیں آپ نے فرمایا ہم انہیں چھوڑیں گے جب تک تم ہمارے ساتھیوں کو رہا نہ کرو گے سہیل نے کہا ہم انہیں چھوڑ دیں گے، سہیل اپنے ساتھیوں کو لے کر قریش مکہ کے ہاں پہنچا اور کہا کہ مسلمانوں کو چھوڑ دو تب ہمارے قیدی رہائی پائیں گے قریش نے حضرت عثمان اور آپ کے دس ساتھیوں کو چھوڑ دیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار کے قیدیوں کو رہا فرمایا لیکن کفار مکہ نے بیعت رضوان کا سنا تو انہیں شاق گذرا اور انہیں خطرہ ہوا کہ مسلمان ہمارے ساتھ جنگ کریں گے ان کے اہل رائے نے کہا کہ اب مسلمانوں کے ساتھ صلح کے بغیر چارۂ کار نہیں اور صلح اسی طرح ہو کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں اگلے سال بیشک عمرہ کے لئے آجائیں یہ طے کر کے دوبارہ سہیل بن عمرو مکرز بن حفص اور حویطب بن عبدالعزیٰ کو بھیجا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صلح کی بات کریں اور عرض کریں کہ اس سال آپ واپس چلے جائیں تاکہ عرب نہ کہیں کہ مسلمانوں نے اچانک حملہ کر دیا وغیرہ بیشک آپ اگلے سال تشریف لائیں ہم آپ کے متعرض نہ ہوں گے۔

صلح سے مسلمانوں میں اضطراب: جب سہیل دوبارہ آتا ہوا نظر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب کافروں کا صلح کا خیال ہے تبھی تو اسے دوبارہ بھیجا ہے (یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی دلیل ہے تبھی تو آپ نے قبل از وقت خبر دی ورنہ اس سے قبل بھی سہیل ہی تو آیا تھا، اویسی غفرلہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صلح کا سن کر مضطرب ہوئے اور کہا ”علام نعطی الدنیہ“ ہم یہ ذلت کیسے اختیار کریں۔

فائدہ: الدنیۃ بفتح الدال وکسر النون وتشدید الیاء بمعنی الفضیحۃ (رسوائی) والخصلۃ (مذمومہ) دین کے بارہ میں وہ مشرک اور ہم مسلم۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رضامندی کا اشارہ فرمایا اور فرمایا تم پر اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرض ہے (سب نے اس پر سر تسلیم خم کیا۔

صلحنامہ کا مضمون: صلحنامہ لکھنے کے لئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہیل نے کہا ہم بسم اللہ کے اضافی الفاظ الرحمٰن الرحیم کو نہیں جانتے آپ لکھوائیے "باسمک اللّٰھم" اے اللہ تیرے نام سے شروع" آپ نے وہی لکھوایا پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ لکھ "ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ" یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے صلح کی۔ سہیل نے کہا "اگر ہم گواہی دیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم آپ سے جنگ کیوں کرتے اور آپ کو کعبہ کی حاضری سے کیوں روکتے آپ اپنا اور آپنے باپ کا نام لکھوائیے"۔ آپ نے فرمایا اے علی (رضی اللہ عنہ) "رسول اللہ کا لفظ مٹا دے"۔ انہوں نے عرض کی "واللہ ما امحوک ابدا" بخدا میں اس کو ہمیشہ تک نہیں مٹا سکتا[1]" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مجھے دکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دکھایا تو آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لفظ رسول اللہ پر لکیر کھینچی اور فرمایا لکھ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی اور فرمایا اس میں کونسا فرق پڑتا ہے میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی۔ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

صلح کے شرائط:

(۱) دس سال جنگ بند تا کہ لوگ امن سے زندگی بسر کریں ایک دوسرے سے نہ لڑیں۔

(۲) جو کافر قریش سے مسلمان ہو کر اپنے متولی کی اجازت کے بغیر (حضور) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں آئے آپ اسے واپس لوٹا دیں گے وہ مرد ہو یا عورت اور جو مسلمان (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مرتد ہو کر قریش مکہ کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہ لوٹائیں گے وہ مرد ہو یا عورت۔

(۳) جو (حضور) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے معاہدہ میں داخل ہو وہ انہی کے معاہدہ میں ہوگا اور جو قریش مکہ کے معاہدہ میں داخل ہو وہ انہی کے معاہدہ میں داخل ہوگا اور یہ ہمارا معاہدہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ کوئی بھی عداوت کا آغاز نہ کرے گا بلکہ ایفائے عہد کی کوشش کریگا اور نہ اس میں چوری ہوگی نہ خیانت۔

(۴) اس سال مسلمان واپس چلے جائیں اگلے سال تشریف لائیں تو تین دن کے لئے قریش مکہ

---

[1] ہمارے دور میں مساجد سے "یا محمد - یا رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیتے ہیں اور سُنّی مسلمان بار بار لکھتے ہیں اس کا فیصلہ واقعہ ہذا میں موجود ہے کہ کافروں کا کام ہے مٹانا اور مسلمان کا کام ہے لکھنا۔ مٹانے والے سوچ لیں وہ کس کھاتے میں ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

آپ کو مکہ کا شہر خالی کر دیں گے آپ اس میں تین دن صحابہ کرام کے ساتھ بسر کریں اور عمرہ ادا کریں۔

صلحنامہ کے بعد کی کیفیت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امید تھی کہ وہ اسی سال طواف کریں گے اسی خواب مبارک کے سہارے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے بتا چکے تھے (حالانکہ خواب کا مقصد داخلہ مکہ تھا اس میں اسی سال کی بات نہ تھی صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے ایسے ہی سمجھ رکھا تھا) اس خواب کے سہارے پر یہ صلحنامہ انہیں ناگوار گذرا بالخصوص یہ شرط کہ جو کافر مکہ سے مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اسے واپس لوٹا دیا جائے گا چونکہ بیعت الرضوان اس سے پہلے ہو چکی تھی اس لیے خاموش رہے انکار بھی نہ کر سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلحنامہ سے فراغت پاکر اس پر چند مسلمانوں کو گواہ بنایا اور خود اپنی قربانی ذبح فرمائی اور ان لوگوں پر گوشت تقسیم فرمایا جو حدیبیہ میں تھے جو کافروں کی رکاوٹ سے مکہ معظمہ میں عمرہ کے لیے نہ جاسکے ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کی طرف بیس اونٹ (قربانی) ناجیہ رضی اللہ عنہ کو دیکر بھیجے تاکہ وہاں انہیں مروہ میں جاکر ذبح کر کے فقراء مکہ پر تقسیم فرمائیں۔

تبرک کے بال مبارک اور اس کی برکات: قربانی کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک کے بال حضرت خداش رضی اللہ عنہ نے اتارے وہ خداش قریش کے ہاں بھیجے گئے تھے جن کا ذکر پہلے گذرا ہے خداش رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک درخت پر رکھدیے جنہیں صحابہ کرام نے تبرک کی نیت سے محفوظ کر لیا حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے ان مبارک بالوں کو ایک ڈبیہ میں محفوظ کر لیا انہیں دھو کر مریضوں کو پلاتی تو شفا ہو جاتی (اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے)۔

حدیبیہ سے حرم میں صحابہ کے بال پہنچائے گئے: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی اور باآواز بلند "اللہ اکبر" پڑھ رہے ہیں اور سر مبارک کے بال بھی اترو الیے تو پھر یہ سب اٹھے قربانی کی اور سر منڈوائے اور بعض نے قصر (بال ترشوائے) ان میں حضرت عثمان اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہما تھے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما بال ترشوانے والوں پر نہ فرما کر بال ترشوانے والوں کو دعا میں شامل نہ فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کو امید نہ تھی کہ وہ اب طواف کریں گے بخلاف بال ترشوانے والوں کے کہ ان کا ظاہری حال یہ بتاتا ہے کہ گویا انہوں نے بقیہ

بال چھوڑ دیئے اس امید پر کر وہ اسی سال طواف کر کے سر منڈائیں گے ۔ بہر حال جنہوں نے سر منڈوائے ان کے بال ہوا نے اڑا کر حرم کے احاطہ میں پھینک دیئے اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوش ہو گئے کہ ان کے عمرے قبول ہو گئے ۔

برکت طعام کا معجزہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ میں انیس یا بیس دن قیام فرمایا اس کے بعد مدینہ پاک کو واپس ہوئے جب حرمین کے درمیان یا بروایت انسان العیون کراع الغمیم (جگہ کا نام) یا کسی اور جگہ تک پہنچے تو سورۃ فتح نازل ہوئی اور صحابہ کرام کو بھوک کی شکایت ہوئی اور ارادہ کیا کہ اونٹوں کے کوہان اتار کر بھوک مٹائیں ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا دستر خوان اور ہر ایک اپنا کمبل بچھاؤ پھر اعلان فرمایا جتنا جو کچھ کھانے کی شے کسی کے پاس ہے اس دستر خوان اور کمبلوں پر بچھا دے چنانچہ سب نے ایسے ہی کیا آپ نے اس پر دعا فرمائی[1] پھر فرمایا اپنے برتن لاؤ اور جتنا جی چاہیے اس سے لے جاؤ چنانچہ اس سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوب سیر ہو کر کھایا لیکن وہ طعام جوں کا توں تھا ۔

پانی کا پیالہ رحمت کا پرنالہ : یہاں پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی سے فرمایا "ھل من وضوء" کیا وضو کے لئے پانی ہے ۔

فائدہ : الوضوء (بفتح الواو) وہ پانی جس سے وضوء کیا جائے" وہ صاحب پانی کا ڈول لے آئے جس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ نے اس کا پانی پیالہ میں انڈیل دیا اور اس میں ہی اپنا پنجہ مبارک رکھا ۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم سب نے (جو کہ ایک ہزار چار سو تھے) خوب اچھی طرح وضوء کیا ۔

فضائل سورۃ الفتح : (۱) جب سورۃ فتح نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ دن مجھ پر محبوب تر ان تمام اشیاء سے ہے جن پر سورج طلوع کرتا ہے ۔

(۲) ایک روایت میں ہے کہ جب سورۃ فتح نازل ہوئی تو مجھے اتنی خوشی ہوئی جیسے سرخ اونٹ مل گئے ۔

فائدہ : الحمر بسکون المیم احمر کی جمع ہے النعم (بفتحتین) بہت سے اونٹوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں اور عرب میں یہ نفیس ترین مال سمجھا جاتا ہے نفیس شے پر اس کی

---

[1] اس سے طعام آگے رکھ کر دعا مانگنے کا ثبوت ملا ۔ جسے وہابیہ دیوبندیہ ایصال ثواب (عرس اور اہل اموات کے لئے خیراتیں جیسے قلخوانی ۔ جمعراتیں وغیرہ) کے طعام پر دعا مانگنے کو بدعت کہتے ہیں ۔ ۱۲ ۔ اویسی غفرلہ

مثال دی جاتی ہے اور آپ کے ہاں اس سورۃ کے نزول سے بڑھ کر اور کوئی شئے نفیس نہیں تھی اس لیے یہ کہہ کر سورۃ الفتح تلاوت فرمائی پھر آپ نے صحابہ کرام کو اور صحابہ کرام نے آپ کو مبارک باد کہی۔

حکایت ۶: کسی نے کہدیا کہ یہ عجیب فتح ہے کہ ہمیں بیت اللہ جانے سے روکا گیا اور ہماری قربانیاں حرم تک نہ پہنچ سکیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بئس الکلام" یہ بری بات کہی گئی ہے بلکہ یہی تو بہت بڑی فتح ہے کیونکہ مشرکین نے بخوشی و رضا اپنے شہر تمہارے سپرد کر دیئے اور انہوں نے صلح خود طلب کی اور تم سے پناہ کے طالب ہوئے اور جو تم کو ناگوار گذرا اس سے انہوں نے معذرت کی تم کو ان پر فتح یاب فرمایا اور تمہیں اجر دے کر سالم و غانم واپس کیا تو کیا یہ سب سے بڑی فتح نہ ہوئی۔ کیا تم احد کو بھول گئے ہو کہ میں تمہیں بلاتا رہا اور تم کہاں جا رہے تھے، کیا یوم الاحزاب کو بھول گئے ہو جب کافر تمہارے ہاں اوپر اور نیچے کی طرف سے آئے اور آنکھیں کھلیں اور قلوب حلقوم تک آ گئیں اور تم اللہ پر قسم و قسم کے گمان کرتے تھے مسلمانوں نے کہا "صدق اللہ و رسولہ" اللہ و رسول (جل جلالہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سچ فرمایا واقعی یہ بہت بڑی فتح ہے (یعنی صلح حدیبیہ) اے اللہ کے نبی بخدا جو آپ سوچتے ہیں ہماری سوچ کہاں آپ ہی تو اللہ تعالیٰ کے اسرار سے زیادہ واقف و عالم ہیں۔

مکالمۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **و فاروق** رضی اللہ عنہ **:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم مکہ معظمہ میں با امن داخل ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں لیکن میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال (بلکہ مطلق فرمایا تھا اس سال نہ سہی اگلے سال سہی) جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور کعبہ معظمہ کی چابی ہاتھ میں لی تو فرمایا یہ وہ وعدہ ہے جو میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا (ایسے ہی بعض نے کہا)۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً یہ فرمایا تھا کہ "قال جبریل فانکم تاتونہ وتطوفون بہ ای لانہ جاہ للوحی بمثل مادی" فرمایا جبریل نے کہ تم مکہ معظمہ میں آؤ گے اور طواف کرو گے۔ یعنی یہ حکم آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا۔

ازالۂ وہم شیعہ: شیعہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے صحابہ شک میں مبتلا ہو گئے تھے اس کے جواب میں صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلح کے بارے میں شک نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی گفتگو مبنی بر اعتراض تھی بلکہ اپنی تشفی و تسلی کے لئے پوچھا تھا جو انہیں دل میں خیالات پیدا ہوئے کہ اس کی حکمت کیا ہو گی جیسا کہ تقاضائے بشریت ہے کہ طبیعت کے خلاف امر پر سوالات ابھرتے ہیں اور اس سے کوئی فرد بشر خالی نہیں کیونکہ یہ ایک گہرا معاملہ

تھا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ولایت کا یہ ایک ادنیٰ مرتبہ ہے کہ مرید شیخ پر اعتراض نہ کرے اور یہاں ولایت نہیں نبوت کا معاملہ ہے اور مریدین بھی عوام نہیں صحابہ ہیں جو لاکھوں اغواث و اقطاب سے اعلیٰ مراتب و کمالات کے مالک ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں و مصلحتیں ہوتی ہیں یہاں بھی ایسے ہی ہے کہ سورۃ کو انا فتحنا الخ سے شروع فرمایا یعنی صیغہ ماضی سے کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ صلح سے ظاہری فتح ہوگی اور اس کی حقیقت آئندہ فتح مکہ کے بعد ظاہر ہوگی اور ہر دونوں فتح ہیں۔

سوال ۔ علماء کرام نے فرمایا کہ یہاں فتح سے عرفی فتح مراد نہیں کہ کسی شہر کو قبضہ کرنے کو فتح کہا جاتا ہے اور اسے کیسے فتح کہہ سکتے ہیں اور یہ فتح کیسی جبکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کو بیت اللہ کی حاضری سے روکا گیا تو حدیبیہ میں ہی قربانیاں کیں اور احرام کھولے۔

جواب ۔ یہاں فتح کے لغوی معنیٰ مراد ہیں اس لیے کہ وہ آپ کے نزول حدیبیہ کے وقت وہ متغلق اور متعذر تھی لیکن پھر جب معاملہ بیعت رضوان کا ہوا تو مشرکین کو معلوم ہوا کہ مسلمان تو اب مرمٹنے پر متفق ہو چکے ہیں اور جہاد کے ان کے ارادے پختہ ہیں اب وہ لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتے تو ان کے اوسان خطا ہو گئے یہاں تک کہ وہ طلب صلح پر مجبور ہو گئے اس سے ان پر مسلمانوں کا غلبہ مسلّم و متحقق ہو گیا اس کے علاوہ صلح دیگر امور کا بھی سبب بن گئی جو اس سے پہلے منغلق تھے مثلاً صلح کی وجہ سے کفار و مسلمین کا میل جول ہوا اور ان کی باتیں سنیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحابہ کی جان نثاری دیکھی تو ان کے دلوں میں اسلام گھر کرتا گیا یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد تھوڑی سی مدت میں بیشمار لوگ مسلمان ہو گئے جس سے اسلام کا نام بلند ہو گیا۔ مشہور ہے کہ اس سال میں اتنے مسلمان ہوئے جتنے پچھلے تمام سالوں میں ہوئے تھے بلکہ ان سے بھی زائد اسی صلح کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے عرب کے معاملہ میں فارغ ہو گئے کہ ان سے جہاد کیا تو کسی قسم کا اشکال در پیش نہ ہوا اور آسانی سے ان پر فتح کرتے چلے گئے بالخصوص خیبر اور اس سے اہل اسلام کو بکثرت غنائم حاصل ہوئے اور روم و فارس میں اسی سال گھمسان کی جنگ ہوئی تو رومی فتحیاب ہوئے اور ان کی فتح بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں داخل ہے کیونکہ رومیوں کے غلبہ کی کئی سال پہلے آپ نے خبر غیبی دے رکھی تھی اس کی تفصیل ہم نے سورہ روم میں بیان کر دی ہے یہ خبر بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب کے بارے میں ہے لیکن وہابی دیوبندی ٹولہ کو علم غیب نبوی سے انکار ہے تعجب ہے) جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کا صدق ظاہر ہوا تو یہ بھی منجملہ فتح کے ہے اور رومیوں کی فتح سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے کیونکہ اس

سے اہل کتاب کا مجوس (آتش پرستوں کی فتح کا مسئلہ ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح کے دیگر فتوحات جلیلہ اور نعم عظیمہ۔

"لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ" یہ فتح کی غایت ہے اس حیثیت سے کہ یہ حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس سعی پر مرتب ہے جو آپ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے فرماتے تھے جیسا کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جنگیں لڑیں اور بہت بڑے مشقت بھرے امور سرانجام دیئے۔ بعض نے کہا چونکہ اللہ تعالیٰ نے تعلیل الفتح بالمغفرت کی وجہ ظاہر نہیں فرمائی اس لیے انباء پر فتح سے فتح کو مجاز مرسل بنایا گیا ہے پس فتح معلول افعال مؤدیہ الی المغفرۃ پر مرتب ہے اور مغفرت علت اور ان افعال پر حامل ہے تو ان افعال مرتبہ پر اسے علت بنانا صحیح ہے جیسا کہ زمخشری نے فتح کو مغفرت کی علت بنائی ہے اور یہ مذہب حق کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال اغراض سے معلل نہیں اس معنیٰ پر یہاں پر لام اپنی حقیقت پر نہ ہوگی بلکہ یہ صیرورۃ وعاقبۃ کی ہے یا نحول کو علت غائیہ کے ساتھ تشبیہ کے لئے ہے اس کے مرتب ہونے میں اس کے متعلق نیز علت غائیہ کو دو جہتیں علیت ومعلولیت کی حاصل ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر اصول ثابت ہے اسی لیے نہ تو ان پر ملامت کی جائے جو معلولیت کی جہت پر نظر رکھتا ہے جیسے زمخشری کیونکہ اس کی صحت واضح اور ظاہر ہے[1] اسم ذات جو جامع جمیع صفات ہے کے ساتھ التفات میں اس طرف اشارہ ہے کہ سلک غایت میں جو افعال اللہ تعالیٰ سے ظاہر ہوں وہ غیر ہوں گے دوسروں سے لیکن صادر ہوگا تو اس کی کسی صفت سے مرتب ہو کر۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ لیغفر لک و ینصرک ہر دونوں کے فاعل اسم ظاہر لانے میں اشارہ ہے کہ ہر دونوں یعنی مغفرت ونصرت الوہیت پر متصرع ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف وہی معبود بالحق ہے اور بس۔

فائدہ: المغفرت بمعنے ستر الذنوب اور محو الذنوب ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ عارفین کے نزدیک مغفرت سے عقوبت زیادہ سخت ہے اس لیے کہ عقوبت

لطیفہ: جزاء ہے اور استیفاء کے بعد راحت ہوتی ہے یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو اپنا حق پورا حاصل کرلے اور غفران میں یہ نہیں وہ اس لئے کہ جب تمہیں یقین ہو کہ حق تیری طرف متوجہ ہے اور اس نے مطالبہ

---

[1] حواشی سعدی المفتی ۱۲۔

ترک کر کے تجھ پر انعام و احسان فرمایا اس سے تم ہمیشہ شرمسار اور ذو حیاء رہو گے یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مغفرت فرماتا ہے تو اس کے ذہن سے غلطی کا احساس دور فرما دیتا ہے یعنی بخشش کے بعد اسے وہ کردار ہر وقت ذہن میں نہیں ہوتا کیونکہ اگر ذہن میں ہو تو ہر وقت حیاء میں وقت بسر ہوگا اور حیا والے کے لئے حیاء سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں۔ یہاں تک حیاء والا چاہتا ہے کہ کاش وہ نہ ہوتا چنانچہ مریم بی بی رضی اللہ عنہا جو کامل ولیہ تھیں نے کہا "یالیتنی میت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا" (کاش میں اس سے پہلے مرجاتی یا ہوتی بھولی بسری) یہ تو مخلوق سے حیاء کا حال ہے اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کا کیا حال ہوگا ان جملہ امور میں جو اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت میں سرزد ہوتا ہے۔

حکایت: حضرت فضیل قدس سرہ نے ایک سال حج پڑھا لیکن تمام دن عرفات میں خاموش رہے جب سورج غروب ہوا تو کہا میرے لیے بہت بڑی مصیبت ہوگی اگر تو نے مجھے معاف فرمایا۔

فائدہ: اس کہانی سے بھی اسی احیاء کی مصیبت مراد ہے، حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

ہرگز نداد شرم مرا رخصت نگاہ

در ہجر و وصل روئے بدیوار داشتم

ترجمہ۔ مجھے شرم نے کبھی رخصت نہ دی کہ میں نگاہ اٹھاؤں یہی وجہ ہے کہ ہجر و وصال ہر دونوں حالتوں میں مَیں نے اپنا چہرہ دیوار میں ڈالے رکھا۔

"مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (تفسیر اوّل) وہ جو ترک اولیٰ کی تمہاری کوتاہیاں پہلے گزریں اور وہ جو بعد کو اور ترک اولیٰ کو ذنب (گناہ) اس لیے کہا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منصب جلیل کے لائق نہیں کہ آپ سے ترک اولیٰ کا صدور ہو اور یہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قبیل سے ہے، ابوسعید خراز قدس سرہ نے ایسے ہی فرمایا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آنکہ عین لطف باشد بر عوام

قہر شد بر عشق کیشاں کرام

ترجمہ۔ وہ جو عوام کے لئے عین لطف ہوتا ہے وہ عشق والے بزرگوں کے لئے قہر و غضب ہوتا ہے۔

(تفسیر دوم) نبوت سے پہلے اور بعد کو وہ امور جو تمہارے سے سرزد ہوئے جن پر عوام گناہ کا اطلاق کرتے ہیں ہم نے تمہیں بخش دیئے۔

شرح مواقف میں ہے کہ نبوت کے قبل و بعد کی قید از بندہ ہے ورنہ اس کا ذکر آیت میں نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آپ سے قبل نبوت ایسے دو صغیرہ سرزد ہوئے ہوں جو ایک دوسرے آگے پیچھے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں صغیرہ قبل نبوت ہوں اور ان پر تقدم و تاخر کا اطلاق اضافی ہو یہی معنیٰ ظاہر ہے۔

مسئلہ: اہل کلام کہتے ہیں کہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام نبوت سے قبل و بعد باجماع اہل اسلام کفر سے معصوم ہیں اور وحی کے بعد جملہ کبائر سے عمداً معصوم ہوتے ہیں ہاں سہواً ہو تو اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ: صغائر عمداً جمہور کے نزدیک جائز نہیں اور سہواً بالاتفاق جائز ہیں۔

مسئلہ: وحی سے پہلے کبائر کے صدور پر امتناع کی کوئی دلیل عقلی و نقلی نہیں۔

(تیسری تفسیر) حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "ماتقدم من ذنبك" سے ابا آدم اور اماں حواء کی خطاء مراد ہے یعنی ہم نے (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری برکت سے ان کی خطا معاف فرمادی۔

حدیث آدم علیہ السلام: جب حضرت آدم علیہ السلام نے خطاء کا اعتراف تو عرض کی یا اللہ میں تجھ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم (علیہ السلام) تو نے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیسے جانا حالانکہ میں نے انہیں ابھی پیدا ہی نہیں کیا عرض کی جب تو نے مجھے پیدا کرکے اپنی روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر عرش کے قوائم لکھا دیکھا " لا الٰه الا الله محمد رسول الله " (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے میں سمجھ گیا کہ تو اسے اپنے نام سے ملایا ہے جو تیرے ہاں مخلوق میں محبوب تر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا واقعی وہ مخلوق میں میرے زیادہ محبوب ہیں میں نے تجھے بخش دیا یاد رکھیے " لولا محمد ما خلقتك (رواہ البیھقی) اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا (اسے بیہقی نے روایت کیا)۔

فائدہ: اور " وما تاخر " سے مراد امت ہے یعنی آپ کی دعاؤ شفاعت سے آپ کی امت کے گناہ بخش دیئے۔

نکتہ: حضرت سلمی قدس سرہ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی خطاء حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لیے منسوب فرمائی کہ آدم علیہ السلام کی خطاء کے وقت آپ ان کی پشت میں

تھے اور امت کے گناہ آپ کی طرف اس لیے منسوب ہوئے کہ آپ ان کے مقتدا ہیں (بوجہ نسبت کے آپ کی طرف کیا گیا)۔

(چوتھی تفسیر) حضرت ابن عطا قدس سرہ نے فرمایا کہ لیلۃ المعراج جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے اور جبریل علیہ السلام پیچھے ہٹے تو آپ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کیا مجھے یہاں چھوڑ دو گے اور میں اکیلا آگے جاؤں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ آپ کا جبریل علیہ السلام کو سکون کا سبب سمجھنا اچھا نہیں یہ بھی ایک لغزش تھی جسے ہم نے تمہیں معاف فرمادیا۔

(پانچویں تفسیر) حضرت سفیان ثوری نے کہا "ماتقدم" وہ غلطیاں جو آپ سے زمانۂ جاہلیت میں ہوئیں "وما تاخر" وہ جو بعد نبوت کے سرزد ہوئی تھیں ہم نے سب معاف کردیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے یہ اسی محاورہ سے ہے جو بطریق تاکید کہا جاتا ہے کہ "اعطیٰ من راٰہ ومن لم یرہ" دیا اس کو جسے دیکھا یا نہ دیکھا تھا یعنی واقف غیر واقف سب کو عطا کیا اور "ضرب من لقیہ ومن لم یلقہ" جو اسے ملا یا نہ ملا سب کو مارا یعنی خوب مارا۔ لیکن یہ ادبی محاورہ سے خارج ہو جائے گا بہتر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ عمل جو تم نے وحی سے پہلے کیے الخ۔

(چھٹی تفسیر) بعض نے کہا کہ "ماتقدم" سے غزوہ بدر کی اور "ماتاخر" سے حنین کی جنگ کی لغزش مراد ہے غزوہ بدر کی لغزش[1] یہ تھی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی "اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض ابدًا" اے اللہ اگر تو اس مختصر جماعت کو آج ہلاک کر دے گا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" اسے بار بار دہراتے رہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس جماعت کی ہلاکت کے بعد میری عبادت ہمیشہ بند ہو جائیگی یہ "ماتقدم من ذنبک" کی لغزش ہے اور حنین کی جنگ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلامی کی شکست کے بعد حاضر ہوئے۔ اور آپ نے لشکر کفار کو کنکریاں پھینکیں اس سے کفار کو شکست ہوئی تو آپ نے فرمایا "اگر میں کافروں کو کنکریاں نہ مارتا تو انہیں شکست نہ ہوتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی" "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی" تو نے کنکر نہیں پھینکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکے یہ "ماتاخر" میں سے ہے لیکن یہ واقعہ تو بعد کو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے اس لیے فرمایا تاکہ بطور وعدہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی لغزش ہوئی تو معاف ہو جائے گی۔

---

[1] یہ لغزش نہ تھی بلکہ ناز تھا جسے فقیر نے حاشیہ غوث الاعظم شب معراج میں تفصیل سے لکھا ہے ۱۲۔

(ساتویں تفسیر) ابوعلی رودباری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ سے کوئی ایسی لغزش ہوئی بھی تو ہم اسے معاف کر دیں گے ۔

فائدہ: بحرالعلوم میں لکھا ہے کہ چھٹی اور ساتویں تفسیریں ناقابل قبول ہیں ۔

ساتویں تفسیر کی توضیح: چونکہ ساتویں تفسیر حضرت ابوعلی رودباری قدس سرہ نے فرمائی ہے اور آپ بہت بڑے عارف باللہ تھے فلہذا آپ سے بعید از عقل توجیہ کا سرزد ہونا بعید از عقل ہے فلہذا فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہ تفسیر "من عرف اللہ عرف کل شئ" جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس نے ہر شے کو پہچان کے قبیل سے ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت حقیقۃً غیر متصور ہے ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کا صدور غیر متصور و غیر ممکن ہے اس لیے کہ آپ اپنے اوقات میں یا واجب میں مشتغل رہتے تھے یا مندوب میں اس کے سوا آپ سے دوسرا تصور ممکن ہی نہیں تھا آپ کی کیفیت جیسی تھی کہ جیسے ان سے مخالفت حکم الٰہی ناممکن ہے ایسے ہی آپ سے

تفسیر ۸ از صاحب روح البیان: میرے نزدیک ایک اور معنیٰ ہے وہ یہ کہ مغفرت سے یہاں پر ازلی و ابدی حفظ و عصمت مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تاکہ اللہ تمہاری متقدم و متاخر گناہ سے حفاظت فرمائے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے "ماتقدم" فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانۂ لاحق میں معصوم ہیں ایسے ہی آپ زمانۂ سابق میں محفوظ و معصوم ہیں، اسے اچھی طرح سمجھ لو ۔

صاحب فتوحات مکیہ کی تفسیر ۹: فتوحات مکیہ میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ذنوب سے بخشش مانگنا حقیقۃً گناہوں سے بخشش مانگنا نہ ہوتا جیسے ہمارا کام ہے کہ ہم گناہوں پر استغفار کریں بلکہ وہ ایک ایسا امر ہے جو ہماری عقول سے کوسوں دور ہے اس لیے کہ ہمارا وہ ذوق ہی نہیں کہ ہم اسے اچھی طرح سمجھ سکیں فلہذا ہمیں لائق نہیں کہ ہم ان کے ذنوب کو اپنے ذنوب پر محمول کریں ۔

مسئلہ: دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا بندوں سے گناہ کا مؤاخذہ ان کی تطہیر اور ان کے لئے رحمت ہے لیکن انبیاء علیہم السلام سے بوجہ حفظ و عصمت کے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مؤاخذہ اس سے ہوتا ہے جو مذنب (مجرم) ہو اور سزا کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے غلطی صادر ہو تو پھر سزا نافذ ہو اس لیے کہ عقوبت جرم کے بعد آتی ہے تو کبھی ہر گناہ پر نئی سزا مقرر ہوتی ہے اور کبھی سزا جرائم کی جڑ کاٹ دیتی ہے کبھی عفو و

غفور پر اسم رحیم کا غلبہ ہو جاتا ہے تو سرے سے جرم ہٹ جاتا ہے جس سے سزا کا نام تک ختم ہو جاتا ہے بلکہ مذنب سے گناہ کا نام و نشان نہیں رہتا اس لیے گناہگار تو تب ہو جب اس میں گناہ کا شائبہ ہو جب گناہ ہی نہ ہو تو گنہگار کیوں؟[1]

تفسیر نمبر۱۰ از امام شعرانی: حضرت امام شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" میں گناہ کی نسبت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لیے ہے کہ آپ کی شریعت نے حکم فرمایا ہے کہ فلاں شے گناہ ہے اور فلاں ثواب اگر آپ کی طرف وحی ربانی نہ آتی تو گناہ کا پتہ کیسے چلتا جتنا گناہ آپ کی امت کے ہیں وہ آپ کی اور آپ کی شریعت کی طرف اسی اعتبار سے منسوب ہیں ایسے ہی ہر نبی علیہ السلام کی طرف منسوب گناہ ان کا نہ ہوگا بلکہ امت کا گناہ مراد ہوگا۔

سوال۔ آدم علیہ السلام کو تو صاف لفظوں میں کہا گیا ہے "وعصی آدم ربہ الخ"

جواب۔ وہ گناہ بھی درحقیقت آپ کی اولاد کا تھا جو آپ کی پشت میں تھا اور لیغفر لک اللہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تطمین قلب کے لئے کہا گیا ہے کہ آپ کو تسلی ہو کہ آپ کی تمام امت کے وہ گناہ بخش دیئے گئے جو آپ کی شریعت میں مقرر ہیں خواہ دنیا میں حدود قائم کرنے سے جیسے حضرت ماعز (صحابی) رضی اللہ عنہ پر حد قائم کی گئی یا ویسے ہی۔

درس عبرت: یہی ہمارا اعتقاد ہے اور اس پر قائم رہنا واجب ہے جیسے اکابر امت نے جوابات دیئے ہیں ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے بلکہ اسی کے مطابق جوابات کی توثیق جد و جہد کرنا لازم ہے یہ وہ عقیدہ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے بلکہ جو ہمارے ساتھ اس عقیدہ کی وجہ سے پیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی پیار ہے ہم اسی اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ملیں گے[2] ان شاء اللہ۔

تفسیر نمبر۱۱ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انا فتحنا لک الخ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کے اس فتح کی طرف اشارہ ہے جو تجلی صفات جمالیہ وجلالیہ کے ساتھ حضرت ربوبیت کی طرف کھلا نیز وہ جو جمیع قلوب پر بندش تھی تو آپ کے ذریعے ان پر دروازے کھلے "لیغفر لک الخ" کا معنی ہے تاکہ اپنے انوار جلال کے ساتھ آپ کو چھپائے "ما تقدم من ذنب الخ" وہ جو گزرا آپ کی روح کی ابتدائی تخلیق میں تمہارے وجود کے ذنب سے یہی وہ پہلی شے ہے جس سے قدرت

---

[1] الجواہر والدرر للشعرانی ۱۲۔ [2] الکبریت الاحمر ۱۲ (ق) الحمد للہ یہی عقیدہ اور ایسے مقامات پر اس طرح کا طریقہ ادب موجودہ دور میں ہم اہلسنت کو نصیب ہے ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ۔

کا تعلق ہُوا چنانچہ فرمایا " اول ما خلق اللہ روحی" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا"۔ ایک روایت میں ہے" اول ما خلق اللہ نوری" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا"۔ "وما تاخر" یعنی تمہارے وجود کا ذنب یہ اس لیے ذنب ہے کہ اس سے شرکۃ فی الوجود ہوئی اور غفران سے مراد ستر ہے یعنی نور وحدت کے ساتھ اس کی دوئی کے آثار مٹا کر اسے چھپایا۔

فائدہ: بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیئے فتوح تین ہیں:۔

(۱) الفتح القریب یعنی فتح باب القلب یعنی مقام نفس سے ترقی کرنے سے قلب کا دروازہ کھلا یعنی مکاشفات غیبیہ وانوار یقینیہ حاصل ہوئے اور اس میں آپ کے ساتھ اکثر اہل ایمان (اولیاء اللہ) شریک ہیں (یعنی انہیں بھی اس قسم کا فتح باب القلب ہوتا ہے)۔

(۲) الفتح المبین انوار الروح اور قلب کے اپنے مقام پہ ترقی کرنے سے یہاں پر نفس ترقی کرکے قلب کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کے صفات مظلمہ انوار قلبیہ میں چھپ جاتے ہیں بلکہ یوں سمجھو کہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں" لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبه وما تاخر" میں اسی مقام کی طرف اشارہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ باب قلب کی فتح سے ہم نے پہلے صفات مظلمہ چھپا یعنی مٹا دیئے اور متاخرہ سے وہ ہیأت نورانیہ جو انوار قلبیہ سے حاصل ہوئے جو تلونیات میں ظاہر ہوتے ہیں تو قلب کے انوار چھپ جاتے ہیں فتح قریب سے یہ انوار مٹ نہیں جاتے اگرچہ پہلی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اس لیے مقام قلب کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک مقام روح تک اسے ترقی نصیب نہ ہوا اور روح کے مقام کے انوار کا قلب پر مکمل غلبہ نہ ہو اس وقت تلوین القلب ظاہر اور تلوین النفس بالکل ختم ہو جاتی ہے اسی فتح پر مغانم المشاہدات الروحیہ والمسامرات السریہ حاصل ہو جاتے ہیں۔

(۳) الفتح المطلق اس کا اشارہ اذا جاء نصر اللہ والفتح الخ میں ہے۔ فناء مطلق اور شہود ذاتی و ظہور نور احدٔ کے ساتھ عین الجمع میں مستغرق ہونے پر باب الوحدۃ کھلتا ہے۔

نسخۂ روحانی: یہ دروازہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامل تابعداری کے بعد کھلتا ہے بلکہ اس کے ساتھ مغانم وفتوحات کی بہتات نصیب ہوتی ہے جتنا اتباع میں حسن ہوگا اتنا ہی بواسطۂ روحانیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فیضان انوار الٰہیہ کی کثرت ہوگی حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

میندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

ترجمہ ۔ پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے راہ اختیار کیا وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا ۔ اسے سعدی یہ گمان بھی نہ کر کہ راہ صفا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تابعداری کے بغیر حاصل ہوگا ۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے فلاسفہ و براہمہ و رہابنہ نے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس تک پہنچنے کا دعویٰ کیا لیکن بلاواسطہ انبیاء علیہم السلام بلکہ اپنے عقل کے بل بوتے اور ریاضت و مجاہدہ سے تو وہ ہرگز منزل مقصود تک نہ پہنچے ۔

تفسیر عالمانہ: " وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ " اور مکمل کرے تم پر اپنی نعمت دین کے اعلاء اور ملک (دنیوی) نبوت کے ساتھ ملا کر و دیگر بیشمار دینی دنیوی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمائیں " وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا " تبلیغ رسالت و اقامت مراسم ریاست واصل استقامت میں تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اگرچہ آپ کو یہ پہلے بھی حاصل تھا لیکن سبل الحق اور ان کے مناہج پر استقامت کا اتضاح جو پہلے حاصل تھا " وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا " اور اللہ تعالیٰ تمہیں وہ مدد عطا فرمائے جس میں عزت و غلبہ ہے ۔

سوال ۔ سابقہ عبارات میں اللہ ہی فاعل ہے اور یہاں بھی لیکن وہاں ضمیر پر اکتفا کیا گیا اور یہاں اسم اللہ ظاہر کیا گیا اس کی وجہ ؟

جواب ۔ تاکہ معلوم ہو کہ اسم اللہ خاتم الغایات ہے اور تاکہ شان نصر کا کمال معلوم ہو اسی لیے اسے نصرًا عزیزًا سے مؤکد کیا گیا ہے یعنی ایسی نصرت کہ جس میں عزت و عظمت ہو اور دشمنوں کے غلبہ سے بچانے والی ہو اور عزیزًا نسبت کا معنیٰ دیتا ہے یعنی ذو عزت ۔

فائدہ: النصر العزیز وہ ہے کہ جس میں اعداء کا غلبہ اور ان پر فتح و نصرت ہو اور غیر عزیز نصرت وہ ہے جس میں صرف حمایت و دفع العدو ہو اور بس[1] ۔ یا اس سے نصرت قوی اور مضبوط مراد ہے اس سے مصدر کو موصوف کیا گیا جو کہ اس کے صاحب کی صفت ہے بمعنی المنصور یہ مجاز ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہے اور اسے اسم فاعل کے معنیٰ میں موصوف نہیں کیا گیا اس لیے کہ اس سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا

---

[1] فتح الرحمٰن ۱۲ ۔ اویسی غفرلہ ۔

کیونکہ اس سے متکلم کا حال بیان کرنا مطلوب نہیں بلکہ مخاطب کا حال بیان کرنا مطلوب ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسی نصرت جس کا صاحب عزیز ہے۔

فائدہ: اس سے وہ نصرت مراد ہے جو فتح مکہ کی فتح سے مرتب ہوئی جیسے ہوازن وغیرہ اور آپ کی امت کی فتح کسریٰ وقیصر بادشاہوں پر۔

نکتہ: انبیاء علیہم السلام کا مخالفین سے قتال اس لیے کہ وہ اپنی فطرت سے ہٹ گئے یعنی انسان کی فطرت ہے توحید الٰہی پر زندگی بسر کرنا لیکن وہ اس سے ہٹ گئے ان کا ہٹنا مخالفت کا سبب بنا جس کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے ان سے جنگ کی اس لیے کہ توحید کی مخالفت سے ان سے اعمال و احوال فاسد ہو گئے ایسے فاسد مادہ کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ اس سے اسباب دنیا کے نظام میں خلل آجاتا ہے جسے درست رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا نبیٔ زمانہ کے ذمہ ہوتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ ہر نبی جملہ مخلوق کے لیئے موجب رحمت بن کر آتا ہے نہ کہ تلوار لے کر کیونکہ اگر وہ صرف تلوار لے کر آتے تو رحمت کے مظہر نہ ہوتے ایسے ہی ان حضرات اولیاء و علماء کی شان ہے جو انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہو کر امر بالمعروف، ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔

نکتہ: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی فتح مبین کی کئی قسمیں بتا کر ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ نعمت ظاہر فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو بہت بڑا پیار ہے اس لیے کہ فتح مبین اجابت و مغفرت کی اور اجابت و مغفرت محبت کی و اتمام نعمت کی اور محبت و اتمام نعمت اختصاص و ہدایت کی اور اختصاص و ہدایت تحقیق بالحق والنصر کی اور تحقیق بالحق والنصر ولایت کی علامت ہے اور مغفرت سے عیوب سے بری رکھنا اور اتمام نعمت سے درجہ کاملہ تک پہنچانا اور ہدایت سے مشاہدہ اور نصرت سے رویۃ الکل من الحق مراد ہے۔ اور رؤیۃ الکل من الحق کا یہ مطلب ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہو۔ اس میں اس کے غیر کو کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں وجود حقیقی کے لیئے وجود مجازی کو خرچ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

"هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ" (اللہ وہ ہے جس نے تسکین قلبی اتاری) اس میں جو فتح مبادی کے صحابہ کرام کو بخشے مثلاً ثابت قدم رہنا اور مطمئن ہونا "فِيۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ" تسکین قلبی وغیرہ اہل ایمان کے قلوب میں نازل فرمائی" بوجہ صلح اور خوف کے بعد امن کے کیونکہ یہ اس وقت چند گنتی کے تھے اس لیے کہ یہ محض عمرہ کے لیئے آئے تھے اور دشمن تو پہلے جنگ کی تیاری کر چکا تھا اور وہ خود بھی قوت وشوکت

اور جنگی سامان سے لیس تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ کے لیئے ڈٹ گئے اور موت ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کرکے جنگ کے لیئے تیار ہو گئے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ صلح حدیبیہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت پریشانی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے طمانیت وتسکین سے انہیں سکون وقرار بخشا اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم لوگ پریشانی اور بے چینی میں مبتلا تھے کہ یہ صلح نہ ہوتی تو بہتر تھا یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو اور زیادہ بے چین تھے جیسا کہ ہم نے تفصیل سے لکھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اسے سکون وقرار اور اطمینان قلبی سے بدل دیا۔

فائدہ: انہیں یہ بے چینی اور اضطراب اس لیے ہوا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم کفار سے لڑتے کہ انہوں نے خواہ مخواہ کعبہ کو جانے سے روکا اور ہم بغیر مقصد ومرام کے واپس لوٹے حالانکہ ہمیں کعبہ میں حاضری کی سخت امنگ تھی اور یہ بھی ہمیں امید تھی کہ ہم اس سال ہی پر امن طریق سے عمرہ کریں گے جبکہ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب سنایا کہ اس سال تم پر امن طریقہ سے عمرہ کرو گے (جیسا کہ گذرا)

"لِيَزْدَادُوْٓا" تا کہ زیادہ کرے "اِيْمَانًا" یہ "یزدادوا" کا مفعول ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا "وازدادوا تسعا" "مَّعَ اِيْمَانِهِمْ" ایمان میں ایمان کے ساتھ بڑھیں یعنی جس یقین پر ہیں اس پر ان کا اضافہ ہو اور اپنے عقیدہ میں راسخ ہوں اور اطمینان قلبی نصیب ہو اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ثقلین کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان ترجیح پا جائے گا۔

فائدہ: "مع ایمانہم" کا لفظ مع اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں اس لیے کہ یہاں یہ مطلب ہی نہیں کہ ان کا یقین ان کے یقین سے ملایا گیا ہے کیونکہ اجتماع المثلین ممتنع ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے یقین کو چند ایسے قوی اسباب میسر ہوئے جو یقین کی پہلی حالت سے قوی تر ہیں اس لیے کہ اخفی النظریات سے اجلی البدیہیات کی طرف ایسے مراتب ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں اسی لیے اضافہ یقین میں منافات لازم نہیں آتی اس کی مثال بیاض کی ہے کہ اس کے مراتب غیر منتہی ہیں جیسا کہ سب کو معلوم ہے یا اس میں استعارہ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ان شرائع سے سکون نازل کیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے تا کہ وہ ان سے ایمان میں بڑھیں اور انہیں وحدانیت اور یوم آخرت پر مزید یقین نصیب ہو۔ اس تقریر پر لفظ مع اپنے حقیقی معنیٰ پر ہوگا اور قرآن کا نزول ہوا بھی اسی لیے تا کہ جن امور سے ایمان کا تعلق ہے ان کے دل زیادہ سے زیادہ مضبوط اور قوی ہوں اس معنیٰ پر اجتماع المثلین لازم نہیں آئے گا۔

احکام کی ترتیب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے توحید کا درس دیا پھر نماز کے احکام بتائے پھر زکوٰۃ کا حکم فرمایا پھر حج کا پھر جہاد کا

یہاں تک کہ اہل ایمان کا دین مکمل ہُوا چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم" اس سے ان کے ایمان مع ایمان میں اضافہ ہوا۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ان کا ایمان شرائع و احکام کے نزول سے بڑھتا تھا اس کے بعد تحقیق یہی ہے کہ ایمان گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے ہاں اس کے نور میں اضافہ ہونا اور اعمال صالحہ اور قوت احوال کی کثرت سے قوت پکڑتا ہے اس کی مثال جوہر فرد کی ہے کہ وہ من حیث الجوہر الفرد وہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے ایسے ہی ایمان کو سمجھیئے۔

سوال :۔ مذکور بالا تقریر آیات قرآنی کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ" (جو طاغوت سے کفر اور اللہ پر ایمان لاتا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ طاغوت کے ساتھ وہی بعینہ ایمان باللہ ہے تو ایمان فرد جوہر کی طرح نہ ہوا۔

جواب : بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ حقیقی ایمان تو وہی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا کہ جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں جس کا تحقق خاتمہ پر ہوتا اس کے درمیانی فاصلہ میں ایمان گھٹتا بڑھتا ہے کیونکہ ایمان کا دار و مدار خاتمہ پر ہے کیونکہ یہی خاتمہ سابقہ کا عین ہے۔ اس تقریر پر ایمان گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے کے قول کو اس پر محمول کیا جائے جو اسے فطرت پر حاصل ہوا اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے کے قول کو اس حالت پر محمول کیا جائے جو حالت سابقہ و خاتمہ کے درمیان حاصل ہُوا ہے کہ اس درمیانی مسافت میں اسے تکالیف کے متعلق معلومات حاصل ہوتے ہیں (اس تقریر کو خوب سمجھ لو کہ یہ نفیس تقریر ہے)۔

تفسیر صوفیانہ : حضرت سید الہدائی قدس سرہ نے مجالس السنیہ میں لکھا کہ "لیزدادوا ایمانا" سے ایمان وجدانی ذوقی عینی اور ایمان "مع ایمانہم" سے علمی غیبی مراد ہے اس لیے کہ سکینہ ایک نور قلبی ہے جس سے مشاہدہ کا سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اور یہ علم الیقین کے بعد عین الیقین کے مبادی کا نام ہے گویا ایسے لوگ وجدان یقینی کے ساتھ لذت و سرور پاتے ہیں "لمفردات" میں ہے کہ سکینہ ایک فرشتہ ہے جو مومن کے قلب کو سکون اور امن بخشتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر بولتا ہے"۔

سکینہ تین قسم ہے : بعض مشائخ نے فرمایا کہ سکینہ تین قسم ہے ہر تینوں میں اشتراک لفظی ہے :۔ (۱) وہ سکینہ جو بنو اسرائیل کو نصیب ہوئی جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا کہ "ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم" (بیشک اس کے ملک کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گی اس میں تمہارے رب تعالیٰ سے سکینہ ہوگی) مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ ایک ہوا ساکنہ طبعیہ جو د صفوں کے بالمقابل ہونے کے وقت اپنی آواز سے دشمنوں کے قلوب پر رعب

ڈالتی تھی یہ بنو اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے لئے معجزہ اور ان کے بادشاہوں کے لئے کرامت تھی۔

(۲) صنع باری تعالیٰ سے ایک لطیفہ تھا جو محدث کی زبان پر القاء کیا جاتا جیسے انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر فرشتہ وحی القاء فرماتا جس میں اسرار و کشف سر ہوتا۔

(۳) یہی سکینہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور اور صحابہ کرام کے قلوب پر نازل ہوئی یہ ایک نور و قوت و روح کی جامع شے تھی جس سے خوفزدہ کو سکون اور حزین کو تسلی نصیب ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" و انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین"۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نزول الملائکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم و اہل ایمان برابر ہیں لیکن جو شے نازل کی جاتی اس میں یہ مختلف ہیں ۔ وہ اس طرح کہ جو اولیاء کے قلوب پر الہام ہوتا ہے وہ کوئی مستقل شریعت نہیں ہوتی بلکہ وہ اتباع نبی علیہ السلام اور ان کی شرع فہمی کی باتیں ہوتی ہیں جو انہیں اپنے علم سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ جو فیض و نور و سکینہ اللہ تعالیٰ سے نازل ہوتا ہے وہ یا تو بواسطہ ملائکہ ہوتا ہے یا بلا واسطہ علاوہ ازیں نبی و ولی میں دیگر بھی بہت بڑے فرق ہیں کیونکہ جس طرح نبی ولی سے افضل و اولیٰ ہیں ایسے ہی ان کے واردات ولی کے واردات سے افضل و اولیٰ ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و سکینہ کا سوال کرتے ہیں ؎

ہر آنکہ یافت ز فضل خدا سکینت دل

نماند در حرم سینہ اش تردد و غل

ترجمہ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تسکین قلبی پائی اس کے سینہ کے حرم میں نہ تردد رہتا ہے نہ کھوٹ۔

تفسیر عالمانہ: " وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (اور آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں) الجنود جند (بضم الجیم) کی جمع ہے وہ ٹولہ جو جنگ کے لئے تیار کیا گیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا لشکر جو اس سے مخصوص ہے جو عالم کے امور کی تدبیر کرتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے کبھی ان کو دوسرے پر مسلط کرتا ہے اور کبھی ان کی صلح کراتا ہے جیسے اس کی مشیت ہوتی ہے جو ہزاروں حکمتوں و مصلحتوں پر مبنی ہے حضرت علامہ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے آسمانوں میں فرشتوں کا لشکر ہے اور زمین میں مجاہدین اہل ایمان اس کے لشکر ہیں تو اے ایمان والو جہاد کرو اور اس کی نصرت کی امید واثق رکھو۔ اور نہ صرف آسمانوں اور زمینوں میں اس کے لشکر ہیں بلکہ جملہ عالم کا ذرہ ذرہ اس کا لشکر ہے۔ وہ کریم اپنے اولیاء کرام کو دشمنوں کے بالمقابل شکست نہیں دیتا ؎

نصرت ازو طلب کہ بمیدان قدرتش
ہر ذرہ پہلوانی و ہر پشہ صفدریست

ترجمہ ۔ اسی سے مدد طلب کر کیونکہ اس کی قدرت کے میدان میں ہر ذرّہ پہلوان اور ہر مچھر شیر ہے ۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی لشکر ہے جس طرح چاہے اس کے ہر ذرّہ کو بدلہ لینے کے لئے مقرر فرمائے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے روکنے پر اللہ تعالیٰ کو لشکر کی کمی نہ تھی اور نہ ہی اسے مدد دینے میں کمزوری تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم و مشیت میں حکمت تھی (جو بعد کو ظاہر ہوئی) ۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جن سے چاہے اپنے دین کے لئے فتح و نصرت کی توفیق بخشے ۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آسمانوں کے آسمان ارواح عارفین کے ہمم اور ارض قلوب محبین کے تصور اور ان کے انفاس اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جو ہر ایک اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بدلہ لیتے ہیں جیسا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے دعا فرمائی کہ " لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا" (اے اللہ زمین پر کسی کا جھونپڑا نہ چھوڑ) آپ کی دعا سے تمام زمین پر رہنے والے کافر تباہ و برباد ہوئے صرف وہی بچے جو ایمان لائے اور موسیٰ علیہ السلام نے قبطیوں کے لئے دعا فرمائی کہ " ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم" اے اللہ
تو ان کے دل پتھر ہو گئے ایمان نہ لائے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھا ۔

حدیث شریف: جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنانِ اسلام کی طرف کنکریاں پھینکیں تو فرمایا "شاھت الوجوہ" (ذلیل ہوں چہرے) تو کفار باذن اللہ شکست کھا گئے ۔

فائدہ: ایسے ہی اس ولی اللہ کی شان ہے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہے) کہ وہ تمام اہل انفاس پر غالب ہے بلکہ عرش اعلیٰ سے تحت الثریٰ تک ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے یہاں تک کہ اگر اللہ نے چیونٹی کو بہت بڑے سانپ پر مسلط کرنا چاہے تو وہ اسے ہلاک و تباہ کر ڈالے گی ۔

اعجوبہ: پرچھی بچہ جن کر دو روز اسے زمین سے اوپر لٹکائے رکھتی ہے تاکہ اسے چیونٹیاں نہ کھا جائیں اس لیے جب یہ بچھو کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے پھر وقفہ وقفہ سے اس

کے اعضاء کا ظہور ہوتا ہے ۔

تجربہ : چوہے اور بچھو کو ایک شیشی میں یکجا بند کیا جائے تو چوہا بچھو کا ڈنک کاٹ لیتا ہے اس لیے وہ اس کے ایذاء سے محفوظ ہو جاتا ہے ۔

اس مضمون کی تائید میں نمرود کا مچھر کافی ہے ۔

انتباہ : مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) جملہ ذرات زمین و آسمان
لشکر حقند گاہ امتحان

(۲) باد را دیدی کہ با عاداں چہ کرد
آب را دیدی کہ طوفان چہ کرد

(۳) آنچہ بر فرعون زد آں بحر کین
و آنچہ با قاروں نمود است ایں زمین

(۴) آنچہ با بابیلاناں پیل کرد
و آنچہ پشہ کلہ نمرود خورد

(۵) و آنکہ سنگ انداخت داؤدے بدست
گشت شش صد پارہ و لشکر شکست

(۶) سنگ می بارید بر اعدائے لوط
تا کہ در آب سیہ خوردند غوط

(۷) دست بر کافر گواہی می دہد
لشکر حق می شود سر می نہد

(۸) گر بگوید چشم را کورا فشار
درد چشم از بر آرد صد دبار

(۹) گر بدنداں گوید او بنما وبال
پس بہ بینی تو ز دنداں گوشمال

ترجمہ ۔ (۱) زمین و آسمان کے جملہ ذرات امتحان کے وقت اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں ۔

(۲) کیا تو نے ہوا کو نہیں دیکھا کہ اس نے قوم عاد سے کیا کیا ۔ پانی کو نہیں دیکھا کہ اس نے طوفان

کے وقت کیا گیا۔

(۳) فرعون کو دریا نے کیسے غرق کیا زمین نے قارون کو کیسے دھنسا۔

(۴) ہاتھی والوں کے ساتھ ابابیل نے کیا کیا۔ ایک مچھر نے نمرود کی کھوپڑی کھالی۔

(۵) داؤد علیہ السلام نے ایک پتھر مارا تو جالوت کئی ٹکڑے ہوا اور اس کا لشکر بھاگ گیا۔

(۶) لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے تو آب سیاہ میں غوطے کھا کر مرے

(۷) قیامت میں کافر کا اپنا ہاتھ گواہی دے گا وہی حق تعالیٰ کا لشکر ہے جس کے آگے کافر سر تسلیم خم کرے گا۔

(۸) اللہ تعالیٰ اگر آنکھ کو فرمائے کہ وہ پانی چھوڑے تو آنکھ کا درد ہی تیرا ستیاناس کردے گا۔

(۹) اگر دانتوں کو فرمادے کہ اس کا برا حال کردے تو تیرا حال تباہ ہوگا ایسے ہی ناک سے فرما دے تو وہی تیرا قید خانہ بن کر تیرا برا حال بنادے گا۔

سبق: اللہ تعالیٰ پر توکل ضروری ہے کیونکہ وہی ہر ضعیف کا مددگار اور ہر عاجز کا حامی کار ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے بھی جس پر مسلط کرنا چاہے کرسکتا ہے یہاں تک کہ انسان پر اگر اس کا اپنا نفس مسلط کردے تو وہی اسے تباہ کردے گا۔ اگر اس کے اعضاء کو اس پر مسلط کرنا چاہے تو اس کے اپنے اعضاء اسے تباہ و برباد کردیں گے اگر نفس کو قلب پر غلبہ دے تو نفس اسے متابعت خواہشات، وطاعت شیطان کی طرف کھینچ کر لے جائے گا ایسے ہی اگر اس کے قلب کو اس کے نفس و اعضاء پر مسلط کردے تو وہ انہیں ادب کی طرف لے جائے اور عبادت پر مداومت کرادے اور عبودیت میں اخلاص پر مجبور کردے گا۔

تفسیر عالمانہ: "وَكَانَ اللّٰهُ" اور اللہ تعالیٰ ازلاً و ابداً "عَلِيْمًا" جمیع امور میں بہت بڑے علم والا ہے "حَكِيْمًا" تقدیر و تدبیر میں حکیم ہے۔

فائدہ: کان بمعنی کان و یکون ہے یعنی انہی صفات پر دلالت کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی خاص ماضی کے لئے علیم و حکیم رہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ "و للہ جنود السمٰوٰت" میں سمٰوٰت کے جنود سے انوار قدسیہ و امدادات روحانیہ اور "جنود الارض" سے صفات نفسانیہ و قوائے طبعیہ مراد ہیں اسی لیے ان کے بعض ایک دوسرے پر غلبہ پا جاتے ہیں۔ جب کسی پر آسمان کے جنود غلبہ پا جاتے ہیں تو اسے سکینہ اور کمال الیقین نصیب ہوتا ہے اگر کسی پر جنود الارض کا غلبہ

ہوتا ہے تو وہ شک و ریب میں پڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فریق اول کے اندرونی اسرار اور ان کی استعدادات کے مقتضیات اور ان کی فطرت کی صفائی کو خوب جانتا ہے ایسے ہی فریق ثانی کے نفوس کی کدورت کو بھی اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اپنی حکمت میں کامل ہے۔

تفسیر دوم صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں زمین و آسمان کے تمام لشکر وہی اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں یہی اس کے بندوں کی اس کی معرفت پر فتحیابی کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ ہر اس بندے کو خوب جانتا ہے جو اس کی معرفت پر فتحیابی کی مدد کے لائق ہے۔ اور جو لائق ہے اس پر جو حکم ازل میں فرما چکا اپنی حکمت کامل کے مطابق جو حکم فرمایا صحیح فرمایا۔

تفسیر عالمانہ: ''لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا'' (تاکہ اللہ مومن مرد و عورتوں کو ان باغات میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔) یہ اس معنی پر ہے جس پر ''جُنُودُ السَّمٰوٰتِ'' الخ دلالت کرتا ہے یعنی تصرف و تدبیر کے لحاظ سے آسمانوں اور زمینوں کے لشکر صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں یعنی اس نے وہ تدبیر کی کہ اہل ایمان کو کافروں پر مسلط کیا تاکہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں تو وہ انہیں بہشت میں داخل فرمائے'' وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ'' اور تاکہ ان کے گناہوں کو مٹائے یہ ''لیغفر لک اللہ'' الخ کے مقابلہ میں ہے یعنی تاکہ انہیں بہشت میں داخل کرنے سے پہلے ان کے گناہ بخشے اور وہ کسی پر ظاہر بھی نہ ہونے دے تاکہ وہ بہشت میں پاک اور صاف ہو کر داخل ہوں۔

سوال۔ ادخال بہشت کو تکفیر سیأت سے مقدم کیوں کیا گیا حالانکہ ان کے وجود کی ترتیب اس کے برعکس ہے اور عقلاً یہ تقدیم صحیح نہیں کیونکہ پہلے تطہیر ہوتی ہے سنگار بعد کو ہوتا ہے۔

جواب۔ اصل مطلب کو جلد بیان کرنا مطلوب ہے۔ اور ایسے مواقع پر ایسی تقدیم جائز ہوتی ہے'' وَكَانَ ذٰلِكَ'' اور ہے یہ مذکور ادخال و تکفیر'' عِندَ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ کے ہاں'' فَوْزًا عَظِيمًا'' بہت بڑی کامیابی کیونکہ اب اس کی قدر و منزلت کسی کو معلوم نہیں اس لیے کہ حصول نفع اور دفع ضرر کے لئے تمنوں کا انتہا اسی پر ہے۔

فائدہ: الفوز بمعنی سلامتی کے ساتھ فتحمندی کا ہونا۔ ترکیب نحوی میں عند اللہ فوزاً سے حال ہے اس لیے کہ یہ در اصل صفت ہے لیکن جب مقدم ہوئی تو حال بن گئی اب معنی یہ ہوا کہ وہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے علم و قضاء میں ہے۔

'' وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ تاکہ مدینہ کے منافق مرد اور عورتوں کو'' وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ''

اور مکہ کے مشرک مرد عورتوں کو عذاب دے اس کا عطف بدخل پر ہے اور تعذیب سے مراد کافروں اور منافقوں کی وہ شکست مراد ہے جو اہل ایمان کو مدد ملی تو ان کو غیظ وغضب حاصل ہوا وہ ان کے لئے عذاب تھا۔

نکتہ: منافقین کی تقدیم علی المشرکین میں اشارہ ہے کہ منافقین بہ نسبت کفار کے عذاب کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنگ پر نہ گئے پھر واپسی پر عذر کرنے لگے اور وہ باتیں کہیں جو زبان پر کچھ اور دل میں کچھ۔ اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں سچے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے تھے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یوم ینفع الصٰدقین صدقھم " اس دن سچے لوگوں کو ان کا صدق نفع دے گا یعنی وہ سچ فائدہ دے گا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ کہ وہ جو لوگوں کی نظروں میں تو سچ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹ ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " مشرکین کے ساتھ اپنے اموال ونفوس اور زبانوں سے جہاد کرو "

فائدہ: اس میں بھی تحقیق وتصدیق کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دلیل کے بغیر دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے ؎

برہان بباید صدق را

ورنہ ز دعواہا چہ سود

ترجمہ۔ صدق کو برہان چاہیئے ورنہ صرف خالی دعووں کا کیا فائدہ۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ " (وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان رکھتے تھے)

ترکیب: یہ دونوں طائفوں (منافقین ومشرکین) کی صفت ہے اور " ظن السوء " منصوب علی المصدریہ ہے اور ظن کی سوء کی طرف اسی طرح کی اضافت ہے جیسے سیف شجاع میں ہے اور یہ درحقیقت مضاف الیہ موصوف صفت ہیں دراصل عبارت یوں تھی " سَیْفُ رَجُلٍ شجاع (بہادر مرد کی تلوار) ایسے ہی یہ بھی دراصل " ظن الامر السوء " (برے امر کا گمان) ان کی بدگمانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں مکہ پر فتح دے گا اور نہ ہی مدینہ شریف میں جان بچا کر واپس آئیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمؤمنون الی اھلیھم ابداً " بلکہ تمہارا گمان تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اہل ایمان گھر کو ہمیشہ تک واپس نہیں آئیں گے۔

فائدہ: کشف الکشاف میں ہے کہ ظن السوء رجل صدق کی طرح ہے یعنی ان کا گمان برا فاسد اور مذموم تھا۔

قاعدہ: بصریوں کے نزدیک موصوف کی صفت اضافت جائز نہیں اور نہ ہی برعکس یعنی صفت موصوف کی طرف مضاف ہوتی ہے کیونکہ موصوف وصفت ایک شے ہوتی ہے تو انہیں سے کسی ایک کو دوسرے کی طرف مضاف کرنا شے کا اپنی ذات کی طرف مضاف کرنا ہے (اور اضافۃ الشئ الی نفسہ بالاتفاق ناجائز ہے)

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں بدگمانی کرتا ہے خواہشات پوری کرنے اور بدعات پھیلانے سے ایسے ہی اس کے افعال و احکام میں ظلم اور عبث سے بعض عارفین نے فرمایا. اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمانی کی مثال اس شخص کی ہے جس پر شیطان کا تسلط ہو جائے اور وہ اس سے امتحان لے اور آزمائش میں ڈالدے پھر جب شیطان اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور رحمت لے کر آیا ہے اور آیا اس لیے ہوں تاکہ بھلائی میں تیرا ہاتھ بٹاؤں اور تجھے بھلائی کی رہبری کروں تاکہ تو اللہ کے ہاں بلندیوں پر ہو یعنی تجھے عرش بریں کی صدر نشینی نصیب ہو چونکہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان نیک ہے اسی لیے شیطان کے اس فریب پر اللہ کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے نیک گمان کی برکت سے اس کے اس شیطان کو فرشتہ بنا دے گا جیسا کہ حکایت ذیل کی دلالت کرتی ہے۔

حکایت: جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ایک ایسی جگہ تیار کی جس کا میدان زمرد اخضر اور جس کی کھیتی لؤلؤ و جواہر تھے اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان مطلوب تھا سلیمان علیہ السلام نے خیال کیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو مجھے اس نے اپنے فضل و کرم دنیا میں عطا فرمایا ہے اسی خیال سے شکر کے طور سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی اس نیک گمانی پر یہ انعام بخشا کہ (وہ تیار کردہ زمین بھی) اور ارض مقدسہ عطا فرمایا۔

فائدہ: برے گمان کی مثال اس شخص کی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کا فرشتہ بھیجے تاکہ وہ اس کی بھلائی کی رہبری کرے لیکن وہ کہے تو فرشتہ نہیں بلکہ شیطان ہے تاکہ مجھے گمراہی میں مبتلا کر دے۔ اس کی اس بدگمانی پر اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو اس کے لئے شیطان بنا دے گا صرف اسی بدگمانی کی نحوست سے

حدیث شریف ۱: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔

حدیث شریف ۲: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال سے تین یوم پہلے فرمایا کہ اے میرے یارو موت سے پہلے اچھا گمان رکھنا تمہاری موت اللہ تعالیٰ کے

سائفہ حسن ظن پر واقع ہو۔ یہی یقین کی نشانی ہے۔

عقیدۂ صحابی درعلم غیب رسول: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا کہ تجھ پر موت نہیں آئے گی جب تک تو مصر کا حاکم نہ ہو۔ ایک دفعہ جنگ میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو وہ صحابی ان میں موجود تھا کہا کہ مجھے فلاخن میں ڈال کر کفار کی طرف پھینک دو میں ان کے ہاں پہنچ کر ان کے ساتھ جنگ کروں گا اور قلعہ کا دروازہ بھی کھولوں گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ایسی جرأت کیوں فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تجھے مصر کی حکومت ملے گی اب تک میں مصر کا والی (حاکم) نہیں ہو سکا اس لیے مجھے یقین ہے کہ کفار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔

سبق: غور فرمائیے کہ صحابی کو کتنی قوت ایمانی نصیب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کسی کو فلاخن میں ڈال کر پھینکنے سے (اولاً) انسان جانبر نہیں ہو سکتا (اگر بچ بھی گیا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر) اور پھر اس کے بالمقابل کفار جو اُن کی جان کے پیاسے ہیں لیکن صحابی تھا وہابی نہ تھا۔ اویسی غفرلہ)

ے ظاہر و باطن آئینۂ یکدیگرند

سینہ صاف تر از آب روانم دادند

ترجمہ۔ ہمارا ظاہر و باطن ایک دوسرے کے لئے آئینہ کی طرح ہے ہمیں سینہ آب رواں سے بھی زیادہ صاف عطا فرمایا ہے۔

"عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ" (ان پر بری گردش ہے) یعنی اہل ایمان کے لئے جس طرح کا گمان کرتے اور ان کے لئے بری گردش کا انتظار کرتے ہیں تو وہی خود انہیں گھیر لے گا اور ان پر ہی گردش گرے گی ان کے سوا اور کسی پر متجاوز نہ ہو گی اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو جھوٹا ثابت فرمایا ہے جو کچھ اہل ایمان کے لئے گمان کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسے الٹ کر ان پر دے مارا کر ان کے سوا کسی پر نہ گرا اور نہ ہی وہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا "و یتربص بکم الدوائر علیہم دائرۃ السوء" وہ تمہارے لیے بری گردشوں کا انتظار کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہی بری گردش میں مبتلا کر دیا یعنی وہ اس گمان میں تھے کہ اہل ایمان بری گردش میں مبتلا ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے معاملہ الٹ دیا کہ وہی بری گردش ان پر گری اور اہل ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا۔

فائدہ: حضرت مولانا ابوالسعود (مفسر) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "علیہم دائرۃ السوء" ان

عہ سورہ توبہ میں مفسر نے اپنی تفسیر میں لکھا ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

کے لئے بد دعاء ہے کہ جو کچھ وہ اہل ایمان کے لئے چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے خود انہیں اسی بری گردش میں مبتلا فرما دیا یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے یہود کو فرمایا " غلت ایدیھم " (ان کے ہاتھ بندھے ہوں) (یہ کلمہ بھی یہود کے لئے بد دعاء کا ہے) جبکہ انہوں نے بکواس کی کہ " ید اللہ مغلولۃ " اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (ان کے جواب پر بد دعاء کے طور پر فرمایا " غلت ایدیہم ")

سوال :۔ بد دعاء ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے عجز ثابت ہوتا ہے کیونکہ عرف میں ہے کہ بد دعاء وہ کرتا ہے جو عاجز ہو اور اللہ تعالیٰ عجز سے منزہ اور پاک ہے؟

جواب :۔ اس سے بندوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ کفار و مشرکین کو بدعا کرنا جائز ہے جیسے قاتلہم اللہ " (اللہ تعالیٰ انہیں مارے) وغیرہ ۔

حل لغات : ابن الشیخ نے فرمایا کہ السوء (بالفتح) صفت مشبہ ہے ساء یسوء سے ہے از باب نصر ینصر اس کا بالمقابل حسن یحسن حسنا فھو حسن ہے یہ فعل لازم بمعنی قبح ہے یعنی فاسد اور ردی ہو گیا بخلاف ساءہ یسوءہ سوء مسارۃ بمعنی احزنہ یعنی اسے غمگین کیا یہ سرہ (بمعنی اسے خوش کیا) کی نقیض ہے یہ متعدی ہے اس کی ماضی بفتح العین آتی ہے اس کی ماضی کا وزن اور فعل لازم کی ماضی کا وزن ایک ہے لیکن فعل متعدی کا اصل فعل (بفتح العین) اور فعل لازم کا اصل بضم العین ہے اس کا فاعل فعل آتا ہے صعب صعوبت فھو صعب کی طرح ۔ اور السو بالضم اسی فعل لازم کا مصدر ہے اور السوء (بالفتح) اسم فاعل فعل لازم اور مصدر متعدی کے درمیان مشترک ہے۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ سُوء (بالضم و بالفتح) دونوں لغتیں ساء کے مصدر کی ہیں اور ان کا ایک معنیٰ و مطلب ہے جیسے " الکرہ " (بالفتح و بالضم) اور " الضعف " (بالضم و بالفتح) کا ایک ہی مطلب معنیٰ ہے ہاں فرق اتنا ہے کہ السوء (بالفتح) ہو تو اس کا مضاف وہ ہو جس کی مذمت مطلوب ہے اور بالضم ہو تو اس کا مضاف تو اس شے کے قائم مقام ہوتا ہے جو خیر کی نقیض ہے اسی لیے یہاں اس کا مضاف ظن ہے کہ وہ مذموم ہے اور دائرۃ اگرچہ محمود ہے تو یہ حق تھا کہ یہ اس کا مضافت نہ ہو لیکن دائرہ کی تاویل کر کے مذموم کے معنیٰ میں لیا گیا ہے ۔ ہاں اگر السوء (بالضم) کی طرف مضاف ہو تو بھی مذموم کے معنیٰ میں ہو گا کیونکہ وہ جو کافروں کو پہنچی وہ بھی ایک مکروہ شے اور مشدہ نہ تھی اس معنیٰ پر اس پر بھی اسم سوء کا وقوع صحیح ہو گا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا " ان اراد بکم رحمۃً او اراد بکم سُوءً " اس نے تمہارے لیے رحمت کا ارادہ کیا یا اس نے تمہارے لیے برائی کا ارادہ کیا[1]

---

[1] کذا فی بعض التفاسیر ۱۲ ۔ روح البیان ۔

تحقیق الدائرۃ : مرکز میں خط محیط کو دائرہ کہا جاتا ہے پھر عرف عام میں اس کا اطلاق اس حادثہ و مصیبت پر ہونے لگا کہ جس پر وہ واقع ہو اسے محیط ہو جائے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں وہ مصیبت دائرہ کی طرح گھیر گئی یا مصیبت میں مبتلا ہو اس کے دائرے میں پھنس گئے کہ اس سے جان چھڑانا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔

فائدہ: یاد رہے کہ دائرہ کی اکثر استعمال مکروہ امر میں ہوتی ہے جیسے لفظ دولت کی اکثر استعمال اس محبوب امر میں ہوتی ہے جو دست بدستی بدلتی رہے یعنی کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے ہاں دائرۃ السوء کی اضافۃ العام الی الخاص کے قبیل سے ہے یہ اضافت بیانیہ ہے۔ خاتم فقہ کی طرح ہے یہ دراصل دائرۃ من شرلا من بنحو" دائرہ کا اطلاق شر پر ہوتا ہے اس کا اطلاق خیر پر نہیں ہوتا۔

فائدہ: حضرت ابوالسعود رحمہ اللہ نے فرمایا دائرۃ السوء بمعنی نوبت سُوء مصدر ہے پھر اس کا اطلاق ہر ضرر اور شر پر آتا ہے مذمت کے لئے دائرہ کا مضاف ہے جیسے کہا جاتا ہے "اجل سوء" کیونکہ جس پر مصیبت وارد ہوتی ہے وہ مذموم سمجھا جاتا ہے اس تقریر پر یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ سے ہے مبالغہ کے طور مصدر کو صفت کے معنیٰ میں کر کے دائرہ کا مضاف الیہ بنایا گیا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا " ما کان ابوک امرأ سوء" (تیرا باپ برا آدمی نہ تھا)۔

فائدہ: دائرہ خود برائی کے معنیٰ کو مقتضی ہے کیونکہ دائرۃ الدہر ہوتا ہی مکروہ امر کے لئے ہے۔ اسی معنیٰ پر یہ اضافت بیانیہ اور تاکید ہو گی جیسے کہا جاتا ہے شمس النہار

"وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" (اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے غضب) اس کا عطف اس پر ہے جو اس کے آخرت میں مستحق ہیں اور ان پر غضب ہے جس کے وہ دنیا میں مستوجب ہوئے۔ بعض نے کہا غضب الٰہی بمعنی اللہ تعالیٰ کا ان کے لئے آخرت میں ارادہ عقوبت بوجہ ان کے دنیا میں شرک و منافقت میں رہنے کے۔ یاد رہے کہ غضب دو طرح ہے۔ صورۃً و نتیجۃً۔ صورۃً یہ کہ غضب والے کی شکل کا تغیر اس امر سے کہ جس سے اسے اذیت پہنچی۔ اور نتیجۃً یہ کہ مغضوب علیہ کو ہلاک و تباہ کر دینا یا اسے ایذاء پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے غضب سے نتیجۃً غضب مراد ہے اس میں کنایہ ہے کہ سبب بولکر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

"وَلَعَنَهُمْ" اور اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی یعنی اپنی رحمت سے دور کیا۔ "وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ" اور ان کے لئے جہنم تیار کی واو دونوں فعلوں میں (باوجودیکہ یہاں فاء کا لانا بہتر تھا) سببیت کی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ماقبل مابعد کا سبب ہے اس لیے کہ لعنت ان کے اعداء

جہنم کی تیاری اور غضب لعنت، کا سبب ہے اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہر دونوں فعل وعید میں مستقل اور اصل کوئی بھی ایک دوسرے کے تابع نہیں " وَسَآءَتْ مَصِيْرًا " اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔ المصیر بمعنے المرجع یعنی دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر عالمانہ: " وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " (اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے لشکر) " وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا " اور ہے اللہ بہت بڑی عزت اور ہر شے پہ قدرت رکھنے والا " حَكِيْمًا " بہت بڑی حکمت والا۔ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے عین مقتضی پر کرتا ہے اور وہ مبنی برصواب ہوتا ہے۔

سوال ۔ یہ مضمون پہلے گذر چکا ہے اسے دوبارہ کیوں لایا گیا اس سے تکرار لازم آگیا۔

جواب ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر میں کثرت ہے کہ اس کا ایک لشکر تو وہ ہے جو اہل ایمان کو نہایت تعظیم و تکرم سے بہشت میں لاتا ہے۔ ایک وہ بھی ہے جو کفار کو عذاب دے کر جہنم میں داخل کرتا ہے پہلے کا نام جنود الرحمۃ ہے دوسرے کا نام جنود العذاب ہے اس دوسرے سے بھی مراد ہے جیسا کہ لفظ عزیز اشارہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ لفظ عزیز کو وہاں لاتا ہے جہاں عذاب و انتقام کا بیان ہو۔

فائدہ: برہان القرآن میں ہے پہلا انزال السکینہ و ازدیاد ایمان المومنین سے متصل ہے تو وہ علم و حکمت کے قائم مقام ہے اس کا تقاضا فتح و نصرت تھی جیسا کہ "ینصرک نصراً عزیزاً" میں اشارہ فرمادیا اور دوسرا و تیسرا جو اس کے بعد مذکور ہیں وہ عذاب و غضب اور سلب الاموال و سلب الغنائم کے متصل ہیں اسی لیے یہ علم و حکمت اور عزت، و غلبہ کو تقاضا کرتے ہیں۔

اعجوبے: کشف الاسرار میں ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے کسی نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کا مقابلہ کرتا ہے تو اس کے مقابلہ میں جس قسم کا لشکر چاہتا ہے بھیجتا ہے مثلاً نمرود کے مقابلہ کو مچھر اور بلقیس کے لئے ھُدھُد وغیرہ کو بھیجتا ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابی ابن سلول نے کہا کہ مانا کہ (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شکست دے دی لیکن فارس و روم کا مقابلہ کر کے دکھلائیں تو پتہ چلے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا " وللہ جنود السمٰوٰت والارض " الخ یعنی اللہ تعالیٰ کا لشکر فارس و روم سے بڑھ کر ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ آسمانوں و زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک

اور اس کے تابع اور قبضہ میں ہیں اور وہ اس کے ایسے سپاہی ہیں جیسے ایک بادشاہ کے ہوتے ہیں اس کا تکرار اس لیے ہے کہ اہل ایمان کو وعدۂ الٰہی کے ایفاء کا یقین اور منافقوں اور مشرکین کو اپنی شکست و ذلت کی وعید سن کر خوف الٰہی پیدا ہو تاکہ وہ تکذیب وغیرہ سے باز آسکیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ قلوب کے آسمانوں اور نفوس کی زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور عجیب مصنوعات ہیں جس سے وہ اپنے اولیاء کی ان کے نفوس پر مدد فرماتا ہے تاکہ اس کے قرب کمال میں کامیاب ہوں اور اپنے اعداء کو ذلیل و خوار کرے اور انہیں خواہشات کی وادیوں میں تباہ و برباد کرتے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں جیسا کہ اس کا مابعد دلالت کرتا ہے چنانچہ فرمایا " وکان اللہ عزیزا " اور اللہ تعالیٰ عزیز ہے وہ اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے "حکیما" اور حکیم ہے اس میں کہ وہ اپنے اولیاء کرام کو عزت بخشتا ہے۔ (التاویلات النجمیہ)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے بہشت کے درجات کے مطابق دوزخ کے ایک سو درجات بنائے ہیں اس میں ہر درجہ کے لئے ایک مخصوص گروہ مقرر فرمایا ہے وہ لوگ جن پر غضب الٰہی ہے انہیں کے لائق ان کو درد و الم پہنچے گا۔ عذاب دینے کے لئے مخصوص فرشتے مقرر ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس غضب اور عذاب سے پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس کی نعمتوں اور ثواب کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ غضب کے تین درجات ہیں:۔

(۱) امداد علمی کا انقطاع تسلیط الجہل والہوٰی والنفس والشیطان والاحوال الذمیمہ کو مستلزم ہے ایسے لوگوں کو آخری سانس سے قبل فائدہ نصیب ہوتا ہے یہ اس کے حق میں ہے جس کا سعادت پر خاتمہ ہوگا۔

(۲) بعض ایسے ہیں جنہیں جہنم کے دخول کے وقت نصیب ہوتا لیکن اس کے لئے شفاعت کا دروازہ کھلتا ہے تو بچ جاتا ہے۔

(۳) بعض وہ ہیں جنہیں دائمی دوزخ میں رہنا ہے، حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

دارم از لطف ازل جنت فردوس طمع
گرچہ دربانیٔ میخانہ فراواں گردن

ترجمہ۔ اس کے لطف ازل سے مجھے جنت فردوس نصیب ہو۔ اگرچہ میں نے میخانہ کی بہت دربانی کی۔

اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے غفور اور رحیم ہے جو توبہ کرے اور صراط مستقیم کی طرف لوٹے۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا" (بیشک ہم نے آپ کو شاہد بنایا) مفسر روح البیان نے اس کے مقدر فرمایا ہے "علی امتك" (آپ کی اپنی امت پر) اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی تمام امت پر حاضر ہیں کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کی امت ہے جیسا کہ خود فرمایا (ارسلت الی الخلق کافۃً (مسلم) میں تمام مخلوق (کے ذرہ ذرہ) کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور شاہد بمعنے حاضر ہے[1] (اضافہ اویسی غفرلہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتا ہے "لیکون الرسول علیکم شہیدا" تاکہ ہوں رسول تمہارے لیے حاضر و ناظر یعنی اس کے لئے جو ان کی تصدیق کرے اور ان کے لئے جو ان کی تکذیب کرے یعنی آپ کی گواہی ان کے حق میں مقبول ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خواہ آپ ان کے فائدہ کی گواہی دیں یا ضرر کی جیسا کہ حاکم کے سامنے شاہد عدل کی گواہی مقبول ہوتی ہے اور یہ حال مقدرہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام تحمل و اداء کے وقت شاہد ہیں اور نہ مان ارسال کے بعد ہے بخلاف دوسرے معطوف علیہ کے کہ وہ احوال مقدرہ نہیں "وَمُبَشِّرًا" اور طاعت والوں کو ثواب اور جنت کی اور اہل طاب کو وصول کی خوشخبری سنانے والے "وَنَذِيْرًا" اور معصیت والوں کو دوزخ اور عذاب سے اور روگردانی کرنے والوں کو قطعیت اور ہجران سے ڈرانے والے۔

تورات کا مضمون: تورات میں ہے "یاایھا النبی انا ارسلنك شاھدا ومبشرا ونذیرا وحرزا للامیین الخ" اے نبی علیہ السلام بیشک ہم نے تمہیں شاہد و مبشر و نذیرا اور امی لوگوں کا نگران بنا کر بھیجا ہے تم میرے عبد مقدس اور رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے نہ ترش رو اور نہ سخت گیر اور نہ ہی بازار میں فضول چلنے والے برائی کو برائی سے دفع نہیں کرتے بلکہ معاف اور درگذر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک ٹیڑھی ملت درست نہ ہو یہاں تک کہ کہا جائے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اس سے اندھی آنکھیں کھلیں گی اور بہرے کان سنیں گے اور بند شدہ قلوب راہ پائیں گی ؎

سرخیل انبیاء و سپہدار اتقیاء
سلطان بارگاہِ دنی قائدِ امم

ترجمہ۔ انبیاء کے سردار اور اتقیاء کے امام۔ بارگاہ دنیٰ کے سلطان اور امتوں کے قائد۔

---

[1] اس کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "تسکین الخواطر فی تحقیق الحاضر والناظر" میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہ)

"لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰہِ" یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی امت کو ہے اس معنیٰ پر یہ خطاب تخصیص کے بعد تعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ "یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا" کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب تھا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "یا ایھا النبی اذا طلقتم النسآء" (اے نبی (علیہ السلام) جب تم عورتوں کو طلاق دو) اس نداء سے صرف نبی علیہ السلام مراد ہیں اس کے بعد خطاب عام کیا تو تغلیب المخاطب علی الغائبین کے قبیل سے ہوگا۔ اور وہ جملہ اہل ایمان ہیں۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام کو اپنی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی کہ انی عبد اللہ ورسولہ بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

ردوہابیہ: سہیلی نے امالی میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے اپنی نبوت کا علم ہوا بعد کو جبریل علیہ السلام کی معرفت اور ایمان کا علم بعلم ضروری ہے۔ جب آپ نے اپنی نبوت کو جان لیا تو اس پر ایمان لائے تو پھر اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ" (رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایمان لائے اس پر جو ان کے رب تعالیٰ سے ان کی طرف اترا)۔

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب صرف امت کو ہو۔

سوال۔ اگر یہ خطاب صرف امت کو ہے تو پھر پہلے خطاب کی تخصیص صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا توجیہ ہوگی۔

جواب: رئیس القوم کے خطاب میں اس کے اتباع تبعاً شامل ہوتے ہیں اسی لیے جائز ہوتا ہے کہ رسول سے خصوصی خطاب میں ان کے اتباع بھی اس میں داخل ہوں۔ کیونکہ صرف اتنا مقصود ہے کہ وہ حکم اتباع کو سنایا جائے۔

"وَتُعَزِّرُوْہُ" اور اس کی تعظیم کرو اور اس کو تقویت دو اس کے دین اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کر کے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ التعزیر بمعنے النصرۃ من التعظیم یعنی کسی کی عظمت کے پیش نظر اس کی مدد کرنا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وتعزروہ اور التعزیر اس سزا کو بھی کہتے ہیں جو حد (سزا شرعی) سے کم مرتبہ میں ہو اس کا مطلب بھی پہلے معنیٰ کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ یہ سزا بطور تادیب کے ہے اور تادیب

بھی نصرۃ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن پر قہر و غضب کیا جاتا ہے اس لیے کہ افعال الشر انسان کے دشمن ہیں جب اسے ان سے باز رکھا جائے گا تو گویا تم نے اس کی مدد کی اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انصر اخاك ظالما او مظلومًا" اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، عرض کی گئی کہ مظلوم کی مدد تو بجا لیکن ظالم کی مدد کیسی؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کو ظلم سے بچانا اس کی مدد ہے۔ القاموس میں ہے کہ تعزیر کی سزا حد کی سزا سے کم ہوتی ہے یا اس سے سخت تر اور التعزیر بمعنی تفخیم و تعظیم قبیل اضداد سے ہے اور بمعنے اعانت جیسے العزر اور بمعنے تقویت جیسے النصر۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ التعزیر بمعنے المنع اس لیے کہ وہ برائی پر عود کرنے سے روکتی ہے۔ اب آیت کا معنیٰ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے روکو یعنی اس کے دین اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تاکہ اس پر اس کا دشمن قوت نہ پا سکے "وَتُوَقِّرُوْهُ" اور اس کی تعظیم و توقیر کرو اس اعتقاد سے کہ وہ جمیع صفات کمال سے موصوف اور جمیع وجوہ نقصان سے منزہ ہے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ التوقیر بمعنے التعجیل الوقار بروزن سحاب بمعنے سکون و حلم (حوصلہ) الوقر سے ہے یعنی وہ ثقل جو کان میں ہو (یعنی بہرہ پن) "وَتُسَبِّحُوْهُ" اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ کرو اس سے جو اس کے لائق نہیں یعنی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نہ ہی اس کی اولاد ثابت کرو اور نہ وہ صفات ہی اس کے لئے بناؤ جو مخلوق کی ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ اس کی نماز پڑھو۔ السبحۃ سے ہے بمعنے دعاء و صلوٰۃ نفلی (القاموس) میں ہے کہ التسبیح بمعنے صلوٰۃ اسی لیے ہے "فلولا انه كان من المسبحين" اگر وہ نماز پڑھنے والوں سے نہ ہو۔ "بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" صبح و شام بکرہ بمعنے اول النہار اور اصیل بمعنے آخر النہار اس سے دوام مراد ہیں کیونکہ اس لفظ سے ہمیشہ دوام لیا جاتا ہے۔

نماز پنجگانہ کا ثبوت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ اس سے صبح و ظہر و عصر کی نماز مراد ہے اور عین المعانی میں ہے بکرہ سے صبح کی نماز اور اصیل سے باقی چار نمازیں مراد ہیں۔ آیت سے ثابت ہوا کہ نمازیں پانچ ہیں (اس سے منکرین حدیث اور پرویزیوں کا رد ہوا جو کہا کرتے ہیں کہ نمازیں صرف تین ہیں۔ اویسی غفرلہ)۔

اہلسنت کی تائید: بعض اہل تفاسیر نے فرمایا کہ وتعزروہ وتوقروہ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اس سے تفکیک لازم آتی ہے وہ اس لیے کہ رسولہ و تسبحوہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔

اور یہ قطعی امر ہے باوجود اینہمہ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تعزروہ وتوقروہ کی ضمیر لوٹائی جا سکتی ہے ۔ اور آپ کی تعظیم وتوقیر سے آپ کی سنت کی اتباع مراد ہے ظاہراً بھی باطناً بھی کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجودات کا خلاصہ ہیں ۔

تیرے صدقے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: صاحب روح البیان قدس سرہ صدیوں پہلے مندرجہ ذیل فیصلہ دے گئے اگر کوئی مان لے تو دور حاضرہ کے اکثر مسائل اختلافیہ حل ہو سکتے ہیں فرماتے ہیں[1] کہ

وھو المحبوب الاصلی وما سواہ تبع لہ فلھذا ارسلہ اللہ شاھدا فانہ لما کان اول مخلوق خلقہ اللہ تعالیٰ کان شاھدا بوحدانیۃ الحق وربوبیتہ و شاھدا بما اخرج من العدم الی الوجود من الارواح والنفوس و الاجرام والارکان والاجسام والاجساد والمعادن والنبات والحیوان والملک والجن والشیطان والانسان وغیر ذلک لئلا یشذ عنہ ما یمکن للمخلوق درکہ من اسرار افعالہ وعجائب صنعہ و غرائب قدرتہ الحیث لایشارکہ فیہ غیرہ (روح البیان ج ۹ ص ۱۸ مطبوعہ بیروت)

وہ محبوب اصلی ہیں اس کے ماسوا ہر شے اس کی طفیل ہے اس لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے شاہد بنا کر بھیجا اس لیے کہ آپ اول المخلوق ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اسی لیے آپ اللہ تعالیٰ کی توحید و ربوبیت کے پہلے شاہد ہیں اور آپ اس ہر چیز کے شاہد ہیں جو عدم سے وجود میں آئی وہ ارواح ہوں یا نفوس ہوں وہ ارکان ہوں یا اجسام واجساد وہ معادن ہوں یا نباتات ہوں وہ حیوانات ہوں وہ ملک ہوں یا جنات وہ شیاطین ہوں یا انسان وغیرہ وغیرہ تاکہ آپ سے مخلوق کی تخلیق کے اسرار میں سے کوئی راز مخفی نہ رہے وہ اسرار افعال ہوں یا عجائب صنعت ہو یا غرائب قدرت کہ اللہ تعالیٰ کا ان میں کوئی شریک نہیں ۔

علم غیب کلی کا دعوٰی از رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں[2] کہ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "علمت ما کان وما یکون" میں نے جان لیا جو کچھ ہوا اور ہوگا ۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ [2] اضافہ اویسی غفرلہ

فائدہ: اس حدیث شریف کی دلیل میں صاحب روح البیان نے لکھا کہ "لانه شاهدا لکل وما غاب لحظة و شاهد خلق آدم علیه السلام والاجله قال کنت نبیا وآدم بین الماء والطین[2] کیونکہ آپ کل کے شاہد ہیں آپ سے کوئی شئے ایک آن کے لئے غائب نہیں آپ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے شاہد ہیں اسی لیے فرمایا "میں نبی تھا اور آدم پانی اور مٹی کے درمیان کے تھے"۔ یعنی میں پیدا ہو چکا اور مجھے علم تھا کہ میں نبی ہوں گا اور میرے لئے نبوت کا حکم ہو چکا اور آدم علیہ السلام اس درمیان میں تھے کہ ان کی روح اور جسم پیدا ہو گئے لیکن ان کے اتصال سے گویا وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

جملہ مخلوق پر شاہد ہونے کا معنیٰ: آیت انا ارسلنک شاهدا کے معنیٰ میں ہمارے دور میں کچھ کا کچھ بتایا جاتا ہے جو حقیقت کے بالکل منافی ہے۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ شاہد کا معنیٰ بتاتے ہیں وشاهد خلق آدم کے بعد لکھا کہ

فشاهد خلقه وما جرى عليه من الاكرام والاخراج من الجنة بسبب المخالفة وما تاب عليه الى آخر ما جرى عليه وشاهد خلق ابليس وما جرى عليه من امتناع السجود لآدم والطرد واللعن بعد طول عبادته ووفور علمه بمخالفة امر واحد فحصل له بكل حادث جرى على الانبياء والرسل والامم فهوم وعلوم[3]

تو آپ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے شاہد اور جو ان پر جاری ہوا اکرام اور بسبب مخالفت کے بہشت سے نکالنے کے اور جب انہوں نے توبہ کی اور جو ان کے حالات گذرے آپ ہر ہر معاملہ کے شاہد ہیں اسی طرح تخلیق ابلیس کے اور جو اس پر گذرا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا دور ہٹایا گیا اور بہت بڑی عبادت اور وافر علم کے باوجود بارگاہ حق سے دور کیا گیا ان تمام حالات کے آپ شاہد ہیں آپ کو ہر وہ حوادث جو انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کی امتوں پر گذرے اور ان کے تمام حالات اور ان کے علوم و فہوم کے آپ شاہد ہیں۔

نبی نورا اور نور گیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: صاحب روح البیان قدس سرہ مذکور بالا عبارت لکھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت مقدسہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

ثم انزل روحه فى قالبه ليزداد له نور على

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک آپ کے جسم

---

[1] ج ۹ ص ۱۹ [2] اضافہ اویسی ۱۲ [3] روح البیان ج ۹ ص ۱۸

نور فوجود کل موجود من وجودہ وعلوم کل نبی و ولی من علومہ حتی صحف آدم و ابراھیم وموسیٰ وغیرھم (علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) من اھل الکتب الالٰھیۃ[1]

ہیں نازل فرمائی تاکہ آپ کے نور میں اضافہ ہو ہر موجود کا وجود آپ کے وجود سے ہے اور ہر نبی علیہ السلام کے علوم ایسے ہی ہر ولی کے علوم یہاں تک کہ آدم وابراہیم وموسیٰ وغیرہم علیہم السلام ودیگر کتب الٰہیہ کے علوم آپ کے علم سے ہیں ۔

ہر امتی نگاہِ نبوت میں : مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا کہ

وقال بعض الکبار ان مع کل سعید رفیقۃ من روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی الرقیب العتید علیہ فاعراضہ عنہا بعدم اقبالہ علیہا سبب لانتہاکہ ولما قبض الروح المحمدی عن آدم الذی کان بہ دائما لا یضل ولا ینسی جری علیہ ماجری من النسیان ومایتبعہ والیہ الاشارۃ بقولہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا یزنی الزانی حین یزنی و ھو مؤمن[2]

بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ ہر سعادتمند کے ساتھ نبی علیہ السلام کی روح رفیق ہے آپ کی روح نگہبان ونگران ہے جس سے آپ منہ پھیر لیں اس سے سعادت دور ہو جاتی ہے اس لیے کہ اس نے گستاخی وہتک کی ہے جب تک آدم علیہ السلام روح محمدی ساتھ رہی تو محفوظ رہے جب ان سے روح قبض کی گئی پھر ان سے وہی جو مشہور ہے اسی طرف حدیث شریف میں اشارہ زانی نہیں حالانکہ وہ مومن ہو ۔

یعنی زانی سے نور ایمان ہٹ جاتا تو پھر وہ زنا کرتا ہے ۔ (معاذاللہ)

ہر نبی ولی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : ہر نبی علیہ السلام کو ولایت ونبوت ہر دونوں سے نوازا جاتا ہے اگر وہ رسول ہوں تو ان کو ولایت ۔ نبوت ۔ رسالت ہر تینوں سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے وہ اپنی رسالت کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں وہ اپنی طرف یا اپنے اہل وعیال کی طرف یا تمام کی طرف رسول ہوتے ہیں پس رسول علیہ السلام مرسل الیہم کی ضروریات کے مطابق وہ اپنی رسالت کے عالم ہوتے ہیں ان کے ماسوا اتنا جانتے ہیں کہ وہ ولایت سے سرفراز ہیں جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان

---

[1] روح البیان ج ۹ ص ۱۸ [2] ایضاً ۔

رابطہ حاصل ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ کل قیامت جتنا امت زیادہ اتنا ہی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضیلت کا اظہار ہوگا۔ اسی لیے قیامت میں بعض انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے تو ان کے ساتھ مستقل امت ہوگی بعض کے ساتھ صرف اپنی برادری ہوگی بعض کے ساتھ ایک گروہ ہوگا بعض کے ساتھ دس سے کم آدمی ہوں گے بعض کے ساتھ صرف ان کا صاحبزادہ ہوگا بعض وہ ہوں گے جن کے پاس کوئی بھی نہ ہوگا کیونکہ جتنا تبلیغ کی کوئی بھی ان کی بات ماننے کو تیار نہ ہوا۔

واہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی نور من اللہ ہیں: چونکہ ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور من نور اللہ ہیں اسی لیے آپ نے عالم کے ظاہر و باطن کو منور فرمایا اسی لیے آپ کی امت تمام امتوں زیادہ سعادتمند ہے[1] اسی لیے آپ کی امت کی اسّی صفیں ہوں گی اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام از آدم تا عیسیٰ علیہ السلام کی کل چالیس صفیں ہوں گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں مبشر کہا کیونکہ آپ تمام سرخ وسیاہ کی طرف بھیجے گئے اور انہیں فرمایا گیا کہ آپ ان کو خوشخبری سنائیں کہ جو بھی آپ کی اتباع کرے وہ مرتبۂ محبوبیت سے نوازا جائے گا یہ وہ مرتبہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے خلاف صرف آپ کے لئے مخصوص ہے۔ اور آپ کو نذیر بنا کر بھیجا تاکہ آپ اپنی امت کو بتائیں کہ وہ دوسری امتوں کی طرح اللہ تعالیٰ سے منقطع نہ ہوجائیں کہ دوسری اکثر امتیں منقطع ہوئیں تو کسی کے نہ رہے حضرت کمال جخندی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

مرد تا روی نیارد زدو عالم بخدا
مصطفیٰ وار گزیں ہمہ نشود

ترجمہ۔ انسان جب تک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح جملہ عالم سے رو گرداں نہ ہو وہ حضور کی طرح کبھی برگزیدہ نہ ہوسکے گا۔

ہم اللہ سے اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے سامنے کھڑے ہونے کے وافر حصّہ کا سوال

---

[1] اصل عبارت ملاحظہ ہو تاکہ شرک کے مفتیوں کی شرارت کا علم ہو۔ صاحب روح البیان نے یوں لکھا کہ " ولما جاء نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوراً من نور اللہ نور العالم ظواهرها وبواطنها فكانت امته اسعد الامم (پارہ ۲۶ سورۃ فتح ص۱۹/۹۶) ترجمہ اوپر لکھا جاچکا ہے۔ اس سے خود سمجھ لیں کہ جو لوگ کہتے ہیں حضور کو نور من نور اللہ کہنا شرک ہے تو پھر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا رائے ہے" بینوا توجروا۔ اویسی

کرتے ہیں۔[1]

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ" (بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں) **حل لغات:** المبایعۃ بمعنے بیع کرنا یا بیعت اور عہد کرنا یعنی وہ لوگ جو آپ سے درخت کے نیچے قریش سے جنگ کرنے کا عہد کرتے ہیں یعنی وہ جو حدیبیہ میں آپ سے بیعت کرتے ہیں۔

فائدہ: معاہدہ کو مبایعت کا اس لیے نام دیا گیا ہے کہ اسے معاوضہ مالیہ کے ساتھ مشابہت ہے

---

[1] **تفسیر امام احمد رضا:** امام اہلسنت مجدد دین وملت شیخ احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ آیت ھذا کی تفسیر میں لکھا کہ

دین اسلام بھیجنے قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولیٰ تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔ اوّل[1] یہ کہ لوگ اللہ ورسول پر ایمان لائیں۔ دوم[2] یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔ سوم[3] یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔ مسلمانو ان تینوں جلیل القدر باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اس لیے کہ بغیر ایمان تعظیم بکار آمد نہیں۔ بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کافران لئیم میں تصنیفیں کر چکے۔ لکچر دے چکے مگر جبکہ ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے، پھر جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر بھر عبادت الٰہی میں گذارے سب بیکار ومردود ہے بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر وعبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الٰہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر ازاں جا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ اصلاً قابل قبول بارگاہ الٰہی نہیں اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے۔ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝ جو کچھ اعمال انہوں نے کیے ہم نے سب برباد کر دیئے۔" ایسوں ہی کو فرماتا ہے عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۝ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً۝ "عمل کریں اور مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا یہ کہ بھڑکتی آگ میں بیٹھیں گے۔" محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مدار ایمان ومدار نجات ومدار قبول اعمال ہوئی یا نہیں کہو ہوئی اور ضرور ہوئی۔ (از تمہید ایمان ص۲۔۳)

آیت ھذا کی مزید تشریح وتفسیر فقیر کی جمع کردہ تفسیر امام احمد رضا میں دیکھیے۔

کہ جیسے مبایعت میں مال کا بدلہ مال ہوتا ہے یہاں بھی ایک قسم کا بدلہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اور مشرکین سے جنگ کرنے پر ثابت قدمی کا وعدہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ثواب ورضامندی خداوندی کا وعدہ بخشا۔

حکایت: بعض انصار نے بیعت عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ اپنے لیے اور اپنے رب تعالیٰ کے لئے ہم سے جو کچھ لینا چاہیں فرمادیں آپ نے فرمایا میں اپنے رب تعالیٰ کے لئے تو یہ شرط کرتا ہوں کہ تم نے صرف اسی کی عبادت کرنی ہے اور اس کا کوئی شریک نہ بنانا اور اپنے لیے یہ کہتا ہوں کہ مجھے دشمنوں سے ایسے بچانا جیسے تم خود کو اور اپنی اولاد اور عورتوں کو بچاتے ہو اس پر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی تو اس معاہدہ پر ہمیں کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت۔ عرض کی یہ سودا ہمیں قبول ہے ہم اس سے نہ بدلتے ہیں اور نہ ہی اس بیعت کو واپس کریں گے۔

"اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ" (بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں یعنی جو آپ کی بیعت کر رہا ہے وہ گویا اللہ سے بیعت ہو رہا ہے گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جنت لے کر اپنی جانیں پیش کردیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة (بیشک اللہ نے ان سے ان کے نفس اور اموال خریدے بہشت کے بدلے میں) اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس کی توثیق یوں ہوگی کہ وہ اوامر و نواہی کے پابند ہوں گے۔

فائدہ: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ انہیں ثواب اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہوگا اسی لیے وہ گویا اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت ہوئے اور حضور علیہ السلام تو ان کے درمیان ایک سفیر (وسیلہ) ہیں اسی لحاظ سے گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں یہی تقریر ہوگی۔ "یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) حرف تشبیہ محذوف ہے تاکید میں مبالغہ کی وجہ سے اور ہاتھ کا ذکر اس لیے ہے کہ بیعت کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑتے تھے جیسا کہ اہل عرب کی معاقدہ ومعاہدہ کے وقت عادت ہوتی تھی اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ کی شرافت کی عظمت کا اظہار ہے جب وہ اہل ایمان بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر آپ کا مبارک ہاتھ اوپر ہوتا تھا کہ آپ کے ہاتھ پاک کو ید اللہ (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کہا گیا) جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بیعت رضوان میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے تو اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہے اور یہ دولت عظمیٰ سوائے

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اور کسی صحابی کو نصیب نہ ہوئی ۔ بیعت رضوان میں ان کا حاضر نہ ہونا حاضر ہونے سے بہتر ثابت ہوا ۔

فائدہ : بعض علماء نے فرمایا کہ ید استعارہ تخییلیہ ہے ہاتھ اور باقی صفات اجسام سے اور لفظ اللہ ید اللہ میں استعارہ بالکنایہ ہے ان بیعت والوں سے جو بیعت کے وقت ہاتھ بڑھاتے تھے اور لفظ ید استعارہ تخییلیہ ہے اس سے مراد وہ صورت منتزعہ جو ہاتھ کے مشابہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور اہل ایمان کے ہاتھوں کے اجتماع کی مشاکلت سے تخییلیہ کے حسن میں اضافہ ہوا ہے ۔

فائدہ : ہر دونوں قولوں پر لفظ ید ید اللہ فوق ایدیھم سے ماقبل کی تاکید مراد ہے اسی سے مقصود تقریر ہے اس مضمون کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد وعہد بعینہٖ اللہ تعالیٰ سے ہے ان میں کسی کا فرق نہیں (کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نائب اعلیٰ اور خلیفۂ اعظم ہیں ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اویسی غفرلہ)

فائدہ : تحقیق یہ ہے کہ اگرچہ یہ بظاہر ایک تمثیل ہے لیکن یہ بھی عوام کو سمجھانے کے لئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کے ساتھ کر رہے ہو وہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ سے کر رہے ہو بغیر کسی فرق وتفاوت ہے تو یہ عقد جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صورۃً ہے حقیقۃً تمہاری عقد اللہ تعالیٰ سے ہے اس کا اشارہ آئندہ آئے گا (انشاء اللہ)

حل لغات : المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں فلاں ید فلاں یعنی وہ اس کا مددگار ہے اسی لیے اولیاء اللہ ایدی اللہ (اللہ تعالیٰ کے ہاتھ) کہا جاتا ہے اسی محاورہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الذین یبایعونک (الآیۃ)

حدیث قدسی : اس کی تائید حدیث قدسی سے ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و یدہ التی یبطش بھا ۔	میری طرف نوافل کے ذریعہ بندہ قریب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے ۔

اب ید کا معنی قوت و نصرت ہوگا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قوت و نصرت ان کی قوت و نصرت پر تھی گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا کہ اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی نصرت و قوت پر بھروسہ کیجیے نہ کہ اپنے یاروں کی قوت و نصرت پر ہاں ان سے اللہ تعالیٰ کی نصرت و قوت کی بیعت لے لیجیے تاکہ جنگ کے وقت انہیں قوت و ثبات نصیب ہو ۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ہر دونوں جگہوں میں ید بمعنے احسان وصیعت ہے اب معنی یہ ہوا کہ ہدایت الی الایمان میں ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ایسے ہی بیعت الرضوان بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ان پر تھا تو جو کچھ کرنا تھا انہوں نے کر دکھلایا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا کہ" بل اللہ یمن علیکم ان ھدا کم للایمان" بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی۔

فائدہ: حضرت سعدی نے فرمایا کہ وہ بیعت کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے اوپر تھی کہ یہ بیعت توڑیں گے نہیں اور نہ اسے بیکار چھوڑیں گے یہ اس محاورہ سے ہے کہ جب آدمی بیع کرنے کے ارادہ پر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ رکھتے تو ایک تیسرا اپنا ہاتھ ان کے درمیان میں رکھ دیتا تاکہ وہ انہیں بیع کو پکا کرنے تک ان کی حفاظت کرے ایسے ہی (بلا تمثیل) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

من توشدم: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت منجملہ ان آیات کی طرح ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ" جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔" اس کی وجہ حقیقی وہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فانی فی اللہ ہیں اپنے وجود سے بالکل فنا چکے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات افعال میں گم تھے اسی لیے آپ سے جو کچھ صادر ہوتا وہ گویا اللہ تعالیٰ سے ہی ہوا ہے اسی لیے آپ کی بیعت اللہ تعالیٰ کی بیعت ہوئی جیسے آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مقام جمع کی بات ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مرتبہ جمع کی کسی کے لیئے تصریح نہیں فرمائی سوائے اس ذات کے جملہ موجودات سے اشرف واخص ہے اسی لیے قیامت میں آپ کہیں گے امتی امتی بخلاف دوسروں کے کہ وہ نفسی نفسی کہیں گے کیونکہ آپ میں اپنا وجود نہ رہا تھا اور یہی حالت اولیاء کی ہے جو آپ کی امت میں ہو گذرے یا ہوں گے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے (ورنہ وہابی ہو جاؤ گے) اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان پہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ یعنی اس کی قدرت ظاہرہ جو قدرت نبوی ان کی قدرت ظاہرہ میں جو ان کی ہاتھوں میں ظاہر ہوئی کیونکہ آپ اسم اعظم محیط جامع کے مظہر ہیں باقی تمام اسماء اسی اسم محیط کے گھیرے میں ہیں اس معنیٰ پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات کے لیئے بمنزلہ سلطان کے ہیں۔ مقام عین الجمع بین ید اللہ فوق ایدیھم مزید تصریح ہے ماقبل سے معنی اطلاقی کے حصول کے لیئے۔

آئینہ جمال اور مظہر کمال: ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے آئینہ اور

جملہ کمالاتِ الٰہیہ کے مظہر ہیں یہ صرف ہمارا عقیدہ نہیں بلکہ اسلاف صالحین کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ صاحب روح البیان صدیوں پہلے لکھ گئے کہ

والحاصل ان اللّٰہ جعل نبیہ صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم مظہر الکمالاتہ ومرآۃ تجلیاتہ ولذا قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من رآنی فقد رأی الحق

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اپنے کمالات کا مظہر اور اپنی تجلیات کا آئینہ بنایا ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا۔

نائب خدا اور خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب اعظم وخلیفہ اول ہیں یہ عقیدہ اسلاف صالحین کا ہے۔ صاحب روح البیان نے لکھا:۔

ولما فنی علیہ الصلوٰۃ والسلام عن ذاتہ وصفاتہ وافعالہ کان نائباً عن الحق فی ذاتہ وصفاتہ وافعالہ کما قیل ع

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ذات وصفات وافعال سے فانی ہوئے تو حق تعالیٰ کے ذات وصفات وافعال میں نائب ہوئے جیسے کہا گیا ہے۔

نائبست ودست اودست خدا[1] وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

انا الحق وسبحانی ما اعظم شانی لیس فی الجبۃ غیر اللہ: اسی مقام پر حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا "انا الحق" (میں خدا) اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا "سبحانی ما اعظم شانی" (میں ہی سبحان ہوں اور میری بڑی شان ہے) اور حضرت سعید خراز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لیس فی الجبۃ غیر اللّٰہ" (جبہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں) اور ان کا ایسا کہنا مبنی بر فناء تھا جس کی وجہ سے وہ معذور تھے اسی لیے انہیں ایسے کلمات پر کافر نہ کہا جائے گا۔

بشریتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حقیقی بشریت نہیں: ہم اہلسنت کہتے ہیں ؎

حقیقت محمد کی پا کوئی نہیں سکتا
یہاں چپ کی جا ہے بتا کوئی نہیں سکتا

---

[1] روح البیان ج ۹ صفحہ ۳، [2] صفحہ ۲

اور آپ کی بشریت کے بھی ہم قائل ہیں لیکن وہ آپ کی حقیقی بشریت نہیں بلکہ عارضی ہے چنانچہ صاحب روح البیان نے فرمایا ہے کہ

قال الواسطی اخبر اللہ لھذہ الآیۃ ان البشریۃ فی نبیہ واضافتہ لاحقیقۃً فظاھرہ مخلوق و باطنہ حق[1]

واسطی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت عارضی۔ عارضی۔ اضافی ہے حقیقی نہیں آپ کا ظاہر مخلوق اور باطن حق ہے۔

وہ سجدہ کیجیے جو سر کو خبر نہ ہو: ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر کے احکام اور ہیں باطن کے اور چنانچہ صاحب روح البیان نے لکھا کہ

ولذا یجوز السجدۃ الباطنہ دون ظاھرہ من عالم التقیید و باطنہ من عالم الاخلاق و اذا کانت الصلوٰۃ جائزۃ علی الموتیٰ فما ظنک بالاحیاء (فاعرف جدہ) فانہ جازت الصلوٰۃ علی الموتیٰ لانھم علی حقہ من الحقیقۃ المحمدیۃ الجامعۃ الکلیۃ[2]

اسی لیے آپ کے باطن کو سجدہ جائز ہے ظاہر کو نہیں کیونکہ عالم ظاہر مقید ہے آپ کا باطن عالم اخلاق سے ہے جب مردگان کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے تو پھر زندوں (انبیاء و اولیاء) کے لئے کیسے ہوگا اس لیے کہ وہ حقیقۃً حقیقت محمدیہ سے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "فَمَنْ نَّکَثَ" تو وہ جو توڑتا ہے۔

حل لغات: "النکث" رسی اور تاگہ وغیرہ توڑنا نقض عہد کے لئے استعارہ کیا گیا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ پس وہ جو عہد و بیعت کو توڑے گا اور اس کے پختہ اور مضبوط ہونے کے بعد زائل کرے گا "فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ" تو وہ توڑتا ہے اپنے لیے یعنی اس کے توڑنے کا نقصان اسے خود ہے کیونکہ اسے وہی خود توڑ رہا ہے تو نقصان بھی اسے ہی ہوگا نہ کہ کسی اور کو۔

"وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ" (اور جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتا ہے۔)

حل لغات: "علیہ" کی ہا مضموم ہے اس لیے کہ یہ واو کے محذوف ہونے کی وجہ سے ہا اپنی

---

[1] روح البیان ج ۹ ص۲۱، [2] ایضاً

حالت پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ اصل میں ھُوَ تھا اس طرح اسے لام اللہ پر پڑھی جا سکے گی اور اس سے لفظ اللہ کی تعظیم و تفخیم کا اظہار ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو اپنے معاہدہ کو پورا کرتا ہے اور اس پر پابند رہتا ہے اور اسے مکمل کرتا ہے " فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا " تو اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا) یعنی جنت اور اس کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے جمال باکمال کا دیدار۔

فائدہ: نکث سے مراد ابتداء معاہدہ نہ کرنا یا معاہدہ کر کے توڑنا دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

حدیث شریف: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شجرہ کے نیچے موت پر بیعت کی اور معاہدہ کیا کہ ہم کسی بھی جنگ سے منہ نہیں موڑیں گے اور بفضلہ تعالیٰ ہم سب اس معاہدہ پر پورے اترے سوائے جد بن قیس کے کیونکہ وہ منافق تھا بیعت کے وقت وہ اپنے اونٹ کے کجاوے میں چھپ گیا تھا۔ اپنی قوم کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر نہ ہوا باوجودیکہ انہوں نے اسے بیعت کے لئے بلایا بھی لیکن حاضر نہ ہوا۔

چاہ کندہ را چاہ در پیش: تین شخص ایسے ہیں کہ ان کے اپنے فعل کا ضرر خود انہی کو پہنچتا ہے:۔

(۱) مکر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ " برا فریب اپنے اہل گھیر لیتا ہے۔

(۲) ظلم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا " انما بغیکم علیٰ انفسکم " تمہاری بغاوت کا ضرر خود تمہارے اوپر لوٹ آئے گا۔

(۳) نقض عہد: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ " وہ عہد شکنی کرتا ہے تو اس کا نقصان خود اٹھائے گا۔

فائدہ: عہد و پیمان کے بارے میں بزرگوں نے فرمایا ؎

پیماں شکن کہ ہر کہ پیماں بشکست
از پائے در افتادہ براں رفت ز دست
آنرا کہ بدر دست بود پیمان الست
نشکستہ بہیچ حال ہر عہد کہ بست

ترجمہ۔ عہد نہ توڑ کیونکہ جس نے عہد توڑا وہ ذلیل ہوا اور ہاتھ سے باہر ہوا یعنی خوار ہوا ہوا کے ہاتھ میں ہے پیمان الست۔ اس نے کسی حالت میں بھی کوئی عہد نہ توڑا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ ۔ صبح ازل سے شام عہد تک دوستی و محبت میں ایک عہد و میثاق پر ہونا چاہیئے۔

اور فرمایا ؂

پیمان شکن ہر آئینہ گردد شکستہ حال
ان العہود الذی اہل النہم ذمم

ترجمہ ۔ عہد توڑنے والے کا یقیناً برا حال ہوگا کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک عہد نبھانا بڑی ذمہ داری ہے ۔

فائدہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ بیعت اسی میثاق سابق کا نتیجہ ہے جو ابتدائے فطرت سے (روز الست) لیا گیا ۔ اسی لیے اس کا توڑنا نقصان اور اس کی وفا نفع دیتی ہے ۔

بیعت کی قسمیں : حضرت شیخ اسماعیل بن سودکین (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ بیعت لینے والے تین قسم کے ہیں :۔

(۱) انبیاء و رسل علیہم السلام ۔
(۲) مشائخ جو انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث اور صحیح جانشین ہیں ۔
(۳) بادشہ ۔ ان تینوں کا حقیقی بیعت والا ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کی اس اتباع کے گواہ ہیں جن کے وہ مامور ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اس کی اتباع کا معاہدہ کریں یہی وجہ ہے کہ ان تینوں کے لیے چند شرائط ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ امر الٰہی کو قائم کریں گے ۔ اور بیعت کرنے والوں کے بھی ان امور میں شرائط ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نائبین کی بیعت کر سکیں ۔

بیعت والوں کے شرائط : انبیاء و رسل اور مشائخ اولیاء عظام تو کسی گناہ کا حکم نہیں فرمائیں گے اس لیے کہ انبیاء و رسل تو گناہوں سے بالکل معصوم اور مشائخ و اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور وہ بادشہ جو کسی ولی اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں تو وہ بھی گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر جو بادشہ بے مرشد ہوتے ہیں وہ دونوں کی ذلت اور رسوائی اٹھاتے ہیں ایسے

ؔ اویسی غفرلہ کہتا ہے ہمارے دور میں بیعت لینے والوں کی ہنسات ہے ۔

بادشہ کی معصیت میں اطاعت نہ کی جائے ہاں اس کی (حکومت کے امور میں) بیعت کرنا جائز ہے یہانتک موت آئے۔ اور ان ہر تینوں کی ان کے متعلقات میں بیعت توڑنے کی سزا جہنم ہے، اس میں وہ ہمیشہ رہے گا نہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت میں کلام کرے گا اور نہ نظر کرم سے دیکھے گا اور اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فائدہ: حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ اس کی آخرت کی سزا ہے اور دنیا کی سزا وہ ہے جو حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے اپنے شاگرد (مرید) کے لئے فرمایا جس نے آپ کی بیعت کے بعد مخالفت کی اس کے لئے آپ نے فرمایا کہ "دعوا من سقط من عین اللّٰہ" اسے چھوڑوں جو اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے گر گیا۔

مرشد کے دھتکارے ہوئے کا انجام: بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے جس شاگرد (مرید) سے اظہار ناراضگی فرمایا اس کا یہ حشر ہوا کہ چند دنوں کے بعد اسے ہیجڑوں میں دیکھا پھر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

مرشد (استاذ) کی دعا: اس کے بالمقابل جس شاگرد (مرید) استاذ شیخ دعاؤں سے نوازے اس کی سعادت کا کیا کہنا جیسا کہ حضرت دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد (مرید) کا حال مشہور ہے کہ اسے آپ نے فرمایا کہ تنور (جلتی آگ) میں چھلانگ مار دے اس نے فوراً چھلانگ مار دی تو اس کے لئے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو گئی۔

سبق: بیعت کے مطابق پورا اترنے سے ایسی سعادتیں کرامتیں نصیب ہوتی ہیں۔

مسئلہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آیت ھذا سے طریقۂ بیعت مشائخ اور ان کی تلقین کا ثبوت ملا ایسے قطب الارشاد کہلاتے ہیں کہ وہ مریدین کو تجلی علمی کے بعد تجلی عینی تک پہنچاتے ہیں۔

انتباہ: جو لوگ خود تجلیات سے محروم ہیں وہ ناقص ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی بیعت کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ ارشاد و تسلیک کی قدرت نہیں رکھتے (پھر ؎ آنکہ خود گم است کرا رہبری کند ؛ جو خود گم ہے وہ دوسرے کو کیا خاک رہبری کرے گا۔ اویسی غفرلہ)

بیعت کا ثبوت احادیث مبارکہ سے: (۱) حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے ہاں کوئی غریب یعنی اہل کتاب تو نہیں ہم نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا دروازہ بند کر دو آپ نے فرمایا ہاتھ اٹھا کر کہو "لا الٰہ الا اللہ" ہم نے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک نیچے کیے تو ہم نے بھی ہاتھ نیچے کر دیئے پھر فرمایا الحمد للہ (شکر خدا) اور فرمایا "اے اللہ تو نے مجھے اس کلمہ کو پہنچانے کے لئے مبعوث فرمایا اور وعدہ فرمایا کہ جو اس کا اقرار کرے اس کے لئے بہشت ہے (سو میں نے اسے پہنچا دیا اب تو اپنا وعدہ پورا فرما) اور تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا" پھر ہمیں فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو کہ تم سب کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا[1]۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سات یا آٹھ یا نو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو فرمایا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت نہیں کرتے ہو چونکہ ہم اسلام میں نئے داخل ہوئے اس لیے آپ کی راز کی بات نہ سمجھ سکے تو عرض کر دیا حضور ہم تو آپ سے پہلے بیعت ہو چکے ہیں دوبارہ آپ نے فرمایا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت نہیں ہوتے ہم نے فوراً ہاتھ بڑھا دیئے اور عرض کی حضور ہم کس بارہ میں بیعت کریں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور پانچ نمازیں قائم اور میری اطاعت کرنا پھر آہستگی سے فرمایا کہ کسی سے سوال نہ کرنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس دن بیعت ہونے والوں میں سے بعض کو دیکھا کہ سواری سے چابک گر جاتا تو کسی کو اس کے اٹھانے کا سوال نہ کرتے بلکہ سواری سے اتر کر اسے خود اٹھاتے[2] (رواہ مسلم والترمذی والنسائی)۔

(۳) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے خبر دی ہے کہ ہم نے دکھ سکھ اور خوشی اور رنج میں آپ کی بات ماننے پر بیعت کی ہے اور بسر و چشم تسلیم کیا ہے (کہ نا اہل کو کوئی کام سپرد نہ کریں گے) اور اس کے اہل سے وہ امر نہ چھینیں گے اور جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے اللہ تعالیٰ کے کام میں کوئی خوف نہ کریں گے[3]۔

شرح الحدیث: اس کے اہل سے اس کا کام نہ چھینیں گے کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اہل کو اس کی صلاحیت پر وہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے گا ہم اس سے چھینیں گے نہیں بلکہ اس

---

[1] ترویج القلوب لعبدالرحمٰن البسطامی قدس سرہ [2] الترغیب والترہیب للمنذری روح البیان۔
[3] عوارف المعارف للسہروردی قدس سرہ ۱۲ روح البیان۔

کے ہی سپرد کریں گے اور حق بات کہیں گے جہاں بھی ہوں گے یعنی دوست اور دشمن اور اپنے پرائے کی موجودگی میں حق بات کہنے سے نہ رُکیں گے[۱]

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کے وقت ہاتھ کو ہاتھ میں دینا چاہیئے لیکن یہ صرف مردوں کے لئے ہے۔

عورتوں کو مرید کرنے کا طریقہ: عورتوں سے بیعت لینی ہو تو ہاتھ نہیں ملانا چاہیئے اس بارہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط ملاحظہ ہو۔

مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عورتیں حاضر ہوئیں اور بیعت کے لئے عرض کیا ساتھ یہ بھی کہا کہ آپ اپنا ہاتھ مبارک دیں تاکہ ہم اسے پکڑ کر بیعت کریں آپ نے فرمایا میرا ہاتھ کبھی بھی کسی غیر عورت کو نہیں لگا ہاں میرا ایک ہی عورت کو جو کہنا ہے وہ سو عورتوں کو بھی کفایت کرے گا اس کے بعد آپ نے انہیں بیعت کیا۔

صحابیات کو تبرک کی طلب: بیعت کے بعد عورتوں نے تبرک طلب کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ پانی میں رکھ کر اٹھا لیا پھر عورتوں نے اسی پانی کے برتن میں ہاتھ ڈبویا[۲] اور ترجمہ، فتوحات مکیہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تا وفات کسی غیر محرم عورت کو ہاتھ نہیں لگایا ہاں عورتوں سے زبانی بیعت فرماتے تھے آپ کا ایک عورت سے بیعت کا زبان سے کہنا اور سو عورتوں سے بیعت کا کہنا برابر تھا۔

عقبہ ثانیہ کی بیعت: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقبہ ثانیہ میں ستر مردوں سے بیعت لی اور دو عورتوں کی مصافحہ کے بغیر بیعت لی اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی غیر محرم عورت سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے ان سے زبانی بیعت ہوتی تھی اگر بہت زیادہ ہوتیں تب بھی سب کو زبانی فرما دیتے کہ جاؤ تمہاری بیعت ہو گئی[۳]

مسئلہ: الاحیاء میں ہے کہ عورتوں کو مساجد اور مجالس ذکر سے منع کیا جائے جبکہ خوف فتنہ ہو اس لیے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں روکتی تھیں انہیں عرض کیا گیا

---

[۱] حواشی زین الدین الحسامی رحمہ اللہ تعالی ۱۲ - روح البیان [۲] کذا ذکرہ الشیخ عبد العزیز الدیرینی فی الروضۃ الانیقۃ [۳] یعنی احیاء العلوم للغزالی رحمہ اللہ ۱۲ - اویسی غفرلہ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو انہیں جماعات میں جانے سے نہیں روکتے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آجکل کے حالات کو ملاحظہ فرماتے[۱] جو کچھ عورتوں نے حالات پیدا کر لیے ہیں تو آپ بھی انہیں روک دیتے۔

فائدہ: عورتوں کا مجالسِ وعظ و ذکر میں حاضر ہونا اگرچہ بلا حجاب ہوں تو انہیں دیکھنا منع ہے جب خطرہ ہو اور برائی میں مبتلا ہونے کا خوف ہو اس سے اندازہ لگائیے کہ ان کے ہاتھ کو پکڑ کر بیعت لینا کتنا خطرناک ہوگا جیسے ہمارے دور کے رسمی پیر اور بدعت (برائی) کے مارے کر رہے ہیں کہ مریدنیوں سے پردہ نہیں کراتے اور ان کے ساتھ خلوت، اور کھلم کھلا میل جول رکھتے ہیں بلکہ بعض تو ایسے بدمعاش ہوتے ہیں کہ وہ خوشبو اس ارادہ پر لگاتے ہیں کہ ان کی محافل و مجالس میں عورتیں زیادہ سے زیادہ آئیں پھر وہ اسی حالت میں ان سے بیعت لیتے ہیں جیسا کہ ہم نے بعض جگہ دیکھا ہے[۲]

---

۱ عالم دنیا میں ہوتے ہوئے ورنہ آپ تو مزار شریف میں آج بھی ہر شے کو دیکھ رہے ہیں ۱۲-اویسی غفرلہ

۲ صاحب روح البیان قدس سرہ نے تو سنا ہے لیکن ہم تو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں انہوں نے ایک آدھے ایسے بدمعاش کا نام سنا ہوگا ہم تو سینکڑوں کو دیکھ رہے ہیں بلکہ آجکل تو یہ دھندا زوروں پر ہے بلکہ اکثر صاحبان کا پیری مریدی میں ایسا کرنا عین طریقت ہے ایسے اندھے پیروں کو بھی ویسے ہی اندھے مرید ملتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے اندھے پیروں مریدوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ کاش کوئی مرد مومن پیدا ہو جو اسلام کو ایسے گندے دھبوں اور کالے داغوں سے صاف کر کے صحیح اور سچی پیری مریدی کو فروغ بخشے (آمین) ورنہ اب تو یہ حال ہے کہ جو بھی کسی پیر صاحب کے بارے میں اس کی کسی غیر شرعی حرکت پر آواز اٹھاتا ہے تو اس غریب کو نہ صرف مطعون ٹھہراتے ہیں بلکہ اس کی عزت گھٹانے اور اس کے معاشرہ تنگ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ سے سنت نبوی کا نمونہ: امام اہلسنتؒ فاضل بریلوی قدس سرہ سنت نبوی کے ایک نمونہ تھے بلکہ دوسروں سے بھی یہی دیکھنا چاہتے۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا پیر خلافِ شرع عمل کرتا اس سے قطع تعلق فرماتے ورنہ کم از کم اس کی اس برائی پر آگاہ فرما کر اس سے اپنی دوستی کے دم بھرنے سے بیزاری کا اظہار فرما دیتے تاکہ اس غلط پیر کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔

جس کا پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے : اب ہم پھر موضوع کو شروع کرتے ہیں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا:-

من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطان ‏ ‏ جس کا استاذ (شیخ) نہ ہو اس کا امام (شیخ) شیطان ہے۔ (روح البیان ج ۹ ص ۲۲)

نکتہ واعجوبہ : حضرت استاذ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ اپنے شیخ ابو علی الدقاق قدس سرہ کا قول نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو درخت خود بخود کسی کے بونے کے بغیر پیدا ہو جائے اس کے پتے تو پیدا ہو جائیں گے لیکن پھل نہ دے گا آزمایا گیا ہے کہ ایسے ہی بارہا ہوا ہے ایسے درخت. وادیوں اور پہاڑوں میں پیدا ہوتے ہیں اگر اس ایسے درختوں پر میوے ہوتے بھی ہیں تو ان میں وہ چاشنی نہیں ہوتی جو باغات اور ہاتھوں سے لگائے ہوئے درختوں میں ہوتی ہے بالخصوص وہ درخت جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے۔

نکتہ ومسئلہ : شریعت مطہرہ اس کتے کے شکار کو حلال کہتی ہے جو شکار کا تعلیم یافتہ ہو بخلاف غیر تعلیم والے کہ اس کا شکار حرام ہوتا ہے۔

فائدہ : ہم نے مشائخ کرام سے سنا ہے کہ جسے استاذ کا ہاتھ نصیب نہ ہو وہ ہمیشہ ناکام رہے گا۔

تعلیم نبوی اور صحابہ کرام : ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست علوم و آداب حاصل کیے جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مسئلہ سکھاتے یہاں تک کہ رفع حاجات کے آداب اور طریقے بھی۔

فائدہ : الخراۃ بکسر الخاء المعجمۃ بمعنے قضاء حاجت۔

سبق : طالب حق کو ضروری ہے کہ وہ ایسے ادیب کامل، واستاذ حاذق (شیخ کامل) سے آداب سیکھے جو نفوس کی آفات اور اعمال کے فسادات اور دشمن کی گھاتیں بتائے بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کرائے۔ جب ایسا استاذ کامل (مرشد ورہبر) مل جائے تو پھر اس کی صحبت کو لازم پکڑے اور اس سے آداب شریعت وطریقت حاصل کرے تاکہ اس کے باطن کے اثرات اس کے باطن پر اثر انداز ہوں اور اس کا باطن زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور وہ فیض اسے یوں پہنچے گا جیسے ایک دیا دوسرے دیا سے روشن کیا جاتا ہے اور خود بھی اپنے نفسانی خیالات وتصورات، وخواہشات سے بالکل خالی ہو جائے کیونکہ شیخ کامل کے سامنے تسلیم ورضا یوں ہو جیسے اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہونا

چاہیئے کیونکہ مشائخ کا سلسلۂ تسلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے اور وہاں سے اللہ تعالیٰ تک مثنوی شریف میں ہے ۔

(۱) گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ
والذی یبصر لمن وجہی رآہی

(۲) چوں چراغے نور شمعی را کشید
ہر کہ دید انرا یقیں آں شمع دید

(۳) ہمچنیں تا صد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد

(۴) خواہ نور از واپسیں بستان جان
ہیچ فرقے نیست خواہ از شمعدان

ترجمہ ۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا مجھے اس کی قسم جو دیکھتا ہے واقعی اس نے میرا چہرہ دیکھا ۔
(۲) جیسے نورِ شمع سے چراغ نور کھینچتا ہے جس نے چراغ کو دیکھا اس نے یقیناً شمع کو دیکھا
(۳) ایسے صد چراغ روشن ہوں تو سب کا دیکھنا گویا اصل کا دیکھنا ہے ۔
(۴) اب چاہے آخری سے روشنی لو اے جان من خواہ اول سے اس میں کوئی فرق نہ پڑے گا ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر حجر اسود اللہ تعالیٰ کا سیدھا ہاتھ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پا سکا وہ حجر اسود کو ہاتھ لگا لے اس طرح سے گویا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیعت ہو گیا ۔

حدیث شریف : ایک اور روایت میں ہے کہ زمین میں رکن اللہ تعالیٰ کا سیدھا ہاتھ ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے جس طرح تم اپنے ایک دوسرے کا مصافحہ کرتا ہے ۔

شرح الحدیث : حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہوں کی حاضری دی جاتی ہے تو سب سے پہلے اس کے ہاتھ چومے جاتے ہیں جب حاجی یا عمرہ والے کو بنایا کہ حجر اسود کو چومیں تو اسے بمنزلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے متعین کیا گیا اس کا چومنا گویا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو چومنا ہے اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ مثل کا مالک ہے ایسے ہی جو اس کے ہاتھ کو چومتا ہے اس کا بھی اللہ

تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہوجاتا ہے جیسے بادشاہ اپنے سے مصافحہ کرنے والے کو عطیات وتحائف سے نوازتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اہل حق کے نزدیک کعبہ میں مرتبۂ ذات احدیت کی طرف اشارہ ہے اور ذات احدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر متجلّی ہوئی بجمیع اسماء وصفات سمیت اس معنیٰ پر کعبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ اور حجر اسود آپ کا ہاتھ پاک ہوگا۔ اور کعبہ کی حقیقت کا سر (مخفی راز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے اور حجر اسود کی حقیقت کا سر (مخفی راز) آپ کا مقدس ہاتھ ہے۔

ولی اللہ کعبہ سے افضل: یہی وجہ ہے کہ

الانسان الکامل افضل من الکعبۃ وکذا یدہ اولیٰ من الحجر	انسان کامل (ولی اللہ) کعبہ سے افضل ہے ایسے ہی اس کا ہاتھ حجر اسود سے

(روح البیان ج ۹ ص ۲۳)

کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد وہ تجلیات آپ کے وارثین کی طرف منتقل ہوئیں اسی لیے وہ کعبہ وحجر اسود کی حقیقتوں کے اسرار کے مظاہر ہیں۔

شریعت وحقیقت: اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حجر اسود کو چومنا شریعت اور اولیاء کے ہاتھ چومنا حقیقت (طریقت) ہے اور ان کی بیعت درحقیقت بعینہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیعت ہے جب بیعت والے کی بیعت دودھ پینے اور دودھ چھڑانے کے دوران ہو تو وہ اس وقت تک بیعت والے سے جدا نہ ہو جب تک اس کا مقصد حاصل نہ ہوجائے اور حصولِ مقصد کا وقت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم کا دروازہ کھل جائے اگر کوئی اس وقت سے پہلے ہی بیعت والے (مرشد) سے جدا ہوگیا تو اسے راستے میں کئی بیماریاں گھیر لیں گی وہ دنیا کے امور میں جلد پھنس جائے گا اور خواہش نفس کی گرفت میں جائے گا یہ ایسے جیسے ولادت کے بعد بچے کا بے وقت دودھ چھڑایا جائے تو وہ بچہ جوانی کو پہنچنے تک کئی بیماریوں کا شکار رہے گا ایسے ہی علم ظاہر کا حال ہے اسی لیے ظاہری علم کے طالب علم کو تکمیل ضروری ہے اس کے بعد استاذ کامل سے اجازت چاہے کہ وہ تدریس کی مسند پر بیٹھے۔

امام ابو یوسف کا استاذ ابو حنیفہ کی طرف سے امتحان: الاشباہ میں ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ

نے اپنے استاذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بلا اجازت مسند تدریس پر بیٹھ گئے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو بھیج کر ان سے پانچ سوالات پوچھے جو مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) دھوبی نے پہلے تو مالک سے کپڑے کا انکار کر دیا پھر دھو کر لایا - کیا وہ مزدوری کا حقدار ہے یا نہ؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا حقدار ہوگا - سائل نے کہا آپ نے غلط کہا - قاضی صاحب نے فرمایا تم غلطی پر ہو سائل نے کہا اگر وہ انکار کے بعد دھو کر لایا تو مزدوری کا حقدار نہیں اگر انکار سے پہلے دھو کر رکھا تھا تو مزدوری کا حقدار ہوگا - (یہی مفتیٰ بہ اور صحیح ہے)

(۲) نماز فرض سے شروع ہوتی ہے یا سنت سے؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا فرض سے، سائل نے کہا غلط ہے پھر کہا سنت سے سائل نے کہا غلط ہے - سائل نے کہا صحیح یہ ہے کہ دونوں سے کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض اور رفع الیدین سنت ہے -

(۳) سائل نے پوچھا کہ پرندہ اگر ہنڈیا میں گرے جو آگ پر تھی جس میں گوشت اور شوربا ہے کیا اس ہنڈی کا گوشت اور شوربا دونوں حلال ہیں یا ایک یا دونوں حرام ہیں؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا دونوں کھائے جائیں - سائل نے کہا غلط ہے پھر فرمایا نہ کھائے جائیں کیونکہ دونوں حرام ہیں، سائل نے کہا غلط ہے پھر فرمایا اگر پرند گرنے سے پہلے ہانڈی پکی ہوئی تھی تو اسے تین بار دھو کر بوٹیاں کھائی جائیں اور شوربا انڈیل دیا جائے اگر بعد کو پکی ہے تو سارے کا سارا انڈیل دیا جائے -

(۴) ایک مسلمان کی زوجہ ذمیہ مر گئی حالانکہ وہ حاملہ تھی، اسے کس گورستان میں دفنایا جائے؟ امام ابو یوسف نے فرمایا مسلمانوں کے گورستان میں - سائل نے کہا غلط ہے پھر کہا اہل ذمہ کے گورستان میں - سائل نے کہا غلط ہے - اس پر ابو یوسف رحمہ اللہ حیران ہوئے تو سائل نے کہا اسے یہودیوں کے گورستان میں دفنایا جائے لیکن اس کا چہرہ قبلہ سے ہٹایا جائے تاکہ بچہ کا چہرہ قبلہ رخ ہو اس لیے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں جب ہوتا ہے تو اس کا چہرہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے -

(۵) کسی کی ام ولد مالک کی اجازت کے بغیر کسی سے نکاح کرے اور وہ اجازت دیئے بغیر فوت ہو گیا تو اس پر عدت مالک کی چاہیئے یا نہ کیونکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے مالک کی وجہ سے عدت ہے - سائل نے کہا غلط ہے پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس پر کوئی عدت نہیں - سائل نے کہا غلط ہے پھر سائل نے بتایا کہ اگر زوج ثانی اُس سے دخول کیا ہے تو عدت واجب نہیں ہے ورنہ ہے - اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنی کوتاہی سمجھ کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ پھل پکنے لگے اس کے استعمال کا یہی نتیجہ ہے -

حکایت سعدی قدس سرہ: ایک شخص کشتی لڑنے میں بینظیر تھا تین سو ساٹھ داؤ پیچ لگا سکتا تھا۔ ہر نئی کشتی میں نیا پیچ لڑتا۔ اس کے دل کا لگاؤ ایک شاگرد سے ہو گیا (محبت ہو گئی) اسے تین سو انسٹھ پیچ سکھائے ایک پیچ نہ بتایا بالآخر شاگرد بھی کشتی لڑنے میں مشہور زمانہ ہو گیا کسی کو اس کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہ رہی۔ ایک دن بادشاہ وقت کو کہا کہ استاذ کو بھی مقابلہ کی تاب نہیں صرف اسے فضیلت حاصل ہے تو بوجہ استاذ ہونے کے بادشہ کو یہ بات ناگوار گذری حکم فرمایا استاد وشاگرد کو میدان میں لاؤ۔ نوجوان فیل مست ہو کر میدان میں اترا۔ بادشاہ اور وزراء وامراء اور مشیران کار سب جمع ہوئے۔ جوان کی حالت یہ تھی کہ اگر اس کے سامنے پہاڑ آجاتا تو اسے بھی اکھاڑ کر ایک طرف پھینک دیتا استاد وشاگرد کا آمنا سامنا ہوا تو استاد نے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور نیچے دے مارا۔ شور برپا ہوا کہ نوجوان گر گیا استاد بازی لے گیا۔ بادشاہ نے استاد کو خلوت اور انعام بخشا اور شاگرد کو ملامت کی کہ تجھے استاد سے مقابلہ سے حیاؤ شرم چاہیئے تھی تو نے اپنے مربی کا مقابلہ کیا بالآخر ذلت اٹھائی۔ شاگرد نے کہا کہ استاد نے قوت بازو سے مجھ سے بازی نہیں جیتی بلکہ کسی گہرے پیچ سے مجھے پچھاڑا ہے۔ استاد نے کہا واقعی میں نے اس سے ایک داؤ چھپا رکھا تھا کہ اگر یہ میرے مقابلہ کے لئے آئے تو استعمال کروں گا سو وہی استعمال کیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد استاد کی موجودگی میں کبھی نہیں بڑھ سکتا، استاد کو شاگرد پر ہر حیثیت سے فوقیت حاصل ہے۔

مریداں بقوت ز طفلان کمند
مشائخ چو دیوار مستحکم اند

ترجمہ۔ مرید قوت میں بچوں سے کم ہیں۔ مشائخ مضبوط دیوار کی طرح ہیں۔

مسئلہ: "کشف النور عن اصحاب القبور" میں ہے کہ یہ مخصوص لباس جو صوفیہ کرام جیسے مختلف طور طریقے سے عمل میں لاتے ہیں مثلاً مختلف ٹکڑے ٹکڑے کر کے گدڑی استعمال کرتے ہیں اور ایسے ہی اونی کپڑے اور رنگ ورنگ کپڑے پہنتے ہیں اس سے ان کا مقصد تبرک ہوتا ہے جو اپنے مشائخ سابقہ سے حاصل کرنے کی غرض سے پہنتے ہیں انہیں ایسے لباسوں سے نہ روکا جائے اور ان کا حکم دیا جائے۔

مسئلہ: وہ فقہائے کرام ومحدثین عظام جو اپنا مخصوص عمامہ استعمال فرماتے ہیں ایسے ہی وہ عسکری (فوجی۔ سپاہی وغیرہ) مخصوص عمامے اور مخصوص لباس (وردیاں وغیرہ)

عمل میں لاتے ہیں ایسے ہی خواص عوام کے لباس مخصوص سب کے سب مباح ہیں ان میں اگرچہ بعض لباسوں کو سنت (نبوی) علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام (یا بالکل مناسبت نہیں اگر ہے تو) معمولی تو ہم اسے بدعت بھی نہ کہیں گے۔

بدعت کی تعریف: بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ السلام کی سنت کے خلاف گھڑا جائے ایسے ہی وہ عمل صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے کے بھی مخالف ہو۔[1]

مسئلہ: یہ مخصوص عمامے اور لباس اور مختلف ہیئات بدعۃ فی الدین نہیں بلکہ بدعۃ فی العادۃ ہیں اور نہ ہی یہ سنت کے خلاف ہیں جیسا کہ فقہاء کرام نے سنت کی تعریف کی ہے کہ وہ سنت وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبادت کے طور عمل فرمایا ہے نہ کہ بطور عادت۔

فائدہ: یاد رہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عبادت کے طور کوئی مخصوص عمامہ استعمال نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی عادت کے طور مخصوص لباس پہنتے بلکہ آپ کا ارادہ صرف اور صرف ستر عورت اور گرمی اور سردی کا ضرر دفع کرنا تھا اور بس۔ اسی لیے آپ سے اونی اور روئی وغیرہ کا لباس ہر دونوں طرح منقول ہے اعلیٰ لباس بھی منقول ہے اسفل بھی۔ اسی لیے کسی لباس سے مخالفت سنت لازم نہیں آتی اگرچہ ملبوسات وغیرہ اتباع فضل ہے اور وہی مستحب ہے۔

فائدہ صوفیانہ: "عوارف المعارف" میں ہے کہ شیخ (مرشد) کے ہاتھوں خرقہ (اور دیگر قسم کا لباس یا عمامہ وغیرہ) پہننا تسلیم و تفویض کی علامت ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ وہ شیخ کے حکم کا پابند ہے اور شیخ کے حکم کی پابندی اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی پابندی ہے بلکہ اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت متابعت کا احیاء ہے۔

حکایت: بی بی ام خالد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک مخصوص لایا گیا جس میں ایک چھوٹی سی سیاہ ساڑھی بھی تھی وہ لمبائی چوڑائی میں مربع (برابر) تھی اس میں دو نشان تھے اور جس میں ایسے نشان نہ ہوں اسے ساڑھی نہیں سمجھا جاتا تھا آپ نے فرمایا یہ لباس کسے پہنایا جائے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا کہ ام خالد کو لاؤ۔ مجھے

---

[1] ہم بدعت کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں جو صاحب روح البیان صدیوں پہلے بیان فرما گئے چنانچہ ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو: لان البدعۃ ھی الفعلۃ المخترعۃ فی الدین علی خلاف ما کان علیہ النبی علیہ السلام وکانت علیہ الصحابۃ والتابعون رضی اللہ عنہم ج ۹ ص ۲۴

بلانا گیا میں حاضر حضور ہوئی اور مجھے پہنا کر فرمایا "البسی و اخلقی" (اسے پہن اور پرانا کر) دو بار فرمایا۔
آپ نے اس ساڑھی کی طرف نظر کرم فرمائی اس میں ایک نشان زرد اور دوسرا سرخ تھا اور فرماتے رہے اے
ام خالد "ھذا اسناء" (یہ حسن) یہ حسن ہے السناء لسان حبشہ میں حسن کو کہا جاتا ہے۔

خرقہ پوشی کا ثبوت: مخفی نہ رہے وہ خرقہ پوشی جو صوفیہ کرام میں دور حاضر میں مروج ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں بہشت کذائیہ (طریقہ معلومہ)
سے نہ تھا یہ طریقہ اور اس کے ساتھ ایسے اجتماع اور اس کا اہتمام نہ تھا بلکہ اسلاف صالحین کو خرقہ
جانتے نہ تھے اور نہ ہی اس طریقہ سے مریدین کو خرقہ پہناتے تھے اور جس نے ایسا خرقہ پہنایا تو ان کا
مقصد بھی صحیح اور اس کا اصل سنت سے ہے اور شرع میں اس کے شواہد ہیں اور جو نہیں پہنتے پہناتے
ان کی رائے بھی صحیح ہے اور ان کا بھی اس امر میں مقصد صحیح ہے بہرحال مشائخ کے جملہ طور طریقے
سیدھے راہ اور صواب پر مبنی ہیں کیونکہ ان میں ان کی نیت صحیح ہے۔

خرقۂ حسن بصری رحمہ اللہ کا ثبوت: شیخ زین الدین الحافی رحمہ اللہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ صحیح بلکہ بزرگوں سے منقول ہے کہ مشائخ کی اجازات
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں اور آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خرقہ
پہنایا اور انہوں نے حضرت حسن بصری و کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہما کو پہنایا اور المقاصد الحسنہ میں ہے
کہ محدثین تو حضرت علی سے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما سے سماع حدیث کے قائل نہیں چہ جائیکہ
انہیں خرقۂ خلافت حاصل ہوا ہو۔[1]

فائدہ: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ ظاہری لباس اتنا کافی ہے کہ وہ ستر عورت کو کفایت کرے اس سے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ زیب و زینت کا سبب بنے اور باطنی لباس
تقویٰ ہے وہ ہے محارم سے بچنا اور باطنی شکار یہی ہے کہ مکارم اخلاق سے مزین ہو مثلاً کثرت
نوافل ایسے ہی درگذر اور اصلاح۔ اس لیے اولیاء اللہ دونوں لباسوں سے مزین ہوتے ہیں تاکہ
ظاہر و باطن کے دونوں حسن کے جامع ہو کر ثواب پائیں اسی لیے وہ خرقہ پہنتے پہناتے ہیں لیکن ان کی

---

[1] حضرت حسن بصری کا خرقۂ خلافت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے
اس کے ثبوت میں ایک رسالہ لکھا ہے حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہ نے بھی رسالہ لکھا بنام فخر
الحسن فقیر اویسی نے بھی ایک کتاب صرف اس موضوع پر لکھی ہے بنام علی حسن۔

کڑی نگرانی لباس باطن پر رہتی ہے اسی کو وہ اصل سمجھتے ہیں اور میرے نزدیک حق یہ ہے (جو میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈال دیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کو مخصوص لباس پہنائے جس کی خبر حدیث قدسی میں ہے "ما وسعنی ارضی ولا سمائی ووسعنی قلب عبدی" (میں زمین میں نہیں سماتا اور نہ ہی آسمانوں میں ہاں میں اپنے بندے کے دل میں سماتا ہوں) اس لیے کہ کپڑا پہننے والوں سے وسیع ہوتا ہے۔

فائدہ: ان دونوں لباسوں کو عمل میں لانا حضرت شیخ شبلی اور حضرت خفیف کے زمانہ اقدس سے شروع ہوا اور ہمارے زمانہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اسی لیے ہم صوفیانہ لباس پہنتے پہناتے ہیں تو انہی مشائخ کا طبقہ ہے لیکن ہمیں چاہیئے کہ ان کی محبت سے بہرہ ور ہوں اور ان کے عادات مبارکہ کو اپنائیں تاکہ ظاہر و باطن برابر ہو (اللہ تعالیٰ ہمیں باطن کا لباس تقویٰ عطا فرمائے جس میں ہماری بھلائی ہو اور ہماری نیات و عقائد و اعمال و احوال درست فرمائے یہاں تک کہ یقین آئے وہی اہل دین کا معین (مددگار) بنے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ
بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ
ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن
يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَ
ظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ○ وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا
أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ○ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ
إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن
تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا
يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ
شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا
كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى
الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ع

ترجمہ: اب تم سے کہیں گے جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے مال اور ہمارے گھر والوں نے جانے سے مشغول رکھا اب حضور ہماری مغفرت چاہیں اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں تم فرماؤ اللہ کے سامنے کسے تمہارا کچھ اختیار ہے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تمہاری بھلائی کا ارادہ فرمائے بلکہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے بلکہ تم تو سمجھے ہوئے تھے کہ رسول اور مسلمان ہرگز گھروں کو واپس نہ آئیں گے اور اسی کو اپنے دلوں میں بھلا سمجھے ہوئے تھے اور تم نے برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر بے شک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اب کہیں گے پیچھے بیٹھ رہنے والے جب تم غنیمتیں لینے چلو تو ہمیں بھی اپنے پیچھے آنے دو وہ چاہتے ہیں اللہ کا کلام بدل دیں تم فرماؤ ہرگز تم ہمارے ساتھ نہ آؤ اللہ نے پہلے سے یونہی فرمادیا ہے تو اب کہیں گے بلکہ تم ہم سے جلتے ہو بلکہ وہ بات نہ سمجھتے تھے مگر تھوڑی ان کے پیچھے رہ گئے ہوئے گنواروں سے فرماؤ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں پھر اگر تم فرمان مانو گے اللہ تمہیں اچھا ثواب دے گا اور اگر پھر جاؤ گے جیسے پہلے پھر گئے تو تمہیں دردناک عذاب دے گا اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مواخذہ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور جو پھر جائے گا اسے دردناک عذاب فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ: "سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ" عنقریب پیچھے رہنے والے تمہیں کہیں گے۔

حل لغات: سین استقبالیہ ہے اور المخلفون تخلیف سے ہے بمعنے کسی کو پیچھے چھوڑنا اہل عرب کہتے ہیں خلفته (بالتشدید) بمعنے میں نے اسے پیچھے چھوڑا خلفوا اثقالهم تخلیفا بمعنے سامان کو پیٹھ کے پیچھے رکھنا اور فارسی میں بمعنے واپس گذشتن بمعنے پیچھے چھوڑنا اور مخلفون سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ سے دور ہیں یعنے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے محروم ہیں جو دیہاتوں میں رہتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور رکھا ہوا تھا جیسا کہ فرمایا کہ "کره الله انبعاثهم فثبطهم" اللہ تعالیٰ کو ان کا چلنا ناگوار ہے اسی لیے انہیں بٹھا دیا۔

"وقیل اقعدوا مع الخالفین" اور انہیں کہا گیا کہ پیچھے رہنے والوں کے بیٹھے رہو۔

عرب و اعراب کا فرق : "المفردات" میں ہے عرب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو کہا جاتا ہے اور اعراب اس کی جمع ہے۔ لیکن پھر بادیہ نشینوں پر اس کا استعمال غالب ہو گیا اسی لیے اعراب کی جمع اعاریب اور اعرابی عرف ان عربوں کا اسم ہو گیا جو دیہاتوں میں رہتے ہیں۔

"القاموس" میں ہے کہ العرب بالضم بالتحریک عجم کی ضد اور یہ مؤنث ہے وہ عربی جو شہروں میں رہتے ہوں اور اعراب وہ عربی جو دیہاتوں میں ہوں اس کی جمع اعاریب آتی ہے۔

"المختار الصحاح" میں ہے العرب عربی لوگوں کا ایک گروہ اس کے منسوب کو عربی کہا جائے گا اس سے شہری (عربی) کہا جائے گا اور اعراب بھی عربی ہیں لیکن وہ جو دیہاتوں میں رہتے ہوں اس کے منسوب کو اعرابی کہا جائے گا۔ اعراب عرب کی جمع نہیں بلکہ وہ (عرب) اسم جنس ہے۔

فائدہ : ابن الشیخ نے سورۃ توبہ میں فرمایا کہ عرب بنی آدم کی ایک خاص صنف ہے وہ شہری ہوں یا دیہاتی ہاں اعراب کا اطلاق دیہاتی عربوں پر ہوتا ہے اس معنیٰ پر اعراب اعرابی کی جیسے عرب عربی کی اور مجوس مجوسی کی اور یہود یہودی کی جمع ہے یعنی جمع میں صرف یاء نسبت کو حذف کر دیا جائے تو وہ جمع کا صیغہ ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید اور حدیث شریف سے استدلال : عرب و اعراب کا فرق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے ظاہر ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حب العرب من الایمان" عربوں کی محبت ایمان کی علامت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الاعراب اشد کفرا و نفاقاً" اعراب میں کفر و نفاق زیادہ ہے۔

ان دونوں دلیلوں میں عرب کی تعریف اور اعراب کی مذمت ہے اور اعراب وہ ہیں جو بستیوں میں رہتے ہیں اس معنیٰ پر عرب اعراب سے اعم ہے بعض نے کہا کہ عرب وہ ہیں جنہوں نے شہروں اور بستیوں کو وطن بنایا ہو اور اعراب وہ ہیں جو صرف دیہاتوں میں رہتے ہوں اس معنیٰ پر عرب اور اعراب ایک دوسرے کے متباین ہیں۔

آیت ھذا میں الاعراب سے کون مراد ہیں : آیت ھذا میں عقار و مزینہ و جہینہ و اشجع و اسلم دئل (بالکسر) قبائل کے وہ دیہاتی مراد

ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے رہ گئے جب آپ نے مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے قبائل کے دیہاتیوں اور صحرا نشینوں کو بلایا کہ عام حدیبیہ کے سال مکہ مکرمہ کو چلیں اور صرف عمرہ کرنا ہے اہل مکہ سے جنگ کا ارادہ نہیں ہے لیکن انہوں نے عذر کیا اس خیال سے کہ شاید قریش سے جنگ چھڑ جائے یا وہ آپ کو مکہ معظمہ میں نہ آنے دیں ان کے انکار کے باوجود آپ نے احرام باندھا اور قربانی ساتھ لی تاکہ معلوم ہو کہ آپ کا جنگ کا ارادہ نہیں ہے باوجود اس کے تب بھی یہ لوگ گھر میں بیٹھ گئے بلکہ کہا کہ ہم ایسے لوگوں کے منہ میں جائیں جنہوں نے یہاں مدینہ پاک میں آ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا اب یہ کیسے ہوگا جب ہم ان کے گھروں میں پہنچ جائیں گے (تو پھر وہ ہمیں ختم نہیں کر دیں گے) ان کی اس غلط خیالی کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی بتایا کہ یہ آپ کے مدینہ شریف کے واپسی تک منتظر رہیں گے اور پھر کہیں گے "شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا" (ہمیں اموال اور اہل و عیال نے مشغول رکھا اور ہمارے ہیں کوئی ایسا لائق نہیں تھا کہ ہمارے گھریلو امور سنبھال سکے۔

حل لغات: الشغل وہ عارضہ جو انسان کو منہمک کر دے اموال مال کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جو دراہم و دنانیر اور سونے اور چاندی یا اناج یا روٹی یا حیوان یا کپڑوں یا ہتھیار کا مالک ہو سکتا ہو اور اسے مال اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دلوں کو ذاتی طور اپنی طرف کھینچتا ہے۔ انیشلوع میں ہے کہ مال وہ شئے ہے جس کی طرف طمع مائل ہو اور ضرورت کے لئے اسے خرچ کیا جا سکے اور مال وہ متعین شئے جس پر مہر لگائی گئی ہو یا مال ہر وہ شئے آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس میں بخل و امساک کو دخل ہو سکے "اہلون" اہل کی جمع ہے انسان کا کنبہ اور قریبی رشتہ داریاں کبھی اہل کی جمع اہال و آہال بھی آتی ہے اسے حرکات سے بھی پڑھا جاتا ہے جیسے ارضیات کو بالسکون و بالحرکات ہر دونوں طریقے سے پڑھنا جائز ہے جیسے "ارض" میں تاء مقدر ہے ایسے ہی اہل میں کہ یہ در اصل "اہلۃ" تھا اس کا حکم تمرۃ والا ہے کہ اس کی جمع کے میم کو متحرک پڑھنا جائز ہے "فَاسْتَغْفِرْ لَنَا" بس آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے ہماری اس کوتاہی کی بخشش مانگیے جو ہم آپ کے ساتھ نہ جا سکے اور گھر بیٹھے رہے یہ ہماری مجبوری تھی ہمارے بس کی بات نہ تھی "يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ" "کہتے ہیں وہ جو ان کے دلوں میں نہیں) یعنی یہ اپنے عذر میں جھوٹے ہیں ایسے ہی استغفار کا اظہار کرتے ہیں ان کا کہنا کہ ہم پکے مسلمان ہیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے استغفار کے طالب ہیں اس بارے میں جھوٹے اور کذاب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ قلوب جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں ان کے اہل اپنی زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے قلوب میں نہیں ان کا کہنا حقیقت سے خالی ہے اور ان کے قلوب کو اس حقیقت کا شعور ہے جو زبان سے کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ کہتے کچھ ہیں اور ان کے ارادے اس کے خلاف ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ ہمیں اموال اور اہل و عیال نے مشغول رکھا یہ مجازی ہے یہ عذر بہانہ ہے ہاں ان کا ذکر الٰہی سے غافل رہنا ان کی یہ مشغولی ان کے لئے حقیقت ہے کیونکہ واقعتہً ان کے اموال اور اہل و عیال نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں غافل رکھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا نہ لاسکے اور نہ ہی اس کی نواہی سے بچ سکے اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری انہیں نصیب ہوئی حالانکہ انہیں امر الٰہی تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری میں رہیں اسی میں ان کی فلاح و نجات تھی حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خاطر بنقش صفحہ دھر
جریدہ وار ہمی زی وسادہ وش باش

ترجمہ۔ صفحہ دہر میں دل پر لکھ دے کہ جریدہ کی طرح جی اور سادہ ہو کر زندگی بسر کر۔

تفسیر عالمانہ: "قُلْ" ان کے رد میں فرمائیے جب وہ اپنی باطل باتیں کر کے عذر کریں "فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا" تو کون ہے جو مالک ہو اللہ تعالیٰ سے کسی شے کا یعنی تمہارے میں کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضاء سے بچا کر تمہیں فائدہ دے سکے "اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا" اگر وہ ارادہ فرمائے کہ وہ تمہارے اموال اور اہل و عیال کو نقصان پہنچائے یہاں تک کہ تم خود بھی گھر رہ کر بھی پوری حفاظت کے باوجود انہیں ضرر سے نہیں بچا سکتے "اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا" (یا وہ تمہارے لیے نفع کا ارادہ فرمائے) یعنی کون تمہیں ضرر دے سکتا ہے اگر وہ تمہارے اموال اور اہل و عیال کو محفوظ رکھنے کا ارادہ فرمائے اگرچہ تم موجود بھی نہ ہو جب یہ حال ہے تو پھر تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ جانے میں کونسی ضرورت در پیش تھی "بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا" (بلکہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے) یعنی جو کچھ کہہ رہے ہو وہ غلط بلکہ بات دراصل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر کارروائی کو جانتا ہے منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ جانا اور گھر بیٹھے رہنا اور اس کے تمام اسباب اور موجبات

مسئلہ: جو بھی امر الٰہی اور متابعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر سلامتی کی طلب میں

بیٹھ جائے وہ بھی آیت کے حکم میں ہے ایسا شخص ضرر و بلاء سے چھٹکارا نہ پا سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جنگ کے بغیر بھی ضرر پہنچانے پہ قادر ہے اس لیے اخلاص کے ساتھ صدق و عمل ضروری ہے اور صرف اللہ تعالیٰ پر توکل چاہیئے کیونکہ اس میں ہی نجات ہے۔

حکایت حسن بصری رحمہ اللہ : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو حجاج ظالم کے ملازم گرفتار کرنے آئے آپ حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کی خانقاہ میں چھپ گئے ملازموں نے حضرت عجمی رحمہ اللہ سے پوچھا تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ وہ اسی خانقاہ میں ہیں ملازموں نے ہر چند تلاش کیا لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نہ ملے بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ان کے سات بار ہاتھ لگ چکے تب بھی مجھے نہ پا سکے ملازم تھک ہار کر حضرت عجمی رحمہ اللہ سے کہنے لگے کہ آپ پر حجاج (ظالم) کی سزا پڑی تو ناراض نہ ہونا کہ آپ نے جھوٹ بولا آپ نے فرمایا میں نے سچ کہا کیونکہ حسن بصری (رحمہ اللہ) اسی خانقاہ میں گئے تھے اب میرا کیا قصور ہے وہ دوبارہ تلاش کے لئے خانقاہ میں گئے تب بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نہ پا سکے جب وہ چلے گئے تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ باہر تشریف لائے اور حضرت عجمی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آج آپ نے حق استاذی ادا کیا کہ مجھ پر چغلی کھائی آپ نے فرمایا کہ استاذ ناراض نہ ہوں مجھے یقین تھا کہ آپ کو اور مجھے سچ نجات دے گا اگر میں جھوٹ بولتا تو ہم دونوں پکڑے جاتے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ سیہ روئے گشت صبح نخست

ترجمہ ۔ سچ کی کوشش کر کہ تیرے نفس سے سورج چمکے گا اس لیے کہ جھوٹ کی وجہ سے ہی پہلی صبح کا منہ سیاہ ہوا۔

قرآنی آیات کی برکت : حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ تو نے کونسا عمل کیا کہ جس سے ہم گرفتار کرنے والوں سے بچ گئے عجمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے نو۹ بار آیۃ الکرسی اور نو۹ بار آمن الرسول اور نو۹ بار قل ھو اللہ احد پڑھ کر بارگاہ حق میں عرض کی کہ یا اللہ حسن بصری (رحمہ اللہ) کو میں نے تیرے سپرد کیا تو ہی اس کی حفاظت فرما۔

سبق : اللہ تعالیٰ ایسے ہی اولیاء صادقین کی حفاظت و مدد فرماتا ہے اور ایسے ہی اپنے کافر دشمنوں کو چھوڑتا اور ذلیل کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: "بَلْ ظَنَنْتُمْ" الخ بہ "كَانَ اللّٰهُ" الخ سے بدل ہے اور اس کا مفسر ہے اس کے ابہام کے لئے جو اس میں ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ اسے پیچھے رہنے والو تمہارا گمان تھا کہ "اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ" یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس نہیں لوٹیں گے "اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ" مدینہ پاک کو اپنے اہل کی طرف "اَبَدًا" ہرگز بایں طور کہ ان کی مشرکین جڑ کاٹ ڈالیں گے تو تم ڈر گئے کہ اگر تم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو تمہیں بھی وہی پہنچتا جو انہیں پہنچے گا اسی لیے تم پیچھے رہ گئے وہ بات نہیں جو تم باطل عذر پیش کر رہے ہو "وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ" (مزین ہوا وہی گمان تمہارے دلوں میں) یعنی شیطان نے وہی گمان سنگارا اور تم نے اس کی بات مان لی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ تم نبی علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تصور میں نہ لائے۔ "وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ" اور تم نے گمان برا کیا۔ اس سے وہی پہلا گمان مراد ہے اور تکرار توبیخ کو سخت کرنے اور اس پر برائی کو پکا کرنے کے لئے ہے ورنہ اس سے عطف الشئی علی نفسہ لازم آتا ہے یا یہ عام ہے کہ اس میں وہی گمان بھی مراد ہے اور دیگر گمان فاسدہ بھی منجملہ ان کے وہ گمان بھی ہے جو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو نہ ماننا ورنہ آپ کی رسالت پر یقین رکھنے والا ایسے مکروہ فعل کا ارتکاب نہیں کرتا اور نہ یہ گمان کر سکتا ہے کہ مشرکین آپ کی جڑ کاٹ دیں گے اس تقریر پر تکرار لازم نہیں آیا "وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا" اور تم ہو قوم ہلاک ہونے والی اللہ تعالیٰ کے ہاں اور تم اس کے غضب و عذاب کے مستحق ہو۔

حل لغات: بور بائر کی جمع ہے از بار بمعنی ہلک جیسے عائذ کی جمع عوذ آتی ہے وہ اونٹنی اور گھوڑی جس نے ابھی بچہ جنا ہو یا یہ معنیٰ ہے کہ تم اپنے نفوس و قلوب و نیات کو فاسد کرنے والے ہو تمہارے دلوں میں کسی قسم کی بھلائی نہیں اس لیے کہ بعض لغات میں بور بمعنے فاسد بھی آیا ہے بعض نے کہا کہ البور بار کا مصدر ہے جیسے الهلك ہلک کا مصدر ہے ان دونوں کا صیغہ اور معنیٰ ایک ہے اسی لیے یہ واحد و جمع اور مذکر و مؤنث سب کی صفت واقع ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے رجل بور و قوم بُور اور المفردات میں ہے البوار بمعنے حد سے زیادہ گھاٹا چونکہ ایسا گھاٹا فساد تک پہنچاتا ہے اسی لیے اس معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "کسد حتی فسد" گھٹانے میں بڑا یہاں تک کہ فاسد ہو گیا اسی لیے البوار بولکر الهلاک مراد لیتے ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص یہی گمان کرے کہ اس جنگ میں نقصان ہو گا تو وہ ضرور قتل کیا جائے گا یا زخمی ہو گا یا اسے ایسی مصائب میں مبتلا ہو گا جن سے وہ کراہت کرتا ہو گا پھر وہ جنگ سے بھی پیچھے رہے گا کیونکہ وہ ہلاک ہونے والوں میں ہو گا

اور اس کے دل پر شیطان مسلط ہو جائے گا جو اس کے دل میں حیٰوۃ دنیا سنگار تا ہے اسی لیے ایسا شخص وہ آخرت کی زندگی کے بجائے دنیا کی حیٰوۃ پسند کرتا ہے حالانکہ آخرت کی زندگی شہدا کے لئے تیار کی گئی ہے اور انہیں جنت میں بلند مراتب اور جوار حق کے قربات نصیب ہوتے ہیں ؎

مکن ز غصہ شکایت در طریق طلب
براحتے نرسید آنکہ زحمتی نکشید

ترجمہ ۔ طریق طلب میں غصہ سے شکایت نہ کر وہ راحت کو ہرگز نہیں پہنچتا جو زخم نہیں کھاتا ۔

تفسیر عالمانہ : ”وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ“ اور جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا ۔

فائدہ : یہ نیا کلام اور مبتدا ہے اللہ تعالیٰ سے ہی کلام ہو رہا ہے من شرطیہ یا موصولہ ہے جو ان کے پیچھے رہے ہوؤں کی طرح ایمان نہیں لاتا ”فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ہ“ تو ہم نے کافروں کے لئے تیار کیا ہے بھڑکتی آگ کا عذاب“ جو صرف انہیں ملے گا ۔

سوال ۔ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب ۔ خبر دینا نہ کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا جامع نہیں وہ کافر ہے اور ایسی بھڑکتی آگ کے عذاب کا مستحق ہے یعنے ایسی آگ جس سے شعلے نکل رہے ہوں گے اس کی تنکیر ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ایسی بھڑکتی ہوئی آگ ہے کہ جس کی حقیقت اور کنہ کو کوئی نہیں مانتا یا یہ کہ وہ مخصوص آگ ہے جیسے فرمایا ”نارا تلظی“ شعلوں والی آگ اس معنیٰ پر تنکیر سریع کی ہوگی ۔

”وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے ملک اور جو ان کے اندر ہے وہ بھی اسی کی ملک ہے وہ ہر شے میں جسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے ۔ ممالک علوی و سفلی کے امور کی باگ ڈور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے ”یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ“ جس کے لئے بخشنا چاہے بخش دے یہ اس کا فضل ہے ”وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ“ جسے عذاب دینا چاہے عذاب دے یہ اس کا عدل ہے ۔ ان میں (فضل و عدل میں) کسی قسم کا کسی کو دخل نہیں نہ ہی عدلاً یہ حتمی فیصلہ ہے اس میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کے استغفار کی طمع نہیں کرنی چاہیئے ”وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ہ“ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے بہت بڑی مغفرت و رحمت والا ہے جس کے

لئے چاہے یا نہ چاہے مگر جس کے لئے مغفرت کا اس کی حکمت کا تقاضا ہو بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اور کافر اس کی مغفرت کے بالکل حقدار نہیں۔

سوال ۔ اس کی نظیر سورۂ احزاب میں ہے "لیجزی اللہ الصادقین بصدقهم ویعذب المنافقین ان شاء او یتوب علیهم ان اللہ کان غفورا رحیما" تاکہ سچوں کو ان کے صدق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جزا دے اور منافقین کو عذاب دے اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اگر وہ سچے دل سے توبہ کریں اگر توبہ نہ کریں تو انہیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا اس لیے کہ شرک ناقابل بخشش ہے ہاں توبہ اگرچہ بار ہو وہ تمام عمر کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے بلکہ اس کے ہر گناہ کے عوض نیکی عطا ہوتی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حدیث شریف : کہ بیشک اللہ تعالیٰ بندے مومن کی توبہ سے اس بندے کی خوشی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی گمشدہ شے مل جائے یا پیاسے جسے پانی مل جائے یا جس عقیم والد کو بچہ مل جائے۔

جس نے خالص توبہ کی اللہ تعالیٰ اس کے نگران فرشتوں کو اس کے گناہوں سے بھلا دیتا ہے اور اس کی

فائدہ : زمین جس پر اس سے گناہ سرزد ہوا سے گناہ اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے ؎

گر آئینہ زر آہ گردد تباہ

شود روشن آئینہ دل بآہ

تو پیش از عقوبت در عفو کوب

کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

ترجمہ ۔ اگر آہ سے شیشہ خراب ہو جاتا ہے لیکن دل کا آئینہ آہ سے صاف ہوتا ہے۔ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا اس وقت فغان و فریاد فائدہ نہ دے گی جب ڈنڈا سر پر پڑا۔

اسی معنیٰ پر حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

ترا چہ سود بروز جزا وقایۂ و حرز

کہ از وقایہ عفوش حمایتے نرسد

ترجمہ ۔ تجھے روز جزا میں بچاؤ اور نجات نصیب نہ ہوگی جب تجھے اللہ تعالیٰ سے معافی کی حمایت نصیب نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جس نے نفس کی آگ اور اس کی صفات کے شعلے بجھائے ذکر الٰہی کے پانی اور ترک شہوات سے، تو اس کا قلب چین پائے گا اور اس کا نفس جہنم کی آگ سے بچ جائے گا یہی حال اس کا جو اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ورنہ اس کے نفس کی آگ اور اس کی صفات کے شعلے قلب پر غلبہ پا جائیں گے جس سے وہ جل کر راکھ ہو جائیں گی جس کا کوئی نام و نشان تک نہ رہے گا یہ اس کا حال ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا " وللہ ملك السمٰوٰت " الخ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں قلوب کے آسمان اور نفوس کی زمین جس نفس کو چاہے بخش دے اور اس کا تزکیہ کرے اور صفات ذمیمہ سے پاک کرے اور اسے نفس مطمئنہ اور جذبات الٰہیہ کے قابل بنائے اور فرمائے " ارجعی " رب اللہ تعالیٰ کی طرف اور جس قلب کے لئے چاہے عذاب دے یعنی اس پر نفس کے صفات کا غلبہ دے کر اسے بدل دے جیسے اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا اور اللہ تعالیٰ اس قلب کے لئے غفور و رحیم ہے جس کے لئے چاہے اور نفس کا مالک بنا دینا جس کے لئے چاہے بنا دے کہ نفس اس کے قا[illegible] کے قابو میں ہو اور جس سے چاہے قلب کا ملک چھین کر اسے نفس کے ملک کر دے۔

تفسیر عالمانہ: " سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ " (عنقریب تمہیں پیچھے رہے ہوئے کہیں گے) جن کا ابھی ذکر ہوا " اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا " (جب تم لوٹو گے غنیمتوں کی طرف تاکہ تم انہیں حاصل کرو)

حل لغات: یہ ماقبل کی طرف ہے نہ کہ شرط " انطلقتم " بمعنے " ذھبتم " جب جاؤ گے کہا جاتا ہے انطلق فلان تب بولتے ہیں جب کوئی پیچھے جائے انطلاق سے ہے بمعنے خالی کرنا قید سے کہا جاتا ہے " حبس طلقا " ۔ اسے بلا قید اور بغیر زنجیر کے قید کیا ۔ المغانم مغنم کی جمع ہے بمعنی غنیمت یعنی تمہارے خیبر کی غنیمت کی طرف ۔ لوٹنے کے وقت تاکہ تمہیں انہیں حاصل کر و جیسے تمہیں وعدہ کیا گیا تو یہ کہیں گے اور اس غنیمت کی تمہاری خصوصیت اس لیے ہے کہ تم سے مکہ معظمہ کی غنیمت چوک گئی جب تم صلح کر کے خالی واپس لوٹے تمہیں اس سے کچھ نہ ملا ۔

فائدہ: سین قرب پر دلالت کرتا ہے اور اس سے خیبر مراد ہے کہ صلح کے بعد قریب زمانہ میں بھی غنیمت پائی گئی ۔

سوال ۔ تمہاری یہ تقریر کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ خیبر سے پہلے مہاجرین حبشہ حضرت جعفر کے ساتھ آئے ہوئے حضرات کو عطا فرمایا ایسے ہی دوسیوں اشعریوں کو عطا فرمایا حالانکہ یہ لوگ صلح حدیبیہ میں شامل نہیں

تھے اور تم کہتے ہو کہ یہ صلح حدیبیہ میں شامل ہونے والوں کو خوشخبری ہے"۔

جواب ۔ یہ اہل حدیبیہ کی دلجوئی کے لئے ہے اگرچہ خیبر کا بعض حصہ صلح کے طور بھی حاصل ہوا اور وہ بھی آپ نے ان حضرات پر تقسیم فرمایا۔ (حواشی مفتی السعدی رحمہ اللہ)

"ذَرُوْنَا" ہمیں چھوڑو "یذر الشئ" بمعنے "یترکہ و یفقدہ" کسی شئے کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دینا اس کا فعل ماضی مستعمل نہیں ہوتا۔

"نَتَّبِعْكُمْ" ہم تمہاری اتباع کریں گے اور خیبر کی جنگ میں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے "يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ" ان کا ارادہ ہے کہ وہ تمہاری بات بدل دیں یعنی چاہتے ہیں کہ وہ ان غنائم میں (جو اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے مخصوص کی ہیں) تمہارے شریک ہوں۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی الحجہ سنہ ۶ھ میں حُدَیبیہ سے واپس ہوئے ذی الحجہ کے بقایا ایام اور سنہ ۷ھ کے محرم کے اوائل میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اس کے بعد خیبر کی جنگ پیش آئی اس وقت وہی لوگ ساتھ تھے جو صلح حدیبیہ میں تھے خیبر فتح ہوگیا اور اس سے مال غنیمت بکثرت حاصل ہوا آپ نے حسب وعدۂ الٰہی ان صحابہ پر تقسیم فرمایا جو حدیبیہ میں تھے اس مضمون میں کلام اللہ سے اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ مراد ہے جو آپ کو اہل حدیبیہ کے لئے خیبر کی فتح کا کیا گیا نہ کہ قولہ تعالیٰ "لن تخرجوا معی ابدا" میرے ساتھ ہمارے نیے ہرگز نہیں نکلو گے) کیونکہ یہ ارشاد غزوۂ تبوک کے لئے ہے۔

"قُلْ" انہیں ناامیدی دیکر فرمائیے "لَنْ تَتَّبِعُوْنَا" تم ہرگز ہماری اتباع نہیں کرو گے۔

فائدہ: یہ نفی بمعنے نہی ہے اس سے مبالغہ مطلوب ہے اور سعدی مفتی نے فرمایا کہ لن بمعنے لیس تابید کے لئے ہے تابید اس وقت مراد ہوتی ہے جب نفی سے نہی مراد ہو اب مطلب یہ ہوا کہ تم ہمیشہ ہمیشہ ہماری اتباع نہ کرنا یا ان کی یہ ہمیشگی بوجہ مرض قلبی کے ہے۔

فائدہ: ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خیبر کو ہمارے ساتھ خود بخود چلو تو تمہاری مرضی ہے لیکن چلو گے تو بھی مال غنیمت نہیں پاؤ گے "كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ" ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مِنْ قَبْلُ" حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے "فَسَيَقُوْلُوْنَ" یہ نہی سن کر مومنین کو وہ کہیں گے "بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا" بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کے طور کہہ رہے ہو تاکہ تم ہمیں غنیمت خیبر میں شریک نہ کرو۔

حسد کی تحقیق: حسد بمعنے کسی کے استحقاق کا زوال چاہنا اس کے زوال کے لئے سعی بھی کی جاتی ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ مومن غبطہ کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے۔

قاعدہ حسد: بعض اکابر نے فرمایا کہ جنس واحد میں ہوتا ہے دو جنسوں والوں میں ایک دوسرے پر حسد نہیں ہو سکتا اسی لیے سب سے پہلی ہی آزمائش اور امتحان انسان سے ہُوا کہ اس کی طرف اس کی جنس سے انبیاء علیہم السلام بھیجے تاکہ منکر پر حجۃ قائم کی جاسکے اس کی غیر جنس سے انبیاء نہیں بھیجے گئے چنانچہ فرمایا " ولو جعلنٰہ ملکا لجعلنٰہ رجلا " اگر ہم اس انسان (بشر) کی طرف کوئی رسول فرشتہ بھیجتے تب بھی وہ مرد کی شکل میں ہوتا تاکہ وہ پہچان نہ سکیں کہ یہ فرشتہ ہے کیونکہ اگر وہ سمجھ جائیں کہ یہ فرشتہ ہے تو پھر اس پر حسد نہ ہو سکے گا۔

" بَلْ کَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ " بلکہ تھے وہ نہیں سمجھتے۔

حل لغات: " المفردات " میں ہے الفقہ بمعنے علم شاہد سے علم غائب تک پہنچنا یہ علم سے اخص ہے کیونکہ ہر فقہ علم ہے لیکن ہر علم فقہ نہیں) فقہ علم شریعت کے احکام کو کہا جاتا ہے اور فقہ بمعنے " فہم فقہاء " (اس نے سمجھا) " اِلَّا قَلِیْلًا " مگر تھوڑا سمجھنا وہی جو انہوں نے دنیوی امور کو سمجھا انہیں جہل مفرط اور امور الدین میں سوء فہم سے موسوم کیا گیا ہے۔

فائدہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں میں کم قیمت وہ ہے جو علم کم رکھتا ہے۔

فائدہ: اہل علم کی صحبت سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اسی لیے منافقین کو اللہ تعالیٰ نے فقہ سے بے خبری کے ساتھ موصوف فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے محرومی کی وجہ سے اسی لیے علماء (با عمل) کی صحبت ضروری ہے تاکہ دنیا پیٹھ کے پیچھے ڈالی جاسکے اور آخرت کی طرف رغبت کی جاسکے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " اطلبوا العلم ولو بالصین " علم حاصل کرو اگرچہ چین سے۔

فائدہ: جتنا منزل مقصود دور ہوگی اتنا زیادہ قدم اٹھیں گے۔

حکایت: بعض علماء فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بوڑھے کو عصا کے سہارے طواف کرتے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں فرمایا خراسان سے مجھ سے پوچھا تم گھر سے یہاں تک کتنا عرصہ کے بعد پہنچتے ہو میں نے کہا دو یا تین مہینوں میں۔ فرمایا تو پھر تمہیں ہر سال حج پر حاضر ہونا چاہیئے۔ میں نے پوچھا آپ کو کعبہ شریف تک پہنچنے میں کتنا عرصہ گذرتا ہے فرمایا پانچ سال میں۔ کہا تو پھر اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت فضل ہے اسی کا نام ہے سچی محبت انہوں نے ہنس کر یہ شعر پڑھا ؎

زر من ہویت و ان شطت بک الدار
زحال من دونہ حجب و استار
لایمنعک بعد من زیارتہ
ان المحب لمن یہواہ زوار

ترجمہ - جس سے تیری محبت ہے اس کی زیارت کر اگرچہ تیرا گھر بہت دور ہو دوری کے پردے اور حجابات مٹا دے پھر اس کی زیارت سے کوئی شے نہ روکے گی کیونکہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کی بہت زیادہ زیارت کرتا ہے -

تفسیر صوفیانہ : دنیا حسد کی جگہ ہے اور حسد نفس رذیل صفات میں سے ایک ہے -

حدیث شریف مع شرح : " ولا تحاسدوا " اور حسد نہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت والوں پر وہ نعمت مالی ہو یا علمی یا کچھ اور ہاں غبطہ (رشک) جائز ہے اس مال پر جو راہ خدا میں خرچ کیا جائے اور علم پر جس پر عمل ہو اور اس کی نشر و اشاعت کی جائے -

" ولا تناجشوا " (اور نہ ہی کسی کی بیع پر قیمت بڑھاؤ) النجش بمعنے کسی کے سامان میں قیمت بڑھ کر بتانا حالانکہ اس کی خرید کی نیت نہ ہو بعض نے کہا النجش بمعنے کسی کو خیر کے بجائے برائی پر اکسانا -

" ولا تباغضوا " اور ایک دوسرے سے بغض نہ کرو ہاں اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے بغض ہو تو جائز ہے -

فائدہ : الشیخ کلابازی قدس سرہ نے فرمایا کہ لا تباغضوا بمعنے اھواء و مذاھب میں مختلف نہ ہو جاؤ اس لیے کہ بدعت فی الدین اور ضلال عن الطریق بغض کا سبب ہے -

" ولا تدابروا " اور نہ قطع تعلق کرو - تدابر بمعنے تقاطع وہ یہی ہے کسی سے منہ پھیر کر اسے پیٹھ دے جانا " الفائق " یا تدابر کا معنیٰ ہے گلہ شکوہ کرنا اسی لیے اخوت کو تقابل سے موصوف کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اخوانا علی سرر متقابلین " وہ بھائی ہو کر تختوں پر بیٹھے ہوں گے ایک دوسرے کے آمنے سامنے -

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ " کونوا عباد اللہ اخوانا " (اللہ کے بندو ہو جاؤ بھائی بھائی بن کر) حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شوقے نہ پدرا بہ پسر می بینم
دختر انرا ہمہ جنگست وجدل با مادر
پسر انرا ہمہ بدخواہ پدر می بینم

ترجمہ۔ جو بھائی بھائی پر رحم نہیں کرتا۔ باپ کی بیٹے سے مجھے کوئی شوق نظر نہیں آتا۔ لڑکیوں کو ماؤں سے ہر وقت جنگ اور جھگڑا ہے۔ بیٹوں کو باپوں کا بدخواہ دیکھ رہا ہوں۔

تفسیر عالمانہ: ''قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ'' (پیچھے رہے ہوئے اعراب کو فرمائیے) تکرار ان کی بار بار مذمت کی وجہ سے ہے تاکہ معلوم ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کی محرومی کتنا سخت قباحت وشناحت پر مبنی ہے ''سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ'' عنقریب تم ایک ایسی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے ''اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ'' جو جنگی اعتبار سے سخت قوت وطاقت والی ہے۔

فائدہ: اس سے بنو حنیفہ (سفینہ کی طرح ایک قبیلہ ہے[1]) مراد ہے یا مسیلمۃ الکذاب کی قوم اہل یمامہ مراد ہیں یا یہ بھی اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ''تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ'' (تم ان سے جنگ کرو گے یا مسلمان ہو جاؤ گے) دلالت کرتا ہے یہ جملہ مستانفہ ہے گویا سوال ہوا کہ پھر کیا ہو گا تو فرمایا ان دونوں میں سے ایک ضرور ہو گا ان مرتدین اور عرب کے مشرکین کے سوا باقی لوگوں کی جنگ جزیہ پر ختم ہو گی جیسے دوسروں سے ان کے اسلام لانے پر جنگ ختم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اولی باس شدید سے مطلقاً مرتدین ومشرکین مراد ہیں۔ وہ عرب کے مشرکین ہوں یا عجم کے یعنی دو طائفہ مذکور کے سوا یعنی اہل کتاب ومجوس کا حکم یہ نہیں کہ ان کے ساتھ جنگ ہو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں بلکہ ان سے جزیہ بھی قبول کیا جا سکتا ہے علاف عرب وعجم کے مرتدین ومشرکین کے کہ ان سے جزیہ قبول نہ ہو گا بلکہ ان کے ساتھ جنگ جاری رہے گی یہاں تک کہ اسلام قبول کریں اور یہ حکم امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عجم کے مشرکین سے بھی جزیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اہل کتاب ومجوس سے ہاں جن سے اسلام لانے تک تلوار چلتی رہے گی وہ صرف عرب کے مشرکین ومرتدین ہیں۔

---

[1] القاموس ۱۲

مسئلہ : آیت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صادقہ کی دلیل ہے کیونکہ مخلفین کو "اولی باس شدید" کی جنگ کی دعوت صرف آپ کے دور خلافت میں ہوئی اس کے بعد کے خلفاء میں کسی کو یہ موقعہ نہیں ان سے جنگ کرنے والوں کو ثواب کا وعدہ فرمایا۔

کما قال "فان تطیعوا" اور اس سے مخالفت پر وعید سنائی کما قال "و ان تتولوا" الخ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ واجب کر دے وہی امام برحق ہوتا ہے اس معنیٰ پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ امام برحق ہوئے ہاں اگر (اولی باس شدید) سے اہل حنین (ثقیف و ہوازن) مراد ہوں تو پھر آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت اسی آیت سے ثابت نہ ہو سکے گا کیونکہ ثقیف و ہوازن سے جنگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوئی ہے کیونکہ آپ نے فتح مکہ کے بعد ان (ثقیف و ہوازن) سے جنگ کی تھی اس معنیٰ پر مخلفین غزوۂ خیبر سے ممنوع اور اہل حنین کی جنگ کے لئے مدعوین ہوئے تو اس تقریر پر مخلفین کی نفی اتباع کا دوام مخصوص عن البعض ہو جائے گا کہ وہ صرف غزوۂ خیبر کی حاضری سے روکے گئے (کذا قال محی السنۃ)۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ ان سے فارس و روم مراد ہیں اور "یسلمون" بمعنے ینقادون ہے اور یہی ہوا کہ روم کے نصاریٰ اور فارس کے مجوسی سے جزیہ قبول کیا گیا اس تقریر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت بھی آیت سے ملا کیونکہ روم و فارس سے آپ کی دور خلافت میں جنگیں ہوئیں۔ اور آپ ہی نے لوگوں کو ان سے جنگوں کی دعوت دی " فَاِنْ تُطِیْعُوْا " اگر تم اس کی اطاعت کرو جو تمہیں اولی باس شدید کے ساتھ جنگ کی دعوت دیتا ہے " یُؤْتِکُمُ اللّٰهُ " اللہ تمہیں دے گا " اَجْرًا حَسَنًا " اچھا اجر یعنی دنیا میں غنیمت اور آخرت میں جنت " وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا " اگر تم دعوت سے روگردانی کرو اور داعی کو بیٹھ دو " كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ " جیسے تم نے حدیبیہ میں روگردانی کی " یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا " تو تمہیں اللہ دونا عذاب دے گا، بوجہ دو گنے ہونے تمہارے جرم کے۔

فائدہ : اس مقام کی تفصیل یوں ہوگی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا " لن تتبعونا " (تم ہماری ہرگز اتباع نہیں کرو گے) انہیں سے جنہوں نے منافقت سے توبہ کی تو ان کی توبہ کی قبولیت کی ایک علامت بتائی وہ یہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد انہیں (اولی باس شدید) بڑی قوت والوں کی جنگ کے لئے دعوت دی جائے گی جو اس وقت کے امام کی دعوت قبول کرے گا اور ان بڑی قوت والوں سے جنگ کرے گا تو اس کی توبہ قبول اور اچھا اجر عطا کیا جائے گا۔

فائدہ : اگر ان سے یہ امتحان نہ ہوتا تو منافقت پر ان کی حالت دائمی رہتی جیسے ثعلبہ کا حال ہوا کیونکہ وہ

منافقت سے زکوٰۃ ادا نہ کرسکا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا آپ نے قبول نہ فرمائی یہانتک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوگیا تو بعد کو صحابہ کرام میں سے کسی نے اس کی زکوٰۃ قبول نہ کی اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کا حال جان لیا تھا کہ اس کی حالت نہیں بدلے گی اسی لیے اس کی قبولیت توبہ کی کوئی علامت نہیں بتائی۔

سوال ۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ثعلبہ کی توبہ قبول کرلی یہ کیوں ؟

جواب ۔ یہ ان کا اجتہاد تھا اور مجتہد کی خطاء پر بھی اسے ثواب ملتا ہے فلھذا وہ اپنے اس اجتہاد میں معذور بلکہ ماجور ہیں۔

جواب اویسی : یہ قول ضعیف بھی ہے جیسا کہ روایت کے (قال بعضھم) سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب ۲ : ممکن ہے آپ نے اس کے خلوص کی کوئی علامت دیکھی واللہ عند اللہ (اور اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اجتہاد کے خطا پر بھی اجر و ثواب : قرآن مجید میں ہے کہ حضرت داؤد و حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ السلام نے اس کھیتی کا فیصلہ فرمایا کہ جسے کسی کی بکریاں چرگئیں (النفش بمعنے بکریوں کا رات کے وقت کھیتی چرنا) داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ فرمایا " ففھمناھا سلیمان" تو وہ فیصلہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھایا اور ہم نے دونوں کو حکم اور علم دیا۔

فائدہ : اس واقعہ اور اسی طرح دوسرے دلائل سے ہم نے قاعدہ فقہیہ ثابت کیا کہ ہر مجتہد مصیب ہے یعنی اس کی خطاء پر بھی ثواب عطا ہوتا ہے اگرچہ اس بارہ میں کوئی نص نہ ہو اسی لیے حکم شرعی ہے کہ مجتہد کے کسی حال اور لباس و حکام وغیرہ پر اعتراض نہ ہو سوائے ان امور کے کہ جنکی شرعی اجازت ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑا جائے کیونکہ ان میں بہت سے روزہ دار سچی توبہ کرنے والے اور عبادتگذار اور حمد کرنے والے سجدہ کرنے والے اور تسبیح پڑھنے والے اور استغفار کرنے والے اور رعق والے ہوتے ہیں۔ ان پر اعتراض و انکار وحشی بننے کا خطرہ ہے اور وحشت یاب خالق سے منقطع ہونے کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے بعض کی وجہ سے دوسروں پر رحم فرماتا ہے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

مکن رسے زاہد پاکیزہ سرشت
کہ گناہ دگران بر تو نخواہد نوشت

(۲) من اگر نیکم وگر بد تو برو خود را باش
ہر کسے آن درود عاقبت کار کہ کشت

(۳) ناامیدم مکن از سابقۂ لطف ازل
تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

ترجمہ ۔ (۱) اے پاکیزہ سرشت زاہد نفرت نہ کر (گنہگاروں سے) کہ کسی کا گناہ تیرے نام نہ لکھا جائے گا۔

(۲) میں نیک ہوں یا بُرا تو جا اپنا کام کر۔ جس نے جو بویا وہی اٹھائے گا۔

(۳) مجھے سابقۂ ازل سے ناامید نہ کر تجھے کیا معلوم کہ قلم نے تیرے نام کیا لکھا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ نفوس جو عبادت و اطاعت سے پیچھے رہے ہوئے ہوں کہ وہ نہ فرائض ادا کریں نہ نوافل انہیں اگر جہاد فی سبیل اللہ یا جہاد اکبر کی دعوت دی جائے (اور جہاد اکبر سے شیطان و نفس اور دنیا سے جہاد مراد ہے) کہ تم ان سے جنگ کرو کہ نفس کو خواہشات اور ترک دنیا اور اس کی زینت سے روکو۔ اگر وہ اس حکم کو مانیں اور اطاعت کریں تو انہیں اجر حسن ملے گا اگر وہ طاعات و عبادات سے روگردانی کریں تو انہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا کہ وہ دنیا میں بھی درد پاتے رہیں گے اور آخرت میں بھی پائیں گے۔

تفسیر عالمانہ: "لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى" (نہیں ہے اندھے پر)
ربط: جب اللہ تعالیٰ نے پیچھے رہنے والوں کو سزا سنائی تو اس آیت میں ضعفاء و معذوروں سے تنگی کی نفی فرمائی اس لیے کہ اعمیٰ پر کوئی نہیں اعمیٰ بمعنے "فاقد البصر" آنکھ نہ رکھنے والا۔
"حَرَجٌ" (کوئی گناہ) نہیں پیچھے رہنے سے جنگ سے کیونکہ نابینا اس پرندے کی طرح ہے جس کے پر نہ ہوں جو اس پر حملہ کرے اسے نہیں روک سکے گا اور تکلیف شرعی کا دار و مدار استطاعت (مداومت ظاہری) پر ہے۔

حل لغات: "الحرج والحراج" بمعنے "مجتمع الشیٔ" جیسے درخت تنگی کی ایک قسم کا اجتماع ہوتا ہے اسی لیے اسے حرج و حراج سے تعبیر کرتے ہیں ایسے ہی اثم گناہ کو بھی۔
"وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ" اور نہیں لنگڑے پر کوئی حرج، بوجہ اس کی اس بیماری لازمی کے جو اسے دائمی طور لاحق ہے جیسے ایک یا دونوں پاؤں کا نہ ہونا۔

مسئلہ: اس لیے جس کے دونوں پاؤں نہ ہوں اس کا چوتھا فرض (پاؤں نہ دھونا ساقط (معاف)

ہے (جب ایک معمولی عبادت کے لئے اسے معافی ہے تو بہت بڑی عبادت کیوں معاف نہ ہو)۔
الاعرج بمعنے لنگڑا یہ اعروج سے ہے وہ اس لیے کہ لنگڑا نیچے والی کیفیت سے اوپر کو ہوکر (اٹھکر) چلتا ہے اور عرج ہمچون فرح اسے بولتے ہیں جس کے لنگڑا پن میں پیدائشی کیفیت پیدا ہو جائے اور کفتار (ضبح) بسیار خور جانور کو بھی عرجاء کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں پیدائشی لنگڑا پن ہے اور عرج ہمچوں دخل بمعنے ارتقی یعنی اوپر کو چڑھا اور ہر وہ جو جس کے پاؤں میں عارضہ لاحق ہو تو وہ لنگڑا ہوکر چلے یعنی چلتے نیچے اوپر ہو یعنی وہ لنگڑا پن اس کا پیدائشی نہ ہو اور غیر پیدائشی لنگڑا جسم کے تین حصوں (طریقوں سے چلتا ہے)۔ (القاموس)

"وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ" اور نہ ہی مریض پر کوئی حرج ہے کیونکہ اس میں جنگ پر جانے کی قوت نہیں۔

فائدہ: ان تینوں سے حرج کی نفی میں ان کے اعذار کے اعتبار اور ان کی رخصت کے دائرہ کو توسیع کا اظہار ہے "وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ" اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ اوامر و نواہی میں سراً و علانیۃً اطاعت کرتا ہے "يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ" اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جنت کو اسی لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ اور حجاب ہے کیونکہ وہ شہوات نفسانیہ کا محل ہے۔ جب وہ اپنے بندوں کو دیدار سے سرشار فرمائے گا تو انسان سے شہوات کے تصورات ختم ہو جائیں گے اور یہ درمیانی پردے ہٹ جائیں گے۔ اس وقت دیدار کرنے والے جنت کے تصورات سے بھی فارغ ہو جائیں گے۔

سبق: انسان جب خودی کے تصور میں ہے دیدار ربانی مشکل ہے چاہیئے کہ انسان خود کو درمیان سے ہٹا دے کیونکہ یہی خود دیدار الٰہی کے آگے پردہ ہے۔ اے عزیز تو ئی کا بادل اپنے سورج سے ہٹا پھر اپنی حقیقت کو دیکھ۔

تفسیر عالمانہ: "وَمَنْ يَتَوَلَّ" جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمان سے روگردانی کرتا ہے "يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا" (اسے دردناک عذاب دے گا) ایسا کہ کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا اور وہ ہوگا بھی غیر منقطع یہ دراصل

وہ عذاب ہے کہ بندہ اپنے آقا کے دیدار سے ہمیشہ محروم کر دیا جائے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی سے ہوتا ہے اور نافرمانی عدم شفاعت کا موجب ہے ؎

مسوز آتشی محرومیم کہ ہیچ عذاب
ز روئے سوز والم چون عذاب حرمان نیست

ترجمہ ۔ اے آتش محرومی مجھے نہ جلا اس لیے کہ محرومی جیسا اور کوئی درد اور عذاب نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اصحاب اعذار اور ارباب طلب کی طرف اشارہ ہے کہ جسے عارض مانع ہوتا ہے تو وہ اسے بلا عزیمت سیر سے عاجز کر دیتا ہے لیکن اس کی ہمت فی الطلب اور رغبت فی السیر و توجہ الی الحق باقی رہتی ہے تو کوئی حرج نہیں کیا ہوا اسے عارض مانع ہوا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " من یطع اللہ ورسولہ" یعنی بقدر استطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو اسے ان باغات میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں " ومن یتول" اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتا ہے اور عہد طلب کو توڑ دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

فائدہ: اپنے وقت کے مشائخ کا بے نظیر شیخ حضرت ابو عبداللہ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی آپ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کا عرفان حاصل کر کے اس پر چل کر واپس لوٹا تو اسے اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ ایسا کسی کو نہ دیا ہوگا اس لیے مشائخ فرماتے ہیں طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے زیادہ گنہگار ہے ۔

فائدہ: حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر صدیق اللہ تعالیٰ کی طرف ہزار بار متوجہ ہو لیکن صرف ایک لحظہ توجہ ہٹائے گا تو جتنا مرتبہ پایا اس سے زیادہ کھویا ۔

دوسری صوفیانہ تفسیر: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت میں اعمیٰ حقیقی کی طرف اشارہ ہے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھے نہ اسے آخرت کی طرف دائیں آنکھ سے دھیان ہو اور نہ ہی دنیا کو بائیں آنکھ سے دیکھے وہ رخصتوں کے استعمال سے معذور ہے اور نہ ہی رفاہیت میں داخل ہونا جانتا ہے جیسے اکابر نے فرمایا کہ محقق کا نفس کبھی بھوکا نہیں ہوتا سوائے حالت اضطرار کے بالخصوص جب وہ مقام ہیبت میں اور کسر شہوات کے درپے ہو اس وقت بہت کھاتا ہے کیونکہ اس وقت اس کے دل میں عظمت الٰہی اور اس کے شہود کی وجہ سے حقائق کے شعلوں کی شدت ہوتی ہے دراصل یہ مقربین کا حال ہے لیکن کبھی وہ اس وقت تھوڑا کھاتا ہے بوجہ اہل وعیال کو خوش کرنے کے

ورنہ وہ بوجہ انس باللہ کے بہت تھوڑی غذا پر گذارنے کو ترجیح دیتا ہے اور ایسے کوائف سالک میں جمع ہوتے ہیں۔

اور آیت میں "الاعرج" حقیقی مراد ہے وہ ہے جو منزل مشاہدہ تک پہنچ چکا ہو اس کے سیوف وحدت سے پاؤں کاٹے جاتے ہیں اور اطلاق کی تلوار اس کے دوئی اور تقیید پاؤں کاٹ کر رکھ دیئے جاتے ہیں پھر بوجہ فنائیت کے اس کے آلات بیکار ہوجاتے ہیں اس لیے وہیں پر بیٹھ رہتا ہے یہ افراد مشاہدین کا درجہ ہے ان کے لئے کوئی حرج نہیں اگر وہ مجاہدین کے مقام میں نہ آئیں یہاں صوفیہ کے قول کا راز معلوم ہوا وہ فرماتے ہیں "الصوفی لامذھب لہ" صوفی کا کوئی مذہب نہیں جس کا مذہب نہ ہو اس کی کوئی سیر نہیں اور جس کی سیر نہ ہو اسے کسی آلہ کی ضرورت نہیں۔

اور "المریض" سے حقیقی بیمار مراد ہے اور وہ وہ ہے جسے محبت و عشق نے بیمار کیا ہو وہ معذور ہے اگر وہ روحانیات کو استعمال کرے یعنی سماع اور خوشبو عمل میں لائے اور حسین اشیاء دیکھے کیونکہ ایسے بیمار کا علاج از قبیل عشق و محبت ہوتا ہے اس لیے کہ جب اسے عشق نے بیمار کیا ہے تو اس کا علاج بھی عشق سے ہوگا جیسے کسی نے کہا ہے

تدرویت من لیلی بلیلی من الھوا
کما یتداوی ہوشارب الخمر بالخمر

ترجمہ۔ میں نے عشق سے محبوب سے لگی ہوئی بیماری کا علاج محبوب سے کیا جیسے شرابی کا علاج شراب سے ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جسے مجاہدہ میں عذر ہو تو اللہ تعالیٰ رخصت سے ایسے خوش ہوتا ہے جیسے عزیمت پر عمل کرنے سے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي
قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ○ وَمَغَانِمَ
كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ
كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ
آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا
قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ○ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا
لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ○ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ

مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَ
أَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ
الْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ
لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ
فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝
إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ
عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَ
أَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

ترجمہ ۔ بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے
تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام
دیا اور بہت سی غنیمتیں جن کو لیں اور اللہ عزت و حکمت والا ہے اور اللہ نے تم سے وعدہ کیا
ہے بہت سی غنیمتوں کا کہ تم لوگے تو تمہیں یہ جلد عطا فرما دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور
اس لیے کہ ایمان والوں کے لئے نشانی ہو اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے اور ایک اور جو تمہارے
بل کی نہ تھی وہ اللہ کے قبضہ میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر کافر تم سے لڑیں تو ضرور
تمہارے مقابلہ سے پیٹھ پھیر دیں گے پھر کوئی حمایتی نہ پائیں گے نہ مددگار اللہ کا دستور ہے کہ
پہلے سے چلا آتا ہے اور ہرگز تم اللہ کا دستور بدلتا نہ پاؤ گے اور وہی ہے جس نے ان کے
ہاتھ تم سے روک دیئے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے وادی مکہ میں بعد اس کے کہ
تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے وہ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا
اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور رُکے پڑے اپنی جگہ پہنچنے سے اور اگر یہ نہ
ہوتا کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں جن کی تمہیں خبر نہیں کہیں تم انہیں روند ڈالو تو تمہیں ان کی
طرف سے انجانی میں کوئی مکروہ پہنچے تو ہم تمہیں ان کی قتال کی اجازت دیتے ان کا یہ بچاؤ اس
لیے ہے کہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے جسے چاہے اگر وہ جدا ہو جاتے تو ضرور ہم ان میں
کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں اڑ رکھی وہی زمانہ جاہلیت

کی آڑ تو اللہ نے اپنا اطمینان اپنے رسول اور ایمان والوں پر اتارا اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اس کے اہل تھے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ" البتہ بیشک اہل ایمان سے اللہ راضی ہے۔ بندے کی اللہ سے رضاء کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس کی جاری کردہ قضاء و قدر سے ناگواری خیال تک نہ لائے اور اللہ تعالیٰ کی بندے سے رضاء کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسے اس گروہ میں شامل کرے جو اس کے اوامر بجالاتے اور نواہی سے رکتے ہیں وہ وہی ہیں جس کا حال خود بیعت رضوان میں بیان فرمایا (رضوان والوں کی تعداد) بیعت رضوان کے شرکاء کل ایک ہزار چار سو تھے یہی صحیح ہے بعض نے کہا کہ وہ ایک ہزار پانچ سو پچیس تھے۔

بیعۃ رضوان کی وجہ تسمیہ: اس آیت کا نام بیعۃ الرضوان ہے جیسا کہ بعض اکابر نے فرمایا وہ اس لیے کہ رضا بمعنے بندے کا اپنے ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا کرنا ہی فنائے صفات کا کمال ہے وہ اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ حجابات صفات میں محجوب ہے اور صفات افعال میں اور افعال اکوان میں و آثار میں محجوب ہیں جس کے حجابات اکوان کے پردے ہٹ جاتے ہیں تو اس پر افعال جلوہ گر ہوتے ہیں وہ متوکل ہو جاتا ہے اور جس سے افعال کے حجابات ہٹ جاتے ہیں تو اس پر صفات جلوہ گر ہوتے ہیں وہ رضاء و تسلیم کا پیکر بن جاتا ہے جس سے صفات کے حجابات ہٹ جاتے ہیں تو اس پر خود ذات جلوہ گر ہوتی ہے فانی فی التوحید ہو جاتا ہے یہی موحد مطلق ہے اس وقت اس کا یہ مرتبہ ہوتا ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے پڑھے جب تک اس کو یہی شہود نصیب ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحید الافعال توحید الصفات پر اور توحید الصفات توحید الذات پر مقدم ہے انہی تین مراتب کی طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سجدہ کی دعا میں اشارہ فرمایا کہ

واعوذ بعفوك من عقابك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك منك
اے اللہ! تیری معافی کے ساتھ عقاب سے اور تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب اور تیری ذات کے ساتھ تیرے سے پناہ چاہتا ہوں۔

سبق: اسے خوب یاد کرلے کیونکہ معرفت کا لباب (خلاصہ) ہے۔

"اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" جبکہ تیرے سے درخت کے نیچے تیری بیعت کرتے تھے۔

ترکیب اذ رضی سے منصوب ہے۔ مضارع کا صیغہ اس کا تصور ذہن میں لانے کے لئے ہے اور تحت الشجرہ

اسی سے متعلق ہے "الشجرہ" وہ تنا جس کی ساق (پنڈلی) ہو۔ یہاں پر شجرہ سے ام غیلان یعنی کیکر کا درخت مراد ہے اس لیے کہ حجاز کی وادیوں میں یہی بکثرت ہوتا ہے بعض نے کہا وہ بیری کا درخت تھا۔

بیعت کس لیے : اس پر بیعت لی گئی کہ وہ لوگ قریش سے جنگ کریں گے اور جنگ سے نہیں بھاگیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ حق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آگے حق کی راہ میں کٹ مریں گے۔

فائدہ : حضرت ابو عیسیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں کیونکہ ایک گروہ نے موت پر بیعت کی یعنی یہ کہا آپ کو شہید نہ ہونے دیں گے ہم سب آپ پر جان دیں گے دوسرے گروہ نے کہا ہم آپ سے بھاگ نہیں جائیں گے۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ جنگ سے نہ بھاگنا موت کو متسلزم نہیں اسی لیے ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اصحاب الشجرہ : اس بیعت والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جاتا ہے۔ جنگوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علامت کے طور مختلف اسماء سے پکارا جاتا مثلاً بعض کو اصحاب الشجرہ بعض اصحاب سورۃ البقرہ۔

فضائل اصحاب الشجرہ : مروی ہے کہ جب یہ حضرات بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان پہنچا کہ وہ آج آسمانوں کے دربانوں اور فرشتوں کو یہ نظارہ دکھا رہا ہے اور بطور فخر فرما رہا ہے کہ آسمان والے میرے مقربو اس گروہ کو دیکھو کہ وہ دین واسلام کے اعزاز اور کلمۂ حق کے اعلاء میں بدل وجان کوشش کرتے ہیں اپنی جان وجسم اور دلی قربان کو تیار رہتے ہیں اور جنگ کے وقت نیزہ کے نشان پر رخ سامنے کر دیتے ہیں اور ہر وقت سینہ سپر رہتے ہیں ؎

شراب از خون وجام کاسۂ سر
بجائے بانگ رود آواز اسپاں
بجائے دستۂ گل دشنہ وتیغ
بجائے قرطہ بر تن درع وخفتان

ترجمہ ۔ وہ لوگ شراب کے بجائے خون اور کاسہ کے بجائے سر آواز (شرابی) کے بجائے

گھوڑوں کے آواز اور دستر گاں کے بجائے تیر و تفنگ لباس کے بجائے جسم پر زرہ اور سر پر خود رکھتے تھے۔

اے میرے مقربو گواہ ہو جاؤ کہ میں ان سے خوش اور راضی ہوں۔ قیامت میں ان سب کو امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی شفاعت کی اجازت دوں گا وہ جتنا چاہیں گے بخشوالیں۔

بخشش کا پروانہ: ان کی بیعت کا سن کر قیامت تک ہر وہ مومن جو دل میں خیال لائے گا کاش میں بھی اس بیعت میں شریک ہوتا اس کو بھی بخشش دوں گا۔

روئے زمین سے افضل: اس بیعت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب الشجرہ کو فرمایا کہ آج تم تمام اہل ارض سے افضل ہو۔

فائدہ: اس آیت میں حق تعالیٰ نے حدیبیہ کی بیعت کا تذکرہ فرمایا اور جو لوگ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس بیعت میں تھے ان کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے:-

(۱) حق تعالیٰ نے ان کو مومنین فرمایا اس سے بڑھ کر ان کے ایمان کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے جو شخص اس بیعت کے شرکاء کو مومن نہ کہے۔ اس کا مکذب قرآن ہونا کس قدر واضح ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا اور وہ بھی حرف تاکید یعنی "لقد" کے ساتھ ظاہر ہے کہ خدا جس سے راضی ہو گیا اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی فرما دیا اس کا انجام یقیناً بخیر ہو گا اور اب کبھی اُس سے خلاف، مرضی الٰہی کوئی کام صادر نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر آئندہ ان لوگوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الٰہی صادر ہونے والا ہوتا تو وہ ان کی اس بیعت سے ہرگز راضی نہ ہوتا چہ جائیکہ رضامندی کا اعلان۔ ہم لوگ جو آج کسی سے کسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں اور کل اس کی کسی خلاف مزاج حرکت پر ناخوش ہو جاتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کو آئندہ کا علم نہیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کل ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گا تو ہم اس کی کسی بات پر ہرگز خوش نہ ہوں چہ جائیکہ اپنی خوشنودی کا اعلان کریں لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ خدا اس وقت اُن کی بیعت سے خوش ہو گیا مگر بعد وفات پیغمبر کے جب انہوں نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی شروع کر دی تو خدا اُن سے ناخوش ہو گیا۔ خدا کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

(۳) حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں کی حالت کا علم بیان فرما کر ان کی نیک نیتی اور ان کے اخلاص کی گواہی دی۔ گویا منکرین کے اس وسوسہ کا پہلے ہی جواب دے دیا کہ ہم صرف ان کے ظاہری فعل

کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے بلکہ ہم کو ان کے دل کا حال معلوم ہے۔ اسی لیے ہماری رضامندی ان کے شامل حال ہوئی۔

(۴) حق تعالیٰ نے اُن پر سکینہ نازل فرمایا ہے ظاہر ہے کہ جس پر سکینہ نازل ہو جاتا ہے اس کے ایمان کو پھر جنبش نہیں ہوتی اور نہ اس کی استقامت میں فرق آسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا انعام خداوندی ہے جو ان کو حاصل ہُوا۔

(۵) حق تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں تین چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمایا۔ (۱) فتح قریب۔ (۲) مغانم کثیرہ۔ (۳) کچھ اور مغانم جو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر تھے۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیبر کا مال غنیمت مراد لیا گیا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کا لفظ اور مغانم کثیرہ کے بعد عَجَّلَ کا لفظ اسی کو بتا رہا ہے کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور بہت جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہونی چاہئیں چنانچہ فتح خیبر تو حدیبیہ سے لوٹتے ہی حاصل ہو گئی۔ ذی الحجہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے اور محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہو گیا اور مال غنیمت بکثرت ہاتھ آیا لیکن تیسری چیز یعنی وہ مغانم جن کو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر فرمایا گیا ہے اس کا مصداق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ خیبر کے بعد کوئی غنیمت ایسی نہیں حاصل ہوئی جس کو غنائم خیبر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دی جائے کہ عرب کے احاطۂ قدرت سے اس کو باہر کہا جائے۔ لامحالہ اس تیسری چیز سے فارس و روم کے فتوحات مراد لیے جائیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح البتہ ایک ایسی چیز تھی کہ عرب کے احاطۂ قدرت تو کیا بلکہ وہم و گمان سے بھی بالاتر تھی۔

یہ تیسری چیز خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں حاصل ہوئی اور خدا کا یہ وعدہ انہیں تینوں کے ہاتھ پر پورا ہُوا۔

(۶) فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو اَثَابَھُمۡ کے تحت میں بیان فرما کر اس امر کا اظہار فرما دیا کہ یہ انعام اس بیعت کا معاوضہ ہے، جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں ہیں ان کا کوئی حصہ اس انعام میں نہیں ہے چنانچہ خیبر کی غنیمتوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ کسی اور کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ تیسری نعمت کو اگرچہ کسی جماعت کے لئے مخصوص نہیں کیا مگر اس کو اہل حدیبیہ کے ہاتھ پر پورا کرنا ہزاروں خصوصیتوں سے بڑھ کر ہے۔

(۷) فرمایا کہ اب کوئی جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں فتحیاب نہ ہوگی بلکہ جو تمہارے

مقابلہ میں آئے گا پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اصحاب حدیبیہ کے مقابلہ میں کبھی کسی کافر کو فتح نصیب نہ ہوئی حتیٰ کہ ایران و روم جیسی زبردست سلطنتوں سے جب ان کا مقابلہ ہوا اس وقت خدا کی قدرت سب کو نظر آگئی اور یہ دونوں سلطنتیں دم کی دم میں زیر و زبر ہوگئیں۔

(۸) ان انعامات کے وعدوں کے بعد فرمایا کہ یہ ہمارا قدیم قانون ہے اور ہمارے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی یہ اشارہ ہے۔ اس قانون خداوندی کی طرف جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین صادقین کے فتح و نصرت کے متعلق ہے جس کا بیان دوسری آیتوں میں بہت وضاحت کے ساتھ ہے قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ط یعنی ہمارا وعدہ اپنے رسولوں سے پہلے ہی ہو چکا ہے کہ انہیں کو فتح ملے گی اور بہ تحقیق ہمارا لشکر غالب رہے گا۔

(۹) بیعت حدیبیہ کی عزت افزائی کی انتہا یہ ہے کہ دوسری بیعتوں سے ممتاز کرنے کے لئے اس درخت کا بھی ذکر فرمایا جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی۔

(۱۰) فتح مکہ اور فتح خیبر کو ایمان والوں کے لئے نشانی فرمایا یعنی یہ دونوں فتوحات آئندہ فتوحات کی دلیل ہیں یہ دونوں فتوحات یقین دلاتی ہیں کہ آئندہ فتوحات بھی اسی طرح پوری ہوں گی معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو فارس و روم کی فتوحات کا وعدہ ہے اور ان کی علامت و نشانی کے طور پر یہ فتوحات عطا ہوئی ہیں۔ اس سے فاتحان فارس و روم کی شان اظہر من الشمس ہو رہی ہے۔

فائدہ: اس آیت سے اصحاب حدیبیہ کا مومن بلکہ کامل الایمان اور پسندیدۂ خدا ہونا اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی قسم کی تاویل اور چون و چرا کی گنجائش نہیں اور یہ بات بھی بلا شک و شبہ باتفاق فریقین ثابت ہے کہ تینوں خلفاء اس بیعت میں شریک تھے اور جن لوگوں نے ان کا انتخاب خلافت کے لئے کیا اور ان کو اپنا امام مانا وہ بھی اس بیعت میں شریک تھے لہٰذا اس آیت کی رو سے وہ سب پسندیدۂ خدا اور مومن مخلص ہوئے اور جو ایسا ہو اس کی خلافت یقیناً خلافت راشدہ ہے۔ ایسے لوگوں کی خلافت کو ظلم و جور کی خلافت کہنا کلامِ الٰہی کی تکذیب کرنا ہے۔

شیعہ بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے کہ کوئی تاویل اس آیت کی نہیں ہو سکتی اور اصحاب حدیبیہ کے فضائل کا انکار بغیر اس آیت کی تکذیب کیے ہوئے ممکن نہیں لہٰذا انہوں نے اپنے اسی آخری کید سے یہاں بھی کام لیا ہے جس کو انہوں نے ہدایت قرآنی سے سرتابی کے لئے بڑے اہتمام سے تصنیف فرمایا ہے۔ **کہتے ہیں** کہ یہاں تحریف ہوگئی ہے۔ خدا نے اپنی رضامندی اس شرط کے ساتھ بیان کی تھی کہ مرتے دم تک اسی بیعت پر قائم رہیں مگر وہ لوگ قائم نہ رہے لہٰذا رضامندی بھی جاتی رہی لیکن صحابہ نے

شرط کے مضمون کو اس آیت سے نکال کر کہیں اور لگا دیا اور اس آیت کو بغیر شرط کے کر دیا جس سے کلام الٰہی کا مفہوم بدل گیا ۔ (تفسیر قمی ص ۳۳۶ اور مولوی مقبول احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن ص ۸۱۵)

ہمارے نادان شیعہ تحریف قرآن کا عذر کر کے سمجھتے ہوں گے کہ اس آیت رضوان سے ان کی گلو خلاصی ہو گئی اور اس آیت سے جو فضائل اصحاب حدیبیہ کے ثابت ہوتے تھے ان کا جواب ہو گیا مگر خدا کی قدرت کہ اس جواب سے بھی اُن کو رہائی نہیں مل سکتی ۔ اولاً اگر اس آیت کے ساتھ کوئی شرط پوری نہیں ہوئی تو ضرور خدا کو پہلے ہی سے اُس شرط کے پورے نہ ہونے کا علم ہوتا کیونکہ خدا کو تمام آئندہ ہونے والی چیزوں کا علم ہے پس اس صورت میں نعوذ باللہ فریب دہی کا الزام خدا پر قائم ہوتا ہے ۔ ایک ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط کر کے اپنی رضامندی کا اعلان کر دینا فریب نہیں تو اور کیا ہے ۔

(۲) آیت میں سب صیغے ماضی کے ہیں رَضِیَ ۔ اَنْزَلَ ۔ اَثَابَ یعنے خدا ان سے راضی ہو گیا ۔ پھر سکینہ ان پر اُتارا پھر بدلے میں ان کو فتح قریب وغیرہ دی حالانکہ اگر کسی شرط کے ساتھ یہ چیزیں مشروط ہوتیں تو بجائے ماضی کے مستقبل کے صیغے ہونے چاہئیں تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کے ساتھ کوئی شرط ہرگز نہ تھی ۔

(۳) اگر کوئی شرط اس آیت میں ہوتی تو وہ رضامندی اور انزال سکینہ اور فتح قریب وغیرہ سب کے ساتھ لگتی اور بغیر اس شرط کے جس طرح رضامندی ان کو حاصل نہ ہوتی ۔ اسی طرح انزال سکینہ اور فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بھی ان کو نہ ملتیں حالانکہ فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں باتفاق فریقین قطعاً ان کو ملیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہرگز کوئی شرط اس آیت کے ساتھ نہ تھی ۔ اور بالفرض اگر تھی تو وہ پوری ہوئی ۔

(۴) اگر خدا کی رضامندی کسی ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی تو پھر عَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ بالکل لغو ہو جاتا ہے معاذ اللہ منہ کیونکہ اس جملہ کا مقصود تو یہ ہے کہ خدا اپنی رضامندی کی وجہ ظاہر فرما رہا ہے کہ چونکہ ہم دلوں کی حالت سے واقف ہیں اس لیے ان سے راضی ہوئے حالانکہ صورت مذکورہ میں رضامندی کا وجود ہی نہیں ہوا ۔

خلاصہ : آیت کے الفاظ اور اس کا مضمون اور اس کی پیشین گوئی کا ظہور بتا رہا ہے کہ ہرگز اس آیت میں کوئی شرط نہ تھی اور اگر تھی تو وہ پوری ہو گئی اور خدا نے جس طرح فتح قریب مغانم کثیرہ وغیرہ کا وعدہ ان سے پورا کیا اسی طرح قطعاً و یقیناً خدا کی رضامندی بھی ان کو حاصل ہوئی اور سکینہ بھی ان پر نازل ہوا ۔

سوال شیعہ - بعضے نادان شیعہ گھبرا کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے مومنوں سے جو اس بیعت میں شریک تھے اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے نہ منافقین سے لہذا جو منافق اس بیعت میں تھے ان سے خدا کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی نے اسی جواب کو پسند کیا ہے چنانچہ اپنے ترجمہ قرآن کے صفحہ ۸۱۸ میں اسی آیت رضوان کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

"اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا ہمیشہ کے لئے راضی ہوگیا اور یہ لوگ جنتی بن گئے کیونکہ اوّل تو خدا نے تمام بیعت کرنے والوں سے خوشنودی کا اظہار کیا نہیں بلکہ صرف مومنین سے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ وہ تو اس وقت خوش ہوا جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی۔ اب رہی آئندہ کی حالت تو جیسی کرنی ویسی بھرنی تو خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا سچے ایمان داروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہوا۔"

مولوی فرمان علی نے یہ تو مان لیا کہ خدا کی رضامندی ضرور اس آیت سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ دو باتیں بناتے ہیں:۔

(۱) خدا کی رضامندی ہمیشہ کے لئے نہ تھی بلکہ وقتی تھی۔ بعد میں جب انہوں نے خلاف شرع کام کیے تو رضامندی جاتی رہی۔

(۲) خدا نے سب بیعت کرنے والوں سے رضامندی ظاہر نہیں بلکہ صرف مومنین سے۔

جواب پہلی بات کا ہم اوپر دے چکے ہیں۔ اجی حضرت خدا عالم الغیب ہے۔ جس شخص سے آئندہ خدا کی خلاف مرضی حرکات صادر ہونے والی ہیں خدا کو پہلے ہی سے اُس کا علم ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ اس شخص کی کسی اچھی سے اچھی بات سے بھی ہرگز ہرگز خوش نہیں ہوسکتا اور اپنی خوشی کا اعلان دے کر لوگوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا اہل سنت کا اعتقاد تو یہی ہے مگر شیعہ جو خدا کے لئے عقیدہ بدا کے قائل ہیں اُن کے مذہب کی بنا پر یہ بات ممکن ہے کہ ایک وقت خدا ان سے راضی ہوگیا اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی کر دیا مگر بعد میں جب ان لوگوں نے برے کام کیے تو خدا کو بدا ہوا اور خدا کی رائے بدل گئی اور وہ ناراض ہوگیا استغفر اللہ۔

دوسری بات اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آیت میں خدا نے ایمان والوں سے اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے اسی طرح فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو بدلہ بھی ایمان داروں ہی کا قرار دیا ہے لہٰذا جس طرح خدا کی رضامندی ایمان والوں کے ساتھ مخصوص رہی اسی طرح خیبر کا مال غنیمت بھی ان کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام بیعت کرنے والوں کو غنیمت خیبر میں حصہ دیا

اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب مومن تھے اور سب کو خدا کی رضا مندی حاصل ہوئی اور یقیناً سب جنتی ہو گئے۔ اگر کہا جائے کہ غنیمت خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجہ خوف کے منافقوں کا حصہ لگایا اگر ایسا نہ کرتے تو منافق لڑ بیٹھتے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی طرح رسول کو خوف کی وجہ سے احکامِ خداوندی کا خلاف کرنے والا قرار دیا جائے تو دین بازیچۂ طفلاں بن جائے گا پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح حدیبیہ میں نہ آنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنیمت خیبر سے حصہ نہ دیا اور کوئی فتنہ برپا نہ ہوا اسی طرح حسن تدبیر سے ان منافقوں کو بھی علیحدہ کر سکتے تھے اور کوئی فتنہ نہ ہوتا۔

بہرحال شیعہ کے بنائے کوئی بات بنتی نہیں اور آیت برملا ندا دے رہی ہے کہ جن لوگوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ ان سب سے خدا راضی ہو گیا۔ سب پر سکینہ اترا اور سب قطعی جنتی ہیں۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔

اسی آیت رضوان کی اور خدا کی رضا مندی کی تفسیر ہیں وہ احادیث جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیبیہ کی نسبت فرمایا اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ یعنی آج تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو نیز فرمایا کہ لَنْ يَّلِجَ النَّارَ اَحَدٌ مِّمَّنْ تَحْتَ الشَّجَرَةِ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ دونوں حدیثیں وہی خاص مضمون بیان کر رہی ہیں جو آیت میں ہے۔ جس سے خدا راضی ہے اس کے بہتر ہونے میں کیا شک اور اس کے دوزخی نہ ہونے میں کیا تردد۔ لیکن جس کا ایمان خود مضطرب ہو اس کا کیا علاج۔

خضر (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کی موت کا ثبوت: اسی حدیث سے بعض علماء نے ثابت کیا ہے کہ حضرت خضر (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) وفات[۱] پا گئے کیونکہ اگر انہیں زندہ مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ غیر نبی نبی پر افضل ہے[۲] اور دلائل واضحہ سے ثابت ہے کہ حضرت خضر (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نبی ہیں (کذا قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ)

جوابات: (۱) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خضر (علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی نبوت حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی نبوت کی طرح ختم ہے (یعنی اب ان کے احکام کا اجراء نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ فی نفسہ نبی ہیں) اویسی غفرلہ

(۲) بالفرض ان کی حیات مان لی جائے تب بھی مذکورہ بالا سوال پیدا نہ ہو کیونکہ وہ تو اس وقت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع اور امت سے ہیں جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ لوکان اخی موسٰی حیالما وسعہ الا اتباعی اگر بھائی موسٰی علیہ السلام ظاہری زندگی کے لحاظ سے زندہ ہوتے تب بھی انہیں میری اتباع کے بغیر گنجائش نہ ہوتی ۔ نیز یہ مسئلہ پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابیوں میں داخل ہیں اور آخری زمانہ میں نزول کے وقت آپ کی ہی امت میں داخل ہوں گے ۔

(۳) اگر تم یوں کہو کہ وہ بیعت میں حاضر ہوں گے لیکن آپ کو کسی نے نہ دیکھا تو بات ظاہر ہے اگر یوں کہو کہ وہ اس وقت حاضر نہ تھے تو بھی ان پر صحابہ کرام کی فضیلت من کل الوجہ ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ بعض بزرگوں کو دوسرے بزرگوں پر من وجہ فضیلت ہوا کرتی ہے (سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کہ آپ من کل الوجوہ تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں) اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ۔

شجرہ رضواں کہاں : انسان العیون میں ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت ہوئی اس کا نام شجرۃ الرضوان مشہور ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانۂ خلافت میں خبر پہنچائی گئی کہ لوگ اس درخت (شجرۂ رضوان) کے نزدیک نمازیں پڑھتے ہیں (تبرک کے طور) آپ نے ان لوگوں کو وہاں سے بھگا کر اس درخت کو کٹوا دیا کہ کہیں بدعت نہ پھیل جائے[1]

---

[1] بدعت پھیل جانے کی وجہ وہ نہیں جو دیوبندیوں وہابیوں اور ان کے ہمنواؤں نے مشہور کر رکھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوایا ۔ اصل درخت کو کٹواتے تو ہم بھی تبرکات کے قائل نہ ہوتے بلکہ یقین سے اس درخت کو کاٹا جو لوگوں نے اپنے گمان سے اسے اصل درخت سمجھ رکھا تھا اور ہمارے نزدیک وہ متبرک نہیں بلکہ جعلی (من گھڑت شے) ہے اس کی بنیاد ختم کردینا ضروری ہے ذیل میں ہم دلائل قائم کرتے ہیں کہ یقیناً درخت اصلی پہلے سال ہی ناپید ہوگیا جس درخت کو عوام نے متبرک سمجھ رکھا تھا وہ ان کا محض گمان اور خیال تھا ۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں :۔

(۱) صحیح بخاری میں حضرت سعد بن المسیب (جو کبار تابعین سے ہیں) اپنے والد سے جو بیعت الرضوان میں شریک تھے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم سال آئندہ یہاں آئے تو ہم حدیبیہ کے مقام کو نہ پہچان سکے ۔ اس زمانہ میں مکہ مکرمہ پہنچنے کا (مدینہ منورہ سے) یہی راستہ تھا یعنی حدیبیہ ہو کر مکہ مکرمہ میں پہنچتے تھے اور آجکل حدیبیہ کا مقام سیدھے ہاتھ کی طرف رہ جاتا ہے ۔ (۲) طارق ابن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ جب ہم

جوابات وہابیہ از صاحب روح البیان رحمہ اللہ : صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا بدعنت کا خدشہ ظاہر

کر کے اس کے جوابات لکھتے ہیں ۔ (اویسی غفرلہ)

جواب ۱ : روی الامام النسفی رحمہ اللہ فی التیسیر :۔

انھا عمیت من قابل فلم یدروا این ذھبت بیشک وہ درخت اگلے سال سے پہلے گم ہو گیا کسی کو معلوم نہ ہوا وہ کہاں گیا ۔

(روح البیان ج ۹ ص ۳۴)

جواب ۲ : مذکورہ بالا جواب اجمالی تھا اب خود اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

ادھر سے گذرے تو ہم نے کچھ لوگوں کو ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ۔ پس میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے اور یہ مسجد یہاں کیسی بنائی ہے انہوں نے بتایا کہ یہ موضع شجرہ ہے اس مقام پر اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے درخت کے نیچے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(ترجمہ) "بیشک اللہ راضی ہو گیا ان ایمان والوں سے جنہوں نے آپ سے اے رسول بیعت کی درخت کے نیچے ۔"

لوگوں نے یہاں مسجد بنالی ہے جس طرح تمام مدینہ منورہ اور اس کے راستے میں تمام مصطفوی آثار پر مسجد بنا کر ان کو محفوظ کر لیا ہے اور ان مقامات پر نماز ادا کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں ۔ طارق ابن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں مدینہ منورہ لوٹ کر آیا اور سعید بن المسیب کو یہ واقعہ بتایا ۔ حضرت سعید نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ وہ ان لوگوں میں شریک تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی لیکن جب ہم آئندہ سال مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے اور اس مقام پر پہنچے تو خاص اس مقام کو جہاں درخت موجود تھا نہ ڈھونڈ سکے ۔ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا حیرت ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کو نہ پا سکے اور تم کو وہ جگہ مل گئی ، گویا تم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دانشمند ہو حالانکہ ان حضرات کا علم اور ان کی معرفت تم سے کہیں بڑھ کر تھی ۔ شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت سعید کا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و معرفت میں بڑھ کر کون ہو سکتا ہے بلکہ ان کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں نے محض گمان سے کسی جگہ کو حدیبیہ کے نام سے متعین و مخصوص کر دیا ہو گا ورنہ حقیقی تعین کوئی شخص نہیں کر سکا ۔ اور اس طرح انہوں نے تنبیہ کی ہے یا از روئے عجز و انکسار یہ فرما دیا ہے ۔

یقول الفقیر یمکن التوفیق بین الروایتین بانهم لما عمیت علیهم ذهبوا یصلون تحت الشجرة علی ظن انها هی الشجرة البیعة فامر عمر رضی الله عنه بقطعها (روح البیان ج ۹ ص۳۵ مطبوعہ بیروت)

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں مطابقت یہ ہے کہ وہ درخت ان سے گم ہوگیا لوگ صرف اپنے گمان پر جا کر کسی ایک دن کے نیچے نماز پڑھ کر سمجھتے کہ یہ وہی ہوگا اسے (جعلی) درخت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹنے کا حکم فرمایا۔

دیوبندیوں وہابیوں کے خدشوں اور غلطیوں کا صدیوں پہلے قلع قمع : دور حاضرہ میں دیوبندی وہابی بالخصوص اہلسنت کے بہت سے معمولات میں ایسے غلط خدشات اٹھاتے ہیں جن سے ایک مسلمان کا دل ہل جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ شاید ان معمولات میں واقعی کوئی دین کو نقصان پہنچے گا حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ کی طرف سے صاحب روح البیان قدس سرہ ان خدشات کا قلع قمع کرتے ہیں چنانچہ لکھا کہ

وفی کشف النور لابن النابلسی واما قول بعض المتمردین بانا نخاف علی العوام اذا اعتقدوا ولیا من الاولیاء وعظموا قبره والتمسوا البرکة والمدد منه ان یدخلهم اعتقادهم ان الاولیاء تؤثر فی الوجود مع الله تعالی فیکفرون ویشرکون بالله تعالی فننهاهم عن ذلک ونهدم قبور الاولیاء ونرفع البنایات الموضوعة علیها ونزیل الستور عنها ونجعل الاهانة للاولیاء ظاهرا حتی تعلم العوام الجاهلون ان هؤلاء الاولیاء لو کانوا مؤثرین فی الوجود مع الله تعالی من الـ... الاهانات التی نفعلها معهم فاعلم ان هذه الصنیع کفر صراح ماخوذ من قول فرعون

کشف النور لابن النابلسی میں ہے کہ بہرحال بعض دھوکہ سازوں کا کہنا کہ ہم کو خوف ہے کہ عوام جب کسی کو ولی اللہ اعتقاد کرتے ہیں تو اس کی قبر کی تعظیم کرتے اور اس سے برکت و مدد چاہتے ہیں انہیں یہ اعتقاد اس طرف نہ لے جائے کہ (معاذ اللہ) یہ لوگ خدا ہیں اس طرح سے وہ کافر و مشرک ہوجائیں گے اسی لیے ہم انہیں روکتے اور اولیاء کی قبور کو اور ان کے وہ قبے جو ان پر بناتے ہیں کو توڑتے اور ان کے غلاف قبور سے ہٹاتے ہیں بلکہ ان کی اہانت و تحقیر بظاہر کرتے ہیں تاکہ عوام جہال کو معلوم ہو کہ یہ اولیاء اگر مؤثر ہوتے تو وہ ہماری ان حرکتوں کو روکتے تو ان بدبختوں کے رد میں یقین کرلو کہ ان کا یہ کام کفر خالص اور فرعونی ... اس عقیدہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا عقیدہ بتایا کہ

ئے ماحکاہ اللہ تعالیٰ لنا فی کتابہ القدیم وقال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد وکیف یجوز ھذا الضیح من اجل الامر الموھوم وھو خوف الضلال (روح البیان ج ۹ ص ۳۴-۳۵)

کہتا مجھے چھوڑ و موسیٰ کو قتل کرتا ہوں وہ اپنے خدا کو بلائے مجھے خطرہ کہ وہ تمہارا دین بدل دے گا اور زمین پر فساد ڈالے گا۔ ان بیوقوفوں کو سمجھاؤ کہ وہ اس وہمی تصور سے اولیاء کی توہین کیوں کیا کرتے ہیں۔ تمہارا یہ فعل گمراہی نہیں۔

جواب ۳: صاحب روح البیان نے وہابیہ کے وہم کو صدیوں پہلے اڑا دیا چنانچہ فرمایا کہ

ویقول الفقیر والتوفیق بین ھذا و بین ما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ ان الذی یصح ھو اتباع الظن لا الوھم (روح البیان ص ۳۵ ج ۹ مطبوعہ بیروت)

فقیر کہتا ہے کہ ان دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ اتباع ظن پر بھی جائز ہے نہ کہ وہم اور یہاں حضرت عمر نے جس کو کاٹا تھا وہ ظن نہیں بلکہ وہم تھا کیونکہ اصلی درخت تو تھا نہیں۔

"فَعَلِمَ مَا فِی قُلُوبِھِمْ" تو جان لیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اس کا یبایعونک پر عطف ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا کہ یبایعونک بمعنے بایعوک اس کا عطف رضی پر نہیں کیونکہ اس کے رضا نزتب علم ما فی قلوبھم سے ہے یعنے ان کے اس صدق و اخلاص کا علم ہے جو حضور علیہ السلام سے بیعت کر رہے تھے۔

فائدہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے علم کا یہ فرق ہے کہ بندوں کو شئے کے ظہور کے بعد علم ہوتا ہے اور وہ اس کی صورت حاصلہ کو دیکھ کر جانتے ہیں اور علم الحق کا وجود الخلق کے پہلے وجود کو ہے اللہ تعالیٰ کا علم کسی دوسرے تعلق کے بغیر ہوتا ہے بخلاف بندے کے کہ وہ تعلق غیر کا محتاج ہے "فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ" اس کا عطف رضی پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر طمانیت وسکون نفس نازل فرمایا ان کے دلوں کو مربوط کر کے بعض نے کہا صلح ہے

تفسیر صوفیانہ: حضرت البقلی رحمہ اللہ نے اپنی عرائس (البیعان) میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ازل اور اپنے اپنے سابق علم قدیم میں ان سے راضی ہوا اور اس کی رضا تا ابد اس کے لئے باقی رہے گی اس لیے کہ رضا اس کی صفت ازلیہ باقیہ ابدیہ ہے وہ کسی حادث سے متغیر نہیں ہوتی اور نہ ہی وقت و زمانہ سے اور نہ طاعت و معصیت سے اسی لیے وہ (صحابہ) ہمیشہ ہمیشہ تک برگزیدگی میں باقی ہیں وہ کسی لغزش اور حرص و ہوا اور شہوات اپنے درجات سے نہیں گرتے کیونکہ

اہل رضا اللہ تعالیٰ کی رعایت (نگرانی) میں محفوظ ہیں ان پر اہل بُعد کے صفات جاری نہیں ہوتے بلکہ وہ صفت رضائے الٰہی سے موصوف ہیں اسی لیے وہ اس سے راضی ہیں جیسے وہ ان سے راضی ہے یہ ان کے قلوب میں انوار اُنس میں ڈالنے کے بعد جیساکہ فرمانا" فانزل السکینۃ علیہم"۔

فائدہ: ابن عطاء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور انہیں اس نے راضی کیا اور مقام رضا ویقین و اطمینان تک پہنچایا پھر ان قلوب پر سکینہ نازل فرمایا تاکہ ان کے قلوب تسکین پائیں۔

تفسیر عالمانہ: " وَاَثَابَهُمْ " اور انہیں بدلہ دیا" اثابت بمعنے جزادینا اور ثواب عمل میں سے وہ جزاء کہ جس کی طرف انسان رجوع کرے اس کا استعمال خیر وشر والوں میں ہوتا ہے لیکن اکثر و تعارف میں خیر میں مستعمل ہوتا ہے۔

الاثابتہ محبوب امور میں مستعمل ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس " فاثابکم غما بغم" تو پہنچایا انہیں غم غم کے بدلے میں، استعارہ کے طور استعمال کیا گیا ہے" فَتْحًا قَرِيبًا " فتح قریب، یہاں سے فتح خیبر مراد ہے جو انہیں حدیبیہ کی واپسی پر نصیب ہوئی " مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا " بہت غنیمتیں حاصل کرتے تھے یعنی انہیں خیبر کی بہت سی غنیمتوں سے نوازا جو زمینوں اور درختوں پر مشتمل تھیں جو یہودیوں سے چھینی گئیں اور ان کے شہر بھی فتح ہوئے جو صحابہ حدیبیہ پر تقسیم کی گئیں " وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا " اور ہے اللہ تعالیٰ غالب " حَكِيمًا " حکمتوں والا یعنی احکام اور فیصلوں میں حکمت کے تقاضوں کی رعایت کرنے والا ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ وہ اپنے امر میں حکیم ہے کہ اس نے ان کے لئے فتح اور غنیمت کا اور اہل خیبر کے لئے قید اور شکست کا فیصلہ فرمایا۔

" وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً " تمہارے لیے بہت غنیمتوں کا وعدہ فرمایا یعنی وہ امور جو اہل ایمان کی طرف قیامت تک لوٹیں گے " الافاءۃ " بمعنے کسی کا مال غنیمت بنانا " وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ " اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے سے روکے یعنی اہل خیبر سے وہ ستر ہزار تھے اور ان کے حلیف بنو اسد و غطفان تھے جو ان کی مدد کے لیے آئے جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالا جو واپس لوٹ گئے۔

فائدہ: حلفاء (بالحاء المہملہ) حلیف کی جمع وہ جو مدد کے لئے معاہدہ کرے کیونکہ حلف بمعنے وہ عہد جو کسی قوم کے درمیان ہو۔ بعض نے کہا ایدی الناس سے مراد اہل مکہ کے ہاتھ روکے کہ ان سے صلح کرادی۔

حل لغات: "المفردات" میں ہے الکف بمعنے کف الناس ہر وہ شے جس سے قبض و بسط ہو کہا جاتا ہے کففتہ بمعنے دفعتہ بالکف (میں نے اسے ہاتھ سے دفع کیا) عرف میں مطلق دفع کو کہتے ہیں۔ ہاتھ سے ہو یا کسی اور وجہ سے اسی لیے جس کی آنکھیں بند ہو جائیں اسے مکفوف البصر کہا جاتا ہے۔

فائدہ تفسیریہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر اس آیت کا نزول فتح خیبر کے بعد ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو ساری سورت آپ کے رجوع عن الحدیبیہ سے نازل نہیں ہوگی اگر قبل الرجوع حدیبیہ ہے تو یہ اخبار عن الغیب کے قبیل سے ہوگی ھذہ کا اشارہ غنیمتوں کو بمنزلہ حاضر مشاہد کے کیا گیا ہے اور اسے ماضی سے تعبیر کرنا تحقق کی بنا پر ہوگا۔

"وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" تاکہ ہو اہل ایمان کے آیت (دلیل) اس کا عطف علت اخری پر ہے جو ایک دو نعموں میں سے محذوف سمجھی جاتی ہے در اصل عبارت یوں ہے "فعجل لکم ھذہ و کف ایدی الناس عنکم لتغتنموھا ولتکون آیۃ للمؤمنین" یعنی تاکہ اہل ایمان کے لئے دلیل ہو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی جانیں کہ وہ جس سے وعدہ فرماتے ہیں اسے پورا کر دکھاتے ہیں جبکہ آپ نے انہیں حدیبیہ کی واپسی پر بہت سی غنیمتوں کے حصول و فتح مکہ و دخول مسجد حرام کا وعدہ فرمایا۔ بعض نے کہا کہ یہ واو (ولتکون کی واو) اعتراضیہ ہے اور لام (لتکون کی) فعل مؤخر محذوف کے متعلق ہے اب عبارت یوں ہوگی "ولتکون آیۃ للمؤمنین فعل ما فعل من استعجیل والکف" تاکہ وہ آیت اہل ایمان کے لئے کر کے دکھلایا کہ انہیں بعجلت بہت سے غنیمتوں سے نوازا اور دشمنوں کو دفع کیا۔ وَيَهْدِيَكُمْ اور اسی آیت کے ذریعے تمہیں ہدایت دے "صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝" سیدھے راستے۔

فائدہ: اس سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور ہر امر کے عمل اور نہی کے ترک میں اسی پر توکل مراد ہے۔

فائدہ: ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے مطمح نظر اور الوہیت پر نصیب ہوتا ہے۔ اس کے عزائم دنیوی امور سے متعلق ہیں۔ اسے مقاصد حاصل ہوں بھی تو یہ اگرچہ نقد سودا ہے لیکن ایسے مراد پانے والے آخرت کے درجات سے محروم ہوتے ہیں ہاں جس کے عزائم و مقاصد آخرت سے وابستہ ہوں اسے دونوں جہانوں میں وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بسا اوقات اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے شہوات نفس کے دواعی کے ہاتھ باندھ دیتا ہے تاکہ وہ اہل جنت سے ہو جائیں جیسا کہ فرمایا "ونھی النفس عن

الھوی فان الجنۃ ھی الماوی" اور اللہ تعالیٰ نے نفس کو شہوات سے روکا تو بہشت ہی اچھا ٹھکانا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو نفس کے سپرد کر دے تو وہ شہوات کا اتباع کرے گا اور یہی خواہشات درکات جہنم میں لے جانے والے ہیں اس لیے کہ نار جہنم کو شہوات گھیرے ہوئے ہیں اور ترک دنیا اور نیک شہوات نفس مومن کی علامت ہے کہ ان کے بعض بعض کی عادات سے ہدایت پاکر سیدھے راستہ تک پہنچ کر حضرت ربوبیت سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) پے نیک مرداں بباید شتافت
ہر آں کیں سعادت طلب کرد یافت

(۲) ولیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم کہ در صالحاں کے رسی

(۳) پیمبر کسے را شفاعت گرست
کہ بر جادۂ شرع پیغمبر است

ترجمہ: (۱) نیک لوگوں کی اتباع کے درپے ہو جس نے یہ سعادت طلب کی اس نے پالی۔
(۲) لیکن تو تو شیطان کمینے کے پیچھے ہے مجھے معلوم نہیں کہ تو نیکوں تک کیسے پہنچے گا۔
(۳) نبی علیہ السلام بھی اس کی شفاعت کریں گے جو اس پیغمبر کی شریعت کے طریقہ (عقیدہ) پر ہو۔

غزوہ خیبر: چونکہ آیت رضوان میں مغانم کثیرہ کا وعدہ پورا کر دکھلایا اسی لیے اس کی تفصیل ضروری ہے اور وہ ہے غزوۂ خیبر اسی لیے حضرت اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان رحمہ اللہ نے اس کی تفصیل لکھی جو درج ذیل ہے[1]

خیبر کی وجہ تسمیہ: خیبر مدینہ پاک کے قرب میں ایک مشہور قلعہ ہے۔ (القاموس)
اور انسان العیون میں ہے کہ خیبر بروزن جعفر عمالق کے اس شخص کے نام پر مشہور ہوا جو سب سے پہلے وہ یہاں آکر بسا اس کا نام خیبر (یثرب کا بھائی) تھا اور یثرب مدینہ طیبہ میں مقیم ہوا اس کے نام سے وہ یثرب سے موسوم ہوا (اس کی تفصیل فقیر کی کتاب محبوب مدینہ میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہ)

فائدہ: یہود کی بعض لغات میں خیبر بمعنے الحصن (قلعہ) ہے اسی لیے اسے خیابر بھی کہتے ہیں کہ اس

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ۔

یں بہت سے خیابر[2] (قلعے) ہیں۔

خیبر کا تعارف: خیبر بہت بڑا شہر ہے جس میں بہت سے قلعے اور سرسبز کھیتیاں اور کھجوریں بکثرت ہیں۔ مدینہ پاک سے آٹھ برد دور ہے اور ہر ایک برید چار فرسخ ہوتا ہے (ایک فرسخ میں ایک میل کا فاصلہ گویا مدینہ پاک سے خیبر ۸۴ میل دور ہے) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ دو میل ایک ساعت نجومیہ پر طے ہوتا ہے کیونکہ مدینہ پاک سے قبا شریف دو میل ہے اور اس کا سفر ایک ساعت نجومیہ سے طے ہوتا ہے اس معنی پر خیبر کے آٹھ برد نجومی ساعات کے لحاظ سے اڑتالیس ساعات کا سفر ہوا۔ اور القاموس میں ہے کہ البرید دو فرسخوں اور بارہ میلوں کا ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے لئے تیاری: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو ذوالحج کے بقایا ایام مدینہ پاک میں گذار کر محرم ۷ھ کے آخری دنوں میں غزوۂ خیبر کا اعلان فرما دیا جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے وہ اعلان سنتے ہی حاضر ہو گئے۔ ان کے ساتھ وہ لوگ بھی تیار ہو گئے جنہیں مخلفین سے قرآن میں تعبیر کیا گیا ہے انہیں صرف غنیمت لالچ تھی اور بس آپ نے فرمایا تم صرف جہاد کی رغبت کے طور تو چل سکتے ہو تمہیں اس غزوۂ خیبر میں غنیمت کا حصہ نہیں ملے گا۔ اس کے بعد آپ نے منادی کو اعلان کا حکم فرمایا۔

معجزہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس جنگ (خیبر) میں کوئی کمزور آدمی نہ چلے اور نہ ہی سرکش سواری ساتھ لے جائے بعض نے اس حکم کے خلاف سرکش سواری ساتھ لے لی تو راستہ میں وہ سرکش سواری سوار کو اٹھا کر بھاگی جس سے سوار گرا تو ران ٹوٹ گئی اس سے ہی وہ مر گیا۔

اعلان: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تین بار اعلان کر دو کہ بہشت میں کوئی مجرم عاصی داخل نہ ہوگا۔

---

[1] ان کے قلعے یہ ہیں۔ (۱) خیبر (۲) کیسہ (۳) ناعم (۴) صبر (۵) سق (۶) غموص (۷) لطاکا (۸) سطہ (۹) سالم

[2] خیبر یہودیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا بنی قینقاع۔ بنو قریظہ اور بنی نضیر جو مدینے کے اطراف میں آباد تھے اور یہیں سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے اُن کی سازشوں سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا۔۱۲

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روانگی کے وقت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے گئے[1]

خیبر میں: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خیبر میں صبح کے وقت پہنچے تو وہاں کے کسانوں کو دیکھا کہ وہ پھاوڑے ۔ کدالیں اور ٹوکریں لے کر نکلے تاکہ اپنے کھیتوں پر جاکر کام کریں ۔ دور سے دیکھا کہ ایک بڑا لشکر نظر آیا سب بھاگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "خدا کی قسم یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں جو ایک بڑے لشکر کے ساتھ آرہے ہیں"۔

اس بڑے لشکر کو الخمیس سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ اس وقت پانچ حصوں پر منقسم تھا:۔

فائدہ: (۱) مقدمہ ۔

(۲) ساقہ ۔

(۳) میمنہ ۔

(۴) میسرہ ۔ یہی پچھلے دو بمنزلۂ پرواز کے ہوتے ہیں ۔

(۵) قلب ۔

کسان دیکھتے ہی بھاگ کر قلعوں میں گھس گئے ۔ انہیں تو گمان تک نہ تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے ساتھ جنگ کریں گے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لشکر میں دس ہزار سپاہ تھی ۔ آپ نے کہا ، اللہ اکبر خیبر ویران ہوگیا بیشک ہم جب نازل ہوتے ہیں تو ان ڈرائے ہوؤں کا آنگن بہت برا ہے یہ آپ نے بذریعہ وحی فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "عجل لکم" آپ نے جنگ کا آغاز حصون نطات سے شروع فرمایا اور ان کی چھ چار سو کھجوریں کاٹ لی گئیں پھر آپ نے ان کے کاٹنے سے روک دیا ۔ آپ اس میں سات دن رہے لیکن قلعہ فتح نہ ہوسکا جسے جھنڈا دے کر بھیجتے وہ خالی واپس لوٹتا اس کے لیے حضرت ابوبکر و حضرت عمر و دیگر قریش نے جھنڈا ہاتھ میں لینے کا ارادہ کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں آپ کو آنکھوں کا درد تھا آپ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لعاب دہن آنکھوں میں لگایا ۔

فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ عنہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفید جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیا اس میں سیاہ حروف "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ

---

[1] ایسے ہی دیگر بیس عورتیں بھی تھیں تاکہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں ۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کندہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کب تک ان سے جنگ کروں۔ آپ نے فرمایا یہانتک کہ شہادت دیں" اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و انی رسول اللّٰہ" جب وہ اس کی گواہی دیں تو انہوں نے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیے اس کے بعد حضور نبی علیہ السلام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زرہ پہنائی اور تلوار ذوالفقار کمر میں باندھ کر قلعہ کی طرف روانہ فرمایا اور فرمایا کہ صرف ایک آدمی بھی تمہاری وجہ سے ہدایت پہ آجائے تو حمر النعم (سرخ اونٹوں) سے بہتر ہے۔

فائدہ: حمر نعم وہ سرخ اونٹ قیمتی جو فی سبیل اللہ قربان کیے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت نازو نزاکت سے جھنڈا لے کر چلے اور جا کر جھنڈا میدان میں گاڑ دیا یعنی مرحب کے بھائی حارث کے قلعہ کے نیچے اور یہ حارث شجاعت اور بہادری میں بہت بڑا مشہور تھا۔ جاتے ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس سے مڈبھیڑ ہو گئی اسے پہلے ہی وار سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا اس سے یہودیوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر قلعہ میں گھس گئے ؎

صعوہ گر با عقاب سازد جنگ
دہد از خون خود پرش را رنگ

ترجمہ۔ ممولہ اگر عقاب سے جنگ کرے تو وہ اپنے پروں کو اپنے خون سے رنگ لگا رہا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ اور مرحب کا مقابلہ: اس کے بعد یہودیوں کا سردار مرحب رجز پڑھتا ہوا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نکلا ؎

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح البطل المجرب

ترجمہ۔ خیبر کو معلوم ہے کہ میں ہی مرحب ہوں۔ کامل ہتھیاروں والا اور بہادر تجربہ کار۔

فائدہ: شاکی السلاح بمعنے کامل ہتھیاروں والا اور وہ جو بہادری میں مشہور ہو اور تمام بہادروں پر غلبہ رکھتا ہو۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

انا الذی سمتنی امی حیدرہ
ضرغام آجام ولیث قسورہ

ترجمہ - میں وہ ہوں جس کا ماں نے حیدر (شیر) نام رکھا ہے -

مرحب نے حضرت علی المرتضیٰ پر حملہ کیا تو آپ کی ڈھال ہاتھ سے گر گئی آپ نے قلعہ کا دروازہ اکھیڑ کر اسے ڈھال بنا لیا اور وہ آپ کے ہاتھ میں رہا یہاں تک کہ مرحب مارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرا دیا - حصون النطاہ کا ایک یہی قلعہ ناعم تھا جو فتح ہو گیا - مرحب کے مارے جانے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ نے دروازہ پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا جو اسّی بالشت دور جا کر گرا اور یہ سب کچھ قدسی قوت سے تھا - یہاں حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت اور بہادری کا جوہر کھلا کہ آپ نے یہود کے مشہور دو بہادروں کو یکے بعد دیگرے قتل کر ڈالا - کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ
چہ زند پیش باز روئین چنگ
گربہ شیر است در گرفتن موش
لیک موش است در مصاف پلنگ

ترجمہ - مرغ اگرچہ لڑائی میں چالاک ہے لیکن باز کے مضبوط ہاتھوں کے ساتھ کیا ہاتھ مارے گا - بلی اگرچہ چوہا پکڑنے کی شیر ہے لیکن شیر (چیتا) کے سامنے تو چوہے سے بھی زبوں تر ہے -

قلعہ عصب : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرحب وغیرہ کے قتل ہو جانے کے بعد قلعہ ناعم سے قلعہ العصب کی طرف منتقل ہو گئے یہ بھی النطاۃ کے قلعوں میں سے ایک تھا یہاں دو دن محاصرہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا اور یہی قلعہ تمام قلعہ جات سے اناج از قسم جَو اور گندم اور کھجور اور زیتون وغیرہ اور جانور سامان وغیرہ میں بڑھ کر تھا اس کے بعد وہ اس قلعہ میں جو بمقام قلہ واقع تھا کی طرف منتقل ہو گئے - یہی النطاۃ کے قلعوں میں سے آخری قلعہ تھا یہاں پر مسلمانوں نے یہود پر پانی بند کر دیا یہ قلعہ فتح ہو گیا تو مسلمان آگے قلعہ الشق (بفتح الشین المعجمہ) یہی اہل لغت کے ہاں کسرہ سے زیادہ مشہور ہے) تک پہنچے یہی پہلا قلعہ ہے جسے مسلمانوں نے فتح کیا اس کے بعد قلعہ البراء کا محاصرہ کیا یہ الشق کے قلعوں کا دوسرا قلعہ ہے یہاں سخت جنگ ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فتح فرما دیا الکتیبہ کے قلعوں کا محاصرہ کیا یہ تین قلعے ہیں : -

(۱) القموص بروزن صبور -

(۲) الوطیح -

(۳) سلالم (بضم السین المھملہ)

خیبر کا سب سے بڑا قلعہ القموص ہے اور بہت مضبوط ہے اس پر مسلمانوں نے بیس دن محاصرہ کیا پھر یہ قلعہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا اس میں بی بی صفیہ (ام المومنین رضی اللہ عنہا) قید میں آئیں اس کے بعد مسلمان قلعہ الوطیح (بالحاء المھملہ) تک پہنچ گئے اسے الوطیح ایک یہودی الوطیح بن مازن کے نام پر موسوم کیا گیا ہے وسلالم خیبر کا آخری قلعہ ہے اس پر مسلمانوں کا چودہ دن محاصرہ رہا اور یہ دونوں قلعے صلح سے فتح ہوئے اس لیے کہ جب یہاں کے لوگوں (یہودیوں) نے دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور کہا کہ بیشک ہمارے جنگی لوگوں کو قتل کر دو لیکن ہمارے بچوں کو اماں دی جائے اور ہم صرف انہی کپڑوں سے خیبر سے نکلیں گے جو ہم نے پہن رکھے ہیں۔

خیبر کا مال غنیمت: یہاں دونوں قلعوں سے ایک سو زرہیں اور چار سو تلواریں اور ایک نیزہ اور پانچ سو عربی کمانیں تیار شدہ مع حمائل اور دیگر قیمتی اشیاء میسر آئیں۔ یہاں کا سردار ابوالحقیق (مصغرا) تھا اس کے خزانے سے بھی اشیاء دستیاب ہوئیں۔

فدک کا قضیہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک (محرکۃ) والوں کی طرف اسلام کا پیام بھیجا (فدک خیبر میں ایک بستی ہے) انہوں نے اس شرط پر صلح کی کہ انہیں امان دی جائے اور جو کچھ ہمارا مال وہ بھی ہمارے پاس رہے بعض نے کہا کہ آپ نے اس شرط پر صلح کی کھیتی باڑی وغیرہ کریں تو اناج وغیرہ نصف و نصف (آدھا تمہارا آدھا ہمارا) پہلی روایت پر فدک تمام آپ کے ملک میں تھا دوسری روایت پر نصف حصہ آپ کا نصف یہود کا۔

فدک کا مصرف: فدک کی آمدنی سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو ہاشم کے یتیموں، اور ان کے غریبوں مسکینوں کے بیاہ و نکاح پر خرچ کرتے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے تمام فدک یا نصف حصہ مانگا تو آپ نے فرمایا میرا انکار اس حدیث کے

---

[1] اسے گرفتار کر کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا تیرا خزانہ کہاں ہے پہلے تو اس کے پاس بھیڑ کی کھال زر و جواہر اور نقد زیور سے بھری ہوئی موجود تھی جب اس کی دولت اور بڑھ گئی تو پھر ایک بھیڑ کی اور کھال بھر گئی پھر اس کے بعد گائے کی

مطابق ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "انا معاشر الانبیاء لا نورث" ہم انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہیں کہ ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا یعنی ہم کسی کے مورث نہیں" ما ترکنٰہ صدقۃ" جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ مسلمانوں پر صدقہ ہوتا ہے۔ پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غنائم خیبر کی تقسیم کا حکم فرمایا وہ غنائم جو صلح سے پہلے دستیاب ہوئیں تمام مال غنیمت جمع کیا گیا ان میں سے آپ کے حصہ میں بی بی صفیہ بنت ملک الیہود (یہودیوں کا سردار یعنی بن اخطب از اولاد ہارون بن عمران (علیہ السلام یعنی موسیٰ علیہ السلام کے برادر محترم) قیدیوں میں تھیں) آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بخشی تو وہ مسلمان ہوگئیں۔ پھر بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب: ام المومنین بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے قبل فتح خیبر ایک خواب دیکھا کہ چاند ان کی گود[1] میں آیا ہے وہ چاند حضور علیہ السلام تھے۔

دعوتِ ولیمہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوتِ ولیمہ دی، دستر خوان بچھ گیا جس پر حیس سے نوازا گیا یعنے کھجور پنیر گھی پکایا گیا تھا۔

زفاف رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیبر سے واپسی پر مقام صہباء پر قیام فرمایا (اور صہباء ایک مشہور مقام ہے)۔

ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا پہرہ: اسی شب صہباء میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے تلوار گلے میں لٹکا کر ساری رات حضور علیہ السلام کے قبۂ مبارک (آرامگاہ)

---

[1] اس خواب کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت صفیہ نے فتح خیبر سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ چودھویں کا چاند ان کی گود میں آگیا ہے، حضرت صفیہ نے اس خواب کو اپنے شوہر کنانہ سے بیان کیا، وہ یہ خواب سن کر بہت غضبناک ہوا اور کہا کہ شائد تمہاری یہ آرزو ہے کہ تم اس بادشاہ کی بیوی بن جاؤ جو آجکل ہماری جاگیر میں آیا ہوا ہے یہ کہہ کر اتنا سخت طمانچہ آپ کے مارا کہ آپ کی آنکھوں پر نیل پڑ گیا اور اس نیل کا اثر شب زفاف میں بھی آپ کے چہرے پر موجود تھا، اس نیل کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت کیا تو تمام حقیقت حال حضرت صفیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔

کے ارد گرد پہرہ دیتے رہے یہانتک کہ صبح کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا تمام رات بیداری اور پہرہ کیوں، عرض کی یا رسول اللہ آپ نے اس عورت کا شوہر اور اس کی قوم اور اس کا باپ قتل کرایا مجھے اس سے خوف ہوا کہ کہیں یہ عورت آپ کو گزند نہ پہنچادے کیونکہ یہ جاہلیت سے ابھی خارج ہوکر مسلمان ہوئی ہے اسی لیے میں تمام شب پہرہ دیتا رہا۔

ابوایوب انصاری کو انعام نبوی: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خوش ہوکر فرمایا "اللّٰھم احفظ ابا ایوب کما یحفظنی" اے اللہ اس کی ایسی حفاظت کر جیسے وہ میری حفاظت کرتا رہا۔

کیا یہ لوگ بریلوی ہیں: حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

فحرس اللہ تعالیٰ ابا ایوب بھذہ الدعوۃ حتی ان الروم لتحرس قبرہ ویستقون بہ فیسقون (روح البیان ص۳۸ ج ۹ مطبوعہ بیروت)

تو اللہ تعالیٰ نے ابو ایوب کی نگہبانی فرمائی حضور علیہ السلام کی دعا مستجاب سے یہانتک رومی لوگ ان کے مزار کی نگرانی کرتے اور ان سے بارشیں طلب کرتے ہیں تو بارش ہوجاتی ہے۔

اس لیے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ۵۰ھ میں شریک جنگ ہوئے تو قسطنطنیہ پہنچتے ہی آپ کا یہیں پر وصال ہوگیا آپ نے یزید کو وصیت فرمائی کہ انہیں مدینۃ الروم کے قریب تر مقام میں ہی دفن کرنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یزید سے بڑھ کر بدتر: عیسائیوں کے قلعہ کی دیوار کے ساتھ دفن کیے جانے پر پوچھا کہ جسے دفنا کر جارہے ہو یہ کون آدمی تھا۔ مسلمانوں نے کہا کہ یہ اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور میزبان رسول تھے۔ عیسائیوں نے یزید سے کہا کہ ہم اس قبر کو تمہارے جانے کے بعد اکھاڑ دیں گے اور نعش نکال کر اس کی ہڈیاں توڑ دیں گے۔ یزید نے قسم کھا کر کہا کہ

لئن فعلوا ذٰلک لیھدمن کل کنیسۃ بارض العرب ولینبش قبورھم (روح البیان ج ۹ ص ۳۵) (اور کسی عیسائی کو زندہ نہ چھوڑوں گا)

اگر تم ایسا کروگے تو ہم عرب میں تمہارے گرجے گرا دیں گے اور ان کی قبور سے ان کے مردے نکال دیں گے

عیسائیوں نے یزید کا پرجوش جواب سن کر قسم کھا کر یقین دلایا کہ ہم اس قبر کی تعظیم و تکریم کریں گے

بلکہ حسب استطاعت اس کی حفاظت کریں گے۔[1]

حضرت ابوایوب کا وصال: روضۃ الاخیار میں ہے کہ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ میں ۵۱ھ میں فوت ہوئے جبکہ آپ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جنگ کے لئے تشریف لائے آپ بیمار ہوئے تو دوستوں کو فرمایا جب میں مرجاؤں تو مجھے یہاں سے اٹھا کر لے جانا ہاں اگر دشمن حائل ہوں تو یہاں دفنا دینا انہوں نے انہیں یہاں دفنایا آپ کی مزار قلعہ کے قریب مشہور و معروف ہے اور معظم ہے، وہی لوگ اس کی حفاظت کرتے" ویستشفعوبہ" اور اسے وسیلہ بنا کر حاجات از خدا طلب کرتے ہیں۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ کی تحقیق: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مزار کا تعین الشیخ الشہیر با قاشمس الدین قدس سرہ نے فرمایا جب وہ قسطنطنیہ کی فتح میں حضرت فاتح سلطان محمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی مزار مرور ایام کی وجہ سے غیر معلوم ہوگئی تو انہوں نے اس کی نشاندہی فرمائی۔

(خیبر کا بقایا) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیدی عورتوں میں سے حاملہ کے ساتھ جماع وضع حمل تک روکا اور غیر حاملہ کے لئے بھی حیض سے استبراء کے بعد اجازت بخشی اور تھوم اور لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

فائدہ: بعض لوگوں نے فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام نے کچا لہسن اور تھوم نہیں کھایا۔

حقہ و تمباکو نوشی: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اس حکم میں حقہ وسگریٹ نوشی بھی ہے جو ہمارے دور میں مروج ہے بلکہ اس کی بدبو تھوم اور پیاز کی بدبو سے مکروہ تر ہے۔ ان کی بدبو سے مسجد میں داخلہ ممنوع ہے تاکہ لوگ اور ملائکہ کو ایذاء نہ ہو تو حقہ اور سگریٹ کی بدبو سے انہیں بچانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ پیاز اور تھوم تو غذاؤں میں ہیں بخلاف تمباکو کروہ

---

[1] دور حاضرہ ۱۴۰۸ھ میں بعض دیوبندی اور وہابی اور مودودی وغیرہم یزید بن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو اپنا مقتداؤ امام مانتے ہیں اور یزید کی اس کارگذاری یعنی غزوۂ قسطنطنیہ کو اس کی امامت و اقتداء کے لئے بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں لیکن سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ کے مزار کے لئے اس کا کارنامہ قابلِ ستائش ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ صاحبان یزید کے اس کارنامے پر کیا انعام بخشتے ہیں ۱۲۔

غذاؤں میں سے نہیں بلکہ امراض کی جڑ ہے کیونکہ حقہ وسگریٹ مسلسل استعمال کرنے سے جو خطرناک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ صرف وہی جانتے ہیں جو حقہ وسگریٹ نوشی کی وجہ سے مبتلا ہوتے ہیں اسی لیے مزاج کو اس کی خباثت سے بچانا نہایت لازم ہے[1] اور حقہ وسگریٹ نوش لوگوں کے پاس جواز کی کوئی دلیل نہیں تو جیسے شراب ہر لحاظ سے حرام اور ممنوع ہے یہانتک کہ توبہ کے بعد بیمار ہو جائے تو بھی بیماری کے دفع کرنے کی نیت سے بھی نہ پیئے اگر وہ اسی حالت میں مرجائے تو اس پر اسے اجر و ثواب ملے گا گناہ نہ ہوگا ۔ ایسے ہی حقہ نوش اور سگریٹ والے کا حکم ہے حقہ وسگریٹ میں تو کوئی خوبی نہیں سوائے اس کے کہ خبیث طبیعت لوگ اسے استعمال کرتے ہیں ورنہ سلیم طبع والے تو اس سے نفرت کرتے ہیں ۔

سبق : اے حقہ اور سگریٹ نوش بھائی اس سے توبہ کر اور اس کے ساتھ وعدہ کر کہ پھر تجھ سے ایسا فعل نہ دیکھے ۔

مونچھیں کاٹنا : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مونچھیں اور ناخن کاٹنے اور نورہ کے استعمال کا وقت بنایا یہانتک کہ انہیں چالیس دنوں تک نہ چھوڑا جائے ۔

حبشہ کے مہاجرین : فتح خیبر کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمزاد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ارض حبشہ سے واپس تشریف لائے ۔ آپ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے اور آپ کے ساتھ اشعری حضرات بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے لئے کھڑے ہوئے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور گلے لگا کر فرمایا مجھے دو خوشیوں میں سے معلوم نہیں ہوتا کہ فتح خیبر سے یا جعفر کے حبشہ سے آنے سے زیادہ خوش ہوں ۔

سوال ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر کے لئے قیام تعظیمی سے روکا ہے چنانچہ فرمایا کہ

من سرہ ان یمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوا مقعدہ من النار

جو خوش ہو اس سے کہ لوگ اس کے آگے کھڑے رہیں تو اسے اپنی جگہ جہنم بنانی چاہیئے ۔

تبصرہ اویسی : عموماً وہابی و یوبندی قیام تعظیمی (میلاد) اور اولیاء کرام و اساتذہ عظام اور

---

[1] کیونکہ پیاز اور لہسن کے طبی لحاظ سے بہت فوائد ہیں اور تمبا کو تو نہایت ہی ضرر رساں شے ہے اس کے مضرات بھی اطباء نے لکھے ہیں ۔

والدین و دیگر معظمین کے قیام سے روک کر دلیل میں یہی حدیث شریف پڑھتے ہیں جس کا جواب صاحب روح البیان صدیوں پہلے دے گئے ہیں چنانچہ فرمایا۔

(**جواب**) لان هذا الوعید انما توجه للمتکبرین ولمن یغضب ان لا یقام له — کیونکہ یہ وعید متکبرین کے لئے ہے اور اس کے لئے ہے جس کے آگے قیام نہ کیا جائے تو ناراض ہوتا ہو۔ (روح البیان صـ۲۹ ج ۹)

ام حبیبہ سے نکاح: جو لوگ حبشہ سے آئے بی بی ام حبیبہ ام المومنین زوجۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنت ابی سفیان بھی تشریف لائیں کیونکہ یہ بی بی بھی اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئیں لیکن وہ مرتد ہو گیا اور نصرانی ہو کر مرا لیکن بی بی ام حبیبہ اپنے اسلام پر قائم رہیں اور خواب میں دیکھا کوئی انہیں کہہ رہا ہے کہ اے ام المومنین۔ اس سے میں نے سمجھا کہ میرے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح ہوگا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ محرم ۷ھ میں انہیں نکاح کا پیغام بھیجا اس کا ذریعہ حضرت نجاشی (باستخفیف) حبشہ کے بادشاہ کو بنا اور وہ مسلمان ہو گیا تھا اس نے غائبانہ نکاح کر دیا اور مہر میں چار سو دینار دیئے (تفصیل فقیر پہلے عرض کر چکا ہے، اویسی)

مدینہ میں حاضری: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو پھل خوب سرسبز تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوب پھل کھائے تو انہیں بخار کا حملہ ہو گیا اس کی شکایت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کی گئی آپ نے اس کی گرمی پانی میں اشنان ملا کر ٹھنڈا کرنے کا فرمایا۔ اشنان کو مشکیزہ میں ڈال کر صبح کی اذان کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نہاؤ چنانچہ ایسے کیا گیا تو تندرست ہو گئے۔

معجزۂ درخت: اسی غزوہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضا حاجت کا ارادہ فرمایا تو دو درختوں کو حکم فرمایا (جو کہ ایک دوسرے سے دور کھڑے تھے) کہ اکٹھے ہو جاؤ آپ نے قضاء حاجت کے بعد فرمایا اپنی جگہوں پر چلے جاؤ چنانچہ وہ اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔

بکری کے گوشت میں زہر: زہر ملا بکری کا گوشت کھانا بھی خیبر میں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زینب بنت الحارث (یہ حارث مرحب کا بھائی تھا) نے زہر ملائی تھی۔ چوڑے ہاتھ کے گوشت میں ڈالی تھی جب اسے معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوڑے ہاتھ کے کاندھے کے گوشت کو زیادہ پسند فرماتے ہیں اس نے وہ زہریلا گوشت خدمت بارگاہ میں ہدیہ کے طور بھیجا آپ نماز مغرب سے فارغ ہو چکے اور گوشت تناول فرمایا تو آپ کو جبکر

آنے لگے ایسے ہی بشر کو بھی چکر آ گئے اور جنھوں نے آپ کے ساتھ وہ گوشت کھایا سب مر گئے ان میں وہی بشر ابن البراء رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے تین دن تک کاندھوں کے درمیان پچھنے لگوائے اور فرمایا سر میں پچھنے لگوانا صحت و عافیت میں مدد دیتا ہے اور مجھے یہودیہ کے زہر دینے کے وقت جبرئیل علیہ السلام نے حکم دیا تھا اس واقعہ کے علاوہ بھی آپ نے بار ہا پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے سر کے درمیان میں اس مقام پر لگوائے جاتے ہیں جسے منفذ کہا جاتا ہے۔ آپ کو جب یہودی نے جادو کیا اور آپ کی ذات اقدس پر جب جادو زیادہ اثر کر گیا تو آپ نے سر مبارک کے اوپر درمیانی حصہ میں پچھنے لگوائے۔

فائدہ: ہر ضرر رساں جادو کی بیماری میں پچھنے لگوانا بہت ہی مفید اور بہترین علاج ہے۔

سات بیماریوں کا ایک علاج: سر میں پچھنے لگوانا سات بیماری کی شفاء ہے (۱) جنون (۲) دردِ سر (۳) کوڑھ (۴) برص (۵) اونگھنا۔ (۶) وجع الفرس (۷) شبکوری۔

فائدہ طبیہ: گرم ملکوں میں خون نکلوانے کے بجائے پچھنے لگوانا زیادہ مفید ہے اس کا بہترین وقت ہر ماہ کے تیسرے عشرہ کے چہارمی تواریخ میں ہے کیونکہ یہی خون کے جوش کے ایام ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: سیدنا ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ چاند کی ۱۷۔ ۱۹۔ ۲۱ کی تاریخ کو پچھنے لگوانے میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔

فائدہ: منہ نہار پچھنے لگوانا دواء اور سیر ہو کر کھانے کے بعد بیماری اور ہفتہ اور بدھ کے دن مکروہ ہے۔

یہودیہ کا اقرار: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیہ کی طرف آدمی بھیجکر دریافت فرمایا کہ تو نے گوشت میں زہر کیوں دی۔ عرض کی آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا اسی نے جو میرے ہاتھ میں جوڑے کا گوشت ہے۔ عرض کی ہاں میں نے زہر ملائی ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں۔ عرض کی آپ نے میرے باپ۔ چچا۔ زوج کو قتل کر ڈالا اور میری برادری کو بھی ذلیل و خوار کیا میں نے خیال کر اگر آپ غیر نبی ہوئے تو زہر کھا کر مر جائیں گے تو ہم نجات پالینگے اگر آپ نبی ہوئے "فسیخبد" تو آپ اس کی خبر دیں گے۔ آپ نے اس کی سچی بات پر یہ فرمادیا ؎

زخوان معجز او گر نوالۂ طلبی
حدیث برۂ بریا شنو کہ ماحضر ست

ترجمہ - اگر معجزات کے دسترخوان سے اگر ایک نوالہ درکار ہے تو یہودیہ کی زہر آلود بکری کا قصہ سن یہ ما حضر ہے ۔

جب بشر مرگیا تو آپ نے حکم فرمایا کہ اسے قتل کردو پھر وہ قتل ہو کر سولی پر لٹکائی گئی۔ (یہ ایک روایت ہے)

فائدہ: احیاء العلوم میں ہے کہ آپ نے جسے اپنے ساتھ گوشت کھلایا وہ سب مرگئے صرف آپ اس کے بعد چار سال تک زندہ (ظاہری) رہے۔

سوال - حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر زہر نے کیوں اثر نہ کیا جب آپ کے لئے قیصر کی طرف سے زہر دیا گیا۔

جواب - حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حقیقت کی کیفیت میں زہر نوش فرمایا بشریت کی حیثیت سے نہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اس وقت حالت بشریت میں تنزل فرماتے تھے اور یہی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے (کہ ایسے کوائف بشریت کے تنزل میں ہوتے ہیں) اور وہ تنزل بھی مرتبۂ روح میں ہوتا ہے اور یہی رعدل المراتب ہے اسی لیے آپ پر بارہ سال زہر نے اثر نہ کیا پھر جب آپ پر موت کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ ادنی المراتب کی طرف تنزل فرما ہوئے کیونکہ موت بشریت پر ہی طاری ہوسکتی ہے تو پھر جب آپ اس طرف تنزل فرما ہوئے تو زہر نے اثر کر ڈالا۔

مرتبۂ شہادت: دنیا سے تشریف لے جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہادت کا مرتبہ بھی پا کر گئے اس لیے کہ آپ جامع المراتب ہیں یعنی نبوت و رسالت صدیقیت و شہادت۔

ازالۂ وہم: جس روایت میں بارہ سال کہا گیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا غزوہ خیبر ۷ھ میں ہوا اس کے بعد آپ چار سال دنیا میں بظاہر رونق افروز رہے فلہذا اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ ہم بارہ سال والے قول کو غلط نہ کہیں (کذا قال صاحب المحمدیہ)۔ یہ خلاف ہے اس کا جو احیاء العلوم میں ہے صحیح وہی ہے جو احیاء العلوم میں ہے کیونکہ قصۂ زہر خیبر میں ہوا اور خیبر کا واقعہ ۷ھ میں ہوا اس کے سوا کی وجہ ظاہر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

۱؎ **سوالات وہابیہ جوابات اویسیہ:** ہم یہاں بکری کی بحث کے سوالات عرض کریں گے۔

سوال - جیسا کہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے لکھا کہ یہودیوں نے پوچھ لیا تھا کہ حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کے گوشت کا کونسا ٹکڑا زیادہ پسند ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ کو شانے اور دست کا گوشت بہت پسند ہے، انہوں نے ایک بکری کے بچے کے گوشت میں زہر ملا دیا، ایسا سخت زہر کہ جس

یہود کی جلا وطنی : حضرت[1] فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس میں اہل خیبر نے خیانت کی تو آپ نے فدک کے یہود اور نصاریٰ نجران کو شہر بدر کر دیا اور فرمایا کہ حضور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸) کے کھاتے ہی انسان مرجائے۔ یہ سازش کرکے زینب بنت حارث[1] زوجہ سلام بن حشکم یہودی نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے میں دست اور شانے کا گوشت زیادہ رکھا گیا تھا، زینب بنت حارث نے کھانا آپ کی خدمت میں لاکر رکھا، صحابہ کرام میں سے بھی کچھ حضرات آپ کی مجلس میں موجود تھے انہی حضرات میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا شروع فرمایا لیکن آپ نے اگلے دانتوں سے گوشت کو کاٹا لیکن اتنی دیر میں بشر بن براء نے دوسری بوٹی (اصل کتاب میں استخوان ہے) بھی کھالی، سید المرسلین نے فرمایا کہ اس گوشت کو اٹھالو کہ اس دست نے مجھے بتادیا ہے کہ اس کو زہر آلود کیا گیا ہے، حضرت بشرؓ نے بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے جس وقت لقمہ چبایا تو مجھے اس لقمہ کا نگلنا دشوار ہوگیا عجب تنفر سا پیدا ہوا لیکن میں نے اس کو منہ سے یوں نہیں اگلا کہ مبادا آپ کے مزاج مبارک میں اس سے تکدر پیدا ہو، ابھی حضرت بشر بن براء اپنی جگہ سے اٹھے نہیں تھے کہ ان کا رنگ سبز و سیاہ پڑگیا اور اسی وقت انہوں نے دم توڑ دیا[2] حضرت بشر بن براء کی شہادت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جو روئساۓ یہود یہاں موجود ہیں ان کو حاضر کرو اور زینب کو بھی لاؤ حکم کے بموجب ان سب کو حاضر کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور کو علم ہوتا تو آپ نے زہر آلود گوشت کیوں کھایا ؟

تمہید جواب ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب سے خطاب کیا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں کیا تم سچ بولوگے، ان سب نے کہا کہ ہاں اے ابوالقاسم ہم سچ بولیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ کون ہے جو قبیلے کا سردار ہے انہوں نے کہا کہ فلاں شخص ہے۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارا مورث اعلیٰ یا جد اعلیٰ فلاں شخص ہے یہ سن کر یہود نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا اور خوب فرمایا۔ اس پرسش سے غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان کی راست گوئی کا امتحان لینا اور ان کو سچ بولنے پر تنبیہ کرنا تھا گویا یہ اس امر کی تمہید اور دیباچہ تھا کہ وہ زہر دینے کے معاملہ میں راست گوئی سے کام لیں۔ ان کا اول اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر جھوٹ بولنا یا تو عمداً تھا کہ یہ ان کی پرانی عادت تھی کہ

[1] حارث مرحب کا بھائی تھا جو حضرت علیؓ کے ہاتھوں جنگ خیبر میں مارا گیا۔

[2] بعض روایت میں ہے کہ ایک سال تک بیمار رہے اس کے بعد انتقال ہوا۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے ۔

فائدہ : جزیرۂ عرب وہ جسے بحرِ ہند و بحرِ شام اور دجلہ و فرات محیط ہیں یا مابین عدن اطراف شام طول ہیں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کذب و افترا میں مشاق تھے یا از روئے جہل و نسیان کہا جائے لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے عمداً جھوٹ بولا اور ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ معلوم کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حقیقت سے آگاہی ہے یا نہیں جب ان پر بخوبی واضح ہو گیا کہ آنحضرت کو حقیقت حال سے آگاہی ہے تو انہوں نے اقرار کر لیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زہر خورانی کے بارے میں دریافت فرمایا ۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آپ نے ایک اور سوال بھی فرمایا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر میں تم سے ایک سوال دریافت کروں تو تم صحیح اور سچ جواب دو گے انہوں نے کہا کہ بیشک اے ابا القاسم ہم سچ کہیں گے اور اگر ہم جھوٹ بھی بولیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا جیسا کہ ہمارا جھوٹ آپ پر بدر کے دن کھل گیا تھا ۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ " اہل نار کون ہے " یعنی وہ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ، یہود نے جواب دیا کہ ہم تو صرف چند روز دوزخ میں رہیں گے " لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً " اس کے بعد تم آؤ گے اور اس میں رہو گے یعنی مسلمان ہمارے بعد دوزخ میں پہنچیں گے پس یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اخسؤا فیہا " فرمایا یعنی داخل ہو جاؤ تم آگ میں اور ارشاد کیا " لا نخلفکم فیہا ابداً " یعنی ہم ہرگز تمہارے پیچھے آنے والے نہیں ہوں گے (خسا کُتّے کے بھگانے کو کہتے ہیں اور کُتّے کا جانا لازم مستبعد ہے[1] ۔)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم سچ بولو گے اگر میں تم سے ایک سوال کروں انہوں نے کہا ہاں ، آپ نے فرمایا کیا تم نے اس بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا تھا ، انہوں نے کہا جی ہاں ، آپ کو اس کی خبر کس نے دی ۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس گوشت نے خبر دے دی (آپ کے اس دست کی طرف جو آپ کے مبارک ہاتھوں میں تھی اشارہ فرمایا) ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ زہر دینے کا سبب کیا تھا ، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اس عورت سے جس نے زہر دیا تھا دریافت فرمایا کہ تو نے زہر کیوں دیا اس نے جواب دیا (یا یہودیوں نے کہا) کہ ہمارا مدعا یہ تھا کہ اگر آپ کا دعوئ نبوت جھوٹا ہے تو زہر دے کر ہلاک کر دیں آپ سے ہم کو چھٹکارا مل جائے گا اور اگر آپ پیغمبر برحق ہیں تو آپ کو اس زہر سے گزند نہیں پہنچے گا ۔

فائدہ : اس بارے میں راویوں کا اختلاف ہے کہ آپ نے اس عورت کو سزا دی یا چھوڑ دیا اور اس سے کچھ نہ فرمایا ۔ بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے آپ نے اس سے کچھ تعرض نہ فرمایا ، حضرت

---

[1] یعنی اے یہودا ! تم جہنم میں جاؤ گے ، ہم مسلمان انشاء اللہ اس سے محفوظ رہیں گے ۔

اور جدہ سے عراق کے کناروں تک عرض میں (القاموس)۔

تفسیر عالمانہ: "وَاُخْرٰی" اس کا عطف ھذہ پر ہے یعنی تو جلدی کی تمہارے لیے بہی بہت سی غنیمتیں اور دیگر غنائم "لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھَا" جو تم ان پر قدرت نہیں رکھتے

جابرؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے بعض اور روایتوں میں ہے کہ آپ نے اس کو قتل کرا دیا۔ بیہقی کہتے ہیں احتمال یہ ہے کہ آپ نے اولاً اس کو چھوڑ دیا ہوگا اور آپ نے پسند نہیں فرمایا ہوگا کہ اپنے نفس اور اپنی ذات کے لئے کسی کو قتل کریں لیکن جب حضرت بشر بن براء اس کے اثر سے فوت ہوگئے تو قصاص کے طور پر آپ نے اس کو قتل کرا دیا ہوگا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بعض شافعی ائمہ کا مذہب اور مسلک یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو کھانے میں زہر دے اور وہ مرجائے تو اس پر قصاص واجب ہے لیکن ائمہ حنفیہ اور تمام جمہور ائمہ شافعیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ قصاص واجب نہیں ہے۔ پس ان کے خیال کے مطابق اگر قتل کی روایت صحیح بھی ہے تو اس کو سیاست پر محمول کیا جائے گا نہ کہ قصاص پر اور روایت قتل میں صلب کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس سے اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے (مزید تفصیل فقیر کی کتاب "سیرت حبیب کبریا" میں ہے)۔

یہودیہ مسلمان ہوگئی: امام زہری سے بھی مروی ہے کہ وہ یہودیہ (جس نے زہر دیا تھا) مسلمان ہو گئی اور اسے چھوڑ دیا گیا۔

یہود کے امتحانات: یہود ہمیشہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پرکھتے رہتے تھے چنانچہ اس عورت یہودیہ نے بھی وہی امتحان لیا چنانچہ اس کا بیان یہی ہے مواہب لدنیہ میں بھی ہے کہ اور مغازی سلیمان سے مدارج النبوۃ نے بھی لکھا کہ عورت مذکور یعنی زینب نے کہا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں کاذب ہوتے تو آپ کو اس طرح زہر دے کر میں نے آپ سے چھٹکارا دلایا ہوتا لیکن جبکہ ظاہر ہوگیا کہ آپ سچے ہیں تو میں گواہ کرتی ہوں اور تمام حاضرین کو میں آپ کے دین پر ہوں یعنی مسلمان ہوں اور پھر پڑھا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے اسلام لانے کے سلسلہ میں امام زہری اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں موافقت ہے لیکن جب زہر کے اثر سے بشر بن براء کا انتقال ہوگیا تو اس کو قتل کیا گیا اس لیے کہ ان کی موت زہر کے اثر سے محقق ہوگئی۔

فائدہ: جیسے حضور علیہ السلام نے سینگی اور پچھنا لگوایا بعض صحابہ کرام میں جس نے بھی زہر بلا گوشت سے ایک لقمہ چبایا تھا ان کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی سر کے بیچ سینگی اور پچھنے لگوائیں۔ امام بخاری نے

تھے اس سے حنین کا غزوہ اور ان کی غنائم مراد ہیں۔ ان پر عام الحدیبیہ تک تو قدرت نہ پا سکے البتہ فتح مکہ کے بعد اس پر قدرت پا سکے۔

بی بی عائشہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام مرض میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہر ملا گوشت کھایا تھا اس کا اثر ہمیشہ محسوس کیا لیکن اس وقت اس مرض میں میری ابہر کٹی جا رہی ہے۔

فائدہ: ابہر دل کی ایک رگ کو کہتے ہیں کہ جس کی حرکت بند ہو جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے گویا اس زہر کی تکلیف اور اس کا اثر آپ کے مبارک بدن میں اب تک موجود تھا اس وقت اس نے سرایت کی اور اس کا ظہور آپ کے اس مرض میں اس کا اثر پایا اور محسوس فرمایا اس طرح اس زہر کا اثر جو ہجرت کے وقت غار میں سانپ کے ڈسنے سے آپ پر ہوا تھا وہ بھی انتقال کے وقت ظاہر ہوا (مزید سوالات وجوابات فقیر کی کتاب "علم غیب رسول" میں ہیں۔ (حاشیہ ختم)

(حاشیہ صفحہ ۲۹۹)

لہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس تک تو وہی عمل رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں طے ہوا لیکن ان میں سے خیانت صادر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ارض فدک سے نکال کر شام میں آباد کر دیا نصف زمین جو ان کے پاس تھی پچاس ہزار درہم میں خرید لی اور یہ رقم بیت المال سے ادا کر دی۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پختہ ارادہ فرما لیا کہ یہودیوں کو جلا وطن کرنا ہے تو ابوالحقیق کا آدمی آیا اور کہا کہ اے امیر المومنین آپ ہمیں خیبر سے نکال رہے ہیں حالانکہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم کو یہاں رہنے دیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تو یہ سمجھتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھول گیا ہوں کہ آپ نے تجھ سے کہا تھا کہ تیرا حال کیا ہوگا جب تو خیبر سے اپنے اونٹوں کے بغیر راتوں رات نکالا جائے گا (یعنی تم لوگ کئی راتوں میں سے نکال دیئے جاؤ گے) یہ سن کر یہودی نے کہا کہ یہ بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یونہی مزاحاً فرما دی تھی نہ کہ یقین اور پختگی سے ارشاد فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے دشمن خدا تو جھوٹ بول رہا ہے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کر دیا اور ان کے مال و متاع یعنی گھر کا سامان۔ جانور۔ اونٹ یہانتک کہ اونٹ کے پالان کی قیمت بھی ادا کر دی تھی۔

فائدہ: ایک میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے اس پر عمل کریں گے (تم کو خیبر میں آباد رہنے دیں گے) اب ہم نہیں چاہتے کہ تم یہاں رہو۔ مزید واقعات وعجائبات فقیر کی "الاصابہ فی عقائد الصحابہ" میں دیکھیے۔

فائدہ: اسے لم تقدروا سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ اس میں اس سے قبل جولتہ یعنی ہزیمت و شکست اور رجوع الی القتال کا تکرار تھا تاکہ اس میں ترغیب ہو جال القوم جولتہ اس وقت بولتے ہیں جب ان کی حقیقت منکشف ہو تو پھر بار بار اس کی طرف رجوع کریں "قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِهَا" (بیشک اسے اللہ تعالیٰ محیط ہے) یہ اخرٰی کی دوسری صفت ہے، سہولت کا فائدہ دے رہی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے تو پھر اس میں سہولت ہی سہولت ہوگی۔ اس سے قبل اس کے حصول میں دونت محسوس ہوتی ہے یعنی اب یہ آسانی سے اس لیے حاصل ہوگی کہ قدرت ایزدی شامل حال ہوگی یعنی اس پر تمہیں اللہ تعالیٰ نے قدرت اور غلبہ او تسلط بخشا، بعض نے اس کا یہ معنیٰ کیا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محفوظ رکھا اور دوسروں کو اس سے روکے رکھا یعنی تمام فتوحات اہل اسلام کو بخشیں، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

فتوحات کی تفصیل: انہی فتوحات میں فتح قسطنطنیہ و رومیہ و عموریہ و بدائن فارس و روم و شام ہیں۔ قسطنطنیہ کی تو مشہور فتح ہے اور یہ آج (زمانۂ ضعیف روح البیان کے دوران) سلاطین عثمانیہ کا (قسطنطنیہ) دار الخلافہ ہے۔ عموریہ (بفتح العین المہملہ وضم المیم المشددہ و بالراء) حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے المرأۃ میں لکھا کہ یہ وہی شہر ہے جسے اہل روم انکوریہ کہتے ہیں یہ بہت بڑا شہر ہے کسی زمانہ میں یہ شہر اسی ملک کے بادشاہوں کا مسکن تھا۔ اسے معتصم باللہ (عباسی خلیفہ) نے فتح کیا۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احاطہ دو قسم ہے:-
(۱) اجسام میں جیسے" احطت بمکان کذا" میں نے فلاں مکان کو گھیرا اور حفظ (نگرانی) میں جیسے" کان اللہ بکل شیئ محیطا" اللہ تعالیٰ ہر شے محیط یعنی حافظ (محافظ) ہے اس ہر شے بہمہ جہات کا اور اس کا استعمال منع (روکنے) میں بھی ہوتا ہے جیسے" الا ان یحاط بکم" بمعنے" الا ان تمنعوا" یہ کہ تم اس سے منع کیے جاؤ۔

(۲) علم میں جیسے" احاط بکل شئی علما" احاطۃ بالشئی علما کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شے کے وجود اور اس کی جنس و قدر اور کیفیت اور اس کی وہ غرض جو اس سے مقصود ہے اور اس کی ایجاد کے بعد اسے جو اس کے لئے اور اس سے ہے اور یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لائق نہیں کیونکہ وہی اس کے وجود اور جنس وغیرہ کو جانتا ہے اسی لیے ان کے لئے فرمایا کہ" بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمہ" تو ان وجوہ کو اسی طرح سے محیط نہیں جیسے اس کی ذات ہے تو اسی لیے ان سے اس کی نفی فرمائی" وکان اللہ علی کل

شَیۡئٍ قَدِیۡرًا (اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے) کیونکہ اس کی قدرت ذاتی ہے اسی لیے ایسے نہیں ہوسکتا کہ کہا جائے کہ وہ بعض اشیاء پر قدرت رکھتا ہے اور بعض پر نہیں یعنی ہر شے کا منتہیٰ وہی ہے اس سے کوئی شے متجاوز نہیں ہوسکتی (اس میں تأمل کر)۔ [1]

غزوۂ حنین : غزوۂ حنین (یہ طائف کے علاقہ میں ایک جگہ ہے) اسے غزوۂ ہوازن بھی کہا جاتا ہے اوطاس بھی کہتے ہیں اس غزوہ کو اوطاس اس لیے کہتے ہیں کہ جنگ کا آخر الامر یہاں خاتمہ ہوا۔

اس غزوہ کے اسباب : جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ سے فارغ ہوئے تو تمام قبائل عرب نے آپ کی اطاعت قبول کر لی سوائے ہوازن و ثقیف کے کہ یہ سرکش اور باغی تھے یہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کے لئے حنین میں جمع ہو گئے۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق خبر پہنچی تو تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ

تلک غنیمۃ المسلمین غدا انشاء اللہ — یہ غنیمت کل انشاء اللہ مسلمانوں کی ہوگی۔

روح البیان ص۱۳۴ ج ۹)

آپ نے بھی صحابہ کرام کو ہوازن کی طرف چلنے کا حکم فرمایا

لشکر اسلام : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر ہوازن کی طرف چل پڑے، دشمنوں کے گھروں کے قریب پہنچ کر لشکر کی صف بندی فرمائی۔ مہاجرین کا جھنڈا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن المنذر کو اور اوس کا اسید بن حضیر کو دیا اور خود شہبار خچر پر سوار ہوئے (اس خچر کا نام فضہ تھا صاحب اسلفائے نے ہدیہ کے طور بھیجا، بعض نے کہا آپ دلدل پر سوار ہوئے یہ دلدل وہی ہے جو مقوقس نے بطور ہدیہ

---

[1] یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علم فی السند کی ایک واضح دلیل ہے اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ جو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں وہ جھوٹا ہے۔ (بخاری) اس سے ذاتی علم کی نفی ہے ایسے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان لڑکیوں کو روکنا (جو کہہ رہی تھیں" فینا نبی یعلم ما فی غد" ہمارے یہاں وہ نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں) بھی موضوع کی طرف متوجہ کرنا تھا ایسے ہی آیت "ما تدری ما ذا تکسب غدا" میں ذاتی جاننے کے متعلق ہے ورنہ ان جیسی روایات جن میں حضور علیہ السلام نے کل کی خبریں دی ہیں ان کا کیا ہوگا۔

بھجوایا تھا) ۔ آپ نے دو زرہیں اور مغفر پہنا (درعان) وہ زائد لباس جو جنگ میں پہنا جاتا اسفدیہ (بالسین المہملہ والغین المعجمہ) وہ داؤد علیہ السلام کی زرہ جو آپ نے جالوت کے مقابلہ کے وقت زیب تن فرمائی تھی۔

حنین کا داخلہ: حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین میں صبح اندھیرے میں پہنچے اور وادی میں داخل ہوئے تو اہل حنین نے آپ کے لشکر پر حملہ کر دیا کیونکہ وہ وادی کی کمینگاہوں میں چھپے بیٹھے تھے، انہوں نے یکبارگی لشکر اسلام پر حملہ کر دیا اور وہ غضب کے تیرانداز تھے، ایک تیر بھی ان کا خطا نہ کرتا تھا۔ مسلمانوں نے یہ کیفیت دیکھی تو شکست کھا کر پیچھے ہٹ کر بھاگے یہاں تک کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

شکست کے بعد فتح: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی سے دائیں جانب مڑ کر چند صحابہ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے حضرت فضل رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا زور زور سے پکاریئے۔ "یا معشر الانصار یا اصحاب السمرۃ" اے انصاریو اور درخت والو یعنی وہ لوگو جنہوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت کی تھی۔ چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما بلند آواز تھے یہاں تک کہ آٹھ میل تک آپ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی آواز سن کر "لبیک لبیک" پکاری۔ اس پکار پر لشکر اسلام جمع ہوا اور جنگ شروع ہو گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے سے نیچے اتر کر مٹھی بھر خاک جس میں سنگریزے تھے دشمنوں کی طرف پھینک دی اور فرماتے تھے "شاھت الوجوہ، حٰم لا ینصرون" پھر فرمایا "انہزموا ورب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بخدا لشکر کفار شکست کھا گیا) آپ کی پھینکی ہوئی مٹی کے ذرات سے کافروں کے منہ بھر گئے جس سے شکست کھا کر بھاگے، مسلمانوں کا لشکر ان کے پیچھے چل پڑا اور جن کو قتل کر سکے قتل کرتے تھے اور ان میں سے باقیوں کو قید کر لیا۔

فائدہ: حنین سے بھاگ کر اوطاس میں پہنچے تو وہاں ان کافروں نے لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیچھے ابو عامر الشعری (رضی اللہ عنہ) کو بھیجا اور خود اپنے لشکر میں تشریف لائے۔ اور چلتے ہوئے پوچھا کہ خالد بن الولید کے پاؤں کا کیا بنا۔

معجزۂ نبوی: عرض کی گئی کہ خالد کو بدستور تکلیف ہے آپ نے فرمایا کہ وہ کہاں ہے۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ کجاوہ کے سہارے بیٹھے ہیں کیونکہ پاؤں زخموں

کی وجہ سے سوج گیا تھا آپ نے لعاب دہن لگائی تو فوراً صحت یاب ہو گئے۔

مالِ غنیمت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حنین کا تمام مالِ غنیمت جمع کرو چنانچہ مالِ غنیمت جمع کر کے جعرانہ (بالکسر والعین المہملہ) وہ مکہ معظمہ و طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) وہ ریطہ بنت سعد کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ اسے جعرانہ بھی کہا جاتا "ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها" (اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو سوت کات کر توڑ دیتی ہے) یں جعرانہ مراد ہے وہ مالِ غنیمت یہاں جمع رہا یہاں تک کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طائف سے واپس ہوئے اور تشریف لا کر غنائم تقسیم فرمائیں۔

غنائم حنین کا شمار: حنین سے چھ ہزار قیدی اور اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد اور چاندی چار ہزار اوقیہ حاصل ہوئی۔

عمرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: یہاں جعرانہ میں آپ نے تیرہ راتیں بسر فرما کر عمرہ کا احرام باندھا اور فرمایا یہاں ستر انبیاء علیہم السلام نے عمرہ کیا۔

فائدہ: ہجرت کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چار عمرے کیے:-

(۱) عمرۃ الحدیبیہ۔
(۲) عمرۃ القضاء۔
(۳) عمرۃ الجعرانہ۔
(۴) عمرہ مع حجۃ الوداع۔

فائدہ: حنین کے باقی واقعات و حالات سورہ توبہ کے اوائل میں تحت آیت "لقد نصرکم اللہ الخ" گذرے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا" اور اگر تمہارے ساتھ اہل مکہ جنگ کرتے اور صلح نہیں کرتے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کفار حنین کے خلفاء بنو اسد و غطفان مراد ہیں "لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ" (البتہ پیٹھ پھیر جائیں گے) یعنی شکست کھا جائیں گے یعنی جنگ ہو گی ہی نہیں۔

فائدہ: "تولیۃ الادبار" پیٹھ پھیرنے سے شکست کھانا مراد ہے (کذا فی الفارسیۃ)

"آن نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من"

وہ میں نہیں ہوں گا جسے جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جا رہا ہو۔ دُبر الشیئ خلاف القبل

شے کے دُبر سے قبل کا خلاف مراد ہے جیسے پیٹھ کا پچھلا حصہ ” ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا “ پھر کوئی مددگار نہ پائیں گے کہ ان کی نگرانی کرے ” وَلَا نَصِیْرًا ہ “ اور نہ ہی کوئی حامی جو ان کی مدد کرے۔ ” سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ “ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ گذرے ہیں ان سے پہلے یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ قدیم سے ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو غلبہ دے جیسے سابقہ امم میں گذرا چنانچہ خود دوسری جگہ میں فرمایا ” کتب اللہ لاغلبن ورسلی “ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ میں (اللہ تعالیٰ) اور میرے رسل کرام غالب رہیں گے۔

ترکیب : سنۃ مصدر مؤکد ہے اس کا فعل محذوف ہے۔ ” وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ہ “ اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے کہ انبیاء علیہم السلام کا غلبہ نقل نہ ہو بلکہ دوسروں کو غلبہ ہو ؎

محالست چون دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ ۔ محال ہے کہ جب وہ تمہیں دوست رکھتا ہے تو پھر دشمن کے ہاتھ میں کیسے چھوڑے گا۔

فائدہ : جو کچھ ازل میں مقرر ہو چکا ہے محال ہے کہ اس کے خلاف ہو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تبدل و تغیر نہیں کر سکتا ؎

تغییر بحکم ازلی راہ نیابد
تبدیل بفرمان قضا کار ندارد
در دائرہ امر کم و بیش نگنجد
با امر قدر چون و چرا کار ندارد

ترجمہ ۔ حکم ازلی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں اس لیے کہ قضاء و قدر کے فرمان میں تغیر و تبدل کو کوئی کام نہیں ۔۔ دائرہ امر میں کم و بیشی کو گنجائش نہیں، قدر کے ساتھ چون و چرا کو کوئی کام نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں نفوس متمردہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سالکوں کو نفوس کے قتال میں مدد دیتا ہے اور یہ مدد ازل میں مقدر فرمائی تھی جسے ہمیشہ تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔ ان میں اس کی ایک مدد مظالم میں بھی ہے ۔

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں اللہ تعالیٰ منعم کے انعامات کا ذکر کرتے رہتے کہ اس نے اپنے اولیاء پر کیسے کیسے انعامات فرمائے، ہمارے پڑوس میں ایک نابینا رہتا تھا، ہماری باتیں سن کر ایک دن ہمارے ہاں آیا اور کہا تمہاری باتوں سے بڑا لطف آتا ہے پھر اس نے اپنی آپ بیتی سنائی کہ میں کثیر العیال و اطفال تھا ایک دن لکڑیاں چننے کے لئے بقیع میں گیا وہاں ایک نوجوان دیکھا جس پر کتان کی پوشاک تھی اور ہاتھ میں جوتا لیے پھر رہا تھا، میں نے سمجھا مجنون ہے ارادہ کیا کہ اس سے سامان چھین لوں۔ میں نے کہا کپڑے اتار دیئے، کہا خدا کی امان لیکن میں نے اسے دو تین بار کہا۔ کہا واقعی، میں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد اس نے دو انگلیوں کا میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تو میری آنکھیں گر گئیں میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم بتائیے آپ ہیں کون فرمایا میرا نام ابراہیم الخواص ہے۔

سوال ۔ ابراہیم خواص نے چور کو بد دعا کی لیکن ابراہیم بن ادھم کو کسی نے مارا تو آپ نے اسے بہشت کی دعاء دی ان دو ولیوں میں متضاد عمل کیوں ؟

جواب ۔ ہر ولی کی نگاہ انجام پر ہوتی ہے، ابراہیم الخواص نے چور کا انجام خیر اسی میں دیکھا کہ وہ سزا کے بعد ہی تائب ہوگا اور ابراہیم بن ادھم نے دیکھا کہ اسے جنت کی دعا سے شرم وحیا نصیب ہوگا اسی لیے فضل و لطف سے اسے جنت سے نوازا۔ اسی لیے وہ مارنے والا ابراہیم بن ادھم کے ہاں معذرت خواہ ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ وہ سر کہ جس میں عذر خواہی کا خیال ہو اسے میں بلخ میں چھوڑ آیا ہوں کیونکہ نخوت وناموس کا خیال شاہی سر میں ہوتا ہے اور وہ بلخ رہ گئی اب میں اس کے عوض مسکینی اور فقیری کے تصورات رکھتا ہوں۔ (اس لیے معذرت کی ضرورت ہی نہیں)

فائدہ: نصرت الہی باطنی بھی ہوتی ہے چنانچہ حکایت ذیل اس کی شاہد ہے۔

حکایت: احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طریق مکہ میں میں حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہ کے ساتھ تھا کہ مجھ سے زادِ راہ کا بٹوہ گر گیا، میں نے آپ سے گذارش کی تو آپ نے دعاء کی اے گمشدہ اشیاء کو واپس کرنے والے (ہمارا گمشدہ بٹوہ واپس کر دے)۔ ابھی تھوڑی دیر گذری کہ کسی نے کہا کس کا بٹوہ گر گیا ہے، میں نے کہا میرا۔ اس نے دکھایا تو واقعی میرا ہی بٹوہ تھا۔ میں نے اس سے لے لیا مجھے ابوسلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا اے احمد ہمیں بغیر پانی کے نہیں چھوڑے گا یعنی اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرماتا رہے گا۔ ہم تھوڑا آگے بڑھے تو اس مقام پر پہنچے جہاں سخت سردی پڑ رہی تھی ہمارے ہاں گرم کمبل تھے لیکن ایک نوجوان کو دیکھا جس پر صرف دو پھٹے پرانے کپڑے ہیں۔ اور وہ بھی پانی سے بھیگے ہوئے تھے جن سے پانی ٹپک رہا تھا ہم نے اس کی مدد کا ارادہ کیا اور اسے پیشکش کی۔ اس نے کہا فکر مت کرو سردی۔ گرمی ہر دونوں ہماری طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق

ہیں وہ انہیں حکم دے گا تو مجھے ڈھانپ لیں گی یا چھوڑ دیں گی اور حال یہ ہے کہ میں اس جنگل میں تیس[۳۰] سال سے
چل رہا ہوں مجھے کبھی نہ گرمی نے ستایا ہے نہ سردی نے یہ اس کی مہربانی ہے جو ان کی تکلیف سے محفوظ ہوں ؎

مذاق بردِ محبت جمعے کہ پشت گرم بعشق نیند
ناز سمور و منت سنجاب می کشند

ترجمہ ۔ محبت ان کے لئے مذاق ہے جو اپنی پیٹھ عشق سے گرم نہیں رکھتے وہی سمور و سنجاب کی ناز و منت کے حامل ہوتے ہیں ۔

اے دارانی کپڑوں کا اشارہ کرتا ہے کیا تو نے زہد چھوڑ دیا ہے زہد چھوڑے گا تو تجھے سردی تکلیف دے گی
اے دارانی روتا ہے تو آواز کیوں کرتا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ تو اس سے استراحت و آرام کا طالب ہے۔
ان کی یہ بات سن کر ابو سلیمان (دارانی) کہتا ہوا چل پڑا اور فرمایا کہ مجھے تو اس کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہیں۔

سبق: اس حکایت سے سبق ملا کہ ابو سلیمان دارانی نے جب بڑھ ملنے سے یقین کر لیا کہ ہر وقت اس کی مدد نصیب ہو گی لیکن اسے نوجوان کو دیکھ کر حقیر سمجھا یہ ان کا عجب تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے اولیاء کو ملاحظۂ اعمال (تکالیف) سے مدد کرتا ہے اور ان کی صفائی احوال کے باوجود دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دکھاتا ہے لیکن برے اخلاق سے ان کے نفوس کو پاک وصاف رکھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کے راستوں پر چلائے ۔ وہی کریم اور بہت بڑے احسان والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ: "وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ" اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کفار کے ہاتھ روکے "عَنْكُمْ" تم سے بایں طور کہ انہیں تمہارے سے بھاگنے پر اکسایا حالانکہ وہ تعداد میں تجھ سے زائد تھے اور طرفہ یہ کہ تم ان کے شہر میں تھے اور انہیں معلوم تھا کہ تم ان کو اہل و عیال اور اولاد سے دور کرنے آئے ہو "وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ" (اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے) کہ تم کو ان سے رجوع کرنے پر برانگیختہ کیا اور انہیں چھوڑ دیا "بِبَطْنِ مَكَّةَ" مکہ کے بطن یعنی مکہ کے داخلی مواضعات میں "مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ" تمہیں فتحمند کرنے کے بعد بایں طور کہ تمہیں فتحمند اور غالب بنایا "عَلَيْهِمْ" ان پر ۔ یعنی تمہیں فتح دی اور ان پر غالب کیا باوجودیکہ عادت ہے کہ جو فتح پاتا ہے وہ دشمن کو جڑ سے پھینک مارتا ہے لیکن یہاں ایسا نہیں ہوا ۔

حل لغات: الظفر یعنی الفوز در اصل یہ ظفر سے ہے بمعنے "نشب ظفرہ" اس کے ناخن ابھرے ۔

خالد سیف اللہ کب بنے: مروی ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل پانچسو لشکری لے کر حدیبیہ کو روانہ ہوا ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک

لشکر حضرت خالد کو دے کر اس کے مقابلہ کے لئے فرمایا اور ساتھ ہی ان کا آج ہی سیف اللہ (اللہ کی تلوار) نام رکھا چنانچہ حضرت خالد نے عکرمہ کے لشکر کو شکست دے کر مکہ مکرمہ کی طرف دھکیل دیا اور واپس آگئے (طبرانی و ابن ابی حاتم فی تفسیر یہما)۔

تردید از سعدی المفتی: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بیان صراحۃً غلط ہے اس لیے کہ کتب سیر وغیرہ اور صحاح میں مذکور ہے کہ یوم حدیبیہ میں خالد تو مشرکین کے لشکر میں تھا جسے دو سو بہادر دے کر کفار نے اسے مسلمانوں کے خلاف بھیجا وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ کے لئے آئے جب قریب پہنچا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان کا مقابلہ کیجیے، حضرت عباد بن بشیر مقابلہ کے لئے صف آرا ہوئے۔ یہانتک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ جب یہ حال ہے تو پھر کیسے مذکورہ بالا بیان صحیح ہو سکتا ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت خالد بن الولید حدیبیہ کے واقعہ کے بعد ۸ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔

فائدہ: ایسے ہی انسان العیون میں ہے کہ حضرت خالد بن الولید واقعہ حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

انوکھی جنگ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر پتھر مروا کر فتحیاب فرمایا یہانتک کہ انہیں ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ یوم حدیبیہ حملہ سے کافروں کی ایک جماعت مسلمانوں پر پتھر برسا رہی تھی، مسلمانوں نے پتھروں کا جواب پتھروں سے دیا تو کافر بھاگے یہانتک کہ مکہ پہنچ کر گھروں میں گھس گئے چونکہ ایسی رکاوٹ انوکھی تھی اس لیے فرمایا "وھو الذی" الخ یا وہ کافر اسی آدمی تھے جو تنعیم کے راستہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صبح کے وقت حملہ کرنے کے لئے اس ارادہ پر آئے تھے کہ اچانک حملہ کر دیں گے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو شہید کر دیں گے لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں گرفتار کر کے چھوڑ دیا اس معنیٰ پر بطن مکۃ سے وادئ حدیبیہ مراد ہو گی کیونکہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم مکہ میں ہے۔

المفردات میں ہے کہ بطن بمعنے پیٹ (عضو معروف) ہے اور شئے کی سفلی جہت کو بھی بطن ہے جیسے جہۃ علیا کو ظہر کہا جاتا ہے۔ بطن الامر اور بطن الوادی کو بطن (پیٹ) سے مشابہت کی وجہ سے اسی نام سے موسوم ہیں اور عرب کے بعض کو بطن بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ گویا کل عرب ایک شخص کی طرح ہے گویا ان کا ہر ایک قبیلہ بمنزلہ پیٹ اور ران اور کاندھے کی طرح ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ حدیبیہ مکہ معظمہ سے جہت سفلی سے ہے کیونکہ وہ جدہ محروسہ کی طرف ہے اسی لیے بطن مکہ سے وہی طرف مراد ہوگی نہ کہ مکہ معظمہ کے داخلی مواضعات اب معنیٰ یہ ہوا (واللہ اعلم) کہ وہ اللہ جس نے انہیں روکا تم سے اور تمہیں ان سے حدیبیہ کی سفلی جہت سے بجانب مکہ بعد اس کے کہ تمہیں ان پر قدرت دی کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرتے تو تم ان پر غالب ہو جاتے (باذن اللہ تعالیٰ) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا چنانچہ فرمایا " ولو قاتلکم الخ اور روکنے کا راز آنے والی قریبی آیت میں اس کا ذکر آئے گا (انشاء اللہ)۔

" وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ " اور ہے اللہ تعالیٰ ساتھ اس کے کہ تم عمل کرتے ہو یعنی تمہارا جنگ کرنا اور تمہارا کفار کو شکست دینا یا تمہارا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا اور تمہارا ان سے دوبارہ روکنا تعظیم حرم و صیانت اہل اسلام کی وجہ سے " بَصِیْرًا ہ " جانتا ہے۔ کوئی شے اس سے مخفی نہیں وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دیگا۔

فائدہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ " من بعد ان اظفرکم علیہم " سے فتح مکہ مراد ہے اسی سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دلیل لی ہے کہ مکہ معظمہ غلبہ سے فتح ہوا ہے نہ کہ صلح سے۔

سوال۔ سورۂ فتح تو فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی پھر امام صاحب کا استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب۔ یہ اس کے منافی نہیں اس لیے کہ پہلے کا نزول اخبار عن الغیب کے قبیل سے ہوتا ہے (گویا حضور علیہ السلام کے علم غیب کے دلائل سے ایک یہ بھی ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول " انا فتحنا لک فتحا مبینا " از قبیل اخبار عن الغیب ہے۔

سوال۔ ہاں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ہو سکتا ہے جبکہ آپ نے دعویٰ فرمایا ہے کہ مکہ غلبہ سے فتح ہوا ہے نہ کہ صلح سے کیونکہ ضروری نہیں کہ کسی شہر کو غلبہ کے بعد حاصل کیا جائے بہت سے مواقع ایسے بھی ہوئے ہیں کہ وہ شہر صلح سے حاصل ہوا جیسا کہ زمخشری نے کہا کہ شہر فتح غلبہ سے ہو یا صلح سے یا جنگ سے حاصل ہو یا جنگ کے بغیر (تفسیر زمخشری تحت آیت " انا فتحنا لک فتحا) وکذا فی حواشی سعدیؒ المفتی)

جواب۔ بحر العلوم رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انا فتحنا لک فتحا الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ غلبہ سے حاصل ہوا کیونکہ فتحنا کا کسی شہر کو غلبہ سے حاصل کرنے پر اطلاق ہوتا ہے جب وہ مطلق ہو۔

تائید صاحب روح البیان رحمہ اللہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ انا فتحنا از قبیل مطلق نہیں اگر مان لیا جائے تو بھی فتح مطلق اس پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی لیے سورۃ النصر میں اللہ تعالیٰ نے اسے نصرت سے ملایا ہے

اس لیے کہ نصرت محاربت اور غلبہ پر دلالت کرتی ہے نہ صرف فتح ۔

مسئلہ: عین المعانی میں ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہم (احناف) کا مذہب ہے کہ غلبہ سے فتح ہوا ہے (جیساکہ اوپر مذکور ہوا) اس پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کفار مکہ کو تلوار سے کاٹو۔

مسئلہ: لیکن اہل مکہ پر نہ جزیہ ہوگا نہ ان کی زمینوں سے خراج لیا جائے گا یہی احناف کا مذہب ہے ہر ان تمام شہروں کے لئے جو غلبہ سے حاصل ہوں اس لیے مشرکین عرب کے لئے دو امور تھے (۱) اسلام (۲) تلوار

مسئلہ: کوفہ کے گرد و نواح کی زمینیں ارض العجم کے حکم میں ہیں ۔

قصہ فتح مکہ: یہاں پر فتح مکہ کا اجمالی طور قصہ بیان کیا جاتا ہے ۔ فتح مکہ کا واقعہ ۸ھ رمضان المبارک ہوا ۔ اس کا سبب قریش کی طرف سے نقض عہد ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قبیلہ بنی بکر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو (منظوم) تیار کی اور وہ اسے ترنم سے پڑھتا (گاتا) تھا جسے قبیلۂ خزاعہ کے کسی غلام (عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے سن لیا اور قبیلۂ خزاعہ کے لوگ مسلمان تھے اس غلام (عاشق رسول) نے اس ہجو کرنے والے قریشی (گستاخ نبی علیہ السلام) کو زخمی کر دیا اس سے دونوں قبیلوں میں شر پھیل گیا ۔ بنو خزاعہ پر بنو بکر کے ساتھ قریش (کفار مکہ) نے مدد کی حامی بھری چنانچہ بنو بکر نے رات کے وقت بنو خزاعہ پر حملہ بول دیا ان کے جوانوں کو قتل کر دیا لیکن اس میں ابو سفیان کا کوئی دخل اور رائے نہ تھی حالانکہ اس وقت یہی رئیس القریش تھے ۔

خواب عجیب: جب ابو سفیان کو یہ خبر پہنچی تو کہا کہ میری زوجہ نے خواب دیکھا ہے جسے وہ بیان کرنا نہیں چاہتی (لیکن مجھے بتایا ہے) اس نے دیکھا کہ خون کا سیلاب حجون سے بہتا ہوا حندمہ میں آکر رکا ہے (الحندمۃ بفتح الحاء المہملۃ مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے) الحجون بالحاء المہملۃ، یہ بھی مکہ کے اوپر والی طرف سے ایک پہاڑ ہے) ابو سفیان نے اس خواب کی تعبیر یہی دی کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ساتھ ضرور جنگ کریں گے لیکن قریش اب جنگ نہیں چاہتے تھے ۔

حضرت عمر بن سالم خزاعی رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مدینہ طیبہ پہنچ کر تمام حالات سنائے، حضور علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا " نصرت یا عمرو بن سالم " تو فتحیاب

ہوا اے عمرو بن سالم۔ اس وقت آپ کی دونوں چشمان مبارک سے آنسو بہہ نکلے اور فرمایا تیری مدد ہے "خزاعة منی و انا منہم" خزاعہ میرے ہیں میں ان کا ہوں۔

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی دیکھا آپ نے قریش کو نقض عہد (عہد شکنی) پر کیسی جراءت ہو گئی۔ آپ نے فرمایا یہ عہد کو اسی وقت توڑتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنا ایک فیصلہ فرما چکا ہوتا ہے۔ عرض کی، خیر تو ہے۔ فرمایا، خیر ہے۔

قریش کی ندامت: اس عہد شکنی سے قریش نادم ہوئے اس ندامت کے پیش نظر ابوسفیان کو بھیجا تا کہ عہد سابق کو مضبوط کریں بلکہ اور مدت بڑھا دیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کا پیغام سن کر فرمایا کہ ہم اپنی مدت اور صلح تک کے پابند کے ہیں اس کے بعد معاہدہ ختم۔

ابوسفیان مایوس ہو کر لوٹا کیونکہ آپ نے نہ ابوسفیان کی بات مانی نہ صحابہ میں سے کسی اور کی، اس نے واپس مکہ پہنچ کر کہا کہ انہوں نے میری کوئی بات نہیں مانی لیکن میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا مطالعہ کیا وہ تو اپنے آقا کے بہت بڑے فدائی ہیں، میں نے بادشاہوں میں سے کسی ایک کی ایسی بارگاہ نہیں دیکھی جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ ہے اور ان کے صحابہ جیسے جان نثار میں نے کہیں نہیں دیکھے۔

مشاورتی کمیٹی: ابوسفیان کے چلے جانے کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ان سے درگزر فرمائیے آخر آپ کی برادری کے لوگ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! مکہ کو چلیے اور ضرور چلیے کیونکہ کفار کے یہی سرغنہ تو ہیں، آپ کو بکتے ہیں اور کہتے ہیں آپ کذاب و ساحر ہیں اور کوئی برے القاب نہیں جو آپ کو نہ کہتے ہوں۔ بخدا جب تک اہل مکہ آپ کے تابع نہ ہوں گے عرب کا کوئی خطہ آپ کے تابع نہیں ہو سکے گا۔ اسی وقت آپ نے فرمایا کہ ابوبکر ابراہیم علیہ السلام کی طرح نرم (اور رفیق القلب) ہیں اور عمر نوح علیہ السلام کی طرح امور حق کے لئے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں لیکن مشورہ عمر کا صحیح اور حق ہے (اس سے قبل یہ امر مخفی رکھا)۔

جنگ کی تیاری: مشورہ کے بعد آپ نے فتح مکہ کے لئے تیاری شروع کر دی اور اپنے صحابہ کو بھی تیاری کا اعلان فرمایا بلکہ دیہاتوں میں بھی ہر طرف مسلمانوں کو اطلاع بھجوائی کہ جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ماہ رمضان میں مدینہ پاک میں آ جائے۔ جب تمام لوگ

جمع ہوگئے تو حضور علیہ السلام نے دعا مانگی، اے اللہ! قریش تک ہماری خبر نہ پہنچے یہانتک کہ ہم ان کے شہر تک پہنچ جائیں۔

لشکر نبوی کی تعداد اور روانگی: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں یا دس کے آگے پیچھے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اس وقت کا دس ہزار لشکر تھا جس میں مہاجرین وانصار سب تھے اس سفر میں آپ نے رمضان کا روزہ کدید میں افطار فرمایا۔ کدید بروزن امیر عسفان وقدید کے درمیان ایک جگہ کدید بروزن زبیر اس کے بعد روزہ نہ رکھنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا جو اس کے خلاف کرے گا وہ گنہگار ہوگا کیونکہ یہاں کی آب وہوا گرم ہے اور روزہ نہ رکھنے میں دشمن کے مقابلہ کے لئے قوت وطاقت بھی ہے۔

فوج کے جھنڈے: کدید میں ہی پڑاؤ ڈالا اور وہیں اپنا جھنڈا گاڑ دیا اور ہر ایک قبیلہ کو علیحدہ علیحدہ جھنڈا عطا فرمایا اس کے بعد چل پڑے مر الظہران سے گذرے مر الظہران ایک جگہ مکہ کے باہر ایک مرحلہ کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا مستجاب فرمائی کہ آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے لیکن قریش تاحال بے خبر تھے یہ بھی قریش پر شفقت تھی کہ وہ جنگ نہ کر سکیں خود بخود تابع ہوجائیں اور حکم فرمایا کہ ہر قبیلہ اپنی جگہ پر آگ روشن کرے ان سب کا نگران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

ہجرتِ عباس رضی اللہ عنہ: اس سے قبل حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جحفہ (بتقدیم الجیم) اہل شام کے میقات میں ملے اور اپنا مسلمان اور مہاجر ہونا ظاہر کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اہل وعیال اور سامان کو مدینہ بھیج دیں اور خود ہمارے ساتھ مکہ معظمہ چلیں اور ساتھ ہی فرمایا اے چچا آپ کی ہجرت خاتم الہجرت ہے جیسے میری آخری نبوت خاتم النبوت ہے۔

ابوسفیان جاسوس: قریش مکہ نے ابوسفیان کو بھیجا کہ حالات سے آگاہی حاصل کریں اور کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ملیں تو ان سے ہماری اماں طلب کریں۔ جب ابوسفیان رات کے وقت مر الظہران میں پہنچا تو آگ روشن دیکھی تو کہا میں نے ایسی آگ روشن کبھی نہیں دیکھی سوائے میدان عرفات کے اور ایسا لشکر تو دیکھا نہ سنا چونکہ ان کی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے قدیم سے دوستی تھی، انہیں ملے اور پنجہ ملا کر چل پڑے حضرت عباس انہیں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تاکہ ان

کے لیئے امان کا سوال کریں۔

ابوسفیان کا اسلام لانا: جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے چچا اسے اپنی رہائش میں لے جائیے کل صبح کو میرے ہاں لانا جب صبح ہوئی تو ابوسفیان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوسفیان کو اسلام پیش کیا۔ اس پر وہ متوقف ہوا، حضرت عباس نے فرمایا" ویحک اسلم" افسوس ہے اسلام قبول کر لے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے رسول ہیں ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ حضرت عباس کے مشورہ کو ابوسفیان نے قبول کر کے سچے دل سے اسلام کا کلمہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمان ہونے کی توفیق بخشی۔ مسلمان ہونے کے بعد عرض کی یارسول اللہ اگر قریش آپ کا مقابلہ نہ کریں بلکہ علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں اور آپ کے معارضہ سے ہاتھ روک لیں تو کیا انہیں امان ہے یا نہ۔ آپ نے فرمایا جس نے ہمارے مقابلہ سے ہاتھ روک لیا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا اسے امان ہے۔

ابوسفیان کا گھر دارالامان: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عباس نے عرض کی یارسول اللہ ابوسفیان فخریہ امر سے پسند کرتا ہے اس سے کوئی ایسی مروت فرمائیے جس سے وہ خوش ہو جائے۔ آپ نے فرمایا جو بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے امان ہے ایسے ہی جو مسجد حرام میں ہو اور جس نے دروازہ بند کر لیا اسے بھی اور جس نے ہتھیار ڈال دیئے اسے بھی اور جو دار حکیم بن حزم میں داخل ہوا وہ بھی (ابن حزم جاہلیت و اسلام میں اشراف قریش سے تھے) امان میں ہے۔

اسلام کا جھنڈا: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورویحہ (جس کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ مقرر کیا گیا تھا) کو جھنڈا دے کر حضرت بلال کو فرمایا کہ اعلان کر دو جو ابورویحہ کے جھنڈے تلے آئے گا اسے بھی امان ہے۔

فائدہ: یہ توسیع اس لیے فرمائی کہ امان والوں کی بھنات تھی کہ اس وقت ابوسفیان کے گھر اور مسجد حرام وغیرہ میں جگہ نہ رہی تھی۔ اور اعلان فرما دیا گیا کہ فلاں سردار اور عورتوں کو قتل کر دو اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں۔ ان میں ابن اخطل وغیرہ تھے کیونکہ کعبہ (عاصی مجرم اور جس پر حد قائم ہو) کو پناہ نہیں دیتا۔

اور جن کو قتل کرنے کا حکم فرمایا وہ نہایت درجہ کے سرکش اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت مخالف تھے خلاصہ یہ کہ آج آپ نے ایمان والے کو معاف کر دیا اور جس نے کفر پر اصرار کیا اسے قیدی بنا لیا۔

شوکت اسلام کا نظارہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو ایک تنگ وادی کے سرے پر کھڑا کر دیجیے یہاں تک کہ اللہ کا تمام لشکر گذر جائے تاکہ یہ اسلامی شوکت کا نظارہ دیکھے سب سے پہلے خالد بن ولید بنی سلیم (مصغرًا) جھنڈا لے کر گذرے اس کے بعد قبیلہ کے بعد قبیلہ مع اپنے جھنڈوں کے گذرتے رہے یہانتک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار و مہاجرین کے ساتھ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے سے کہتے جاتے تھے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ بالآخر تمام لشکر گذرا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا سبحان اللہ اے عباس یہ کون ہیں، آپ نے فرمایا یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے ساتھ مہاجرین و انصار تھے آپ کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا پھر ان سے لے کر ان کے بیٹے حضرت قیس کو دیا گیا اس لیے کہ وہ عرب میں بہت بارعب اور جنگی معاملات میں بہت بڑے صاحب رای اور چالاک تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے تو آپ کے ساتھ سات سو مہاجرین جو تین سو گھوڑوں پر سوار تھے اور چار ہزار انصار جن کے ساتھ پانچسو گھوڑے تھے ابوسفیان نے کہا ان کے ساتھ کون مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو کوئی طاقت ہے۔

بادشاہ نہیں نبی ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا تیرا بھتیجا بہت بڑا بادشاہ بن گیا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہ نہیں نبی ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کا امیر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مکہ معظمہ کے سفلی جانب سے کعبہ شریف میں جائیں اور فرمایا کسی سے جنگ نہ کرنا ہاں کوئی جنگ کرے تو پھر اجازت ہے ادھر قریش نے بھی چند آدمی جمع کر رکھے تھے جب حضرت خالد کعبہ معظمہ میں داخل ہونے لگے تو قریش نے روک لیا بلکہ تیر برسانے شروع کر دیئے، حضرت خالد نے زور سے پکارا کہ شاباش کسی کو نہ چھوڑو آرڈر سنتے ہی لشکر اسلام نے کفار قریش پر حملہ بول دیا اس میں بہت سے لوگ مارے گئے اور بعض بھاگ گئے یہانتک کہ حضرت خالد مسجد حرام کے دروازے تک

پہنچ گئے اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" ان کو کچل دو یہانتک کہ مجھے صفا میں آکر ملو۔" حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ شریف میں ناقۂ قصواء پر سوار ہو کر داخل ہوئے، آپ کے پیچھے حضرت علی بن العاص عموسی رضی اللہ عنہما (حضور کے نواسہ) تھے اور یہ جمعہ کا دن ہے بعض نے کہا سوموار کا دن تھا۔ آپ نے سیاہ عمامہ زیب سر فرمایا ہوا تھا۔ بعض نے عمامہ کے متعلق دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ مقام معرفت وفنا کے یہی زیادہ مناسب ہے۔ جب آپ کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو سر مبارک کجاوہ پر رکھ دیا یہ آپ نے تواضعاً اور فتح مکہ کے شکریہ میں کیا اور اتنی بڑی جماعت مسلمین ساتھ لانے سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر جھکایا۔ اس کے بعد فرمایا "اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ" اے اللہ آخرت کا عیش چاہیئے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کعبہ شریف میں کداء ہمچوں سماء کی طرف یعنی کعبہ کے اعلیٰ جانب سے داخل ہوئے اور کعبہ شریف میں داخلہ سے پہلے غسل فرمایا اور چل پڑے اور سورۂ فتح تلاوت فرما رہے تھے یہانتک کہ آپ نے کعبہ شریف کا سات بار طواف کیا بوقت طواف آپ سوار رہے سواری کی باگ محمد بن مسلم نے پکڑی ہوئی تھی۔ حجر اسود کا استلام عصا سے کیا جو آپ کے ہاتھ مبارک میں تھا۔

فائدہ: آپ نے سوار ہو کر طواف اس لیے کیا تاکہ دوسرے لوگ طواف کا طریقہ سیکھ لیں۔ پھر مقام ابراہیم کے ساتھ دوگانہ پڑھا جو اس وقت کعبہ شریف کے بالکل قریب تھا بعد کو اسی مقام پر ہٹایا گیا ہے جہاں اب ہے۔

ازالۂ وہم: مقام ابراہیم میں وہی پتھر ہے جس میں بوقت تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم مبارک دھنس گیا اس کے بعد لوگوں کے ہاتھ لگانے کی وجہ سے اس کے نشانات مٹ گئے اس کے بعد وہ نشانات گم ہو گئے اب اسی پتھر کی جگہ تو ہے لیکن اصلی پتھر نہیں یہ جو رکھا ہوا پتھر ہے وہ جعلی ہے (واللہ اعلم)۔

تین سو ساٹھ بت: اس وقت کعبہ شریف کے باہر اندر اور اوپر تین سو ساٹھ بت رکھے تھے ہر قبیلے کا علیحدہ بت تھا۔ ہبل ان کا بڑا بت تھا وہ عقیق تھا جو کعبہ شریف کے دروازہ کے قریب تھا جسے باب السلام قدیم کے نیچے پھینک دیا گیا تاکہ اسے قیامت تک لتاڑیں اور بت پرستوں کو عبرت ہو جبکہ ابو سفیان غزوۂ احد میں فخراً کہتا تھا" اعل ہبل، اعل ہبل" (اے ہبل بلند ہو، بلند ہو اے ہبل) اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ذلیل کر کے دکھایا

تاکہ معلوم ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کون عزت دے سکتا ہے۔ پھر آپ لکڑی ہر بت پر مارتے تھے وہ منہ کے بل گرتا تھا اور آپ پڑھتے تھے "جآء الحق وزھق الباطل" (حق آیا باطل مٹ گیا)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا حکم فرمایا تاکہ چھت پر رکھے ہوئے بتوں کو توڑ دیں۔

کعبہ کے اندر داخلہ : اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہونے سے پہلے آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عثمان بن ابی طلحہ کی طرف بھیجا تاکہ اس سے کعبہ کی چابی لے آئیں۔ دروازہ کھلنے پر آپ نے اندر داخل ہو کر دوگانہ پڑھا اور آپ نے کعبہ کے اندر ہر کونہ میں دعا فرمائی۔

فوٹو مٹا دیئے : کعبہ کے اندر بہت سے فوٹو رکھے تھے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل اور بی بی مریم اور ملائکہ کرام کے فوٹو بھی تھے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے مٹانے کا حکم فرمایا۔

کعبہ بیت الاصنام : کعبہ معظمہ اس وقت بیت الاصنام بنا ہوا تھا۔ ہزار سال بیت الاصنام بنا رہا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی تطہیر فرمائی اب وہ ہزار سال سے اہل اسلام کی سجدہ گاہ ہے۔

کعبہ کی دعا : کعبہ ہزار سال سے دعا مانگ رہا تھا کہ لوگ اس میں شرک کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے تطہیر کا وعدہ فرما لیا اور بتوں سے اسے پاک کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ : اس میں کعبہ قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فتح سے پہلے بیت الاصنام تھا پھر جب ملکوتی امداد نصیب ہوئی تو پھر دل پاک ہوا۔ یاد رہے کہ بہت بڑا بت انسان کا اپنا وجود ہے، حضرت شیخ عربی نے فرمایا ؎

بود وجود مغربی لات و منات او بود
نیست بتے چو بود او درہمہ سومنات تو

ترجمہ۔ لات و منات تیرا وجود ہے اے مغربی۔ تیرے جیسا اور کوئی بت نہیں تمام سومنات تو خود ہے۔

حضرت خجندی نے فرمایا ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت کہ بشکنند بہ از صد عبادتست

ترجمہ ۔ غرور کا بت توڑ دے کیونکہ عشاق کے دین میں ایک بت توڑنا سو عبادت سے بہتر ہے ۔

اور فرمایا ؎

مدعی نیست محرم در یار
خادم کعبہ ابو لہب بود

ترجمہ ۔ مدعی محرم یار کا نہیں ۔ کعبہ کا خادم تو ابو لہب بھی رہا ہے ۔

بیعتِ نبوی :

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن صفا پر بیٹھ کر بیعت لیتے رہے ۔ بڑے چھوٹے مرد عورتیں آکر اسلام پر بیعت کرتے رہے یعنے کہتے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ ایسے ہی تمام احکام ماننے پر لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے ۔ حضور علیہ السلام نے تمام کو بیس سال کی ایذائیں معاف فرمادیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی ۔

تقریر نبوی : حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا ، اے لوگو ! بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے مکہ کو حرم بنایا ہے اور سورج و چاند کی تخلیق سے اور یہ تا قیامت حرم محترم ۔ کسی ایمان والے کے لئے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے اور اس کا درخت کاٹے نہ میرے سے پہلے حلال تھا نہ میرے بعد حلال ہے سوائے اس وقت کے یعنی یوم فتح کے بعد صبح سے شام تک جو اللہ تعالیٰ نے صرف میرے لئے حلال فرمایا یہ بھی یہاں کے سرکشوں پر غضب کی وجہ سے اس کے بعد قیامت تک اس کی حرمت ہے جیسے کل تھی ایسے ہی تا قیامت جو موجود ہے وہ غائب تک پہنچا دے ۔

قیام مکہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد اُنیس یا اٹھارہ دن وہاں مقیم رہے اور نماز قصر ادا فرماتے رہے اس کے بعد ہوازن و ثقیف کو چلے گئے جس کا ذکر

پہلے ہوچکا اور یہاں کا امیر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اس وقت ان کی عمر اکیس سال تھی اور یہی پہلے اسلام کے امیر مکہ ہیں وہی لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور یہاں کے معلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے جو لوگوں کو سنن و دیگر فقہی مسائل بتاتے تھے اسی سے خلیفہ بنانے کا ثبوت ملا اور اسی پر ہمارے زمانہ تک عمل ہے کیونکہ نبی علیہ السلام رفع جہل کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی علیہ السلام کے وارثین سے بنائے (آمین)۔

تفسیر عالمانہ: "هُمْ" وہ قریش مکہ "الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا یعنی اس سے روکا کہ تم کعبہ کا طواف کرو "وَالْهَدْيَ" اور قربانی کو روکا یہ منصوب ہے ان کا عطف ضمیر منصوب پر ہے یعنی کُمْ پر۔

حل لغات: الھدی بسکون الدال ھدیۃ کی جمع ہے جیسے تمر و تمرۃ وجدی وجدیۃ یہ مخصوص ہے۔ اس قربانی کے ساتھ جو بیت اللہ کی طرف اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے بھیجی جائے جانوروں میں سے۔ ان میں سب سے آسان تر بکری اور اوسط گائے اور اعلیٰ اونٹ۔ اہل لغت کہتے ہیں "اھدیتُ لہ و اھدیت الیہ" میں نے اس کی طرف قربانی کا جانور بھیجا یہ بہ تشدید الیاء بھی ہے۔ اس وقت ہدیۃ کی جمع ہوگی۔

"مَعْكُوْفًا" (روکی ہوئی) یہ الھدی سے حال ہے بمعنے محبوسًا کہا جاتا ہے "عکفتہ عن کذا" اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو روکا جائے اسی سے ہے "العاکف فی المسجد" اس لیے کہ وہ خود کو باہر جانے سے روک لیتا ہے "اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ" (یہ کہ وہ اپنی جگہ پر پہنچتی) یہ الھدی سے بدل الاشتمال ہے یا منصوب ہے بنزع الخافض کہ دراصل "معکوفًا ای محبوسًا من ان یبلغ محلہ" تھا یعنی قید کی گئی اس سے کہ وہ اپنی جگہ پر پہنچتی جس میں اسے ذبح کرنا واجب تھا۔

حل لغات: المحل اسم ہے اس مکان کا جس میں قربانی ذبح کی جاتی ہے وہ الحلول سے ہے نہ کہ الحل سے جو کہ اکرمنہ کی نقیض ہے۔ المفردات میں ہے "حل الدین حلولًا" یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس قرض کی ادائیگی کا وقت آجائے وحللت بمعنے نزلت یہ بوجھ اتارنے کے وقت بولتے ہیں المحلہ بمعنے مکان النزول (اترنے کی جگہ)۔

مسئلہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے اس مسئلہ کا استدلال کیا ہے کہ محصر کہ قربانی کا محل حرم شریف ہے کیونکہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں ہے۔

فائدہ : بحر العلوم میں ہے حدیبیہ مکہ شریف حرم کی جانب سے نو میل ہے ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے حل میں اور آپ کا مصلی حرم شریف میں تھا وہیں پر آپ کی قربانیاں ذبح کی گئیں اور وہ ستر اونٹ تھے ۔

فائدہ : یہاں روکنے کی جگہ سے منیٰ کی وہ مقرر کردہ جگہ ہے جہاں قربانیاں ذبح کی جاتی ہیں یعنے حجاج کے لئے منیٰ اور عمرہ والے کے لئے صفا ۔

مسئلہ : امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک احکار کی دم کے لئے حرم کی کوئی خصوصیت نہیں جائز ہے کہ اسے وہاں ذبح کر دے جہاں اسے روکا گیا ہے ۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی سزا کے استحقاق تین وجوہ سے بیان فرمایا ہے :۔

(۱) کفر جو ان کے نفوس میں رچ چکا تھا ۔

(۲) اہل ایمان کو عمرہ کے اتمام سے روکنا ۔

(۳) قربانی کو اپنی جگہ پر پہنچنے نہ دینا ۔

انہی افعال قبیحہ کی وجہ سے وہ اس سے مستحق ہوئے کہ ان سے جنگ کی جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض مکہ مکرمہ میں کمزور مسلمانوں کی وجہ سے کافروں اور مسلمانوں میں سے ایک دوسرے کو لڑنے سے روک لیا تاکہ وہ یہاں سے نکل جائیں یا مسلمان مکہ مکرمہ میں داخل ہوں تو ان کمزور مسلمانوں کو کسی قسم کا ایذاء نہ ہو جیسا کہ فرمایا " وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ " (اگر نہ ہوتے مرد عورتیں اہل ایمان میں سے کہ جنہیں تم نہیں جانتے) یعنی تم سے جان پہچان نہیں رکھتے کیونکہ وہ کافروں کے ساتھ مل کر رہتے ہیں" لم تعلموھم " رجال و نساء کی صفت ہے ۔ اور ان سے وہی مرد عورتیں مراد ہیں جو مکہ معظمہ میں تھے وہ بہتر [۷۲] نفوس تھے جنہوں نے ایمان دل میں چھپا رکھا تھا ۔

" اَنْ تَطَئُوْهُمْ " (یہ کہ تم انہیں روند ڈالو) ان تطئوھم " ہم " کی ضمیر سے یا ان تطئوھم کی ضمیر منسوب سے بدل الاشتمال ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ان پر واقع ہو کر انہیں ہلاک کر ڈالو اس لیے کہ کسی پاؤں میں روندنا ۔ ہلاک کرنے کو مستلزم ہے اسی سے ہے قول نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) " اللّٰھم اشدد وطاءتک علی مضر " اے اللہ اپنی ہلاکت کر مضر پر سخت کرے

یعنی انہیں سخت تباہ کردے۔

المفردات میں ہے کہ یا اس کا معنیٰ یہ ہے انہیں ذلیل وخوار کردے۔ الوطئی بمعنے الجماع تو گویا صراحتہً اسی معنی میں معروف ہوچکا ہے۔ "فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ" تو تمہیں ان کی جانب سے پہنچے اس کا عطف ان تطئوھم پر ہے "مَعَرَّةٌ" ناگواری۔

حل لغات: معرۃ بروزن مفعلۃ عرہ سے ہے بمعنے "اعراہ" یعنے اسے عارض ہوتی ہے وہ شے جو اسے کراہت اور مشقت میں ڈالتی ہے۔

المفردات میں ہے العر کھجلی جو بدن پر عارض ہوتی ہے اسی لیے کبھی المضرۃ کو معرۃ کہہ دیا جاتا ہے اس معرۃ یعنی کھجلی سے تشبیہ دے کر جو جسم کو عارض ہوکر دکھ اور تکلیف پہنچاتی ہے یہاں وہ مشقت اور مکروہ (ناگوار) مراد ہے جو از قسم دیت واجب تھیں یا کفارہ بوجہ ان کے قتل کرنے سے کفارہ اور ان پر افسوس کھانا اور کافروں کا عار دلانا اور ان کی بری حالت اور ان کی کوتاہی میں بحث کرنے کی کوتاہی کے گناہ سے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ (اوپر مذکورہ بالا اشعار زمخشری کے ہیں کہ یہ سراسر حقیقت کے خلاف ہیں کیونکہ) مذہب حنفی ایسے کافروں کے قتل کرنے میں نہ دیت ہے نہ کفارہ زمخشری نے مذہب حنفی کے خلاف کیا ہے (یا حنفیت کو بدنام کرنے کے خیال سے کیونکہ وہ متعصب معتزلی تھا لیکن دیوبندیوں کی طرح حنفیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔)

فائدہ: بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دار الحرب میں اس مومن کے قتل کرنے پر کفارہ واجب فرمایا ہے جس کے ایمان کی قاتل کو خبر نہ تھی چنانچہ فرمایا "فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ" (اگر تمہارا دشمن قوم سے ہو جسے تم نے قتل کر ڈالا، وہ مومن تھا تو ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے) "بِغَيْرِ عِلْمٍ" بے خبری سے یہ ان تطئوھم کے متعلق ہے یعنی تم ان سے بے خبری میں انہیں قتل کر ڈالا اس وقت پھر تمہیں ناگواری ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان سے ہاتھ روک لیے۔

فائدہ: ایسے حذف میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کفار مکہ پر سخت غضب تھا گویا یوں کہا گیا کہ اگر اہل ایمان کا حق نہ ہوتا تو کفار مکہ سے وہ ہوتا جو بیان سے باہر ہے لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حذف تعمیم و اضافہ کے طور ہے "لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ" تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے یہ اس کے متعلق ہے جس پر اس کا جواب دلالت کرتا ہے گویا اس کے بعد کہا گیا ہے۔ لکن کففنا

عنہم الخ لیکن اسے ان سے روک لی تاکہ اس رکاوٹ سے (جو انہیں بلا خطر فتح مکہ تک پہنچانے والی ہے) اپنی رحمت واسعہ میں داخل کرے "مَنْ يَّشَآءُ" جسے چاہے اس سے اہل ایمان مراد ہیں اس لیے کہ وہ رحمت دنیویہ سے خارج تھے منجملہ ان کے امن ہے کیونکہ وہ کمزور اور کافروں کے ماتحت تھے اور رحمت اخروی سے اگرچہ بالکل محروم نہ تھے لیکن مراسم عبادت کی ادائیگی سے قاصر ضرور تھے پھر انہیں اس کی مکمل ادائیگی کی توفیق بخشنا گویا اپنی رحمت اخروی میں انہیں داخل کرنا ہے۔

"لَوْ تَزَيَّلُوْا" (اگر جدا ہوتے) یہ ضمیر دونوں فریقوں کے لئے ہے یعنی اگر یہ یا متفرق یا ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے "لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا" تو ہم کافروں کو دردناک عذاب دیتے کہ ان کے جنگیوں کو قتل کر دیتے اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیتے۔

فائدہ: یہ جملہ مستانفہ اور اپنے ماقبل کے لئے مقررہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں دو اشارے ہیں:۔

(۱) نفس کی خاصیت ہے کہ وہ طالب مولیٰ کو اللہ تعالیٰ سے روکے اور ان خیرات وصدقات میں ریاؤ سمعۃ وعجب کی ملاوٹ ڈالے جو قرب الٰہی کا سبب بنتے ہیں تاکہ بندہ محل صدق واخلاق قبول تک نہ پہنچ سکے۔

(۲) نفوس کی بقاء ارواح اور ان کے قویٰ کو خالص کرنے کے لئے ہے کیونکہ نفوس کے بعض صفات فیض الٰہی کے قابل ہیں اسی لیے نفوس کے صفات کو بالکلیہ مٹانا اچھا نہیں تاکہ فیض الٰہی کے قابل صفات ضائع نہ ہو جائیں وہ صفات تزکیہ سے فیض الٰہی کے قابل بنتے ہیں البتہ وہ صفات جنہیں بڑ سے اکھاڑنا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔ کبر، حرص وہوا اور حسد اور کینہ بعض صفات شر سے تبدیل ہو کر خیر کا رنگ اختیار کر سکتی ہیں جیسے بخل سخاوت سے اور حرص قناعت اور غضب حلم سے اور بزدلی شجاعت اور شہوت محبت سے۔

فائدہ: حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا دیکھ اللہ تعالیٰ کی اہل ایمان پر کتنی شفقت ورحمت ہے لیکن اس سے وہ اہل ایمان مراد ہیں جو حقوق الٰہی کی دل سے (دکھ اور سکھ میں) نگرانی کرتے ہیں اور اس کی بلاؤ مصیبت پر راضی رہتے ہیں پھر دیکھ وہ کیسے خطرات سے نگہداشت فرماتا ہے اور پوشیدہ طور سے صدمات شر سے کس طرح بچاتا ہے اور کیسے اسے اپنی پناہ میں لیتا ہے یہاں تک کہ اس پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی اور کیسے غیروں کو محروم کر کے اسے ہی برکات وخیرات سے نوازتا ہے۔

سبق: اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر لحظہ بندگان الٰہی کی رعایت کریں اور انہیں بارگاہ حق میں وسیلہ بنائیں وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے مخفی وسیلے ہیں ؎

بخود سر فرو بردہ ہمچوں صدف
نہ مانند دریا بر آوردہ کف

ترجمہ۔ صدف کی طرح سر جھکائے رہتے ہیں۔ دریا کی طرح جوش مارنے والے نہیں۔

تفسیر عالمانہ: "اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" (جب کیا کافروں کے) اذ اذکر سے منصوب علی المفعولیۃ ہے یعنی وہ وقت یاد کیجیے جب کیا کافروں یعنی اہل مکہ کے "فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْحَمِیَّۃَ" دلوں میں تکبر و نفرت۔

حل لغات: حمیۃ بروزن فعیلۃ حمی کذا حمیۃ سے جب کوئی کسی سے نفرت و کراہت کرے۔ المفردات میں ہے کہ یہ قوت غضبیہ سے کنایہ ہے جب وہ جوش کرے اور زیادہ ہو ساتھ تکبر و کراہت کے کہا جاتا ہے حمیت علی فلاں۔ میں نے فلاں پر غصہ و غضب کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غضب و غصہ کے وقت انسان کے دل کا خون کھولنے لگ جاتا ہے اور اس میں حرارت اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ جار مجرور یا تو جعل کے متعلق ہے اس وقت یہ القاء کے معنیٰ میں ہوگا یا محذوف کے متعلق ہے اور وہ جعل کا مفعول ثانی ہے اس وقت جعل بمعنے تعبیر ہوگا یعنے انہوں نے اس حمیت (تکبر و نفرت) کو اپنے دلوں میں راسخ و ثابت کیا "حَمِیَّۃَ الْجَاہِلِیَّۃِ (جاہلیت و الاجوش) یہ الحمیۃ سے بدل ہے یعنے وہ جو جاہلیت کی ملت میں انہیں پایا جاتا تھا ملت جاہلیت کا وہ دور ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مبارکہ نہیں ہوئی تھی یا وہ حمیت جو جاہلیت کی طبیعت سے پیدا ہونے والی ہے جو اذعان حق سے روکتی ہے۔

فائدہ: امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان جاہلوں کی حمیۃ یہ تھی کہ وہ رسالت کے اقرار سے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پڑھنے سے انہیں روکتی تھی یا اس سے اہل ایمان کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روکنا مراد ہے اور حضرت مقاتل نے فرمایا اہل مکہ کہتے تھے کہ اہل ایمان نے ہمارے آباؤ ابناء اور بھائیوں کو قتل کیا اب ہم انہیں مکہ معظمہ میں کیسے داخل ہونے دیں بلکہ یہ عرب کہتے کہ وہ اگر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو ہم پر حیف ہے، لات و عزیٰ کی قسم ہے وہ مکہ معظمہ میں زندگی بھر داخل نہیں ہو سکیں گے۔ یہ حمیت جاہلیت تھی کہ ان کے دلوں میں گھس گئی تھی "فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ" تو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان پر سکینہ نازل فرمائی۔ اس کا عطف جعل پر

ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واہل ایمان کی وہ نکوکاری جس کی انہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور کافروں کا وہ برا عمل جو کفار سے سرزد ہوا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر ثبات و وقار اُتارا تو انہیں وہ لاحق نہ ہوا جو کفار کو لاحق ہوا اسی لیے انہوں نے ان سے صلح کرلی اور اس پر راضی ہوئے کہ جو کچھ چاہیں لکھوالیں ۔

فائدہ : مروی ہے کہ جب سہیل نے بسم اللہ اور حضور علیہ السلام کے رسول اللہ لکھنے پر انکار کرکے کہا کہ لکھو" باسمک اللھم" اور " ھذا ما صالح علیہ محمد بن عبد اللہ" تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرمایا جو کچھ یہ کہتے ہیں اسی طرح لکھو آپ نے سمجھا کہ مسلمان کافروں کی لکھائی پر راضی نہ ہوں گے بلکہ جوش میں آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ اُتاری جس سے وہ وقار و حوصلہ میں آگئے ورنہ جس طرح کہ صلح لکھی گئی اس کے حق میں وہ نہ تھے جیسی سورۃ کے ابتدا میں تفصیل گذری ہے ۔

" وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى" اور اللہ تعالیٰ نے انہیں لازم کیا کلمہ تقویٰ یعنی کلمۂ شہادت یہانتک کہ وہ منہ سے کہا یہ الزام از لطف وکرم ہے نہ اکراہ واجبار کا اور کلمۂ تقویٰ کی طرف اس لیے مضاف ہے کہ وہ (کلمہ) اس (تقویٰ) کا سبب ہے کیونکہ اس کلمہ کی وجہ سے بندہ شرک اور نار سے بچتا ہے اصل تقویٰ کا القاء ہے بمعنے بچنا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو قرآن میں متعدد مقامات پر متقین سے موصوف فرمایا ہے تو اسی کلمہ کی وجہ سے ۔

فائدہ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمد رسول اللہ اسی امت کے شعار وخواص سے ہے خود اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لئے پسند فرمایا ہے اور مشرکین اس سے محروم ہیں ۔ اسی لیے وہ صلحنامہ میں ان دونوں کلمات کے لکھوانے سے انکار کردیا ۔

فائدہ : حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا کلمہ تقویٰ سے وفاء بالعہد مراد ہے اس لیے کہ اہل ایمان نے اسے پورا کیا اور مشرکین نے توڑ دیا بلکہ الٹا حلیف المومنین سے جنگ کردی اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر کلمۂ تقویٰ لازم کیا کہ انہوں نے اس عہد کو پورا کیا جو صلحنامہ کے ضمن میں تھا اور التزام کا معنی ہے انہیں اس کلمۂ تقویٰ اور صلح پر ثابت قدم رکھا ۔

فائدہ : اہل عربیہ نے فرمایا کبھی کلمہ ایک لفظ پر بول کر اس سے وہ کلام کثیر مراد لیا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے مرتبط ہو تو وہ کلمہ ایک لفظ کی طرح ہوگیا ایسے ہی کامل قصیدہ کو کلمہ کہا جاتا ہے اسی محاورہ سے ہے کہ کلمۂ شہادت کو کلمہ کہا گیا ۔

فائدہ : رضی نے کہا کہ مجازاً کلمہ کا استعمال قصیدا اور جملہ پر ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کلمہ شاعر اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اتمت کلمۃ ربلئ صدقا وعدلا "

حل لغات : الکلمہ الکلم سے مشتق ہے بمعنے الجرح (زخم کرنا) اس لیے کہ کلمہ نفوس میں اثر انداز ہوتا ہے ۔

صوفیانہ کلمہ : محققین کے نزدیک ارواح اور وہ ذرات جو مواد و زمان و مکان سے مجرد کلمہ ہے کہ عالم امر میں ان کا وجود کلمہ کن سے ہوا یہ سب بول کر مسبب مراد لینے کے قبیل سے ہے اس پر دلیل ارشاد باری تعالیٰ " انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم " ہے ۔

فائدہ : آیت میں کلمۂ تقوی سے حقیقۃ تقوی اور اس کی ماہیت مراد ہے اس لیے کہ تقوی کی حقیقت یہی ہے کہ یہ لوائق مادیہ اور تشخصات سے مجرد ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر تقوی لازم کیا تاکہ وہ قوت یقین اور تجرد تام اور صفائے فطرت اصلیہ کو حاصل کرسکیں ۔

" وَكَانُوٓا اَحَقَّ بِهَا " (وہی اس کے زیادہ مستحق تھے) اللہ تعالیٰ کے سابق حکم اور علم قدیم میں ان کو اس کا زیادہ استحقاق سے موصوف کیا گیا اس معنی پر افعل کا صیغہ مطلق زیادتی کے لئے ہوگا یا اپنے معنی پر ہے تو معنی ہوگا وہی کفار سے زیادہ اس کے مستحق ہیں ۔

" وَاَهْلَهَا " (اور اس کے اہل) یہ عطف تفسیری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی اس کلمہ کے اہل اور مخصوص ہیں ۔

حل لغات : اہل عرب کہتے ہیں اہل الرجل یعنی وہ جو اس سے مخصوص اور اس کی طرف منسوب ہو ۔

اعجوبہ : بعض نے کہا ہم سے پہلے لوگ دن اور رات میں صرف ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ سکتے تھے اس سے زیادہ کہنے کا انہیں امکان نہ تھا ۔

اعجوبہ : پہلے لوگوں سے جو اس کلمہ کو پڑھتا تو اس سے برکت و فضیلت کے حصول کی غرض سے آواز کھینچتا یہانتک کہ سانس ختم ہوجاتی ۔

امت مصطفویہ کے نصیب : لیکن امت مصطفویہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کی خوش بختی ہے کہ یہ کلمہ (لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ) جتنا چاہیں جب چاہیں بلا حساب اور بلا روک ٹوک (وقت کی پابندی کے بغیر) پڑھ سکتے ہیں ۔

تین ایسے امور ہیں جن کے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس تک پہنچنے کا کوئی حجاب اور روک نہیں:۔

فائدہ: (۱) مومن کے قلب سے نکلا ہوا کلمہ لا الٰہ الا اللہ۔

(۲) والدین کی دعاء

(۳) مظلوم کی دعاء (کشف الاسرار) مثنوی شریف میں ہے ؎

بحر وحدانست جفت وزوج نیست
گوھر و ماہیش غیر موج نیست
اے محال و اے محال اشراک او
دور از اں دریا و موج پاک او

ترجمہ۔ وہ بحر وحدۃ جس کا کوئی ثانی نہیں اس کے گوہر و ماہی کے سوا اور کوئی موج نہیں محال اور محال اس کا شریک بنانا شرک سے وہ دریا اور اس کی موج پاک ہے۔

" وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا " اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جانتا ہے یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اس کا علم ہر شے کو محیط ہو اسی لیے ہر شے کی اس کے لائق جانے اور اسے اس کے حق کی طرف پہچانے اور یہ اس کے معلومات میں سے ہے کہ یہ کلمہ تمام امتوں میں سے اسے نصیب ہوگا جو اس کا مستحق ہے۔

حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف: روح البیان ص۵۱ ج۹ میں ہے کہ

لان النبی علیہ السلام کان خلاصۃ الموجودات واصلھا وھو الحبیب الذی خلقت الموجودات بتبعیتہ والکلمۃ ھی صورۃ حبیبہ وامتہ احق بھا من الامم لانھم المحبون لتوصل المحب بالمحبوب وھم اھلھا لان اہل ھذہ الکلمۃ من یفنی بذاتہ وصفاتہ ویبقی باثباتھا معھا بلا انانیۃ فقولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔

کیونکہ نبی علیہ السلام خلاصۂ کائنات اور اس کی اصل ہیں وہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جس کے طفیل میں تمام موجودات پیدا ہوئے اور کلمہ نبی حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی صورت ہے وہی بہ نسبت دوسری امتوں کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تاکہ محب کو محبوب سے ملایا جائے اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اس کلمہ والے اس کی ذات وصفات میں فنا ہیں اور اس کے باقی رکھنے میں باقی ہیں بغیر انانیت کے انہیں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کنتم خیر امۃ الخ

" وکان اللہ بکل شیء علیما " اور ہے اللہ تعالیٰ ہر شے کو ازل میں خوب جاننے والا۔ اسی

لیے ہر انسان کے وجود کی بنا اس طرح ہے جس کا وہ مستحق تھا۔ بعض ان میں اہل دنیا ہیں اور بعض اہل آخرت ہیں بعض اہل اللہ اور اس کے مخصوص بندے یعنی اولیاء اللہ (التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ: ابو عثمان رحمہ اللہ نے فرمایا کلمۂ تقویٰ سے کلمۃ المتقین مراد ہے اور وہ لا الہ الا اللہ (کی شہادت) ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء المومنین کے سعادتمند لوگوں کو لازم فرمایا ہے اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اللہ تعالیٰ کے علم میں کیونکہ اس نے انہیں اس کے لئے پیدا کیا اور جنت اس کلمہ کے مستحقین کے لئے پیدا فرمائی۔

فائدہ: واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ بمعنی "نفس کو طمع والی اشیاء سے ظاہراً و باطناً بچانا۔

فائدہ: حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ جسے ازل میں عنایت السبق نے پایا تو اس پر عیون المواصلہ جاری ہوئے اور وہی کرامت ازل سے اس کا زیادہ حقدار ہے جس کی طرف اس نے سبقت کی

نکتہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فعل کا اسناد کفار کی جانب سے خود ان کی طرف فرمایا کما قال "اذ جعل الذین کفروا" اور اہل ایمان کی جانب سے اپنی طرف فعل کا اسناد فرمایا کما قال "فانزل اللہ سکینۃ" اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا آقا ہے اور کافروں کا کوئی آقا نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی ہے جو ان کے امور کی کوئی تدبیر کرے اور اہل ایمان وہ ہیں جن کا مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے اور وہی خود ان کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حمیۃ جاہلیت نفس میں ہوتی ہے اس لیے کہ وہی اخلاق مذمومہ کا مرکز ہے اور سکینہ و وقار اور ثبات و طمانیت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔

نکتہ: "انزل اللہ" میں فاء سے داخ ہیں اس میں اشارہ ہے کہ تیری نکریم اس لیے ہے کہ تو نے ان کے احکام کی نکریم کی یہ گویا اس کی جزا ہے اس میں تنبیہ ہے کہ جب کوئی قوم سرکشی اور ظلم کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ مظلوموں سے احسان اور اس کی مدد فرماتا ہے کہ انہیں سکینہ و وقار اور کمال یقین سے نوازتا ہے۔ انہیں ظالمین کے جتانے اور ان کے کینے اور اضطراب کا بدلہ عین النعیم کی صورت میں نصیب ہوتا ہے اور ظالمین کو دردناک عذاب نصیب ہوگا اور یہ عذاب انہوں نے اپنے لئے خود اختیار کیا۔ یعنی نہ مظلوموں پر ظلم کرتے اور نہ وہ اس عذاب میں مبتلا ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے دائمی نعمتیں منتخب فرمائیں

فائدہ: کلمۂ تقویٰ سے ہر وہ کلمہ مراد ہے جو نفس کو ضرر رساں امور سے بچائے جیسے اذکار یعنی توحید درد

اسماءِ الٰہیہ (یہ وہ مقدس (کلمہ) ہیں جن سے نفس کے ضرر رساں امور سے بچاتے ہیں۔

حدیث شریف: میں وارد ہے کہ جس نے کلماتِ الٰہیہ کا ورد کیا وہ بہشت میں داخل ہوگا اور ان سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ذکر وہ ہے جسے میں کہتا ہوں اور جو مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کہہ گئے یعنی شہادت "ان لا اِلٰہ الا اللہ"

فائدہ صوفیانہ: اس سے زیادہ حقدار اور اس کے اہل یہی ہیں اس میں اسمائے الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ انہیں سکھائے جائیں یا ان کو ان کی تلقین کی جائے جو ان کے اہل ہیں کہ جن میں ان کی استعداد اور ان کا استحقاق ہے اور ان میں امانت و دیانت و صلاحیت کا مادہ ہے۔

حق گوئی (حکایت): حجاج ظالم کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ لائے گئے تو کہا آپ وہی ہیں جو مجھے گالی دیتے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں اس لیے کہ تو ظالم ہے اور تو نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے۔ حجاج نے کہا آپ کا کیا جواب ہے کہ اگر میں آپ کو بری حالت میں قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ یہ کام تیرے اختیار میں ہے تو میں تجھے معبود سمجھتا اور تیری عبادت کرتا لیکن میرا یقین اور عقیدہ ہے کہ تو اس پر بالکل قدرت نہیں رکھتا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک ایسی دعا سکھائی ہے کہ جو بھی اسے پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوگا اور وہ دعاء میں نے صبح سے پڑھ لی ہے۔ حجاج نے کہا کیا آپ وہ مجھے نہیں سکھاتے۔ آپ نے فرمایا نہ تجھے سکھاتا ہوں اور نہ ہی تیری زندگی تک کسی کو سکھاؤں گا تاکہ وہ دُعاء تم کو معلوم نہ ہو جائے یہ کہہ کر حضرت انس باہر نکل آئے [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت: حجاج کو کسی نے کہا کہ تو نے انہیں قتل کیوں نہ کیا، کہا میرا

---

[1] وہ دعاء یہ ہے "بسم اللہ خیر الاسماء بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض ولا فی السماء (وھو السمیع العلیم) اسی روح البیان کے پارہ ۲۵ میں اس کا ذکر گذر چکا ہے ۱۲ (اویسی غفرلہ)۔

ارادہ تو تھا لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے دو بڑے شیر کھڑے تھے میں ان سے ڈر گیا۔

خیانتی شاگرد: ایک عالم دین کسی بزرگ کے پاس اسم اعظم سیکھنے گئے۔ بزرگ نے فرمایا یہ ڈھکی ہوئی شے ہے میرے فلاں مرید کو دے آیئے (پھر دیکھی جائے گی) وہ شے لے کر مولوی صاحب لے کر چلے خیال آیا دیکھوں تو سہی یہ ہے کیا جو اس بڑے بزرگ نے اپنے مرید کو بھیجی۔ ڈھکنا کھولا تو اس سے چوہا نکلا۔ غصے سے واپس آ گیا۔ بزرگ نے دور سے فرمایا "یا خائن لان لم تکن امینا لفارۃ فکیف تکون امینا للاسم الاعظم" اے خیانتی جب تو ایک چوہے کی امانت کو پورا نہ کر سکا تو اسم اعظم کی امانت تو کیسے محفوظ رکھ سکے گا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے لئے دور و قریب کا کوئی فرق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے لئے درمیان میں کوئی پردے ہوتے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں دور و نزدیک کی ہر شے کو دیکھ سکتے ہیں[1]

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اولیائے کبار اسماء و ادعیہ کی احتیاط رکھتے ہیں کہ وہ نا اہل کو نہیں سکھاتے تاکہ وہ نا اہل انہیں اغراض فاسدہ نفسانیہ کا ذریعہ نہ بنا لیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

کسی را با خواجۂ تست جنگ
بدستش حرام ے دہی چوب و سنگ
سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
بفرما تا استخوانش نہند

ترجمہ۔ جسے تیرے آقا سے جنگ ہے اس کے ہاتھ میں لکڑی اور پتھر دینا حرام ہے، ایسے کو پتھر کو بلکہ اس کے دستر خوان پر بجائے خوراک کے ہڈیاں رکھنی چاہئیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چند دزدی حرف مردان خدا
تا فروشی دستانی مرحبا

---

[1] شمائم امدادیہ (ملفوظات حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ) اضافہ اویسی غفرلہ۔

چوں رغبت را نیست در غولی امید

خواہ گلگونہ نہ و خواہی مدید

ترجمہ ۔ کتنی مدت تک، مردان خدا کے حروف قدسیہ چوری کرکے بیچے گا اور واہ واہ چاہے گا ۔ جب ایسے سامان میں خوبی کی کوئی امید نہیں اس کے لئے تھوڑی امید ہو یا زائد (کوئی فرق نہیں پڑتا صرف تیرا اپنا انجام برباد ہوگا) ۔

فائدہ از اویسی غفرلہ : اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو عوام کو بزرگوں کے وظائف بنا کر یا ان کے بتائے ہوئے عملیات لکھ کر دنیا کماتے ہیں ایسے ہی وہ واعظ اور مفتی و عالم جو دنیا کمینی کے لالچ میں وعظ و فتوی اور مسئلہ بیچتا ہے ایسے ہی وہ رسمی پیر جو عوام کو مقدس سلسلہ کی آڑ میں لوٹتا ہے ۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ؕ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ع

ترجمہ : بیشک اللہ نے سچ کر دیا اپنے رسول کا سچا خواب، بیشک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن و اماں سے اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے بے خوف تو اس نے جانا جو تمہیں معلوم نہیں تو اس سے پہلے ایک نزدیک آنے والی فتح رکھی، وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ، محمد

اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

تفسیر عالمانہ: "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا (بیشک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کا خواب سچا کر دکھلایا)۔

حل لغات: صدق دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے لیکن اول کی طرف بنفسہ دوسرے کی طرف بحرف جر مثلاً کہا جاتا ہے "صدقك فی کذا" یعنی اس نے اس بارہ میں تجھے نہیں جھٹلایا اور اس میں کبھی حرف حذف کر دیتے ہیں جیسے آیت ہذا میں کہ رسولہ مفعول اول ہے اور الرؤیا ثانی ہے کہ دراصل فی الرؤیا تھا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب کے بارہ میں سچا کر دکھلایا اس سے وہی خواب مراد ہے جس کا ذکر سورۃ کے اول میں ہو چکا ہے (مختصراً مندرجہ ذیل ہے)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب اور شان نزول: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کو تشریف لے جانے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپ مع صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مکہ معظمہ میں با امن و امان تشریف لے گئے ہیں پھر بعض نے حلق کرایا اور بعض نے قصر۔ آپ نے صحابہ کرام کو یہ واقعہ سنایا تو صحابہ کرام خوش ہوئے اور اس خیال میں تھے کہ وہ عنقریب (اسی سال) مکہ معظمہ کو جائیں گے لیکن اسی سال تو وہ نہ جا سکے تو منافقین بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے تو نہ حلق کرائے نہ قصر (گویا صحابہ کرام سے مذاق و ٹھٹھا کرتے تھے)۔ اور نہ ہی ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نہ اسے دیکھا ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: نص قطعی سے ثابت ہوا کہ خواب حق ہے یہ کوئی باطل (خیالی بات) نہیں جیسے بعض متکلمین اور معتزلہ کا خیال ہے انہیں خدا غارت کرے (بحر العلوم)۔

فائدہ: اگر خواب حدیث نفس سے خالی ہو اور دماغ کی ہیئت بھی صحیح اور مزاج تنعیم ہو تو وہ خواب منجانب اللہ ہوتا ہے جیسے انبیاء و اولیاء و صلحاء کے خواب۔

حدیث شریف: ہیں ہے سالح خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے "بِالْحَقِّ" وہ صدق جو غرض صحیح اور اس حکمت بالغہ کے ساتھ متلبس ہے جو راسخ فی الایمان اور متزلزل کے درمیان امتیاز کرتی ہے یا حال اس خواب کا یہ ہے کہ وہ حق سے متلبس ہے وہ از قبیل اضغاث احلام (ضعیف خیالات) نہیں اس لیے کہ جو بھی دیکھا گیا وہ ضرور ہو کر رہے گا لیکن اس کا ایک وقت مقدر ہے اور وہ ہے آئندہ سال۔

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ یہ قسم ہو حق کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم ہے اس سے باطل کی نقیض بھی مراد ہو سکتی ہے۔ "اِنْ شَاءَ اللّٰهُ" اگر اللہ نے چاہا۔

نکتہ: مدت حاضریٔ مکہ کو مشیت ایزدی سے متعلق کرنے میں امت کو تعلیم ہے تاکہ وہ بھی اپنے امور میں اسی طرح کہا کریں نہ یہ کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اس معاملہ میں شک ہے وہ ایسے شکوک سے منزہ القدس ہے، یہ ثعلب کی تقریر ہے جو کہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کا استثناء کرنا اپنے لیے نہیں بلکہ بندوں کو سبق ہے کہ وہ اسی طرح کہا کریں۔

فائدہ: نیز اس میں تعریض ہے کہ اہل اسلام کا مکہ معظمہ میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے نہ کہ اپنی قوت و طاقت سے (الکواشی) اسی لیے استثناء فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ہر فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

فائدہ: استثناء اس لیے کہ بعض نے بوجہ موت یا بوجہ غائب ہونے وغیرہ وغیرہ کے داخل نہیں تو ان کا لفظ تشکیک کے لئے ہے نہ کہ شک کے لئے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ یہ استثناء تبرک کے طور ہے نہ کہ شک ہے بلکہ تحقیق ہے جیسے کہا جاتا ہے غفر اللہ لک (انشاء اللہ) تجھے اللہ بخشے گا (انشاء اللہ) یہاں پر استثناء تبرک کے طور ہے نہ کہ شک کے لئے ورنہ جس کا ایمان صحیح ہے وہ کب ایسے استثناء کر سکتا ہے جو کہ ایک محال امر ہے۔[1]

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب گورستان سے گذرتے تو کہتے:۔ "السلام علیکم اھل القبور و انا انشاء اللہ بکم لاحقون" اے

---

[1] عین المعانی ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

اہل قبور السلام علیکم ہم انشاء اللہ عنقریب تمہیں ملنے والے ہیں۔

یہاں بھی استثناء تبرک کے طور ہے کیونکہ اہل قبور کا لحوق تو یقینی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ استثنا ایمان سے لاحق ہونا مراد ہے کہ انشاء اللہ تمہیں بحالت ایمان ملیں گے۔ اس تقریر پر آن شرطیہ ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعلیق اللحوق بالمشیت کی بناء لحوق بالمخاطبین سے بالخصوص مراد ہے کیونکہ ممکن ہے کہ متکلم ان مخاطبین (مُردوں) سے لاحق نہ ہو بلکہ کہیں اور جگہ پر فوت ہو تو وہیں پر مدفون ہو کر ان سے لاحق نہ ہوگا، علاوہ ازیں یہ استثناء بھی بوجہ امن کے ہے نہ کہ دخول سے کیونکہ دخول تو یقینی تھا یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ داخلہ امن سے ہوگا یا نہ۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اِنْ بمعنے اِذ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا "ان اردن تحصنا" ابن عطیہ نے کہا کہ موقع محل کے لحاظ سے یہی معنیٰ صحیح ہے لیکن اِنْ بمعنے اِذ کلام عرب میں کہیں نہیں ملتا۔

فائدہ: اس میں ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ یہ استثناء حکایۃً ہو کر خواب کے فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کہا تو حضور علیہ السلام نے اس کو ویسے کہا جیسے فرشتے نے خواب میں کہا تھا اس تقریر پر لتدخلن الخ رؤیا کی تفسیر ہے گویا وہ فرشتے کا قول ہے جو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عرض کیا کہ "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" فرشتے کا یہ استثناء تبرک کے طور ہے تو کوئی اشکال نہیں یا حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے یہ قول سنا یا تبرک کے طور استثناء بھی فرما دیا۔

اور انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے تو اسی لیے لتدخلن الخ بھی وحی ہے یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو پھر نیا جملہ شروع فرمایا تو استثناء کر کے فرمایا لتدخلن المسجد الحرام الخ "اٰمِنِیْنَ" دشمنوں سے امن والے ہو کر یہ لتدخلن کے فاعل سے حال ہے اور شرط جملہ معترضہ ہے ایسے قول تعالیٰ "مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ" درانحالیکہ تم اپنے سروں کے تمام بال منڈانے والے ہو۔

حل لغات: التحلیق والتحلاق بمعنے سر کے بال بہت زیادہ مونڈنا (تاج المصادر) الحلق ایک عضو مخصوص کا نام بھی ہے وحلقہ بمعنے قطع حلقمہ یعنی اس کا حلقوم کاٹا اب بال مونڈنے سے مخصوص ہے جیسے کہا جاتا ہے "حلق شعرہ وحلق راسہ" یعنی سر سے بال ہٹائے[1]

---

[1] اور خوارج کی خصوصی علامت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "سیماھم التحلیق" (سر مونڈنا ان کی علامت ہے) تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "وہابی دیوبندی کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی"

"وَمُقَصِّرِينَ" اور اپنے بعض بال کاٹنے والا "القصر" طول کا خلاف۔ "وقص شعرہ بعض" اس نے اپنے بال کا حصہ کاٹا خلاصہ یہ کہ ان کے بعض سر منڈوائیں گے اور بعض قصر کریں گے ورنہ ایک ہی شخص میں حلق و قصر کیسے جمع ہو سکیں گے۔ قرآنی ترتیب نسبت حال البعض الی لکل کے قبیل سے ہے یعنی واو اجتماع الامرین لذہن سے ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ ان کا اجتماع مجموعہ قول میں ہے۔

فائدہ: محلقین و مقصرین احوال مقررہ ہیں اس تقریر سے حال الدخول وہی حال الاحرام کا سوال پیدا نہ ہوگا اور نہ ہی اس طریق سے حلق و تقصیر ایک ہی فرد میں اجتماع کا التزام آئے گا۔

مسئلہ: حلق کو تقصیر پر اس لیے مقدم فرمایا کہ حلق تقصیر سے افضل ہے۔ التقصیر بمعنے بالوں کا کچھ حصہ کاٹنا۔

حدیث شریف اور ثبوت تبرک: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منی شریف میں سر مبارک کا حلق کرایا اور سر مبارک کے ایک طرف کے بال مبارک حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے[1] (حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے زوج مکرم تھے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ مکرمہ تھیں۔)

تبرکات کی تقسیم: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والے احباب کو انہی بال مبارک سے ہدیہ دیتے تھے[2]۔ (بال مبارک جو مختلف شہروں میں زیارت کے لئے مشہور و معروف ہیں یہ وہی ہدایا ہیں ان پر طعن و تشنیع وہابیوں دیوبندیوں کو نصیب ہے۔)

فائدہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف چار بار بال حلق فرمائے اور یہ عادت جو عام مردوں میں سر منڈانے کا طریقہ مروج ہے وہ اس حدیث شریف کے ماتحت ہے کہ لتحت کل شعرۃ نجاسۃ فخللوا وانقوا البشرۃ نیچے ہر بال کے نجاست ہے تو بالوں کا خلال کیا کرو اور جسم کو صاف کیا کرو۔

سوال۔ تم نے سر منڈانے کے لئے مردوں کی قید کیوں لگائی؟

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے لئے تبرکات خود تقسیم فرماتے تھے ۱۲۔ اویسی غفرلہ، [2] اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تبرکات کا ہدیہ بھی تھا اور یہی طریقہ اہلسنت کو نصیب ہے ۱۲۔

جواب:۔ مردوں کے خلاف عورتوں کا سر منڈانا مثلہ ہے اور یہ حرام ہے جیسے مردوں کا داڑھی منڈانا مثلہ ہے (لیکن دورِ حاضرہ میں یہ مثلہ (ناک ۔کان کاٹنے کی طرح عام ہے اگر کسی کو کہا جائے تو وہ جانی دشمن بن جائے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے (آمین)

"وَلَا تَخَافُوْنَ" حال مؤکدہ ہے لتن خلن کے فاعل سے یا مستانفہ ہے سوال کا جواب ہے ۔سوال یہ ہے کہ جب مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے تو کیا بنے گا تو جواب دیا کہ اے مسلمانو! تم جب داخل ہو جاؤ گے تو پھر تم کسی سے نہیں ڈرو گے "فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا" اس کا عطف "صدق" پر ہے فاء ترتیب ذکری کے لئے ہے کیونکہ حکم کے لئے تعرض ذکر کے بعد ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم سے مراد علم فعلی ہے جو معطوف علیہ کے بعد امر حادث سے متعلق ہوا ۔اب معنیٰ یہ ہوا کہ رؤیا صادقہ کے دکھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جانا جو تم نہیں جانتے ۔اس حکمت سے جو داعی ہے اس تقدیم کا صدق سے علم فعلی کی گواہی دیتا ہے "فَجَعَلَ" پس کیا اس کی وجہ سے "مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ" تمہارے لیے اس سے پہلے یعنی عمرۂ قضاء کے لئے دخول مسجد حرام سے پہلے مقرر فرمائی "فَتْحًا قَرِيْبًا" فتح قریب ۔اس سے فتح خیبر مراد ہے جس کے لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حدیبیہ سے واپسی کے بعد پندرہ راتوں کے بعد تشریف لے گئے (عین المعانی)

فائدہ: جعل سے مراد اس وعدہ کا ایفاء جو انہیں بغیر پریشانی کے پورا کر دیا گیا تاکہ صدق رؤیا پر دلالت کرے کہ جیسے وعدہ کیا گیا وہ مکمل طور پورا ہو گیا تاکہ اس سے اہل ایمان کے لئے نشانی ہو سکے ۔

تردید قولِ جمہور: جمہور کا قول جس طرف اشارہ کرتا ہے اس سے فاء کا لانا غلط قرار دیتا ہے جبکہ جمہور نے کہا کہ "مالم تعلموا" میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ اگلے سال فتح مکہ ہو گی ۔یہ اس لیے غلط ہے کہ فاء سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو اراءۃ الرؤیا سے قطعی طور پہلے ہے (کذا فی الارشاد) ۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خواب سے اہل ایمان اور منافقین کا امتحان لیا بایں طور کہ وعدہ فرمایا کہ اہل اسلام مسجد حرام میں داخل ہوں گے لیکن تاریخ کا تعین نہ فرمایا تاکہ کافروں کے کفر اور منافقوں کی منافقت اور اہل ایمان کی تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مع الایمان میں اضافہ ہو ۔اسی لیے ہر دونوں پارٹیاں اس خواب کی صداقت کا انتظار کرنے لگیں جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خواب سچا کر دکھلایا تو دلیل سے ہی ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا اور دلیل سے ہی زندہ ہوا جو زندہ ہوا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فعلم مالم تعلموا" الخ یعنی اللہ

تعالیٰ کو علم ہے کہ منافقین کی منافقت کس امر سے بڑھے گی اور اہل ایمان کے ایمان کو کس امر سے تقویت نصیب ہوگی اس لیے اس خواب کی سچائی سے پہلے ایک اور فتح ظاہری و باطنی سے اہل ایمان کو نوازا یعنی خیبر کی فتح سے اسی لیے اہل ایمان پر ضروری ہے کہ وہ صبر کریں اس لیے کہ جملہ امور اپنے اوقات سے مرہون ہیں ؎

(۱) صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

(۲) نیست ہر مطلوب از طالب دریغ
جفت تابش شمس و جفت آب میغ

ترجمہ ۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے لاتعداد کیمیا پیدا فرمائے لیکن آدم علیہ السلام کے صبر جیسا اور کوئی صبر نہ دیکھا ۔

(۲) طالب سے کوئی مطلوب دور نہیں سورج کو روشنی لازم ہے اور بادل کو پانی ۔

فائدہ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی قوم (کفار) کی ایذاؤں سے بہت صبر فرمایا ایسے ہی آپ کے وارثین کاملین (اولیاء) کا حال ہے ۔

حکایت : حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں بہشت میں داخل ہوا اس میں ایک محل دیکھا جس پر بہترین فروش بچھے ہیں اور اس کے دروازے پر پردے لٹکے ہوئے ہیں اور اس پر حسین و جمیل نوجوان بچے نگران کھڑے ہیں میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے جواب ملا یہ حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے ۔ میں نے پوچھا یہ انہیں کس عمل کے بدلے ملا ہے ، جواب ملا یہ انہیں اس تدریس و تعلیم کا صلہ ملا ہے جو وہ لوگوں کو (محض رضائے الٰہی کے پیش نظر) دین سکھاتے تھے اور پھر ان کی ایذاؤں پر صبر فرماتے تھے ۔

فائدہ : صدق اللہ تعالیٰ اور اس کے خواص بندوں (اولیاء) کی صفت ہے اور وہی ہدایت کے اسباب میں سے ہے ۔

حکایت : حضرت ابراہیم رحمہ اللہ کی عادت کریمہ تھی کہ جب سفر کو جاتے کسی کو نہ خبر دیتے اور نہ کسی کو آگاہی ہوتی صرف ایک لوٹا ساتھ لے کر چل پڑتے ۔ حضرت حامد الاسود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک دن وہ حسب عادت لوٹا لے کر چلے تو میں ان کے پیچھے چل پڑا جو ہم قادسیہ میں پہنچے تو فرمایا حامد کہاں ! میں نے عرض کی حضرت آپ کے پیچھے چلا آیا فرمایا میرا ارادہ ہے مکہ معظمہ جانے کا

(انشاء اللہ) میں نے کہا میں بھی چلوں گا۔ میں آپ کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک دن ایک نوجوان بھی ہمارے
ساتھ ہو لیا لیکن اس نے رات دن میں ایک سجدہ بھی نہ کیا میں نے یہ بات حضرت ابراہیم خواص کو
کہدی آپ نے اس سے فرمایا اے نوجوان تو نماز کیوں نہیں پڑھتا کیا تجھ پر حج فرض ہے مکہ معظمہ
کو کیوں جا رہے ہو کیا تو مسلمان نہیں کہا میں نصرانی ہوں اور نصرانیت سے مجھے توکل کا حکم ہے اور
میں نے توکل پر نفس کو قابو کر لیا ہے لیکن کچھ اس سے مجھے شک گذرا تو اسے اس جنگل میں لے آیا تاکہ اس
کا امتحان لوں کہ یہاں اللہ تعالیٰ معبود کے سوا اور کوئی نہیں اب میں اسے اس امر پر پختہ پاؤں گا تو
واپس چلا جاؤں گا، مجھے فرمایا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو ہمارے ساتھ چلتا ہے تو چلنے دو۔ وہ
ہمارے ساتھ چلتا رہا یہاں تک ہم بطن مرو (مقام کا نام) پر پہنچے، حضرت ابراہیم خواص نے
لوٹا وغیرہ نیچے رکھا اور وضو کر کے بیٹھ گئے اس نوجوان سے نام پوچھا۔ اس نے کہا میرا نام عبدالمسیح
ہے۔ آپ نے اسے فرمایا اے عبدالمسیح! یہ مکہ معظمہ کا حرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر
داخلہ تیرے جیسوں پر حرام فرمایا ہے کما قال " انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد
الحرام بعد عامهم هذا " (بیشک مشرکین نجس (پلید) ہیں فلہذا وہ اس سال کے بعد مسجد
حرام کے قریب نہ آئیں) اب تو اپنے نفس سے مشورہ کر لے کہ کیا اس حرم محترم میں داخلے کے لائق
ہے یا نہ اور ہم حرم میں داخل ہوتے ہیں اگر تو ہمیں کہیں نظر آیا تو ہم برے پیش آئیں گے حضرت حامد الاسود
نے فرمایا اس نوجوان کو ہم وہاں چھوڑ کر چل پڑے اور مکہ معظمہ سے ہوتے ہوئے عرفات میں پہنچے
وہاں دیکھا کہ وہی نوجوان احرام کی حالت میں عرفات میں موجود ہے بلکہ ہماری تلاش میں ہے
یہاں تک کہ تلاش کر کے ہمارے ہاں پہنچ گیا اور پہنچتے ہی حضرت ابراہیم خواص کے سر مبارک کو
چوما آپ نے فرمایا اے عبدالمسیح کیا گذری، عرض کی حضرت اب میں اس کا بندہ ہوں جس کے
مسیح علیہ السلام بندے ہیں (یعنی میں مسلمان ہو گیا ہوں)۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے، کہا میں
اسی اپنی جگہ پر بیٹھا تھا کہ میرے سامنے سے ایک قافلۂ حجاج گذرا، میں نے خود کو ملامت کی
اور نصرانیت کا لباس اتار کر میں نے بھی احرام باندھ لیا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظمہ کے سامنے
حاضر ہوں اس کے بعد مجھے دین اسلام کے سوا تمام ادیان باطل محسوس ہوئے اس لیے فوراً مسلمان
ہو گیا پھر نہا دھو کر احرام باندھا اور پھر آپ کی تلاش میں رہا الحمد للہ آپ کو پا لیا حضرت ابراہیم
خواص نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ دیکھیے نصرانیت میں چونکہ یہ شخص مخلص تھا اس لیے اخلاص
کی برکت سے اسے دولت اسلام نصیب ہوئی۔ پھر وہ ہمارے ساتھ رہا یہاں تک فقرائے مسلمین

میں اس کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

"ھُوَ" وہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک "اَلَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ" وہ جس نے اپنا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جلال صفات، اور علوشان۔ کے باوجود اپنے فضل وکرم سے رسول بھیجا کہ اس جیسا کوئی رسول نہ ہوا جیسا کہ اس کی اضافت سے واضح ہے "بِالْھُدٰی" وہ ہدایت وتوحید سے متلبس ہے اس کا اشارہ "شھد ان لا الہ الا اللہ" الخ کی طرف ہے۔ اس معنیٰ پر حرف جارہ محذوف کے متعلق ہے یا باء سببیہ ہے یعنی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت کی وجہ سے بھیجا اب اس کا تعلق ارسل۔ سے ہوگا "وَدِیْنِ الْحَقِّ" اور دین حق کے ساتھ یہ اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے جیسے عذاب الحریق کہ دراصل الدین الحق والعذاب المحرق تھا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حق جو ثابت اور جملہ ادیان کا ناسخ ومبطل (باطل کرنے والا) ہے "لِیُظْھِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ" (تاکہ اسے کل ادیان پر غلبہ دے) دین کی لام جنس کی ہے یعنی تاکہ دین حق کو بلند اور غالب کرے جنس دین پر ساتھ اس کے جملہ افراد کے اس سے وہ ادیان مختلفہ ہیں جو اس دین سے منسوخ ہوئے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ اعصار (ازمان) کے تبدل سے احکام متبدل ہوتے رہتے ہیں اور یہ دین وہ احکام بھی منسوخ کرنے پر غلبہ پائے گا جو باطل ہوں گے یا اس سے مسلمانوں کا تسلط مراد ہے کہ وہ تمام ادیان پر غلبہ پائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھلایا کہ اس دین اسلام کے مقابلہ میں ہر دین کو مقہور ومغلوب فرمایا اور قرب قیامت میں ہر سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نہ ہوگا یا کوئی ہوگا تو ذمی تحت اعلم ہوگا۔ اور گذشتہ ادوار میں بھی مسلمانوں کی فتوحات علی البلاد اور مسلمانوں کا بادشاہوں پر غلبہ مشہور ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

فائدہ: آیت میں مزید تاکید ہے اس وعدہ کے ایفاء کی جو فتح مکہ کے لئے خواب میں بتائی اور اس میں اہل ایمان کو اطمینان وتسلی بھی ہے کہ وہ عنقریب بہت بڑے شہروں پر غلبہ پائیں گے بلکہ جملہ اقالیم پر اسلام کے جھنڈے لہرائیں گے جن کی نظروں میں فتح مکہ ایک معمولی فتح محسوس ہوئی چنانچہ وہ وعدہ پورا ہوا جس کی تفصیل ابھی گذری ہے۔

فائدہ: "لیظھرہ" میں اس سبب کا اثبات ہے جو ارسال (رسول) کا موجب ہے یہ لام شرعاً حکمت وسبب کی ہے اور عقلاً علت ہے کیونکہ اشاعرہ کے نزدیک افعال اللہ اغراض سے معلل نہیں لیکن مقاصد جلیلہ کو اپنے پیچھے لگانے والے ضرور ہیں۔ اس فعل کا کسی غایت

پر مرتب ہونا کسی ثمرہ کے نتیجہ پر ہوتا ہے اسی لیے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی غرض سے معلّل ہے "وَكَفٰى بِاللّٰهِ" اور دین کے لئے اللہ کافی ہے اس لیے کہ اسے احاطہ ہے بجمیع صفات الکمال "شَهِيدًا" (شہید) کہ جو وعدہ فرمایا وہ لامحالہ (ضرور) پورا ہوگا یا وہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر شاہد ہے کہ ان سے معجزات ظاہر کرائے گا اگرچہ کفار ان کی رسالت کی گواہی نہ بھی دیں (تب بھی کوئی فرق نہ پڑے گا)۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کی گواہی یوں دی کہ فرمایا "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" حضرت محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

ترکیب: محمد مبتدا اور رسول اللہ اس کی خبر یا بدل یا عطف بیان یا نعت ہے یعنی آپ ہدایت کے ساتھ مرسل ہیں۔

مسئلہ: رسول اللہ پر وقف تام ہے اور جملہ مشہود بہ پر مبنی ہے۔ بعض نے کہا کہ محمد مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اوپر کی بتائی ہوئی ترکیب پر معنی ہے دین الحق محمد رسول اللہ ہیں۔

عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: صاحب روح البیان رحمۃ اللہ کی عبارت ذیل ایمان دوز وہابیوں دیوبندیوں کے لئے برق سوز ہے[1] فرمایا:-

وفی تلقیح الاذہان اعلم اللہ سبحانہ محمدًا (علیہ السلام) انہ خلق الموجودات کلہا من اجلہ ای من اجل ظہورہ ای من اجل تجلیہ بہ حتی قال لیس شئ بین السمآء والارض الا یعلم فی رسول اللہ غیر عاصی الانس والجن (روح البیان ص۵۵ ج۹)

تلقیح الاذہان میں ہے کہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا کہ اس نے تمام موجودات تمہارے لیے پیدا فرمائے یعنی آپ کے ظہور کے لئے یعنی اس تجلی کے لئے جو آپ کو اللہ تعالیٰ سے ملی یہانتک کہ آسمان و زمین کے درمیان کوئی شے ایسی نہیں جو نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے عاصی جن اور انسانوں کے۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ

ازلی نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) : ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانۂ اوّل سے ہی نبی ہیں اور یہی حقیقت ہے لیکن وہابی دیوبندی اور ان کے ہمنوا کہتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چالیس سال کی عمر کے بعد نبی ہوئے ہم کہتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اول زمانہ سے تھے چالیس سال کے بعد اظہارِ نبوت و اعلانِ رسالت فرمایا۔ یہی عقیدہ صدیوں پہلے تھا۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک نے یہ نئے مسئلے گھڑے جو دیوبندیوں وہابیوں کو نصیب ہوئے[1] چنانچہ روح البیان ص۵۵ ج ۹ مطبوعہ بیروت میں ہے کہ

وقال الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہ لما تجلی اللہ وجد جمیع الارواح فوجد اولا روح محمد (نبینا) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم سائر الارواح فلقن التوحید فقال لا الہ الا اللہ فکرمہ اللہ تعالیٰ بقولہ محمد رسول اللہ فاعطی الرسالۃ فی ذلک الوقت وقال علیہ السلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین (روح البیان ص۵۵ ج ۹)۔

الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تجلی ڈالی تو تمام ارواح موجود ہوئے ان میں سب سے پہلے روح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجود ہوئی پھر باقی ارواح آپ کی روح کو توحید کی تلقین کی گئی آپ نے پڑھا لا الہ الا اللہ اللہ تعالیٰ نے اعزاز دیا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی وقت رسالت سے نوازا اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا (کنت نبیا الخ) میں نبی تھا اور ابھی آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے۔

شرح الحدیث وردِ وہابیہ و دیوبندیہ و ماضاہاہا : حدیث مذکور پر بھی یار لوگوں کو اعتراض ہے سنداً موضوع یا کم از کم ضعیف ہے اور معنیً بھی غلط کرتے ہیں کہتے ہیں کہ (کُنْتُ نَبِیًّا) میں اللہ کے ارادہ میں تھا یہ معنیٰ اس لیے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں تو ہر شے تھی ہم اہلسنت اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کو بھی قدیم مانتے ہیں (خلافاً للمعتزلہ) جب ہر شے اللہ تعالیٰ کے ارادۂ قدیم میں تھی تو پھر حضور علیہ السلام نے اس مضمون کو فخراً کیسے بیان فرمایا اور آپ کی فضیلت اس سے کیسے ثابت ہوگی جب کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی امتیازی صورت میں مضمون

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ

بیان کیا جائے تو اس میں خصوصیت کا ہونا ضروری ہے اور یہاں یہی خصوصیت ہے کہ آپ بوصف نبوت حقیقی وجود کے ساتھ موجود تھے یہی اسلاف صالحین کا عقیدہ ہے[1] چنانچہ روح البیان صفحہ ۵۵ ج ۹ میں ہے کہ

ومعنی الحدیث انہ کان نبیًا بالفعل عالمًا بنبوتہ وغیرہ من الانبیاء ماکان نبیًا بالفعل ولا عالمًا بنبوتہ الاحین بعث بعد وجودہ ببدنہ العنصری واستکمال شرائط النبوۃ فکل من بعد وجود المصطفٰی علیہ السلام فھو نوابہ وخلفائہ مقدمین کالانبیاء والرسل او مؤخرین کاولیاء اللہ۔

اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالفعل (وجود) نبی تھے اور اپنی نبوت کو جانتے بھی تھے ہاں بدن عنصری میں سب کے بعد مبعوث ہوئے اور اس وقت تشریف لائے جب آپ کی بعثت نبوت کے شرائط مکمل ہو گئے اسی لیے جو بھی اس عہدہ سے فائز ہوا وہ آپ کا نائب اور خلیفہ رہا مقدمین میں انبیاء و رسل علیہم السلام اور آپ کی نبوت کے اظہار کے بعد متاخرین یعنی اولیاء بھی آپ کے نائب اور خلفاء ہیں۔

"انا من نور اللہ" (ردِ وہابیہ): اس حدیث شریف سے بھی بار لوگوں کو بڑا خطرہ ہے اسی لیے اسے موضوع اور ضعیف کہدینا دین کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں دوسرا خطرہ انہیں اس حدیث سے یہ ہے کہ "من نور اللہ" ماننے سے خدا تعالیٰ سے نبی علیہ کی جزئیت ثابت ہوگی یہ دونوں باتیں ان کی محض عذر لنگ ہیں[2] روح البیان صفحہ ۵۶ ج ۹ اس کی مختصر تشریح اپنے مذکورہ بالا قول کی توثیق میں لکھتے ہیں کہ

قال علیہ السلام انا من نور اللہ والمؤمنون من فیض نوری (فھو الجنس العالی والمقدم وما عداہ التالی والمؤخر کما قال کنت اولھم واٰخرھم بعثًا فرسول اللہ ھو الذی لایساویہ رسول لانہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مؤمن میرے نور کے فیض سے آپ جنس عالی اور مقدم ہیں باقی تمام تالی و مؤخر ہیں جیسے خود فرمایا کہ میں سب سے پہلے ہوں وجود میں اور سب سے آخر ہوں بعثت میں

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ اور اس کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب "اول کون اور الحبل المتین فی ان نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان نبیًا وآدم بین الماء والطین" ۱۲، [2] اضافہ اویسی غفرلہ ۱۲۔

رسول الی جمیع الخلق من ادرک زمانہ بالفعل فی الدنیا ومن تقدم بالقوۃ فیھا و بالفعل فی الاخرۃ یوم یکون الکل تحت لوائہ وقد اخذ علی الانبیاء کلھم المیثاق بان یؤمنوا بہ ان ادرکوہ واخذ الانبیاء علی اممھم (روح البیان صـ ۵۶ ج ۹)

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کا کوئی رسول نہیں کیونکہ آپ تو جمیع مخلوق کے رسول ہیں جس نے بالفعل دنیا میں آپ کا زمانہ پایا یا جو لوگ آپ کے ظاہری زمانہ سے پہلے گذرے تو انہوں نے آپ کی نبوت کو بالقوت پایا اور آخرت میں بالفعل پائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ سب کے سب آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں گے اگر ظاہری زمانہ پائیں گے تو پھر انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں سے یہی وعدہ لیتے رہے۔"

انا محمد و احمد: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد اور احمد ہوں۔ محمد بمعنے کثیر الحمد اس لیے کہ آسمان اور زمین والوں نے آپ کی حمد کی اور احمد بمعنے بہت بڑی حمد کرنے والے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہی اللہ تعالیٰ کے ایسے محامد بیان فرمائے کہ کسی کو نصیب نہ ہوئے[1] حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا۔

محمدت چون بلا نہایت زحق
یافت شد نام او از ان مشتق

ترجمہ۔ چونکہ انہیں حمد اللہ تعالیٰ سے بلا نہایت حاصل ہے اس لیے ان کا اسم گرامی اسی سے مشتق ہوا۔

ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی عرش پر ابو القاسم اور آسمانوں میں احمد اور زمینوں میں محمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

نام محمد کی برکت: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو اور محمد نام والا ان کے مشورہ میں نہ ہو تو انہیں اس کام میں کوئی برکت نہ ہوگی۔[2]

---

[1] مشارق الانوار لابن الملک (روح البیان)، [2] فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف عربی نام "القول الممجد فی فضائل محمد اور عرفی نام ہے" شہد سے میٹھا محمد نام" پڑھیے ۱۲۔

نکتے اسمِ محمد و احمد کے : احمد کے الف میں اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فاتح اور مقدم ہیں اس لیے کہ الف (ہمزہ) کا مخرج تمام مخارج میں پہلا ہے اور محمد کے میم میں اشارہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خاتم اور موٴخر ہیں اس لیے کہ میم کا مخرج خاتم المخارج ہے جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "نحن الاٰخرون السابقون" ہم آخری اور سبقت والے ہیں۔" نیز میم میں اشارہ ہے کہ آپ چالیس سال کی عمر میں اظہارِ نبوت فرمائیں گے۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ چار انبیاء علیہم السلام وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بچپن میں چار اشیاء کا اعزاز بخشا :-

(۱) یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں وحی سے۔
(۲) یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں حکمت سے۔
(۳) عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں نطق (کلام) سے۔
(۴) سلیمان علیہ السلام کو فہم سے۔

اور ہمارے نبی علیہ السلام کی فضیلت عظمیٰ اور آیت کبریٰ کا کیا کہنا چند ایک معجزات جو بوقت ولادت ظہور پذیر ہوئے پڑھ کر خود اندازہ فرمائیے۔

معجزہ : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اعزاز بخشا کہ آپ پیدا ہوتے ہی بارگاہِ حق میں سجدہ ریز ہوئے اور خود گواہی دی کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

فائدہ : ہر مسئلہ مسلمانوں میں اختلافی رہا سوائے " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے کہ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا (ہاں ہمارے دور میں ایک گروہ پیدا ہوا جس نے اس کلمہ کے متعلق اختلاف برپا کیا اس کی تفصیل فقیر نے " فضائل کلمہ" میں عرض کر دیا)۔ کیونکہ یہ کلمہ قابل اختلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنیٰ متحقق ہے اس لیے کہ اس میں کسی کو کلام نہیں۔

ختمِ نبوت : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شرحِ صدر سے نوازا ہے اور ختم نبوت کا اعزاز بھی آپ کو بخشا اور ولادت کے وقت آپ کی خدمت ملائکہ کرام اور حورعین سے کرا دی اور عالمِ ارواح ولادت سے پہلے آپ کو ہی نبوت سے معزز و مکرم فرمایا آپ کی خصوصیات و فضائل کے لیے یہی کافی ہے۔

سبق : مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کی تعظیم اور آپ کی

سنت کو زندہ کرے اور آپ کی بارگاہ کی قربت کے لئے صلوٰۃ وسلام کے تحائف و ہدایا بکثرت پیش کرے ایسے ہی دوسرے وہ اوراد و اعمال سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات نصیب ہوں۔

حکایت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا: حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا شب، و روز میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتیں اور فرماتیں اس سے میرا ارادہ ثواب کا تو جیسے ہی ہے لیکن اس سے بڑی غرض یہ ہے کہ میرے اس عمل سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو کر قیامت میں انبیاء علیہم السلام سے فرمائیں گے کہ تمہاری امت میں بھی کوئی ایسی عورت ہے جس نے شب و روز اتنی بڑی عبادت کی ہو[1] (رابعہ بی بی کے مزید حالات فقیر اویسی کی کتاب "رابعہ بصریہ" میں پڑھیے) اویسی۔

میلاد شریف اور ردِّ وہابیہ دیوبندیہ: وہابی دیوبندی محمد بن عبدالوہاب نجدی کی اقتداء میں میلاد شریف کو بدعت سیئہ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں یہ ان کی بدبختی کی دلیل ہے کیونکہ اسلاف صالحین مجلس میلاد کو موجب صد برکات اور سبب نجات سمجھتے ہیں چنانچہ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے پہلے تمام علماء کرام و فقہاء عظام اور محدثین و مفسرین رحمہم اللہ مجلس میلاد کو باعث ثواب اور موجب خیر و برکت کا فتویٰ دیتے رہے چنانچہ علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمہ اللہ اپنی تفسیر آیت "محمد رسول اللہ" کے تحت لکھتے ہیں:-

ومن تعظیمہ عمل المولد اذا لم یکن فیہ منکر قال الامام السیوطی قدس سرہ یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام[2] (الحاوی للفتاوی ص اویسی غفرلہ) روح البیان ص۵۶ ج۹

آپ کی تعظیم میں ہے آپ کا میلاد منانا جبکہ اس میں خلاف شرع کوئی امر نہ ہو، امام سیوطی نے فرمایا کہ ہمارے لیے میلاد کے ذریعے اظہار شکر ضروری ہے۔

---

[1] ایسے ہی امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو فرمائیں گے کہ تمہاری امت میں بھی کوئی ایسا عالم دین ہے۔ (امام غزالی کے مزید تفصیلی حالات فقیر کی کتاب "الغزالی" میں پڑھیے) اویسی غفرلہ [2] اس کا حاشیہ اگلے صفحات میں ملاحظہ ہو۔

ثبوت قیام و ذکر علیہ الصلوٰۃ والسلام : حضرت امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ کے ہاں بہت سے آپ کے ہم زمان علماء کرام جمع ہوئے تو ایک نعت خوان نے صرصری رحمہ اللہ کے اشعار پڑھے وہ یہ ہیں ـــ

نہ صرف سیوطی رحمہ اللہ بلکہ علمائے امت کا اس پر اتفاق رہا چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں :-

(۱) علامہ عابدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

اھل مکۃ یذھبون الیہ فی کل عام لیلۃ المولد ویحتفلون بذالک اعظم من احتفالھم بالاعیاد ۔

" اہل مکہ ہر سال میلاد شریف کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد شریف (جائے ولادت) میں حاضر ہوتے اور عیدوں سے بھی بڑھ کر محفل قائم کرتے ۔" (جواہر البحار ص ۱۱۲۲)

(۲) علامہ سخاوی فرماتے ہیں ۔

لازال اھل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد ۔

" ہمیشہ اہل اسلام تمام علاقوں اور بڑے بڑے شہروں میں میلاد شریف کرتے ہیں ۔ (سیرت حلبیہ ص ۸۰)

(۳) امام ابو شامہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ

" میلاد شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا اور میلاد شریف کرنے والے کی حضور سے محبت کا اظہار ہوتا ہے ۔ وفیہ اغاظۃ الکفرۃ و المنافقین اور کفار و منافقین اس سے کڑھتے اور جلتے ہیں ۔" (جواہر ص ۱۱۲۲)

(۴) حضرت علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ۔

ومما جوب من خواصہ انہ امان فی ذالک العام وبشری عاجل بنیل المنیۃ والمرام فرحم اللہ امراءا اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیاد الیکون اشد علۃ علی من فی قلبہ مرض وعناد ۔ (ما ثبت بالسنۃ)

" یعنی مولود شریف کے خواص و برکات میں سے ایک یہ بھی مجرب چیز ہے کہ اس سال بھر میں امن و امان رہتا ہے اور (میلاد شریف کرنے والے کی) حاجتیں اور مرادیں جلد پوری ہوتی ہیں ۔ پس اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شخص پر جو مولد مبارک کے مہینہ (ربیع الاول شریف) کی راتوں کو عیدیں بنائے تاکہ جن (بدبخت) لوگوں کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور بدعقیدگی کی بیماری ہے ان کے لئے شدت کی بیماری ہو ۔

قلیل المدح المصطفیٰ الخط بالذھب
علی ورق من خط احسن من کتب
وان تنھض الاشراف عند سماعہ
قیاما صفوفا او جثیا علی الرکب

ترجمہ۔ چاندی کے اوراق پر سونے کے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تھوڑی

نذرانۂ محبت وخلوص: بہرحال تمام خوش نصیب حضرات اپنی اپنی حیثیت وتوفیق کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت وولادت شریفہ کی خوشی میں محفل میلاد شریف کا اہتمام کرتے اور اپنا مال وزر لٹاتے ہیں۔ ۷۸۵ھ میں شاہ مصر نے محفل میلاد شریف کی جس میں دس ہزار مثقال سونا خرچ کرنے کا اندازہ ہے۔ اور ابوسعید مظفر بادشاہ ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی محفل کیا کرتے تھے۔ نیز بادشاہِ مصر نے ایک بہترین سائبان بنوایا ہوا تھا جو صرف شب میلاد اور یوم میلاد میں لگایا جاتا تھا اور پھر سارا سال لپیٹا رہتا تھا۔ اس سائبان کے نیچے بارہ ہزار آدمی بیٹھتے (انوار ساطعہ بحوالۂ کتب معتبرہ)
ایک بڑے ولی اللہ حضرت شیخ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہر جمعہ کی رات چند من چاول پکا کر بارگاہِ رسالت میں نذرانہ پیش کرتے لطف یہ کہ چاول کے ہر دانہ پر تین مرتبہ قل ھو اللہ احد شریف پڑھا ہوتا تھا اور رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایام مولد میں ہر روز ایک ہزار تنکہ (ایک بڑا پیمانہ) زیادہ کرتے رہتے حتیٰ کہ بارہ ربیع الاول شریف کو بارہ ہزار تنکہ خرچ فرماتے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۲۷)

حسبِ توفیق: جن کو زیادہ توفیق نہ ہوتی اور کچھ نہ کر سکتے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کی خوشی میں چنے ہی تقسیم فرما کر حضور کی خوشنودی اور سعادت سے بہرہ ور ہوتے چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں میں ہمیشہ ایامِ مولد شریف میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیاز کا کھانا تیار کرتا تھا۔ میلاد شریف کی خوشی کا۔ پس ایک سال بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ آیا۔ میں نے وہی چنے لوگوں میں تقسیم کر دیئے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور دیکھا تو وہی چنے حضور کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ شاد ومسرور ہیں۔ (درِ ثمین ص ۸)

فائدہ: ہمارے اسلاف بزرگانِ دین اور سلاطینِ اسلام کے کیسے پاکیزہ عقائدہ تھے اور میلاد شریف کی کیسی خیر وبرکت اور عظمت وشان ہے۔

مدح بہترین کاتب لکھے تو پھر بھی کم ہے۔ بیشک عزت والے آپ کا ذکر جمیل سن کر کھڑے ہو جاتے ہیں صف باندھ کر یا دونوں بیٹھ جاتے ہیں۔

یہ اشعار سن کر حضرت امام سبکی رحمہ اللہ اور تمام مجلس کے جملہ علماء کرام اور عوام کھڑے ہو گئے اور اسی مجلس سے بہت بڑا انس پیدا ہوا اور جب اتنے بڑے امام قیام اور مجلس میلاد سے محظوظ

حصولِ فیضِ رحمت ہے نزولِ خیر و برکت ہے
وصولِ عشقِ حضرت ہے قیامِ محفلِ مولد

محافلِ میلاد میں انوار کی بارش : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن حضور کے مولد میں حاضر تھا اور لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور جو "معجزے" آپ کی ولادت کے وقت اور بعثت سے پہلے ظاہر ہوئے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ انوار اَسْطَعَتْ دَفْعَةً وَاحِدَةً یکبارگی انوار ظاہر ہوئے۔ پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار ان ملائکہ کے ہیں جو ایسی مجالس (میلاد) اور مشاہد مبارکہ پر مقرر ہیں نیز میں نے دیکھا کہ فرشتوں کے انوار، انوارِ رحمت سے ملے ہوئے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۲۷)

مغفرت : خراسان کے ایک بادشاہ المعروف صفّار خواب میں دیکھے گئے تو ان سے کہا گیا آپ کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کس بات پر بخشش ہوئی تو انہوں نے کہا۔ ایک دن میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اپنے لشکروں پر نظر ڈالی تو مجھے ان کی کثرت بھلی معلوم ہوئی اور میں نے تمنا کی کہ کاش میں دربار رسالت میں حاضر ہوتا اور ان لشکروں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و مدد کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ بات پسند فرمائی اور مجھے بخش دیا۔ (شفا شریف ص ۲۷ ج ۲)

فائدہ : جب اتنا خیال آنے اور تمنا کرنے پر یہ کرم فرمایا گیا تو جو نیازمند حضور ہی کے ذکر و فکر میں رہیں اور آپ کی عظمت کا مظاہرہ کریں ان کا کیا کہنا۔ حضرت محمد ابوالمواہب شاذلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے مجلس میں یہ نعت پڑھی ؎

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا کَالْبَشَرِ
بَلْ ھُوَ یَاقُوْتٌ بَیْنَ الْحَجَرِ

پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں لیکن حضور کی مثل کوئی بشر نہیں۔ آپ تو ایسے شان والے

ہو رہے ہیں تو ان کی اقتدا کی دلیل کافی ہے۔

بدعت حسنہ: حضرت امام ابن حجر ہیتمی نے فرمایا کہ
ن البدعۃ متفق علیٰ ندبہا و عمل المولد بیشک یہ بدعت ایسی ہے جس کے مندوب ہونے

ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا قد غفر اللہ لک و لکل من قالہا معک۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیرے ساتھ جتنے یہ نعت شریف پڑھنے والے تھے سب کو بخش دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو المواہب رضی اللہ عنہ اپنے آخری دم تک ہمیشہ ہر مجلس میں یہ نعت شریف پڑھتے رہے۔ (طبقات اکبری ص۶۹ ج ۲)

خوشا چشم بنگر و مصطفیٰ را
خوشا دل کہ دارد خیال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کرم کریں محفل میلاد شریف میں جلوہ فرمائیں

دولتِ دیدار: اور خوش نصیب حضرات کو دولتِ دیدار سے نوازیں تو سرکار کے خداداد علم و قدرت اور فضل و کرم سے کچھ بعید نہیں اور بزرگانِ دین سے ایسے واقعات منقول ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ میلاد شریف پڑھ رہے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بھی شریک تھے۔ حاجی صاحب سنتے سنتے ایک دم کھڑے ہو گئے اور سب پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ تھوڑی بعد حاجی صاحب سے سامعین نے پوچھا حضرت! میلاد شریف سنتے سنتے کیوں کھڑے ہو گئے تھے جبکہ قیام کا ذکر بھی نہیں آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ نے نہیں دیکھا۔ میری ان آنکھوں نے دیکھا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میرے ذوق و شوق اور محبت رسول نے فوراً کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے پر مجبور کیا۔ (اخبار رضوان لاہور ۷/۱۴ اپریل ۱۹۵۲ء)

فائدہ: معلوم ہوا جو لوگ حضور کا ذکر پاک کرتے اور محفل میلاد شریف قائم کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے جانتے اور کرم فرماتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سرکار کی خوشنودی حاصل اور رحمتِ خداوندی شامل ہوتی ہے۔ خوش بخت ہیں وہ حضرات جن کو یہ توفیق و سعادت میسر ہو اور بڑے بدنصیب ہیں وہ جو محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے ذکر پاک و عظمت و شوکت کو دیکھ کر جلیں اور اس کو روکنے کی ناکام کوشش کریں۔

قرآن و حدیث سے استدلال: قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے اصول و ضوابط پر نگاہ ڈالی جائے تو بھی میلاد شریف کا استحسان و استحباب

واجتماع الناس له كذلك اى بدعة حسنة [1]

یں سب متفق ہیں اور میلاد شریف اور اس کے لئے لوگوں کا اجتماع بھی ایسے ہی ہے یعنی بدعت حسنہ ہے۔

امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

لم يفعله احد من القرون الثلاثة و انما حدث ثم لازال اهل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الكبار يعملون المولد ويتصدقون فى لياليه بانواع

اسے (میلاد کو) قرونِ ثلاثہ میں کسی نے نہیں کیا یہ بعد کو حادث ہوا تو پھر تمام ملکوں اور بڑے بڑے شہروں میں میلاد ہونے لگا اور ہوتا رہا اس کی راتوں میں لوگ قسم قسم کی خیراتیں کرتے اور

(بقیہ) ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہر مسلمان یہ جانتا ہے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود مولیٰ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور باقی تمام نعمتوں کی جان ہے۔ قرآن پاک میں الذین بدلوا نعمة الله كفرا (الآیۃ) میں بھی نعمتِ اللہ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ (بخاری شریف) اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے واما بنعمة ربك فحدث اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ کی جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کا چرچا بھی سب سے زیادہ ہوگا اور پھر جس دن اور جس زمانہ میں نعمت کا ظہور ہوا اس دن اور زمانہ کی بھی خاص شان ہوگی چنانچہ اس کے متعلق قرآن و حدیث میں کئی دلائل موجود ہیں۔ عید میلاد شریف کی یہ مبارک تقریب اسی اصول کے ماتحت ہے خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پیر کے دن کے روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "فيه ولدت وفيه انزل علیّ" اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔ (مسلم شریف) قرآن پاک میں جگہ جگہ حضور کی تشریف آوری کا ذکر بڑی شان کے ساتھ فرمایا گیا اسی لیے سچے مسلمان ائمہ کرام۔ بزرگانِ عظام۔ سلاطین اسلام ہمیشہ میلاد شریف کرتے اور ربیع الاوّل شریف کی راتوں کو بھی عیدیں مناتے رہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ جب سے محمد بن عبدالوہاب کی تحریک چلی اس وقت سے نجدی کی پیروی میں دیوبندی وہابی اور ان کے ہمنوا فرقے میلاد شریف کو بدعت سیئہ کے کھاتے میں ڈالنے لگے مزید تفصیل و تحقیق کے لئے تصانیف اہلسنت کا مطالعہ کیجیے۔ (حاشیہ ختم)

(حاشیہ صفحہ ھذا)

[1] روح البیان ص ۵۶ ج ۹

الصدقات ویعتنون بقراءۃ مولدہ الکریم ویظہر من برکاتہ علیہم کل فضل عظیم[1]

قرأۃ میلاد کریم کی مجلسیں بناتے ہیں ایسی محفل والوں پر بہت بڑی برکات نازل ہوتی ہیں۔

میلاد شریف کی برکات : حضرت محدث ابن الجوزی[2] رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

ومن خاصہ انہ امان فی ذٰلک العام وبشری عاجلۃ بنیل البغیۃ والمرام[3]

میلاد کے خواص سے ہے کہ سال بھر اس گھر میں امان رہتی ہے اور حصول مقاصد کے لیے میلاد منانے والے کو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔

میلاد شریف پر پہلی تصنیف : بطریق معروف میلاد شریف کا آغاز بادشاہوں میں صاحب اربل نے کیا اور اس پر حضرت ابن وحیہ رحمہ اللہ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی بنام "التنویر بمولد البشیر النذیر" انہیں بادشاہ موصوف نے ایک ہزار دینار انعام سے نوازا اور حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اگرچہ میلاد شریف بدعت حسنہ ہے لیکن اس کی اصل سنت سے ہے ایسے ہی حضرت حافظ امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا اور فاکہانی مالکی کا رد فرمایا جبکہ اس نے میلاد شریف کو بدعت مذمومہ کہا۔ (انسان العیون)

تفسیر عالمانہ : "وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ" اور وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ یہ مبتداء اور اس کی خبر ہے "اَشِدَّآءُ" بہت زیادہ سخت ہیں شدید کی جمع ہے "عَلَی الْکُفَّارِ" کافروں پر جیسے شیر بکری پر "رُحَمَآءُ" رحمدل ہیں، یہ رحیم کی جمع ہے "بَیْنَہُمْ" آپس میں جیسے باپ بیٹے پر یعنی جو ان کے دین کی مخالفت کرتا ہے تو اس پر شدت اور سختی کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا "واذلۃ علی المؤمنین واعزۃ علی الکفار" وہ اہل ایمان کے لئے نرم دل اور کافروں پر سخت

---

[1] روح البیان ص۵۶ ج۹ [2] یہ وہی محدث ابن الجوزی (رحمہ اللہ) جو حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کے استاذ مکرم اور پہلے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے بعد کو نہ صرف خوش عقیدہ بلکہ عاشق صادق اور خلیفہ کامل اکمل ہوئے۔ ان کے متعلق مزید تفصیل فقیر کی کتاب "الفیضان علی روح البیان" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ [3] روح البیان ص۵۷ ج۹۔

اور غالب ہیں۔

نکتہ: اگر صرف "اشداء علے الکفار" کہا جاتا تو ان سے حد سے زائد درجہ کی سختی و شدت سمجھی جاتی "رحماء بینہم" کے اضافہ سے معلوم ہوا کہ ان میں سختی تھی بھی تو بحکم شرعی تھی اور موقعہ و محل کے مطابق ان میں نرمی اور رحمدلی بھی تھی تو گویا رحماء بینہم ان کی تکمیل کے رستوں کے اظہار کے لئے ہے۔

سختی و نرمی کا نمونہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سختی کفار پر اس حد پر تھی کہ ان کے کپڑے اور جسم اپنے کپڑوں اور جسموں سے مس کرنے کے روادار نہ تھے اور اہل ایمان سے نرمی اور رحمدلی کا یہ عالم تھا کہ جہاں بھی کوئی مسلم بھائی دیکھ پاتے تو اس سے مصافحہ و معانقہ ضرور کرتے۔

تورات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوصاف کریمہ: تورات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ "قرن من حدید امین شدید" وہ لوہے کی زنجیر اور بہت سخت امین ہوں گے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ آپ بھی دینی امور میں سخت گیر تھے چنانچہ مرتدین کے مقابلہ کے لئے نکلے تو تلوار نیام سے نکال کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ آپ کی دینی امور میں سختی اور شدت کی دلیل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نہ چنداں درشتی کن کہ از تو سیر گردند
و نہ چنداں نرمی کن کہ بر تو دلیر شوند
درشتی و نرمی بہم در بہست
چو رگ زن کہ جراح و مرہم است

ترجمہ۔ نہ اتنی سختی کر کہ لوگ تجھ سے سیر ہو جائیں اور نہ اتنی نرمی کر تجھ پر دلیر ہو جائیں سختی اور نرمی ہر دونوں کا ہونا بہتر ہی ہے جیسے رگ کھول کر زخم کرتا ہے پھر وہی مرہم رکھتا ہے۔

اور کسی نے فرمایا ؎

ہست نرمی آفت جان سمور
وز درشتی می برد جان خارپشت

ترجمہ۔ نرمی جان کے لئے جان جلانے والی آفت ہے اور سختی بھی جان لیوا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن آسان اور نرم ہے۔

نکتہ : اہل اسلام کو حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی اور سہولت سے موصوف فرمایا ہے کیونکہ یہی اخلاق حسنہ ہے۔

سوال۔ اہل عرب کا مقولہ ہے" لاتکن رطبا فتعصر ولا یابسا فتکسر" اتنا تروتازہ نہ ہونا کہ تجھے نچوڑ لیں اور اتنا سوکھا نہ ہو کہ تجھے توڑ دیں"۔ اسی کے موافق ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" لاتکن مرا فتعقی ولاحلوا فتسترط " کڑوا نہ ہو کہ تجھے تھوکا جائے اور میٹھا نہ ہونا کہ تجھے نگلا جائے۔

حل لغات : " اعقیت الشئ" میں نے اس کے کڑواپن کی وجہ سے اسے تھوک دیا " استرطت" میں نے اسے نگل لیا" اس میں تو نرمی سے منع کیا گیا اور تم اس کی مدح کا پہلو لیے بیٹھے ہو۔

جواب ۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ" خیرالامور اوسطھا" بہتر اموریں سے وہ ہے جو درمیانہ ہو اور فرمایا گیا" وکل طرفی الامود ذمیم" امور کے دونوں کنارے مذموم ہیں یعنی افراط و تفریط مذموم ہے ورنہ اعتدال و اقتصاد (میانہ روی) تو ہر امر میں مرغوب اور پسندیدہ ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے میانہ روی کا سوال کرتے ہیں)۔

حل لغات : " تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا " تم انہیں رکوع کرنے والے اور سجدہ گذار دیکھو گے"۔ رُكَّعٌ رَاكِعٌ کی اور سُجَّدٌ سَاجِدٌ کی جمع ہے یعنی جب بھی تم انہیں دیکھو گے وہ رکوع کرنے والے اور سجدہ گذار ہوں گے اس میں ان کی نمازوں پر مواظبت و مداومت کی طرف اشارہ ہے اور وہ دونوں (رکعا سجدا) حال ہے کیونکہ یہاں رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے اور فعل سے مداومت مراد لی گئی ہے اور جملہ دوسری خبر یا مستانفہ ہے " يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ" اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی تلاش میں رہتے ہیں" یہ یا دوسری خبر ہے۔ جملہ مستانفہ ہے اور ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ وہ حضرات دائمی رکوع و سجود سے چاہتے کیا ہیں۔ جواب ملا کہ وہ فضل الٰہی کے متلاشی ہیں یعنی انہیں رکوع و سجود سے ثواب اور خوشنودیٔ خداوندی چاہیئے۔

فائدہ صوفیانہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ رکوع وسجود سے وصل ووصول کے طالب ہیں (کیا خوب فرمایا) کہ

مجھے شعور کب تھا نماز کا مجھے ہوش کب تھا سجود کا
تیرے نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں[1]

اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے وہ چاہے عطا فرمائے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ رضوان بمعنے بہت زیادہ خوشنودی۔ "سِيمَاهُمْ" (ان کی نشانی) سیما فِعْلیٰ کے وزن پر سامہ سے ہے بمعنے اس نے اسے علامت والا کیا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کی علامت اور نشانی یہ ہے۔ اسے سیمیاتُھم بھی پڑھا گیا ہے (سیمیا بالیاء بعد المیم والمد) دونوں لغات مستعمل ہیں اس کی تیسری ایک اور لغت بھی ہے وہ ہے السیماء (بالمد) وہ مبتداء اس کی خبر "فِيْ وُجُوْهِهِمْ" ہے ان کے چہروں میں ثابت ہے مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ" (سجدوں کے اثر سے) جار ومجرور کی ضمیر مضمر سے حال ہے اور اثر السجود بمعنے کسی شے کا حصول جو کسی دوسری شے کے وجود پر دلالت کرے (المفردات) یعنی اس کثرت سجود کی وہ تاثیر جو ان کے چہروں میں اثر انداز ہے۔

ازالۂ وہم وہابیہ ودیوبندیہ: وہابی اور دیوبندی اپنے ماتھے اور پیشانیاں سجدے کے وقت رگڑ رگڑ کے کالے سیاہ بنا دیتے ہیں تاکہ عوام میں وہ نیک اور صالح انسان سمجھے جائیں، صاحب روح البیان رحمہ اللہ ایسے ماتھے اور پیشانی سیاہ کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فرمایا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "تعلموا صورکم" اپنی صورتوں پر نشان نہ لگاؤ یعنی ماتھے کو زمین پر رگڑ کر وہ علامت اور نشانی نہ بناؤ جو زمین کی رگڑ سے ماتھے پر نظر آئے کیونکہ یہ تو محض ریاء ومنافقت کی علامت ہے[2]

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ

[2] یہ علامت وہابیوں دیوبندیوں کے تبلیغیوں میں خصوصیت سے ہے اور دلیل لاتے ہیں اسی آیت کو حالانکہ آیت میں وجوہ ہے جباہ نہیں وجوہ بمعنے تمام چہرہ اس سے ان کے چہرے شب بیداری سے نورانی ہو جاتے ہیں جیسے ہم نے اللہ والوں شب بیداروں کے چہرے دیکھتے ہیں کہ

قدرتی داغ : ہاں جو قدرتی سیاہ داغ پیشانی میں ان سجدہ گذار خوش قسمت انسانوں میں پیدا ہوتا ہے وہ رحمت و برکت کی علامت ہے کیونکہ ان کے سجدے خالص ذات حق کے لئے ہوتے ہیں۔

سید امام زین العابدین قدس سرہ : منقول ہے حضرت امام زین العابدین بن امام حسین بن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ماتھے مبارک پر سیاہ نشان تھا ایسے ہی حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی پیشانی مبارک پر سیاہ نشان تھا اسی لیے یہ دو الثفنات کے لقب سے مشہور تھے جو انہیں کثرت سجود کی وجہ سے یہ پاک نشان پیشانی مبارک میں ابھرا۔ ثفنات البصیر سے مشابہت کی وجہ سے ثفنات ثفنۃ (بکسر الفاء) سے ہے وہ داغ جو اونٹ کے گھٹنے پر ہوتا ہے بوجہ اس کے کہ اس کے گھٹنے زمین پر بار بار ٹیکنے سے ایسا داغ پڑ جاتا ہے اس کے ہاتھ بھی اسی طرح وہ شخص جس کے کام میں ہاتھ سخت ہو جائیں اس کے لئے کہتے ہیں ثفنت یدہ اس کا ہاتھ گاڑھا ہو گیا۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے سجدے : امام زین العابدین کے زیتون کے پانچسو تنے تھے آپ ہر تنے کے نزدیک روزانہ دوگانہ پڑھا کرتے تھے کسی شاعر نے کہا ؎

دیار علی والحسین وجعفر
وحمزۃ والسجاد ذی الثفنات

ترجمہ۔ علی و حسین و جعفر و حمزہ اور وہ سجاد جو ذی الثفنات (نشان والے) کی دیار۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت عفاء نے فرمایا کہ آیت میں وہ شخص بھی داخل ہے جو پانچوں نمازیں مداومت سے

بارونق اور نورانی کہ ان کے چہروں کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ یاد آ جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے اذا رؤا ذکر اللہ (جب دیکھے جائیں تو خدا تعالیٰ یاد آ جائے) اور وہابیوں دیوبندیوں تبلیغیوں کے چہرے دیکھو تو کراہت آتی ہے بلکہ بعض تو ایسے کریہہ المنظر ہوتے ہیں کہ ان کے دیکھنے سے قے آنے کو ہوتی ہے البتہ ان کے ماتھے اور پیشانیاں ضرور سیاہ ہو جاتی ہیں اور یہی ایسے لوگوں کے لئے غضب اور قہر خداوندی کا نشان ہے تفصیل دیکھیے فقیر کی کتاب ''وہابی دیوبندی کی نشانی'' اویسی غفرلہ

ادا کرتا ہے۔

فائدہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ محبوں کا نشان سجدوں کے اثرات سے ہے کیونکہ وہ دنیا و عقبیٰ کے لئے سجدے نہیں کرتے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مخلصانہ سر بسجود ہوتے ہیں۔

فائدہ: بعض بزرگوں کے رنگ کی زردی چہروں پر خشیت الٰہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا وضوء کے پانی کی تری اور زمین پر ماتھا ٹیکنے کی وجہ سے کہ وہ زمین پر سجدہ ریز ہوتے ہیں کہ کپڑوں پر۔

فائدہ: بعض نے کہا چہروں کی نورانیت شب بیداری کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف: میں ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے رات کے وقت سجدے بکثرت ہوتے ہیں دن کو اس کا چہرہ نورانی نظر آتا ہے۔

فائدہ: کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جس کی رات کے وقت شراب نوشی اور لہو و لعب بیداری رہتی ہے اس کا چہرہ دن کو اس خوش بخت کی طرح نہیں ہوتا جو یادِ خدا میں بیدار رہتا ہے۔

مسئلہ و نکتہ: مسئلہ امامت میں حکم ہے کہ وہ امام ہو جو سب سے بڑا عالم یا زیادہ تجوید (قراۃ) دان پھر زیادہ پرہیز گار پھر زیادہ سن رسیدہ پھر حسین و شکیل یعنے وہ چہرہ جو شب بیداری سے حسین ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام سے پوچھا گیا کہ تہجد والوں کا کیا حال ہے کہ وہ حسین چہرہ والے کیوں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ وہ رحمٰن سے خلوت کرتے ہیں تو انہیں باری تعالیٰ کا نور ایسے نصیب ہوتا ہے جیسے قمر کو سورج سے نور نصیب ہوتا ہے تو اسی لیے انہیں نور نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ: نفحات (الانس) میں ہے کہ جب ارواح قرب الٰہی سے صاف و شفاف ہوئے تو اسی قرب سے اجسام پر نور ظہور پذیر ہوتا ہے ؎

درویش را گواہ چہ حاجت کہ عاشقست
رنگ رخش ز دور ببین و بداں کہ ہست

ترجمہ۔ درویش کو گواہ کی کیا ضرورت اس لیے وہ تو عاشق ہے اس کے چہرے کا رنگ دور سے دیکھ پھر معلوم کر کہ وہ کیا ہے۔

فوائد: (۱) حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جس کی توجہ اللہ کے لئے ہو اسی کی

طرف ہر وقت دیکھے کسی وقت اس سے منہ نہ پھیرے، اہل ایمان کی یہی نشانی ہے۔
(۲) حضرت عامر بن انقیس رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مومن کا چہرہ عمل کے باطن کی خبر دیتا ہے ایسے ہی کافر کا حال ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "سیماھم فی وجوھھم"
(۳) بعض نے کہا کہ ان کے چہرے میں ہیبت محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ وہ اپنے آقا کی مناجات کے قرب میں ہوتے ہیں۔
(۴) ابن عطاء نے فرمایا کہ ان کے چہرے سے انوار چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
(۵) حضرت عبدالعزیز مکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے چہرے کی رونق اور زردی دراصل وہ نورِ الٰہی ہے جو عبادت کی وجہ سے چمکتے ہیں یہی ان کی ظاہری اور باطنی کیفیت ہے جو ان کے چہروں سے صادر ہو رہی ہے۔ یہ کیفیت اہل ایمان سے ہی ظاہر ہوتی ہے وہ زنگی ہو یا حبشی۔

فائدہ: اس میں شک نہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت قیامت کو چمکتے ہوئے ماتھے اور نورانی اعضاء سے اٹھے گی اور یہ چمک اور نور وضوء کی وجہ سے ہوگا بعض کے چہرے چودھویں چاند کی طرح ہوں گے اور یہ نور قلب کی تاثیر اور عکس سے ہوگا اسی لیے کہا گیا ؎

آں سیاہی کز پے ناموس حق ناقوس زد
در عرب بوالیل بر د اندر قیامت بوالنہار

ترجمہ۔ وہ کیا ہی ناموس حق سے آواز دیتی ہے اب میں اگرچہ ابوالیل (سیہ رنگ) قیامت میں ابوالنہار (روشن چہرہ) ہوگا۔

تفسیر عالمانہ: "ذٰلِكَ" اس طرف اشارہ ہے جو نعوت وصفات بیان ہوئیں "مَثَلُهُمْ" ان کی وصف عجیب الشان یہ اس میں جاری ہوتی ہے جو مثالوں سے عجیب و غریب ہو "فِی التَّوْرٰىةِ" تورات میں یہ مثلھم سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ (ذٰلك) کا معنیٰ ہے۔

تورات کی تحقیق: تورات اس کتاب کا نام ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ تورات عربی لفظ ہے اس کا اشتقاق روی الزند سے ہے بروزن فوعلۃ اس کی تاء (اولیٰ) واو سے تبدیل ہو کر آئی ہے اور اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس سے نور اور ضیاء ظاہر ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے لئے اور القاموس میں ہے کہ ودیۃ النار

و دینہا" بمعنے وہ شے جو لپیٹی جائے کپڑا ہو یا لکڑی بروزن تفعلۃ بعض نے کہا فوعلۃ نہ کہ تفعلۃ کیونکہ تفعلہ بہت کم مستعمل ہوتا ہے "وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ" اور ان کی مثال (صفت) انجیل میں ہے ۔ اس کا مثلھم اول پر عطف ہے اور مثلھم کا تکرار تاکید غرابت و تقریر کی زیادتی کے لئے ہے اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے یعنی ان کی نعمت صفات اسی طرح تورات و انجیل میں لکھی ہوئی ہیں تاکہ دوسری امتوں کو ان کی شان و مرتبہ معلوم ہو اور ان کو مژدہ بہار

تحقیق انجیل ؛ انجیل نجل الشئ سے ہے بمعنے "اظہرہ" اسے ظاہر کیا اور انجیل کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ دین کے مٹ جانے کے بعد اس نے اسے ظاہر کیا ۔

"كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ" کھیتی کی طرح کہ جس نے ٹہنیاں نکالیں ۔

حل لغات : اہل عرب کہتے ہیں زرع ہیجون منع بیج پھینکنا زرع اللہ بمعنے انبت یعنی اللہ نے لگایا ۔ الزرع بمعنے الولد والمزروع (کھیتی) اس کی جمع زروع آتی ہے اور کھیتی کی جگہ کو المزرعۃ کہا جاتا ہے یہ نئی تمثیل ہے یعنی وہ ایسے ہیں جیسے کھیتی جو کہ اپنی ٹہنیاں نکالے اس لیے کہ کھیتی سے ہر وہ سبزی جو اگتی ہے وہ بمنزلہ ماں کے ہے پھر اس سے جو ٹہنیاں وغیرہ نکلیں گی اور بڑھیں گی وہ اس کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوں گی ۔

المفردات میں ہے "شطأہ" بمعنے کھیتی کی ٹہنیاں یعنی وہ جو اس سے آگے بڑھے گی اور کناروں میں پھیل جائیں گی ۔ اس کی جمع اشطاءُ ہے ۔ شطأہٗ بمعنے افراخہ یعنی کھیتی کی شاخیں اور ٹہنیاں ۔

فائدہ ؛ بعض نے کہا کہ زرع الخ ذٰلک کی تفسیر ہے کیونکہ ذالک کا اشارہ مبہم ہے کہ پہلا کلام مثلھم فی التوراۃ تک ختم ہے ۔

"فَآزَرَهُ" تو قوی ہو جائے پودے کی شاخ اور ٹہنی ۔ آزرہ میں زرع کی ضمیر منوی ہے ۔

فائدہ: امام نسفی رحمہ اللہ نے ضمیر منوی آزر میں شطأ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ شاخ نے کھیتی کی جڑ کو مضبوط کر دیا بوجہ اس کو لپٹ جائے اور موٹے ہو جانے کے اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ضمیر مرفوع شطأ کی اور منصوب زرع کی ہے آزر از مُوَازَرَةٌ ہے بمعنے معاونۃ اس اعتبار سے آزر کا وزن فاعل ہوگا مادہ آزر بمعنے قوۃ ہے یا الایزار سے بمعنے الاعانۃ اس اعتبار سے اس کا وزن افعل ہوگا یہی ظاہر ہے کیونکہ اس کا مضارع یوازر نہیں سنا گیا بلکہ یُؤزِرُ مشہور ہے "فَاسْتَغْلَظَ"

تو موٹا ہو گیا بعد اس کے کہ وہ رقیق (باریک) تھا یہ" اشحجر الطین" کے قبیل سے یعنی گارا نبھر ہو گیا۔ اس تقریر پر یہ سین تحول کا ہے" فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ" تو کھڑا ہو گیا اپنے ہودے پر ساق کی جمع ہے یعنے اس کی جڑیں اور پودا۔

"يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ" کسانوں کو خوش کرتا ہے۔ یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ پودے کو دیکھ کر وہ کسان خوش ہوتا ہے جس نے وہ کھیتی بوئی اس کی قوت اور پودے کے موٹے ہو جانے اور اس کے خوش منظر اور طول قامت سے یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بیان فرمائی ہے کہ ابتداء اسلام میں بہت تھوڑے تھے پھر بڑھ گئے پھر مضبوط و مستحکم ہو گئے پھر روز بروز ان کا کام ترقی کرتا گیا جسے دیکھ کر دیندار لوگ خوش ہوتے ہیں۔

تورات کا مضمون: تورات شریف میں ہے کہ عنقریب ایک قوم پیدا ہو گی جو کھیتی کی طرح اگیں گے اور نیکی کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

سوال۔ الاسئلہ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی اس کھیتی سے کیوں مثال دی ہے جو اپنی شاخ نکالے ان کی مثال گھوڑوں یا ان بڑے درختوں سے کیوں نہ دی جو پھلدار ہوتے ہیں؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ابتدائے اسلام میں بہت تھوڑے تھے پھر کھیتی کی طرح بڑھتے گئے جو پہلے کمزور ہوتی ہے اس کے بعد بڑھ کر شاخ نکالتی ہے پھر بڑھ جاتی ہے اور بہت زیادہ ہوتی ہے اور کھیتی کا قاعدہ ہے کہ کاٹی جاتی ہے پھر بوئی جاتی ہے ایسے ہی مسلمانوں کا حال ہے کہ وہ ان میں کوئی فوت ہو رہے ہیں پھر ان کے قائم مقام اور پیدا ہو رہے ہیں بخلاف بڑے درختوں کے کہ وہ خود جب تک رہیں اگرچہ کئی سال پھر کاٹے گئے تو ختم علاوہ ازیں کھیتی کے ایک دانے سے کئی بالیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایسا ہونا صرف کھیتی میں ہے۔

فائدہ: انسان کے اعمال بڑھتے ہیں جیسے اس کا جسم بڑھتا ہے (کہ پہلے بچہ ہوتا ہے پھر جوانی تک اس کا جسم کتنا بڑھ جاتا ہے)۔

سادات برادری: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ (کربلا میں) اہل بیت کا کنبہ شہید ہو گیا سوائے ان کے صاحبزادہ حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کے کوئی باقی نہ بچا وہ بھی بیماری کی وجہ سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صلب (پشت مبارک) سے بیشمار سادات برادری پیدا فرما دی ہے۔ (اللہ تعالیٰ سادات کرام کو سدا اسلامت رکھے (آمین) اویسی غفرلہ)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے سادات کرام کے اخوات اور برادری میں برکت دی کہ حضرت امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد بیس سال سے کچھ اوپر زندہ رہے تو اس گھرانہ میں بچے ہی پیدا ہوتے بچیوں کی پیدائش رک گئی اور نہ ہی ان بچوں میں کسی کی وفات ہوئی۔

حق چار یار: حضرت عکرمہ نے فرمایا " اخرج شطأہ " سے حضرت ابوبکر صدیق " فاٰزرہ " سے حضرت عمر فاروق " فاستغلظ " سے عثمان غنی " فاستویٰ علیٰ سوقہ " سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

" لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ " تاکہ غصہ میں ڈالے کافروں کو" الغیظ بمعنے سخت غضب وہ حرارت جو انسان قلب کے خون کے جوش سے پاتا ہے۔ غاظ یغیظ سے ہے ایسے ہی اغتاظ غیظۃ تغیظ اغاظ غایظ" اسی کے مادے ہیں۔ (القاموس)

فائدہ: یہ علت ہے اس کی جس کی طرف " یعجب الزراع " الخ کا اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں (مسلمانوں) کو نشو و نما اور استحکام بخشا تاکہ ان کو دیکھ کر کفار غیظ و غضب میں جل مریں اور کفار عرب کے ہوں یا عجم کے۔

عمر دلیر رضی اللہ عنہ: کفار کے غیظ و غضب میں جل مرنے کی ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ کا اسلام قبول کرنے کے بعد کہنا کہ آج کے بعد ہم چھپ کر عبادت نہیں کریں گے۔

فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: حدیث شریف میں ہے کہ میری امت میں بڑا رحمدل ابوبکر اور دین اللہ میں قوی تر عمر اور حیاء میں صادق تر عثمان اور بڑا فیصلہ کرنے والا علی ہے اور بڑا قاری ابی بن کعب اور فرائض (میراث) دان زید بن ثابت اور حلال و حرام میں زیادہ علم والا معاذ بن جبل ہے کوئی سبزی سایہ نہیں ڈالتی اور کہیں غبار نہیں اڑتی کہ وہاں پر سچی گفتگو والا ابوذر سے بڑھ کر کوئی نہ ہوگا اور ہر امت کا امین ہوا میری امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

فائدہ: بعض نے کہا کہ لیغیظ، وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ " کی علامت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور نیک عمل والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے" اس لیے کہ جب کافر اہل ایمان کے لئے آخرت کے وہ انعامات سنتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار فرمائے ہیں تو غیظ و غضب سے جلنے لگ

جلتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی یہی عزت پا گئے اور آخرت میں بھی یہی عزت پائیں گے۔ (اسی سے غیظ و غضب میں زندگی بھر جلتے مرتے رہتے ہیں۔)

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کفار کی نظر تو صرف دنیا تک محدود ہے وہ تو آخرت کے قائل نہیں اسی لیے وہ اہل اسلام سے دنیوی جاہ و جلال سے غیظ و غضب اور حسد کی آگ میں جلتے ہیں البتہ آخرت میں چل کر جب اہل ایمان کے مراتب دیکھیں گے تو پھر غیظ و غضب میں جلیں گے جیسے اب ان کے انعامات سے جلتے ہیں۔ منھم میں من بیانیہ ہے جیسے " فاجتنبوا الرجس من الاوثان " میں من بیانیہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے گناہوں کی بخشش اور بہت بڑے اجر و ثواب کا۔ اس سے جنت اور اس کے درجات مراد ہیں۔

رَدِّ شیعہ: اس میں رد ہے ان سرکشوں (شیعوں رافضیوں) کا جو صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں آیت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے مومن فرمایا اور پھر ان سے وعدہ فرمایا کہ یہ فضل ربانی اور رضائے حق کے متلاشی ہیں تو ان سے ناگوار امور سے نجات اور محبوب کے وصال میں کامیابی کا وعدہ کریمہ فرمایا۔

عشرہ بشرہ و چار یار کا قرآنی اشارہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ " محمد رسول اللہ والذین معہ " میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اس لیے کہ وہی غار میں آپ کے ساتھ تھے۔

مسئلہ: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحبت رسول کا منکر کافر ہے اور " اشداء علی الکفار " میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ آپ کفار مکہ کے لئے سخت گیر تھے " رحماء بینھم " سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ آپ رؤف رحیم اور ذو حیاء تھے " تراھم رکعا سجدا " سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں کہ ہر رات ایک ہزار رکعات کی تکبیرات کی آواز خادمانِ درگاہ سنتے تھے اور " یبتغون فضلاً من اللہ و رضوانا " سے باقی عشرہ بشرہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

روافض و شیعہ کی خبر نبوی[1] اور ان کا رد: حدیث شریف میں ہے (حضور نبی اکرم

---

[1] اس حدیث میں شیعوں کا رد ہے کہ وہ واقعی دشمنانِ صحابہ اور مدعیانِ حب علی ہیں ایسے وہابیوں

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا) اے علی تم جنت میں اور تمہارا گروہ بھی جنت میں ہے لیکن عنقریب ایک قوم آئے گی وہ تمہاری ولایت کا دم بھرے گی ان کا لقب رافضہ (رافضی) ہوگا جب تم انہیں پاؤ تو قتل کردو کیونکہ مشرک ہیں۔ عرض کی یارسول اللہ ان کی کیا علامت ہے؟ فرمایا اے علی ان کے ہاں نہ جمعہ ہوگا نہ جماعت (نماز باجماعت نہیں پڑھیں گے) وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیں گے۔

(۲) حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو صبح اٹھے اور اس کے دل میں صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بغض ہوگا تو وہ اسی آیت (لیغیظ بھم الکفار) کا مصداق ہے۔

(۳) حضرت ابو العالیہ نے فرمایا آیت ھذا میں عمل صالح سے حب صحابہ مراد ہے۔

(۴) حدیث شریف میں ہے (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا) اے علی! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ ابوبکر کو والی اور عمر کو مشیر اور عثمان کو سند اور اے علی تم تو پشت پناہ ہو (دین کی) کیا تم چار یار نہیں ہو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تم سے میثاق لیا ہے تمہارے ساتھ مومن ہی محبت کرتا ہے اور کافر بغض کرتا ہے تم چاروں میری نبوت کے خلفاء ہو اور میرے ذمہ کی عقد ہو ایک دوسرے سے انقطاع نہ کرنا اور نہ ہی ایک دوسرے کے عیب ونقص بیان کرنا۔ (کشف الاسرار)

(۵) حدیث میں ہے (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا) میرے صحابہ کو برا نہ کہو اگر تمہارا ایک احد (پہاڑ) کی مقدار خرچ کرے ان (صحابہ) کے ایک مد بلکہ اس کے آدھے کو نہ پہنچ سکے گا۔

فائدہ: مد صاع کی چوتھائی اور نصیف بمعنے شے کا آدھا حصہ اور نصیفہ کی ضمیر احدھم (صحابی) کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ مد کی طرف اب معنیٰ یہ ہوا تمہارا ایک کوئی بھی اس فضیلت کو نہیں پاسکتا جو میرا صحابی ایک مد طعام کا یا اس کا آدھا خرچ کرے اگر تم احد پہاڑ کی مقدار (طعام) خرچ کرو۔

(۶) ایک اور حدیث شریف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے صحابہ کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ جو ان سے محبت کرتا ہے تو میری وجہ سے اور جو ان سے بغض کرتا ہے تو میری وجہ سے اور جو انہیں اذیت دیتا ہے وہ مجھے ایذاء دیتا ہے اور جو مجھے ایذاء دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء

کا بھی رد ہے کہ آپ نے آنے والے حالات بتائے جسے ہم علمِ غیب سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ اسے شرک کہتے ہیں ۱۲۔ اویسی غفرلہ،

دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذاء دیتا ہے وہ اسے عنقریب پکڑے گا عذاب و عقاب دینے کے لئے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ: علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ موجود تھے[1]

فائدہ: حدیث الاخوۃ میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے اخوان (بھائی) نہیں؟ آپ نے فرمایا تم تو میرے صحابی ہو میرے اخوان، بھائی (تواضعاً فرمایا) وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا ان میں سے کسی کا عمل تمہارے میں سے پچاس کے برابر ہوگا۔ عرض کی گئی ان کا پچاس ہمارے ایک کے برابر۔ آپ نے فرمایا نہیں تمہارے پچاس ان کے ایک کے برابر، اسی طرح تین بار اسے دہرایا گیا پھر فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بھلائی پر بڑے معین و مددگار پاتے ہو[2] (اور وہ بے یار و مددگار)۔

ازالۂ وہم: فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والے امتی (اخوان بھائی) صحابہ کرام سے افضل ہوں حالانکہ یہ جمہور کے عقیدہ کے خلاف ہے تو اس کے جواب میں کہوں گا بوجہ فقدان اعوان ان کے ایک کا اجر تمہارے (صحابی) کے پچاس کے برابر ہوگا اس سے مطلقاً غیر صحابی کی فضیلت صحابی پر ثابت نہیں ہوگی اور نہ ہر وجہ سے اور ہر زمانہ کے لوگ صحابہ سے افضل ہو سکتے ہیں۔

التجویہ: قرآن پاک کے جملہ انتیس معجمہ حروف اسی آیت میں ہیں یعنی محمد رسول اللہ سے تا آخر سورۃ پہلا حروف المعجم محمد رسول کا میم اور آخری وعملوا الصالحات کی صاد ہے اور اس کی نظیر سورۃ آل عمران میں گذری ہے اور وہ آیت "ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا (الآیۃ) ہے۔ قرآن میں کوئی دو آیات نہیں جن میں یکجا حروف معجمہ جمع ہوں سوائے ان دو آیتوں کے[3]

دعاء مستجاب: جو ان دو آیتوں کو پڑھ کر دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی[4] انشاء اللہ۔

فضائل سورۃ الفتح: (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورۃ الفتح پڑھی وہ گویا فتح مکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا۔

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جو شخص رمضان کی پہلی رات میں نوافل میں سورۃ الفتح پڑھتا ہے اسی آنے والے سال اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہی مدد ہے۔

---

[1] الصواعق المحرقہ ۱۲، [2] تلقیح الاذہان ۱۲، [3] فتح الرحمٰن ۱۲، [4] ایضاً



تفسیر سورۃ الحجرات اس کی اٹھارہ آیات دو رکوع ہیں باجماع اہل التاویل

(١٨) اٰیاتُھا (٤٩) سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (١٠٦) رکوعاتُھا (٢)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ

النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ

وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

عَظِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

رَّحِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ

تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ

وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

حَكِيْمٌ ○ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ

بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

فَاِنْ جَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ ۔ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے، اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے، بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں بہت معاملوں میں اگر یہ تمہاری خوشی کریں تو تم ضرور مشقت میں پڑو لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں اللہ کا فضل اور احسان اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کر دو اور عدل کرو بیشک عدل والے اللہ کو پیارے ہیں مسلمان بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحمت ہو۔

تفسیر عالمانہ: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے ایمان والو ۔ نداء سے شروع کرنے سے مخاطبین کو تنبیہ ہے کہ اس مضمون میں امر عظیم ہے جس کا اہتمام ضروری ہے اور اس کی رعایت و حفاظت نہایت اہم ہے اور ایمان سے موصوف کرنے میں انہیں خوش کرنے کے لئے ہے اور خبر دینا ہے کہ وہ اس کی محافظت کی داعی ہے اور ضلال اندازی سے روکنے

والی ہے ۔ " لَا تُقَدِّمُوْا " کسی امر میں مقدم نہ کرو " بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ " اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آگے یعنی تم خود کسی کام کو شروع نہ کرو یہانتک وہ فیصلہ فرمائیں یا اجازت دیں پھر یا تو تم وحی الٰہی پر عمل کرنے والے ہو گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء کرنے والے ۔

حل لغات : یہاں یدین بمعنے جہتیں ہیں جو ہونے والی ہیں انسان کے ہاتھوں کی سمت سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ درمیان دو جہتوں کے ہے اور ان دونوں کے درمیان کی جہت سے آگے والی جانب مراد ہے مثلاً کہا جاتا ہے " جلستُ بین یدیہ " بمعنے میں اس کے آگے بیٹھا اور اس جگہ پر جو اس کے قریب اور اس کے دونوں ہاتھوں کے بالمقابل ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے لئے کہا جائے " بین یدی اللہ " تو اس وقت جہت و مکان مراد نہ ہو گا بلکہ اس وقت استعارہ تمثیلیہ ہو گا تشبیہ دی گئی بعض صحابہ کے کسی امر دینی کو جو اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ اور حکم سے پہلے کرلیں اس کے حال کے ساتھ جو راستہ پر چلنے میں کسی کے آگے چلے ۔ اس سے چلنے والے کی نا اہلی کا اظہار مطلوب ہوتا ہے کہ اس پر واجب تھا کہ وہ پیچھے چلتا لیکن وہ اس کے برعکس آگے چل پڑا اور اس کی تعظیم و تکریم بھی مطلوب ہوتی ہے جس کے آگے کوئی چلا مشبہ کی حالت کو اس سے تعبیر کیا گیا ہے جو مشبہ بہ کی حالت ہوتی ہے " وَاتَّقُوا اللّٰہَ " اور ان تمام امور میں جو ادا کرنے کے لائق ہیں اور وہ جملہ امور جن سے رکنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اقوال و افعال میں " اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ " (بیشک اللہ سمیع ہے) تمہاری باتوں کو سنتا ہے " عَلِیْمٌ " تمہارے افعال کو جانتا ہے اسی لیے اس کا حق ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور اس کے احکام کی پابندی کی جائے ۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ " لا تقدموا " بمعنے " لا تفعلوا التقدیم بالکلیۃ " بالکل تقدیم کا کام نہ کرو اس لیے کہ فعل کا مفعول سے تعلق کا ارادہ نہیں کیا گیا اگرچہ وہ متعدی ہے حضرت مولانا ابو السعود رحمہ اللہ نے ایسے ہی فرمایا اور مقام کی مناسبت سے یہی زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ یہی فائدہ دیتا ہے نہی عن التلبیس بنفس الفعل کا جو اس کے انتفاء بالکلیہ کا موجب ہے اور وہی مستلزم ہے اس کے تعلق بالفعل کے انتفاء کا یہ طریقہ برہانی ہے ۔

فائدہ : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تقدیم فعل لازم ہو بمعنے تقدم کے اسی سے مقدمۃ الجیش ہے وہ لشکر جو جنگ کے لئے آگے ہو اسی سے ہے وَجَّہَ بمعنے تَوَجَّہَ اور بَیَّنَ بمعنے تَبَیَّنَ ۔

فائدہ: تقدم (آگے ہونے) اس لیے روکا گیا ہے کہ کسی کے آگے ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تابعداری کی صفت سے خارج ہو اور وہ اس امر میں خود مختار منصور ہو۔ اس معنیٰ پر اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تقدم ایمان کے منافی ہوگا۔

شانِ نزول: حضرت مجاہد و حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت قربانی کے دن نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنے کی نہی میں نازل ہوئی گویا کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے قربانی نہ کرو۔ وہ اس لیے کہ بعض لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز عید ادا کرنے سے پہلے قربانی کر دی انہیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم فرمایا یہی ہمارا (حنفیوں کا) مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے جب اتنا وقت گذر جائے کہ اس میں نماز پڑھی جا سکے تو پھر قربانی جائز ہے۔

دلائل احناف: حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ آج سب سے پہلا ہمارا کام یہ ہوگا کہ ہم نماز پڑھیں گے نماز سے فراغت پا کر قربانی کریں گے جو ایسے کرے گا اس نے ہماری سنت کو پا لیا اور جو نماز سے پہلے قربانی کرے گا تو گویا اس نے گوشت حاصل کر کے اپنے گھر والوں کو کھلایا اسے اس قربانی کا ثواب نہ ملے گا۔

دوسری شانِ نزول: سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت شک کے دن کے روزے وغیرہ کی نہی میں نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو۔

حکایت: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ہم شک کے دن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، آپ کے ہاں دودھ لایا گیا تو آپ نے مجھے پکارا (یعنی آؤ اور دودھ پی لو)۔

تیسری شانِ نزول: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ کہتے تھے اگر قرآن کا حکم یوں نازل ہوتا یا یوں کہا جاتا کاش یہ حکم یوں نازل ہوتا۔ کاش اللہ تعالیٰ ایسے کرتا۔ لائق یوں تھا کہ یوں ہوتا اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر یہ آیت نازل فرمائی۔

چوتھی شانِ نزول: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ میں غزوات سے فراغت پا چکے تو مختلف وفود مختلف

شہروں سے آنے لگے کوئی کہتا مسئلہ یوں ہوتا وغیرہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا کہ ایسی باتیں نہ کرو یعنی اپنی طرف مسائل کے ہونے نہ ہونے کی ابتداء نہ کرو یہانتک کہ اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے ابتداء ہو۔

فائدہ: حق یہ ہے کہ آیت ان تمام امور کو عام ہے وہ قول ہو یا فعل اسی لیے اس کا مفعول محذوف ہے تاکہ سامع کا ذہن اسے ہر مسئلہ پر منطبق کر سکے جتنا اسے ممکن ہے قول ہو یا فعل مثلاً جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں کوئی سوال پیش ہو تو تم اپنی طرف سے جواب دینے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں طعام پیش ہو تو تم کھانے میں سبقت نہ کرو ایسے ہی جب راستہ طے کر رہے ہو تو تم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے نہ چلو ہاں بوقت ضرورت اور مصلحت ہو تو پھر روا ہے ایسے ہی جہاں تک تقدیم کا تعلق ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سبقت ناروا ہے۔

مسئلہ: اصاغر کا اکابر کے آگے چلنا سوائے تین مقامات پر جائز نہیں:۔
(۱) رات کے سفر میں۔ (۲) لشکر کے مقابلہ میں۔
(۳) سیلاب کے پانی یا گہرے پانی کے معلومات کرنے میں۔

گستاخی کی سزا: دور سابق میں قانون الٰہی تھا کہ نوجوان بوڑھے کے آگے چلتا تو زمین میں دھنس جاتا۔

مسئلہ: اس نہی میں داخل ہے یہ حکم کہ علماء کرام و مشائخ کے آگے چلنا منع ہے کیونکہ یہ حضرات ورثۃ الانبیاء ہیں اس کی دلیل واقعہ دلیل ہے:۔

حکایت اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور بزرگی: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آگے چلتا دیکھ کر فرمایا:۔

تمشی امام من ھو خیر منک فی الدنیا والآخرۃ ماطلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین خیرا و افضل من ابی بکر رضی اللہ عنہ[۱] (روح البیان ص ۶۲ ج ۹)

"تو اس کے آگے چل رہا ہے جو دنیا و آخرت میں تجھ سے بہتر ہے اور انبیاء و مرسلین کے بعد جہاں سے سورج طلوع کرتا اور غروب کرتا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بہتر اور افضل نہیں۔

---

[۱] کشف الاسرار ۱۲۔

فائدہ: انہی آیات وروایات میں (بین یدی اللہ ورسولہ) سے صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی تعظیما اور محض تبرک کے لئے ہے اور متنبہ کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ برگزیدہ ذات ہیں کہ جن کے اسم گرامی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا اسم گرامی تو تحفۃً وتمہیداً ذکر فرمایا ہے تاکہ عوام کو معلوم ہو کہ رسول پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر و منزلت اور کیسا قرب اور نزدیکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ پر بطریق عطف ذکر فرمایا ہے جیسے اعجبنی کرم زید کے بجائے اعجبنی زید وکرمہ کہا جائے تو اس میں دلیل ہوتی ہے کہ زید کرم وعطا سے مخصوص ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت کا معنیٰ ہے "لا تقولوا خلاف الکتاب والسنۃ" (کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات نہ کہو)۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ باب الاکتفاء سے ہے جس کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ "لا تفعلوا خلافھما" اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف نہ کرو اس لیے کہ ان کے خلاف کرنا حدود اللہ وحدود الرسول سے تجاوز کرنا ہے یہی معنیٰ اسی آیت کا مجھے نیند اور بیداری میں الہام کیا گیا ہے (واللہ اعلم)۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے رافت ورحمت کا بیان ہے کہ باوجودیکہ بندے گناہوں میں سرمست ہیں لیکن پھر بھی انہیں مؤمنین کی صفت سے یاد فرمایا ہے یعنی "یاایھا الذین اٰمنوا" فرمایا ہے ورنہ "یاایھا الذین عصوا" فرماتا اسے ندائے مدح کہتے ہیں[1]۔

اس میں وعید بھی ہے اس کے لئے جو الہام ووسوسہ کے درمیان فرق نہ کرتے ہوئے بغیر علم کے اس پر حکم لگا کر کہتا ہے کہ اس پر عمل کرنا لازمی ہے کہ یہی حکم منجانب اللہ ہے اس سے اس کا مقصد ریاء وشہرت ہے اور بس۔

مومن کے ایمان کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنی رائے وقیاس اور عقل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخ کامل کی رائے پر ترجیح نہ دے بلکہ ان کی رائے کے

---

[1] تفسیر ابو اللیث ۱۲۔

سامنے سر تسلیم خم کردے بلکہ اسی میں بہتری سمجھے ان کی خدمت اور صحبت کے آداب کی رعایت کرے۔

آداب مریدین: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے سامنے کوئی بات نہ کرے۔یہی بے ادبی اکابر کی نظروں میں گرادیتی ہے۔ حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا جب تک شیخ کوئی بات نہ پوچھے خود لب کشائی نہ کرو اور جو کچھ وہ فرمائے سر تسلیم خم کردو اس کے آگے ساکت وصامت (خاموش) رہو۔ اس کے حق ضائع کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی تعظیم وتکریم میں کوتاہی نہ کرو اللہ تمہارے اقوال کو سنتا اور تمہارے افعال کو جانتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کے مرتبہ کے آگے اور کوئی مرتبہ نہ مانگو کیونکہ اس کا بالمقابل بلکہ اس جیسا اور کوئی نہیں کیونکہ اس کی آنکھ حیاء سے اور کان حکمت سے زبان ثناء وتسبیح سے دل رحمت سے ہاتھ سخاوت سے بال مشک وعنبر سے بھرپور ہیں ؎

قیمت عطار ومشک اندر جہان کاسد شود
چوں برافشاند صبا زلفین عنبر سائے تو

ترجمہ۔ عطر ومشک کی قیمت جہان میں بے قیمت ہو جاتی ہے جب تیری زلف سے صبا خوشبو لاکر پھیلاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ“ (اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو۔)

ربط: فعل وقول میں تجاوز کی نہی سے فراغت پاکر اب کیفیت قول میں تجاوز کی نہی میں شروع ہو رہے ہیں۔

تحقیق صوت: آواز وہ ہوا ہے جو دو قسموں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ دو قسم ہے:۔

(۱) اگر ہوا انسان کے اندر سے طبع کے دفع کرنے سے نکلے تو اسے نفس (بفتح الفاء) کہا جاتا ہے۔

(۲) اگر بالارادہ نکلے لیکن اسے دو جسموں کا تموج عارض ہوا ہے تو اس کا نام صوت ہے۔ صوت اختیاری دو قسم ہے۔ وہ صوت اختیاری جو انسان سے خارج ہوتا ہے دو

قسم ہے :-

(۱) ہاتھ کی ضرب جیسے سارنگی۔ باجے وغیرہ۔

(۲) وہ آواز جو منہ سے انسان نکالے تو وہ بھی دو قسم ہے :-

(۱) نطق۔

(۲) غیر نطق جیسے بانسری وغیرہ کی آواز پھر نطق دو قسم ہے :-

(۱) مفرد۔

(۲) مرکب۔ (علم نحو میں ان دونوں کی تحقیق بطریق اتم ہو چکی ہے)

آیت کا معنیٰ : اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ آواز کو اتنا حد کے آگے نہ پہنچاؤ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پہنچ رہی ہے اس معنیٰ پر یہ باء تعدیہ کی ہے المفردات میں ہے کہ صوت کی نہی کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ نطق اور کلام کو اعم ہے ممکن ہے کہ اس سے صرف کلام مخصوص ہو جیسا کہ اس کا شان نزول دلالت کرتا ہے۔

"وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ" اور تم اس کے سامنے جہر سے بات نہ کرو یعنے نہ بولو جب وہ بول رہے ہوں۔

حل لغات : الجہر حاسۂ بصر سے شئے کے ظہور کو کہا جاتا ہے جیسے "رأيته جهارًا" میں نے اسے کھلم کھلا دیکھا اور با حاسۂ سمع سے شئے کا ظہور ہو جیسے "سواء منكم من سر القول ومن جهر به" (تم میں سے کوئی بات کو چھپائے یا ظاہر کرے) "كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ" (مثل تمہارے جہر کے بعض کے لئے) یعنی وہ جہر جو تمہارے آپس میں ہوتا ہے بلکہ اپنی آواز ان کے سامنے پست رکھو اور ان سے گفتگو کے وقت ایسی ہو جیسے کسی سے سرگوشی کرتا ہے جیسے ہیبت والے عظیم شخصیت کے سامنے گفتگو کی جاتی ہے۔ آپ کی نبوت کی جلالت اور بزرگی کی رعایت کو نگاہ میں رکھو۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ انہیں ایک مخصوص جہر سے منع کیا گیا ہے اور وہ مقید ہے اس جہر سے جو ان کے مابین عادت کے طور ہوتا ہے نہ کہ مطلق جہر سے یہانتک کہ وہ ہر گفتگو ایسی کریں جیسے سرگوشی کرنے والے کرتے ہیں یا بالکل خاموش رہیں پھر یہ دوسری نہی بھی مقید ہے وہ یوں کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بولیں تو یہ بھی بولنے نہ لگ جائیں۔

نہی اول و دوم کا فرق : مفسر روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں نہی کی دو قسمیں بتائی

ہیں اب ان کا فرق بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ نہی اول کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کے اوپر آواز بلند نہ کریں۔ دوسری نہی کا مقصد یہ ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کی گفتگو ایسی نہ ہو جیسے وہ ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بولتے ہیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ آپ کے ساتھ بولنے کے وقت آواز پست رکھیں اس تقریر پر ثابت ہوا کہ نہی اوّل کے بعد نہی ثانی کا ذکر تکرار پر مبنی نہیں اسی لیے کشاف میں مزید توضیح کے طور بتایا کہ نہی اول یعنی لا ترفعوا الخ سے صرف اتنا سمجھا جاتا تھا کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بولیں تو اگر تمہیں بھی بولنا ہے تو اتنا اونچا نہ بولو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے تمہاری آواز بلند ہو جائے بلکہ تم آواز کو اتنا پست رکھو کہ ان کی آواز تمہاری آواز سے بلند ہو اور دوسری نہی یعنی لا تجہروا الخ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہوں اور تم گفتگو کرو تو اتنا اونچا نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو بلکہ اتنا نرم بولو کہ گویا سرگوشی کر رہے ہو" اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ" تاکہ تمہارے اعمال باطل نہ ہو جائیں بوجہ اسی جرأت کے۔

فائدہ: یہ یا تو نہی کی علت ہے بطریق تنازع الفعلین کے کیونکہ ہر دونوں یعنی لا ترفعوا اور لا تجہروا اسی علت کو (من حیث المعنی) چاہتے ہیں۔ بصریوں کے نزدیک یہ فعل اوّل (لا ترفعوا) کی علت ہے اور کوفیوں کے نزدیک لا تجہروا کی۔ گویا یوں کہا گیا ہے" انتہوا عما نہیتم الخ جس کام سے تمہیں روکا گیا ہے اس سے رک جاؤ واسطے اپنے اعمال کے حبوط (ضائع ہو جانے) کے خوف کے یا اس سے ناگواری وکراہت کی وجہ سے یہ اس آیت کے محاورہ کی طرح ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یبین اللہ لکم ان تضلوا تمہیں بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہاں مضاف اور لام تعلیل کی محذوف ہے یا یہ منہی عنہ کی علت ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ رک جاؤ اس فعل سے جو تم کرتے ہو واسطے ضائع ہو جانے تمہارے اعمال کے اس تقریر سے لام عاقبت کی ہوگی کیونکہ وہ رفع الصوت اور جہر سے اپنے اعمال کا ضیاع نہیں چاہتے تھے لیکن چونکہ بایں حیثیت کہ یہ فعل محبط اعمال ہے تو گویا وہ ان سے ہو چکا پھر اس پر لام علت داخل ہوئی تو پھر فعل مؤدی کو علت نمائیہ سے تشبیہ دی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حبط اعمال نہیں چاہتے اسی لیے ان سے آئندہ نہ رفع صوت سرزد ہوگا اور نہ جہر بالقول۔

فائدہ: اس جہر اور رفع صوت سے ممانعت کی مراد یہ نہیں کہ وہ رفع اور جہر استخفاف (توہین

اور گستاخی) کو متقترن ہو کیونکہ وہ تو کفر ہے (یہاں یہ مراد ہے کہ اگر بلا ارادہ بھی رفع الصوت اور جہر بالقول کرو گے تو بھی اعمال ضائع جائیں گے۔

یہاں نزاکت تو دیکھو کہ چونکہ صحابہ کرام عام محاوراتی گفتگو کے تحت گفتگو میں رفع صوت اور جہر کے مرتکب ہو جاتے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو گوارہ نہ ہوا اس میں انتباہ فرمایا کہ یہاں ایسی گفتگو گوارہ نہیں اسی لیے یہاں کسی شئے سے مقید نہیں کیا گیا کیونکہ عمومی قاعدہ کے اعتبار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیر و استخفاف (توہین اور گستاخی) کفر ہے ہاں امر رفع و جہر کا استخفاف کفر نہیں بلکہ وہ تو زیادہ سے زیادہ ایک برا عمل سمجھا جاتا ہے (یعنی نہی کے خلاف عمل کرنے سے کفر نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہے) لیکن چونکہ یہ حکم کے خلاف عمل کرنے کی عادت بنا لیتے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اہانت و استخفاف کا پہلو نکلتا تھا اور پھر اس سے بے پرواہی برتنے کا احتمال تھا اور یہ باتیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں طریقوں (رفع الصوت و جہر بالقول) سے نہی فرما دی۔

مسئلہ: اس سے وہ رفع و جہر بھی مراد نہیں جو جنگ اور دشمن سے جھگڑے اور اس کے ڈرانے کے لئے آواز بلند کی جاتی ہے کیونکہ ایسا رفع الصوت اور جہر بالقول حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا موجب نہیں اسی لیے نہی مذکور میں یہ داخل نہیں۔

عباس رضی اللہ عنہ کی اونچی آواز کا کمال: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو غزوۂ حنین میں فرمایا (جب لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے) "اصرخ بالناس" لوگوں کو پکارو۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے چنانچہ مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک دفعہ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زور سے پکارا "یا صباحاہ یا صباحا" آپ کی اس سخت آواز سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے آپ کی آواز آٹھ میل تک سنی جاتی تھی جیسا کہ تفصیل سورۃ الفتح میں گذری ہے۔

شان نزول ع۲: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیوں کہ آپ کے کان بہرے تھے اور تھے بھی بلند اور بھاری اور زور والے بہت بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بولتے تو ان کی آواز سے آپ کو اذیت پہنچتی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی اور حضرت

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ گھر بیٹھ گئے ان کے نہ آنے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبب پوچھا تو آپ کو عرض کیا گیا کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد خوف سے گھر میں بیٹھ گئے ہیں (اس خیال سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اونچا بولتا تھا اور بسا اوقات میرے اونچے بولنے سے آپ کو اذیت پہنچتی اس آیت کا مصداق ممکن ہے میں ہوں)۔ آپ نے انہیں بلوایا تو عرض کی میں تو اسی خوف سے گھر بیٹھ گیا ہوں کہ شاید یہ آیت میرے لئے اتری ہے آپ نے فرمایا :-

لست هناك انك تعيش بخير وتموت بخير و انك من اهل الجنة

"تو اس کا مصداق نہیں بلکہ تو خیر و بھلائی کی زندگی بسر کرے گا پھر خیر و بھلائی سے فوت ہوگا اور تو بہشتی ہے۔

حدیث شریف کے راوی کا بیان ہے کہ

صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم فان ثابتا مات بخير حيث قتل شهيد يوم مسيلمة الكذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ ثابت (رضی اللہ عنہ) بھلائی میں فوت ہوئے کہ شہید ہوئے تھے مسیلمۃ الکذاب کی جنگ میں۔

شہید بولتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے :

جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ زرہ پہنے ہوئے تھے انہیں ان کی موت کے بعد کسی صحابی نے خواب میں دیکھا وہ انہیں فرماتے ہیں کہ

اعلم ان فلانا لرجل من المسلمين نزع درعي فذهب بها وهو في ناحية من العسكر وعنده فرس مشد ر يرعى وقد وضع على درعي برمة فائت خالدا ابن الوليد فاخبره حتى يسترد درعي۔

جان لو کہ فلاں مسلمان نے میری زرہ اتار کر لے لی اور وہ لشکر کے فلاں حصہ (کونہ) میں ہے اور اس کے پاس گھوڑا بندھا ہوا گھاس چر رہا ہے اس نے میری زرہ کو ہانڈی کے نیچے چھپا رکھا ہے حضرت خالد کے پاس جا کر کہو اور وہ میری زرہ اس سے واپس لوٹائیں۔

مُردہ کی وصیت اور اس کا اجراء :

اس کے بعد انہی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اسی خواب میں اسی صحابی کو فرمایا کہ

ورئيت ابا بكر رضي الله عنه خليفة

اور حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقل لہ ان علی دینا لفلان حتی یقضی دینی وفلان من عبیدی حر

خلیفہ کے پاس جاکر کہہ کہ مجھ پر فلاں کا قرض ہے وہ ادا کیجیے اور میرے فلاں غلام کو آزاد کیجیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ویسے عمل کیا جیسے شہید نے فرمایا: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی خواب کی وصیتیں سن کر اس صحابی نے اسی طرح کیا جیسے انہیں کہا گیا چنانچہ روایت میں ہے کہ

فاخبر خالدٌ ابا بکر تلک الرؤیا فاجاز ابو بکر وصیتہ قال مالک بن انس رضی اللہ عنہ لا اعلم وصیۃ اجیزت بعد موت صاحبہا الا ھذہ للوصیۃ

(روح البیان صـ۶۵ ج۹)[1]

حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو خبر دی ابوبکر نے وصیت پوری فرمائی مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے ایسی کوئی وصیت یاد نہیں کہ کسی کی موت کے بعد پوری کی گئی ہو۔

---

[1] یہ روایت ابن القیم نے کتاب الروح میں و دیگر محدثین نے اپنی تصانیف میں روایت کی اس سے صراحتہً چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) صحابہ کرام حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمولی گستاخی کو کفر اور موجب نار جہنم سمجھتے تھے۔

(۲) حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر امتی کے حالات سے باخبر ہیں اسی لیے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ان کے اجمالی حالات بتا دیئے۔

(۳) صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب باعطائہ اللہ حاصل ہے کہ جیسے فرماتے ہیں وہ یقیناً ویسے ہوتا ہے۔

(۴) انسان مرنے کے بعد بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ قلب مکانی کرتا ہے۔

(۵) مرنے کے بعد انسان کے علم و شعور میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۶) میت کا مرنے کے بعد اہل دنیا سے تعلق وابستہ رہتا ہے۔

(۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عقیدہ تھا کہ مردے بے خبر نہیں ہوتے تبھی تو حضرت

"وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ○" یہ تحبط کے فاعل سے حال ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اور تمہارا حال یہ ہو کہ تم کو اعمال کے ضائع ہو جانے کا شعور نہ ہو۔

حل لغات: الشعور بمعنے علم و فطنت الشعر بمعنے علم دقیق یعنی حس کے ذریعہ جاننا اس میں مزید تحذیر اس امر سے کہ جس سے منع کیا گیا۔

سوال معتزلی ۔ زمخشری (معتزلی) نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔

جواب۱ ۔ یہ از باب تغلیظ ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ لا یشعرون بمنزلہ اس کفر کے ہے جو اعمال صالحہ ضائع کرنے والا ہے اور یہ ان دوسرے کبائر کے قبیل سے نہیں۔

جواب۲ ۔ یہ مسئلہ" ولا تکونن ظہیرًا للکافرین" کے قبیل سے ہے یعنی جہر اور رفع صوت یہ دونوں استہانت (گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مقترن ہیں بلکہ ان دونوں فعلوں سے خود کو منافقین کا ہمجولی بناتا ہے اور یہ کفر ہے اسی لیے حبط اعمال لازمی امر ہے۔

حبط اعمال کے اقسام: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حبط اعمال کئی قسم ہے:-

(۱) دنیوی اعمال ہوں جن کا قیامت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وقدمنا الی ما عملوا فجعلناہ ھباء منثورا" جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیئے۔

(۲) اعمال اخروی ہوں لیکن اس کے عامل کا قصد رضائے الٰہی نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو قیامت میں لایا جائے گا اس سے سوال ہوگا کہ تو دنیا میں کس عمل میں مشغول رہا عرض کرے گا قرأت قرآن میں، اسے کہا جائے گا کہ تو اس لیے قرأت کرتا تھا تاکہ تجھے قاری کہا جائے سو تجھے قاری کہا گیا اب جاؤ جہنم میں چنانچہ اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اطلاع پر چور سے ان کا سامان واپس کرایا۔

(۸) وصیت صرف زندہ انسان کی جاری ہو سکتی ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت جاری کر کے خلافت نبویہ کی حیثیت سے اختیار فی التشریع کا ثبوت بہم پہنچایا کہ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منجانب اللہ اختیار حاصل تھا ایسے ہی آپ کے وارثین بھی باذن اللہ اختیار رکھتے ہیں (ولکن الوہابیۃ والشیعۃ قوم لا یعقلون) اویسی غفرلہ۔

(۳) عامل کے اعمال تو صالح ہوں لیکن جب مرا تھا تو اس کے بالمقابل اس کی برائیاں بھی ہوں گی (جن سے توبہ نہ کرسکا) اسی طرف خفت میزان کا اشارہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن خفت موازینہ" اور جس کے اعمال کا وزن خفیف ہو جائے گا۔)

حل لغات : حبط ہیچوں سمع وضرب حبطاً وحبوطاً بمعنے بطل و احبطہ اللہ بمعنے ابطلہ اور امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا الحبط در اصل حبط سے ہے جانور کا گھاس بہت زیادہ کھا جانا یہانتک کہ اس کا پیٹ پھول جائے اور اس سے کوئی شئے خارج نہ ہو۔

شان رسالت کی نزاکت : امام الیثقلی رحمہ اللہ نے عرائس (البیان) میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھایا کہ اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بوجہ کمال لطافت اور بوجہ مراقب جمال ملکوت کے اصوات جہریہ سے متغیر ومنغص ہوتا ہے اور وہ اس لیے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شغل الٰہی میں بہت زیادہ مستغرق ہوتے ہیں اور ان کی ہر وقت بارگاہ حق میں حضوری ہوتی ہے اس لیے جب کوئی زور سے بولتا ہے تو اس سے ان کا قلب اطہر اذیت پاتا ہے اور اس سے سینہ فیض گنجینہ تنگ ہوجاتا ہے گویا اس سے ان کی سیادین ازل کی سیر میں کمی آجاتی ہے اس لیے انہیں تنگی محسوس ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے عمل سے ڈرایا اور یہ ظاہر ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشویش قلبی اعمال صالحہ کے ضائع ہونے کا سبب ہے اور عرش علیٰ سے تحت الثریٰ تک کوئی شے ایسی نہیں جو آپ کے قلب اطہر کے مقابلہ کی ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء و اولیاء کی قلبی محبت کی پاسداری اعمال الثقلین سے بڑھ کر ہے۔

ادب و تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : اس سے معلوم ہوا کہ امتی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب اور مریدین کو اپنے شیخ کا ادب ضروری اور لازمی ہے۔

نکتہ از صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ : فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ آپ کے کمال لطافت کی واضح دلیل آپ کی موت (وصال) ہے کہ آپ پر گراں تھی اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سے جتنا لطیف متاثر ہوتا ہے اتنا کثیف نہیں جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ہم نے بدو کو دیکھا کہ حکام نے اس کا چمڑہ ادھیڑ لیا لیکن اسے پرواہ تک نہ ہوئی یعنی معمولی طور بھی آہ و بکا نہ سنی گئی اگر اس کے برعکس کسی بڑے سے بڑے ولی کے ساتھ ہو تو وہ شور وفغان کرے گا ہاں جب اس کے عقل وشعور کی حس ختم

کر لی جائے (جیسے آجکل اپریشن کے وقت ٹیکوں یا دواؤں سے بیہوشی طاری کرکے کاٹ وغیرہ کی جاتی ہے)۔

ذکر بالجہر و بالسر کا راز : اس سے معلوم ہوا کہ جہر و خفا ہر دونوں کا ایک محل و مقام ہے ۔ شدید النفس کو جہر چاہیئے (اس لیے سلاسل طیبہ قادریہ چشتیہ ۔ سہروردیہ ۔ (اویسیہ) مبتدی کے لئے ذکر جہر کا فرماتے ہیں) اور نرم طبع کو ذکر بالخفاء مفید ہے) اس لیے سلسلۂ نقشبندیہ میں ذکر خفی ہے کہ مریدین کے نفس کی سختی کو دوسرے طریقہ سے نرم کر لیتے ہیں) جیسے ذکر کی حالت میں ہوتا ہے (جیسے فقیر اویسی غفرلہ نے عرض کیا ہے) لیکن ہر ایک بھی صاحب مشاہدہ نہیں ہوتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی رمز شناسی : حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرو تو گویا تم آپ سے کوئی بات سمجھنے کے لئے بول رہے ہو (ظاہر ہے کہ سمجھنے والا جب اپنے مخاطب سے بات کرے گا تو آہستہ) یہی وجہ ہے کہ نزول آیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہایت ہی آہستہ بات کرتے کہ نہ اتنا جہر ہوتا اور نہ حد سے زیادہ آہستہ ۔

مسئلہ : بعض علماء کرام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس کے قریب زور سے بولنے کو مکروہ لکھا ہے ۔ لانہ حی فی قبرہ (روح البیان ج ۹ ص ۶۶) "اس لیے کہ آپ اپنے مزار میں زندہ ہیں"۔ (اس میں نجدیوں وہابیوں اور ہر وہ فرقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزار میں زندہ نہیں مانتے کا رد ہے ۔)

مسئلہ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہ پاک (یعنی جالی مبارک) کے قریب زور سے بولنا مکروہ ہے[1] اور اس کا مقدار زائر اور مزار مبارک کے درمیان کم از کم چار ہاتھ کا فاصلہ ضروری ہے ۔

---

[1] اسی لیے ترکوں نے تعمیر گنبد خضراء کے وقت موٹے الفاظ میں آیت "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ" الخ لکھوائی تھی جو تا حال ۱۴۰۸ھ لکھی ہوئی نمایاں نظر آتی ہے ۔

زائرین گنبد خضراء کو ہدایات : فقیر یہاں پر زائرین گنبد خضراء کے لئے نذر گذارتا ہے ممکن ہے کہ

مسئلہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ فقہاء عظام (علمائے اسلام) کی مجلسوں میں زور سے بولنا مکروہ ہے کیونکہ ان کی شرافت اور بزرگی کا لحاظ ضروری ہے کیونکہ وہی ورثۃ الانبیاء (علیہم السلام) ہیں۔

حکایت: حضرت حماد بن زید رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص ہنسا آپ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پاک کا درس دے رہے تھے آپ اس شخص پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث (گفتگو) کے سامنے زور سے بولنا ہنسا

کسی خوش قسمت کو فقیر کی ہدایات سے فائدہ نصیب ہو تو اس کے طفیل اس بیکس بے نوا کو نجات نصیب ہو۔

(۱) جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی نیت کر کے سفر شروع کیا جائے تو اپنی نیت خالص کر لینا چاہیئے کہ اللہ کی رضا کے واسطے یہ سفر کر رہا ہوں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح لباب میں لکھا ہے کہ نیت کے خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض وسنن چھوٹنے نہ پائیں۔

(۲) اس سفر میں درود شریف کثرت سے پڑھیں اور نہایت توجہ سے پڑھیں۔ تمام علماء نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ اس مبارک سفر میں جتنی کثرت سے درود شریف پڑھا جائے گا اتنا ہی مفید ہوگا۔

(۳) جب مدینہ طیبہ قریب آجائے تو بہت زیادہ شوق وذوق میں غرق ہو جائے اور کثرت سے درود شریف پڑھا جائے اور جب مدینہ منورہ کی عمارات نظر آنے لگیں تو یہ پڑھا جائے **اللّٰھم ھذا حرم نبیک فاجعلہ لی وقایۃ من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب۔**

ترجمہ۔ اے اللہ یہ تیرے نبی کا حرم ہے اس کو میرے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنا اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنا دے اور حساب کی برائی سے بچنے کا سبب بنا دے۔"

(۴) اس کے بعد اس شہر پاک کی خیر وبرکت حاصل کرنے کی دعا کریں اور اس کے آداب بجا لانے کی توفیق کی دعا کریں اور حسب خواہش پریشانیوں سے بچنے کی دعا کریں۔

(۵) شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں حاضری دینی چاہیئے۔ اگر مستورات اور سامان وغیرہ کی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے۔ تمام علماء کرام نے لکھا ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں داخل ہونا افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی حدیث شریف میں یہی آیا ہے کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے۔

آج بھی اسی طرح سمجھتا ہوں جیسے آپ کی ظاہری زندگی مبارک میں حرام تھا۔ یہ کہہ کر ناراضگی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس دن ناراضگی سے درس نہ دیا۔

مسئلہ: خلاصہ یہ کہ حدیث شریف اور محدث مکرم کے سامنے آواز بلند کرنا مکروہ ہے چہ جائیکہ ان کے سامنے ہنسی مذاق ہو کیونکہ ہنسی مذاق ان سے تمسخر اور ٹھٹھا مخول ہے اور بزرگوں کی مجلسیں ایسے فعل کی متحمل نہیں ہیں۔

---

(۶) بہتر یہ ہے کہ مسجد نبوی میں باب جبریل سے داخل ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس دروازے سے داخل ہونے کا تھا۔

(۷) مسجد میں داخل ہونے کے آداب میں ہے کہ داخل ہوتے وقت سب سے پہلے اپنا دایاں پاؤں اندر رکھیں اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا پڑھیں۔

(۸) اعتکاف کی نیت کریں۔

(۹) مسجد میں داخل ہونے کے بعد خشوع وخضوع اور عجز وانکساری کا پیکر بن جائیں۔

(۱۰) سب سے پہلے ریاض الجنۃ میں جائیں۔ یہ وہ جگہ ہے جو منبر شریف اور قبلہ شریف کے درمیان ہے۔ اس کو روضہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری بیت اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ بہرحال ریاض الجنۃ میں پہنچ کر پہلے تحیۃ المسجد پڑھیں۔ حضور کی خدمت میں حاضری سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا اولیٰ ہے اس لیے کہ یہ اللہ کا حق ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پر مقدم ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سفر سے سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا، تحیۃ المسجد پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا جاؤ پہلے تحیۃ المسجد پڑھو، پھر میرے پاس آنا۔

تحیۃ المسجد کی نماز میں پہلی رکعت میں "قل یآیھا الکافرون" اور دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" کی سورۃ پڑھنا اولیٰ ہے۔ اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت فرض نماز کھڑی ہونے کو ہے تو پھر فرض نماز میں شامل ہو جائیں تحیۃ المسجد نہ پڑھیں بلکہ فرض نماز میں شرکت کر کے اسی میں تحیۃ المسجد کی نیت کر لیں تو تحیۃ المسجد کا ثواب بھی مل جائے گا۔ اسی طرح ایسے وقت میں داخل ہوں کہ اس وقت نفلیں پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ فجر کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد داخل ہوں تو اس صورت میں تحیۃ المسجد نہ پڑھیں۔ بہرحال تحیۃ المسجد کا موقع ہے تو اس سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر

پناہ بخدا: اگر ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ ہماری آج کی مجالس وعظ ودرس و اجتماع المولد[1] (میلاد شریف) وغیرہ وغیرہ میں تشریف لائیں تو ہماری بے اعتدالیوں کو دیکھ کر فوراً ان مجالس سے اٹھ کر چلے جائیں جبکہ ہماری (اکثر) مجالس میں منکرات (بے اعتدالیاں) اور سوءِ ادب (غلطیوں) کی بھرمار ہوتی ہے۔

بے ادبی اور گستاخی کی نحوست: بزرگوں نے فرمایا "من ترك الاداب رد عن الباب" "جس نے آداب کا ترک کیا وہ باب حق سے محروم کردیا جائے گا" اور فرمایا "ابلیس کی نو ہزار سال کی عبادت صرف بے ادبی سے ضائع ہوئی" ۔

ادا کرے کہ اس نے یہ نعمت جلیلہ عطا فرمائی اور دو رکعت شکرانہ کے طور پر پڑھیں۔

(۱۱) اس کے بعد قبر شریف کی طرف اس طرح سے چلیں کہ ہمہ تن پوری توجہ کے ساتھ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کریں اور قلب کو تمام لہو ولعب، قلب کی گندگیوں، تمام کدورتوں اور آلائشوں سے پاک رکھیں اس لیے جو دل ان تمام برائیوں میں ملوث ہو اس دل میں وہاں کی برکات کا کیا اثر ہوگا۔

(۱۲) جب مواجہ شریف میں حاضر ہوں تو تین چار گز کے فاصلے پر کھڑے ہوں۔ زیادہ قریب نہیں ہونا چاہیئے یہ ادب کے خلاف ہے اور نگاہ نیچی رکھیں۔ ادھر ادھر دیکھنا اس وقت سخت بے ادبی ہے اور خیال بھی منتشر ہو جاتا ہے۔

ابن امیر الحاج مدخل میں لکھتے ہیں، جتنے بھی تواضع اور آداب اس وقت لکھے جاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تواضع اور انکساری کرنا چاہیئے اس لیے کہ آپ کی ذات ایسی شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہوتی ہے۔ جس نے آپ کے در کا ارادہ کیا وہ مراد کو پہنچا اور جو آپ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا وہ نامراد نہیں رہا۔ جس شخص نے آپ کے وسیلے سے دعا کی وہ مقبول ہوئی اور جو مانگا وہ ملا۔"

قرآن شریف میں ہے "وما اتاکم الرسول فخذوہ" کہ اللہ کا رسول جو کچھ تمہیں دے اس کو لو" یہ آیت اگرچہ خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اس کا اطلاق عام ہے۔ قیامت تک کے لئے یہ آیت ہے تو اس لیے اس وقت اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی باطناً بہت سی برکات عنایت فرماتے ہیں، اہل دل حضرات کو اس کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ برکات صرف حیات طیبہ کے لئے مخصوص ہو جائیں۔

[1] صاحب روح البیان کے دور میں میلاد کے جلسوں کا چرچا یونہی تھا جیسے آج ہم اہلسنت سرشار ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔

نگاہ دار ادب و طریق عشق و نیاز

کہ گفتہ اند طریقت تمام ادب است

ترجمہ ۔ ادب اور طریقۂ عشق و نیاز کی حفاظت کر اس لیے کہ بزرگوں نے فرمایا کہ طریقت ادب کا نام ہے[1]

ہم اللہ کریم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو بہت بڑے آداب سے مزین ہیں ۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" (بیشک وہ لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں)

ربط: خلل اندازی سے ڈرانے کے بعد جس امر سے منع کیے گئے ہیں اس سے مکمل رک جانے کی ترغیب دی جا رہی ہے ۔

حل لغات: الغض بمعنے کنارے اور آواز (اور وہ جو نرم تن ہیں ہے) کو گھٹانا ۔ اہل عرب کہتے ہیں "غض طرفہ" اپنی طرف (آنکھ وغیرہ) کو کیا "غض السقاء" مشکیزے سے کچھ کم کر دیا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ از روئے ادب اور نہی کی مخالفت کے خوف سے اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست کرتے ہیں " اُولٰٓئِكَ " مبتدا ہے اس کی خبر ہے " اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى " وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کیا ہے ۔

حل لغات: "امتحن الذهب" سے ہے بمعنے "اذابه و میز ابریزه من خبثه" اس نے سونے کو آگ پر رکھ کر اس کے اصل کو کھوٹ سے جدا کیا ۔ یہ مقید کو مطلق کرنے کے قبیل سے ہے (یعنی سونا خالص کرنا، اسے میل کچیل اور کھوٹ سے صاف ستھرا بنانا) جس میں ارادہ بھی مطلق کا ہو ۔

در بوتۂ امتحان کرم بگدازی

منت دارم کہ بے غشم می سازی

ترجمہ ۔ تو نے خالص کرم کے مقام میں مجھے چھوڑا مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے بغیر غل و غش

---

[1] فقیر کی اس موضوع پر تین تصانیف ہیں (۱) با ادب بانصیب (۲) بے ادب بے نصیب (۳) گستاخوں کا انجام بد ۔

(کھوٹ) کے بنایا۔

الاساس میں ہے کہ "محن الادیم مدّدہٗ حتی وسعہ"

اسی سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "امتحن اللہ قلوبھم" کی تفسیر ہے یعنی ان کے قلوب کو کھول کر وسیع فرمایا۔

تفسیر فاروقی: سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قلوب سے شہوات کے تصورات ہٹا دیئے یعنی ان میں سے شہوات کی محبت نکال کر انہیں سوءِ (بُرے) اخلاق سے صاف اور مکارم اخلاق سے سنگار دیا یہانتک کہ وہ عادات بشریہ سے بالکل فارغ ہو گئے۔[1]

"لَهُم" ان کے لئے آخرت میں "مَغْفِرَةٌ" ان کے گناہوں سے بہت بڑی مغفرت ہے "وَاَجْرٌ عَظِيمٌ" اور بہت بڑا اجر ہے۔ اس کا نکرہ تعظیم کا یعنی ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ثابت ہے اتنا کہ جس کا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ان کی آواز کی پستی اور دیگر طاعات کی وجہ سے۔[2]

---

[1] قرآن مجید تو صحابہ کرام بالخصوص شیخین (سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے حق میں یہ گواہی دیتا ہے جو اوپر مذکور ہوئی لیکن شیعہ رافضی کیا کہتے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "شیعہ سنی بھائی بھائی" میں ہے۔ اویسی

شیعہ کتب سے حوالہ جات: تمام اصحاب بدون تین چار کے سب مرتد ہو گئے تھے (فروع کافی ج ۳ ص۱۱۵ مطبع نولکشور)

(ف) مقداد بن اسود۔ ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی یہی تینوں حضرات مسلمان تھے۔ باقی کوئی مسلمان نہ تھا۔ بقول شیعہ علی المرتضیٰ بھی مسلمان نہ تھے۔ معاذ اللہ۔

حضرت علی اول سے مسلمان نہ تھے حالتِ کفر چھوڑ کر ایک دن مسلمان ہوئے۔ (اصول کافی ص۱۵۳ مطبع نولکشور)

شیعہ مذہب میں حضرت علی کو بھی بوقت ضرورت گالیاں دے لیں تو جائز ہے (اصول کافی ص۴۸۴ مطبع نولکشور)

مزید فقیر کی کتاب "تبرا و تولا" کا مطالعہ کیجیے۔ [2] (شان نزول) خزائن العرفان میں ہے کہ آیہ "يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ" کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض اور صحابہ نے بہت اختیاط لازم کر لی اور خدمت اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ: جملہ منافع ان کی مدح میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست آواز سے بولتے ہیں اور ان کی مذمت ہے جو اس کے برعکس کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اپنے شیخ اور مرشد کے سامنے آواز پست رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب اور اس کی خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہے لیکن یاد رہے کہ مشائخ کے سامنے آواز پست رکھنا بھی اہل سکینہ و اہل وقار کو نصیب ہے۔

صوفیانہ نسخے: حضرت حسین قدس سرہ نے فرمایا کہ جس کا دل اللہ تعالیٰ تقویٰ کے لئے خالص کرتا ہے تو اس کا شعار قرآن اور اس کا باطن ایمان اور اس کا دیا تفکر اور اس کی خوشبو تقویٰ اور اس کی طہارت توبہ اور اس کی نظافت حلال اور اس کی زینت ورع اور اس کا علم آخرت اور اس کا شغل استغراق الٰہی اور اس کا مقام مع اللہ اور اس کا روزہ موت اور اس کا افطار جنت اور اس کا جمع حسنات اور اس کا خزانہ اخلاص اور اس کی خاموشی مراقبات اور اس کی نظر مشاہدات ہوتی ہے۔

فرمودہ شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر: سیدنا محی الدین الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ تقویٰ سے ہر وہ عمل مراد ہے جو انسان کو جہنم سے بچائے جو جہنم سے بچ گیا اس سے حجابات ہٹ گئے اور جس سے حجابات ہٹ گئے اس کو محبوب حقیقی کا مشاہدہ نصیب ہو گیا۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کا دل ہمیشہ حرص سے پر رہتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کیے۔

حکایت صحابی: راوی فرماتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اپنی کھیتی تک سواری پر سوار ہو کر نہیں جاتے تھے حالانکہ ان کی وہ کھیتی ان کے گھر سے میلوں دور تھی اس طرح وہ ستر سال تک زندگی بسر کرتے۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کا دل کسی نہ کسی شے کی محبت میں ہمیشہ بیمار رہتا ہے اگرچہ اس کی عمر بڑھاپے سے بڑھ بھی ہو جائے سوائے ان لوگوں کے جن کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کیے اور وہ بہت تھوڑے

ہیں" سے

(۱) وجود تو شہر یست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد

(۲) ہمانا کہ دونان گردن فراز
درین شہر کبر ست و سودا و آز

(۳) چون سلطان عنایت کند بابدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ (۱) تیرا وجود (جسم) شہر ہے اور نیک و بد سے پُر ہے تو بادشاہ ہے تیری عقل تیرا وزیر ہے۔

(۲) تکبر کرنے والے کمینے لوگ تیرے شہر میں تکبر۔ سودا۔ حرص ہے۔

(۳) جب خود بادشاہ برے لوگوں پر نوازش کرے تو پھر کمزور لوگ کس طرح آرام سے زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

" اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ " (بیشک وہ جو تمہیں پکارتے ہیں۔) المناداۃ والنداء بمعنی پکارنا "مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ" حجروں کے باہر ان کے پیچھے یا آگے اس لیے کہ حجرے کا وراء وہ جہت ہے جسے حجرہ اپنی کسی بھی جہت سے اسے چھپادے تو ضروری ہوا کہ وہ جگہ حجرہ سے خارج ہو نہ کہ داخل کیونکہ داخلی جگہ حجرہ کی اس سے جو اس میں ہے حجرہ کے حجم سے نہیں چھپا سکتا اس معنیٰ پر وراء ان دونوں جہتوں (آگے پیچھے) کے لئے معنوی طور مشترک ہے نہ کہ لفظاً۔ لیکن اسے جوہری وغیرہ نے از قبیل اضداد گنا ہے اس معنیٰ پر ان میں اشتراک لفظی ہوگا۔ اور من ابتدائیہ ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ ان کی پکار پیچھے یا آگے کی جہت سے تھی اس لیے کہ بحسب الجہت مبداء و منتہیٰ اس کے دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

الحجرات کی تحقیق: الحجرات سے امہات المؤمنین کے حجرے مراد ہیں اس لیے کہ ہر بی بی کے لئے علیحدہ علیحدہ تھا اس وقت نو بیبیاں تھیں۔ الحجرات حجرہ کی جمع ہے بمعنی محجورہ جیسے قبضہ بمعنی مقبوضہ یعنی وہ جگہ جسے انسان اپنے لیے دیوار وغیرہ سے روک لے اور دوسروں کو اس میں شرکت سے روکے الحجر سے ہے بمعنی المنع (روکنا) اسی لیے عقل کو حجر کہا جاتا ہے وہ انسان کو اس سے روکتا ہے جس کی اجازت اسے نفس دیتا ہے۔ حجرات سے پکارنے کا پایا تو یہ

مطلب ہے کہ وہ ہر حجرہ کے آگے پیچھے پکارتے تھے اور حضور علیہ السلام نے انہیں جہاں بھی تھے اندر سے جواب عنایت فرمایا یا اس لیے کہ وہ حضور علیہ السلام کی تلاش میں ہر حجرہ پر مختلف ٹولیاں بن کر آپ کو پکارتے تھے کیونکہ انہیں خصوصی طور علیہ السلام کے مکان کا علم نہ تھا کہ کس حجرہ میں رونق افروز ہیں[1] اسی لیے بعض نے حجرات مبارکہ کے آگے بعض نے پیچھے کو کھڑے ہوکر پکارا اسی اعتبار سے بعض کا فعل کل کی طرف منسوب ہوا۔

پکارا کس نے: بعض نے کہا یہ گستاخی اور بے ادبی یعنی جرأت کر کے بلا لحاظ آداب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس نے پکارا وہ عینیہ بن حصین الفزاری تھا وہ احمق تھا لیکن برادری کا سردار تھا۔

دوسرا اقرع بن حابس تھا وہ بنو تمیم کا شاعر تھا دونوں ستر آدمیوں کا وفد از بنو تمیم لے کر دوپہر کے وقت پہنچے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیلولہ فرما رہے تھے انہوں نے پکارنا شروع کر دیا اور مندرجہ کلمات کہے:۔

یا محمد اخرج الینا فنحن الذین مدحنا زین وذمنا شین۔ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ہاں تشریف لائیے ہماری مدح زینت اور ہماری ذم عیب ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوکر باہر تشریف لائے اور فرمایا:۔

"ویحکم ذلکم" "تم پر افسوس ہے یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ مدحنا زین مدح ہمارا سنگار" وذمنا شین" اور ہماری مذمت عیب ہے"

سوال۔ کہنے والے بعض تھے اور "ینادون" کی نسبت سب کی طرف کیوں؟

---

[1] **شان نزول:** حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ نے فرمایا کہ "یہ آیت وفد بنی تمیم کے حق میں نازل ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت پہنچے جبکہ حضور آرام فرما رہے تھے ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کیا حضور تشریف لے آئے، ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور اجلال شانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان فرمایا گیا کہ بارگاہ اقدس میں اس طرح پکارنا جہل وبے عقلی ہے اور ان لوگوں کو ادب کی تلقین کی گئی۔ (خزائن العرفان)

جواب ۔ چونکہ مذکورہ کلمات سے سب راضی تھے کیونکہ ان کے سامنے یہی کلمات کہے جا رہے تھے اور وہ خاموشی سے سنتے رہے اسی لیے یہی ہوگا کہ " السکوت من الرضا " خاموشی رضا ہے ۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تاویل کی محتاجی اس وقت ہوگی جب صیغہ جمع سے استغراق افرادی مراد ہو اگر اس سے استغراق مجموعی مراد ہو تو پھر کوئی ضرورت نہیں اسی لیے نحویوں نے کہا کہ جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو وہ انقسام الاحاد بالاحاد کا فائدہ دیتا ہے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ بنو تمیم کے جفاکش (کسان) لوگ تھے اگر وہ اعور دجال کے ساتھ لوگوں سے بہت سخت لڑنے والے نہ ہوتے تو میں دعا مانگتا تاکہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے ۔

شانِ نزول: ان کی مذکور بالا بے ادبی پر سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی اور تاقیامت ان کی مذمت ہوتی رہے گی ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا اس ارشاد گرامی میں کہ " واکثرھم لا یعقلون " ان کے اکثر لایعقل تھے ۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ اکثر کی قید دلالت کرتی ہے کہ ان کے بعض ایسی بے ادبی سے بچنا چاہتے تھے لیکن عقلاء کی قلت میں اشارہ ہے کہ ان میں کوئی بھی عقلمند نہ تھا کیونکہ عرب کا محاورہ ہے کہ بسا اوقات قلت نفی کے قائم مقام ہوتی ہے اس معنیٰ کی حدیث سابق بھی تائید کرتی ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ سارے کے سارے لایعقل تھے اس لیے کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو ایسی جسارت نہ کرتے بلکہ ادب کرتے اور در اقدس پر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف لاتے جیسا کہ فرمایا " وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا " اگر وہ صبر کرتے الصبر بمعنے نفس کو اس کی خواہش سے روکنا " حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ " یہاں تک کہ تم ان کے ہاں تشریف لاتے ۔

قاعدہ: لفظ لَوْ فعل کے ساتھ خاص ہے ۔ یہی مبرد و زجاج اور کوفیوں کا مذہب ہے اسی لیے لفظ لَوْ کے بعد جو اسم ہوگا وہ مرفوع ہوگا فعل مقدر کا نہ کہ وہ مبتدا ہوگا جیسے

سیبویہ نے کہا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر ان کا صبر و انتظار محقق ہوتا یہاں تک کہ آپ خود باہر تشریف لاتے۔
فائدہ: لفظ "حتیٰ" سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ان کے صبر کا مغیا آپ کے تشریف لانے تک ہو کیونکہ وہ غایۃ الشیئ لنفسہ کی تخصیص کے لئے ہے اسی لیے کہا جاتا ہے "اکلت اسمکۃ حتی راسہا" (میں نے مچھلی کو اس کے سر تک کھایا) "اکلت ثلثہا وسفقہا" (میں نے آدھی یا تہائی مچھلی کھائی) نہیں کہا جاتا بخلاف الیٰ کے کہ وہ عام ہے اسی لیے الیہم میں اشارہ ہے کہ آپ اپنی مرضی سے باہر تشریف لاتے۔ نہ کہ ان کے لئے اور وہ بھی یوں ہو کہ آپ تشریف لاتے ہی ان سے آپ خود گفتگو فرمائیں یا ان کی طرف متوجہ ہوں یہی ان کے صبر کی انتہا ہے (ایسا نہ کہ آپ باہر آئیں اور وہ گفتگو شروع کر دیتے تب بھی بے ادبی ہے (سبحان اللہ کتنا نزاکت بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون) اضافہ اویسی غفرلہ)

"لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ" ان کے لئے بہتر تھا یعنی صبر مذکور ان کی جلد بازی سے بہتر تھا کیونکہ اس میں حسن ادب اور تعظیم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت ہے اور اسی میں ثواب اور ان کی تعریف اور مقصود کا حصول تھا کیونکہ وہ وفد لے کر بھی اسی لیے آئے تھے کہ وہ بنو العنبر کے قیدی چھڑائیں۔

فائدہ: القاموس میں ہے کہ العنبر بنو تمیم کے ایک قبیلہ کا باپ تھا۔

واقعہ ساری بنی العنبر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو العنبر کے ہاں ایک سریہ بھیجا جس کے امیر حضرت عینیہ بن حصین رضی اللہ عنہ تھے۔ جب بنو العنبر کو معلوم ہوا کہ سریہ آ رہا ہے تو بھاگ گئے اور عیال کو چھوڑ گئے۔ حضرت عینیہ بن حصین رضی اللہ عنہ نے انہیں قیدی بنا کر بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا دیا ان کو چھڑانے کے لئے یہ لوگ دوپہر کے وقت مدینہ طیبہ میں آئے اس وقت آپ قیلولہ کے لئے دولتکدہ میں تشریف لے گئے جب بنو العنبر کے بچوں نے دیکھا تو شور مچایا اور رونے لگے "الاجہاش" بمعنے زور زور سے رونا" کہا جاتا ہے "اجہش الیہ" فلاں نے فلاں کے سامنے جزع فزع کی۔ یہاں وہ رونا مراد ہے جو بچہ ماں کے ہاں روتا ہے چونکہ ہر ام المومنین کا حجرہ علیحدہ علیحدہ تھا تو یہ لوگ ہر حجرہ کے آگے پیچھے پکار کر کہتے "یا محمد اخرج الینا" اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائیے۔ ان کی پکار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو کر باہر تشریف لائے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے بچوں کا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیجیے۔ اس وقت

جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ اپنے اور ان کے درمیان ایک حکم (فیصل) مقرر فرمائیے۔ آپ نے انہیں فرمایا کیا تم میرا اور اپنا حکم (فیصل) سبرہ بن عمرو کو مان لوگے وہ تمہارا ہم مذہب بھی ہے کہا ہاں۔ سبرہ نے کہا میں یہ فیصلہ کیسے کرسکتا ہوں جب ان میں میرا چچا اعور بن بشامہ بن ضرار موجود ہے وہ اس کے فیصلہ پر بھی راضی ہو گئے۔ اس نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ آپ ان کے بچوں کے آدھا کا فدیہ لے لیں اور آدھے آزاد کر لیں۔ آپ نے فرمایا درست ہے اسی طرح آپ نے ان کے آدھے بچوں کا فدیہ لے لیا اور آدھے آزاد کر دیئے۔

فائدہ: مقاتل نے فرمایا کہ (لکان خیرا لہم) کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ تو ان کے سارے بچے بلا فدیہ آزاد کرنا چاہتے تھے یہی ان کے لئے بہتر تھا (لیکن انہوں نے غلطی کی تو خسارہ اٹھایا) "وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے بہت بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے"۔ یہ بے ادب اگر توبہ اور اپنی اصلاح کرتے تو ان کے لئے اس کی رحمت و مغفرت میں کچھ کمی نہ تھی۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ اس کے لئے غفور ہے جو بے ادبی سے توبہ کرے اور اہل ادب و تعظیم کے لئے رحیم ہے اس لیے کہ ادب رحمت کو کھینچتا اور بے ادبی نعمت چھینتی ہے ؎

سرمایہ ادب بکف آر کہ این متاع
آنرا کہ ہست سوء ادب نایدش بکف

ترجمہ۔ سرمایۂ ادب ہاتھ میں لے اس لیے کہ یہ اسباب جسے نصیب ہے اس کے ہاں بے ادبی نہیں آسکتی۔

فوائد: اس مقام پر چند فوائد قابل غور ہیں:۔

(۱) آیت میں انتباہ کیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر و منزلت ہے اور ان کا ہر وقت اور ہر آن ادب ضروری ہے۔ ان بے عقلوں کو اگر قدر و منزلت معلوم ہوتی تو حضور علیہ السلام کو زور زور سے نہ پکارتے بلکہ عقل والے تو بارگاہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حاضری کے وقت دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تاکہ بے ادبی نہ ہو[1]

---

[1] **صحابہ کرام کے آداب:** (۱) بخاری شریف میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضرت صائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا ایک شخص نے

علاوہ ازیں ان بے عقلوں نے حضور علیہ السلام کو عام انسانوں کی طرح پکارا وہ اس سبب کر ان کے آگے پردے غفلت کے تھے ورنہ وہ اگر اہل حضور و اہل شہود سے ہوتے تو یوں پکارتے

کار نادان کوتہ اندیشی است ؎
یاد کردن کسے کہ در پیشی است

ترجمہ ۔ بیوقوف کا کام کوتہ اندیشی ہے ۔ یاد کرنا اسے نصیب ہے جو بلندی میں ہے ۔

مسئلہ : حضرت ابو عثمان مغربی قدس سرہ نے فرمایا کہ اکابر اور اولیاء بزرگوں کی مجلس کا ادب بہت بڑے اور اونچے مراتب تک پہنچاتا ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی ہے ۔

مسئلہ : جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ضروری ہے ایسے آپ کی سنت مطہرہ پر عمل کرنے والے علماء باعمل کا ادب بھی ضروری ہے ۔

مجھے ایک کنکر ماری ، میں نے ادھر دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے ۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ جو دو آدمی بول رہے ہیں انہیں بلا کر لاؤ ۔ میں ان دونوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو ؟ انہوں نے عرض کیا کہ طائف کے رہنے والے ہیں ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو تم کو مزہ چکھا دیتا ۔ تم حضور کی مسجد میں چلا کر بول رہے ہو ۔ بعض روایات میں حضرت عمر کے اس قصہ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ایسے کوڑے مارتا کہ بدن درد کرنے لگتا آپ گویا اجنبی ہونے کی وجہ سے مسئلہ کی ناواقفیت کو عذر قرار دیا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب کہیں قریب کیل میخ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو آدمی بھیج کر ان کو روکتیں کہ زور سے نہ ٹھوکیں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے مکان کے کواڑ بنانے کی ضرورت پیش آئی تو بنانے والوں کو فرمایا کہ شہر کے باہر بقیع میں بنا کر لائیں تاکہ ان کے بنانے کی آواز کا شور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے ۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کا وہی معاملہ ہونا چاہیئے جو زندگی میں تھا ۔

حکایت: ہم نے بہت سے علماء کرام کو دیکھا کہ اپنے جیسے علماء کرام کے دروازوں پر بیٹھے رہتے دروازہ نہیں کھٹکاتے تھے جبتک کہ وہ حضرات خود باہر تشریف نہ لاتے یہ صرف ان کے احترام اور قدر و منزلت کے پیش نظر تھا۔

حکایت: حضرت ابو عبیدہ القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے کسی عالم دین کا دروازہ نہیں کھٹکایا جب تک کہ وہ خود تشریف نہ لاتے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب سکھایا۔

شرح: "ادبنی احسن تادیبی" اس حدیث کا خلاصہ ہے فاء تفسیر ہے ما قبل کی یعنی وہ تادیب احسن تادیب تھی۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بڑوں کی توقیر چھوٹوں پر رحمت و شفقت اور لوگوں سے نرم کلام دانشمندی کی علامت ہے۔

آداب معیت: دوست کے ساتھ رہنا ہو تو عزت و احترام سے رہو اگر ہم کفو اور ہم مثل کے ساتھ رہنا ہو تو وفا کا ثبوت دو اگر اپنے سے کم مرتبہ کے ساتھ رہنا ہو تو رحمت و شفقت سے پیش آؤ اگر عالم دین کے ساتھ رہنا ہو تو خدمت کرو اور تعظیم و تکریم میں رہو اگر جاہل کے ساتھ رہنا ہو تو سیاست سے کام لو اگر دولتمند کے ساتھ رہنا ہو تو استغناء برتو اگر فقیر کے ساتھ رہنا ہو تو دوستی کرو اگر صوفی کے ساتھ رہنا ہو تو تسلیم و رضا کے پیکر بن جاؤ۔

فائدہ: بعض حکماء نے فرمایا کہ لوگوں سے ایسا معاشرہ رکھو کہ اگر مر جاؤ تو وہ روئیں اگر تم غائب ہو تو تمہارے لیے ملال میں رہیں۔

(۲) آیت میں جہالت کی مذمت اور عقل و علم کی مدحت ہے۔ شرافت عقل ضرورت عقل و علم و حسن کو مکمل کرتی ہے یہانتک کہ سب کو معلوم ہے کہ اونٹ کتنا بڑا اور قوت میں تمام جانوروں سے بڑھ کر ہے لیکن انسان کے آگے سر خم کر دیتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر میں سرکشی کروں گا تو وہ عقل و علم سے مجھے زیر کر لے گا۔

عوام عرب و ترک: یہی وجہ ہے کہ عرب و ترک کے عوام اپنے بڑوں کی تعظیم و تکریم میں کسر نہیں چھوڑتے کیونکہ ان کا تجربہ ہو گا کہ یہ مشائخ (بڑے) ان سے علم و عقل میں بڑھ کر ہیں اسی لیے ماثور ہے کہ "الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ" شیخ اپنی

قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی امت میں" یہ بھی علم و عقل کی وجہ سے ہے نہ کہ شخصی قوت اور جمال و شوکت سے مثنوی شریف میں ہے ؎

کشتی بے لنگر آمد مرد شر
کہ زباد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را امان
لنگرے دریوزہ کن از عاقلان

ترجمہ۔ "مرد کی کشتی لنگر کے بغیر ہوتی ہے کہ اسے باد مخالف کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا۔ لنگر عقل ہے اور عقلمند کے لئے عقل امان ہے۔ عقلمندوں سے ایسا لنگر مانگ۔"

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ عقلمند کا کلام دل سے ہوتا ہے جب وہ بولتا ہے تو پہلے دل پر نگاہ کرتا ہے اگر وہ کلام اس کے لئے مفید ہوتا ہے تو بولتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور بیوقوف احمق کا کلام زبان پر ہوتا ہے اور عقل گڑھے میں اس لیے کہ جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو گر جاتا ہے (یعنی بات بات پر ہزاروں ٹھوکریں کھاتا ہے)۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عقلمند کی زبان اس کے دل میں اور احمق کی زبان منہ میں ہوتی ہے اور ادب عقل کی صورت میں ہے اور بے ادبی اور گستاخی میں کسی قسم کی شرافت اور بزرگی نہیں اور جہالت سے بڑھ کر اور کوئی تھکا دینے والی بیماری نہیں جب انسان کی عقل مکمل ہو جاتی تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے ؎

ہر کرا اندکست مایۂ عقل
بیہودہ گفتنش بود بسیار
مرد را عقل چوں بیفزاید
در مجامع بکاہدش گفتار

ترجمہ۔ جس کے پاس عقل کا سرمایہ کم ہے اس کی بیہودہ گفتار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مرد کی جب عقل زیادہ ہوتی ہے تو مجمعوں میں وہ بہت تھوڑا بولتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ابن آدم کی ہر بات اسے ضرر رساں ہے سوائے امر بالمعروف

ونہی عن المنکر کے۔

حدیث شریف: جہنم میں زیادہ اوندھے گرنے والے زبان کی خرابیوں کی وجہ سے ہوں گے۔

(۳) بعض اکابر نے فرمایا کہ (ولو انہم صبروا الآیہ) میں تدبر کر یوں نہ دیکھ کہ یہ تو دوسروں کے لئے نازل ہوئی ہے بلکہ تو اپنا تصور کر کہ تیرا قیامت میں اٹھنا کیسا ہوگا اور تو نے شفاعت کا دروازہ کس طرح کھٹکانا ہے، اسی لیے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹھنے کا انتظار کر اور صبر سے کام لے یہانتک کہ وہ خود تشریف لا کر تیری شفاعت کریں (تو خود انہیں پکار اور شور مچا کر بے صبری کا ثبوت نہ دے بلکہ خاموش رہ اور انتظار کر) کیونکہ شافع وہی ہیں اور قیامت میں ان کے سوا کوئی حامی کار نہ ہوگا۔

شفاعت کا منظر: قیامت کے دن تمام لوگ انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے کسی سے دامن مراد نہ بھریں گے یہانتک کہ بارگاہِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں گے۔

احادیث شفاعت: (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-
انا اول ولد آدم خروجا اذا بعثوا وانا قائدہم اذا وفدوا وخطیبہم اذا انصتوا وانا مبشرہم اذا ابلسوا وانا شفیعہم اذا حشروا ولواء الکرم بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولا فخر یطوف علی الف خادم کانہم لؤلؤ مکنون (روح البیان ص۲۰۷ ج ۹)

ترجمہ۔ قبور سے نکلنے میں بنو آدم میں سب سے پہلا میں ہوں جب وہ قبور سے نکلیں گے اور میں ان کا قائد ہوں جب وفد بنا کر جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں جب وہ خاموش ہوں گے میں انہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جب وہ ناامید ہوں گے اور میں ان کا سفارشی ہوں جب میدان حشر میں آئیں گے اور کرم کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں تمام بنو آدم سے مکرم تر ہوں اس کا مجھے فخر نہیں میرے لیے ہزار خدام آتے ہوں گے گویا وہ خالص موتی ہیں۔

سرخیل انبیاء و سپہدار اتقیاء
سلطان بارگاہِ دنیٰ قائد الامم

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام کے سردار اور اتقیاء کے امام بارگاہ دنی کے سلطان اور

امنوں کے قائد ۔"

نکتہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزار خدام ہیں یہ نکتہ ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہزار اسماء محقق ہیں ۔

تفسیر عالمانہ: " یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ " (اے ایمان والو اگر لائے تمہارے پاس فاسق) " بِنَبَاٍ " (کوئی خبر) " النبأ " بمعنے الخبر " یعنی ایسی خبر لائے جو وحشت ناک ہو اور دل دکھائے ۔ تنکیر تعمیم کے لئے ہے ۔

مسئلہ: اس میں انتباہ کیا گیا ہے کہ ہر فاسق سے احتراز ضروری ہے ۔

سوال ۔ حرف شک کے ساتھ کیوں لایا گیا ہے حالانکہ حرف اذا لانا چاہیئے تھا ۔

جواب ۱ ۔ تاکہ دلالت کرے اس پر کہ مومن کو لائق ہے کہ وہ ایسی طرز سے رہے کہ اس سے فاسق کسی قسم کا طمع و لالچ نہ کر سکے اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی جھوٹی بات کر سکے ۔

جواب ۲ ۔ ابن الشیخ نے فرمایا کہ حرف شرط اس لیے لایا گیا کہ صحابۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایسی نادر الوقوع بات احتمالی طور ہو تو ہو یقینی طور نہیں " فَتَبَیَّنُوْۤا " اگر فاسق ایسی خبر لائے جو دل پر اثر انداز ہو تو اچھی طرح پہچان لو اور خوب تجسس کرو یہانتک کہ تمہارے سامنے واضح ہو جائے کہ اس نے سچ کہا ہے یا جھوٹ لیکن صرف اس کی بات کا اعتماد نہ کرو کیونکہ ایسا آدمی نہ فسق سے بچتا ہے نہ جھوٹ سے جو کہ وہ بھی فسق سے ہے ۔

شان نزول: مروی ہے کہ ولید بن عقبہ ابن ابی معیط (حضرت عثمان کا مادری برادر) جسے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے بعد کوفہ کا حاکم بنایا اس نے صبح کی نماز بحالت نشہ چار رکعت پڑھادی اور کہا چاہو تو اس سے اور زیادہ کروں اسے حضرت عثمان نے معزول کردیا " کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی المصطلق کے ہاں صدقات و زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے بھیجا (اس اور ان کے درمیان پہلے سے کسی معاملہ میں کینہ اور بغض تھا لیکن وہ دور جاہلیت کی بات تھی ان کے کسی کو اس نے قتل کردیا تھا) جب وہ ان لوگوں کے قریب پہنچے تو وہ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اس نے سمجھا کہ شاید وہ مجھے قتل کرنے کے لئے آ رہے ہیں ڈر سے بھاگ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر ہیں بلکہ وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے جنگ کا خیال فرمایا تو یہی آیت نازل ہوئی ۔

بعض نے کہا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو ولید بن عقبہ کی واپسی کے بعد ایک لشکر کے ساتھ ان کی طرف یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ لشکر کے ساتھ ان کے ہاں پہنچنے کا انہیں علم نہ ہو۔ اور رات کے وقت ان کے ہاں جانا پھر دیکھنا کہ ان سے شعائر اسلام کی ادائیگی ہو رہی ہے یا نہ اگر ہو رہی ہے تو پھر ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا اگر ان میں شعائر اسلام کی ادائیگی نہ ہو تو ان کے ساتھ وہی کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی جنگ کرنا حضرت خالد نے اسی طرح کیا جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا چنانچہ ان کے ہاں آپ مغرب کے وقت پہنچے تو ان سے مغرب و عشاء کی اذانیں سنیں اور دیکھا کہ وہ لوگ شعائر اسلام میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی ادائیگی میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں آپ نے ان سے زکوٰۃ وصول فرمائی اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تمام حال عرض کر دیا تو یہی آیت نازل ہوئی۔

" اَنۡ تُصِیۡبُوۡا " خطرہ ہے کہ تم پہنچو " قَوۡمًاۢ بِجَہَالَۃٍ " قوم بے خبری میں ان تصیبوا کی ضمیر سے حال ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ درانحالیکہ تم منسوب ہو جاؤ ساتھ جہالت کے ان کے حال اور کنہ سے " فَتُصۡبِحُوۡا " پس تم ہو جاؤ ان کی برأت کے اس سے جو ان کی طرف منسوب ہوئی " نٰدِمِیۡنَ " شرمسار یعنی دائمی مغموم پھر ہاتھ ملتے رہو کہ کاش ہم یہ کام نہ کرتے (قاعدہ لغویہ) جہاں (نون - دال - میم) کا اجتماع ہوگا وہاں دوام کو معنیٰ پایا جائے گا جیسے " ادمن الامر " اس نے کام میں مداومت کی (مدن المکان) وہ اس مکان میں مقیم ہوا۔ اسی سے ہے مدینہ (شہر) اور ندامت وہی غم ہے جو انسان کو ہمیشہ لاحق رہے جس سے وہ آرزو کرے کہ کاش وہ کام اس سے نہ ہوتا اس کا لزوم کبھی اس کی قوت اول الامر کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے موجب و سبب سے دل سے نہ ہٹنے سے اور کبھی اس کی بار بار کی یاد سے ان کے علاوہ دیگر اسباب بھی ہیں (جنہیں یہاں ذکر کرنے میں تطویل لاطائل ہے)۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہل اپنے کیے سے نادم ہوتا ہے لیکن کچھ مدت بعد۔

مسئلہ: امر کی ترتیب تبین (ظاہر ہونے) مخبر کے فسق میں اشارہ ہے کہ بعض مقامات پر خبر واحد عادل کا قبول کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کے ایک بار جھوٹ بولنے پر

پھر اس کی گواہی مسترد فرمادی پھر فرمایا جھوٹا گواہ عشار کے ساتھ جہنم میں ہوگا۔

حدیث شریف : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جھوٹی گواہی دی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس نے دو کے درمیان انصاف کا فیصلہ نہ کیا تو اس پر خدا کی لعنت ہے۔ اور جس نے کسی کو کافر کہا اور در اصل وہ کافر ہے تو وہ کفر اس پر ہوگا اور اگر نہ ہو تو وہ کفر قائل کی طرف لوٹے گا۔ (کشف الاسرار)

ف : ایسے ہی کسی کو مشرک کہنا اگر وہ نہ ہو تو شرک کا فتویٰ شرک کے مفتی کو لوٹے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (ابن کثیر) اس سے دیوبندیوں وہابیوں کو شرک کی رٹ لگانے پر عبرت حاصل کرنی چاہیئے لیکن .... (اضافہ اویسی)

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جھگڑا ڈالنے والے اور چغلخور اور گلہ گو کی بات کی طرف کان لگانا یعنی اس کی بات نہ سننا چاہیئے۔ (کشف الاسرار)

سہ (۱) کسی پیش من در جہان عاقلست
کہ مشغول خود وز جہان غافلست

(۲) کسی را کہ نام آمد اندر میان
بہ نیکوترین نام و نعتش بخوان

(۳) ازاں ہمنشیں تا توانی گریز
کہ مر فتنۂ خفتہ را گفت خیز

(۴) میان دو کس جنگ چون آتش است
سخن چین بدبخت ہیزم کش است

(۵) میان دو تن آتش افروختن
نہ عقلست خود درمیان سوختن

ترجمہ۔ (۱) میرے ہاں جہان میں وہ سمجھدار ہے جو اپنے میں مشغول اور جہان سے غافل ہے۔
(۲) جس کا تیرے سامنے نام لیا جائے اس کا اچھی طرح نام لے اور اس کی تعریف کر۔
(۳) اس ساتھی سے جہاں تک ہو سکے بھاگ جو سوئے ہوئے فتنہ کو جگاتا ہے۔
(۴) دو شخصوں کے درمیان جنگ آگ ہے۔ بدبخت چغلخور لکڑیاں ڈالنے والا ہے۔
(۵) دو شخصوں کے درمیان آگ بھڑکانا عقلمندی نہیں بلکہ خود اس میں جلنا ہے۔

فائدہ: تحقیق حال کا مکمل تجسس ضروری ہے تاکہ حقیقت حال معلوم ہو اور جانبین خرابی سے محفوظ ہوں اور جھوٹا دجال (غلط کر دینے والا) رسوا اور خوار ہو۔

حدیث شریف: حال کی تحقیق منجانب اللہ اور عجلت شیطان سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ نفس فاسق اور امارہ باسوء کے بڑے مکر و فریب میں وہ انسان کو ہر وقت شہوات دنیا کی مختلف خبریں سناتا رہتا ہے ہوشیار انسان کو چاہیئے کہ حقیقت حال کا تجسس کرے اس سے پہلے قلوب کی قوم کے کسی فرد اور اس کی صفات کو نقصان نہ پہنچا دے بیخبری میں اس سے جو اس میں نفوس کی شفاء و حیات اور قلوب کا مرض اور ممات ہے اگر ایسا کر لیا تو پھر قیامت کی صبح میں اپنے کیے پر نادم اور شرمسار ہوگا۔

تفسیر عالمانہ: "وَاعْلَمُوٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ" اور جان لو کہ تمہارے درمیان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

فائدہ: صیغہ امر میں اشارہ ہے کہ مخاطبین کو اس میں بمنزلہ جاہلوں کے قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالمقابل بوجہ اس کے کہ ان کے سامنے وہ امور کر دکھلائے جو ان کی قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم کے خلاف ہے اور "لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ" جملہ مستانفہ ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ "ان فیکم" اپنے اسم و خبر سے مل کر "اعلموا" کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے باعتبار اپنے مابعد "لو یطیعکم" الخ کے کیونکہ وہ فیکم کی دو ضمیروں میں سے ایک سے حال ہے اور اس کی پہلی ضمیر مرفوع مستتر ہے جو رسول اللہ کی طرف راجع ہے جس کا عامل محذوف ہے دراصل عبارت "کائن فیکم یا مستقر فیکم" اور دوسری ضمیر مجرور اور بارز ہے یعنی "کُمْ" اب معنی یہ ہوا کہ حال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے میں ہیں اور وہ ایسی حالت میں ہے تبدیل و تغیر چاہتے ہو یا تم ایسی ہر حالت پر ہو وہ یہی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سے حوادث (امور) میں تمہاری تابعداری کریں اگر وہ ایسا کریں کہ تم جہد و ہلاکت میں پڑو گے۔" اس تقریر پر لو یطیعکم الخ اس حال کی تغییر کے وجوب کی دلیل ہے جو حال کے قائم مقام ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نے ولید کی بات سن کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایسی باتیں کیں کہ جس سے آپ بنو المصطلق کے ساتھ جنگ کی تیاری

کریں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات نہ مانی۔

حل لغات: العنت (محرکۃ) بمعنی الفساد والاثم والھلاک اور انسان پر مشقت کا دخول (القاموس) اہل عرب کہتے ہیں "عنت فلان" فلاں ایسے امر میں واقعہ ہے جس سے ضائع ہونے کا خوف ہو (المفردات) یہ باب رابع سے ہے ہیچوں (طَرِبَ يَطْرَبُ طَرَبًا) اور زمخشری نے کہا العنت بمعنے الکسر بعد الجبرۃ تکمیل کے بعد ٹوٹ جانا (تاج المصادر) میں ہے بمعنے نقصان والا ہونا اور ایسے میں واقع ہونا کہ جس سے باہر آنا مشکل ہو جائے اور ہڈی کا صحیح ہونے کے بعد ٹوٹ جانا اور اللہ تعالیٰ کے قول "لمن خشی العنت منکم" میں العنت بمعنے فجور و زنا ہے اسی محاورہ سے ہے۔ جب کوئی مسلمان دار الحرب میں قیدی ہو جائے تو اس کے لئے کہتے ہیں "اذا خشی العنت والفجور لاباس بان یتزوج امرأۃ منھم" (جب اسے زنا اور فجور کا خطرہ ہو تو اسے جائز ہے کہ وہ دار الحرب میں ان کی کسی عورت سے نکاح کر لے)

قاعدہ لغویہ: عین۔ نون۔ تاء کا اجتماع مشقت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: "لو یطیعکم" کا مضارع دلالت کرتا ہے کہ ان کا امتناع عن العنت بوجہ استمرار عدم اطاعت الرسول کے ہے اس لیے ان کا مشقت میں پڑنا اس پر موقوف تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اطاعت کریں لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی اطاعت ممتنع ہے اسی لیے ان کا مشقت میں پڑنا بھی ممتنع ہے اس لیے کہ اس طرح اصلی مقصد الٹ ہو جاتا ہے اور رئیس کو مرؤس بنانا پڑتا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی اطاعت نہ کرنا نادر الوقوع ہے بلکہ محال و ممتنع ہے۔ قاعدہ علم البلاغۃ کا قاعدہ ہے کہ لو ماضی میں شرط کے لئے ہے یعنی حصول مضمون جزاء کی تعیین حصول مضمون شرط پر معلق ہے بالفرض اگر شرط منتفی ہے تو جزاء لازماً منتفی ہو گی اسی لیے اثبات اور زمانہ ماضی شرط میں نہیں تو جزاء میں بھی ایسے ہو گا کیونکہ ثبوت تعلیق کے منافی ہے اور مضارع ماضی کے۔ اسی لیے جب لو ماضی کو چھوڑے گا تو اس میں کوئی نکتہ ملحوظ ہو گا وہ یہی کہ اس میں زمانۂ ماضی کا استمرار مطلوب ہے اور وہ ہے فعل اطاعت ہے وہ یہی ہے کہ تمہارا مشقت میں پڑنا اس لیے ممتنع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دائماً تمہاری اطاعت کرنا ممتنع ہے اس سے معلوم ہوا کہ مضارع یہاں استمرار کے لئے ہے اس پر لو کا دخول امتناع استمرار کا فائدہ دے رہا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ "لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان پیارا کیا ہے)

یہ تجرید خطاب کے لئے ہے اور اسے بعض کی طرف متوجہ کرنا ہے بطریق استدراک کے اور بیان کرنا ہے کہ یہ لوگ ان پہلے اوصاف والوں میں سے نہیں بلکہ اب ان کے محامد بیان کیے جا رہے ہیں یعنی وہ کاملین جو ہر سنی خبر پر اعتماد نہیں کرتے۔

حل لغات : التحبیب بمعنے دوست کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایمان کو تمہاری نظروں میں محبوب بنایا " وَزَيَّنَهُ " اور اسے سنوارا " فِي قُلُوبِكُمْ " تمہارے دلوں میں یہانتک کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں راسخ ہو چکی ہے اسی لیے تمام وہ اقوال و افعال عمل میں لاتے ہو جو اس کے لائق ہیں۔

فائدہ : عین المعانی میں ہے کہ وہ ایمان تمہارے دلوں میں ہے نہ صرف زبانوں پر۔ اس میں کرامیہ (فرقہ) کا رد ہے (کہ وہ ایمان صرف زبان کے اقرار کا کہتے ہیں) اور نہ ہی صرف اعضاء سے۔ اس میں شفعویہ (فرقہ) کا رد ہے (وہ ایمان صرف اعمال صالحہ کو سمجھتے ہیں) " وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ " اور اسے ناگوار تمہارے سے کفر و فسق و عصیان کا صدور) اسی لیے تم ان امور یعنے آثار و احکام سے اجتناب کرتے ہو جن میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو۔

حل لغات : التکریہ بمعنے بغض ڈالنا اور بغض حب کی نقیض ہے بمعنے نفس کا اس سے نفرت کرنا جو اسے ناگوار ہے اور حب بمعنے نفس کا اس طرف رغبت کرنا جو اسے پسند ہے۔

فائدہ : چونکہ تحبیب و تکریہ بمعنے انہاء المحبۃ والکراہتہ یعنے ان کا ان کی طرف پہنچانا اسی لیے انہیں لفظ الیٰ سے استعمال کیا گیا ہے۔

فائدہ : فتح الرحمن میں ہے کہ تحبیب و تکریہ من اللہ کا معنیٰ ہے اس کا لطف و امداد کی توفیق بخشی اور کفر بمعنے انکار کر کے نعم الٰہی کو چھپانا۔ فسوق بمعنے نفس پر ظلم کر کے میانہ روی سے نکل جانا۔ عصیان بمعنے فرمانبرداری سے رکنا اور یہ تمام گناہوں کو شامل ہے اور فسوق کبیرہ گناہوں کے ساتھ خاص ہے " أُولَٰئِكَ " وہ لوگ جو " ولکن اللہ الخ " سے مستثنیٰ کیے گئے ہیں " هُمُ الرَّاشِدُونَ " وہی ہیں اس سیدھے راستہ پر چلنے والے جو موصل الی الحق ہے۔

فائدہ : آیت میں عدول و تلوین ہے کہ خطاب سے شروع کر کے صیغہ غیب پر ختم فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ جس کا یہی حال ہو وہی مدح کے لائق ہے (کذا قال ابو اللیث)

"فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً" (اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے) یہ حبب وکرہ کی تعلیل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ یہ راشدین کی تعلیل نہیں اس لیے کہ فضل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور رشد بھی اگرچہ اسی کا فعل ہے کیونکہ مسبب ہے اس کے فعل سے لیکن پھر بھی اس کا اسناد راشدین کی ضمیر کی طرف ہے اور رشد کا سبب تحبیب وتکریہ ہے اور فعل کے اسناد ظاہری کا اعتبار ہوتا ہے اور رشد کا فاعل اس وقت وہی لوگ (ممدوح) ہیں اسی لیے اس کا اسناد اسی طرف ہوگا نہ کہ اس کے ایجاد کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت فعل رشد کا اسناد قوم (ممدوح) کی طرف ہے۔ جب یہ بات ہے اب سوال پیدا نہیں ہوتا کہ فضل وانعام اور رشد میں اتحاد ہوگیا لیکن ہم نے فرق بتادیا کہ فضل وانعام کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور رشد کا قوم کی طرف "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ" (اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے وہی اہل ایمان کے احوال کو خوب جانتا ہے اسی لیے اپنی حکمت سے انہی پر ہی فضل وکرم ہوتا ہے اور انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے "حَكِيْمٌ" جو کچھ کرتا ہے اپنی حکمت کے تقاضا پر کرتا ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدق وکذب کو جانتا ہے اور اس کے کام بندوں کے حق میں مستحکم ہیں اور اس کی حکمتیں ہیں کہ پکی اور مضبوط خبریں دیتا اور فرماتا ہے کہ نار جہنم کا عذاب بندوں کے اپنے فتنوں اور اعمال کا نتیجہ ہے۔

ے
هرگز سخنان فتنه انگیز مگو
وآن درست که هست فتنه آن نیز مگو
خاموش کن وگرچه چاره نداری ز سخن
شوخی مکن وتند مشو نیز مگو

ترجمہ۔ فتنہ انگیز باتیں ہرگز نہ کہہ اگرچہ وہ بات سچی ہے لیکن فتنہ انگیز ہے تب بھی نہ کہہ۔ خاموشی اختیار کر اگر بات کرنے سے نہیں رک سکتے تو شوخی نہ کر تند نہ ہو نیز بات نہ کہہ۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ مومن فسق ومعصیت سے محبت نہیں کرتا جب وہ کسی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو بھی شہوت وغفلت سے مبتلا ہوتا ہے نہ کہ گناہ سے محبت کی وجہ سے بلکہ بسا اوقات مومن گناہ میں مبتلا بھی ہوتا ہے لیکن حالت حضور میں

بھی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں ہی قضائے الٰہی کا نفاذ ہے (تو سر تسلیم خم ہے)۔

حکایت: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ مجھے ایک صالح انسان نے خبر دی ہے کہ میں فلاں عالم دین کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن وہ اس وقت نفسانیت کے پنجہ میں گرفتار ہو کر کسی برائی کے ارتکاب میں تھا (شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں میں بھی اس عالم دین کی اس کیفیت سے آگاہ ہوں، مجھے اس کے ہاں ایک دفعہ اکٹھا ہونا پڑا) وہی صالح انسان کہتا ہے کہ جب میں اس کے مکان پر دروازہ کھٹکایا تو مجھے اندر آنے سے روک دیا اس لیے کہ وہ ایک نامشروع فعل کے ارتکاب میں مصروف تھا۔ میں نے کہا میں ضرور آؤں گا خواہ آپ نہ چاہیں جواب دیا کہ میں ایک نامشروع فعل کا ارتکاب کر رہا ہوں، میں نے کہا میں ضرور چلا آؤں گا۔ ناچار اجازت دے دی لیکن وہ اس وقت اس فعل نامشروع یعنی شراب نوشی سے فارغ ہو چکے تھے کسی نے کہا کہ حضرت فلاں کو خط لکھو تاکہ تھوڑا سا شراب بھجوا دے فرمایا کہ میں نہیں لکھتا اور نہ ہی میں ایسا بُرا فعل چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار کو میرا جی نہیں چاہتا۔ اب بھی جو گناہ کر لیتا ہے وہ بھی بخدا کہ جب بھی شراب کا پیالہ منہ سے لگاتا تو پی کر فوراً توبہ کر لیتا اور اپنی حالت کو دیکھتا تو یہی محسوس ہوتا کہ پھر نہیں پیوں گا لیکن جب ساقی شراب کا پیالہ لاتا تو شامت نفس سے مبتلا ہو کر پی لیتا لیکن بدستور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور تائب ہو جاتا اس ارتکاب پر میرا تصور تک نہ ہوتا کہ گناہ کروں لیکن مبتلا ہو جاتا۔ وہ صالح انسان فرماتا ہے کہ اس عالم دین سے مجھے تعجب آتا کہ گناہ میں مبتلا بھی ہے لیکن حضور حق سے بھی غافل نہیں۔

سبق: چاہیئے کہ انسان گناہ کے اصرار سے بچے بلکہ اپنی ہر حالت میں توبہ کر کے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو فوراً تائب ہو جانا چاہیئے ؎

طریقے بدست آرد صلح بجوی
شفیعی بر انگیزد عذرے بگو
کہ یک لحظہ صورت نہ بندد آن
چو پیمانہ پُر شد بدور زمان

ترجمہ۔ طریقہ صحیح ہاتھ میں کر کے صلح کی تلاش کر۔ سفارشی کھڑا کر اور عذر کہہ۔ کہ ایک لحظہ کی مہلت نہ ملے گی کہ جب دور زمان کا کاسہ پُر ہو گیا (یعنی موت آگئی تو پھر توبہ کا وقت نہ ملے گا)۔

تفسیر عالمانہ: "وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا" اور اگر دو گروہ اہل ایمان کے لڑیں۔

سوال۔ اقتتلتا ہونا چاہیئے کیونکہ طائفتان کا تقاضا ہے کہ تثنیہ مؤنث کا صیغہ ہو۔

جواب۔ چونکہ ہر گروہ ایک مجمع ہوتا ہے اسی لیے ان کے معنیٰ کا اعتبار کر کے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ طائفہ گنتی میں فرقہ میں کم ہوتا ہے جیسا کہ "فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ" سے معلوم ہوتا ہے۔

جوابے و ترکیب: طائفتان فاعل ہے اس کا فعل محذوف ہے کیونکہ ان شرطیہ کو فعل چاہیئے نہ کہ اسم وہ فعل لفظاً ہو یا تقدیراً" یہاں تقدیراً ہے کہ دراصل " وان اقتتل طائفتان من المومنین اقتتلوا الخ تھا چونکہ فعل اقتتل کا مفسر اقتتلوا جملہ میں آگیا ہے پھر مفسر محذوف کر دیا گیا تاکہ مفسِر مفسَر کا اجتماع لازم نہ آئے (اسی لیے اقتتلوا اپنے مقام پر صحیح ہے اب تاویل کی ضرورت نہیں)۔

حل لغات: القتل بمعنے روح کا جسم سے زائل کرنے "فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا" تو ان کے درمیان اصلاح کرو۔" اب بینہما میں تثنیہ کی ضمیر طائفتان کے لفظ کے اعتبار سے ہے

حل لغات: صلاح بمعنے حالت مستقیمہ نافعہ کا حصول الاصلاح بمعنے شے کو اسی حالت مستقیم نافعہ پر کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان دو گروہوں کی حالت درست کرو حکم الٰہی کی طرف نصیحت یا دعاء سے۔

ملفوظ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کی خیر خواہی کر کے اس سے تعلق جوڑا اور اس کی دنیوی حیثیت کو سنوارا تو اس نے تعلق کا حق ادا کیا۔

فائدہ: حضرت مطرف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بندوں کا سب سے بڑا خیر خواہ ملائکہ کو پایا ہے اور سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان کو دیکھا۔

نسخے ہی نسخے: جس نے سلاطین سے خیر خواہی کو اور اطباء سے مرض کو اور بھائیوں سے آپس کے انتشار کو چھپایا اس نے اپنے نفس سے خیانت کی۔

مسئلہ: جب لوگوں میں فساد برپا ہو ان کی اصلاح کرنا افضل طاعات واتم الفرمان سے

ہے ایسے ہی مظلوم کی مدد کرنا ۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے نماز اور صدقہ سے افضل ہے ۔ عرض کی گئی ہاں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے فرمایا جھگڑے والوں کی اصلاح ۔

لقمان حکیم کی حکمت: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو فرمایا کہ جو کہے کہ شر شر کو مٹاتا ہے اس کی بات جھوٹ سمجھ اگرچہ وہ فی کسی بات میں سچا ہے کیونکہ دو آگیں جلا کر دیکھو کیا وہ جلاتی ہیں یا کیونکر ۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ آگ کو پانی بجھاتا ہے ۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم مسلم کا بھائی ہے تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے نہ اسے عیب لگاتا ہے نہ اس کے مکان وغیرہ پر اپنا مکان اونچا بناتا ہے جس سے اس کی ہوا وغیرہ رک جاتی ہے (ہاں اگر اس کی اجازت ہو تو پھر جائز ہے) اور نہ ہی ہانڈی اس سے روکتا ہے ہاں اگر اس سے اس کو سالن کا حصہ دے تو پھر کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اپنے بچوں کے لئے ایسے میوے خریدے جس سے دوسروں کے بچے منہ دیکھتے رہیں ہاں اگر ان کو بھی اس سے حصہ دے تو درست ہے ۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ دوسروں کی مصلحتوں میں کوشش کرنا بہترین قربات میں سے ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام اندھیروں میں چل کر اپنی اہلیہ کے لئے آگ تلاش کرنے کو نکلے تاکہ وہ سردی سے بچیں اور اپنی ضروریات پوری کریں جو اس کے بغیر وہ ضروریات پوری نہ ہو سکتی تھیں تو اس سے کیسا بہترین نتیجہ نکلا کہ انہیں سماع کلامِ ربانی نصیب ہوا جو آگ سے بلا واسطہ اس کا کلام سن رہے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اس میں کلام کی جو ان کی عین ضرورت تھی یعنی آگ میں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور تک نہ تھا بلکہ ان کا تو خیال تھا کہ اپنے عیال کی ضروریات کو پورا کروں لیکن ان ضروریات کی سعی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں انتباہ فرمادیا کہ میرے بندوں کی مصلحتوں میں سعی کرنے سے ایسا انعام نصیب ہوتا ہے اسی لیے وہ آئندہ اس کے بندوں کی مصلحتوں کو پورا کرنے میں اور زیادہ حرص کریں ۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان دشمنوں سے فرار بھی اسی قبیل سے ہے کہ وہ آپ کے

قتل کی طلب میں تھے اور آپ ان سے بھاگے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے آپ کو حکم اور رسالت سے نوازا چنانچہ فرمایا کہ " ففررت منکم لما خفتکم فوهب لی ربی حکما وجعلنی من المرسلین " (تو میں تم سے بھاگا جب میں تم سے ڈر کر نکلا تو میرے رب تعالیٰ نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں سے بنا دیا) یاد رہے کہ آپ کا فرار بھی غیر کی مصلحت کے لئے تھا وہ غیر ان کا نفس ناطقہ مالکہ تھا جو ان کے بدن کی تدبیر میں لگا رہتا تھا یہ بھی یاد رہنا چاہیئے اکابر (انبیاء و اولیاء) کا فرار اپنے لیے نہیں غیروں کی خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے اسی لیے کہنا پڑے گا کہ موسیٰ علیہ السلام کا فرار نفس حیوانیہ کے لئے تھا (نہ کہ اپنی ذات کے لئے)

(۳) خضر علیہ السلام کا (سکندر کے زمانہ میں) نکلنا بھی اسی لیے تھا کہ آپ لشکر کے لئے پانی کی تلاش میں نکلے جو آپ کے ساتھ تھا جو پانی کے پیاسے تھے کیونکہ پانی مدّت سے ختم ہو چکا تھا تو آپ بھاگتے بھاگتے چشمۂ حیات تک پہنچ گئے اس سے آپ نے پانی پیا تو آج تک انہیں دائمی زندگی مل گئی حالانکہ انہیں اس وقت علم نہ تھا کہ جو اس پانی کو پیئے گا وہ دائماً زندہ رہے گا جب واپس آ کر لشکر کو بتایا تو وہ آب (حیات) کی تلاش میں نکلے تاکہ وہ بھی پیاس بجھائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں سے وہ چشمہ چھپایا۔ اور وہ آب حیات نہ پا سکے جیسا کہ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست ایں کار

ترجمہ ۔ سکندر کو آب حیات نہیں بخشتے کیونکہ زور و زر سے ایسے کام حاصل نہیں ہوتے ۔

سبق: دیکھیئے انہیں ایسی سعی سے کتنا انعام ملا تمہیں بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے ۔

شان نزول: یہ آیت اوس و خزرج کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں سعف (کھجور کی سوکھی ٹہنیاں) اور نعال (جوتوں) سے جنگ کرنے پر نازل ہوئی ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن انصار کی ایک جماعت سے گذرے ان میں عبد اللہ بن ابی منافق بھی تھا آپ گدھے پر سوار ہو کر انہیں کچھ نصیحتیں دے رہے تھے آپ کے گدھا نے وہاں پیشاب کیا یا لید کی عبد اللہ

بن ابی منافق نے ناک پر ہاتھ رکھ کر کہا اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چلے جائیے اپنے گدھے کی بدبو سے ہمیں بچائیے اس کی بدبو سے ہمیں آپ نے ایذا دیا جس نے تمہیں دعوت دی ہے اس کو جاکر وعظ سناؤ۔ یہ بات (گستاخی) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سن لی اور عبداللہ بن ابی منافق کو فرمایا:۔

الحمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقول هذا واللہ ان بول حمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطیب رائحۃ منک (روح البیان ص۷۴ ج۹)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گدھا مبارک کے لئے ایسے کہتا ہے بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گدھا کا پیشاب تجھ سے زیادہ خوشبو ناک ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو عبداللہ بن ابی منافق خزرجی کی بات سن کر چلے گئے لیکن عبداللہ ابن ابی منافق اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اوسی رضی اللہ عنہ کے درمیان بات بڑھ گئی یہانتک کہ ایک دوسرے کے درمیان گالی گلوچ اور سخت کلامی ہوئی۔ دونوں کی برادری نے جب ان کی سخت کلامی سنی تو دونوں قبیلے کے لوگوں نے ڈنڈوں یا جوتوں سے اور ہاتھا پائی یا تلوار تک لڑائی شروع کر دی تو یہ آیت اتری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور انہیں یہی آیت پڑھ کر سنائی اور پھر آپ نے ان کی آپس میں صلح کرا دی۔

سوال ۔ آیت میں مومنین کا لفظ صریح ہے اور عبداللہ بن ابی تو منافق تھا اس پر مومن کا اطلاق کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب ۔ واقعی عبداللہ بن ابی منافق تھا لیکن اس کی برادری کے لوگ تو اکثر مومن تھے اور آیت میں طائفۃ کا لفظ ہے تو آیت میں وہی مومن مراد ہیں۔

جواب ۲ ۔ مومنین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ایمان ظاہر کیا عبداللہ بن ابی منافق سہی لیکن ایمان تو ظاہر کرتا تھا آیت میں مطلق مومن ہے۔ حقیقی ہو یا مدعی۔

فائدہ: بعض نے اس کے علاوہ اور شان نزول بھی بیان کئے ہیں تو اس کے لئے یہی کہا جائے گا کہ ساری روایات اگرچہ صحیح سہی تو ممکن ہے کہ ان تمام واقعات کے بعد آیت نازل ہوئی ہو۔

فائدہ: ابن بحر نے فرمایا کہ قتال جوتوں سے نہیں ہوتا اور نہ ہی صرف ہاتھا پائی کا نام قتال ہے تو ممکن ہے اس قسم کی لڑائی بعد کو کوئی ہو۔ (واللہ اعلم)

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تحقیق: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا

ہے کہ قتل بمعنے ایسا فعل کہ جس سے روح نکل جائے جیسے آلۂ حرب سے مارنا یا لوہے والی شے سے مارنا اگرچہ لکڑی سے مارنا وغیرہ وغیرہ کہ جس سے انسان کے اجزاء ٹکڑے ہو جائیں اور سعف (کھجور کی خشک ٹہنیاں) بھی ان لکڑیوں سے گنی جاتی ہے جو جسم کے کاٹنے کا کام کرتی ہیں اور جوتے بھی بسا اوقات وہی کام کر جاتے ہیں جو لکڑی کر سکتی ہے جیسے ہم نے بارہا مشاہدہ کیا ہے بالخصوص گنواروں کے جوتے علاوہ ازیں قتال کبھی مجازاً مطلقاً لڑائی اور ایک دوسرے کو مارنے پر مستعمل ہوتا ہے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اس قسم کے جھگڑے عموماً ہو جاتے تھے اسی بنا پر اسے قتال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نکتہ: اِنْ حرف شرط کے ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ مومن سے ایسا کام ناممکن ہے اگر بالفرض ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے علاوہ ازیں خصوصی حکم۔

شانِ نزول: عموم کے منافی نہیں تو یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے) ”فَاِنْۢ بَغَتْ“ پھر اگر کوئی بغاوت اور تجاوز کرے۔

حل لغات: اہل لغت کہتے ہیں ”بغی علیہ بغیًا“ اس پر غلبہ اور ظلم اور حق سے عدول کیا اور بلندی اختیار کی (القاموس) در اصل بغی بمعنے اس شے کی طلب جس کا وہ مستحق نہیں کیونکہ بغی بمعنے طلب آتا ہے ”اِحْدٰىهُمَا“ ایک ان کا اور ہے وہ بھی مبطل ”عَلَى الْاُخْرٰى“ دوسرے پر اور ہے یہ حق والا اور وہ باطل والا نصیحت بھی قبول نہیں کرتا ”فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ“ جو باغی ہے اس سے لڑو یعنی باغی گروہ سے لڑو ”حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ“ یہاں تک کہ وہ باغی گروہ امر الٰہی کی طرف لوٹ آئے کیونکہ فیٔ بمعنے حالت محمودہ کی طرف رجوع ہے اور ”امر اللہ“ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم مراد ہے جو اس نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا یعنی صلح صفائی اور عداوت اٹھا دینا یا امر الٰہی اس کا وہ امر جو اس نے طاعت کا فرمایا ہے جس پر ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ دلالت کرتا ہے۔ پہلی مراد واحد الامور اور دوسری پر واحد الاوامر مقصود ہوگا۔

سوال۔ سایہ کو فیٔ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب۔ سورج کے زوال کے بعد سایہ دوسری طرف رجوع کرتا کیونکہ سورج جونہی بلند ہو جائے گا سایہ اتنا ہی گھٹتا جائے گا یہاں تک کہ سورج خط نصف النہار تک جب پہنچے گا سایہ ختم ہو جائے گا پھر جونہی ڈھلے گا سایہ دوسری طرف رجوع کرنا شروع کر دے گا۔

سوال ۔ سایہ کو زوال کی طرف کیوں مضاف کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں فیٔ الزوال ۔
جواب ۔ چونکہ سورج کا زوال ہی سایہ کے وجود کا سبب ہے اسی لیے اس کی طرف مضاف ہوتا ہے ۔

فائدہ: غنیمت کو بھی فیٔ کہا جاتا ہے اس لیے وہ مال کفار سے زائل ہو کر مسلمانوں کی طرف رجوع کرتا ہے اس لیے اسے فیٔ سے تعبیر کرتا ہے ۔

سوال ۔ چونکہ رجوع تو اس طرف ہوتا جو پہلے وہ شے اس میں ہو یہ مال تو پہلے مسلمان کا نہیں تھا پھر اس پر فیٔ کا اطلاق کیسے صحیح ہوگا ؟
جواب ۔ چونکہ مسلمانوں کو مال سے ہی طاعت الٰہی پر قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ مال اس طاعت کا ایک سبب ہے اور ہر شے اللہ تعالیٰ کی ہے تو گویا وہ طاعت کی وجہ سے اصل مال مسلمانوں کا تھا جو ان کی طرف لوٹا ہے ۔

حکایت: اصمعی (ادیب) چند بچوں پر گذرے ان میں ایک لڑکا بچوں سے جنگل میں کھیل رہا تھا اور تھا وہ فصیح و بلیغ اصمعی نے اس سے امتحان کے طور کہا " این ابیك " چونکہ یہ جملہ غلط تھا وہ لڑکا خاموش رہا پھر کہا " این اباك " یہ جملہ بھی غلط تھا اس لیے خاموش رہا پھر کہا " این ابوك " (تیرا ابو کہاں ہے) چونکہ یہ جملہ صحیح تھا اس لیے جواب میں کہا " فاء الی الفیفاء لطلب الفیٔ فاذا فاء الفیٔ فاء " بمعنے رجع ۔ یعنی لوٹا وہ ۔ ترجمہ ۔ جنگل میں کچھ لینے گیا اس وقت لوٹے گا جب سایہ ڈھلے گا ۔

" فَاِنْ فَآءَتْ " پس اگر وہ لڑائی سے باز آ جائے تمہاری جنگ کے ڈر سے " فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ " تو ان کی آپس میں اصلاح کرو انصاف سے یعنی ان کے درمیان حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کرو ۔ ان کے ساتھ بائیکاٹ پر اکتفا نہ کرو کہ تمہاری اس ڈھیل سے ان کے درمیان کسی وقت جنگ نہ چھڑ جائے ۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

جوئبار ملک را آب سر شمشیر تست
خوش درخت بنشان بیخ بدخواہاں بکن

ترجمہ ۔ ملک کی نہر کا پانی تیری تلوار ہے ۔ اچھا درخت بو اور دشمنی کی جڑ کاٹ دیتا ہے ۔

فائدہ: کیخسرو نے کہا کہ صلح کا طالب ہے اس سے جنگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے ۔

نکتہ: اس دوسری آیت میں عدل کی قید اس لیے ہے کہ اس میں ظلم واقع ہونے کا گمان ہے کیونکہ جنگ چھڑ جانے کے بعد عدل ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور یہ عموماً کینہ اور بغض پیدا کرتا ہے پھر اسے اور مؤکد فرمایا " وَاَقْسِطُوْا " اور جو عمل کرو اور جس امر سے رکو اس میں انصاف کرو۔

حل لغات: " اقسط " بمعنے ازال " القسط " اس نے ظلم کو ہٹایا ، القسط (بالفتح) بمعنے الجور (ظلم) کہا جاتا ہے اذا جاء القسط (بالکسر العدل) زال القسط (بالفتح الجور) جب عدل آتا ہے ظلم ہٹ جاتا ہے بعض نے کہا اقساط بمعنے کسی کو اس کا حصہ دینا اور یہی انصاف ہے " اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ " بیشک اللہ تعالیٰ انصاف والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان انصاف والوں سے جو حقدار کو حق دیتے ہیں تو انہیں بہتر جزا دے گا حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا ؎

عدل راشکر ہست جان فزا
عدل مشاطہ راعیت ملک آرا
عدل کن زانکہ در ولایت دی
در پیغمبری زند عادل

ترجمہ ۔ "عدل کی جزا جان فزا ہے عدل ملک کی دایہ ہے سنوارنے والی ۔
عدل کر اس لیے کہ دل کے ملک میں عادل پیغمبری کا دروازہ ہے ۔"

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

شاہ بہ بود از طاعت صد سالہ وزہد
قدر یکساعت عمرے کہ در و داد کند

ترجمہ ۔ بادشاہ کے لئے سو سال کی طاعت اور زہد سے بہتر ہے زندگی کی وہ ایک ساعت جس میں وہ انصاف کرے ۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس میں انصاف کی عادت ہو وہی حقیقتاً بادشاہ ہے اس لیے کہ ایسے کو خطاب الٰہی نے خلیفہ بنایا کیونکہ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں عہد الٰہی کے بغیر ہی اپنے طور عدل کیا تو انہیں بھی حق کی طرف اسناد نصیب ہوا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا " ولدت فی زمان الملک العادل " میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا اس سے کسریٰ

(نوشیرواں) مراد ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوشیرواں کو بادشاہ کہہ کر اسے عادل سے موصوف فرمایا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ نوشیرواں کافر تھا اس نے انصاف تو کیا لیکن منزل شرع سے ہٹ کر لیکن وہ نائب حق ٹھہرا لیکن ہزاروں پردے اس کے آگے لٹکے رہے یعنی حق سے دور و محجوب ہو کر لیکن اس حکم سے وہ بادشاہ خارج ہیں جو رعایا میں انصاف نہ کر سکے جیسے فرعون اور ان کی طرح دیگر ملوک کہ وہ حدود اللہ میں منازعت کرنے والے اور جناب الٰہی کے ساتھ مقابلہ کرنے والے جبکہ وہ اس کے رسولوں سے مقابلہ کیا ایسے بادشاہ نہ خلفائے الٰہی ہیں رسل کرام علیہم السلام کی طرح اور نہ اس کے نائب جیسے ملوک عادلین بلکہ شیاطین کے بھائی ہیں کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

شہ کسریٰ از ظلم از ان سادہ است
کہ در عہد او مصطفیٰ زادہ است

ترجمہ۔ بادشاہ کسریٰ کا دور ظلم سے اس لیے خالی ہے کہ اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: گویا نوشیرواں کے دور کا عدل و انصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا عکس تھا اسے اچھی طرح سمجھ لے (تاکہ وہابیت کا شکار نہ ہو سکے)۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ بغاوت سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ ان دو گروہوں میں بغاوت کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن کہا ہے زیادہ سے زیادہ اسے فاسق کہا جا سکتا ہے وہ بھی صرف اس وقت جب جنگ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن کی صفت سے موصوف فرمایا ہے (رد معتزلہ و خوارج) اس سے معتزلہ و خوارج کے مذہب کا رد ہوا کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے (اس سے شیعہ و روافض کا بطلان بھی ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک جس نے بھی ائمہ دوازدہ کے خلاف کیا وہ کافر ہو گیا خواہ وہ اہلبیت کے افراد بھی کیوں نہ ہوں تفصیل کے لئے دیکھیے فقیر کی کتاب ''آئینہ شیعہ مذہب''۔ اضافہ اویسی غفرلہ)۔

لہ روح البیان کی اصل عبارت یوں ہے ''کان عدلہ من انعکاس نورانیتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاعرف ھذا (ص۷۶ ج ۹)

ارشاد سیدنا علی المرتضی در تردید شیعان بے وفا: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا (اہل جمل و صفین کی جنگ کے بارہ میں اور آپ ہی اس سوال کے بعد جواب پر ہمارے مقتدا ہیں اور آپ ہی اس کے زیادہ حقدار ہیں جو فرمائیں اور ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم ان کی اقتداء کریں)۔

سوال ۔ اَمُشْرِکُوْنَ هُمْ (کیا وہ مشرک ہیں)

جواب ۔ لا من الشرك فروا (نہیں وہ تو شرک سے بھاگ کر اسلام میں آئے)

سوال ۔ امنافقون هم (کیا وہ منافق ہیں)

جواب ۔ لا ان المنافقین لا یذکرون اللّٰہ الا قلیلا (نہیں، منافقین تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں۔)

سوال ۔ فما حالہم (تو پھر وہ کون ہیں ہم انہیں کیا سمجھیں ۔

جواب ۔ اخواننا بغوا علینا (وہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے اوپر بغاوت کی)

نتیجہ از اویسی غفرلہ: جب ہمارے امام اور پیر و مرشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکریوں کو اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر جملہ اصحاب جمل (جنگ) کو بھائی فرما رہے ہیں پھر ہمیں کس نے حق دیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو کافر کہیں ۔ اس سے تو الٹا ثابت ہو رہا ہے کہ جو جنگ صفین و جنگ جمل والوں کو کافر یا لعنتی یا برا بھلا کہتا ہے تو وہ الٹا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغاوت کر رہا ہے کیونکہ وہ انہیں نہ کافر مانتے ہیں نہ منافق بلکہ بھائی کے خطاب سے نوازتے ہیں ۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا جو ایسا باغی جنگ ترک کر دے تو گویا اس نے بغاوت کا ارتکاب نہ کیا اس لیے کہ وہ صلح صفائی کر کے امر الٰہی کی طرف رجوع کر چکا ہے ۔

تبصرہ اویسی غفرلہ: جنگ جمل اور صفین نہ صرف بند ہوئی بلکہ حضرت علی اور حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی صلح صفائی ہو گئی لیکن شیعہ و خوارج تاحال اس جنگ کے قصے چھیڑ کر خود باغی بن رہے ہیں ۔ جنگ جمل کی سربراہ ام المومنین سیدہ صدیقہ حضرت رضی اللہ عنہا نہیں آپ کے فضائل و مناقب و کمالات بیشمار ہیں ۔

مسئلہ: جو باغی کے مقابلہ میں ہے اس کی مدد کرنا واجب ہے جبکہ باغی کو نصیحت اور مصالحت کی کوشش کی گئی اور وہ نہ مانا جس پر " فاصلحوا بینہما" دلالت کرتا ہے اس لیے کہ بغاوت کے وقت دونوں گروہوں کو نصیحت و مصالحت کی پیشکش ضروری ہے جب نہ مانیں تو پھر حق والے کی مدد لازم ہے اور بہت سے امور نصیحت و مصالحت میں بخیر و خوبی سرانجام ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: شرعی باغی وہ ہے جو عام عادل سے بغاوت کرے اور اس کی تفصیل فقہ کے باب البغات میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طائفتان سے روح و قلب اور عقل و طبع اور ہوا و شہوت مراد ہے کیونکہ طبع و ہوی و شہوت کی بغاوت عقل و قلب و روح پر ہوتی ہے ان کا سالک سیوف مراقبہ و سہام مطالعہ اور انوار موافقہ سے مقابلہ کرتا ہے تاکہ روح و عقل غالب اور ہوی و شہوت مغلوب ہو جائیں۔

دوسری تقریر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب نفس شہوات کے استیلاء و استعلاء سے قلب پر ظلم کرتا ہے تاکہ وہ فساد پذیر ہو تو پھر مجاہدہ کی تلوار سے اس کا مقابلہ کیا جائے یہانتک کہ نفس کی شہوات چور چور ہو جائیں اگر وہ طاعت کے لئے مان جائے تو پھر اسے معاف کر دیا جائے کیونکہ وہ اب باب الٰہی کی طرف جانے والا ہے لیکن قلب اور نفس کے درمیان انصاف ضروری ہے تاکہ قلب نفس پر ظلم نہ کر سکے (اور نہ ہی اس کے برعکس) اس لیے کہ (حدیث شریف میں ہے) تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اصلاح بال و اعتدال حال کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ " بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔

حل لغات: " اخوة " اخ کی جمع ہے جو ولادت میں ایک دوسرے کے شریک ہوں یا رضا (دودھ پینے میں) ایسے ہی مجازاً قبیلہ کی شرکت کی وجہ سے بھائی بھائی ہوتے ہیں ایسے ہی دین میں یا کسی صفت میں شرکت کی وجہ سے یا معاملات میں یا معیت و پیار میں ایسے ہی دیگر مناسبات سے ایک دوسرے کے بھائی کہلاتے ہیں۔

خلّت واخوّت کا فرق: جب صداقت قوی ہو جاتی ہے تو اسے اخوّت کہا جاتا ہے اور جب اس میں اضافہ ہو تو وہ خلّت ہوتی ہے۔

فائدہ: حضرت جنید قدس سرہ سے اخ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا در اصل وہی تو خود ہے صرف قالب کا فرق ہے کہ وہ اور ہے اور تو اور (یعنی بھائی کے لئے وہی دکھ سکھ سمجھے جو اپنی ذات کے لئے) بعض اہل لغت نے فرمایا کہ اخوۃ اخ کی جمع ہے نسب سے اخوان اس اخ کی جمع ہے جو صداقت سے ہو اور وہ ایک دوسرے کی جگہ پر مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔

حدیث شریف: میں ہے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مومنون در اصل ایک نسبت سے منسوب ہیں یعنی ایمان کی طرف جو دائمی حیات کا موجب ہے۔ جیسے اخ نسبی بھی ایک نسبت کی طرف منسوب ہے یعنی اب (باپ) کی طرف جو حیات فانی کا موجب ہے۔ آیت میں تشبیہ بلیغ ہے جو ایمان کو اب سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے اب حیات ظاہری کا موجب ہے ایسے ہی ایمان حیات باطنی کا سبب ہے "فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ" تو دو بھائیوں کی آپس میں صلح و صفائی کراؤ" فاء خبر دیتی ہے کہ اخوّت دینی اصلاح کی موجب ہے۔ مظہر کو مضمر کے بجائے اور پھر مامورین کی طرف اضافت میں مبالغہ ہے وجوب اصلاح کی تاکید میں اور اس پر تخصیص مطلوب ہے۔ اور تثنیہ کے صیغے میں اشارہ ہے کہ جب دو کی اصلاح ضروری ہے تو ان سے بڑھ کر اور زیادہ ضروری ہے۔ جب دو کا جھگڑا ضرر رساں اور فساد کا موجب ہے تو ان سے بڑھ کر زیادہ لوگوں کا جھگڑا اور فساد کتنا نقصان دہ اور ضرر رساں ہوگا "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" اور اللہ سے ڈرو" ان امور میں جو بجا لاتے ہو اور جن سے رکتے ہو اصلاح کے معاملہ میں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اخوت دینی کے بارہ میں کہ ان کے عہود کی حفاظت کرو اور ان کے حقوق کی رعایت کرو حضور اور غیب اور حیات و ممات میں۔

تفسیر عالمانہ: "لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ" تاکہ تم رحم کیے جاؤ یعنی تمہیں اپنے تقویٰ پر امید رکھنی چاہیئے کہ تم پر رحم کیا جائے جیسے تم رحم کے مستحق ہو۔

اخوت نسبی و دینی کا فرق: اخوت دینی اخوت نسبی سے افضل اور اہم ہے کیونکہ اخوت نسبی تغیر پذیر ہے لیکن اخوت دینی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر اخوت نسبی اخوت اسلامی سے خالی ہے تو وہ اخوت ختم ہو جاتی ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مسلمان مر جائے تو اس کا کافر بھائی اس کی میراث سے محروم ہے ایسے ہی برعکس یعنی کافر مر جائے تو مسلمان بھائی اس کی میراث نہیں لے سکتا اس لیے کہ کفر کا مادہ فاسدہ اخوت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا خلاصہ یہ کہ اصل شرع ہے اور اسی کا اعتبار ہے یہی وجہ ہے کہ زانی کے دو مختلف عورتوں سے پیدا شدہ بچے ایک دوسرے کے وارث اگرچہ ایک باپ زانی کے دونوں نطفے ہیں لیکن میراث سے محروم ہیں کہ دونوں کا شرعی رشتہ نہیں۔

نکتہ: یہی تقریر آیت مذکور میں موجود ہے اس لیے کہ انما حصر کا فائدہ دیتا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ اخوت ہے بھی اہل ایمان کی اور بس یعنی حصر کے تقاضا پر مومن و کافر کی طرح بھائی نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ: مرتد کی کمائی (بحالت اسلام) کے وارث اس کے مسلمان رشتہ دار ہیں کیونکہ یہ مال ارتداد سے پہلے کا حاصل کردہ ہے اس لیے اس کا وارث مسلمان ہو سکتا ہے ہاں اس کی ارتداد کے دور کی کمائی مال فئے ہے وہ بیت المال میں جمع کی جائے گی کیونکہ یہ حالت ارتداد کی کمائی اسے اسلام کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں ہر نسب و حسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب و نسب کے۔
اس سے مراد دینی حسب و نسب ہے نہ کہ آب و گل کا رشتہ ورنہ آپ کے نسب کی وجہ سے قیامت میں ابولہب کو بھی فائدہ پہنچتا۔ (کشف الاسرار)

نبوی نسب تین قسم ہے: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ نسبی تین قسم ہے:۔

(۱) قرابت صوری

(۲) معنوی

(۳) صوری و معنوی

(۱) **قرابت صوری** بوجہ آب و گل کے ہے جیسے جملہ سادات کرام ایسے آپ کے دین اور

علم سے تعلق رکھنے والے جیسے علماء کرام صلحاء عظام اور جملہ عابدین اور تمام مومنین ان سب کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرابت صوری نصیب ہے۔

(۲) **قرابت معنوی** اولیاء کرام کو نصیب ہے کیونکہ ولی اللہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا روحانی بیٹا ہے کیونکہ اس نے آپ کے جملہ طور اطوار کو قبول کر کے آپ سے معنوی طور قائم ہوا اس لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا "سلمان منا اهل البیت" سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت سے ہے (یعنی ان کا ایک فرد ہے) اس میں قرابت معنوی کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) **قرابت صوری و معنوی**: اس میں خلفاء و ائمہ داخل ہیں کیونکہ یہ حضرات دنیا میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قائم مقام ہیں خواہ ظاہری زمانہ کے لحاظ سے آپ سے پہلے گذرے جیسے سابقہ انبیاء و رسل (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) یا بعد کو آئے جیسے کاملین اولیاء کرام یہی تمام قرابتوں میں اعلیٰ مرتبہ کی قرابت ہے اس کے بعد قرابت روحانیہ کا مرتبہ ہے پھر قرابت دینیہ کا آخر میں قرابت جسمانیہ (آب و گل کا) اگر یہ اور یہ سب کو جمع کرے تو سبحان اللہ (نور علیٰ نور)

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ارواح عالم ملکوت سے اور اجسام عالم ملک سے پھر انہی اشباح یعنی اجسام میں ارواح پھونکی گئیں لیکن اجسام کو ارواح کے مخالف اور ان کے مساکن بنائے پھر ان کی طرف عقول کا لشکر بھیجا تاکہ ان سے شرور کو دفع کر سکیں اس سے عقول مجردہ اور اخرویہ مراد ہیں۔ ورنہ عقول عزیزیہ و دنیویہ دفع شرور کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ یہ الٹا نفس کی رعایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا امتحان لینا چاہا تو ان پر نفوس امارہ کو برانگیختہ فرمایا تاکہ اس پر درجات ایمان و اخوت کے حقائق ظاہر فرمائے اور انہیں حکم فرمایا کہ عقل و روح و قلب کی نفس پر غلبہ کے لئے مدد کریں یہانتک کہ نفس شکست کھا جائے کیونکہ مومن بنیاد کی طرح ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے ملانے سے مضبوط ہوتی ہے تو وہ سارے مومن گویا ایک جان ہیں اس لیے کہ ان کا مصادر کا صرف ایک مصدر ہے یعنی آدم علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کی روح کا مصدر نور الملکوت اور ان کے جسم کا مصدر جنت کی مٹی ہے (جیسا کہ بعض الاقوال دلالت کرتے ہیں) اسی لیے روح ملکوت کی طرف اور جسم جنت کی طرف جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "کل شئ یرجع الی اصلہ" ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ ۲: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اخوت نسبی اس وقت ثابت ہوتی ہے جب ان کے دو نطفوں کا منشاء ایک صلب ہو تو ایسے ہی اسلامی اخوت کا منشاء صلب نبوت ہے اور ان کی حقیقت نور اللہ ہے ان کے درمیان اصلاح کا معنیٰ ہے وجوہ قلب سے استار بشریہ کے حجابات کا اٹھ جانا تاکہ قلب کی کھڑکی سے دو نور آپس میں مل جائیں تاکہ وہ نفس واحد کی طرح ہو اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المؤمنون[۵] نفس واحد الخ۔ مومن ایک نفس کی طرح ہیں اگر ایک عضو کو شکایت ہو تو اعضاء میں بخار اور بیقراری ہو ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

ترجمہ۔ بنی آدم ایک دوسرے کا عضو ہیں کیونکہ تخلیق میں دراصل ایک جوہر ہیں۔
جب کسی عضو کو زمانہ درد پہنچاتا ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا۔

حقوق اخوت دینی: دینی اخوت کے حقوق یہ ہیں:۔
(۱) جو کچھ اپنے لیے پسند کرے اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چاہے جو کچھ اپنے لیے برا جانے اپنے بھائی کے لئے بھی وہی شئے بری سمجھے۔

(۲) اسے اپنا محتاج نہ بنا اگر وہ کسی وقت مدد چاہے تو اس کی مدد کر وہ ظالم ہے یا مظلوم یعنی ظالم ہے تو اسے ظلم سے منع کر یہ بھی تیری اس کے لئے امداد ہے۔

حدیث شریف: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ گالی دیتا ہے جب تک اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہتا ہے اور جو اپنے مسلم بھائی سے دکھ دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قیامت کے دکھ دور کرے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کو ڈھانپتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے ڈھانپے گا۔

(۳) اس کے حالات کی خبر گیری میں کمی نہ کر تاکہ ہر وقت اس کی مشکل میں کام آئیں یہاں تک کہ اسے تیرے سے سوال کرنے کی نوبت نہ آئے اور نہ ہی اسے معذرت کا موقعہ آئے بلکہ ایسے وقت گذرے کہ اسے عذر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اگر اسے کوئی مشکل ہو اور تم پوری نہ کرو تو خود

کو ملامت کرو کہ اس کو ایسا وقت کیوں آیا۔

(۴) اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اس کی معذرت قبول کرو۔

(۵) بیمار ہو تو اس کی طبع پرسی کرو۔

(۶) جب کوئی بات بتائے تو اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرو اور نہ ہی اس پر حجت قائم کرو ؎

لا یسألون اخاھم حین یندبھم
فی النائبات علی ما قال برھانا
اذا استنجدوا لم یسألوا من دعاھموا
لایتہ حرب ام بای مکانی

ترجمہ۔ بھائی سے نہیں پوچھتے جب وہ پکارتا ہے مصائب میں کہ اس کا پکارنا کس دلیل سے ہے۔ جب مدد مانگے جاتے ہیں تو نہیں پوچھتے کہ انہیں کس نے بلایا کس جنگ یا کس جگہ بلایا۔

الاستنجاد بمعنے مدد مانگنا۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ صدیق کیا ہے فرمایا وہ اسم تو ہے لیکن مسمّٰی نہیں۔ حضرت

حکایت: فضیل نے حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا مجھے ایسا دوست بتائیں کہ جس کو میں دکھ سکھ کا ساتھی بناؤں۔ آپ نے فرمایا وہ گمشدہ شے جس کا ملنا مشکل ہے حضرت ابو اسحاق شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

سألت الناس عن خُلٍّ وفی
فقالوا مالی ھذا سبیل
تمسك ان ظفرت بودّ حر
فان الحر فی الدنیا قلیل

ترجمہ۔ میں نے لوگوں سے دوستی اور کسی کے ساتھ کے بارے میں پوچھا تو کہا ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہاں اگر تجھے اچھا دوست مل جائے تو اس دوستی کو مضبوط کر کیونکہ اچھے دوست دنیا میں بہت کم ہیں۔

اعجوبہ: بزرگوں نے فرمایا سب سے طویل سفر اس کا ہے جو صالح دوست کا متلاشی ہے۔

فائدہ: ایک اعرابی نے کہا اے اللہ مجھے سچے دوست سے محفوظ رکھ اسے کہا گیا یہ کیسی دعا ہے، فرمایا کہ بہ نسبت دشمن کے دوست سے زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

اخوان ھذا الزمان جواسیس العیوب — دنیا والے دوست تو عیوب کے متلاشی ہیں۔

نکتہ: کسی نے کیا خوب فرمایا کہ نیک دوست تیرے نفس سے بہتر ہے اس لیے کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے اور نیک دوست خیر اور بھلائی کا مشورہ دے گا۔

فائدہ: کسی نے کہا کہ دنیا تمام دو بغض والوں کے لئے گنجائش نہیں رکھتی لیکن دو دوست صرف ایک بالشت پر گذارہ کر لیتے ہیں جیسا کہ حکماء نے فرمایا کہ

دہ درویش بگلیمے بخسپند
و دو پادشہ در اقلیمے نگنجد

ترجمہ۔ دہ درویش ایک گلیم میں سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک اقلیم میں گذارہ نہیں کر سکتے۔"

مسئلہ: اخوت (بھائی چارہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے حضور علیہ السلام نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا جو آج تک جاری ہے اگر کوئی اس پر عمل کرے تو[1]

---

[1] لیکن یہ بھائی چارہ اور اخوت مذہب مہذب اہلسنت سے ہو، بد مذاہب سے ہمارا کسی قسم کا بھائی چارہ اور اخوت اور رواداری جاری نہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور میں عوام بلکہ خواص علم و عمل کا دم بھرنے والے بلکہ پیری مریدی کا دھندا کرنے والے اکثر اس مرض میں مبتلا ہیں کہ اپنوں سے بڑائی اور بد مذہبوں سے یارانہ۔ اس کی سزا قیامت میں بھگتیں گے ہاں اللہ تعالیٰ معاف فرما دے تو مالک ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ
وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ
لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ
يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ
الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ
اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ
اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ : اے ایمان والو نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے
بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں
طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھو کیا ہی بُرا نام ہے مسلمان ہوکر فاسق کہلانا
اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں، اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان
گناہ ہو جاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند
رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ
بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا
کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت

والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے، گنوار بولے ہم ایمان لائے تم فرماؤ تم ایمان تو نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ دے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں تم فرماؤ کیا تم اللہ کو اپنا دین بتلاتے ہو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے، اے محبوب وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو بیشک اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سب غیب اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔"

تفسیر عالمانہ: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَایَسْخَرْ" اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کرو۔"

حل لغات: السخریۃ بمعنے کسی دوسرے انسان کی تحقیر اور استخفاف اور اسے اس کے درجہ سے گرانا اور اسے ان سے سمجھے جن کو کچھ نہیں سمجھا جاتا یعنی اس سے ٹھٹھا مخول کرنا "یعنی لایسخر بمعنی لایستھزئ ہے" (ٹھٹھا مخول نہ کرے) "قَوْمٌ" تمہارے میں سے کوئی ایک قوم" اسم جمع ہے ایک مرد کے لئے بولا گیا ہے" "مِّنْ قَوْمٍ" دوسرے کے ساتھ جو وہ بھی تمہارے ہیں تنکیر یا تعمیم کی ہے یا تبعیض کی اور اس سے مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی کسی سے مذاق (ٹھٹھا مخول) نہ کرے کیونکہ یہ عام ایک دوسرے سے ہوتا رہتا ہے تو نہیں ہونا چاہیئے۔

سوال ۔ قوم من قوم سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے ٹھٹھا مخول نہ کرے اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ ایک فرد دوسرے فرد سے ٹھٹھا مخول کر سکتا ہے گویا اس کے لئے شرعًا اجازت ہو گئی حالانکہ یہ بھی ناجائز ہے۔

جواب: اس کلام کے طرز بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بھی دوسرے ایک سے ٹھٹھا مخول نہ کرے لیکن چونکہ یہ فعل عمومًا جماعت میں ہوا کرتا ہے جس پر وہ ہنسی وغیرہ کرتے اور اس سے خوش ہوتے ہیں اس لیے اس عمومیت کے اعتبار سے لفظ قوم لایا گیا ہے وہ اس لیے کہ اگرچہ تمسخر ایک دو ہی کے درمیان ہوتا ہے لیکن چونکہ دوسرے اس گفتگو سے خوش ہیں تو گویا وہ بھی ٹھٹھا مخول

کرنے والے ہیں اسی لیے وہ گناہ میں ان کے شریک ہیں اسی لیے فرد کو نہی کے بجائے سب کو نہی کی گئی ۔ یعنی بنسبت فعل البعض الی الکل اسی لیے ہے کہ وہ کل اس بعض کے فعل پر اغلباً راضی ہیں یا یہ کہ فعل ان سب کے سامنے ہو رہا ہے وہ اسے رد کرنے کے بجائے خاموش ہیں تو گویا وہ اس سے راضی ہیں ۔

فائدہ : القوم مردوں سے مخصوص ہے کیونکہ وہ عورتوں پر قوام (غالب ہیں) اسی لیے اناث (عورتوں) کو نساء کہا جاتا ہے نسوۃ (بفتح النون) سے مشتق کر کے بمعنے ترک العمل اس کی تائید زہیر کے قول سے ہوتی ہے ۔

وما ادری ولست اخال

اقوم آل حصن ام نساء

ترجمہ ۔ میں نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے خیال گذرتا ہے کہ آل حصن قوم (مرد) ہیں یا عورتیں ہیں ۔

"عَسٰی" شاید "اَنْ یَّکُوْنُوْا" وہ ہوں "خَیْرًا مِّنْهُمْ" ان سے اچھے" یہ نہی عن التمسخر کی تعلیل ہے یعنی شاید جن سے ٹھٹھا مخول کیا جا رہا ہے وہ تمسخر اڑانے والوں سے اللہ تعالے کے نزدیک بہتر ہوں عَسٰی کی خبر نہیں اس لیے کہ اس کے اسم نے اسے خبر سے غیر محتاج بنا دیا ہے "وَلَا نِسَآءٌ" اور نہ ہی مومن عورتیں ٹھٹھا مخول کریں" نساء امرأۃ کی اسم جمع ہے" مِنْ نِّسَآءٍ" عورتوں سے ۔

نکتہ : یوں کیوں نہیں کہا گیا" لا تسخر امرأۃ من رجل" اور نہ عورت مرد کے ساتھ تمسخر کرے ایسے ہی اس کے برعکس کہ" ولا یسخر رجل من امرأۃ" اور نہ ہی مرد عورت سے تمسخر کرے ۔ اس لیے کہ یہ مجلسیں شرعاً کہیں نہیں کہ مرد و عورتیں ٹھٹھا مخول کریں یہی وجہ ہے کہ شریعت نے عورتوں کو جماعت مسجد اور مجالس ذکر سے روکا ہے کیونکہ تمسخر ہمجنس کا ہمجنس سے ہوتا ہے ۔

"عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ" شاید جس سے تمسخر کیا گیا" خَیْرًا مِّنْهُنَّ" تمسخر کرنے والیوں سے بہتر ہو" اس لیے کہ تمسخر فریقین کا دار و مدار ان ظاہری صورتوں اور شکلوں اور اوضاع و اطوار پر نہیں جس پر تمسخر ہو رہا ہے بلکہ وہ اصل امور تو قلوب میں پوشیدہ ہیں اسی لیے کسی کے فعل پر استخفار کی جرأت نہ کی جائے کیونکہ بندوں کی خیریت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اسی لیے جسے اللہ تعالیٰ نے توقیر و تعظیم دے رکھی ہے اس کی تحقیر کر کے خود اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ کسی کے ظاہر کا اعتبار نہیں اسی لیے کسی کو بنظر تحقیر و استہانت و استحقار و استخفاف نہیں دیکھنا چاہیئے کیونکہ کسی پر استحقار (حقارت کی نگاہ سے دیکھنا در اصل نفس کے عجب کو ظاہر کرنا ہے جو اس میں پوشیدہ ہے جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا تو اس کا عجب ظاہر ہو گیا خود کہا " انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین " میں اس سے بہتر ہوں کہ مجھے تو نے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے " اس لیے ہمیشہ تک لعنتی ہو گیا اسی بنا پر وارد ہے کہ جو کسی کو حقارت سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اس سے بہتر ہے تو وہ اپنے وقت کا ابلیس ہے اور جس پر حقارت کی نگاہ کی ہے وہ وقت کا آدم ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ " آیت میں قوم سے اہل محبت وارباب السلوک مراد ہیں کیونکہ وہ اسی لقب سے مخصوص ہیں چنانچہ فرمایا " فسوف یأتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ " (عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جو ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے) یہی وجہ ہے کہ ارباب الطلب کی منتہی مبتدی و متوسط کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے " عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم " شاید وہ ان سے بہتر ہوں کیونکہ دار و مدار خاتمہ پر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری " (قدسی حدیث) میرے اولیاء میری قباء کے نیچے ہیں انہیں میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا "

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہت سے اجڑے بالوں والے غبار آلودہ سمٹے پرانے کپڑوں جن کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا لیکن ان کی شان یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھائیں تو وہ ان کی بات پوری کر دیتا ہے۔

معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند و بالا: حضرت معروف کرخی قدس سرہ نے اپنے شاگرد (مرید خلیفہ) حضرت سری سقطی کو فرمایا کہ اگر تمہارا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو تو اسے میری قسم دے (کام کر دے گا)

بحرمۃ معروف کرخی: اسی لیے اکثر لوگ اپنے خطوط کے اوپر لکھتے ہیں بحرمۃ معروف الکرخی (رضی اللہ عنہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر معروف کرخی رضی اللہ عنہ: اہل بغداد کہتے ہیں کہ" قبر معروف تریاق مجرب" حضرت معروف کی قبر تریاق اور مجرب ہے (دعاؤں کی قبولیت کے لئے)۔

نکتہ: نسآئ" سے عوام مسلمان مراد ہیں اس لیے خواص کو اللہ تعالیٰ نے رجال سے تعبیر فرمایا کما قال" رجال لاملیھم تجارۃ" وہ لوگ جنہیں تجارت غافل نہیں کرتی اور فرمایا" رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ" وہ مرد جنھوں نے اللہ تعالیٰ کا معاہدہ سچ کر دکھلایا" اب معنیٰ یہ ہوا کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی مسلمان کو حقارت سے دیکھے شاید وہ اس سے بہتر ہو۔

فائدہ: " اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدنیا الخ (کیا تو زمین میں اسے پیدا کرتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا) کے حقارت آمیز کلمات میں فرشتے بھی ابلیس کے شریک تھے اور وہ عجب جو ان کے نفوس میں پوشیدہ تھا لیکن ملائکہ نے اپنے اعجاب پر اصرار نہ کیا اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تاکہ ان کے عجب کا علاج ہو کیونکہ سجدے میں سجدہ کرنے والے کا عجز و نیاز ظاہر ہوتا ہے اور مسجود الیہ کا اعزاز و اکرام چونکہ اس سے پہلے ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی ذلت اور اپنی عزت کا اظہار کیا اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا تاکہ علاج بالاضداد ہو اس طرح سے ملائکہ کرام سے عجب زائل ہو گیا لیکن شیطان ابلیس اپنے قول و فعل پر ڈٹ گیا اور توبہ نہ کی اسی لیے اسے اللہ نے طرد و لعن سے ہلاک کر دیا۔

سبق: یہی حال ہے اس مسلم کا جو اپنے بھائی مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے ؎

مکن بچشم حقارت نگاہ بر من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

ترجمہ۔" چشم حقارت سے مجھ مست پر نگاہ نہ ڈال اس لیے کہ معصیت اور زہد اسی کے مشیت سے ہے۔"

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی اس لیے کہ آپ کے کان بہرے تھے

ان کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھتے تھے اگر دیر سے حاضر ہوتے تب بھی اس کی معذوری کو دیکھ کر ہر ایک اسے جگہ دے دیتا اور وہ جہاں بھی ہوتے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آکر بیٹھتے ایک دفعہ وہ نماز با جماعت کی ایک رکعت سے رہ گئے جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر ایک صحابی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور جو بعد کو آتا جگہ نہ ہوتی تو وہیں پہ کھڑے کھڑے حضور نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وعظ سن لیتا اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سلام پھیرتے ہی حسب عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھنے کے لئے لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آپ کے قریب پہنچ گئے لیکن حضور علیہ السلام اور ان کے درمیان ایک اور آدمی بیٹھا تھا اسے فرمایا جگہ دے دے اس نے انکار کیا تو فرمایا "من ھذا" یہ کون ہے، اس نے کہا "فلاں بن فلاں" آپ نے کہا بلکہ فلاں بن فلانۃ" اس سے آپ کی مراد اسے عار دلانا تھی جیسے زمانۂ جاہلیت میں کہا کرتے وہ شخص آپ کے اس جملہ سے شرمسار ہوا اور خجالت سے سر جھکا دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شان نزول ۲: مروی ہے کہ نساء من نساء حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اس لیے کہ بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھوٹے قد والی کہہ کر عار دلائیں بعض نے کہا کہ ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کہا کتنا حسینہ جمیلہ ہے اگر ان کا قد مبارک چھوٹا نہ ہوتا۔

شان نزول ۳: بعض نے کہا کہ یہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ فتح مکہ کے بعد وہ اسلام قبول کر کے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو مسلمانوں نے جب اسے دیکھا تو کہا

ھذا ابن فرعون ھذہ الامۃ "یہ اس امت کے فرعون کا بیٹا ہے۔"

اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا

لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات "زندوں کو مُردوں کی وجہ سے ایذا نہ دو۔"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ؎ ہمیشہ در صدد عیب جوئی خویشم
نبودہ ایم پے عیب دیگراں ہرگز

ترجمہ ۔ "ہم ہمیشہ اپنی عیب جوئی کے درپے رہے کبھی دوسروں کے عیب کا وقت ہی نہ ملا ۔"

مسئلہ: حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب یہ آیت عام ہے کہ کسی کو بھی کسی پر تمسخر اڑانا جائز نہیں مرد ہو، یا عورتیں ۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ۔نے فرمایا کہ بلاء گفتگو پر مؤکل ہے یہاں تک کہ مجھے خطرہ ہے کہ کتے سے بھی مذاق کروں تو کہیں میں خود کتا نہ ہو جاؤں ۔

نکتہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو صفت خداوندی دیکھنی چاہیئے نہ کہ مخلوق (مصنوع) کو کیونکہ مخلوق (مصنوع) کے ہاتھ میں حسن و قبح وغیرہ نہیں ۔

حکایت: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ آپ کیسے قبیح ہیں، آپ نے فرمایا یار و نقش پر عیب نہیں لگا رہے ہو بلکہ نقاش کی مذمت کر رہے ہو، ہم اس کے امر پر واقفیت کا سوال کرتے ہیں اور اس کے قہر و جلال سے پناہ مانگتے ہیں ۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نظر کردن بدرویشاں منافیٔ بزرگی نیست
سلیمان باچنیں حشمت نظرہا کرد با مورش

ترجمہ ۔ درویشوں پر نظر کرنا بزرگی کے منافی نہیں، سلیمان علیہ السلام اتنی بہت بڑی جاہ و حشمت کے باوجود چیونٹی کو بار نظر کرم سے نوازا ۔"

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ ادنیٰ مرتبہ والوں کو نظر کرم سے نوازنا تواضع ہے ۔

تفسیر عالمانہ: "وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" (اور اپنے نفسوں پر عیب نہ لگاؤ ۔)

حل لغات: اللمز بمعنے زبان سے طعن مارنا (تاج المصادر میں ہے عیب لگانا اور آنکھ وغیرہ سے اشارہ کرنا" اس کا ماضی مضارع فعل یفعل آتا ہے" لیکن اب زبان سے تمسخر کے ساتھ مخصوص ہے دوسری نہی عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے گویا یہ دوسری جنس ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہے اسی لیے کہا گیا ہے ؎

جراحات السنان لها التئام
ولا یلتام ما جرح اللسان

ترجمہ۔ "برچھوں کے زخم اچھے ہو سکتے ہیں لیکن زبان کے زخم اچھے نہیں ہو سکتے۔"
اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا بعض دوسرے پر عیب نہ لگائے اس لیے کہ اہل ایمان سب کے سب ایک ہی نفس ہیں اور تمام افراد منتشرہ اسی ایک نفس کے اعضاء ہیں ایک کو کوئی مصیبت پہنچے تو گویا سب کو مصیبت پہنچی جب انسان کا ایک عضو بخار سے شکوہ کرتا ہے تو اس کا سارا جسم شاکی ہوتا ہے اور نیند نہیں کرتا، جب کوئی مومن غائب ہو جائے سمجھے گویا وہ خود غائب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ولا تلقوا بایدیکم" اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ عیب برکس کہ کنی ہم تو ہمی گردد باز۔" وہ عیب جو تم دوسرے پر لگاتے ہو وہ تیری طرف لوٹ آئے گا[1]

تفسیر صوفیانہ:

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفسکم اس لیے فرمایا ہے کہ مومن ایک ہی نفس کی طرح ہیں اگر وہ کسی کے ساتھ برائی کریں تو وہ گویا اپنے ساتھ کر رہے ہیں اگر وہ کسی سے بھلائی کریں تو وہ سمجھیں کہ گویا وہ اپنے ساتھ بھلائی

---

[1] یہانتک کہ اگر کوئی کسی کو لعنتی کہے یا کافر یا مشرک تو وہ اس کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اور کفر اور شرک قائل کے سر ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ بن یمان فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے جن امور کا خدشہ ہے۔ اُن میں ایک یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی (عالم) ہوگا، جو قرآن بہت پڑھے گا حتیٰ کہ وہ قرآن کی رونق سے پورے طور پر سیراب ہوگا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا بھی اسلام ہوگا اللہ تعالیٰ اسے کسی ایسے عیب یعنی زعم میں مبتلا کر دے گا کہ قرآنی اثرات اس سے جدا ہو جائیں گے پھر وہ شخص قرآن کو پس پشت ڈال کر اپنے قرب وجوار کے مسلمانوں کو مشرک قرار دے گا اور ان کے قتل کے درپے ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں، میں نے سوال کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان دونوں میں سے فی الواقع مشرک کون ہوگا مشرک کہنے والا یا وہ جس کو مشرک کہا گیا؟
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے کو مشرک کہنے والا خود مشرک ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

(نوٹ) سنہ ۱۴۰۸ھ تک ہم دیکھ رہے ہیں کہ دیوبندی۔ وہابی۔ نجدی۔ مودودی اور ان کے ہمنوا فرقے بات بات پر شرک کا فتویٰ جڑ دینے کے عادی بن چکے ہیں۔ ان کی عادت کا پیشوا محمد بن عبدالوہاب نجدی عرب میں اور اسماعیل دہلوی ہندوستان میں ہے۔

کر رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا" ان احسنتم احسنتم لانفسکم" اگر احسان کرو گے تو احسان کرو گے اپنے لیے"۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عیب رندان مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت
کہ گناہ دیگراں بر تو نخواہند نوشت

ترجمہ۔ رندوں کو عیب نہ لگا اے زاہد سرشت والے۔ اس لیے کہ دوسروں کا گناہ تجھ پر نہ لکھیں گے۔

تفسیر عالمانہ ۲: یہ بھی ہے کہ آیت کا معنیٰ ہو وہ فعل نہ کرو جس سے کسی کو عیب لگاؤ اس لیے کہ جو شخص وہ فعل کرتا ہے جس سے عیب کا مستحق ٹھہرتا ہے تو گویا وہ اپنے نفس پر عیب لگا رہا ہے کیونکہ وہی اپنے نفس کے عیب لگنے کا سبب ہے ورنہ خود کو اپنی زبان سے عیب لگانے کا کیا معنیٰ یہ اطلاق المسبب و ارادۃ السبب کے قبیل سے ہے۔

تفسیر عالمانہ ۳: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے پر عیب نہ لگاؤ کیونکہ یہ بھی ایک سبب ہے کیونکہ تم نے جس پر عیب لگایا ہے وہ بھی تمہارے عیب بیان کرے گا تو گویا تم اپنے نفوس کے خود عیب بیان کرنے والے ہو گے۔ یہ آیت اسی طرح ہے جیسے صحیحین میں حدیث شریف ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے ماں باپ کو کون گالی دیتا ہے، آپ نے فرمایا جو کوئی کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو گویا اس نے اپنے ماں باپ کو خود گالی دی ہے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تقریر: حضرت صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ فقیر کے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ امام راغب رحمہ اللہ نے المفردات میں فرمایا کہ اللمز بمعنے الاغتیاب (غیبت کرنا) و تتبع المعائب کسی کے عیوب کے درپے ہونا اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم لوگوں کو عیب نہ لگاؤ ورنہ وہ تم پر عیب لگائیں گے تو پھر تم ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو اپنا عیب خود بناتے ہیں۔

آیت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جو فاسق و فاجر کا فسق و فجور ظاہر کرتا ہے

ازالۂ وہم : (تاکہ لوگ اس کے فسق و فجور کی خرابی سے عبرت پکڑیں) یہ غرض صحیح ہے کہ لوگ اس سے اور اس کے فسق و فجور سے ڈر کر بچ جائیں گے ورنہ زبان کو روکنا بہتر ہے کہ زبان پاک ہے اسے ایسے گندے انسان اور اس کے فسق و فجور سے ملوث کرنا اچھا نہیں اسی لیے بعض مشائخ کرام کا معمول رہا کہ انہوں نے شیطان پر کبھی لعنت نہ کی[1] اس لیے کہ اس میں سوائے زبان کو فضول بات میں ملوث کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ اس سے مخالفت کا اظہار ضروری نہیں کہ صرف لعنت سے ہو (اور وجوہ بھی اس سے دشمنی کے اظہار کے ہیں بلکہ اس سے دشمنی کا اصل مقصد یہی ہے کہ اس کی (قولاً و فعلاً و عملاً) مخالفت کی جائے۔

مبارک ہو اسے جو اپنے عیب کے دیکھنے میں مشغول ہے بجائے

حدیث شریف : لوگوں کے عیوب دیکھنے کی مشغولی میں۔

نکتہ : آیت میں اشارہ ہے کہ کوئی انسان (سوائے انبیاء و اولیاء کاملین کے) عیب سے خالی نہیں۔ سقراط سے پوچھا گیا کہ کوئی ایسا انسان بھی ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو تو اس نے کہا کہ اگر انسان میں کوئی عیب نہ ہوتا تو اس پر موت ہی نہ آتی[2] اسی لیے شاعر نے کہا

ولست بمستبق اخالا تلمه
علی شعث ای الرّجال المهذّب

میں باقی نہیں رہوں گا (مر جاؤں گا) اے برادر اسے (یعنی اس کی اپنی ذات) ملامت نہ کر اس کے عیوب پر بھلا لوگوں میں کون ایسا ہے جو عیوب سے پاک و صاف ہو۔ یعنی لوگوں میں کوئی بھی گناہوں سے پاک صاف نہیں کیونکہ ان میں کوئی نہ کوئی عیب و نقص ضرور ہوں گے اگر کوئی

---

[1] اسی سے ہمارے دور کے یزید پرست (بعض دیوبندی اور وہابی۔ مودودی فرقہ) لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ شیطان گمراہ کن ہے جب اس پر لعنت جائز نہیں تو یزید اگر لعنت کا مستحق ہو تب بھی اس پر لعنت جائز نہ ہوگی۔ [2] یہ اس نے من حیث الحکمت کہا ورنہ موت تو ایک فیصلہ ربانی ہے کیا ملائکہ پر موت نہیں تو کیا وہ عیب دار ہیں تو ایسے ہی انبیاء و اولیاء پر یہ قیاس جاری نہ کیا جائے (فافہم ولا تکن من الوہابیین)

گناہوں سے پاک وصاف دوست چاہتا ہے اسے چاہیئے جاکر دنیا میں تلاش کرے لیکن اسے ملے گا نہیں تو پھر اسے میرے عیوب کی سزا دی چاہیئے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

ز دیدن کردہ ام معزول چشم عیب بینی را
اگر بر خار می پیچم گل بے خار می بینم

ترجمہ۔ "میں نے آنکھوں کو عیب بینی سے فارغ کر لیا ہے یہانتک کہ اگر کانٹوں پر چلتا ہوں تو بھی ان کانٹوں کو پھول تصور کرتا ہوں۔"

اور فرمایا ؎

بعیب خویش اگر راہ بردمی صائب
بعیب جوئی مردم چہ کار داشتمی

ترجمہ۔ "اگر میں اپنے عیوب کو اے صائب دیکھ پاتا تو لوگوں کے عیوب دیکھنے میں مجھے کیا کام تھا۔"

تفسیر عالمانہ: "وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ" اور ایک دوسرے کو القاب نہ دو۔"

حل لغات: انبز (بسکون الباء) نبزہ کا مصدر ہے بمعنے لقبہ یعنی کسی کا لقب سے یاد کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایک دوسرے کو لقب (برے) سے یاد نہ کرو کیونکہ التنابز بمعنے ایک دوسرے کو لقب سے بلانا (و بفتح الباء بمعنے لقب مطلقاً اچھا ہو یا برا۔ اسی محاورہ سے ہے

حدیث شریف: "قوم نبزھم الرافضۃ" (ایک قوم پیدا ہوگی جن کا لقب رافضی ہوگا[1]) یہاں نبز سے لقب مراد ہے۔ پھر یہ لفظ عرف میں قبیح لقب سے مخصوص ہے یعنی وہ لقب جو پکارے ہوئے کو ناگوار گذرے اور لقب ہونا بھی وہی ہے جو کسی کا علم کے بعد نام رکھا جائے جو اس کی اس مدح یا ذم پر دلالت کرے جو اس میں ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کسی کو برے لقب سے کوئی نہ بلائے۔

---

[1] یہ شیعوں کا لقب ہے جس سے آجکل اسی لقب سے یہ فرقہ گھبراتا ہے حالانکہ یہی لقب انہیں سیدنا امام جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی عطا فرمایا۔

مسئلہ: اس وعید میں وہ لقب شامل نہیں جو محدثین کرام نے بعض محدثین عظام کے لئے مقرر کر رکھا ہے جیسے سلیمان اعمش اور واصل الاحدب وغیرہ کیونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ ان کو اس لقب سے یاد کرنا استخفاف و تحقیر مطلوب نہیں اور نہ ہی ایذاء کے طور بولا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اچھے لقب سے یاد کرنا جائز ہے جیسے محی الدین (جیلانی) شمس الدین بہاء الدین (محکم الدین) وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے مسلمان بھائی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے اچھے نام سے یاد کیا جائے "بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ" برا ہے فسق سے یاد کرنا ایمان قبول کرنے کے بعد۔

فائدہ: اسم سے یہاں پر نہ وہ اسم مراد ہے جو لقب ہوتا ہے اور وہ کنیت کا بالمقابل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ جو فعل و حرف کے مقابلہ میں آتا ہے بلکہ مرتفع ذکر کے معنیٰ میں ہے اس لیے کہ یہ سمو سے ہے بمعنے ارتفاع کہا جاتا ہے 'طار اسمہ فی الناس بالکرم او باللوم' اس کا نام لوگوں میں جود و سخا یا ملامت سے مشہور ہے یعنی اس کا ذکر ہے" الفسوق" مخصوص بالذم ہے بئس کا اور کلام میں مضاف محذوف ہے اور وہی فسوق کا اسم ہے یعنی ذکرہ محذوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ برا ذکر ہے مشہور کیا ہوا اہل ایمان کے لئے یہ کہ کسی کو برائی سے یاد کریں ایمان قبول کرنے کے بعد اور مشہور ہونا اس برے نام سے۔

تفسیر صوفیانہ: "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ برا ہے وہ نام جو انسان کو ایمان سے خارج کر دے۔

مسئلہ: اس سے یا تو مراد یہ ہے کہ اہل ایمان کی طرف کفر و فسق کی نسبت نہ کی جائے چنانچہ مروی ہے کہ یہ آیت ام المومنین صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی جبکہ رونی ہوئی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے عورتیں کہتی ہیں یا یہودیہ بنت یہودیین اور عین المعانی میں ہے کہ عرض کی مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے یہودیہ بنت یہودیین، آپ نے فرمایا تو کہہ دیتی کہ میرے ابا ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام اور میرے زوج مکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

یا یہ مراد ہے کہ بُرے القاب کیسے ہی ہوں کفر کے ہوں یا فسق کے ان سے مطلقاً

مسئلہ: کسی کو نہ یاد کیا جائے اسے ایمان میں جمع کرنا قبیح ہے" اس حکم میں ہے کہ کسی کو کہا جائے زید یہودی اور عمرو نصرانی بکر کافر وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: آجکل (صاحب روح البیان قدس سرہ کے زمانہ میں) تو رومی اہل ایمان کو عربی نصاریٰ کہتے ہیں یہ ان کی زیادتی اور وہ اسم مذمت میں داخل ہیں اس لیے کہ انہیں انساب کا فخر کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ فضیلت تقویٰ سے ہوتی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

وما ینفع الاصل من ہاشم

اذا کانت النفس من باہلہ

ترجمہ۔ "اصل ہاشمی ہو تو کیا فائدہ جب نفس طبیعت باہلہ (قبیلہ) سے ہو"

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

چہ غم ز منفعت صورت اہل معنیٰ را

چو جان ز روم بود کو تن از جلش محاباش

ترجمہ۔ اہل معنیٰ کو ظاہری صورت سے کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوتا اس لیے کہ جان رومی (روشن) ہونی چاہیئے جسم کو کہہ کہ حبشی ہو تو کوئی حرج نہیں"

حدیث شریف: جس نے کسی کو کسی گناہ کی عار دلائی حالانکہ وہ اس سے توبہ کر چکا تھا تو اللہ تعالیٰ اسے اس گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی نیک انسان کو کہا "یا فاسق" یا "یا فاجر" یا "یا خبیث" یا "یا مخنث" یا "یا مجرم" یا "یا مباحی" یا "یا جیقہ" یا "یا بلید" یا "یا ابن الخبیثہ" یا "یا ابن الفاجرہ" یا "یا سارق" یا "یا لص" یا "یا کافر" یا "یا زندیق" یا "یا ابن القحبہ" یا "یا ابن قرطبان" یا "یا لوطی" یا "یا ملاعب" یا "یا الصبیان" یا "یا آکل الربا" یا "یا شارب الخمر" حالانکہ وہ اس سے بری الذمہ ہو یا کہے "یا دیوث" یا "اے بے نماز" یا "اے منافق" یا "اے خائن" یا "یا مادی الزوانی" یا "اے مادی اللصوص" (چوروں کا مرکز) یا "اے حرامزادہ" کہنے والے پر

تعزیر ہوگی (فتاویٰ الزینبیہ)

مسئلہ: کسی شخص کے متعلق سوال ہوا کہ کسی کو کہا "یا فسق" اس سے اس کا ارادہ ہے کہ اس کا فسق دلائل (گواہ وغیرہ) سے ثابت کرے اس سے اس کی مراد یہی ہے کہ وہ تعزیر سے بچ جائے کیا اس کے دلائل (گواہ وغیرہ) سنے جائیں گے یا نہ جسے یا فاسق کہا ہے اگر وہ صالح (نیک آدمی) ہے تو کچھ نہ سنی جائے گی اگر عوام میں سے ہے تو اس کے دلائل (گواہ وغیرہ) سنے جائیں گے اگر دلائل (گواہ وغیرہ) نہ ہوں تو اس پر تعزیر ہے

"وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ" اور وہ جو نہی عنہ سے توبہ کرتا "فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" تو وہی ظالم لوگ ہیں۔ ظلم طاعت کے بجائے معصیت کا ارتکاب اور خود کو عذاب کے سامنے لانا اور ظالم فاسق سے اور فاسق کافر سے اثم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: "ومن لم یتب" اور وہ جو شیطانی باتوں اور اس کے افعال سے توبہ نہیں کرتا یعنی وہ اپنے نفس کو عجب میں ڈالتا ہے اور دوسروں کو حقارت سے دیکھتا ہے وہی لوگ ظالم ہیں انہیں لعنت اور دھتکار کے سلک میں ابلیس کے ساتھ ملایا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الا لعنۃ اللّٰہ علی الظّٰلمین" خبردار اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ظالموں پر۔"

مسئلہ: اس میں واضح دلیل ہے کہ جو گناہوں سے توبہ نہیں کرتا وہ ظالمین میں شامل کر لیا جاتا ہے اس لیے جملہ قبائح و معاصی سے خالص توبہ ضروری ہے خصوصاً جن گناہوں کا ذکر یہاں ہوا ہے ؎

سرمایۂ نجات بود توبۂ درست
با کشتیٔ شکستہ بدریا چہ می روی

ترجمہ۔ سچی توبہ نجات کا سرمایہ ہے۔ ٹوٹی ہوئی کشتی کو دریا میں لے جانے کا کیا فائدہ۔

فائدہ: جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اس کی گرفت بہت جلد ہوگی ایسے ہی گرفت کے قریب مظلوم کی آہ و فغان ہے اور زود اثر تیر مظلوم کی دعا ہے۔

فائدہ: گناہوں کے مراتب پر توبہ کے مراتب ہیں بعض گناہ تو صرف استغفار سے بخشے جاتے ہیں یہ کفر سے کم درجہ والے گناہ ہوتے ہیں۔ بعض گناہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کے

متقاضی ہوتے ہیں تجدید نکاح اس کے لئے جس کے نکاح میں گناہ سے پہلے عورت منکوحہ ہے۔

فائدہ: بعض زاہدین نے ہر گناہ کے بعد احتیاطاً تجدید ایمان اور کفر سے بیزاری کا اظہار روا رکھا ہے۔[1]

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے تھے "اللّٰھم انی اعوذبک من ان اشرک بک شیئاً وانا اعلم واستغفرک لما لا اعلم" اے اللہ! میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرے ساتھ شریک ٹھہراؤں کہ میں اسے جانتا ہوں اور استغفار کرتا ہوں اس کے لئے کہ میں اسے نہیں جانتا۔"

مسئلہ: سب کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام وحی سے پہلے اور اس کے بعد باجماع العلماء کفر سے معصوم ہیں اور وحی کے بعد عمداً جملہ کبائر سے بھی معصوم ہیں تو ان کی توبہ و استغفار اس سے ہو گی جو ان سے خلاف اولیٰ وغیرہ امور سرزد ہوں جس کی ہم نے سورۃ الفتح کے اول میں تفصیل دی ہے۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء میں (لما لا اعلم) میں اشارہ ہے کہ کبھی انسان سے لاشعوری میں گناہ ہو جاتا ہے لیکن یہ امت کے حق میں ہے کیونکہ عام آدمی سے لاشعوری میں کفر ہو سکتا ہے اور گناہ کبیرہ وغیرہ بھی اس لیے ضروری ہے کہ گناہ کبیرہ وغیرہ سے توبہ و استغفار ہو تو کفر کی توبہ کے وقت بھی تجدید اسلام احتیاطاً ہونی چاہیئے کیونکہ احتیاط اکثر امور میں ہوتی ہے سوائے چند نادر مواقع کے۔

ازالۂ وہم: عادت کے طور کلمۂ شہادت پڑھتے رہنا کفر کو نہیں اٹھاتا جب تک کہ اس سے قولاً و فعلاً رجوع (توبہ) نہ ہو اور وہ قول و فعل بھی رضائے الٰہی کے طور ہو محض رسم اور دکھاوے سے نہ ہو یعنی گناہ کا تصور سامنے رکھ کر اس سے توبہ کرے ایسے ہی جس فعل و قول سے استغفار ہو تو ان کا تصور بھی ذہن میں ضروری ہو۔

تفسیر صوفیانہ: اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ صدور الکفر عوام و خواص سے عام ہوتا ہے جب تک غایۃ الغایات تک نہ پہنچیں اور غایۃ الغایات مرتبۂ

---

[1] زہرۃ الریاض ۱۲۔

ذات احدیہ کا نام ہے اسی طرف حضرت سہل تستری قدس سرہ کا ارشاد اشارہ کرتا ہے کہ اگر وصال ہو جائے تو پھر لوٹنا مشکل ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ابلیس سے کفر کا صدور ہو گیا حالانکہ وہ طاعات و عبادات میں یکتا تھا بلکہ عرفان سے بھی اسے وافر حصہ نصیب تھا لیکن مارا گیا ایسے ہی بہت سے اہل عرفان کا منہ کالا ہوا۔ یہ بھی ہے کبھی کفر کے بعد معصیت کی طرف رجوع ہوتا ہے اس لیے توبہ لازم ہے کیونکہ ایسے لوگ ابھی عالم ذات تک نہیں پہنچتے اگر پہنچ جاتے تو ان سے کفر کا صدور ممکن نہ ہوتا اس لیے کہ عیانی ایمان کے بعد کفر کہاں اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا" اللّٰھم انی اسألك ایمانا یباشر قلبی و یقینا لیس بعدہ کفر" اے اللہ میں تجھ سے اس کا سوال کرتا جو قلب پر اثر انداز ہو اور اس یقین کا سوال ہے جس کے بعد کفر صادر نہیں ہو سکتا (اسے اچھی طرح جان لے)۔

تفسیر عالمانہ: " یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ " (اے ایمان والو بہت سے گمان سے بچو) یعنی اس سے ایک کنارہ پر اور دور ہو جاؤ اس لیے اجتناب یعنے ایک طرف ہو جانا۔

حل لغات: الظن اس شئے کا نام ہے جو علامت سے حاصل ہو جب قوی ہو جائے تو اسے علم کہا جاتا ہے جب بہت کمزور پڑ جائے تو وہم کی حد سے تجاوز نہیں کرتا جس شئے میں ابہام کثیر ہو جائے اس میں احتیاط واجب ہے اور ہر ظن میں تامل ضروری ہے یہانتک کہ واضح ہو جائے کہ یہ کون سے قبیل سے ہے توضیح مقام یہ ہے کہ کثیر ظن کا بیان ہے جو کہ وہ گمان بھی ہے تو اجتناب کا حکم ظن سے ہے لیکن وہ ظن بکثرت واقع ہوتا ہے اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ظن کثیر میں سے اس کا فرق کریں جس سے ہم نے اجتناب کرنا ہے اگر اسے معرفہ کے طور کہا جاتا مثلاً اجتنبوا الظن الکثیر تو اس وقت معنیٰ یہ ہوتا کہ اس ظن سے اجتناب کرو جسے مخاطب جانتا ہے کیونکہ وہ ظن ہے کثیر ہے قلیل نہیں اگر اسے نکرہ لایا جاتا تو اس کی تنکیر افراد اور کیفیت مراد ہوتی تو اس وقت اس ظن سے اجتناب مراد ہوتا جو اس ظن کے افراد ہیں جن کی صفت کثیر لیکن ہیں غیر معین یعنی ان کے بعض۔

نکتہ: اس ظن سے مکلف کرنے کا بہت بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ مکلف کو ہر وقت محتاط رہنا ضروری ہے یہانتک کہ کسی گمان پر جرأت نہ کرے جب تک کہ بات واضح نہ ہو جائے کہ کس کی اس نے اتباع کرنی ہے اور کس سے اس نے اجتناب نہیں کرنا اگر اسے معرفہ لایا جاتا

تو معنیٰ ہوتا کہ اس ظن کی حقیقت سے اجتناب کرو جس کی صفت کثیر ہے یا اس کے تمام افراد سے اجتناب کرو نہ کہ اس کے قلیل افراد سے اور حرام وہ ظن ہے جو موصوف بلام الجنس یا بلام الاستغراق ہے لیکن یہ مکلّف کے لئے محتاط رہنے کے لئے نہیں کیونکہ وہ حرام تو معین ہو گیا اور صرف اس سے اجتناب کرنا ہو گا نہ کہ اس کے غیر سے اور وہ ہو گا قلیل خواہ ظن ہوا ہو یا صحیح یہ معنیٰ بالکل غلط ہے بخلاف اس کے کہ ظن کو نکرہ کر کے اسے کثرت سے موصوف کیا جائے وہ معنیٰ صحیح ہے کیونکہ اس وقت احتیاط اس گمان سے ہو گی جو اس حقیقت کے افراد کا بعض مبہم ہے اور اس کی احتیاط مکلف کو ضروری ہے یہاں تک کہ واضح ہو کہ یہ کون سے گمان سے ہے کہ جس سے احتیاط ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کے لئے حسن ظن کی اتباع واجب ہے ۔

حدیث شریف : اچھا گمان ایمان سے ہے ۔

مسئلہ : بعض مسائل ایسے ہیں جن میں قطعی فیصلہ نہیں بلکہ ان میں ظن ہے جیسے وتر واجب ہیں کیونکہ خبر واحد سے ثابت ہیں ان کے لئے نص قطعی نہیں اس لیے ہم نے حسن ظن پر انہیں واجب کہا ، اسی لیے اس کا منکر کافر نہیں مبتدع اور گمراہ ہے کہ وہ خبر واحد کو رد کرتا ہے لیکن قضاء ہو جائیں تو ان کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ عملی طور فرض ہیں ۔

مسئلہ : الاشباہ میں ہے وتر اور اضحیۃ کی اصل کا منکر کافر ہے ۔

مسئلہ : بعض ظنون کفر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور جو اس کے لائق کمالات ہیں ایسے ہی نبوت کے متعلق گمان کفر ہے مثلاً کہے میرا تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہے لیکن یہ گمان ہے کہ نا معلوم آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہ کافر نہ ہو گا (کیونکہ پہلے جملہ کی وجہ سے ایمان سے خارج نہ ہو گا)

ردّ مرزا قادیانی : کوئی کہے کہ نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول ہیں لیکن میں نہیں مانتا کہ وہ خاتم الرسل ہیں اور نہیں مانتا کہ آپ کے دین میں قیامت تک نسخ نہ ہو۔

ردّ ناصبی اور شیعہ ، خوارج و معتزلہ : ایسے ہی وہ گمان جو قطعی فیصلہ کے منافی ہو مثلاً حسنین کریمین اولادِ رسول (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کا انکار کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء کا منکر ہو یا آپ کی امت کے اولیاء کے وجود کا انکار کرے۔

تردید مرزا قادیانی: منکر ختم نبوت اس حدیث کا منکر ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا نبی بعدی" میرے بعد کوئی نبی نہیں" نہ تشریعی نہ متابع (ظلی) اس قسم کے گمان حرام ہیں۔

مسئلہ: قطعی احکام میں گمان کفر ہے ایسے ایمان والوں پر برا گمان بالخصوص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وارثین کاملین یعنی عارفین باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وظننتم ظن السوء" اور اے منافقوم نے ان کے لئے برا گمان کیا "وکنتم قوما" اور تم ہو قوم ہلاک ہونے والی" اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر حرام فرمایا مسلمان کی عزت اور خون اور یہ کہ اس پر بدگمانی کی جائے۔

فائدہ: اس عزت سے مراد یہ ہے کہ اس کی وہ جانب جو وہ اپنے نفس اور حسب کی حفاظت کرتا ہے لازم ہے کہ اس کی تنقیص نہ کی جائے۔ حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

بدگمانی لازم بد باطنان افتادہ است
گوشۂ از خلق جا کردم کمیں پنداشتند

ترجمہ۔ بد باطنوں پر بدگمانی لازم ہے میں نے مخلوق سے علیحدگی اختیار کی تو انہوں نے اسے کمزوری سمجھا۔

مسئلہ: بعض گمان مباح ہیں جیسے امور معاش یعنی امور دنیا اور معاش کے مہمات بلکہ ان امور میں بدگمانی موجب سلامت اور مہمات کے انتظامات میں سے اور اہمیت کی حامل ہے جیسے کسی نے کہا ؎

بدنفس مباش و بدگمان باش
وز فتنہ و مکر در امان باش

ترجمہ۔ بدنفس اور بدگمان ہو اور فتنہ و مکر سے امان میں ہو۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے گمان مباح کی مثال ذہم ہے جو نماز۔ روزہ اور قبلہ کے متعلق گمان ہو جاتا ہے تو اس میں تحری (سوچنا) ضروری ہوتا ہے

پھر غلبۂ ظن کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: تفسیر الکاشفی میں ہے کہ تحری امر قبلہ میں پھر صحیح سوچ پر عمل کرنا امور اجتہادیہ سے ہے اور یہ مندوب ہے۔

فائدہ: استحری جلکنے الطلب اور شرع میں عبادات میں سوچنے کے بعد غلبۂ رای پر عمل کرنا جبکہ حقیقی امر پر عمل کرنا مشکل ہو جائے "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" بیشک بعض گمان گناہ ہیں) یعنی اس سے سزا کا مستحق ہو جائے اور یہی بعض کثیر ہے اور بطریق استیناف تحقیقی امر اجتناب کی علت ہے۔

حل لغات: اثم وہ عمل جس کے ارتکاب سے بندہ سزا کا مستحق ہو اس کا ہمزہ واو سے مبدل ہے (دراصل وِثمٌ تھا) اس کا مضارع "ثیم" ہے بمعنے یکثر الاعمال" گویا وہ اعمال زیادہ کرتا ہے۔

سوال - اس میں تو مذہب اعتزال کی طرف میلان نظر آتا ہے؟

جواب - اگر اس میں تشبیہ نہ ہوتی تو یہی سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مصنف نے یہاں زمخشری کا اتباع کیا ہے لیکن اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس کلمہ کی تعریف میں ہمزہ جدا نہیں ہوتا یعنی اس کی گردان اثم یا ثم آتی ہے (نذکروثم یثم) بخلاف داوی کے وہ از باب ضرب یضرب ہے اور یہ از باب علم یعلم ہے۔

میں (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ خود زمخشری نے اسے الاساس (کتاب) میں اسے از باب مہموز ذکر کیا ہے۔

مسئلہ: آیت دلالت کرتی ہے کہ اکثر گمان گناہ کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ شیطان گمان دل پر القاء کرتا ہے تو اسے نفس گمان فاسد بنا لیتا ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک حقیقت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو نفس کی طرف سے نہ ہو بلکہ وہ فراست صحیح ہوتی ہے یعنی وہ شے جو قلب نور یقین سے دیکھے اور وہ عالم غیب سے ہوتا ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ ہر امت میں محدثین یا مروعین ہوتے ہیں (راوی کو شک ہے کہ محدثین فرمایا یا مروعین) اگر اس امت میں کوئی ہے تو ان میں ایک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

فائدہ: محدث وہ کہ جس کی ہر رائے مصیب ہو گویا اس نے جو بات کی امر الٰہی سے کی اور مروع وہ ہے جس کی روع یعنی قلب میں امر الٰہی القاء کیا گیا ہو۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ گمان کا اقدام نہ کیا جائے جب تک اس شخص کی شخصیت کو نہ سمجھا جائے اگر وہ صلاح سے موسوم ہے تو پھر اس پر معمولی وہم سے بدگمانی نہ کی جائے بلکہ اس میں احتیاط برتی جائے (انتباہ) گمان برا نہ کیجیے جب تک کہ خیر و بھلائی کی طرف چارہ ہو حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

سیلاب صاف شد ز ہم آغوشئ محیط
با سینۂ کشادہ کہ کدورت چہ میکند

ترجمہ۔ آغوشئ محیط سے سیلاب صاف ہوا۔ سینہ کشادہ ہو تو میل و کچیل کچھ نہیں کرتی۔

مسئلہ: فساق (جن کے ہاں فسق کے سوا اور کچھ نہ ہو) ان پر ان کے فسق کی حیثیت پر بدگمانی کرنے میں حرج نہیں۔

مسئلہ: حضرت امام غزالی قدس سرہ کی منہاج العابدین میں ہے کہ جب انسان کا ظاہر اچھا اور برائیاں مستور ہوں تو اس کی نماز و صدقہ قبول کرنے میں حرج نہیں اس میں بحث کی ضرورت نہیں مثلاً یہ کہتے رہو کہ زمانہ کا حال تبدیل ہو گیا ہے کیا خبر اس کی نماز و صدقہ وغیرہ کیسا ہے ایسے مرد مسلم پر بدگمانی صحیح نہیں اس لیے کہ مردِ مسلمان پر نیک گمان کے ہم مامور ہیں۔

حدیث شریف: جس کے پاس رزق خود بخود (فقیر بانگے) آئے اور وہ اسے ٹھکرا دے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کو واپس کر رہا ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امراء کے نذرانے (تحائف) ریا کار ٹھکراتا ہے یا احمق۔

حکایت: بعض مشائخ کی عادت تھی کہ وہ ضروریات کے لئے قرض اٹھا لیتے پھر انہیں نذرانوں (تحائف) سے ادا کرتے (تقویٰ کی وجہ سے)

توضیح از اویسی غفرلہ: چونکہ عموماً امراء (حکام۔ گورنمنٹ کا مال حرام یا مخلوط ہوتا ہے اسی لیے اسے متقی (پرہیزگار) استعمال نہیں کرتے اس کے

جواز کی صورت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی چنانچہ خود صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

حیلہ شرعیہ : ایسے اموال (دراہم و دنانیر) کے متعلق حیلہ یوں ہے کہ شئے تو مال مطلق سے خریدے پھر اس کے ثمن کی ادائیگی خبیث مال کرے۔

قاعدہ از امام اعظم رحمہ اللہ : حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بادشاہ اور ظالم حکام وغیرہ کی دعوت کو جائے ورنہ صاف جواب دیدے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے دل سے فتویٰ لے۔

فائدہ : حضرت شیخ ابو العباس قدس سرہ نے فرمایا کہ دور حاضرہ کے فقراء (مشائخ یعنی پیر صاحبان) ظالم حکام و امراء کا مال کھا رہے ہیں یہ وہی ہیں جن میں یہودیت گھس گئی ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "سماعون للکذب اکالون للسحت" وہ جھوٹی باتوں کو خوب سنتے ہیں اور مال حرام خوب اڑاتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ اگر اپنے دور کے بعض پیر صاحبان کے لئے یہ کہہ دے تو حق بجانب ہے کہ وہ محض حکومت کا کھلونا بن کر رہ جاتے ہیں الا قلیلا منہم)

فائدہ : حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظن دو قسم ہے :-

(۱) گناہ وہ یہی ہے کہ کسی کے حق میں بدگمانی کر کے اسے بیان کر دینا۔

(۲) گناہ نہیں وہ یہی ہے کہ بدگمانی کے بعد خاموش رہنا اور مراد اس بعض الظن سے وہی ہے جو بدگمانی کے بعد اعلان اور بیان کرنا۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم گمان کے زمانہ میں ہیں اور اس وقت ان پر بدگمانی حرام ہے[1] لیکن تیرا زمانہ ایسا ہے کہ چپ کر کے عمل کیے جا لیکن لوگوں پر جتنا چاہے گمان کر لے لیکن اسے بیان مت کر کیونکہ یہ لوگ ظن کے اہل ہیں اور واقعی گمان کے مصداق بھی ہیں۔ (قاعدہ صوفیانہ) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اشرار کی صحبت اخیار سے بدگمانی پیدا کرتی ہے۔

---

[1] اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے ۱۲

حکایت: متوکل (خلیفہ) نے حضرت ذقاق رحمہ اللہ کی کنیز مدینہ میں طلب کی اور حضرت ذقاق حضرت جنید رضی اللہ عنہما کے ہم زمان تھے اور مصر میں رہتے تھے جب لونڈی بلائی گئی تو آپ اس سے محبت کی وجہ سے پریشان ہو گئے۔ لونڈی نے کہا حضرت اطمینان رکھیے میں آپ کی خیانت نہیں کروں گی اللہ تعالیٰ پر احسن ظن کیجیے میں انشاء اللہ با عزت واپس جاؤں گی۔ لونڈی متوکل کے ہاں پہنچی تو متوکل نے کہا کیا کہتی ہو کہا " ان هذا اخی له تسع وتسعون لفجة ولی لفجة واحدة " اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری صرف ایک ہے یہ سن کر متوکل اصل مقصد سمجھ گیا اسی لیے با عزت واپس لوٹا دی۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ایک زوجہ مکرمہ سے باتیں کر رہے تھے وہاں سے ایک شخص گذرا آپ نے اسے بلا کر کہا اے فلاں یہ میری زوجہ صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھیں۔ وہ مجھے بحالت اعتکاف رمضان کے پچھلے عشرہ میں (مسجد میں) ملنے آئی ہے۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ پر وہ گمان نہیں کر سکتا جو دوسروں پر کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بیشک شیطان ابن آدم میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ (احیاء العلوم)

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ تہمت والی جگہوں سے بچنا لازم ہے تاکہ لوگوں کو بدگمانی نہ ہو اور نہ ہی ان کی زبانیں غیبت سے ملوث ہوں اور اسی میں تزکیۂ نفس ہے کیونکہ مکر اور برائی اور غواء اور فتنہ وفساد ڈالنے میں نفس وشیطان عجیب وغریب واقع ہوئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔

" وَلَا تَجَسَّسُوْا " (اور لوگوں کے عیوب تلاش نہ کرو) یہ دراصل " لا تتجسسوا " تھا بقاعدۂ صرف تفعل کی ایک تاء گرادی گئی معنے " لا تتجسسوا عن عورات المسلمین وعیوبهم " مسلمانوں کے عیوب ونقائص تلاش نہ کر۔

حل لغات: تفعل از الجس بمعنے طلب کیونکہ کسی خبر کے تجسس میں طلب اور اس کی تلاش ہی ہوتی ہے جب اسے تفعل پر لایا گیا تو اس میں تکلف پیدا ہو گیا جب کیا جائے گا " جسست الخبر " میں نے خبر تلاش کی جب تفعل پر لایا گیا تو اس میں تکلف معنیٰ ہوگا جیسے التلمس جو لمس سے ہے بمعنے ہاتھ لگانا تاکہ شئے کا حال معلوم ہو جب تلمس کہا جائے گا تو اس میں

تکلف معنیٰ لانا پڑے گا۔ اب تجسس کا معنیٰ ہؤا شئے کی طلب در طلب (تلاش کرنا) کبھی لمس مطلق طلب کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے " وانا لمسنا السماء " یعنی ہم نے آسمان کو طلب کیا اور اسے حاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے الحسّ سے بمعنے حِسّ کا اثر اور اس کی غایت چونکہ دونوں قریب المعنی اس لیے دونوں کا اطلاق حواس کے مشاعر کے لئے بھی ہوتا ہے اور ان کے لئے جیم اور باء ہر دونوں طرح کہنا جائز ہے۔ المفردات میں ہے الجس دراصل بمعنے پسینہ پونچھنا ہے اس سے نبض کے ذریعہ صحت اور بیماری کا حال معلوم کیا جاتا ہے اور الجاسوس الجس سے ہے وہ اس وقت حسّ سے اخص ہے اس لیے کہ حِسّ وہ ہے جو کسی ذریعہ سے حاصل ہو اور حس اس سے عام ہے کہ خبر و غیر خبر سے حاصل ہو۔ الاحیاء میں ہے کہ التجسس بالجیم (بمعنے اخبار سے آگاہی حاصل کرنا) اور التحسس بالحاء المھملہ بمعنے المراقبہ بالعین۔ انسان العیون میں ہے کہ التجسس اخبار کے لئے مستعمل ہوتا ہے (بالحاء المھملہ) یعنی کوئی شخص اخبار سے خود بخود تلاش کرے اور بالجیم اخبار کی تلاش غیر سے کرے اسی لیے حکم ہے کہ " تحسسوا ولا تجسسوا " خود خبریں حاصل کرو اور دوسروں سے حاصل نہ کرو۔" تاج المصادر میں ہے کہ التجسس والتحسس بمعنے خبر ڈھونڈھنا۔ القاموس میں ہے الجس تجسس کی طرح خبر ڈھونڈنا اسی سے جاسوس و الجسیس ہے بمعنے شر کی مخفی خبریں تلاش کرنے والا۔ اب " ولا تجسسوا " کا معنیٰ ہوا ظاہری خبریں لے لو پوشیدہ باتوں کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو یا معنیٰ یہ ہے کہ باطنی امور کو تلاش نہ کرو اور عیوب کے پیچھے نہ پڑو اور الجاسوس بمعنے جاسوس ہے یا الحاسوس وہ جو خیر کی خبر تلاش کرے اور الجاسوس وہ جو شر کی خبر کا متلاشی ہو۔

حدیث شریف: میں ہے مسلمانوں کے عیوب کے درپے نہ ہو اس لیے کہ جو مسلمانوں کے عیوب کے درپے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے گا اگرچہ اس کے اپنے گھر میں ہی، حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

خیانتہائے پنہان می کند آخر برسوائی
کہ دزد خانگی را ستحنہ در بازار می گیرد

ترجمہ۔ مخفی خیانتیں بالآخر رسوائی کی طرف لے جائینگی اس لیے کہ چور کو کوتوال گھر میں سے بھی پکڑ سکتا ہے۔

حدیث جبریل علیہ السلام: سیدنا جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

عرض کی کہ اگر ہمیں تین پر عمل کرنے کا حکم ہوتا تو ہم تین عمل کرتے :۔

(۱) مسلمانوں کو پانی پلانا ۔

(۲) عیالدار کی مدد کرنا ۔

(۳) مسلمانوں کے عیب چھپانا ۔

حکایت : حضرت زید بن وہب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے عرض کی کہ آپ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرات گرتے نظر آتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہمیں کسی کے پوشیدہ حالات کی آگاہی سے روکا گیا ہے اگر کچھ ظاہر ہو جائے تو پھر ہم گرفت کر سکتے ہیں ۔

حدیث شریف(۱) میں ہے " اللہم استر عوراتنا و آمن روعاتنا " اے اللہ ہمارے عیوب ڈھانپ اور ہمیں خطرات سے امن میں رکھ ۔

فائدہ : عورات عورۃ (بالتسکین) کی جمع ہے انسان کا ستر اور وہ عیوب اور نقائص جس کے ظاہر ہونے پر حیاء ننگ محسوس کرے ۔

حدیث شریف(۲) میں ہے کہ اللہم لا تؤمنا مکرک ولا تنسنا ذکرک ولا تہتک عنا سترک ولا تجعلنا من الغافلین " اے اللہ ہمیں اپنی گرفت سے بے خوف نہ کر اور اپنا ذکر ہمیں نہ بھلا اور اپنے ستر کی ہمارے سے ہتک نہ کر اور نہ ہی ہمیں غافلوں سے بنا ۔

فائدہ : حضور علیہ السلام نے فرمایا جو یہی دعا پڑھکر سوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاں ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی محبوب گھڑی میں بیدار کرتا ہے ۔ (المقاصد الحسنہ)

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ محتسب کو جائز ہے کہ وہ بازار والوں کی خیانت سے خود بخود آگاہی حاصل کرے بغیر اس کے کہ کوئی خبر دے ۔

سوال ۔ یہ بہ تقریر مذکور بالا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ تجسس سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے ۔

جواب ۔ طلب الخبر شر و اذیت پہنچانے کے لئے ناجائز ہے ۔ ہاں طلب الخبر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے جائز ہے اور نہ ہی یہ حدیث شریف کی نہی میں داخل ہے ۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ صورت تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حکایت کے مخالف ہے فلہذا ناجائز ہے ۔

جواب : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد تھا کہ اس کی خطا کی تلاش کے ہم نہ آمر ہیں نہ مامور اور محتسب چونکہ حکومت کی طرف سے مامور ہوتا ہے اسی لئے اس کے لئے جائز ہے۔

سوال : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول (تاخذہ بہ) ہم اس کی گرفت کریں گے بتاتا ہے کہ آپ نے حکومت کے حکم کی حیثیت سے فرمایا کیوں کہ یہ قول یا حاکم کہہ سکتا ہے یا وہ شخص جو حکومت کی طرف سے مامور ہو۔

جواب : واقعی حضرت ابن مسعود مامور از حاکم تھے لیکن الولید کی گرفت اس لئے نہ کی کہ خبر دینے والے نے عیب جوئی و تنقیص کے رنگ میں خبر پہنچائی اور اس وقت وہ عیب کی حیثیت کو سامنے رکھ کر ٹال گئے۔ اگر خود اس کام کو نہی عن المنکر کے طور کرتے تو پھر ان کے لئے جائز ہوتا یا آپ نے ولید کے حق میں چشم پوشی کو بہتر سمجھا کہ ممکن ہے کہ وہ اس فعل سے خود بخود باز آجائے اور محتسب کو اس ارادہ پر چشم پوشی جائز ہوتی ہے۔

حکایت : سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے تھے تو آپ نے دیئے کی روشنی سے دیوار کے اندر جھانکا تو دیکھا کہ اندر لوگ شراب پی رہے ہیں اب آپ سوچ میں پڑ گئے کہ انہیں گرفتار کرنا چاہیے یا نہ آپ اس شش و پنج میں مسجد شریف میں تشریف لے گئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا آیئے آپ کو ایک منظر دکھاؤں۔ انہیں بھی اسی سوراخ سے دکھایا کہ شراب پیا جا رہا ہے آپ نے پوچھا اب ان کے متعلق کیا کرنا چاہیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی یہ خطاء ہم نے غیر شرعی طریق سے دیکھی ہے جب ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ولا تجسسوا ہم نے چونکہ ان خطاؤں کو جھانکا ہے جنہیں اللہ نے ہمارے سے پوشیدہ رکھا ہے اور وہ بھی اسے چھپ کر پی رہے ہیں ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کے چھپائے ہوئے عیوب کو برسر میدان لائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا آپ سچ فرماتے ہیں۔ انہیں اس حال پر چھوڑ کر دونوں واپس آ گئے۔

مسئلہ : محتسب کو جائز نہیں کہ وہ تجسس کرے اور نہ ہی کسی کی دیوار پھلانگے اور نہ ہی کسی کے گھر بلا اجازت داخل ہو۔

سوال : جو شخص گھر میں بیٹھ کر بدعات سیئہ کی اشاعت کرتا ہے محتسب اس کے گھر میں بلا اجازت جا سکتا ہے تم کہتے ہو کہ مجرم کے گھر میں وہ بلا اجازت نہیں جا سکتا۔

جواب : یہ بھی اس بدعتی کی بدعات کے لئے ہے جس کی بدعات ظاہر ہو چکی ہیں جس کی بدعات سربستہ اپنے گھر میں ہیں اس کے گھر میں بھی بلا اجازت نہیں جا سکتا۔ کیوں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے چھپایا ہے ہم کون لگتے ہیں اس کے بندے کے عیوب کو ظاہر کرنے والے۔

صوفیانہ اسباق مذکورہ بالا احکام غیروں کے عیوب کے ہیں ہاں اپنے عیوب کی تلاش کرنی چاہیے بلکہ اصلاح و تزکیہ کے لئے لازم اور ضروری ہے اسی لئے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ عیوب النفس کا انکشاف کرامات و خوارق عادات سے اولیٰ ہے اس لئے کہ جب تک وہ عیوب نفس میں موجود ہوں گے تزکیہ نفس نصیب نہ ہوگا اور نہ ہی ایسے انسان کو کرامت فائدہ دے گی بلکہ ایسے سے ظہور کرامات کبر و عجب و (گردن بڑھانا غرور وغیرہ مراد ہے) میں ڈال دے گا (ہم اللہ تعالیٰ سے نفس کے غرور و شرور و فجور سے پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ولا یغتب بعضکم بعضا (اور نہ ہی بعض تمہارا بعض کی غیبت کرے

(حل لغات) الاغتیاب بمعنی غیبت (گلہ کرنا) الغیبۃ (بالکسر) اغتیاب کا اسم (حاصل مصدر) ہے اسے بفتح الغین پڑھنا غلط ہے اس لئے فتح الغین مصدر ہے بمعنی الغیبوبۃ اب معنی یہ ہوا کہ بیٹھ کے پیچھے کسی کو کوئی برائی سے یاد نہ کرے۔

غیبت کیا ہے؟ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ بھائی کو ایسی برائی سے یاد کرنا جو اسے ناگوار گزرے اگر وہ برائی اس میں ہے تو اس کا نام غیبت ہے اگر نہیں تو اس کا نام بہتان ہے یعنی تو نے اس کے لئے وہ بات کی جو اس نے نہیں کی خلاصہ یہ کہ غیبت و اغتیاب یہ ہے کہ کسی میں چھپا ہوا ہے تو اس کے پس پشت ظاہر کر دے اگرچہ بات سچی ہو (اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہاں کوئی ضرورت شرعی ہو تو جائز ہے) کہ جو نہی وہ اسے سنے تو اس سے اسے غم ہو۔ وہ عیب جو تو نے اس کے پس پشت بیان کیا ہے اگر جھوٹ ہے تو وہ بہتان ہے۔ یہی باتیں علاقے ویران اور برباد کرتی ہیں۔ ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا (کیا تمہارا ایک دوست چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے) میتاً منصوب ہے لحم سے حال ہے۔ وہ گوشت جو زندہ سے جدا کیا جائے اسے (مردار) سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف: وہ گوشت جو زندہ سے جدا کیا جائے وہ میت (مردار) ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا میتاً اخیہ سے حال ہے۔ یہ اس مذہب پر ہے جو مضاف الیہ سے حال مطلقاً جائز سمجھتا ہے۔

فائدہ: نافع نے میتاً کو مشدد پڑھا ہے

فائدہ: یہ کلام تفصیل و تصویر ہے اس کی جو گلہ گو سے خارج ہوتا ہے اور بحیثیت گلہ کرنے والے کے لئے نہایت فحش اور طبعاً و عقلاً کو شرعاً نہایت قبیح شے ہے۔ اغتیاب کو مغتاب (جس کا گلہ کیا گیا)

کی بے عزتی کے درپے ہونے کو مردار گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور مشبہ بہا کی ہیئت کذائیہ کو مشبہ کی ہیئت کذائیہ سے تعبیر کیا اور ظاہر ہے کہ مشبہ بہا کی ہیئت کھانے کی چیزوں سے قبیح ترین شے ہے جس سے ثابت ہوا کہ تمثیل مذکور گلہ کرنے کے لئے قبیح ترین صورتوں میں سے ہے اس لئے کہ انسان کا گلہ کیا جائے تو اس کا دل اپنی بے عزتی سے ایسے درد محسوس کرتا ہے جیسے کسی کے زندہ جسم سے گوشت کاٹا جائے بلکہ انسان کا دل تو جسم و خون سے زیادہ برگزیدہ ہے تو سمجھدار جیسے زندہ آدمی کا گوشت کھانا گوارہ نہیں کرتا تو پھر وہ بطریق اولیٰ کسی کا گلہ کرنا گوارہ نہ کرے گا بالخصوص مردار کھانا نفوس کے لئے انتہائی کراہت اور طبائع کے لئے انتہائی نفرت ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ غیبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

فائدہ: میتاً میں ازالہ وہم ہے وہ یہ کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ منہ پر گالی دینا تو دل کی ایذا کا موجب ہے اسی لئے حرام ہے لیکن غیبت تو گناہ نہ ہونی چاہیے اس لئے کہ مغتاب (جس کا گلہ کیا گیا) کا دل نہیں دکھتا اس لئے کہ اس کا اسے علم نہیں ہوتا اس کے دفعیہ کے لئے فرمایا کہ مردار بھائی کے گوشت کھانے سے بھی اس کا دل نہیں دکھتا تو پھر اس کے کھانے سے کتنا کراہت ہوتی ہے اسی لیے لازم ہے کہ حقوق اخوت کے پیش نظر اس کے پس پشت اس کا گلہ نہ کرنا چاہیے (حواشی ابن الشیخ)

صاحب روح البیان کی تحقیق: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ مانا کہ اغتیاب سے مغتاب کا دل نہیں دکھتا بوجہ بے خبری کے لیکن حکماً تو اس کا دل دکھتا ہے کیوں کہ جب اسے سنے گا تو مغموم ہوگا علاوہ ازیں ہمارے (اہل سنت کے) نزدیک میت کو درد پہنچتا ہے اگر اس میں روح نہیں جیسے دانت کہ وہ ایک ہڈی ہے لیکن اسے درد ہوتا ہے اگرچہ اس میں حیات نہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

فکرھتموہ تو اس سے کراہت کرتے ہو، فاء مابعد کو ماقبل کی تمثیل سے مرتب کرنے کے لئے ہے گویا کہا گیا کہ جب گلہ گوئی میں ایسی خرابی ہے تو پھر تمہیں اس سے کراہت کرنی چاہیے یہاں لفظ قد مقدر ہے تاکہ فاء جزا پر داخل کیا جاسکے اس سے ہے گلہ کرنے والوں کو گلہ کرنے سے کراہت و نفرت دلانا مقصود ہے گویا کہا گیا کہ جب تمہارے نزدیک مردار کھانے سے ایسی کراہت و نفرت محسوس ہوتی ہے تو پھر تمہیں گلہ گوئی سے بچنا چاہیے۔

واتقوا اللہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ساتھ ترک اس کے جس کے تم مامور ہو اور ساتھ ندامت

کے اس سے جو تمہارے سے اس کے قبل صادر ہوا اس کا ان او امر و نواہی پر عطف ہے جو پہلے گزریں

ان اللہ تواب رحیم بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور تائب پر بھی رحمت کہ اسی نے گویا گناہ کیا ہی نہیں اور یہ کسی مخصوص تائب کے لئے نہیں بلکہ ہر قسم کا تائب اگرچہ اس کے کتنا ہی اور بہت بڑے گناہ ہوں۔ صیغہ مبالغہ (تواب) کے متعلقات کے اعتبار سے ہے۔

شان نزول وقصہ گلہ گو مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب اوس کی جنگ کو تشریف لے گئے تو آپ کی عادت کریمہ تھی کہ دو دولتمندوں کو ایک مسکین خدمت گار فرمادیتے تاکہ وہ ان کا کھانا تیار کرے اور دوسری ضروریات بھی پوری کرے۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دو شخصوں (دو دولتمندوں کا) خادم مقرر فرمایا ایک دن حضرت سلمان گھر پر آکر سو گئے ان کے لئے کچھ تیار نہ کر سکے جب وہ دونوں واپس آئے اور طعام مانگا تو فرمایا مجھے نیند کا غلبہ رہا اسی لئے کھانا تیار نہ کر سکا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھانا مانگ کر لائیے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ اسامہ سے پوچھئے کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خازن تھے ان سے پوچھا تو فرمایا طعام ختم ہے واپس آئے تو انہوں نے کہا اسامہ کے پاس طعام تو ہوگا لیکن بخل کیا اچھا دوسرے صحابہ کے پاس جائیے ممکن ہے ان کے پاس ہو ان کے پاس گئے تو انہوں نے بھی انکار کیا واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم تمہیں بیر سمیحہ کے ہاں بھیجتے تو اس کا پانی نیچے چلا جاتا۔

فائدہ: سمیحہ بروزن جہنیہ (بالحاد المہملہ) وہ ایک کنواں تھا مدینہ پاک میں جس کا پانی بہت گہرا تھا (قاموس) پھر وہ دونوں دولتمند چل پڑے تاکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے طعام تلاش کریں کیوں کہ انہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طعام کا فرمایا تو پھر کیوں نہ دیا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا مالی اری خضرۃ اللحم فی افواھکما مجھے کیا ہے کہ میں تمہارے منہ سے گوشت کی سیاہی دیکھ رہا ہوں۔

فائدہ: اہل عرب اسود کو اخضر (سبز) اور اخضر کو اسود کہہ دیا کرتے تھے اور خضرۃ اللحم پہلی قسم سے ہے یعنی سیاہی۔ گویا حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے گوشت سے مردار کا گوشت مراد لیا اس لئے کہ اس پر دیر گزرنے کی وجہ سے وہ سیاہ ہوجاتا ہے اور انہیں گلہ کرنے کی قبیح ترین تمثیل دی۔

فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے گوشت سبزی سے نضارۃ یعنی رونق مراد لی ہو یعنی اس کے

کھانے سے نضارۃ (رونق لذت محسوس کرنا) دیکھتا ہوں۔

حدیث شریف دنیا میٹھی اور بارونق ہے یہاں بھی خضرۃ سے بمعنی نضارۃ ہے یعنی بارونق تروتازہ اور نعمتوں والی

بقایا قصّہ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ہم نے تو آج گوشت نہیں کھایا اور آپ نے فرمایا تم دونوں نے اسامہ وسلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا گوشت کھایا ہے یعنی تم نے ان کا گلہ کیا ہے ؎

(۱) آنکس کہ لواء غیبت افراختہ است
آنر گوشت مردگان غذا راختہ است

(۲) وانکس کہ بعیب خلق پر داختہ است
زانست کہ عیب خویش نشاختہ است

ترجمہ: (۱) جس نے غیبت کا جھنڈا بلند کیا ہوا ہے اس نے لوگوں کے گوشت سے غذا بنائی ہوئی ہے
(۲) وہ جو لوگوں کے عیب میں مشغول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عیب نہیں پہچانے۔

حدیث شریف میں ہے الغیبۃ اشد من الزنا غیبت زنا سے بدتر ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ کیسے آپ نے فرمایا اس لئے کہ زانی زنا کرکے توبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے لیکن گلہ گو نہ بخشا جائے گا جب تک اسے وہ نہ بخشے جس کا اس نے گلہ کیا ہے۔ (کشف الاسرار)

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ گلہ لوگوں کے کتوں کی سالن ہے

حکایت واعجوبہ ابو طبیب طاہری بنی سامان کی ہجو کرتا تھا اسے نفر بن احمد نے کہا کب تک روٹی لوگوں کے گوشت سے کھاتا رہے گا اس کے بعد اس نے ہجو چھوڑ دی۔

حضرت صائب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

کسی کہ پاک نسازد دہن ز غیبت خلق
ہماں کلید درد د زخست مسواکش

ترجمہ: وہ جو اپنا منہ غیبت سے پاک نہیں رکھتا یہی اس کی دوزخ کی کنجی ہے جو اس کے منہ میں مسواک کی طرح ہے۔

حکایت سعدی رحمۃ اللہ علیہ میں ابھی بچہ تھا تو بہت عبادت کرتا تھا شب خیز اور زہد عبادت پر حریص تھا اور پرہیزگار بھی غضب کا تھا ایک رات باپ مرحوم کی خدمت میں تھا ساری رات عبادت میں گزار دی اور تلاوت قرآن کرتا رہا۔ چند لوگ ہمارے قریب مزے سے سو رہے تھے میں نے باپ سے کہا انمیں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اٹھ کر صرف ایک دوگانہ پڑھ لے خواب غفلت میں ایسے غرق ہیں کہ گویا مردہ ہیں۔ والد مرحوم نے فرمایا! بیٹے اگر تم ساری رات سوتے تو اس عبادت سے بہتر تھا کہ تو غیبت میں گرفتار رہا ؎

نہ بیند مدعی جز خویشتن را
کہ دارد پردۂ پندار در پیش
اگر چشم دلت را بکشائی
نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش

ترجمہ: مدعی صرف خود کو دیکھتا ہے اس گمان سے جو اس کے اندر ہے۔
اگر دل کا دروازہ کھولو تو اپنے سے کسی کو بھی عاجز نہ دیکھو گے۔

حدیث معراج حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شب معراج ایک ایسی قوم پر گزرا جو اپنے چہرے اور سینے چھیلتے تھے میں نے کہا یہ کون ہیں جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے اور ان کی عزت وآبرو پر حملہ کرتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے پانچ آدمیوں کے (درحقیقت) روزے ٹوٹ جاتے ہیں۔
(۱) جھوٹا
(۲) غیبت کرنے والا
(۳) چغل خور
(۴) شہوت سے غیر عورت اور بے ریش لڑکا کو دیکھنے والا[1]

---

[1] : شرعاً روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ ایسے امور سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

پہلا گلہ گو سب سے پہلے ابلیس نے آدم علیہ السلام کا گلہ کیا۔

حکایت : حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ اگر کسی کا (اچانک) گلہ ہو جاتا تو ایک دینار صدقہ کرتے۔

مسئلہ : یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ (عمداً) گلہ سننے والا گلے کہنے والے کی طرح ہے

حکایت : حضرت میمون رضی اللہ عنہ نے خواب میں زنگی کے مردار کو دیکھا انہیں کہا گیا کہ اسے کھائیے کہا کیوں کہا گیا کہ آپ نے فلاں کے غلام کا گلہ کیا فرمایا کہ میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ کہا گیا آپ نے اس سے گلہ تو نہیں کیا لیکن اس کا گلہ سنا تو ہے اور اس سے آپ راضی تھے اس کے بعد حضرت میمون نے کسی کا گلہ نہ کیا۔ اگر کوئی آپ کے سامنے گلہ کرتا تو آپ سننا گوارہ نہ کرتے (بلکہ گلہ گو اپنی مجلس میں بیٹھنے نہیں دیتے۔

مسئلہ : بعض متکلمین نے فرمایا کہ غیبت تب ہے جب کسی کو ضرر رسانی اور کسی کی عزت گھٹانے کے ارادہ پر ہو ہاں اگر افسوس کے اظہار کے ارادہ پر ہو تو غیبت نہ ہوگی۔

مسئلہ : بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے جرائم و معاصی تنبیہ کے ارادہ پر ظاہر کرے تو جائز ہے۔ (الواقعات)

فائدہ : اس کی علت یوں بیان کی کہ غیبت وہی ہے جب کسی کی عزت گھٹانے اور ضرر رسانی کے ارادہ پر ہو۔

مسئلہ : حضرت امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ فقہاء کرام نے غیبت کو بہت بڑا گناہ اور خطرناک بیماری بتائی ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ کسی کی غیبت نہ کرنی چاہیے کیوں کہ عیب کے ذکر میں غیبت ہی تو ہے کون ہے جو نیت و ارادہ پر کنٹرول کر سکے اسی لیے اس سے بچنا لازمی ہے یہی تقویٰ و احتیاط کو قریب تر ہے۔

مسئلہ : ہدیۃ المہدین میں ہے کہ غیر معروف لوگوں کی پس پشت غیبت جائز ہے ہاں معروف لوگوں کی غیبت حرام ہے۔

مسئلہ : کوئی مرد نماز پڑھتے ہوئے کسی کی ہاتھ یا زبان سے غیبت کرے یعنی قرات میں ایسے الفاظ پڑھے جو ان الفاظ سے اس کی غیبت صادر ہوتی ہے تو یہ غیبت میں داخل نہ ہوگا۔

مسئلہ : اگر ایسے طریقے سے بادشاہ (حاکم وقت) کو کسی مجرم کے جرم کی خبر دی تاکہ وہ اس مجرم کو جرم کی سزا دے تو بھی غیبت نہ ہوگی۔

مسئلہ : المقاصد الحسنہ میں ہے کہ تین ایسے اشخاص ہیں کہ جن کے جرائم لوگوں کو سنائے جائیں تو جائز ہے۔

(۱) حاکم ظالم۔

(۲) فاسق معلن (کھلم کھلا گناہ کرنے والا) کا فسق ظاہر کرنا۔

(۳) ایسا بدعتی کہ جو اپنی بدعت کی عام دعوت دیتا ہے یعنی ان کے ان جرائم و گناہوں کا ذکر جس میں وہ مبتلا ہیں نہ کہ دوسرے عیوب۔

مسئلہ : حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فاجر کا فجور بیان کرنا اس نیت سے کہ لوگ اسی فجور (گناہ) سے بچ جائیں یا اسے تنبیہ ہو کہ وہ اس گناہ سے باز آجائے۔ تو یہ غیبت نہ ہوگی۔

مسئلہ : جو حیاء کی چادر منہ سے اتار دے اس کا گلہ بھی جائز ہے[۱] (بشرط مذکور)

مسئلہ : جب فاسق کا فسق بیان کرنا جائز ہے تو کافر کا کفر بیان کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ ایسے ہی بد مذاہب کی بد مذہبی (وہابیت مرزائیت۔ رفض وغیرہ کا ذکر ان سب سے زیادہ ضروری ہے کیوں کہ عوام انہیں مسلمان سمجھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں[۲]۔

مسئلہ : بعض مشائخ کا یہ مسلک ہے کہ اس میں احتیاط ضروری ہے وہ فرماتے ہیں کہ خلق کی برائیوں کو کسی طریقہ سے مطلقاً نہیں بیان کرنا چاہیے۔

حکایت حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا گیا کہ آپ حجاج کے حق میں کوئی بات تو فرمائیں فرمایا کہ میں اس کے بارہ میں کچھ کہوں تو کیا فائدہ کیوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے توحید (کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی برکت سے چھوڑ دے اور اگر مجھے اس کے ظلم وغیبت سے پکڑ لے تو پھر کیا ہوگا۔

مسئلہ : اسی لئے بعض بزرگ یزید کی لعنت سے بچتے تھے[۳]

مسئلہ : حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ابلیس کو کبھی لعنتی نہیں کہا[۴] اگرچہ وہ واقعی لعنتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی لعنت کی صراحت فرمائی جب ایک واقعی لعنتی کو لعنت نہیں کہتا تو پھر اسے کیوں لعنتی کہوں جس کا لعنتی ہونا مشتبہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا انجام اور خاتمہ کیسے ہوا۔

---

[۱] تفسیر کواشی ۱۲، [۲] مشارق الانوار لابن الملک ۱۲ [۳] ایضاً [۴] احیاء العلوم

تفسیر عالمانہ یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ اے لوگو بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا مرد اور عورت یعنی آدم و حوّا (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) سے یا ہم نے تمہیں تمہاری ماں باپ سے پیدا کیا نسبت انسانیت میں تم سب برابر ہو مرد اور عورت کے ہونے کے لحاظ سے تو پھر نسب پر فخر کرنے کا کیا فائدہ ہے

الناس من جھۃ التمثال اکفاء
ابوھم آدم والامّ حواء
فان یکن لھم من اصلھم نسب
یفاخرون بہ فالطین والماء

ترجمہ : لوگ ظاہر لحاظ سے سب ایک ہیں ان کا باپ آدم اور ماں حوا ہیں (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) اگر وہ اپنی اصل سے فخر کرتے ہیں تو بھی غلط ہے کیوں کہ ان کی اصل تو مٹی اور پانی ہے۔

؎ از نسب آدمیانی کہ تفاخر ورزند
از راہ دانش و انصاف چہ دور افتادند
نرسد فخر کسی را بنسب بر دگری
چونکہ در اصل ز یک آدم و حوا زادند

ترجمہ : لوگ اگر نسب سے فخر کرتے ہیں تو انصاف و عقل کے کم سے وہ بہت دور پڑے ہیں۔ نسب سے کسی کا فخر دوسرے کو نہیں پہنچتا کیوں کہ سب آدم و حوا (علیٰ نبینا علیہم السلام) زادے ہیں۔

شانِ نزول : یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ کو فتح مکہ کے بعد اذان کا حکم فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ نے کعبہ پر چڑھ کر اذان پڑھی تو عتاب بن اسید (آپ طلقاء میں سے تھے) نے کہا

الحمد للہ الذی قبض ابی ھذا الیوم الحمد للہ میرا باپ فوت ہو گیا

کہ اس نے یہ وقت نہ دیکھا) اور حارث بن ہشام نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے کوّے

بلال رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں ملا۔

دوسرا شانِ نزول حضرت ابوبکر بن ابی داؤد نے اپنی تفسیر القرآن میں لکھا کہ یہ آیت ابو ہند کے حق میں نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو بیاضہ کو حکم فرمایا کہ انہیں ان کا کسی عورت سے نکاح کرو تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم اپنی لڑکیاں غلاموں کو دے دیں تو یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اصل کفو دینی ہے یعنی صلاح وحسب وتقویٰ وعدالت ہے۔ اگر مرد مبتدع اور عورت سُنیہ ہو تو یہ کفوٗ نہ ہوگی۔

مسئلہ: الرستغفنی سے سوال ہوا کہ اہلسنت و معتزلہ[1] کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے یا نہ آپ نے فرمایا جائز نہیں (مجمع الفتاوی)

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ (اور تمہیں ہم نے شاخ شاخ اور خاندان خاندان پر بنایا)

حل لغات شعوب شعب (بفتح الشین) وہ بڑی جماعت جو ایک اصل کی طرف منسوب ہوں اور شعب قبیلہ کا جامع ہے قبائل کا جامع عمارہ ہے (عمارۃ بکسر العین) کی جمع ہے) عمائر کا جامع بطون ہے بطون کا جامع افخاذ ہے۔ افخاذ کا جامع فضائل ہے فضائل کا جامع عشائر ہے عشیرہ کے بعد کوئی نہیں کہ جس سے اسے موصوف کیا جاسکے (کشف الاسرار) مثلاً خزیمہ شعب ہے کنانہ قبیلہ ہے قریش عمارۃ ہے اور قصی بطن ہے اور ہاشم فخذ ہے اور عباس فضیلت ہے۔ اور شعب کو اس لیئے شعب کہتے ہیں کہ اس سے قبائل یوں شاخیں نکلتی ہیں جیسے درخت کی ٹہنیاں اور قبائل کو اس لیئے قبائل کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اب کے آمنے سامنے ہے بعض نے کہا کہ شعوب عجم کے بطون کو کہا جاتا ہے اور قبائل عرب کے بطون اور اسباط بنی اسرائیل کو شعوب قحطان سے ہیں اور قبائل عدنان سے۔

لِتَعَارَفُوْا (تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو) تعارفو دراصل تتعارفوا تھا، ایک تا محذوف ہے

---

[1] دور حاضرہ میں معتزلہ کے اصول وہابی، دیوبندی، مودودی، پرویزی، چکڑالوی نے اپنائے ہوئے ہیں عوام ان کے ساتھ رشتہ ناطہ کے بعد پچھتاتے ہیں جب وہ اپنے اصول کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ شرعی طور ان سے مناکحت رشتہ ناطہ حرام ہے چونکہ ہمارے دور میں عوام میں زیادہ تر وہابی دیوبندی پھیلے ہوئے ہیں اسی لئے ہم عرض کرتے ہیں۔ ان فرقوں سے بچیوں کا بیاہنا اپنے ہاتھوں انہیں جہنم میں جھونکنا ہے ایسے ہی شیعوں اور مرزائیوں وغیرہ وغیرہ سے۔

اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ تمہارا بعض بعض کو پہچانے بحسب انساب کے کوئی بھی اپنے آباء کے بغیر کسی دوسرے کی طرف منسوب نہ ہو نہ کہ اپنے آباؤ قبائل پر فخر کرو اور انساب میں تفاوت و تفاضل کا دعویٰ کرو۔

فائدہ: حضرت علامہ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو شخص اگر ہمنام ہوں تو قبیلہ وغیرہ سے متمیز ہو سکیں مثلاً کہا جائے زید تمیمی اور زید قریشی وغیرہ۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار (متقی) یہ نہی را تفاخر بالانساب کی تعلیل ہے جو کلام سابق سے مستفاد ہے۔ بطریق استیناف تحقیقی کے گویا کہا گیا کہ اللہ کے ہاں مکرم تر وہی ہے جو زیادہ متقی پرہیزگار ہے۔ اگرچہ وہ عبد حبشی اور کالا سیاہ ہو جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر تم نے فخر کرنا ہے تو تقویٰ اور فضل الٰہی اور اس کی رحمت بلکہ اس کی ذات سے فخر کرو کیا تم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی نہیں پڑھا۔ آپ نے فرمایا۔ **انا سید ولد آدم ولا فخر** میں جملہ اولاد کا سردار ہوں لیکن اس سے میں فخر نہیں کر رہا یعنی مجھے سیادت ورسالت کا فخر نہیں بلکہ عبودیت پر ناز ہے کیوں کہ یہی حقیقی شرف (بزرگی) ہے اور اسی عبدیت کی شرافت کی وجہ سے کلمہ شہادت میں عبدہٗ کو مقدم کیا گیا ہے جیسے **اشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ** بیشک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے عبد مقدس اور رسول محترم ہیں)۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بازار سے گزرتے ہوئے ایک زنگی کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ مجھے کوئی خرید لے لیکن میری ایک شرط ہے وہ یہ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتداء میں نماز پنجگانہ سے نہ روکے اس کے بعد آپ نے اسے غیر حاضر پایا معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے آپ اس کی طبع پرسی کے لئے تشریف لے گئے چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وہ موت کی کشمکش میں ہے آپ تشریف لے گئے دیکھا تو وہ چند لمحات کا مہمان ہے اس کی تجہیز و تکفین پر آپ نے خود نہلایا (یعنی خصوصی اہتمام فرمایا) اور دفنایا یہ بات مہاجرین و انصار کو بہت بھاری محسوس ہوئی کہ آپ نے ایک سیاہ حبشی کے لئے اتنا بڑا اہتمام کیوں فرمایا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوب جانتا ہے اور تمہارے اعمال کا بھی خبیر تمہارے باطن احوال سے بھی آگاہ ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے اپنی حواشی میں لکھا کہ اگرچہ نسب شرعاً وعرفاً معتبر ہے لیکن ہنک سیدہ کا نکاح نبطی سے ناجائز ہے۔

فائدہ: القاموس میں ہے انبط (محرکۃ) ایک قبیلہ ہے جو عراقیوں کے درمیان پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرف منسوب کرکے کہا جاتا ہے ھو نبطی (محرکہ) وہ نبطی ہے) لیکن اس کی کوئی قدر نہیں تقویٰ ایمان کے سامنے چھپاتا کیوں کہ ایمان و تقویٰ اس سے عزیز اور مکرم تر ہے۔ نسب، ایمان و تقویٰ کے سامنے ایسے چھپ جاتا ہے جیسے ستارہ سورج کے سامنے، یہی وجہ ہے کہ قرشی اگر فاسق ہو تو اس کی مومن متقی کے سامنے وہ کسی قدر و منزلت نہیں۔ اگرچہ وہ عبد حبشی ہو۔

(**مکتہ**) دنیا میں بہت سے امور فخر و ناز کے لائق نہیں لیکن نسب ایک ایسی شے ہے جو سب سے بالاتر ہے اس لئے کہ وہ ثابت، اور دائمی اور غیر مقدور التحصیل ہے (یعنی انسان کے بس سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ سادات کرام نسبی لحاظ سے ہم سب سے بالاتر ہیں اگر وہ علم و عمل کی دولت سے آراستہ و پیراستہ ہوں تو سبحان اللہ کیا کہنا) بخلاف دوسرے اسباب کے مثلاً مال کہ وہ کبھی مسکین غریب کو بھی حاصل ہو جاتا ہے اسی لئے اس پر فخر کرنے والا اس پر فخر کرے تو کیوں ایسے ہی اولاد یا نمات۔ جاگیریں وغیرہ کا حال ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی نسب کا ذکر فرما کر اس کا تقویٰ کے سامنے نیچا کر دکھلایا تاکہ معلوم ہو کہ جو شے ثابت اور دائمی تھی وہ بھی تقویٰ کے بالمقابل کچھ نہیں تو پھر باقی اسباب افتخار کس شمار میں۔

حدیث شریف میں ہے بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے اسی لئے کسی عربی کو عجمی پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی سرخ کو کالے پر اور نہ ہی کالے کو سُرخ پر فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے اور اسی پر علماء کا اجماع ہے (بحر العلوم)

فارسی کا مقولہ مشہور ہے: "ہر کرا تقویٰ بیشتر قدم اور مرتبۂ فضل بیشتر" جس کا تقویٰ زیادہ فضیلت میں اس کا مرتبہ بیشتر ہے۔

ایک عربی کا مقولہ بھی ہے "الشرف بالفضل والادب لا بالاصل والنسب" بزرگی فضل علمی اور ادب سے ہے نہ کہ اصل و نسب سے ؎

با ادب باش تا بزرگ شوی
کہ بزرگی نتیجۂ ادبست

ترجمہ، با ادب ہو تاکہ بزرگ ہو جاؤ اس لئے کہ بزرگی ادب کا پھل ہے۔

لہ: اس سے دور حاضرہ کے بعض گدی نشین اور پیرزادے کچھ تو سبق لیں کہ فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے باوجود اہل علم و عمل کی ان کی نظروں میں کوئی قدر و منزلت نہیں اور کچھ اس بیماری میں عوام اور خوشامدی مولوی ہیں جو وہ ان کے ذہنوں کو برباد کر رہے ہیں وہ گدی نشین اور پیرزادے بجا لیکن فاسق و فاجر ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل علم و عمل کے سامنے وہ کسی قطار و شمار میں نہیں لیکن اس کا علم قیامت میں ہوگا (ان شاء اللہ)

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ بزرگی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں نسب کی وجہ سے ہے نسبت سے نہیں کیوں کہ نسبت (انسانی) کے لحاظ سے سب ایک ہیں لیکن اس کے ہاں مکرم تر زیادہ تقویٰ والا ہے

مسئلہ: اعمال ظاہرہ سے بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جا سکتی کیوں کہ کبھی تابع متبوع سے کسی دوسری وجہ سے فضیلت میں بڑھ جاتا ہے اگر فضیلت کا موجب ذاتی طور یا کسی مقام کی وجہ سے ہوتی تو ابلیس کو آدم علیہ السلام پر فضیلت ہوتی کیوں کہ اس نے خود دعوی کیا کہ "خلقتني من نار وخلقته من طين" تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے بنایا ہے لیکن چونکہ شرافت و بزرگی اختصاص الٰہیہ ہے اسے منجانب الحق کوئی نہیں جانتا ابلیس اپنے مقالہ میں جھوٹا ہے کیوں کہ وہ اس اختصاص سے بے خبر تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو شرافت و خیریت حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص فرما دی تھی۔

حکایت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا کہ لوگوں میں کون زیادہ اور بڑا برگزیدہ ہے آپ نے مٹی سے دو مٹھی بھر کر فرمایا ان میں کون بہتر اور اشرف ہے عرض کی گئی ہے کوئی نہیں آپ نے دونوں کو پھینک کر فرمایا "الناس كلهم تراب واكرمهم عند الله اتقاهم" تمام لوگ مٹی سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ابی الاسلام لا اب لی سواہ
اذا افتخروا بقیس او تمیم

ترجمہ: میرا باپ اسلام ہے اس کے سوا میرا اور کوئی باپ نہیں جب دوسرے لوگ قیس و تمیم پر فخر کرتے ہیں (تو میں اسلام پر فخر کرتا ہوں)

حدیث شریف میں ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے قلوب و نیات کو دیکھتا ہے

رہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: راہ سیدھا چاہیے نہ کہ سواری بلند اس لئے کہ کافر بھی تو بظاہر ہمارے جیسا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں متقی و مومن ہیں اور فاسق و فاجر کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کی بزرگی دولتمندی ہے اور آخرت کی تقویٰ۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لوگ قیامت میں اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے کئے جائیں گے انہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دنیا میں خوب بولتے رہے لیکن میں خاموش رہا آج تم چپ رہو میں بولوں گا۔ میں نے تو اپنی نسب کو بلند کرنا چاہا لیکن تم نے اپنی نسبوں کو بلند کیا میں نے کہا (میری نسب یہ ہے کہ) تم میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم تر وہ ہے جو زیادہ متقی ہے تم نے اس سے بار بار انکار کرکے کہا نہیں فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں ہے تم نے اپنی نسبوں کو بلند کیا اور میری نسب کو گھٹایا آج میں اپنی نسب (تقویٰ والے) کو بلند کرتا ہوں لیکن تمہاری نسب کو گھٹاتا ہوں آج ہی دیکھ لیں گے محشر والے کہ متقیوں کو کہاں رکھا جائے گا۔ (کشف الاسرار)

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار ایسے ہوں گے جن کا قیامت میں اللہ تعالیٰ کوئی اعتبار نہ کرے گا۔

(۱) زہد خصی

(۲) تقویٰ جندی

(۳) امانۃ عورت کی

(۴) عبادت غیر بالغ کی اس سے اکثریت مراد ہے (اس لئے ان کی یہ عبادتیں مجبوری ہونگی) (المقاصد الحسنہ)

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یا ایہا الناس انا خلقنکم الخ میں قلوب و نفوس کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے کہ من ذکر سے قلوب اور من انثیٰ سے نفوس مراد ہیں وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا الخ میں اشارہ ہے انہیں دو صنفیں ہیں۔

(۱) شعوب ان کا میلان ام (اصل) یعنی نفس کی طرف ہے ان پہ صفات نفس کا غلبہ ہوتا ہے۔

(۲) قبائل ان کا میلان اب یعنی روح کی طرف ہوتا ہے اور ان پہ روح کی صفات کا غلبہ ہوتا ہے۔

"لِتَعَارَفُوْا" تاکہ تم اصحاب القلوب و ارباب النفوس کو پہچانو نہ یہ کہ گنتی بڑھاؤ اور انمیں رغبت کرو اور عقول اور اخلاق روحانیہ طبعیہ پہ فخر و ناز کرو کیوں کہ وہ ظلمانیہ ہیں یہ کسی فخر و ناز کے لائق نہیں جب تک ان کے ساتھ ایمان و تقویٰ نہ ہو کیوں کہ افعال و اخلاق و احوال نور ایمان و تقویٰ سے منور ہوتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں ریاء اور ان اخلاق و عادات کی ملاوٹ نہ ہو جو خواہشات نفسانیہ سے ہیں اور نہ ہی وہ احوال جو اعجاب کی طرف منسوب ہیں اگر تقویٰ و ایمان خالص نصیب ہو تو اس پر فخر و ناز

کیا جا سکتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کرم تقویٰ ہے۔ پس تمہارا زیادہ متقی وہ ہے جو اخلاق النسانیہ سے بعید تر اور اخلاق کے قریب تر ہو۔

فائدہ: (التقویٰ بمعنے تحرز بچنا) اور متقی وہ اپنے رب کی مہربانی سے اپنے نفس سے بچے وہی اللہ کے ہاں دوسروں سے مکرم تر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط اعراب نے کہا ہم ایمان لائے) الاعراب دیہاتیوں کو کہا جاتا ہے اس کی تفصیل سورۃ الفتح میں گزری ہے۔

سوال: یہاں اعراب کے فعل میں صیغہ مؤنث کیوں اگرچہ جمع کسر ہے لیکن صیغہ (جمع) مذکر ہے حالانکہ قال نسوۃ جمع مکسر ہے لیکن مونث کے صیغے کے باوجود اس کے فعل میں تاء تانیث ہے۔

جواب: صیغہ مونث (قالت) میں ان کی کم عقلی کی دلالت کے لئے ہے بخلاف زنان مصر جو زلیخا[له] (رضی اللہ عنہا) سے باہم گفتگو ہوئیں وہ نوجوان اور عقلمند تھیں ان کے لئے صیغہ مذکر لانے میں اسی طرف اشارہ ہے۔

شانِ نزول یہ آیت بنی اسد کے چند آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی وہ مدینہ شریف میں قحط کے سال میں حاضر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ دوسرے عرب اکیلے اور سوار ہو کر آتے ہیں اور ہم پیدل اور بچوں اور اہل عیال کو لیکر حاضر ہوئے ہیں اور وہ آپ سے جنگ کے لئے آتے ہیں چنانچہ بنو فلاں وغیرہ آپ سے لڑے اور ہم آپ کے پاس جنگ کے ارادہ پر نہیں آئے بلکہ صرف ایمان لانے کے لئے حاضر ہوتے ہیں اس سے وہ اپنی صداقت کا اظہار کر کے منت واحسان جتلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے لئے جواب کا فرمایا کہ "قل" ان کا رد کر کے فرمایئے' لم تؤمنوا۔ ایمان نہ لے آؤ کیونکہ ایمان اس تصدیق باللہ ورسولہ کا نام ہے جو حقیقت مصدق سے پورے اعتماد کے ساتھ ہو اور قلب مطمئن ہو اور وہ ابھی تمہیں نصیب نہیں ہوا ورنہ

له: زلیخا بعد کو مسلمان ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئیں اور ولیہ کاملہ تھیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے فقیر کی کتاب " دفع التعسف فی نکاح زلیخا بیوسف (نکاح زلیخا)" مطبوع ہو چکی ہے۔

تم اسلام لانے اور جنگ نہ کرنے کا احسان نہ جتلاتے جیسا کہ اس سورۃ کے آخر کا حصّہ بتاتا ہے یعنی تصدیق وہ صحیح ہے جسمیں کفر کی قباحت اور جنگ کی شناعت کا علم پہلے ہو اور ایسی تصدیق ایمان کے اظہار اور ترک جنگ کے احسانات جتلانے کی محتاج نہیں کیوں کہ عاقل وہ ہے جو قبیح کو معلوم کرکے اس کے ترک کا احسان نہیں جتلاتا۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے۔

حل لغات اسلم بمعنی صلح وسلامتی میں داخل ہو۔ ابسح کی طرح ہے یعنی یوں کہو کہ ہم صلح و سلامتی اور فرمانبرداری میں داخل ہوئے اپنے نفوس کی ہلاکت کے خوف سے، کیونکہ اسلام انقیاد اور صلح وسلامتی میں داخلے کا نام ہے جیسے ان کا اظہار شہادت و ترک محاربۃ دلالت کرتا ہے یعنی ان کا فرمانبردار ہونا اور اسلام میں صلح وسلامتی کے لئے داخل ہونا ہے۔

سوال : کلام کا تقاضا یوں تھا کہ کہا جاتا لا تقولوا آمنا ولکن قولوا اسلمنا اولم تومنوا ولکن اسلمتم تاکہ استدراک کے دونوں جملے ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔

جواب۱ : تاکہ لفظی ایمان کی نہی سے احتراز ہو اور یہ قبیح ہے بالخصوص اس ذات سے جو دعوت اسلامی کے لئے مبعوث ہوئے ان کو ایسا کہنا نامناسب ہے کہ وہ کسی کو کہے کہ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔

جواب۲ : تفادی ہے یعنی انہیں بتاتا ہے کہ اگرچہ تمہارا یہ کہنا محض باتیں ہیں لیکن پھر بھی بظاہر قابل قبول ہے

جواب۳ : سعدی المفتی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ احتباک ہے۔ اور یہ قرآن مجید کے اختصارات سے ہے

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ اور ابھی تمہارے قلوب میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ یہ قولوا سے ہے اب معنی یہ ہوا کہ لیکن کہو کہ ہم اسلام لائے درانحالیکہ تمہارے دل تمہاری زبانوں کے موافق نہیں۔

نکتہ : لفظ لمّا میں توقع کا معنی ہوتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ بعد کو ان کے ایمان کے لئے توقع کرنی چاہیے۔ چنانچہ بعد کو وہ ایمان لائے۔ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ طور اطاعت کرو اور منافقت ترک کر دو۔ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا تو وہ تمہارے اعمال کے امور میں کمی نہ کرے گا۔

حل لغات لات یلات لیتاً سے ہے بمعنی نقص کے ینقص نقصا، حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ لا یلتکم کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ لاؤ جو تمہارے ضعف کے باوجود تمہارے لائق ہے کہ نیکیاں ہوں تو ان میں اخلاص ہو اور منافقت کو ترک کرکے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے وہی جزاء عطا فرمائے گا جو اس کے لائق ہے یعنی اگرچہ تمہارے اعمال میں نقص وتقصیر ہو تب بھی اپنے فضل وکرم سے بہتر جزا عطا فرمائے گا اسے یوں سمجھو کہ بادشاہ وقت کے پاس اگر کوئی بہتر میوہ تحفہ کے طور

لائے اس کی قیمت مثلاً بازار میں ایک درم ہو لیکن بادشاہ اسے ایک درم یا ایک دینار عطا فرمائے تو یہ بادشاہ کے بخل پر دلالت کرے گا کیوں کہ اس نے وہی قیمت دی جو روا ہی تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ تمہارے اعمال کی مثل تمہیں جزا دے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں نقص و تقصیر کو نہ دیکھتے ہوئے اپنے فضل و کرم سے اتنا جزا عطا فرمائے گا کہ اس کی توقع نہیں رکھتے تھے جیسا کہ اگلا جملہ دلالت کرتا ہے اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے اس کا جو مطیعین سے کوتاہی ہو جائے " رحیم" اور ان پر اپنے فضل و کرم سے رحم کرنے والا ہے۔

مسئلہ: تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ ایمان درحقیقت تصدیق بالقلب کا نام ہے اور صرف اقرار باللسان اور شرائع کا اظہار کا نام ایمان نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حقیقت ایمان کی یہ نہیں کہ صرف زبان سے کہدیا جائے بلکہ وہ ایک نور ہے جو قلوب میں داخل ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ بندے کا دل اسلام کیلئے کھولتا ہے جیسا کہ خود فرمایا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نور کی صفت بیان فرمائی کہ یہ نور بندے کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ قلب فراخ اور واسع ہو جاتا ہے عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کوئی علامت ہے جس سے ہم معلوم کر سکیں کہ یہ وہی دل ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ دل ہے جس کا دار الغرور سے جی بھر جائے اور دار الخلود کی طرف رجوع رکھے اور موت کے نزول سے پہلے اس کے لئے تیار ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا محل قلب ہے۔

مسئلہ: جمہور محققین کا مذہب ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے زبان کا اقرار اس کی شرط ہے اس کا جز نہیں تاکہ دنیا میں احکام کا اجراء ہو مثلاً یہ کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے کیوں کہ دل تو ایک مخفی شئے ہے کیسے معلوم ہو کہ یہ مومن ہے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اسی لئے اس کی علامت چاہیے اور وہ یہی زبانی اقرار ہے۔

مسئلہ: جو شخص زبان سے اقرار نہیں کرتا لیکن دل میں تصدیق رکھتا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے کیوں کہ اس کے قلب میں تصدیق ہے لیکن احکام دنیا کے لحاظ سے وہ نشانی نہیں رکھتا یعنی زبان سے اقرار نہیں کیا۔

فائدہ: بعض لوگوں نے کہا کہ اقرار ایمان کا رکن ہے تو اس کے قانون پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تارک الاقرار مومن نہ ہوگا اور نہ ہی دوزخ سے نجات کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ: جس نے زبان سے اقرار کیا لیکن دل سے تصدیق نہ کی جیسے منافق تو وہ احکام دنیا کے لحاظ سے مومن ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن نہیں یہ جو ہم نے کہا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے صرف احکام دنیا کے اجراء کے لئے اقرار شرط ہے یہ مختار مذہب ہے شیخ ابو منصور احمد رحمہ اللہ تعالیٰ یعنی ماتریدی کا مذہب ہے جو اہل بیت کے نزدیک معروف ہے۔

ابو منصور ماتریدی کی موید نصوص کا بیان

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر مندرجہ ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

(۱) اولئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ

(۲) و قلبہ مطمئن بالایمان

(۳) ولما یدخل الایمان فی قلوبکم

احادیث مبارکہ

(۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللھم ثبت قلبی علی دینك ای علی تصدیقك اے اللہ میرا دل اپنے دین اور اپنی

(۲) جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کیا جس نے کہا تھا (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیرا تھا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اسے لغت میں اس کی تصدیق جو غائب ہے اور شرعاً امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تصدیق بالقلب اور عمل باللسان کا نام ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عقد بالجنان ونطق باللسان وعمل بالارکان کا نام ایمان ہے۔

فائدہ: ابن الملک نے شرح المنارق میں فرمایا کہ اقرار باللسان ایمان کا نہ جز ہے نہ شرط ہمارے بعض علماء کے نزدیک بلکہ وہ مسلمین کیلئے شرط ہے تاکہ وہ مصدق پر احکام جاری کر سکیں کیوں کہ ایمان تو قلب کے عمل کا نام ہے اور وہ اقرار کا محتاج نہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ اقرار ایمان کا جزو ہے نصوص کے ظواہر اسی پر اشارہ کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ ایمان کا ایسا جزو ہے جس کے متعلق عرضیۃ و تبعیتہ کا شائبہ ہے اسی لئے بحالت اختیار اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہاں تک باوجود قدرت کے اس کا تارک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن نہ ہو گا اگرچہ مان لیا جائے کہ وہ مصدق ہے ہاں حالت اضطرار میں چونکہ اس کی عرضیۃ کی جہت کا اعتبار ہے اسی لئے وہ ساقط ہو جائے گا یہی ہے ان کے نزل کا مطلب جو انہوں نے فرمایا کہ اقرار ایک زائد رکن ہے اور زیادتی کا یہی معنیٰ ہو سکتا ہے کہ وہ بوقت اکراہ علی کلمۃ الکفر سقوط کا احتمال رکھے۔

سوال: عمل بالعضو کو ایمان کے جزء بنانے میں کیا حکمت ہے یعنی صرف اقرار کو بنایا گیا ہے اور باقی اعضاء کا کیوں اعتبار نہیں۔

جواب: چونکہ انسان ایمان سے موصوف کیا گیا ہے جب اس میں تصدیق ہو اور تصدیق باطنی عمل ہے پھر اس کے ظاہر یعنی زبان کے اقرار کو اسمیں داخل کیا گیا تاکہ اس کی تصدیق قلبی سے موصوف ہونے میں کمال ہو اور یہ کام زبان کر سکتی ہے کیونکہ وہی دل کی ترجمان ہے یا یہ کہ آسان عمل اور دوسرے اعضاء کی بہ نسبت دل کی تصدیق کو یہی زیادہ ظاہر کر سکتی ہے۔ ہاں اس کافر کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جو نماز باجماعت ادا کرتا ہے اگرچہ اس کی زبان سے اقرار کا مشاہدہ نہیں ہوا کیوں کہ نماز باجماعت ایمان سے خالی نہیں۔

فائدہ: شیخ عزالدین بن عبدالسلام المقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کلمہ شہادت (اشہدان لاالٰہ الا اللہ و اشہدان محمد عبدہٗ) کا زبان سے کہنا واجب ہے جو اس کے وجوب کو جانتا اور زبان سے بولنے کی طاقت ہے لیکن زبان سے نہیں کہتا تو ممکن ہے اس کا زبان سے نہ کہنا ایسے ہے جیسے نماز کی فرضیت ماننے کے باوجود ادا نہیں کرتا تو یہ بھی مومن ہوگا لیکن جہنم کی اگر سزا پائے تو اس میں ہمیشہ نہ رہے گا کیوں کہ ایمان تو صرف تصدیق کا نام ہے اور زبان اس کی ترجمان ہے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے۔

حدیث شریف میں ہے دوزخ سے وہ بھی نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہے۔ اور زبان پر عدم ذکر قلب سے ایمان کو خارج نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ زبان سے اقرار ایک واجب شے ہے اور وجوب کا عدم ایمان کے منافی نہیں جیسے دوسرے واجبات کا تارک ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی یہ۔

فائدہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایمان کو اسباب کی ضرورت نہیں اسلام کو ضرورت ہے مسلم خلق کا مسلّم ہے لیکن مومن کو کسی کی تسلیم کی حاجت نہیں ہے۔

فائدہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ مسلم عموم شریعت میں یہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ بچ جائیں وہ مسلمان ہے اور خصوص شریعت میں یہ ہے کہ اس کی زبان ہر اس شے پر سالم رہے جو وہ بیان کرتی ہے اور اس کا ہاتھ ہر اس سے سالم رہے جو اس سے عمل کیا جا سکتا ہے اور مومن کا باطن منور ہوتا ہے اگرچہ گنہگار ہو اور کافر کا باطن ظلمات و تاریک سے ہے اگرچہ وہ مکارم اخلاق سے مزیّن ہو۔

مسئلہ: جو کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے لائق نہیں پہچانا۔

مسئلہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ جو دلیل کا محتاج ہو کر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ اس کا ایمان نظری ہے ضروری نہیں وہ شک شبہ کے دھارے میں ہے کہ کسی وقت بھی وہ پھسل سکتا ہے بخلاف ایمان ضروری کے کہ جب مومن اپنے دل میں پاتا ہے تو پھر اس کے دل سے اسے کوئی شے نہیں ہٹا سکتی۔

مسئلہ : یہی حکم ہے اس علم کا جو نظر و فکر سے حاصل ہو وہ کسی شے کے داخلہ سے ممنوع نہیں۔ اگر کسی وقت اس پر شک و شبہ پڑ جائے تو وہ علم جہل سے تبدیل ہو جائے گا بلکہ حیرت میں مبتلا ہو جائے گا اور اس پر کوئی اعتراض وارد ہوا تو ہو سکتا ہے اسی لئے ہر محجوب (عامی انسان) کو تقلید ضروری ہے اور وہ جو علم حق کا طالب ہے اس کے آگے پیچھے باطل نہ آسکے گا اور علم حق طاعات و نوافل کے التزام سے نصیب ہوتا ہے یہانتک کہ اسے حق اللہ تعالیٰ محبوب بنالے پھر اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوگا اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور جمیع احکام شریعت پہچانے گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے نہ کہ عقل سے اگر اس سے کثرت طاعات وعبادات نہیں ہو سکتیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے جو اس کا حکم ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اس میں تاویل کو راہ نہ دے یہ تقلید عقل سے اولیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا

بیشک مومن وہ ہیں جو اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا یعنی ایمان لا کر اپنے نفسوں کو شک میں نہیں ڈالا ان امور میں جن پر ایمان لائے اور نہ تہمت دی اس کو جس کی تصدیق کی بلکہ اعتراف کیا کہ حق اس کے ساتھ ہے۔

حل لغات

لم یرتابوا۔ ارتاب سے ہے رابہ اس کا مجرد ہے بمعنی اوقعہ الخ اسے شک فی الخبر میں ڈالا مع تہمت للمخبر کے یہاں سے ریب و شک کا فرق معلوم ہو گیا کہ ان نقیضین کے درمیان متردد ہونا اس میں تہمت نہ ہو اس میں اشارہ ہے کہ ان میں ایک ایسا مرض ہے جو ان کے ایمان کی نفی کرتا ہے وہ ہے ارتیاب۔

نکتہ : ثم ارتابوا ثم اس لئے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ عدم ارتیاب کی شرط ایمان میں معتبر ہے لیکن اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ایمان لانے کے وقت ہو بلکہ اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ بعد کو بھی ہو سکتی ہے یہ آیت وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثم استقاموا کے ثم کی طرح ہے کہ اموال و نفس کے ساتھ جہاد میں استقامت ضروری ہے۔ زمانہ ماضی میں بھی اور زمانہ مستقبل میں بھی فی سبیل اللہ سے طاعت مراد ہے کیونکہ اللہ کی طاعت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً عبادات

(۱) خالص بدنیہ

(۲) خالص مالیہ

(۳) مخلوط یعنی بدنیہ بھی مالیہ بھی جیسے حج و جہاد

(اولئک) وہ لوگ جو اوصاف جمیلہ مذکورہ سے موصوف ہیں۔ ھم الصادقون وہی سچے ہیں یعنی دعویٰ ایمان میں سچے ہیں نہ ان کے غیر بہ مضمون، بنو اسد قبیلہ کے لوگوں نے سچے ایمان والوں کے ساتھ

شرکت کا دعویٰ کیا اور سمجھا کہ وہ بھی دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔ کے متعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت تمام ان جمیع مجامع القویٰ کو شامل ہے جن میں سے ہر ایک کو ان کی تہذیب و اصلاح و تطہیر واجب ہے کیوں کہ تمام فلاح وسعادت کی کامیابی انہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قد افلح من زکّٰها** کامیاب ہے وہ جس نے اس کا تزکیہ کیا اور وہ قوتیں یہ ہیں (۱) قوت تفکر (۲) قوۃ شہوت (۳) قوۃ الغضب

جب یہ تینوں اصلاح پذیر ہو کر منضبط ہو جاتی ہیں تو عدل حاصل ہوتا ہے جس سے آسمان وزمین قائم ہیں اور یہی مکارم شریعت اور تزکیہ نفس و حسن خلق محمود کا مجموعہ ہیں پہلی صفت یعنی قوۃ تفکر اصل اور تمام صفات سے بزرگ ہے اسی لئے اسے ان دو سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ والرسول مع نفی ارتیاب مع العلم الیقینی اور حکمت حقیقیہ کا حصول مشکل ہے جب تک قوت تفکر کی اصلاح نہ ہو اور مجاہدہ بالاموال عفت وجود پر موقوف ہے جو وہ بھی تابع ہیں اصلاح قوۃ شہوت کی اور مجاہدہ بالانفس علی الشجاعۃ والحلم تابع ہیں اصلاح قوۃ حمیہ غضبیہ کی کہ اس قوت پر قہر وجبر کر کے دین کے لئے اس کا سر جھکایا جائے، اس پر اللہ کا ارشاد **خُذِ العفو و أمر بالعرف و اعرض من الجاهلين** معافی کا طریقہ دلالت کرتا ہے کیوں کہ ظالم کو معاف کرنا حلم و شجاعت کا کمال ہے اور محروم کرنے والے کو عطا کرنا کمال عفت وجود ہے اور قطع تعلق والے کے ساتھ تعلق جوڑنا کمال فضل احسان ہے۔

فائدہ: کمالات نفس انسانیہ انہی قوائے ثلاثہ پر اور ان کے فضائل اربعہ میں منحصر ہیں اس لئے کہ عقل کا کمال علم اور عفت کا کمال ورع اور شجاعت کا کمال مجاہدہ اور عدل کا کمال انصاف ہے محققین کے نزدیک یہی دین کے اصول ہیں۔

مسئلہ: آیت میں دعاوی کا رد اور صدق سے موصوف ہونے کی ترغیب ہے اسی لئے بعض نے کہا کہ **لولا الدعاوی ماخلقت المهاوی** (اگر دعاوی نہ ہوتے تو خواہشات نفسانیہ نہ ہوتیں) جس نے کوئی دعویٰ کیا تو وہ خواہشات میں پڑا اگرچہ سچا ہو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس کے لئے دلیل طلب کی جاتی ہے اگر اس کا دعویٰ نہ کرتا تو اس سے دلیل طلب نہ کی جاتی حضرت حافظ قدس سرہ فرماتے ہیں۔

حدیث مدعیان و خیال ہمکاران ہمان
حکایت زر و زور بوریا بافست

ترجمہ:۔ مدعیوں کا دعویٰ اور خیالی لوگوں کا خیال اس طرح ہے جیسے بوریا بننے والے کو زر وزور کے خیالات دل میں ہوتے ہیں۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابا بکر سچی بات اور ایفلئے عہد اور حفظ امانت کو لازم پکڑنا کیوں کہ یہی انبیاء علیہم السلام کی وصیت ہے ۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ترجمہ : صاف دل والے سے صدق کا طریقہ سیکھ اور سرو چمن سے راستی سیکھ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاجروں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ اے تاجرو ! بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت میں فاجر کرکے اٹھائیگا سوائے اس کے جو سچ بولتا ہے اور سچ تعلق رکھتا اور امانت ادا کرتا ہے ۔

حدیث شریف تاجر ہی فاجر ہے عرض کی گئی کیوں یا رسول اللہ حالانکہ اسے تو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے آپ نے فرمایا اس لئے کہ یہ لوگ قسمیں کھاتے گناہ کرتے اور بات کہتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں ۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

کعبہ در کام نخستین کند استقبالت
از سر صدق اگر ہمنفس دل باشی

ترجمہ : تیری مراد پورا کرنے میں تیرا کعبہ استقبال کرے گا سر صدق سے اگر دل (حق) کے ساتھ تیری موافقت ہو۔

فائدہ : جب ظاہر صدق پر مبنی ہو تو باطن بھی سچا ہو جاتا ہے اس لیئے برتن سے وہی شے خارج ہوتی ہے جو اس میں ہے اور ہر ایک وہی ظاہر کرتا ہے جو اس کے اندر ہے ۔

تفسیر عالمانہ قل ۔ (شان نزول) مروی ہے کہ جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو وہی دیہاتی آئے اور قسم کھا کر کہا کہ وہ پکے سچے مومن ہیں ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ فرمائیے اے (محبوب) (محمد) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین (ایمان) خبر دیتے ہو۔

سوال : باء بدینکم میں نہیں لانی چاہیے تھی کیوں کہ تعلیم خود متعدی ہے

جواب : یہ تعلیم بمعنی اعلام و اخبار ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اس دین کی خبر دیتے ہو جس پر تم ہو اور کہتے ہو "آمنا" ہم ایمان لائے ۔

نکتہ : اعلام و اخبار کے بجائے تعلیم لانے میں ان کی انتہائی شناعت کا بیان ہے اور استفہام تو بیخ وانکار کے لئے ہے یعنی تم اپنا دین اللہ کو نہ جتلا ؤ وہ اسے جانتا ہے کیوں کہ اس سے کوئی شئے مخفی نہیں۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ امور دینیہ کی واقفیت رکھنا معتبر بلکہ واجب ہے اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اس سے مدد طلب کرے اور اسی سے کلام طلب کیا جائے اور اس کے امر کی اتباع کی جائے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔) یہ تعلمون کے فاعل سے حال ہے ان کی تشنیع کی تاکید کے لئے ہے (وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ اور ہر شئے کو خوب جانتا ہے منجملہ اس کے ان کا وہ کفر ہے جو اظہار ایمان کے وقت انہوں نے چھپایا اسی لئے اسے کسی کی خبر دینے کی محتاجی نہیں ماقبل کے مضمون کی تقریر ہے یعنی وہ جملہ اشیاء کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ : آیت ہذا میں ان کی جہالت کا مزید انکار و توبیخ ہے کہ جتنا انہوں نے اپنے احوال کو چھپانے اور مخفی رکھنے کی کوشش کی لیکن نہ چھپا سکے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے قلوب کے آسمانوں کو کہ کتنا ان میں عبودیت کی استعداد ہے اور وہ ان کے نفوس کی زمین کو کہ انہیں کتنا عبودیت سے تمرد ہے اور اللہ تعالیٰ ہر اس شے کو کہ جس پر قلوب ونفوس کی جبلی طبیعت ہے) جانتا ہے کیوں کہ آدم علیہ السلام کی تخمیر کے وقت ان میں اس نے خود یہی امور امانت رکھے۔

فائدہ : بعض اکابر نے فرمایا کہ کسی حال اور مقام کو اپنی طرف منسوب نہ کر اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کو خبر دے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر آن نئی شان ہے تغیر و تبدل میں وہ بندے اور اس کے قلب میں حائل ہے بہت سے امور کی جو تو نے کسی کو خبر دی تو وہ بسا اوقات زائل کر دیتا ہے اور جسے تو دائمی سمجھتا ہے وہ اسے علیحدہ کر سکتا ہے پھر تو نے جسے اپنے احوال کی خبر دی (اب ان کے نہ ہونے سے) کے سامنے رسوا وشرمسار ہوگا ہاں انہیں اپنے دل میں محفوظ رکھ لیکن کسی کو ان کی خبر نہ دے۔ اگر اس کے ثبات ودوام وبقار کا تجھے علم ہو جائے تو بھی کسی کو نہ بتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر اور اس سے شکر کی توفیق کا سوال کر اگر اس کے ثبات وغیرہ نہ ہو تب بھی کسی کو نہ بتانے میں یہ فائدہ ہوگا کہ تیرے علم ومعرفت اور نور وتیقظ اور تادیب میں اضافہ ہوگا

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ بعض انسان ایسی باتوں کی جو اس میں نہیں یا ان سے زائل ہو جانے والی ہیں (ہم اللہ تعالیٰ سے برے حال اور دعویٰ کمال سے پناہ مانگتے ہیں) کی خبر دے بیٹھتا ہے۔

انتباہ : خبردار۔ خبردار۔ دعاوی صادقہ وکاذبہ سے بچتے رہو دعاوی کاذبہ تو منہ کالا کر دیتے ہیں اور دعاوی صادقہ نور ایمان کو بجھا دیتے ہیں یا کم از کم اسے کمزور ضرور کر دیتے ہیں۔ خبردار۔ خبردار، مشاہدات

(حصول کے بعد) کسی کو نہ بتانا اور اچھی صورتیں (غیر عورتیں اور بے ریش لڑکے) کی طرف نہ دیکھنا کیونکہ یہ سب کی سب نفسانی اور شہوات کی چیزیں ہیں اور جس نے صوفیہ کرام کے طریقہ میں وہ بدعت (نیا کام) کیا جو ان کے طریقے میں نہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ ایسا انسان نہ ہمارے سے ہے اور نہ ہمارے میں شمار ہے۔

درس عبرت برادرانِ اسلام! حق کی اتباع کرو نئے طریقوں سے بچو اطاعت الٰہی و رسولہ (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں لگے رہو اور دین سے نہ نکل جاؤ اور اس کی توحید پر ڈٹ جاؤ شرک نہ کرو اور صرف حق کی تصدیق کرو اور (مصائب و مشکلات کے وقت) (اللہ تعالیٰ) شکایت نہ کرو اور نہ ہی جزع فزع کرو حق پر ثابت قدم رہو دین حق میں تفرقہ نہ ڈالو (فرقہ پرستی جیسے وہابی۔ دیوبندی، مودودی، شیعہ، مرزائی و دیگر گمراہ فرقوں میں شامل ہونا صرف حق مذہب مہذب اہلسنت پر قائم رہو) اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو دیر ہو نہ ملنے پر ملال نہ کرو بلکہ اس کی رحمت کا انتظار کرو نا امید نہ ہو جاؤ آپس میں بھائی چارہ قائم کرو۔ ایک دوسرے کی دشمنی سے بچو طاعت حق پر اتحاد پیدا کرو حق سے جدا نہ ہو جاؤ گناہوں سے پاک رہو نیکیوں کو گناہوں میں ملوث نہ کرو بلکہ اپنے قلوب کے بواب (نگران) خود ہو جاؤ تاکہ اس میں اذن امر الٰہی کے بغیر اور کوئی شے داخل نہ ہو اور ڈر باطل کی طرف نہ جھکو خدا کا خوف کرو اور اس کے عذاب سے۔ امن میں نہ رہو بلکہ خطرہ میں رہو (یعنی خوف اور رجاء میں رہو) اپنے حال کی اچھی چھان بین کیا کرو اس سے ہرگز ہرگز غفلت نہ برتو۔

تفسیر عالمانہ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (تجھ پر منت لگاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے) یعنی اسلام لانا تجھ پر احسان جتلانے کی بات کہتے ہیں۔

حل لغات المنۃ وہ نعمت جو عطا کرنے والا (جس پر عطا کی ہے) سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے یہ المن سے ہے بمعنی القطع (کاٹنا) اس لئے کہ اس سے ہر قسم کی ضرورت و حاجت کاٹ دینا ہے قطع نظر اس کے کہ وہ اس کا عوض دے یا نہ۔ بعض نے کہا کہ مِنّۃٌ بمعنی بھاری نعمت اس المن سے ہے جس سے شے کا وزن کیا جاتا ہے یعنی دو رطل مثلاً کہا جاتا ہے مَنّ علیہ منّۃً بمعنی اس پر نعمت کے ساتھ بوجھ ڈالا۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ المنۃ بمعنی النعمۃ الثقلیۃ یہ دو قسم ہے۔

(۱) فعل سے اس وقت اس کا سنِ صالح ہے گا مثلاً کہا جائے گا من علی فلاں بمعنی اس نے نعمت کا بوجھ ڈالا اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بہت بڑی نعمت کا بوجھ ڈالا اور درحقیقت یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے لائق ہے۔

(۲) قول سے اور لوگوں کے درمیان نہایت قبیح ہے صرف کفران نعمت کے وقت اسی کا استعمال ہوتا

ہے اس کے قبح پر عربی مقولہ مشہور ہے کہ "المنۃ تہدم الصنیعۃ" (منت جتلانے سے کیا کرایا ضائع ہو جاتا ہے)
چونکہ کفران کے وقت اس کا اطلاق ہوتا ہے اسی لئے عربی مقولہ بولنا ایسے مواقع پر برمحل سمجھا گیا مثلاً اذا کفرت النعمۃ حسنۃ المنۃ جب کفران نعمت ہو تو اس وقت منۃ کا بولنا صحیح ہے اسی سے ہے یمنون علیک الخ
خلاصہ یہ کہ بندوں سے منۃ بالقول اور اللہ تعالیٰ سے بالفعل ہوتی ہے اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی ہدایت سے نوازتا ہے۔ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ فرمایئے تمہاری اسلام لانے سے مجھ پر منت نہ لگاؤ۔ یعنی تم اسلام لانے پر مجھ پر منت لگاؤ یا نہ لگاؤ اس کا منصوب ہونا نزع الخافض پر ہے۔
بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ بلکہ اللہ تعالیٰ کی منت ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی جیسے تمہارا گمان ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف خود پہنچ گئے۔ ان کنتم صادقین اگر تم سچے ہو اپنے ایمان کے دعویٰ میں اس کا جواب محذوف ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی صرف اسی کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں اسلام سے نوازا کلام الٰہی کے سیاق اور نظم و ترتیب سے لطف و کرم کا اظہار ہے۔ کیوں کہ جب ان سے ایمان کی بات سُنی گئی اور ساتھ ہی ان کی منت کا اظہار بھی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ایمان کی نفی کر کے فرمایا کہ تمہارے اسی طریقہ کو اسلام تو کہا جاسکتا ہے لیکن ایمان نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ فرمایا یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ یعنی تم جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو وہ دراصل اسلام ہے یعنی صلح و سلامتی میں داخل ہونا ہے اور یہ منت لگانے کے لائق نہیں کیوں کہ شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی اسے منت میں شمار کیا جاسکتا ہے بلکہ اگر ان کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنی طرف انہیں ہدایت بخشی نہ کہ ان کا احسان۔

سوال: کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تو احسان و منت جتلانے سے نہ صرف روکتا ہے بلکہ اسے گھٹیا اخلاق کہتا ہے۔ (اور خود اپنا احسان جتلا رہا ہے۔)

جواب: اللہ تعالیٰ کی اس منت سے جتلانا مراد نہیں کیوں کہ وہ تو کریم و جواد ہے جو اس کی اطاعت کرے اس پر بیکراں جود و کرم ہوتا ہے ایسے ہی نافرمان پر بھی اس کی جود و کرم کے دروازے کھلے پھر اس سے منت جتلانا مراد کیسی۔

حدیث شریف[1]: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ تمہیں تو مکارم اخلاق کی رہبری کرے اور خود اس کے خلاف کرے۔

حدیث شریف[2]: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ تمہیں تو ریا سے روکے لیکن خود کام سے مطالبہ کرے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا جس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے تیمم سے نماز پڑھ لی پھر مجھے پانی ملا کیا نماز لوٹاؤں (آپ نے جواب ہی مذکور؛

ارشاد فرمایا)

آیت کا معنیٰ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب تم اسلام لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر احسان جتلانے شروع ہو جاؤ تو ایسی منت جتلانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے تمہارا نہیں اگر تمہاری طرف سے کمینہ اخلاق کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال تمہارے منہ پہ مارے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تم پر احسان جتلاتے ہیں کہ ان کا ظاہر تمہیں مانتا ہے تو فرماؤ تمہارے ظاہری طور ماننے کی مجھے ضرورت نہیں کیوں کہ یہ تمہارے نفوس کی طبیعت متمردہ سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت بخشی جب ازل میں تمہارے دلوں میں ایمان لکھا تو اس پر نور ایمان منعکس ہوا تمہارے دلوں کے مصباح سے تمہارے نفوس کے مشکوٰۃ کی طرف تو وہ اسلام کے نور سے منوّر اور روشن ہوا۔

پس تمہارا ظاہری اسلام اس ایمان کی فرع ہے جو میں (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے باطن میں امانت رکھا اگر تم سچے ہو دعویٰ ایمان میں۔

فائدہ: سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احسان جتلانا بندوں سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے ایسا نہیں بلکہ اس میں تذکیر نعم ہے اور شکر منعم پر برانگیختگی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

شکر خدا کن کہ موفق شدی بخیر
ز انعام وفضل تہرا نہ معطل گذاشتت
منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناسی از دکہ بخدمت بداشتت

ترجمہ: خدا کا شکر کر اس نے تجھے توفیق بخشی خیر و بھلائی کی اپنے فضل و انعام سے تجھے ضائع نہیں رکھا۔ اسی لئے منت نہ رکھ کہ میں بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں اس کی منت سمجھ کہ اس نے تجھے اپنی خدمت میں رکھا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کے غیب جانتا ہے یعنی وہ جو[1] بندوں سے آسمانوں اور زمینوں میں غیب

---

[1] سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیب کیسا جب کہ اس کے لئے غیب و حاضر یکساں ہے جواب میں فرمایا وہ غیب ہے اس لئے ہے کہ وہ بندوں سے غیب ہے یہی جواب وہابیوں دیوبندیوں کو دیا جائے جب وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے غیب بتا دیا تو پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ رسول غیب جانتا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ غیب ہے امت کے اعتقاد (یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے) اویسی غفرلہٗ

اور ان سے مخفی ہے وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پوشیدہ ہوں یا ظاہر کو دیکھتا ہے تو پھر وہ امور اس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (جو ظاہر میں عمل کرتا ہے) کے عمل کو دیکھتا ہے، یہ تمہارے اس باطن کا نتیجہ ہے جو اس نے تمہارے باطن میں امانت رکھا ہے۔ ؎

در زمین گر نیشکر در خود نے است

ترجمان ہر زمین نبت وی است

ترجمہ: زمین گنا ہے یا ہر زمین کی ترجمان اس کی کھیتی ہے۔

مسئلہ: جو اپنے دل میں خیال لاتا ہے کہ وہ صاحب اعمال و احوال ہے تو وہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مشرک ہے اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اعمال و احوال اس کے نفس کے لئے ہیں تو یہ اس کا مکر ہے (کہ اللہ کی عبادت لالچ میں کر رہا ہے) اگر اسے یوں خیال کرتا ہے کہ یہ اعمال و احوال اس کے رب سے اس کے لطف و کرم سے اور صرف اسی کے لئے ہیں تو یہ توحید خالص ہے اللہ تعالیٰ اپنے احسان و فضل سے ہمیں ایسی عبادت کی توفیق بخشے۔

فائدہ: حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی غیب نہیں کیوں کہ غیب پوشیدہ شے کو کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تو جملہ غیوب عیاں ہیں پھر اس سے کوئی شے کیسے پوشیدہ ہو سکتی ہے جب کہ وہ ان تمام کا موجد (پیدا کرنے والا) ہے وہ ہر شے کو بصر قدیم سے دیکھتا ہے اس کے لئے بصر و علم ایک شے ہے

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ سورۃ الحجرات سے تا آخر کا نام مفصل ہے اسی کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توراۃ کے بجائے السبع الطول عطا فرمایا ہے

فائدہ: الطوال یعنی لمبیاں آن سے سورۃ بقرہ سے اعراف تک مراد ہے یعنی اس میں سورۃ یونس یا انفال و براۃ ساتویں سورۃ ہے کیوں کہ اس کے نزدیک سورۃ انفال و براۃ ایک سورۃ ہے (القاموس) اور فرمایا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انجیل کے بجائے مئین عطا فرمائی ہیں اور زبور کے بجائے المثانی بخشی ہے اور مفصل اپنے فضل و کرم سے زائد (نعمت) عطا فرمائی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ الذکر الاول میں سے مجھے سورۃ بقرہ عطا فرمائی گئی اور طٰہٰ اور طواسین (جو سورتیں طس و طسم سے شروع ہوتی ہیں) الواح موسیٰ علیہ السلام سے ہیں اور میں فواتح الکتاب و خواتیم البقرہ عطا کیا گیا ہوں جو تحت العرش سے ہیں اور مفصل ایک زائد عطیہ ہے۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ راجح مذہب شافعی رحمہ اللہ میں سورۃ الحجرات مفصل کی پہلی سورۃ ہے اور اقوال معتمدہ میں سے ایک قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی ہے اور آپ سے ایک اور معتمد قول

مروی ہے وہ یہ کہ مفصل کا اول (ق) سورۃ قاف ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے مفصل سے اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی تو مفصل قرآن حوامیم (جو سورتوں میں حٰمٓ ہے) کے اختتام تک ہے اس کے بعد قصار ہے تا آخر قرآن۔

فائدہ: مفصل القرآن کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں مفصولات اکثر ہیں یعنی ایک سورۃ سے دوسری سورۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بکثرت ہیں کیوں کہ وہ چھوٹی سورتیں ہیں جس کی ایک تفصیل دوسری کے قریب قریب آجاتی ہے گویا اس میں تفصیل بکثرت آگئی ہے اسی لئے وہ قرآن کا حصہ مفصل ہوا۔

قاعدہ: بعض نے کہا کہ مفصل ساتویں منزل کا ساتواں حصہ اور اسے مفصل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں فصول بکثرت ہیں اور وہ سورۃ محمدؐ یا فتح یا ق سے تا آخر القرآن اور طوال مفصل بروج تک اور الاوساط بروج سے لم یکن تک اور القصار لم یکن سے آخر القرآن تک اُسے کسی شاعر نے یوں فرمایا ؎

طوال از لاتقدم تا عبس دان
پس اوسط زعبس تا لم یکن بخواں
قصار از لم یکن تا آخر آید
بخواں این نظم را تا گردد آسان

ترجمہ: طوال از لاتقدم (حجرات) سے عَبَسَ تک جان پھر اوساط عبس سے لم یکن تک پڑھ۔
قصار لم یکن سے آخر تک ہے یہ نظم یاد کرلے تاکہ آسانی ہو۔

فائدہ:۔ جمہور کا کہنا ہے کہ طوال مفصل سورۃ الحجرات سے بروج تک اور الاوساط سورۃ بروج سے لم یکن تک اور القصار لم یکن سے آخر القرآن تک۔

بدعت حسنہ پر عمل کرنے سے دُعاء قبول مروی[1] ہے کہ قرآن کو قُرآئے زمانہ حجاج بن یوسف (ظالم) میں تیس پاروں پر تقسیم کرنے کے بعد سات اقسام مقرر فرمائیں۔

---

[1]: یہ دو بدعتیں (۱) تیس پاروں پر تقسیم (۲) سات اقسام کی تقسیم، ہر مسلک سنی۔ غیر سُنی یعنی وہابی، دیوبندی وغیرہ کو مسلم ہے لیکن اس پر فتویٰ کیوں نہیں لگایا جاتا کہ کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔ حرف ضد ہے تو میلہ و عرس و درود و سلام وغیرہ سے یہ کیوں خود سوچیئے (۱۲۔ اویسی غفرلہٗ)

فائدہ : سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری بیان کردہ ترتیب سے قرآن مجید پڑھا جائے تو جو دعا مانگے گا قبول ہو گی وہ ترتیب وہی ہے جسے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پڑھا کرتے تھے۔ نقشہ ملاحظہ ہو

نمبر شمار	یوم	نام منزل	نمبر شمار	یوم	نام منزل
۱	جمعہ	سورۃ فاتحہ تا انعام	۲	ہفتہ	اعراف تا یونس
۳	اتوار	ھود تا طٰہٰ	۴	سوموار	انبیاء تا عنکبوت
۵	منگل	روم تا زمر	۶	بدھ	مومن تا واقعہ
۷	خمیس (جمعرات)	حدید تا اختتام			

فائدہ : یہ نقشہ فقیر اویسی غفرلہ نے آسانی کیلئے بنایا

فائدہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ قرآن کی سات منزلیں بطریقۂ ذیل ہیں۔ نقشہ

نمبر شمار	یوم	منزل	نمبر شمار	یوم	منزل
۱	جمعہ	پہلی تین سورتیں	۲	ہفتہ	پانچ سورتیں
۳	اتوار	سات سورتیں	۴	سوموار	نو سورتیں
۵	منگل	گیارہ سورتیں	۶	بدھ	سولہ سورتیں
۷	از سورۃ ق تا آخر جمعرات	از سورۃ ق تا آخر			

فائدہ : فتح الرحمان میں ہے کہ ساتھ منزلیں ہیں۔

بدعت ۳ : بعض نے کہا حجاج نے جب مصحف (قرآن) پر نقطے لگائے تو اسی نے منازل بھی مقرر کئے اسی کام پر حضرت حسن (بصری) اور یحییٰ بن یعمر مامور ہوئے۔

بدعت ۴ : اعشار (ہر دس آیات پر نشان لگانا) کی وضع میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ مامون عباسی (خلیفہ) کے حکم سے ہوئی بعض نے حجاج کا کہا۔

فائدہ : حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مصحف (قرآن مجید کا مجموعہ) نقطوں سے خالی تھا نقطے حجاج نے لگوائے تو گویا قرآن مجید کا ہر نقطہ لکھنا بدعت ہے اور قرآن مجید میں بے شمار نقطے ہیں اس معنی پر ہم اور دیوبندی وہابی نقطوں کے شمار کے مطابق بدعتی ہوئے ہم اہل سنت تو بدعت حسنہ کے قائل ہیں لیکن دوسرے منکر ہیں اب ہمارا [illegible]

مشورہ ہے کہ یا بدعت حسنہ کے قائل ہو جاؤ یا جہنم میں جاؤ کیوں کہ تم ہی تو کہتے ہو کہ کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" ہر بدعت گراہی اور ہر گراہی جہنم میں لے جانے والی ہے) (اضافہ اویسی غفرلہ)

اعراب کی بدعات [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف (قرآن مجید کا مجوعہ) اعراب سے خالی تھا اس کی وجہ یہ بھی (واللہ اعلم) کہ وہ لوگ اس سے بے نیاز تھے کیوں کہ وہ خود صاحب زبان تھے اسی لئے ان سے قرآن مجید کا غلط پڑھنا ناممکن تھا اسی لئے اس زمانہ میں علم نحو بھی نہ تھا اور اعراب مصحف (قرآن مجید) میں ابوالاسود دؤلی تابعی بصری نے لگائے۔

حکایت:

حضرت ابوالاسود دؤلی نے کسی سے سنا وہ قرآن کی آیت ان اللہ بری من المشرکین ورسولُہٗ کی لام کو مکسور پڑھ رہا تھا آپ کو یہ بات سخت ناگوار لگی اس کے بعد آپ نے قرآن کے تمام حروف پر اعراب لگائے۔

ابتدائی اعراب کی علامات

مصحف (قرآن مجید) کے اعراب کے علامات نقطوں کی صورت میں سرخ سیاہی سے لگائے جب کہ دوسرے حروف سیاہ رنگ کے تھے مثلاً زبر کا سرخ نقطہ حرف کے اوپر اور کسرہ کا نقطہ حرف کے نیچے اور ضمہ کے دو نقطے حرف کے اندر اور غنہ کے دو نقطے۔

خلیل نحوی کی بدعت تا حال

خلیل بن احمد الفراہیدی نے اسی بدعت کو یوں تبدیل کیا کہ نیچے والے نقطے والے کھینچ کر کسرہ کی اور اوپر والے نیچے کو کھینچ کر فتحہ کی اور ضمہ کو زبر کے اوپر کا بصورۃ اوٗ بنایا ایسے ہی شدّ ومَد اور ہمزہ وسکون کی علامات۔

---

[1] وہابیوں دیوبندی کا یہ اصول بالکل غلط بلکہ اسلام دشمنی کا ثبوت ہے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا یا آپ کے زمانہ میں نہیں ہوا وہ بدعت ہے اور حرام ہے اگر ایسا ہے تو پھر قرآن مجید کے اعراب جو ہزاروں تک پہنچتے ہیں پھر علم نحو کی ایجاد اور اس کے قواعد ایسے علم صرف کی ایجاد اور اس کے قواعد ہزاروں تک پہنچتے ہیں اس طرح لاکھوں کروڑوں بدعات کا ارتکاب کیا جا رہا ہے یا تو ان کو بدعات ترک کرنے چاہیں یا پھر اہلسنت کا قاعدہ مانیں کہ جو قرآن وحدیث اور ان کے اصول کے منافی نہیں بلکہ مؤید ہے وہ بدعت حسنہ ہے اس کو عمل میں لانے سے ثواب ملتا ہے ــــ یاد رہے کہ اعراب کے مختلف طریقے تھے ابتدا میں اور طرز تھی بعد کو اور طریقہ مقرر کیا گیا اس کی تفصیل وغیرہ اور حوالہ جات احسن البیان میں دیکھئے ۱۲؛

ایجاد کیں ؎۱

فائدہ : نقطوں اور اعرابات کی وضع نصر بن عاصم نے بحکم حجاج بن یوسف (ظالم خونخوار) نے کی جب وہ عراق وخراسان کا امیر تھا اس کا سبب یہ ہوا کہ قرآن مجید میں بہت سے اغلاط داخل ہو کر عراق تک ایسے غلط لکھے ہوئے قرآن مجید پہنچے اور اس سے قبل مصحف عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو زمانہ عبدالملک بن مروان تک چالیس سے اوپر چند سال صحیح پڑھا جاتا تھا جب حجاج کو غلط لکھے ہوئے قرآن مجید عراق میں ملے تو حکم دیا حروف قرآنیہ پر علامات اعراب اور نقطے لگائیں۔ نصر نے یہ کام اپنے ذمہ لگایا کہ کسی حرف پہ نقطہ کسی پر دو نقطے کسی پر تین اور کسی کو خالی رکھا اسی لئے اسے نصر الحروف کہا جاتا۔ سب سے پہلے بائے تار پر نقطے لگائے۔ بعض نے اس سے کراہت کا اظہار کیا ہوگا تو اس کے جواب میں کہا گیا ہوگا کہ لا باس بہ یہ کوئی حرج نہیں یہ نقطہ حروف کا نور ہیں۔

ایک اور بدعت آیت کے اختتام کی علامت یہ سب سے پہلے چند نقطے لگائے گئے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں آیت ختم ہو گئی) اس کے بعد آیت کے آغاز و اختتام کے علامات بنائے گئے (جیسے ٥۔ ط۔ م۔ ز۔ لا وغیرہ وغیرہ) خلاصہ یہ کہ اس کا پہلا موجد ابوالاسود مکی ہے) رحمہ اللہ) پھر اس کو آگے بڑھانے والا نصر بن عاصم ہے (رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہ اس نے حروف پر نقطے وغیرہ لگائے۔

؎۱ اس سے اہل فہم کچھ تو ذہن پر زور دیں کہ خلیل کی یہ ایجادات آج تک قرآن مجید میں موجود اور مروج ہیں اور یہ بھی معلوم تک نہیں کیا گیا کہ یہ خلیل نحوی کون تھا لیکن آنکھیں بند کر کے عمل کیا جا رہا ہے لیکن نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور اولیائے کرام سے کوئی بھی مسئلہ عشق و محبت اور سیرت وعقیدت سے متعلق ہے تو اس کے لئے ہزاروں کیڑے نکالے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے چونکہ (مثلاً) اذان سے پہلے فلاں حاکم۔ بادشاہ نے شروع کرایا اور چونکہ میلاد مروج فلاں بادشاہ کرتا تھا اور وہ چونکہ ایسا ایسا تھا فلہذا حرام ہے اور یہاں قرآن مجید میں ہزاروں بدعات حجاج جیسے خونخوار ظالم نے جاری کیں اور تاحال وہ مروج بلکہ اسلام کا گویا جزو اعظم ہے اور سہارا یہ کہ اس طرح سے قرآن مجید آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے فلہذا جائز ہے اور وہاں کیوں نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیائے کرام کی یاد اور اشاعت دین اور اس کے باقی رکھنے کا ایک سبب ہے اسی لئے جائز ہونا چاہیے لیکن اندر کی بیماری کو کون دور کرے کہ وہاں تو سب جائز اور یہاں ناجائز۔ یہ کیوں صرف اس لئے کہ فی قلوبھم مرضاً ان کے دلوں میں مرض ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

اس کے بعد خلیل بن احمد نے اعرابات وغیرہ کی موجودہ صورت کی بدعت جاری کی۔

کئی بدعات مذکورہ بالا محنت کے باوجود پھر بھی عوام سے غلطیاں ہو جاتیں۔ ان کے ازالہ کا حل کوئی نظر نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ حفظ القرآن کا طریقہ جاری کیا گیا جسے لوگ اساتذہ سے زبانی یاد کریں اسی طرح سے علماء و ائمہ نے قرآن مجید کے حروف و قرأت کو محفوظ کامیاب ہوئے یعنی کہ اسے اغلاط سے پاک و صاف رکھنے میں رکھ کر اسے اصلی صورت میں محفوظ رکھنے پہ کامیاب ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

خط عربی کا پہلا موجد سب سے پہلے خط (معروف) عربیۃ کا طریقہ یعرب بن قحطان نے جاری کیا کیونکہ آپ عربی سریانی میں گفتگو فرماتے تھے۔ پھر نسخ کا طریقہ المقتدر بن باللہ ثم جو (القاہر باللہ کا وزیر تھا) نے نکالا۔ اسی نے سب سے پہلے خط کوفی خط عربی میں ڈھالا اس کے بعد ابن البواب نے خط عربی طرز میں لکھا ابن المقلہ کے طریقہ کو مہذب بنایا اور اس کی رونق وحسن میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد یاقوت المستعصمی خطاط نے فن خط کو پروان چڑھا کر مکمل کیا۔ اس کے بعد حمد الاماسیوی نے خط کے طریقہ کی انتہا کردی کہ اب کے بعد تمام ایجادیں ان کی مرہون منت رہینگی اور تاحال ان کی محنت کام آرہی ہے اگر کوئی نیا طریقہ نکالے گا تو بھی ان کے بتائے طریقوں میں استفادہ کے بغیر چارۂ کار نہ ہو گا کسی قائل نے خوب فرمایا۔

خط حسن جمال مرأی
ان کا العام فاحسن
الدر من النبات احلی
والدر مع البنات ازین

اختتام سورۃ از صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وبرکات سے کمالات کی اللہ تعالیٰ سے توفیق نصیب ہوتی ہے اور خاتمہ انواع سعادات سے ہو

تفسیر سورۃ الحجرات ربیع الاول شریف کے اوائل میں ۱۱۱۴ھ میں ختم ہوئی۔

بفضلہ تعالیٰ واحسانہ العظیم فقیر اویسی غفرلہ نے اس سورۃ الحجرات کے ترجمہ سے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۸۸ء بروز جمعۃ المبارکہ صبح سوا ایک بجے عزتکدہ اویسیہ بہاولپور پاکستان میں فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واہلہ العظیم۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ○ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ
عَجِيْبٌ ○ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ○ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ
عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ○ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ○ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا
اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا
فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○
وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ○ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا
طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ○ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ○ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ○ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ○ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ
لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○

ترجمہ: عزت والے، قرآن کی قسم بلکہ انہیں اس کا اچنبا ہوا کہ ان کے پاس انہی میں کا ایک ڈر سنانے والا
تشریف لایا تو کافر بولے یہ تو عجیب بات ہے کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی ہو جائیں گے پھر جیئں گے یہ پلٹنا
دور ہے ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان میں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک یاد رکھنے والی کتاب ہے بلکہ
انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا تو وہ ایک مضطرب بے ثبات بات میں ہیں تو کیا انہوں نے
اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسے بنایا اور سنوارا اور اس میں کہیں رخنہ نہیں اور زمین کو ہم نے
پھیلایا اور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر جا بارونق جوڑا اگایا سوجھ اور سمجھ ہر رجوع والے بندے
کے لئے اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا تو اس سے باغ اگائے اور اناج کہ کاٹا جاتا ہے اور کھجور
کے درخت جن کا گابھا بندوں کی روزی کے لئے اور ہم نے اس سے مردہ شہر جلایا اور یونہی قبروں سے
تمہارا نکلنا ہے ان سے پہلے جھٹلایا نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے
ہم قوموں اور بن والوں اور تبّع کی قوم نے اور ان میں ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب
کا وعدہ ثابت ہو گیا تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۔ قٓ یہ سورۃ جس کا نام قٓ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے
فرمایا کہ یہ قسم اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور محمد بن
کعب نے فرمایا کہ اسمائے الٰہی کا پہلا لفظ ہے جیسے القادر، القدیر، القدیم، القاہر، القہار، القریب

القابض۔ القاضی۔ القدوس۔ القیوم یعنی میں قادر ہوں الخ۔ بعض نے کہا یہ قرآن کے اسماء سے ہے بعض نے کہا یہ قسم ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی مثلاً فرمایا بحق القائم بالقسط قسم ہے اس ذات کی جو عدل و انصاف قائم کرنے والا ہے۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے قل یا محمد اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے والقرآن المجید بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادائے رسالت کے وقت اور ہمارے امر و نہی کے وقت ٹھہریئے اور ان سے تجاوز نہ کیجئے اور اہل عرب کی عادت ہے کہ جملوں کو چھوڑ کر ان کے صرف ایک حرف پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے کہا ؎

تلتُ لہا قفی فقالت ق۔ میں نے اسے کہا ٹھہر جا جواب دیا ٹھہر گئی ہوں ق قفت کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا کہ مفاعلہ کے باب کا امر ہے قفا اثرہ سے ہے بمعنی اتبعہ یعنی وہ اس کے پیچھے ہوا اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن پر عمل کیجئے اور اس کی اتباع کیجئے بعض نے کہا کہ یہ قفی الامر وما ھو کائن سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو گیا اور وہ جو ہونے والا ہے جیسے حٰم میں مفسرین نے تاویل کی ہے یہاں بھی وہی ہے بعض نے کہا کہ یہ دراصل بحق القلم الذی یرقم القرآن فی اللوح المحفوظ وفی المصاحف اس قلم کے حق کی قسم جو قرآن کو لوح محفوظ اور مصاحف میں لکھتا ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ حروف مقطع کلام منظوم و منثور کے فرق کیلئے ہوتے ہیں۔ اور امام الہدیٰ نے فرمایا کہ سامع ان حروف کے سنتے ہی سوال کرتا ہے کہ اس کے بعد جو آئے گا وہ کلام منثور ہو گا نہ کہ منظوم اس میں ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید تو شعر ہے۔

فائدہ: الانطاکی نے فرمایا کہ ق اس کے اس قرب الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق "نحن اقرب الخ" یعنی قرب الٰہی کی قسم ہے یعنی قاف نحن اقرب الیہ من حبل الورید کے راز کی خبر دیتا ہے اور حضرت عطاء نے فرمایا ق سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے قسم ہے محبوب (علیہ السلام) کی قوت قلب کی کہ وہ خطاب اور مشاہدہ کا حامل ہے اس میں حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بلند کا اظہار ہے کہ آپ پر خطاب ومشاہدہ اثر انداز نہیں ہوتے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ہوا کہ وہ طور میں تجلی نور کی تیز چمک سے بیہوش ہو کر گر پڑے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر سالک جو سیر الی اللہ میں ہے کا ایک مقام ہے قرب میں جب وہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے ق والقرآن المجید کی واو قسمیہ ہے اب یہی معنی ہوا کہ قرآن کی قسم اپنی جگہ پہ ٹھہر جا اس سے آگے تجاوز نہ کر۔

فائدہ: بعض نے کہا اس کا اشارہ مرتبۂ احدیہ (ھُوَ اللہ) کی طرف ہے اور مرتبہ احدیہ ہی تعین اوّل ہے اور حق میں اللہ الصمد کی طرف اور وہ مرتبہ صمدیہ تعین ثانی ہے اور الصافات باقی تعینات کی طرف اشارہ ہے اور وہ باقی تعینات تعین ثانی کے تابع ہیں۔

شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے کہ حق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قیام کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے جملہ کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے صف اوّل میں کیا۔ کل شئے سے مفارق اور ہر ترکیب سے منفرد اور کون کی ہر شے اور ہر وصف سے منقطع ہو کر پھر اس قیام کی طرف جب آپ عالم غیبی روحانی سے مقام شہادی جسمانی کی طرف قدوم کے وقت ہوا جس آنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے (وہی آپ تھے) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ جب آپ کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا تو آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اے جابر میرے نور کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے مقام قرب میں بارہ ہزار سال اپنے سامنے قیام کا حکم فرمایا۔ یہی حروف لا إلٰہ اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عدد کی تفصیل ہے کیوں کہ ان ہر دونوں جملوں کے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ بارہ حروف ہیں اس کے بعد بارہ ہزار سال مقام حب میں ایسے ہی مقام خوف۔ رجا میں بارہ ہزار سال اس کے بعد بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے ہر ہر پردے میں ایک ہزار سال مقیم رکھا یہی مقامات العبودیۃ ہیں انہیں حجاب الکرامت والسعادۃ والہیبۃ والرحمۃ والرافۃ والعلم والحلم والوقار والسکینہ والعبد الصدق والیقین کہا جاتا ہے اسی نور محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہر حجاب ایک ایک ہزار سال عبادت کی اجمالی طور میں ان کی تعداد بہتر ہزار سال ہے پھر جب ان کے ساتھ اٹھائیس منازل ملالی جائیں (جن کا اشارہ جلد اوّل (روح البیان) میں ہو چکا ہے) تو ان کا مجموعہ ایک سو ہو جاتا ہے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے حق وہ ایک سو رحمتیں اور ایک سو جنت کے درجات ہیں جو وہ صرف اور صرف فی الحقیقۃ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہیں اس لئے کہ اس کے ماسوا باقی سب اس کے تابع ہیں جیسے ہم امتی (بحمد اللہ علیٰ ذلک) ان کے تابع ہیں مقامات دوز صوریہ میں جو وہ بھی ایک سو[ا] ہیں۔

وہی اوّل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہم اوّل المخلوق کے قائل ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ جملہ اہل ایمان آپ کے نور کے فیض سے فیضیاب ہو رہے ہیں یہی صاحب روح البیان صدیوں پہلے فرما گئے[ا]۔ چنانچہ فرمایا،

ا؎ اضافہ اُویسی غفرلہٗ ۱۲

" لانہ اول من خلقہ اللہ ثم خلق المومنین من فیض نورہ "

" کیوں کہ آپ پہلے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر آپ کے فیض کے نور سے اہل ایمان کو پیدا فرمایا"۔ ایسے ہی وہ اہل ایمان (ان درجات علویہ کے تابع ہیں جو مراتب سلوکیہ سیریہ پر مبنی ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہیں۔ اُنہی پر منازل ہیں سے قرآن میں وارد ہے کیوں کہ کلام نفسی رفتہ رفتہ نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ اسے روح القدس نے اسی عالم شہادی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور پر نازل کیا عام وخاص سے یہ صرف حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت وبزرگی کے پیش نظر ہے۔ اور آپ نے انہی مقامات کی طرف قرآن مجید کے ساتھ ترقی فرمائی جیسا کہ صاحب قرآن کو (قیامت میں) کہا جائے گا۔ پڑھ اور چڑھ اور آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں اسکی آہستہ تلاوت کرتا تھا اس لئے کہ تیری وہی آخری منزل ہے جو تو آخری آیت تلاوت کرے گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق (سیرت) قرآن تھا اسی لئے آپ کو بزرگی اور شرافت قرآن کی وجہ سے عطا فرمائی گئی (اس کو اچھی طرح سمجھ لے کیونکہ یہ تقریر عطیات ایزدی سے ہے۔

فائدہ : یہ بھی ممکن ہے کہ قٓ سے قاف العقل مراد ہو اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے : عقل کے قاف سے بچو اور عشق کے شین کو لازم پکڑ و۔

جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا کہ ؎

قفل در نشاط وسرور است قاف عقل
دندانۂ کلید بہشت است شین عشق

ترجمہ : خوشی وراحت کے تالے کی کنجی عقل کی قاف ہے لیکن بہشت کی کنجی کا دندانہ عشق کا شین ہے

جبل قاف ، علماء کی ایک جماعت نے فرمایا کہ قافٓ ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین کو لیسے محیط ہے جیسے آنکھ سیاہی (چشم) کو گھیرے ہوئے وہی تمام دنیا کے تمام پہاڑوں سے بڑا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے زمرد اخضر سے پیدا فرمایا ہے یا زبرجد اسی سے ہے آسمان کی سبزی اور آسمان اسی کو چمٹا ہوا ہے کوئی شہر اور بستی ایسی نہیں جس کی اس میں جڑ نہ ہو اس پر ایک فرشتہ موکل ہے جو ہر جڑ پر انگلی رکھے ہوئے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم (بستی یا شہر) کی تباہی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسی فرشتے کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اسی جڑ کو کھینچتا ہے جس سے وہ بستی اور شہر مکینوں سمیت تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں شیاطین اسی زبرجد کی طرف پہنچ کر اسی سے تھوڑے سے موتی لیکر لوگوں کی طرف پھینکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کو وہ دنیا میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) رفت ذوالقرنین سوئے کوہ قاف
دید اورا کز زمرد بود صاف

(۲) گرد عالم حلقۂ گشتہ او محیط
ماند حیران اندران خلق بسیط

(۳) گفت تو کوہی دگر ہا چیستند
کہ بہ پیش عظم تو بازیستند

(۴) گفت رگہائے من اند آن کوہہا
مثل من نبیند در حسن وبہا

(۵) من بہر شہرے رگے دارم نہاں
بر عروقم بستہ اطراف جہان

(۶) حق چو خواہد زلزل شہر مرا
گوید او من بر جہانم عرق را

(۷) پس بجنبانم من آن رگ را بقہر
کہ بدان رگ متصل گشتست شہر

(۸) چون بگوید بس شود ساکن رگم
ساکنم وز روئے تفل اندر تگم

(۹) ہمچو مرہم ساکن بس کارکن
چوں خرد ساکن وزو جنبان سخن

(۱۰) نزد آنکس کہ نداند عقلش این
زلزلہ ہست از بخارات زمین

ترجمہ اشعار (۱) سکندر ذوالقرنین، کوہ قاف کی طرف گیا دیکھا کہ وہ زمرد سے بھی زیادہ صاف ہے۔
(۲) جملہ عالم کو حلقہ کی طرح محیط ہے (گھیرے ہوئے) ہے اتنا بڑی مخلوق سے حیران رہ گیا۔
(۳) پوچھا پہاڑ تو تو ہے باقی کیا ہے کہ تیری عظمت کے آگے کچھ بھی نہیں۔
(۴) کہا تمام پہاڑ میری رگیں ہیں حسن اور رونق میں وہ میری طرح نہیں
(۵) میں نے ہر شہر میں ایک رگ پوشیدہ رکھی ہوئی ہے تمام جہان کے اطراف میری رگوں سے وابستہ ہیں۔

(۶) جب اللہ تعالیٰ کسی شہر کیلئے زلزلہ چاہتا ہے تو مجھے فرماتا ہے کہ اس شہر کی رگ کو حرکت دے۔
(۷) میں زور سے اس رگ کو جھٹکا دیتا ہوں جو اسی شہر کے قریب ہے۔
(۸) پھر کہتا ہے بس تو میری رگ ساکن ہو جاتی ہے بظاہر ساکن ہوں لیکن باطناً دوڑ رہا ہوں
(۹) جیسے مرہم کہ بہت کام کرتی ہے یا جیسے عقل کہ خود ساکن ہے لیکن اس سے مسلسل سخن جاری ہیں۔
(۱۰) جسے اس کی خبر نہیں اس کے نزدیک یہ زلزلے زمین کے بخارات ہیں۔

زلزلہ کا موجب

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زلزلہ تین وجہوں سے ہوتا ہے
(۱) اللہ ہیبت کی نگاہ زمین پر ڈالتا ہے۔
(۲) بنو آدم کے گناہ کی کثرت ہو جاتی ہے۔
(۳) وہ مچھلی متحرک ہوتی ہے جس پہ ساتوں زمینیں ہیں مخلوق کو تنبیہ و تادیب کیلئے۔

کوہ قاف کے عجائبات

حضرت ذوالقرنین نے کہا اے کوہ قاف مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کوئی کہانی سنا اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی شان عظیم ہے میرے آگے پانچ سو سال کی مسافت پر بہت بڑے بڑے برفانی جبل ہیں جو ایک دوسرے کو توڑتے رہتے ہیں اگر وہ نہ ہوں تو میں جہنم کی آگ سے جل سڑ کر راکھ ہو جاؤں (العیاذ باللہ) سکندر نے کہا کچھ ہمارے بارے میں عظمت الٰہی کی بات سنا کہا اے ذوالقرنین اللہ تعالیٰ کا کام بہت عظیم ہے ہمارے اندازہ وہم و فہم سے باہر ہے اس کی عظمت کی خبر کون دے سکتا ہے اور نہ کسی میں طاقت کہ اسے بیان کرے سکندر نے کچھ تو سنا خواہ کم سے کم ہو کہا کہ میرے آگے زمین ہے جس کا طول بھی پانچ سو سال کی راہ ہے اور اس کا عرض بھی پانچسو سال کا۔ اس میں صرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور ہیں وہ برف کے اگر وہ زمین درمیان میں نہ ہو تو میں دوزخ کی گرمی سے قلعی کی طرح پگھل جاتا۔ سکندر نے کہا جناب کوہ قاف کچھ اور نکتہ بتائیے کہا اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کیا کہنا۔

ملائکہ کی تخلیق

سکندر کے کہنے پہ مزید گفتگو آگے بڑھائی کہ جبریل علیہ السلام سخت ہیبت میں کمربستہ کھڑا ہے ہر لحظہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و سیاست سے درگاہ جبروت میں کانپتا ہے اور اس سے ایک گرج اٹھتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی گرج سے ایک لاکھ فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ وہ صف بستہ ہو کر بارگاہ حق کی ہیبت کے خوف سے سر بگم بیان کئے ہوئے حق کے فرمان کے منتظر کھڑے ہو جاتے ہیں صرف ایک بار انہیں بارگاہ حق سے آواز آتی ہے کہ بولو۔ وہ سب کے سب پڑھنے لگ جاتے ہیں " لا الٰہ الا اللہ " اس سے زائد کچھ نہیں کہتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا " الیٰ قولہ' صوابا' یہاں صواباً سے " لا الٰہ الا اللہ " مراد ہے۔

آسمان کی سبزی بعض نے کہا کہ آسمان کی سبزی اس پتھر سے ہے جو زمین کی تہہ میں ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ انھا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ الخ، بے شک وہ اگر ذرہ برابر ہو (رائی کے دانہ کے برابر) اور وہ صخرہ (پتھر) میں ہو آسمان سبز اس لئے بنایا تاکہ آنکھوں کی روشنی کو قوت ملے۔

آنکھوں کی جلاء بڑھانے والی اشیاء (۱) سبزی کو دیکھنا
(۲) جاری پانی دیکھنا
(۳) حسین چہرہ دیکھنا
(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سوتے وقت سیاہ سرمہ آنکھ میں لگانا۔
(۵) سفید رنگ کے سوا باقی ہر رنگ آنکھ کو جلا بخشتا ہے۔

اسکندریہ کی سنگِ بنیاد خالد بن عبد اللہ نے کہا ذوالقرنین نے اسکندریہ کی سنگِ بنیاد رکھی تو اس کی دیواریں اور فرش سنگِ مرمر کا بنوایا اس لئے کہ وہاں کے لوگوں کا لباس سیاہ تھا تاکہ سنگِ مرمر کی سفیدی سے ان کا لباس نکھرے اسی لئے راہب لوگ سیاہ لباس پہنتے تھے (روضۃ المسالک

پہاڑوں کی تخلیق حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو ہلنے لگی بلکہ ایک طرف جھک گئی۔ اللہ تعالیٰ زمین کے ان الجرات غلیظ کثیف سے جو زمین سے اوپر کو چڑھتے ہیں بوجہ اس کے ابال کے سے پہاڑ بنا کر کھڑے کر دیئے تاکہ زمین ساکن ہو اور اس کی وہ حرکت ختم ہو جائے جس سے وہ ہچکولے کھا رہی تھی۔ اسے جبل محیط کا طوق پہنایا اور وہ سبز رنگ کا ہے اور جبل کو بہت بڑے سانپ کا طوق ڈالا جس کا چہرہ دُم کو مس کر رہا ہے۔

ابدال کا ایک قدم ، حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ میں نے اس ابدال کو دیکھا جو جبل قاف پہ چڑھ گیا میں نے اس سے پوچھا کہ کوہ قاف کتنا اونچا ہے فرمایا اشراق میں نے اس کے نچلے حصے میں پڑھی اور عصر اس کی چوٹی پہ اس سے میں سمجھ گیا اس کا ایک قدم ہوا کیوں کہ ابدال کا ایک قدم مشرق سے مغرب تک ہوتا ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے شاید یہ بسط فی البسر کے قبیل سے ہے ورنہ احادیث سے ثابت ہے کہ آسمان دنیا کوہ قاف کے متصل ہے اور آسمان و زمین کے درمیان پانچسو سال کی مسافت ہے یہی مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت ہے جب یہ حال ہے تو پھر وہ خطوات متضاعفہ اس مسافت میں کب گنجائش رکھتے ہیں۔

فائدہ : خبر میں ہے کہ کوہ قاف کی آسمان میں سات شاخیں ہیں ہر آسمان کے لئے علیحدہ شاخ ہے ساتوں آسمان مقبب (قبہ دار) ہیں ہر آسمان کا قبہ اپنی شاخ سے ملا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے کوہ قاف کے آگے چھ اور کوہ قاف پیدا فرمائے ہیں جس کا ذکر ہو رہا ہے یہ ساتواں ہے ہر کوہ قاف نے اطراف ارض میں صخرہ (پتھر) پر میخیں گاڑی ہوئی ہیں کوہ قاف زمین کے ارد گرد ہوا پر کھڑا ہے۔

کوہ قاف کی تخلیق کا فائدہ بعض نے کہا کہ کوہ قاف کو اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ کی طرح پیدا فرمایا جو گویا ملک پر جھانکنے والا ہے تاکہ اہل ارض دوزخ کی گرم ہوا سے محفوظ ہوں (دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے)

قطب الاقطاب فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس میں قطب الاقطاب رضی اللہ عنہ کے وجود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کو جھانکنے والے کی طرح ہے اپنے جمیعت اسم اور عالی رتبہ کی حیثیت سے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ عالم کو صوری و معنوی آفات سے بچاتا ہے جیسے کوہ قاف جملہ جبال کو جھانکنے والے کی طرح ہے اس سے ہی اللہ تعالیٰ صبح و شام اہل ارض کی حفاظت فرماتا ہے۔

فائدہ : کوہ قاف کے آگے بحر محیط ہے جو کوہ قاف کو گھیرے ہوئے ہے اس کے آگے ایک اور کوہ قاف ہے دوسرا آسمان کا قبہ اس پر ہے اسی طرح اس کے آگے اور بحار (دریا) ہیں۔ جبل قاف کے ساتھ آسمانوں کی گنتی کے مطابق جو ہر آسمان کا قبہ اپنے نامزد دریا پر ہے۔

ملائکہ کی ڈیوٹی : ان دریاؤں میں اوران کے سواحل میں اور ان کی وہ خشک جگہ جو ان کے قبوں کے نیچے ہیں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وہی اللہ کی عبادت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

جبل قاف سے نہریں کوہ قاف سے تمام دنیا کی نہریں جاری ہیں جس سے ہر نیک و بد سیراب ہو رہا ہے بندہ جہاں جائے وہاں پانی پائے گا۔

فائدہ : اسی کوہ قاف کے آگے کا کوہ قاف عالم آخرت سے تعلق رکھتا ہے (وہ دنیا کے حکم میں نہیں)

چاندی کی زمین بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ قاف کے آگے ایک سفید زمین پیدا فرمائی ہے جو چاندی کی طرح صاف و شفاف ہے اس کا طول چالیس دن (شمسی) کے راہ کے برابر ہے اس میں فرشتے ہیں جو آنکھیں کھولے عرش پہ نگاہ رکھے ہوئے ہیں ان میں کوئی فرشتہ اپنے دائیں سے بائیں کو نہیں جانتا بوجہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت کے انہیں معلوم تک نہیں کہ آدم کون ہے اور ابلیس کون ان کا قیامت تک یہی حال ہے۔

قیامت کی زمین بعض نے کہا قیامت میں ہماری یہی زمین اسی زمین کی طرح تبدیل ہو جائے گی۔

فائدہ: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار عالم پیدا فرمایا ان کا ایک یہی عالم دنیا ہے اسی عالم دنیا کی زمین میں انس وجن کے سوا ایک ہزار امت پیدا فرمائی ہے چھ ہزار دریاؤں میں اور چار ہزار خشکی پر اور وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ سے فیض یاب ہو رہے ہیں ؎

چناں پہن خوان کرم گسترد
کہ سیمرغ درقاف قسمت خورد

ترجمہ:۔ جود وکرم کا دسترخوان اتنا فراخ بچھایا ہے کہ سیمرغ قاف (پہاڑ) میں اپنی قسمت کھا رہا ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ قسم ہے قرآن کی جو تمام کتب سے مجد وشرف والا ہے اس طرح سے یہ نسبت لاین و تا مروالی ہے یا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ مجید کا کلام ہے یعنی قرآن کو مجد سے وصف کرنا مجازی ہے ورنہ در اصل یہ وصف تو کلام والے کی ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ جو اس کے معانی جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ہاں مجد وشرف والا ہے اس وقت یہ اسناد سببی ہے جیسے کہا جاتا ہے بنی الامیر المدینۃ۔

فائدہ:۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ المجید وہ شرافت والی ذات کہ جس کے افعال جمیل اور جس کی عطا و نوال جزیل (بڑی) ہے اس تقریر پر مشرف ذات کے ساتھ جب حسن فعال بھی مقترن ہو تو وہ مجید و ماجد ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک مبالغہ پر زیادہ دلالت کرتا ہے (یعنی مجید) اور قسم کا جواب محذوف ہے وہ یہ کہ اے محمد (علیہ السلام) آپ عذاب الہٰی سے ڈرنے والے ہیں۔ **بَلْ عَجِبُوْآ** قریش کے فرعونوں اور ان کے سرکشوں کو تعجب ہے۔

اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ یہ کہ ان کے ہاں ایک ڈرانے والا وہ آیا ہے جو ان کی جنس میں سے ہے نہ کہ ملائکہ کی جنس سے جس سے جواب خبر دینا ہے اسی سے انزاب ہے یعنی انہوں نے اس میں شک وتردد کیا اور نہ صرف شک تردد پر اکتفاد کیا بلکہ اس کے خلاف جرأت کی اور اسے عجائبات سے بنا ڈالا بعض نے کہا کہ اس کا جواب محذوف ہے اس کی دلیل یہی لفظ بَلْ ہے کیوں کہ وہ ما قبل کی نفی کیلئے آتا ہے یہاں بھی منسمر نعل کی نفی دلالت کرتی ہے اصل عبارت یوں تھی قسم بجبل قاف الخ قسم ہے جبل قاف کی جس پر تمہاری دنیا کی بقا ہے اور قسم ہے قرآن کی جس پر تمہارے دین کی بنیاد ہے انہوں نے برہان ومعرفت سے نہیں جھٹلایا بلکہ انہوں نے تعجب کیا۔

فائدہ: التعجب بمعنیٰ نفس کا کسی امر خارج عن العادۃ پر نظر کرنا **فَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا**

شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۔ تو کافروں نے کہا یہ عجیب شے ہے یہ ان کے تعجب کی تفسیر اور بیان ہے کہ ان کا تعجب انکار کو مقترن ہے ۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ساتھ منذر ہیں خلاصہ یہ کہ کافروں نے کہا کہ مانا کہ منذر ہماری جنس کا ہے لیکن ہم سے کوئی کیوں نہ ہوا اور ساتھ جس سے یہ ڈراتے ہیں یعنی مرنے کے بعد اٹھانا یہ بھی ایک عجیب امر ہے کیوں کہ یہ تو بڑی مشکل سی بات اور عادت کے خلاف ہے ۔ یہ ان کی بہت بڑی جہالت کی دلیل ہے کیوں کہ انہیں تعجب ہوا کہ رسول بشر کیوں اور پتھر کو معبود بنانا واجب سمجھ لیا اور مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا حالانکہ روزمرہ کا معمول دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں جو شئے ہے وہ فانی ہے اور ہر روز دیکھ رہے ہیں کہ دن جاتا ہے تو رات آتی ہے خود یہ کام ان کے سامنے ہے کہ کئی ویران زمینیں آباد ہوئیں ان سے انگوریاں اور درخت اُگ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔

فائدہ : کافرین کی ضمیروں میں اشارہ ہے کہ یہ جملہ افعال کا انہی کی طرف اسناد ہے یعنی جتنا تعالے ہیں اُن کے ہیں ایسے ہی جو امور سحت و استقامت سے خالی ہیں وہ ان سب کا اسناد ان کی طرف ہے اس لئے کہ ایسے ٹیڑھے اقوال ان سے ہی سرزد ہو سکتے ہیں اسی لئے ان کے لئے اظہار کی ضرورت نہیں ۔

سوال : بالآخر انہیں ظاہر تو کیا ہے ۔ ابھی کہا فقال الکافرون الخ ۔

جواب : یہ بات کو پختہ کرنے کے لئے ہے کہ ایسے ٹیڑھے اقوال کہنے والے یہی ہیں اور ایسے اقوال کہنا کفر ہے ۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا (کیا جس وقت ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے) کیا جب ہم مریں گے اور ہماری ارواح اور اجسام ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے پھر ہمارے اور مٹی کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا پھر ہم لوٹیں گے اور اٹھیں گے جیسے نذیر و منذر کہتے ہیں اس میں اور ہمارے خیال میں بہت بڑا فرق ہے کہاں موت اور کہاں حیات ہمزہ انکار کا ہے یعنی نہ ہم لوٹیں گے اور نہ اٹھیں گے ذٰلِکَ یہ اشارہ محل النزاع کی طرف ہے یعنی مضمون اجر کی طرف ایسا لوٹنا (رجع) (لوٹنا)

حل لغات الرجع متعدی ہے بمعنی اسرر بخلاف الرجوع یعنی لوٹنا حیات کی طرف یا اس کی طرف جس میں ہم ہیں بَعِیْدٌ دور کی بات ہے وہم و فکر یا امکان یا صدق سے بعید ہے انہونی بات ہے کیوں کہ ہماری مٹی اور عام مٹی سے امتیاز غیر ممکن ہے ۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ بے شک ہمیں معلوم ہے کہ جو زمین ان سے کم ہوتی ہے) یہ ان کے بعید سمجھنے (بعث ونشور کو) کا رد اور ان کے اوہام کا ازالہ ہے یعنی ہم بہت قدرت نے مالک ہیں کیوں جس کا علم اس حد تک ہے کہ اسے وہ بھی معلوم ہو کہ ان کی موت سے کتنا قدر زمین گھٹ

جاتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان کے گوشت و پوست اور ہڈیاں کھاتی ہے تو پھر اس کے لئے کیا بعید ہے کہ وہ انہیں اکٹھا کر کے اٹھائے جیسے وہ پہلے تھے۔

نکتہ مِنْ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ زمین انسان کی ریڑھ کی ہڈی نہیں کھاتی کیوں کہ وہ بمنزلہ بیج کے ہے بنی آدم کے رجاء کے لئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ابن آدم کا جسم گل سڑ جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے اسی سے پیدا کیا گیا اسی سے مرکب ہوتا ہے۔

فائدہ: العجب بفتح العین وسکون الجیم بمعنی دُم کی جڑ یعنی شے کا پچھلا حصہ انسان کے اس حصہ میں ایک ہڈی ہے جیسے کوئی سوراخ نہیں وہ ذرہ برابر ہے یا رائی کے برابر ہے وہ بدن سے باقی رہتی ہے وہ گلتی سڑتی نہیں جب اللہ تعالیٰ انسان کو لوٹانے کا ارادہ فرمائے گا تو پھر اسی سے اسے بدن کو مرکب فرما کر اسے زندہ کرے گا۔

ردالوہابیہ ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام اجسام سمیت زندہ ہیں ان کے اجساد طاہرہ کو مٹی نہیں کھاتی ہے خلافاً للوہابیۃ چنانچہ ہند کے وہابیوں کا پیشوا اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان تراش کر لکھا کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں (معاذ اللہ) اس عقیدہ کی تردید صدیوں پہلے صاحب روح البیان نے فرمائی کہ:

ای غیر ابدان الانبیاء والصدیقین والشہداء فانہا لا تبلیٰ ولا تنفسخ الی یوم القیمۃ علی ما نص بہ الاخبار الصحیحۃ (روح البیان ص۱۴۱ ج۹) ترجمہ:- اولیاء وانبیاء وصدیقین وشہداء کے ابدان کے اسوا اس لئے کہ وہ نہ تو پھٹتے ہیں اور نہ گلتے ہیں بلکہ وہ قیامت تک اسی طرح رہیں گے جیسے ہیں جیسا کہ اخبار واحادیث صحیحہ نص ہیں

مسئلہ: ابن عطیہ نے فرمایا کہ وہ اجسام جنہیں زمین گھٹا (کھا) رہی ہے کی حفاظت اسی لئے تاکہ بعینہٖ انہی اجسام کو قیامت میں لوٹایا جائے یہی وہ حق ہے بعض اصولی اس طرف بھی گئے ہیں کہ وہ اجسام جو قیامت میں اٹھائے جائیں گے وہ ان کے غیر ہوں گے حضرت ابن عطیہ نے فرمایا یہ میرے نزدیک کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے کیوں کہ اگر مان لیا جائے کہ وہ اجسام ان اجسام کے غیر ہیں تو پھر قیامت میں انسان کے چمڑے اور ہاتھ اور پاؤں کافروں پر کیسے گواہی دیں گے اور دیگر وہ امور جو دنیا کے احکام سے متعلق ہیں کیسے صحیح ہوں گے۔

مسئلہ: شیخ الاسلام حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ جب اجسام گل سڑ جائیں گے تو جب اللہ تعالیٰ قیامت میں ان کے اعادہ کا ارادہ فرمائے گا تو کیا اصلی اجسام ہوں گے یا اور پیدا فرمائے گا آپ نے فرمایا اپنی اجسام دنیویہ کو واپس لوٹائے گا کوئی اور اجسام نہ ہوں گے اور فرمایا وھذا ھو الصحیح

سلہ ، اضافہ اویسی غفرلہٗ ؛

بلکہ فرمایا اگر کوئی اس کے خلاف کہتا ہے تو وہ میرے نزدیک خطار پر ہے کیوں کہ اس کا یہ قول قرآن وحدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

مسئلہ: اہل کلام (متکلمین نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان عناصر اصلیہ کو جمع فرمائے گا جو پیدائش کے وقت ساتھ تھے یعنی عناصر اربعہ اور روح اسی جسم میں لوٹائے گا اس کا اعادۃ المعدوم نام رکھو یا کوئی اور۔

سوال: کوئی کہے کہ قیامت میں جسم اوّل کا غیر ہے اس کی دلیل حدیث شریف میں ہے کہ اہل جنۃ جرد مرد (بالوں سے خالی یعنی صاف ستھرے جسم والے) اور جہنمی کا یہ حال ہوگا کہ اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اس سے تو تناسخ لازم آتا ہے (یعنی ایک روح دو جسموں سے متعلق ہونا) اور یہ باطل ہے۔

جواب: تناسخ تب لازم آئے جب مان لیا جائے کہ جسم ثانی جسم اوّل سے پیدا شدہ نہ ہو (جب ہم کہتے ہیں کہ یہ اجزار کی ضخامت اسی جسم کی ہے اور تناسخ میں دوسرا جسم ماننا ضروری ہے۔)

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ جسم کا لوٹنا انہی اجزار اصلیہ پر ہوتا ہے اور بعض زائد اجزار پر بھی اور اس سے وہی ریڑھ کی ہڈی مراد ہے تو گویا یہ وہی پہلا جسم ہی ہے اس تقریر پر تناسخ لازم نہیں آتا اور قاعدہ ہے وصف کے تغایر سے ذات کا تغایر لازم نہیں ہوتا۔

خضر علیہ السلام کا اعجوبہ وارد ہے کہ خضر (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) ہر ایکسو بیس سال پر نوجوان ہو جاتے ہیں حالاں کہ ان کے بڑھاپے اور جوانی کا ایک ہی جسم ہے۔

ابلیس کی جوانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس پر عرصہ دراز گزرتا ہے تو بوڑھا ہو جاتا ہے پھر اسے تیس سالہ نوجوان بنایا جاتا ہے۔[1]

مسئلہ: قیامت میں اجسام کے حشر کے متعلق علمار کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا انسان قیامت میں اسی پہلی کیفیت پر پیدا ہوں گے مثلاً، نکاح، تناسل، توالد یا اس سے قبل مٹی سے پھر نفخ روح جیسے آدم و حوا اور ان کی اولاد کا سلسلہ تخلیق ہوا وغیرہ وغیرہ جیسے عالم بشری میں سلسلہ تھا اور وہ تھوڑی سی مدت میں ہو جائیگا جیسا کہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے اسی طرف شیخ ابوالقاسم بن قسی گئے ہیں انہوں نے اپنی کتاب "خلع النعلین" زیر آیت کما بدأکم تعودون میں لکھا ہے۔

فائدہ: بعض نے فرمایا یہی اصح ہے خبر حدیث سے ثابت ہے چنانچہ مروی ہے کہ جو آسمان سے بارش

---

[1] یہ واقعات ثابت ہو جائیں تو جیسے ان کے اوصاف بدلنے سے تناسخ لازم نہیں آتا تو ایسے ہی قیامت میں اجسام کے اتغایر سے تناسخ لازم نہیں آتا۔

ہو گی وہ پانی منی کے مشابہ ہو گا اسی سے انسان کی نشاۃ آخرت ہو گی جیسے اس کی نشاۃ دنیوی نطفہ سے ہو
اور وہ قطرات بحرالحیاۃ سے آباد کے پشتوں پر گرینگے۔ اس سے ہی نشاۃ آخرۃ ہو گی جیسے نشاۃ دنیا میں
بحر حیات کے قطرات سے جسم رحم میں پلتا رہتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ پہلی نشاۃ کو اللہ تعالیٰ نے بلا مثال (جو
پہلے پائی جاتی ہو) کے پیدا فرمایا اور جیسے چاہا اسے مرکب فرمایا ایسے ہی آخرت میں بھی ایسے پیدا فرمائے گا کہ جس کی
پہلے کوئی مثال نہ ہو وہ ریڑھ کی ہڈی سے جو باقی رہے گی اس پر آخرۃ کی نشاۃ مرتب فرمائے گا۔

فائدہ: کما بدأکم تعودون' اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا اشارہ اسی طرف ہے کہ تمہاری تخلیق ایسی ہے کہ
اس کی کوئی مثال پہلے نہ تھی تو ایسے ہی آخرت میں ہو گا باوجودیکہ یہ نشاۃ کا گویا محسوس ہو رہی ہے کیوں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل جنۃ و نار کی نشاۃ آخرت کا ذکر ایسے طریقے سے بیان فرمایا ہے کہ وہ نشاۃ
دنیا کے مخالف ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی **وھواھون علیہ** (اور وہ اللہ تعالیٰ
پر آسان ہے) ہماری تقریر مذکور کے منافی نہیں کیوں کہ اگر پہلی تخلیق فکر و تدبیر کے اختراع سے ہو تو دوسری بھی
ایسے ہی ہو کہ جب اسے آخرت میں لوٹائے تو فکر و تدبیر کے اختراع سے یہ اس کے لئے جو پہلے اپنی تدبیر و فکر
سرانجام دیتا ہو اور اللہ تعالیٰ تو تدبیر و فکر سے منزہ ہے وہ کس سے استفسار کرے بلکہ وہ تو کل عالم کو فائدہ دیتا ہے
نہ کسی سے فائدہ اٹھاتا ہے نہ اس کا علم کسی دوسری شے سے بڑھتا ہے وہ تو غیر متناہی اشیاء کی تفصیل علم کل سے
جانتا ہے علم التفصیل اجمال کا عین ہے۔ اس کے لئے تفصیل و اجمال کیسا اور ایسی ذات کے لئے ایسے ہی ہونا
چاہیے۔

تقریر غزالی امام ابو حامد غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ ریڑھ کی ہڈی جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے وہ نفس
ہے کہ جس پر آخرت کی نشاۃ ہو گی۔ یہ ایسے ہے جیسے ایک درخت جس کی ٹہنیاں اور
جڑیں بے شمار ہیں لیکن ایک چھوٹے سے دانے سے پیدا کئے گئے ہیں جسے مٹی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی
انسان کا جسم ریڑھ کی ہڈی کے بیج سے ہے وہی گلنا سڑنا قبول نہیں کرتی۔ اسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
نفس سے تعبیر کرتے ہیں کیوں کہ وہ انسان کا مادہ و عنصر ہے (ایسے ہی بعض علماء نے تاویل کی ہے۔)

بایزید کی تقریر حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ ریڑھ کی ہڈی سے مراد جوہر فرد ورود
جزء واحد ہے جو تقسیم اور گلنے سڑنے کو قبول نہیں کرتا اس میں تو قابلیہ ھیولانیہ
ہے بلکہ وہی ھیولی نفس حیوانیہ کی صورت ہے۔ جو عناصر کے ان اجزاء کی حامل ہے جو ہیکل محسوس میں ہیں
اسے خالق اللہ تعالیٰ باقی رکھتا اور اسے تغیر اور گلنے سڑنے سے عالم کون و فساد میں محفوظ فرماتا ہے بلکہ نشاۃ
دنیویہ میں سب سے پہلے اسی کو پیدا فرمایا جس کے ابدان حیوانیہ بڑھے اور اسی پر ہیکل انسانی کا دارومدار

ہے اور آخرت تک باقی رہے گی جس سے آخرت کی نشاۃ ہوگی وہ تبدیل نہ ہوگی۔

فائدہ : یہ صرف احتمالات ہیں احکام اخرویہ کے متعلق اصول شرعیہ کے قادح نہیں اور یہ ایسی توجیہات معقولہ ہیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی مراد یہی ہو اسکے قول عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی سے)

تقریر شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر : مجھے کشف سے معلوم ہوا اس میں مجھے کسی قسم کا شک نہیں وہ یہ کہ عجب الذنب سے مراد وہ ہے جس پر نشاۃ انسانی قائم ہے وہ گلنے سڑنے اور فناء کو قبول نہیں کرتی کیوں کہ وہ جواہر و ذوات جو عدم سے وجود میں آئے ان کے اعیان معدوم نہیں ہوتے لیکن ان پر اخرویہ و برزخیہ امتزاجات سے مختلف ہوتی رہتی ہیں اور امتزاجات سے وہ عوارض مراد ہیں جو عزیز علیم کی تقدیس سے انہیں عارض ہوتے ہیں حسیہ صورتیں قبول ارواح کی استعداد پیدا کر لیتی ہیں جیسے گھاس میں آگ کے اشتعال کی استعداد ہوتی ہے ایسے ہی صور برزخیہ میں ارواح کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے تو پھر اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکتے ہیں وہ پھونک صور برزخیہ پر گزرتا ہے تو وہ ان کی روشنی کو بجھا دیتا ہے اس کے بعد دوسری پھونک مارتے ہیں تو وہ ان صورتوں پر گزرتا ہے جو اشتعال کیلئے مستعد ہیں یعنی نشاۃ آخرت کے لئے تو وہ ارواح سے روشن ہو کر کھڑے ہوجاتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے فاذا ھم قیام ینظرون ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں آمنین سے بنائے بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وعندنا کتاب حفیظ اور ہمارے ہاں محفوظ کتاب ہے۔ یعنی بہت بڑی حفاظت کرنے والی کل اشیاء کی تفاصیل کیلئے یا وہ محفوظ ہے تغیر سے۔ اس سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کے علم بکلیات الاشیاء والجزئیات کی تمثیل ہے ساتھ اس شخص کے علم سے جس کے پاس ایسی کتاب ہو جو ہر شے کو محیط ہو جس سے ہر شے حاصل کی جا سکے یا اس کے علم کی تاکید ہے (کہ وہ تمام اشیاء کی تفاصیل کو جانتا ہے) اس لئے یہ تفاصیل لوح محفوظ میں ثابت ہیں اور وہ لوح محفوظ اس کے ہاں ہے۔

بل کذبوا بالحق بلکہ انہوں نے حق کی تکذیب کی) ان کی شناعت سابقہ بیان کے بعد ان کے بعد اس سے زیادہ شنیع فعل کی طرف اضراب و انتقال ہے بلکہ ان کا یہ فعل بہت زیادہ خطرناک ہے یعنی نبوت کی تکذیب جو معجزات باہرہ سے ثابت ہے اس لئے کہ ان کی تکذیب ایک ایسے امر کے لئے ہے جو ثابت اور حق ہے لیکن بلا سوچے انہوں نے اس کی تکذیب کر ڈالی فلہذا یہ ان کے لئے بہت زیادہ خطرناک ہے بخلاف ان کے اول فعل کے یعنی ان کا تعجب کرنا اتنا خطرناک نہیں جتنا تکذیب ہے۔ لما جاءھم جب ان کے پاس آیا تو بغیر سوچے سمجھے تکذیب کر دی محض اپنے آباء کی تقلید پر اور سوچ بچار سے انہیں کچھ سمجھ آیا تو پھر ان کی تکذیب سرکشی اور عناد کی وجہ سے تھی۔

نکتہ: فعل جاء توقع کے لئے ہے اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی کی بلندی دیکھی اور معجزات جو آپ کی حقانیت کے شاہد تھے بھی دیکھے لیکن پھر بھی تکذیب سے باز نہ آئے یہ ان کا حسد اور بغاوت تھی۔ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ (تو وہ ایک مخلوط امر میں ہیں)

حل لغات: مریج مرج الخاتم فی اصبعہ انگشتری اس کی انگلی میں ادھر ادھر ہوئی بمعنی حرج (بالجیم دو جیموں سے) ہمچون فرح بمعنی قلق وجال واضطرب الخ یعنی اس کی انگلی کی کمزوری سے انگشتری ادھر ادھر ہوئی اب معنیً یہ ہوا کہ وہ لوگ ایسے امر مضطرب میں ہیں جسے کوئی قرار نہیں غلبۂ آفات الحس والوہم والخیال کے اوپر ان کے عقول کے اسی لئے وہ حق کی طرف راہ نہیں پلتے یہی وجہ ہے کہ کبھی جادوگر اور کبھی کاہن اور کبھی مفتری وہ کسی ایک ایک بات کو جم کر نہیں کہتے یہی ان کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان عالی کے متعلق صراحۃً اضطراب تھا اور پھر انہیں قرآن میں بھی ان کا اضطراب تھا کہ اسے کبھی شعر سے منسوب کرتے وغیرہ[1] اس کا سبب یہی تھا۔

---

[1] جس زمانے میں جناب رسالت مآب مبعوث ہوئے۔ اس وقت عرب میں شعر وشاعری کا بڑا چرچا تھا اور عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا اور حتیٰ کہ وہ اپنی زبان کے مقابلہ میں ساری دنیا کی زبانوں کو گونگی کہا کرتے تھے ان کے یہاں شعر موزوں کر دینا ایک بالکل معمولی بات تھی اُن کی لڑکیاں اور لونڈیاں ایسے اچھے برجستہ اشعار نظم کر دیتیں کہ اب بڑے بڑے ادیب غور وفکر کے بعد بھی نہیں کہہ سکتے۔ ایسی حالت میں خداوند عالم نے حضرت رسولِ کریم کو جہاں اور معجزات عطا کئے وہاں ایک قوی مستحکم، پائدار اور قیامت تک قائم رہنے والا معجزہ یہ بھی عطا فرمایا کہ قرآن کو نازل کیا اور وہ بھی اس دعوے کے ساتھ کہ کسی کو اگر اس کے کلام خدا ہونے میں شک ہو تو اس کے مثل کیا اس کی ایک صورت کے مثل ہی بنا لائے یا بنوا لائے۔ یہ امر مشرکین عرب کے نزدیک بہت باوقعت ثابت ہوا کیوں کہ ایک ایسا شخص جس نے نہ کسی سے کچھ پڑھا ہو نہ ایک سطر عبارت لکھی ہو نہ شعر نظم کیا ہو یکبارگی اتنا بڑا دعویٰ کرتا ہے تو ایسے شخص کا مقابلہ ادبی کمال کی موجودگی میں ان کے لئے ناممکن نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان لوگوں نے جہاں آنحضورؐ پر ساحر، کاہن اور مجنون ہونے کا الزام لگایا۔ وہاں سے بعض نے آنحضورؐ کو شاعر بھی کہا اور آپ کے منہ سے ادا ہونے والے کلام کو شاعری سے موسوم کیا۔ کیوں کہ قرآنی الفاظ کی جزالت اور سحر آفرینی لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اُترتی جارہی تھی۔ باتوں کا دلوں پہ اثر ہوتا تھا ان سے کہیں زیادہ کلام خدا سے لوگ متاثر ہو رہے تھے۔ چنانچہ معترضین نے آپ پہ شاعر ہونے کا الزام لگایا۔ مگر خدا نے واشگاف الفاظ میں اس کی تردید کر دی۔ چنانچہ سورہ یٰسین کی آیات ۶۹ بپ۲۲ میں ارشاد قدرت ہے اور ہم نے نہ اس (پیغمبر) کو شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ شاعری اس کی شان کے لائق ہے یہ (کتاب) تو بس (نری) نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فائدہ : یاد رہے کہ اضطراب ہی اختلاف کا موجب ہے کیوں کہ یہی اضطراب اس کی بطلان کی بہت بڑی دلیل ہے ایسے ہی ثبات وخلوص اتفاق کا موجب ہے اور یہی اس کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو قوم حق کو چھوڑتی ہے اس کا معاملہ ہمیشہ اضطراب میں رہتا ہے ایسے ہی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ ان پر ان کا دین ملتبس ہو جاتا ہے۔

حکایت : سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہودی نے کہا کہ تم نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیوں دفنایا انہیں نہ دفناتے تو تمہارے میں اختلاف برپا نہ ہوتا آپ نے فرمایا انما اختلفنا عندلا فیہ ہمارا اختلاف ان کی وجہ سے ہے نہ کہ ان کی ذات میں اور تم تو (اے یہودیو) وہ ہو کہ ابھی دریا سے نکل کر تمہارے پاؤں بھی خشک نہ ہوئے تھے تو کہنے لگے اجعل لنا الٰہا کما لھم الٰہۃ ہمارے لئے معبود مقرر فرما جیسے ان کے معبود ہیں) اس جواب سے یہودی لاجواب ہو گیا۔

حکایت : بزرجمہر حکیم کو لوگوں نے کہا آل ساسان کا معاملہ کیوں گڑبڑ ہوا جب تمہارا جیسا دانا انہیں موجود تھا جواب دیا کہ انہوں نے نااہلوں کو بہت بڑے اہم امور سپرد کر دیئے پھر ان کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

پندم اگر بشنوی اے پادشہ
در ہمہ دفتر بہ ازیں پند نیست
جز بخردمند مفرما عمل
گرچہ عمل کار خردمند نیست

ترجمہ (۱) میری نصیحت اگر تم سنو اے بادشہ، تمام دفاتر میں اس سے بڑھ کر اور کوئی نصیحت نہیں۔
(۲) عقلمند کے سوا کسی دوسرے کو کام سپرد نہ کر۔ اگرچہ کام عقلمند کے لائق نہیں۔

حلاج منصور رحمۃ اللہ علیہ کی حقانیت حضرت حلاج منصور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مسلمان علماء نے مضطرب ہو کر ان کے قتل کا فتویٰ دیا تو ملک کے حالات مضطرب

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) تاکہ جو زندہ (دل عاقل) ہو اُسے (عذاب سے) ڈرائے اور کافروں پر (عذاب) کا قول ثابت ہو جائے اور حجت باقی نہ رہے۔ اس کے علاوہ مخرب اخلاق باتیں نظم کرنے والے اور بے ہودہ خیالات پھیلانے والے شعراء کے بارے میں سورۃ الشعراء کی آیات ۲۲۴ تا ۲۲۶ میں ارشاد ربانی ہے[1] اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ جنگل میں سرگرداں مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔

ہو گئے یہاں تک کہ وقت سے وزیر کے مکانات جلا دیئے گئے پھر اسے قتل کر دیا گیا پھر بادشاہ کی باری آگئی اس کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ سب کو معلوم ہے۔

مولانا رومی قدس سرہٗ کے والد مرحوم کی کہانی

وزیر نے سلطان العلماء یعنی حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ کے والد گرامی کو بلخ سے شہر بدر کرایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تختہ الٹ دیا اور انہیں ایسی ذلت میں مبتلا کیا کہ ان پر زندگی دوبھر ہو گئی بالآخر ان کے بہت بڑے دشمن نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ ان میں تفسیر کبیر کے مصنف بھی تھے لیکن انہوں نے خود کو چھپا کر جان بچائی لیکن پھر بھی نہ بچ سکے ان کا حال دشمن کو معلوم ہو گیا اسی لیے انہیں چھپنے سے کوئی فائدہ نہ ہوا حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا،

در چنان ننگے و انگہ این عجب
فخر دین خواہد کہ گویندش لقب

ترجمہ: ایسا (ننگ و عار) پھر اس سے کیا تعجب وہ چاہتا ہے کہ اس کا لقب فخر دین ہو۔

کفار مکہ کفار مکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں مضطرب ہونے کہ آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُلٹا انہیں قتل کرا کے مکہ اہل ایمان کے قبضہ میں دیدیا۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا (تو انہوں نے نہیں دیکھا) یعنی کیا ان پر غفلت چھا گئی ہے کہ نہیں دیکھ رہے ورنہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیوں ہے اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ (آسمان جو ان کے اوپر ہے) یہاں تک کہ اسے ہر وقت دیکھ رہے ہیں یعنی عدم سے وجود کی ایجاد اور خلق عالم میں قدرت الٰہی کے آثار ہر وقت دیکھ رہے ہیں۔ اور فَوْقَهُمْ يَنْظُرُوا کا ظرف یا اسماء سے حال ہے كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا ہم نے اسے کیسے بنایا یعنی اسے ستون کے بغیر اونچا کیا وَ زَيَّنّٰهَا اور اسے ہم نے سنگارا ستاروں سے جو عیب نظام سے مرتب ہیں۔ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ اور اس میں کہیں رخنہ نہیں صفائی سے اور ہر عیب و خلل سے سلامتی ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (کیا دیکھتے ہو اس میں کوئی رخنہ ہے) یہ اس کے لئے دروازوں کے وصف نہیں اور نہ ہی اس کے اوپر چڑھنے کے راستوں کے منافی ہے کیوں کہ دروازے اور راستے عیب میں سے نہیں اور نہ ہی انہیں خلل سمجھا جاتا ہے۔

فائدہ: غالباً اس جملہ کی تاخیر فواصل الآیات کی وجہ سے ہے۔

حل لغات الفروج فرج کی جمع ہے دو چیزوں کے درمیان کا خلا جیسے دیوار کا سوراخ اور دو پاؤں کے درمیان کا سوراخ یعنی مرد و عورت کی شرمگاہ اور یہ لفظ شرمگاہ کے لئے ایسا کثیر الاستعمال ہے گویا فرج شرمگاہ کے لئے صریح ہے اور استعارۃً ثغر اور ہر خوف والی شے کو کہا جاتا ہے

۱۰۔ جو قبا پھٹی ہوئی اسے بھی فروج اسی لئے کہا جاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فروج قبا زیب تن فرما کر پھر اسے اتار دیا۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا اور ہم نے پانی پر زمین کو بچھایا پھیلایا پانچ سو سال کی مسافت تک جس کا آغاز کعبہ معظمہ سے ہوا۔

سائنس دور حاضرہ اس سے معلوم ہوا کہ زمین دراز ہے گیند کی طرح گول نہیں۔[۱] لیکن یہ بھی ہے کہ گیند کی طرح ہو کیونکہ اس کی وسعت اس کے منافی نہیں: جیسا کہ ہم نے اپنے مقام پر اس کی تحقیق کی ہے۔ وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ اور ڈالے اس میں لنگر یعنی پہاڑ جن کے ذریعے زمین مضبوط بندھی ہوئی ہے اگر اس پر پہاڑ نہ ہوتے تو وہ ہچکولے کھاتی ہوئی مختلف جہات کی طرف جھک جاتی جیسے پہلے تھی

تردید سائنس دور حاضرہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو ہچکولے کھانے لگی ملائکہ کرام نے کہا اگر اس کی یہی حالت رہی تو کوئی بھی اس پر نہیں ٹھہر سکے گا پھر پہاڑ کھڑے کئے گئے اس سے اس نے استقرار پایا۔[۲] ملائکہ کرام حیران رہ گئے کہ یہ کس سے پیدا کئے گئے۔

حل لغات رواسی رسا الشیٔ سے ہے بمعنی ثبت اور پہاڑوں کو اس سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ پہاڑوں کو ہلتی زمین کو قرار دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

اولیاء کے طفیل اسمیں اشارہ ہے کہ رجال اللہ (اولیاء کرام) زمین کے اوتاد (میخیں) ہیں اور آسمانوں کے لئے معنوی عمد (ستون) ہیں جب وہ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو زمین پر کوئی ایک بھی اللہ۔ اللہ کہنے والا نہ ہوگا پھر زمین بھی نہیں رہے گی۔

وَاَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ اور ہم نے اگائے۔ اس میں ہر طرح کے جوڑے زوج بمعنی صنف (قسم) مثلاً کہا جاتا ہے ازواج من نبات شتّی، مختلف انگوریوں کی قسمیں یعنی ایک دوسرے کی ہمشکل قسمیں بہیج

---

[۱] زمین کے لئے سکون (ساکن ہونا) اہل اسلام کا قول ہے اور یہی حق ہے۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔
"زمین در حب رو ساکن فلک در عشق رو شیدا"
ترجمہ: (زمین اس کی محبت میں ساکن اور فلک اس کے عشق میں شیدا۔)
یہی دور سابق کی سائنس کہتی تھی چنانچہ صرف اسی موضوع پر سر سید علی گڑھی (نیچری) نے کتاب لکھی ہے۔ جبل متین در سکون زمین جو مقالہ شاہنزدہم لاہور میں حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ لیکن سائنس دان ایک بات پر قائم نہیں رہتے ان کے اصول بدلتے رہتے ہیں الحمدللہ اسلامی اصول اٹل ہیں نہ بدلے اور نہ ہی قیامت تک بدل سکتے ہیں۔ ع
زمانہ بدلے لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا۔[۲] کشف الاسرار۔ اویسی غفرلہ

رونق دار حسین خوش ذائقہ پھل۔ انگوریاں، درخت۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا " ذات بہجۃ " رونقدار اور اس کے حسن سے رونق پاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ البہجہ بمعنی خوش رنگ۔ اور اس سے سرور کا ظاہر ہونا کہا جاتا۔ ابتہج کہذا بمعنی سُرَّ بہ اخ وہ اس سے خوش ہوا اور خوشی آنا اور اس کے چہرے پر ظاہر ہوئے (المفردات)

تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى راہ دکھانے اور نصیحت کے لئے) یہ دونوں افعال مذکورہ کی معنیٰ علت ہیں بطریق تنازع کے فعل اخیر سے منصوب ہیں یا بطریق استیناف کے فعل مقدر سے منصوب ہیں یعنی ہم نے کیا جو کچھ کیا راہ دکھانے اور نصیحت کیلئے یعنی عبرت دلانے اور استدلال کے لئے ان کا منصوب علی المصدریہ بھی ہو سکتا ہے اس وقت ان کا فعل مقدر ہے یعنی نبصرھم بتبصرۃ و نذرھم ذکری۔ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ہر اس بندے کیلئے جو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کے عجیب صنائع میں غور و فکر کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں مقام تبصرہ و ذکری تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف عبودیت اور انابت جو طریقت کی بنا د واساس ہے بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ان احسانات کی معرفت جو بندے پر ہیں کا نام تبصرہ ہے اور انہیں ہر حال میں اپنے نفس کو بتانا ذکریٰ ہے تاکہ شکر میں مشغول رہے کہ اس کے ساتھ کتنا بہترین معاملہ کیا گیا ہے بعض نے فرمایا کہ تبصرہ و ذکری دونوں نام ہیں شریعت و طریقت کے تبصرہ حقیقت ہے اور ذکری شریعت ہے وحقیقت مکاشفہ شریعت خدمت ہے اور حقیقت عزبت ہے بر مشاہدہ اور شریعت بے پایہ ہے وحقیقت بے خودی ہے اہل شریعت فرائض گذار اور معصیت شعار اور صاحبان حقیقت از خویشتن گریزان اور صرف ایک طرف بھاگنے والے اہل شریعت کا قبلہ کعبہ ہے اور اہل حقیقت کا قبلہ عرش کے اوپر اہل شریعت میدان حساب (موقف محشر) ہے اور اہل حقیقت کا میدان حساب حضرت سلطان اہل شریعت کا ثمرہ بہشت ہے اور اہل حقیقت کا ثمرہ لقائے و رضائے رحمٰن۔

(سبق) عاقل پر لازم ہے کہ وہ ذکر حکیم میں مشغول اور اس کی صفت عظیم میں غور و فکر کرے اور اس کی ایسی توحید کا قائل ہو جو اس کی جناب کریم کے لائق ہو اور اس کی طرف ایسا رجوع کرے کہ تا قیامت اسے کسی طرف رجوع نہ کرنا پڑے۔

حکایت: ایک بوڑھا حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے بے شمار گناہ کئے ہیں اب چاہتا ہوں کہ گناہوں سے توبہ کروں آپ نے فرمایا بڑی دیر سے آیا ہے بوڑھے نے کہا بہت جلد آیا ہوں آپ نے فرمایا وہ کیسے عرض کی کہ جو موت سے پہلے توبہ کرے وہ جلد آیا آپ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو بہت خوب آیا ؎

بار ہائے خویش اجرے سبک گردان کہ نیست
تنگنائے مرگ را گنجہائے این بارہا

ترجمہ: اپنے بوجھ کو ہلکا کر اس لئے کہ موت کی گھاٹی تنگ ہے ایسے بڑے بوجھوں کی گنجائش نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بیا تا بر آریم دستی ز دل
کہ نتواں بر آورد فردا ز گل

ترجمہ: آئیے تاکہ دل سے ہاتھ اٹھالیں کیوں کہ کل مٹی سے ہاتھ باہر نکلنا مشکل ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا یعنی لوگوں اور جانوروں کی حیات اور ویران زمین کی آبادی کو بہت بڑا مفید ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ بارش کا پانی زمین کے اجزاء میں سال بھر رہتا ہے جس سے انگوری نکلتی ہے۔ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ تو ہم نے اگائے اسے پانی سے جَنّٰتٍ، باغات یعنی بہت بڑے درخت ثمرہ دار، محل کا ذکر کے حال مراد لی ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا فاخرجنا به ثمرات تو ہم نے اس کے ذریعے ثمرات نکالے۔ وَحَبَّ الْحَصِيْدِ اور کھیتی کے دانے یہاں موصوف محذوف ہے یہ بصریوں کا مختار مذہب ہے مسجد الجامع کے قبیل سے ہے تاکہ اضافۃ الشئی الی نفسہ لازم نہ آئے الحصید بمعنی کھیتی کاٹی ہوئی لحصید بمعنی محصود ہے لیکن یہاں مجازاً کھیتی کے معنیٰ میں ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس کھیتی کے دانے جس کی شان ہے کہ وہ کاٹی جائے جیسے گندم، جو، دیگر وہ اجناس جن سے انسان کی غذا تیار ہوتی ہے اور حب دانے کی تخصیص اس کے مقصود بالذات ہونے کے ہے۔ وَالنَّخْلَ اس کا عطف جنات پر ہے اگرچہ اس کا اندراج جنات میں ہو چکا ہے لیکن اس کی فضیلت و بزرگی کی وجہ سے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے اس کے بعض اوصاف سورۃ یٰسین میں مذکور ہو چکے ہیں اور الحب کو درمیان میں لانے میں اس کے استقلال کی تاکید اور باقیوں سے اسے ممتاز ظاہر کرنے کے علاوہ فواصل الآیات کی رعایت بھی ہے۔ بٰسِقٰتٍ لمبی آسمان کی جانب اور عجیب الخلقۃ ہیں۔ باسقات صفت مقررہ ہے کیوں کہ انبات کے وقت تو کھجور لمبی نہیں ہوتیں۔

حل لغات

بسقت الشجر بسوقا سے ہے بمعنی طالت (طویل ہو گئی ہے)۔

المفردات میں ہے الباسق وہ شے جو اوپر کو جائے اسی سے ہے بسق فلان علی اصحابہ وہ اپنے ساتھیوں سے اونچا ہوا اور یہ بھی جائز ہے کہ باسقات بمعنی حوائل ہو بسقت الشاۃ بمعنی حملت (بکری حاملہ ہوئی) اس معنیٰ پر ارباب افعال ہے۔ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ اس کے لئے ہیں گابھے تہ بہ تہ۔ نضید بمعنی منضود ہے یہاں تمام گابھوں کا تہ بہ تہ ہونا مراد ہے یا اسمیں کثرۃ ثمرات مراد ہے یہ جملہ النخل

سے حال ہے۔

حل لغات نضدت المتاع بعضہ علی بعض بمعنی القیتہ یعنی میں سامان کے بعض کو بعض پر ڈالا اور المنضد وہ سریر (چارپائی۔ تختہ وغیرہ) جس پر سامان ڈالا جائے اسی سے طَلْعٌ نَّضِيْدٌ مشتق کیا گیا ہے۔

(المفردات) النضد والنضید ایک دوسرے پر رکھنا الطلع وہ شے کسی دوسری شے سے ... کہ گویا وہ دو جوتے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور جو شے ان کے درمیان ہو اسے منضود کہا جائے گا یا وہ شے جو ثمرہ ہے سب سے پہلے ظاہر ہو اس کی کھال کو الکفری (بضم الکاف والفاء وتشدید الراء) کہا جاتا ہے اور جو اس کے اندر کے حصے میں ہے اسے الاغریض کہا جاتا ہے بوجہ اس کی سفیدی کے۔ (القاموس)

بحر العلوم میں ہے کہ الطلع وہ شے جو کھجور سے طلوع کرنے قبل اس کے کہ وہ چر جائے اسے الکم کہا جاتا ہے اور جو اس حکم سے ظاہر ہو اسے طلع بھی کہتے ہیں وہ ایک سفید شے ہے جس کا رنگ دانتوں کے اور اس کی بو منی کے مشابہ ہوتی ہے۔ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ (رزق بندوں کے لیے) یعنی ان کا رزق ہے یہ علت ہے فانبتنا کی۔

نکتہ: پہلے ربتنا کی تعلیل تبصرہ وذکری اور اس میں رزقًا الخ میں اشارہ ہے کہ انسان ان چیزوں سے نفع اٹھاتے وقت رزق سمجھنے کے بعد تبصرہ وذکری پر نگاہ رکھے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن بہر خوردن است

ترجمہ: کھانا جینے اور ذکر کرنے کے لئے ہے تیرا خیال ہے کہ جینا صرف کھانے کے لئے ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ پہلی آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال ہے کہ وہ اتنا بڑی چیزوں پر قادر ہے اس میں انبات کا ذکر بطریق تبع ہے اسی لئے اس کی تعلیل تبصرہ وتذکرہ مناسب ہے دوسرے انبتنا میں بیان ہے کہ ان بڑی چیزوں سے نفع اٹھانا چاہیے۔ اسی لئے اس کی تعلیل رزقًا للعباد مناسب ہے اسی لئے اسے پہلی سے مؤخر کیا گیا کیونکہ شے کے منافع اس کی پیدائش پر مرتب ہوتے ہیں۔

اعجوبہ بہشت کی کھجوریں جڑ سے لے کر تا آخر پھل سے تہ بہ تہ ہوں گی بخلاف دنیوی کھجوروں کے کہ ان کا ثمر صرف آخری حصہ پر ہوتا ہے اور آخرت کی کھجوروں کا یہ حال ہے کہ جب ان کا ثمر توڑ لیا جائے گا تو دوسرا ... آنے کی جب کہ وہ مکھن سے نرم تر اور شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی یہ دنیوی کھجوریں آخرت کی

کھجوروں کی بادڑہاں کے لئے ہیں اور یہ ہر دونوں بندگان خدا کی رزق ہیں۔ چنانچہ فرمایا ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا " ان کے لئے رزق ہیں صبح اور شام و احیینابہ اور اس کے ذریعے ہم نے آباد کیا۔ بَلْدَۃً مَّیْتًا شہر ویران۔

سوال : بلدۃ مونث۔ میتاً مذکر پھر موصوف وصفت میں مطابقت کیسی۔

جواب : بلدۃ مؤول ہے بتاویل بلد ومکان یعنی ویران زمین کہ جس پر آبادی نہ ہو۔ یعنی ہم نے اس ویران زمین کو بڑھایا اور قسم وقسم کی انگوریاں اور پھل پھول اگلنے یہاں تک کہ خشکی کے بعد لہراتی ہوئی رونق دار بن جاتی ہے۔

حدیث شریف : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بارش ہوتی یہاں تک کہ پرنالے چل پڑتے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ اس سال تم پر قحط نہیں آئے گی۔

کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ "ایسے نکلنا ہے" اس جملہ میں خبر مقدم ہے۔ بوجہ قصر کے اور ذلک کا اشارہ اس حیات کی طرف ہے جو اَحْیَیْنَا بِہٖ میں ہے۔ یعنی تمہاری اس عجیب حیاۃ کی طرح تمہارا مرنے کے بعد اٹھنا ہوگا

حدیث شریف : مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ چالیس راتیں مینہ برسائے گا جو مردوں کی منی کی طرح ہوگا جو زمین میں داخل ہوگا تو اس سے انسانوں کے چمڑے، رگیں، ہڈیاں پیدا ہوں گی اس کے بعد انہیں زندہ کرکے زمین کے اندر سے اٹھائے گا۔

نکتہ : اخراج النبات من الارض کو احیاء سے اور حیاۃ الموتیٰ کو خروج سے تعبیر کرنے میں اثبات کی تفخیم شان اور امر بعث کی آسانی کی طرف اشارہ ہے اور اخراج النبات واحیاء الموتیٰ میں مماثلت کو محقق کرنا ہے تاکہ قیاس کا طریقہ واضح اور لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

فائدہ : کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اگر کوئی تامل کرے دانہ کے احیاء کے بارے میں تو مرنے کے بعد اٹھنے کا مسئلہ سمجھ آجائے گا اس لئے کہ مردہ دانہ کی طرح مٹی میں ہوتا ہے تو جس طرح وہ قادر اس دانہ کو مٹی سے باہر کرکے ایک لہراتا ہوا کھیت بنا سکتا ہے تو وہ مردوں کو قبور سے نکال کر زندہ کرسکتا ہے ؎

کدام دانہ فروشد کہ بر نیامد باز
چرا بدانہ انسانیت گمان باشد
فروشدن چو بدیدی بر آمدن بنگر
غروب شمس و قمر را چرا زیان باشد۔

ترجمہ، وہ کونسا دانہ ہے جو زمین میں جاکر باہر نہ آئے تو انسانیت کے دانہ پر گمان کیوں۔ دانے کا زمین جاتے دیکھتا ہے تو نکلتا ہوا بھی دیکھ سورج و چاند کو غروب سے نقصان نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ فیض الٰہی کا پانی ارواح کے آسمان سے اُترتا ہے تو اللہ تعالیٰ انہی قلوب کو حیاۃ بخشتا ہے اور ایسے ہی قلوب میں محبت کا وہ دانا اُگاتا ہے جس کی ماسوی اللہ سے محبت نہیں ہوتی اور ایسے ہی شجرہ التوحید پیدا کرتا ہے کہ اس کے نہ بہ نہ گابھے یعنی قسم وقسم کے معارف یہ سب ان بندوں کے رزق ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتے ہیں وہی انہیں کھلاتا پلاتا ہے اور وہ اس فیض کے ذریعے ویران قلب کے شہر کو نورِ الٰہی سے زندہ کرتا ہے جیسا کہ فرمایا" اومن کان میتا فاحییناه وجعلنا له نوراً الآیۃ کذالک الخروج ایسے ہی نکلتا ہے ظلمات الوجود سے واجب الوجود کے نور کی طرف (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

تفسیر عالمانہ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ اہل مکہ سے پہلے تکذیب کی قَوْمُ نُوحٍ نوح علیہ السلام کی قوم نے اس سے بنی شیث و بنی قابیل مراد ہیں انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ اور کنویں والے۔ رس ایک کنواں تھا عدن میں ان لوگوں کے لئے جو ثمود کا بقایا تھے ان کا بادشاہ عادل اور اچھی سیرت والا تھا اس کا نام عینی بیجون ز بیر تھا وہ کنواں سارے شہر کو پانی پلاتا تھا ایسے ہی تمام دیہاتوں کو بلکہ ان کے تمام جانور (بکریاں، بھیڑیں، گائیں کیوں کہ اس پر ہر طرف سے لکڑیاں رکھ دی گئی تھیں (بکرات، بکرہ، بالفتح کی جمع ہے بمعنی وہ دائرہ دار لکڑی اس کے درمیان میں بڑی لکڑی ہوتی جس پر پانی کھینچا جاتا اس پر بہت آدمی مقرر تھے جو حوضوں میں پانی ڈالتے رہتے تھے۔ (ا ازن) بالزاد والنون سنگِ مرمر سے بنائے ہوئے حوض کے مشابہ دکھائے) جو لوگوں کے لئے ہر وقت پانی تیار رکھتے۔ القاموس میں ہے کہ الازن (مثلثۃ الاول) وہ حوض جس میں غسل کیا جاتا ہو آبزن کا معرب، دوسرا ایک حوض جانوروں کے لئے تھا گائیں بکریوں کا علیحدہ تھا اور کیڑے مکوڑوں کا علیحدہ۔ پانی کھینچنے والے رات دن ان حوضوں کو پُر کرنے میں لگے رہتے جو باری باری ان حوضوں کو پُر کرنے رہتے تھے اور ان لوگوں کیلئے سوائے رس کنویں اور کوئی پانی نہ تھا اس بادشاہ نے طویل عمر پائی لیکن جب آئی تو اسکو کو تیل ملاتا کہ اس کی شکل وصورت نہ بگڑے اور نہ ہی بدبو پھیلے اور نہ ہی میت سڑے۔ ایسے کرتے لیکن بادشاہ تو ان کے ہاں محترم ترین تھا اسی لئے اور زیادہ اہتمام کیا گیا مگر اس کی موت کا صدمہ برداشت نہ کرسکے یہی سمجھا کہ اس کے مرجانے کے بعد ہمارا معاشرہ و معاش بگڑ جائے گا۔ اسی لئے اس کے فراق میں تمام لوگ شب و روز روتے تھے شیطان نے اسے غنیمت سمجھ کر بادشاہ کی شکل میں متشکل ہوکر ایک عرصہ کے بعد آیا اور کہا کہ میں مرا نہیں لیکن تمہارے سے اوجھل ہوگیا تاکہ دیکھوں میرے بعد تم کیا کرتے ہو اس سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ شیطان نے کہا کہ درمیان میں ایک پردہ لٹکادو

تاکہ میں تمہارے ساتھ بوقت ضرورت باتیں کرسکوں اور موت کا بھی کسی کو علم نہ ہو۔ اس کے ساتھ خواص کو کہا کہ یہاں ایک بت نصب کرو وہ نہ کھائیگا نہ پیئے گا اور نہ ہی مرے گا اور یہی ان کا معبود ہے۔ ایسے ہوا جیسے شیطان نے کہا پھر شیطان ان کے بادشاہ کی زبان میں بولتا جس کی اکثر نے تصدیق کر دی لیکن تھوڑے ایسے رہ گئے جنہوں نے اس کی تصدیق نہ کی وہی مومن تھے بعض ان میں شک میں پڑ گئے۔ اب کیفیت یہ ہو گئی جو اس کو سمجھاتا تو وہ مقہور و مغضوب ٹھہرتا یہانتک کہ سب اس کی عبادت میں متفق ہو گئے۔

حنظلہ بن صفوان نبی علیٰ نبینا وعلیہ السلام

ان لوگوں کی طرف حضرت حنظلہ مبعوث ہوئے آپ نے سمجھایا کہ یہ بت ہے اس میں روح نہیں اس میں شیطان بولتا ہے وہی ان سب کو گمراہ کر رہا ہے ورنہ معبود حقیقی تو ایسی صورتوں سے منزہ اور پاک ہے اور بادشاہ بھی کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا کیسے شریک ہوسکتا ہے نبی علیہ السلام نے انہیں خوب ڈرایا۔ دھمکایا اور خوب وعظ ونصیحت فرمائی اللہ کا عذاب وعتاب اور اس کی سزا سے خوب آگاہ کیا لیکن ان بدبختوں نے ماننے کے بجائے نبی علیہ السلام کو اذیتیں دیں بلکہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے لیکن آپ ان کی نصیحت و وعظ سے باز نہ آئے ان بدبختوں نے نبی علیہ السلام کو شہید کر کے اسے کنویں میں ڈال دیا۔ ان کی اس بدبختی سے ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ رات کو تو پانی سیر ہو کر پیا صبح کو اٹھے تو کنویں سے پانی غائب تھا۔ اب روئے اور خوب روئے پانی کے نہ ہونے پر عورتیں، بچے، جانور مرنے لگے پھر موت عام ہونے لگی یہاں تک کہ سب کے سب لقمۂ اجل ہو گئے اب ان کے گھروں اور مکانوں میں لومڑیاں۔ درندے جانور وغیرہ بس گئے ان کے باغات اجڑ گئے اور اموال واسباب تباہ ہو گئے باغات کی جگہ پر کانٹے دار درخت پیدا ہو گئے۔ ان کے شہروں اور بستیوں میں ہُو کا عالم تھا۔ شیروں وغیرہ کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی قہر وغضب اور ان گناہوں پر اصرار سے پناہ مانگتے ہیں جو اس کے عذاب وعتاب کا سبب بنے۔ (آمین)

فائدہ: بعض نے کہا کہ رس ایک کنواں تھا جو یمامہ کے قریب واقع تھا یا آذربیجان کا کنواں مراد ہے یا وہ ایک وادی تھی جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ع۔ فہو کوادی الرس کالید للفم

ترجمہ:۔ وہ وادی اس کی طرح ایسے ہے جیسے ہاتھ منہ کیلئے

اس کی مکمل تشریح سورۃ الفرقان میں گزری تفصیل کا خواہان اسی روح البیان کی سورۃ الفرقان کا مطالعہ کرے۔

لہ: تکملہ ناقلا عن تفسیر المظہری ۱۲:

وَثَمُوْدُ ۝ اور ثمود کی قوم کے جن کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے ثمود بن عاد یعنی دوسرے عاد کا بیٹا اور پہلا عاد ارم تھا اور یہی پہلا عاد تھا (وَعَادٌ) اور عاد نے تکذیب کی ہود علیہ السلام کی (وَفِرْعَوْنُ) اور فرعون نے تکذیب کی حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیٰ نبینا علیہم السلام کی لیکن فرعون سے فرعون کی قوم مراد ہے تاکہ ماقبل و مابعد کے درمیان مناسبت رہے[۱]۔

وَاِخْوَانُ لُوْطٍ اور لوط علیہ السلام کے رشتہ داروں نے لوط علیہ السلام کی تکذیب کی یہاں پر اخوان سے اصہار مراد ہیں اصہار صہر کی جمع ہے داماد اور بہنوئی کو کہا جاتا ہے یہاں وہی مراد ہیں۔
بعض نے کہا کہ آپ کی قوم مراد ہے جو آپ کے نسب کے لوگ تھے نہ کہ آپ کے دینی اخوان۔

اعجوبہ حضرت عطار نے کہا کہ قیامت میں ہر نبی علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ اٹھے گا سوائے لوط علیہ السلام کے کہ آپ اکیلے اُٹھیں گے یعنی آپ کے ساتھ برادری کے لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ آپ کے غیر ہوں گے[۲]

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ (اور جھاڑی والے) وہ جن کے ہاں شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ اہل مدین کے علاوہ تھے وہ ایکہ میں رہتے تھے یعنی جنگل جہاں صرف بیری اور پیلو کے درخت تھے۔ اس کی تفصیل سورۃ الحجر میں گزری ہے۔

وَقَوْمُ تُبَّعٍ (اور تبع کی قوم) تبع حمیری مراد ہے یعنی یمن کا بادشاہ اس کا تفصیلی بیان سورۃ دخان میں گزرا ہے[۳]۔ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ -ان سب نے رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی ان امور

---

[۱] : کیوں کہ ماقبل و مابعد میں قوم کا ذکر ہے اسی لئے یہاں بھی قوم فرعون مراد ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ خود فرعون مراد نہیں یہ غلط ہے کیوں کہ فرعون نے بھی تکذیب کی تھی اور وہ بھی مراد ہے اس لئے کہ قوم ردنیٰ غیر مذکور مراد ہے تو اعلیٰ مذکور کیوں مراد نہ ہو اور علم اصول کا قاعدہ ہے کہ اعلیٰ کے ذکر سے ادنیٰ متضمنا مراد ہوتی ہے سو یہاں بھی وہی ہے یہ تفصیل ہم نے اسی لئے کی ہے کہ بعض جہلا رفرعون کے مومن ہونے کے قائل ہیں۔ تفصیل ہم نے پارہ ۱۱ کے حاشیہ پر لکھدی ہے : ۱۲ ، اویسی غفرلہ

[۲] : کیوں کہ آپ کی برادری کے لوگ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُمتی تھے آپ سدوم و دیگر بستیوں کی طرف غیر لوگوں میں بھیجے گئے (اویسی غفرلہ)

[۳] : فقیر نے سورۃ دخان میں کچھ عرض کر دیا تھا یہاں بھی مختصراً عرض کر دوں۔
کتاب المستطرف اور رحمۃ اللہ علی العالمین اور تاریخ ابن عساکر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں ظہور فرمانے سے ایک ہزار سال پیشتر یمن کا بادشاہ تبع اول حمیری ایک دفعہ اپنی سلطنت کا دورہ کرنے کو نکلا۔ وہ ایک لاکھ تیس ہزار

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کی تکذیب جو وہ اللہ تعالیٰ سے لائے یعنی جتنا قومیں ابھی مذکور ہوئی ہیں سب نے رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو جھٹلایا۔

مسئلہ : ان میں سے ایک نبی کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے یہ اس وقت ہے جب تبع کو بھی پیغمبر مانا جائے

بقیہ حاشیہ : سوار اور ایک لاکھ تیس تیرہ ہزار پیادہ اپنے ہمراہ لئے اس شان سے نکلا کہ جہاں پہنچتا اس کی شان و شوکت شاہی دیکھ کر مخلوق خدا چاروں طرف سے دیکھنے کو جمع ہوجاتی تھی۔ یہ بادشاہ جب دورہ کرتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا تو کوئی بھی اسے دیکھنے نہ آیا۔ شاہ یمن تبع اوّل حمیری بہت ہی حیران ہوا اور اسے بہت غصہ آیا۔ غصہ کی حالت میں وزیر اعظم سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا اس شہر میں ایک گھر ہے۔ جسے بیت اللہ کہتے ہیں۔ اس کی اور خادمانِ کعبۃ اللہ کی جو کہ یہیں کے باشندے ہیں۔ تمام لوگ بے حد عزت کرتے ہیں اور جتنا آپ کا لشکر ہے اس سے کہیں زیادہ دُور و نزدیک سے اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں اور یہاں کے باشندوں کو تحائف بطور نذرانے پیش کرتے ہیں پھر ان کا لشکر ان کی نظر میں کیا ہے۔ یہ سن کر شاہ یمن آگ بگولا ہوگیا اور غصہ کی حالت میں قسم کھا کر کہنے لگا۔ میں اس گھر کو کھدواؤں گا اور یہاں کے باشندوں کو ایک ایک کرکے قتل کر دوں گا۔ یہ کہنا ہی تھا کہ تبع اوّل حمیری کی ناک۔ آنکھوں اور مُنہ سے خون بہنے لگا اور اس کے جسم سے ایک بدبودار مادہ بہنا شروع ہوگیا۔ جس کی وجہ سے کسی کو بھی اس کے قریب بیٹھنے کی جرأت نہ رہی اس کے مرض کا علاج کروانا بھی بے سود معلوم ہوا۔ شام کے وقت بادشاہ کے ہمراہ ہی علماء کے ساتھ ایک عالم ربانی تشریف لائے اور نبض دیکھ کر فرمایا۔ مرض فلکی ہے اور آپ لوگ علاج خاکی کر رہے ہیں اسے تبع اوّل حمیری آپ نے اگر کوئی بُری نیت کی تھی تو اس سے توبہ کیجئے تو شاہ یمن نے دلِ ہی دل میں بیت اللہ شریف اور خدام کعبہ کے متعلق اپنے ارادہ سے توبہ کی توبہ کرتے ہی اسکا وہ خون اور مادہ بہنا بند ہوگیا اور پھر صحت کی خوشی میں بیت اللہ شریف کو ریشمی غلاف چڑھایا اور ہر شہر کے ہر باشندے کو سات سات اشرفی اور سات سات ریشمی جوڑے نذر کئے پھر یہاں سے چل کر جب مدینہ منورہ پہنچا تو ہمراہی علماء نے جو کتب سماویہ کے عالم تھے۔ وہاں کی مٹی کو سونگھا اور کنکریوں کو دیکھا اور نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ کی وہ علامتیں جو انہوں نے پڑھی تھیں ان کے مطابق اس سرزمین کو پایا تو باہم عہد کر لیا کہ ہم یہیں مرجائیں گے اور اس سرزمین کو نہ چھوڑیں گے۔ اگر ہماری زندگی نے یاوری کی تو کبھی نہ کبھی جب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں تشریف لائیں گے تو اسی بہانے خداوند تعالیٰ ہمیں بھی زیارات کا شرف بخش دیں گے۔ ورنہ ہماری قبروں پر ضرور کبھی نہ کبھی ان کی جوتیوں کی مقدس خاک اڑ کر پڑ جائے گی تو ہماری نجات کے لئے کافی ہے۔ یہ بات سُن کر بادشاہ نے یثرب ہی میں ان عالموں کے لئے چار سو مکان بنوائے اور اس بڑے عالم ربانی کے پاس حضورؐ کی خاطر ایک دو منزلہ عمدہ مکان تعمیر کروایا اور وصیت کر دی کہ جب حضور پُر نورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں انکو عرض کر دیں۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحے پر)

اگر اس کی نبوت ثابت نہ ہو اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس میں واحد کی ضمیر کل کی وجہ سے ہے اور سب کے جھٹلانے کا معنی یہ ہے کہ توحید و مرنے کے بعد اٹھنے اور حشر کے احکام میں تمام انبیاء علیہم السلام متحد و متفق تھے اور تبع کی قوم کی تکذیب کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے سابق رسل کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام کی تکذیب کی اور چونکہ تبع (رضی اللہ عنہ)

(بقیہ حاشیہ) حضورؐ غریب کی جگہ کو آرام گاہ بنا کر میری روح کو تسلی بخشیں۔ اور ان چار سو علماء کی کافی مالی مدد بھی کی اور کہا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو۔ پھر خود ایک خط لکھ کر بڑے عالم ربانی کو دیا۔ اور کہا یہ میرا خط اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دینا اور اگر زندگی بھر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا موقعہ نہ ملا۔ تو اپنی اولاد کو وصیت فرما دیجئے کہ نسل بہ نسل میرا یہ خط محفوظ رکھیں حتیٰ کہ سرکار ابد قرار کی خدمت اقدس میں پیش کیا جائے یہ کہہ کر بادشاہ واپس ہوا وہ خط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہزار سال بعد پیش کیا گیا۔ کیسے ہوا اور خط میں کیا لکھا تھا سنیئے اور عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیجئے۔ تبع اول حمیری کے خط کا مضمون یہ تھا۔

ترجمہ: کمترین مخلوقات تبع اول حمیری کی طرف سے بخدمت شفیع المذنبین المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اے اللہ کے حبیبؐ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور میں آپ کے دین پر ہوں۔ پس اگر مجھے آپ کی زیارت کا موقعہ مل گیا تو بہت اچھا و غنیمت اور اگر میں آپ کی زیارت نہ کر سکا تو میری شفاعت فرمائیے اور قیامت کے روز مجھے فراموش نہ کیجئے۔ میں آپ کی پہلی امت میں سے ہوں اور میں آپ کے ہاتھ پر آپ کی آمد سے پہلے ہی بیعت کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپؐ اس کے سچے رسولؐ ہیں۔"

شاہ یمن کا یہ خط نسل بہ نسل ان چار سو علماء کے اندر حرز جاں کی حیثیت سے محفوظ چلا آیا۔ یہاں تک کہ ایک ہزار سال کا عرصہ گزر گیا۔ ان علماء کی اولاد اس کثرت سے بڑھی کہ مدینہ کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور یہ خط دست بدست مع وصیت کے اس بڑے عالم ربانی کی اولاد میں سے حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور آپ نے وہ خط اپنے خاص غلام ابو لیلیٰ کی تحویل میں رکھا۔ جب حضور مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور مدینہ منورہ الوداعی وادی مثنیات کی گھاٹیوں سے آپؐ کی اونٹنی نمودار ہوئی مدینہ کے خوش قسمت لوگ جوق در جوق حضورؐ کی زیارت کو آرہے تھے اور کوئی اپنے مکان کو سجا رہا تھا تو کوئی سڑکوں اور گلیوں کو سجا رہا تھا۔ اور ننھے منھے بچے بمعہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے پروردگار عالم کے محبوب سرور کائنات کے گیت گا رہے تھے کوئی حضور اقدس کی دعوت کا سامان کر رہا تھا اور سب یہی اصرار کر رہے تھے کہ حضور میرے گھر کو عزت بخشیں۔ ہمارے نبی پاک نے فرمایا۔ میری اونٹنی کو چھوڑ دو جس گھر میں یہ ٹھہرے گی اور بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہو گی۔ چنانچہ دو منزلہ مکان

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ان کی تعلیم کی دعوت دیتے تھے اسی لئے ان کی تکذیب گویا انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہے۔

فَحَقَّ وَعِيْدِ : تو میری وعید ان پر واجب اور نازل ہو گئی یہ عذاب کا کلمہ ہے ویسے وعید بالخصوص شر پر مستعمل ہوتا ہے بخلاف وعد کے کہ خیر و شر ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

مسئلہ : آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کفار کی تکذیب سے ملال نہ کیجئے کیوں کہ آپ پہلے نبی نہیں کہ جس کی تکذیب ہوئی ہو آپ سے پہلے رسل کی بھی امتیں تکذیب کرتی تھیں آپ ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے جیسے پہلے رسل کرام علیہ السلام صبر کرتے تھے وہ بھی اپنی مرادیں کامیاب ہوئے آپ بھی صبر کر کے مراد پائیے۔ آیت میں کفار مکہ کو تہدید ہے یعنی اے اہل مکہ ڈرو اس عذاب سے جو پہلی امتوں کو عذاب مبتلا کیا گیا تمہیں بھی عذاب میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔ للہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہ کرو کیوں کہ اشتراک فی العمل اشتراک فی الجزاء کا موجب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ عموماً اہل زبان میں خواہشات نفسانیہ وطبیعت حیوان کا غلبہ ہوتا ہے کیوں کہ وہ اہل حس ہوتے ہیں اہل عقل نہیں ان کے نفوس متمرد اور حق سے بعید اور باطل کے قریب ہوتے ہیں جونہی ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کا رسول تشریف لاتا ہے تو وہ اس کی اور اسکے لائے ہوئے احکام کی تکذیب کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات انہیں شہید کر ڈالتے ہیں اسی لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ اس میں اولیاء کرام کو بطریق اشارہ تسلی اور ان کے منکرین کو تہدید ہے۔ بخدا عوام اولیاء کے لئے بمنزلہ امت کے ہوتے ہیں لیکن صبر کشادگی کی کنجی ہے تو جیسے کفار قسم وقسم کے عذاب میں مبتلا ہوئے کہ کوئی مسخ ہوئے کوئی زمین میں دھنسے گئے ایسے ہی اولیاء کے منکرین کا حال ہے کہ انہیں قسم وقسم کی رسوائیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن وہ اسے سمجھتے ہی نہیں

(بقیہ صفحہ سابقہ) جو شاہ یمن نے حضور کی خاطر بنوایا تھا اور اس وقت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تحویل میں تھا اس میں حضور انور کی اونٹنی جا کر ٹھہر گئی جب ابو لیلیٰ حاضر خدمت ہوا تو حضور نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ابو لیلیٰ۔ یہ سن کر ابو لیلیٰ حیران ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں محمد رسول اللہ ہوں۔

شاہ یمن کا جو میرا خط تمہارے پاس ہے لاؤ وہ مجھے دو۔ چنانچہ ابو لیلیٰ نے وہ خط دیا اور حضور نے خود پڑھایا اور فرمایا۔ صالح بھائی تبع کو آفرین اور شاباش ہے۔

سبق : اس سے ثابت ہوا ہمارے نبی پاک بعید اور ماضی کی سب باتیں جانتے تھے۔ حضور مقبول کا سارے زمانے میں ڈنکا بج رہا ہے اور خوش قسمت لوگوں نے ہر دور میں آپ سے فیض حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی تعلیم مقدس پر عمل کرنے کی توفیق دے آمین۔ (حاشیہ ختم)

کیوں کہ دراصل ایسے منکرین کے باطن کو مسخ کردیا جاتا ہے اور ان کے دھنسنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان کی ارض بشریہ کثیف وظلمانی بنادی جاتی ہے اسی لئے وہ اپنی سزا کیا جانیں بلکہ ان کا گمان ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی ہلاکت سے ناجی ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے اندھاپن اور حیرت میں ہوتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تصدیق کرنے والوں سے بنائے اور اہل یقین کا طریقہ پر ثابت قدم رکھے اور اولیاء کرام کے برکات سے ہمیں نوازے اور ان کی حرکات کے آثار سے ہمیں مشرف فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط تو کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک گئے۔

حل لغات: اعی بالامر یعنی کسی کام سے عاجز ہونا۔ اہل عرب کہتے ہیں۔

عیّ بالامر وعی بہ وہ وجہ امر کی طرف راہ نہ پاسکا۔ اس کی مزید تحقیق ولم یعی بخلقہن (سورۃ احقاف ای پارہ ۲۶) میں گزری ہے ہمزہ انکار کا اور فاء × نہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جس پر عیّ دلالت کرتا ہے کہ اس میں قصد ومباشرہ کا معنی ہے دراصل عبارت یوں تھی اقصدنا الخلق الاول افعیینا بالحق الاول، خلق اوّل سے پہلی تخلیق ہے یعنی کیا ہم اس سے عاجز آگئے جس سے تمہیں دوسری تخلیق (قیامت میں اٹھانے) کے متعلق ہماری عاجزی کا وہم ہے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ خلق اوّل سے آدم علیہ السلام مراد ہیں جس کے متعلق کفار کو اقرار تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا ہم پر کوئی کام مشکل ہے کہ ہم قیامت میں تمہیں زندہ اٹھانے سے عاجز ہیں یا ہم پر تمہارا [illegible] ریں زندہ اٹھانا مشکل ہے ایسا ہرگز نہیں۔ (بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۔) بلکہ وہ خلق جدید کے بارے میں التباس میں ہیں۔

حل لغات الجدید جددت الثوب سے ہے یعنی میں نے اصلاح کی خاطر کپڑے کو کاٹا۔ و ثوب جدید بمعنی المقطوع (کاٹا ہوا کپڑا) پھر اس شے کے لئے مستعمل ہونے لگا۔ جس کا پیدا ہونا بنا ہو اور آیت میں خلق جدید قیامت میں اٹھنے کی طرف [illegible] ہے اور خلق کو جدید سے موصوف کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ جزاء وسزاء کے لحاظ سے قریب العہد ہے اسی لئے لیل ونہار کو جدیدان والاجدان کہا جاتا ہے (کہ وہ وقت کے گزرنے کے لحاظ سے قریب ہیں) جملہ کا جملہ مقدرہ پر عطف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے گویا کفار کے حق میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہماری تخلیق اوّل پر قدرت کے منکر نہیں بلکہ وہ شک وشبہ اور نئی تخلیق کے بارے میں خلط ملط ہیں کہ وہ عادت کے خلاف ہے کیوں کہ اس دار دنیا مُردوں کا لوٹنا عادت کے خلاف ہے تو پھر وہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا بھی ایسے

ہی ہوگا یہ ان کا قیاس ناسد ہے جیسا کہ اہل فہم پر مخفی نہیں ۔

فائدہ : حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مشرکین مکہ معترف تھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرتا ہے پہلے بھی اس نے سب کو پیدا کیا ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وہ ایک بہت بڑی مخلوق کو بے مادہ و بے مدد پیدا فرما سکتا ہے تو پھر وہ ان کے اعادہ پر کیوں قدرت نہیں رکھتا جب کہ ان کے مواد موجود ہیں اسی لیے اسے طاقت ہے کہ وہ ان مواد میں حیات لوٹا دے دراصل بات یہ ہے کہ کافر شک و شبہ میں ہیں بوجہ شیطانی وساوس کے انہیں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ خلق نو پر قادر نہیں یعنی وہ بعث و نشر نہیں کرسکتا ۔ اسے وہ کافر عادت کے مخالف سمجھتے ہیں ۔

فائدہ : خلق کی تنکیر اس کی تفخیم شان کے لئے ہے اور خبر دینا ہے کہ عادت کے خلاف ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ ایسی تخلیق ہے کہ اس میں بحث نہیں کرنا چاہتے اور اسکے سمجھنے کا اہتمام نہ کیا جائے صرف شبہ اور خلط ملط میں نہیں بیٹھنا چاہیے ۔

تفسیر صوفیانہ

یاد رہے کہ یہ خلق جدید دنیا میں بھی حاصل ہے اعراض میں بھی اجسام میں بھی یہی صوفیہ اور متکلمین کا مذہب ہے کیوں کہ ہر آن انتفاد الاجسام و مشاہدہ بقاء الاجسام ۔تجدد الامثال کے قائل ہیں یعنی دوسرے اجسام کے لیے ہی وہ ہر آن انتفاد الاعراض و مشاہدہ بقاء الاعراض ۔تجدد الامثال کے قائل ہیں یعنی اعراض دیگر کے یعنی وہ اعراض میں جائز ہے کہ وہ غیر قائم ہیں ایسے ہی جواہر میں بھی جائز ہے کہ وہ قائم بدا تہا ہیں ۔یہی معنی ہے حضرت مولانا رومی قدس سرہ کا آپ نے مثنوی شریف میں فرمایا کہ ؂

۱ : صورت از معنیٰ چو شیر از بیشہ دان
یا چو آواز و سخن ز اندیشہ وان

۲ : این سخن و آواز و اندیشہ خواست
تو ندانی بحر اندیشہ کجاست

۳ : لیکن چو موج سخن دیدی لطیف
بحر آن دانی کہ باشد ہم شریف

۴ : چوں ز دانش موج اندیشہ بتاخت
از سخن و آواز وصورت بساخت

۵ : از سخن صورت بزاد و باز مرد
موج خود را باز اندر بحر برد

۶ : صورت از بے صورتی آمد برون
باز شد کہ انا الیہ راجعون

۷ : پس ترا ہر لحظہ مرگ رجعتیست
مصطفیٰ فرمود دنیا ساعتیست

۸ : فکر ما تیریست از ہوا در ہوا
در ہوا کے پایہ آید تا خدا

۹ : ہر نفس نو مے شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا

۱۰ : عمر ہمچوں جوئے نو نو می رسد
مستمری می نماید در جسد

۱۱ : آن ز تیزی مستمر شکل آمداست
چوں شرر کش تیز جنبانی بدست

۱۲ : شاخ آتش را بجنبانی بساز
در نظر آتش نماید بس دراز

۱۳ : این درازی مدت از تیزیٔ صنع
می نماید سرعت انگیزیٔ صنع

ترجمہ ۱ : صورت، کو جنگل کا شیر سمجھ یا جیسے آواز اور سخن فکر کی پیداوار ہیں۔
۲ : یہ سخن و آ[illegible] فکر سے اٹھے ہیں یہ تجھے معلوم نہیں فکر و اندیشہ کا دریا ہے کہاں۔
۳ : لیکن جب تو نے سخن کی لطیف موج دیکھی اس کے دریا کے متعلق بھی تہیں خیال گزرا کہ وہ بھی ایک برگزیدہ شئے ہے۔
۴ : جب دانش سے اندیشہ کی موج دوڑی سخن و آوازہ نے صورت تیار کر لی۔
۵ : سخن سے ایک صورت پیدا ہوئی پھر فوراً مر گئی۔ اپنی موج کو پھر دریا میں لے گئی۔
۶ : صورت بے صورتی سے آئی ہے باہر پھر بھی ادھر جائے گی اللہ نے فرمایا کہ کہو کہ ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

۷ : پس تجھے ہر لحظہ موت اور لوٹنا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دنیا ایک گھڑی ہے۔

۸ : ہمارا فکر ہوا میں اڑتے ہوئے کی طرح ہے۔ ہوا میں اڑنے والی شے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کیا مرتبہ۔

۹ : ہر سانس نئی دنیا بنی ہے لیکن ہم بے خبر ہیں کہ وہ کس طرح نئی دنیا اور بقا پاتا ہے۔

۱۰ : ہماری عمر ہر نئی نہر میں پہنچتی ہے اور جسم میں ہمیشگی باقی ہے۔

۱۱ : وہ تیزی دائمی کیوجہ سے ایک شکل خاص رکھتی ہے جیسے چنگاری ہلانے والے کے ہاتھ میں تیزی سے صرف ایک شکل نظر آتی ہے۔

۱۲ : آتش کی شاخ کو حرکت دیتے ہو تو وہ آتش بہت دراز نظر آتی ہے۔

۱۳ : یہ درازی تیز چلانے کی وجہ سے ہے اور یہ تیزی بھی کسی کاریگری سے ہے۔

فائدہ : حضرت امام شعرانی قدس سرہ نے کتاب الجواہر میں لکھا کہ تقلیب العالم ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ہر لحہ واقع ہے کوئی فرد بھی ایک حالت پہ قائم نہیں رہتا لیکن یہ تغییر صفات میں ہوتا ہے نہ کہ اعیان میں اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خلاق (پیدا کرنے والا) ہے

طواف کعبہ اولیاء کرام کو

ہم کہتے ہیں کہ کعبہ ولی اللہ کی زیارت کے لئے آتا جاتا ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ کی اس موضوع پر مستقل تصنیف ہے۔ بنام القول الجلی فی ان الکعبۃ تذھب الی زیارۃ الولی کئی بار مطبوع ہوئی یہی حضرت العلام الامام محمد اسماعیل حقی حنفی بارہا لکھ چکے ہیں۔ اور یہاں بھی لکھا کہ :

ومنہ یعرف طواف الکعبۃ ببعض الرجال واستقبالھا لھم کما وقع ذلک لرابعۃ العدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وغیرھا۔ (روح البیان صـ۱۱۲ ج ۹)

اس سے ثابت ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے کعبہ طواف کرتا اور ان کے استقبال کو جاتا ہے جیسے رابعہ بصری عدویہ (رضی اللہ عنہا) و دیگر اولیائے کرام کے لئے ہوا۔

اور اس مقام کی حقیقت واضح نہیں ہو سکتی جب تک کشف تام نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ملک علام سے فیض و الہام نصیب نہ ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝
إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ
عَتِيدٌ ۝ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ
الْوَعِيدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا
عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ۝ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ
كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ۝ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي
الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝
قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ
لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی آگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو اور آئی موت کی سختی حق کے ساتھ یہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور صور پھونکا گیا یہ ہے وعدۂ عذاب کا دن اور ہر جان یوں حاضر ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ بے شک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا تو آج تیری نگاہ تیز ہے اور اس کا ہم نشین فرشتہ بولا یہ ہے جو میرے پاس حاضر ہے حکم ہوگا تم دونوں جہنم میں ڈال دو ہر بڑے ناشکرے ہٹ دھرم کو جو بھلائی سے بہت روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا جس نے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ٹھہرایا تم دونوں اسے سخت عذاب میں ڈالو اس کے ساتھی شیطان نے کہا ہمارے رب میں نے اسے سرکش نہ کیا ہاں یہ آپ ہی دور کی گمراہی میں تھا فرمائے گا میرے پاس نہ جھگڑو میں تمہیں پہلے ہی عذاب کا ڈر سنا چکا تھا میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو اور ہم جانتے ہیں وہ جو اس کا نفس وسوسہ کرتا ہے (یعنی وہ جو اس کا نفس بات بناتا ہے یعنی وہ باتیں جو نفس دل میں ڈالتا ہے الوسوسہ بمعنی آواز خفی اور دل کا ردی خطرہ اسی سے ہے وساوس الحلی اور ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے اور

یار صلہ کی ہے جیسے صوّتت بکذا وھمس بہ" میں بار صلہ کی ہے یا ضمیر انسان کی طرف لوٹتی ہے تو ما مصدریہ ہوگا اور بار تعدیہ کی ہوگی یعنی نفس انسان کو بناتا ہے وسواس والا۔

فائدہ ، الکشاف میں ہے کہ با مصدریہ ہے کیوں کہ اہل عرب کہتے ہیں حدث نفسہ ایسے ہی کہتے ہیں حدثتہٗ بنفسہ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جیسے انسان کے پیدا کرنے سے پہلے اس کے حالات جانتا ہے اسے علم ثبوتی کہا جاتا ہے ایسے ہی اس کے پیدا کرنے کے بعد بھی اس کا نام علم فعلی ہے اور اس کے علم میں ہے کہ انسان کے نفس کا وسوسہ کیوں کہ یہ بھی اس کی مخلوق میں سے ہے اور مخلوق کی کوئی شئے اس سے مخفی نہیں ایسے ہی نفس کے ان شہوات کو بھی جانتا ہے جن کے پورے کرنے کی خواہش کرتا ہے ایسے ہی اس کا سوءِ خلق اور اعتقاد فاسد اور دیگر نفس کے ان صفات کو جن سے وسوسہ کرتا ہے تاکہ اس سے انسانی قلب ووقت مشوش ہوں۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کا وہ وسوسہ جس سے گندم دانہ کھایا اگرچہ یہ شیطان کے القار سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم سے تو مخفی نہ تھا۔

ردّ وہابیہ بعض اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے باطن سے شیطان کو کسی قسم کا شرکار نہیں کیوں کہ ان کے خواطر میں شیطان کا کوئی حصّہ نہیں ہاں ان کی ظاہر حس پر اثرات ڈال سکتا ہے لیکن وہ اس کی باتوں میں نہیں آتے۔

مسئلہ : اولیاء کرام کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اس نے انہیں بھی شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھنا ہے لیکن ان کے قلوب انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہوتے کیوں کہ یہ صاحب شریعت تو نہیں بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ صاحب شریعت ہیں اسی لئے ان کے بواطن بھی معصوم ہیں۔

شب و روز میں وساوس کی تعداد بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر بنی آدم کو دن اور رات میں نفس کے ستر ہزار بار خطرات وارد ہوتے ہیں ان ملائکہ کرام کی تعداد پر جو روزانہ ستر ہزار بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں اس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔

صلحاء کی شان ہر روز ہر انسان کے روزانہ کے خواطر سے ستر ہزار فرشتے پیدا کر کے انہیں بیت المعمور کی طرف بھیجا جاتا ہے جب ستر ہزار کی ایک ٹولی بیت المعمور سے خارج ہوتی ہے تو وہ ان دوسروں کے ساتھ ہو جاتی ہے جو پہلے اسی انسان کے خواطر سے پیدا ہو کر بیت المعمور میں گئے

تھے اسی طرح جمع ہو کر اسی انسان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جن سے وہ نکلے تھے لیکن شرط یہ ہے کہ اس انسان کا ذکر الہیٰ سے ہمیشہ معمور ہو یاد رہے کہ قلب معمور کے خواطر سے پیدا شدہ ملائکہ دوسروں کے خواطر سے پیدا شدہ ملائکہ شکل وصورت طرز ادا میں جدا حیثیت رکھتے ہیں وہ قلب لائق ہو یا نہ لیکن قلوب سب کے سب اسی بیت المعمور سے پیدا کئے اسی لئے وہ ہمیشہ معمور رہتی ہیں ہر وہ فرشتہ ایسے معمور قلب سے پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں صالح صورت میں ہوتا ہے جب اس پر نظر عنایت فرماتا ہے۔ اگرچہ وہ خطرہ ملک کی صورت میں ہوتا ہے جو تسبیح پڑھ رہا ہوتا ہے کبھی انسان خود نہیں جانتا کہ اس کے دل میں کونسا خطرہ آیا تھا۔

و نحن اقرب الیہ اور ہم انسان کو رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں یعنی اس کے حال کو خوب جانتے ہیں اس کی طرح جو اس کی رگ جان کو قریب تر ہو علم کو ذات کے بجائے قریب تر بتانا مجاز ہے۔ کیوں کہ وہ اسی کا موجب ہے ملزوم بولکر لازم مراد لیا گیا ہے اور حبل الورید زیادہ قریب والی شے کی تمثیل ہے جیسے کہا جاتا ہے

ھومنی بمقعد الازار وہ میرے ازار بند کی طرح میرے قریب ہے اور اسے اپنی ہیئت وصورت کی وجہ سے رسّی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس کی اضافت بیانیہ ہے۔ زمخشری نے کہا لامیہ ہے اور یہ اضافت لجین الماء کی طرح بھی ہوسکتی ہے بایں معنی کہ حبل اپنے حقیقی معنیٰ میں ہو۔

الورید ان دو رگیں ہیں جو گردن کے اگلے حصّہ کو گھیرے ہوئے ہیں اور وتین کے متصل ہیں الوتین وہ قلب کی رگ ہے جب وہ کٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے اور الوریدان سر سے قلب کی طرف وارد ہوتی ہیں۔ اس معنیٰ پر ورید بمعنی وارد ہے اور بعض نے کہا ورید اس لئے ہے کہ روح حیوانی اس میں وارد ہوتا ہے اس معنیٰ پر ورید بمعنی مورد ہے۔ المفردات میں ہے کہ الورید ایک رگ ہے جو جگر اور قلب کے ساتھ متصل ہے اور یہی روح کی آمد و رفت کی جگہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ میں انسان کو اس کی روح سے زیادہ قریب ہوں۔

فائدہ : ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حبل الورید ایک رگ ہے دل کے قریب اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندے کو اس کے دل کے علم سے زیادہ قریب ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے چونکہ شہ رگ انسان کو بہ نسبت دیگر اجزاء کے اسے زیادہ قریب ہے اسی لئے اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے نفس سے زیادہ قریب ہے تو جیسے انسان جس وقت نفس کو طلب کرے اسے پا لیتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی اسے

قریب ہے جب اسے چاہے پالیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فاذا سالک عبادی عنی فانی قریب جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب ہوں اور زبور میں ہے الا من طلبنی وجدنی خبردار جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے پالیتا ہے ۔

۱ : نحن اقرب گفت من حبل الورید
تو بکنذی سر نکرت را بعید

۲ : اے کماں تیرہا بر ساختہ
صید نزدیک وتو دور انداختہ

ترجمہ : ۱ : نحن اقرب من حبل الورید (میں شہ رگ سے زیادہ قریب ہوں) فرمایا تو اپنی کند ذہنی پر بعید سمجھتا ہے۔

۲ : اے تیر کو شکار کے لئے تیار کرنے والے شکار تو تیرے قریب ہے اور تو تیر دور پھینک رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ۔

۱ : دوست نزدیکتر از من بمنست
وین عجبتر کہ من از وے دورم

۲ : چکنم باکہ توان گفت کہ او
در کنار من و من مہجورم

ترجمہ : ۱ : دوست نزدیکتر خود مجھ سے بھی اور یہ عجیب بات ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔
۲ : کیا کروں اور کس سے کہوں کہ وہ میری بغل میں ہے لیکن میں ہجر و فراق میں ہوں۔

نکتہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ زیادہ قرب زیادہ بعد کی طرح حجاب ہوتا ہے اب سوچنا یہ ہے کہ جب وہ ہمیں شہ رگ سے زیادہ قریب ہے تو وہ ستر ہزار پردہ کہاں جو اس کے اور ہمارے درمیان ہے اسے اچھی طرح سوچ لے۔

فائدہ : حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو اپنے نفس پر غور کی نگاہ کرے تو اسے دلیل سے دلیل پائے گا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کیلئے بندے کو کس طرح آگاہ فرمایا ہے کہ "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ کیونکہ نفس سے ذلیل تر اور کوئی شے نہیں امید ہے تم میری تقریر سمجھ

کئے ہوں گے اگر یہ بات نہ ہو تو یقین کرلے کہ فعل صفت سے اور صفت ذات سے قائم ہے تو من حیث الجمع سوائے اس کے اور کون ہے۔

ازالہ وہم ہماری اس تقریر سے حلول کا وہم نہ کرنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات حوادث میں حلول و محل سے منزہ ہیں۔ یہی رمز العاشقین ہے کیا مجنوں کی بات تم نے نہیں سنی۔

ؔ انا من اھویٰ ومن اھوی انا

نحن روحان حللنا بدنا

فاذا ابصرتنی ابصرتہ

واذا ابصرتہ ابصرتنا

ترجمہ : میں جسے چاہتا ہوں اور جو مجھے چاہتا ہے ہم دو روح ایک جسم میں ہیں جب وہ مجھے دیکھتا ہے تو میں اسے دیکھتا ہوں اور جب وہ دیکھتا ہے تو میں دیکھتا ہوں۔

فائدہ : حضرت انواسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نحن اقرب بمعی "نحن اولیٰ و احق بہ" ہے یعنی ہم نے اسے افتراق کے بعد جمع کیا اور اسے عدم سے وجود میں لائے اور اس میں روح پھونکی تو اسے اس کے نفس سے وہی زیادہ قریب ہے نیز فرمایا کہ بی عرفت روحک "عرفت نفسک"۔ مجھ سے ہی تیری روح اور نفس نے پہچانا۔ اس سے اظہار نعوت ہے طاقت انسانی کے مطابق ورنہ درحقیقت انسان کو وہ طاقت کہاں کہ وہ اس کی بات سن سکے۔

فائدہ : حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرب حق تعالیٰ بے چون و بے چگو نہ ہے۔ اے عزیز وہ جان جو تیرے جسم میں ہے تو اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتا تو پھر تجھے اس ذات کا ادراک کیسے حاصل ہو جس کی کیفیت چرا و چگونہ سے منزہ و مقدس ہے۔ یہی تقریر مثنوی شریف میں مذکور ہے ؎

۱ : قرب نیکو نست جان ترا بنو

قرب حق را چوں بدانی اے عمو

۲ : قرب نے بالا و پستی رفتن است

قرب حق از حبس ہستی رستن است

ترجمہ ۱ : نیکوں کا قرب ایسے ہے جیسے تیری جان تیرے ساتھ لیکن اے اندھے تم قرب حق کو کیا جانو۔

۲ : قرب اوپر نیچے جانے کا نام نہیں قرب حق اپنی ہستی سے جان چھڑانے کا نام ہے۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ قرب حق بحق یہ ہے کہ جو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واسجد واقترب سجدہ کر اور قریب ہو ۔

اور حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ نوافل سے میرا قرب پا لیتا ہے اس قرب کا اول ایمان و تصدیق اور آخر احسان ہے اور تحقیق ہی مقام مشاہدہ ان تعبد اللہ کانک تراہ ایسی عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے ۔

فائدہ : بندے کا اللہ تعالیٰ سے قرب دو قسم ہے ۔

(۱) عام مخلوق کو علم و قدرت سے جیسا کہ فرمایا وھو معکم اینما کنتم وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو یعنی قدرت و علم سے ۔

(۲) خواص درگاہ کو خصائص سے کہ ان پر شواہد لطف ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔ پہلے ایسے بندوں کو غیب کو قربت بخشتا ہے کہ وہ جہاں سے نجات پاتے ہیں پھر قرب مجد حقیقی عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ آب و گل کی قید سے گزر کر ہستی موہوم کے تصورات بھی ختم فرما لیتے ہیں اور اس کا قاعدہ ہے کہ اصل نیستی پر زیادہ ظہور فرماتا ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ مرتبہ کے حصول کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اول بھی وہی ہے آخر بھی وہی جہاں علائق مرتفع اور اسباب منقطع اور رسوم باطل و حدود لاشی اور ارشادات ختم و خبر عدم ہو جاتے ہیں حق یکتا بخود باقی ہو جاتا ہے وہی خیر اور باقی رہنے والا ہے ؎

(۱) رائت حبی بعین قلبی
فقال من انت قلت انا

(۲) انا الذی جزت کل حد
بمحو اینی فاین انا

ترجمہ (۱) میں نے محبوب کو قلب کی آنکھ سے دیکھا تو اس نے فرمایا تو کون ہے میں نے کہا تو ۔
(۲) میں وہ ہوں کہ ہر حد پار کر گیا ہوں ایسا محو ہوں کہ جہاں میں وہاں تو ۔

؎ موج بحر لمن الملک بر آید ناگاہ
غرق گردند دران بحر چہ درویش و چہ شاہ
خرمن ہستی موہوم چنان سوزاند
آتش عشق کہ نہ دانہ بماند نہ کاہ

ترجمہ: (۱) لمن الملک (کس کا ملک) کے دریا کی اچانک موج آئی تو اس دریا کی موج سے بادشاہ و گدا غرق ہو گئے ۔
(۲) خرمن ہستی کو عشق ایسا جلاتا ہے کہ نہ دانا رہتا ہے نہ گھاس ۔

تقریر وحدۃ الوجود از بایزید بسطامی

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نفس سے ایسے علیحدہ ہوگیا جیسے سانپ سے کھال پھر میں نے خود کو دیکھا تو میں نہیں تھا وہی تھا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو اپنے نفس کی شہوات وخواہشات اور خیالات سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی شئے نہیں رہتی اور نہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خیال ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب قلب میں اللہ تعالیٰ کے جلال وجمال کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ مستغرق ہوجائے تو پھر اس کے سوا اور کیا ہوگا اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ بندہ خدا بن جاتا ہے (معاذ اللہ) کا نہ ہو اور ھو ھو میں بڑا فرق ہے، کبھی کاف ھُوَ کو ھُوَ ھُوَ سے تعبیر کردیتے ہیں جیسے تم کہتے ہو، "زید اسد" مقام تشبیہ میں تو اس میں یہ کوئی نہیں کہتا کہ زید شیر ہوگیا بلکہ زید کی شجاعت کے مبالغہ میں زید اسد کہہ دیا جاتا ہے اور اسی سے عینیت مراد نہیں بلکہ تشبیہ مطلوب ہے۔

سوال: سلوک ووصول کا کیا معنیٰ ہے۔

جواب: سلوک بمعنی تہذیب الاخلاق والاعمال والمعارف ہے وہ ہے ظاہر وباطن کی تعمیر میں مشغول ہونا اسمیں بظاہر تو انسان اپنے رب سے علیحدہ ہوکر نفس کے ساتھ مشغول ہے لیکن درحقیقت اپنے باطن کے تصفیہ میں مصروف ہے۔ تاکہ اسے وصول کی استعداد نصیب ہو اور وصول یہ ہے کہ بندے کو تجلی حق منکشف ہوجائے تو پھر صرف اسی میں مشغول ومستغرق ہو اگر وہ اپنی معرفت کو غور سے دیکھے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہی حاصل ہوگی اور اپنے خیالات پر نظر ڈالے کہ اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے خیالات وتصورات کے اور کچھ نہ ہو تو سمجھ لے کہ اب وہ کل کا کل اللہ تعالیٰ میں مشغول ومستغرق ہے اور اس وقت اگر اپنا کچھ خیال بھی گزرے تو اس اس ارادہ پر کہ وہ عبادت سے ظاہر کو اور باطن کو تہذیب الاخلاق سے سنوار رہا ہے اور یہ ہر دونوں طہارۃ کے طریقے ہیں اور یہ دراصل ابتدائی مراحل ہیں اور انتہائی مرحلہ یہ ہے کہ خودی کو فارغ کردے یعنی اپنے نفس سے بالکل فارغ ہو جائے صرف اللہ تعالیٰ کا ہوجائے یہاں تک کہ گویا وہی ہے یہی وصول ہے۔[1]

تفسیر عالمانہ

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے اذکر محذوف کے متعلق اور منصوب ہے یہی اولیٰ ہے تاکہ نحن اقرب الخ مطلق رہے یا اقرب میں جو فعل کا معنیٰ ہے اس سے متعلق ہے۔

---

[1] شرح الاسماء الحسنیٰ للامام غزالی قدس سرہ ۱۲

حل لغات اَلتَّلَقِّیْ بمعنی حفاظت وکتابت کے لئے کوئی شے لینا اور حاصل کرنا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لطیف ہے اسی کا علم ایسی چیزوں تک پہنچتا ہے جو مخفی سے مخفی ہوں لیکن اس سے کوئی شے مخفی نہیں وہ انسان کو ہر قریب سے قریب تر شے سے زیادہ قریب ہے جب کہ دو نگران فرشتے حاصل کرتے ہیں جو انسان پر مقرر ہیں جو کچھ بولے وہ اسے لکھ لیں اور محفوظ رکھیں اور دوسری ترکیب پر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے حاصل کرنے سے بے نیاز ہے کیوں کہ اس کا علم ان اشیاء کو بھی محیط ہے جہاں تک وہ فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے اور بندے کو معلوم ہے کہ یہ فرشتے اس کے اعمال لکھ رہے ہیں اور انہیں محفوظ رکھیں گے جب قیامت کا دن ہوگا اور لوگوں پر اعمال یا گواہ گواہی دے رہے ہوں گے یا ان کے یہ اعمال صحیفوں میں لکھ اس کے پیش کئے جائیں گے تاکہ انسان کو نصیحت ہو کہ باوجودیکہ وہ کریم اس کے اعمال کی تفصیل سے باخبر ہے اور وہ محیط بکل شئی ہے پھر فرشتے بھی اس پر لکھنے کے لئے مقرر ہیں تو چاہیے کہ وہ گناہوں سے بچ جائے اور نیکیوں میں رغبت کرے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے ایک ہے کہ وہ بندے کے لئے کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ تیری دو داڑھوں کے ہے تیری زبان ان کی قلم اور تیری تھوک ان کی سیاہی ہے اور تو ایسے کام میں ہے جو تیری مدد نہ کریں تو نہ خدا تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے نہ فرشتوں سے۔

فائدہ یہ بھی جائز ہے کہ فرشتوں کی تلقی قرب کے بیان کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے بہت زیادہ قریب اور اس کے اعمال سے مطلع ہوں کیوں کہ ہمارے نگران اور کاتبین فرشتے بندے پر مقرر ہیں۔

عَنِ الْیَمِیْنِ دائیں یہ اشرف الجوارح (تمام اعضاء سے بزرگ تر) ہے اور اس میں قوت تامہ ہے۔

وَعَنِ الشِّمَالِ اور بائیں جانب (وہ یمین کی بالمقابل ہے) قَعِیْدٌ بیٹھنے والے ہیں یعنی وہ دائیں بائیں جانب ہمنشین کی طرح بیٹھے ہیں۔ تقیید یمین سے محذوف ہے اس لئے ثانی یعنی شمال کے بعد والا اس پر دلالت کرتا ہے بعض کہتے ہیں فعیل واحد جمع ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے الملائکۃ بعد ذلک ظھیر اور وہ بعد اس کے ملائکہ آپ کے معاون ہیں۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ (نہیں بولتا کوئی بات)

حل لغات لفظ بمعنی وہ جو منہ سے نکلے بھلا یا برا اور القول کلمہ وکلام سے اعم ہے اِلَّا لَدَیْهِ مگر اس کے نزدیک (رَقِیْبٌ) محافظ ہے، فرشتہ اس کے انتظار میں ہوتا ہے کہ بولے اسے وہ لکھے اگر اچھی بات ہے تو وہ دائیں جانب والا لکھتا ہے ورنہ بائیں والا۔ عَتِیْدٌ تیار رہے لکھنے کے لئے جو اسے لکھنے کا حکم ہے نیکی ہو یا برائی وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جہاں ہو۔

سوال: رقیبان عتیدان ہونا چاہیے کیوں کہ وہ دونوں (کراماً کاتبین ہر وقت اس کے ساتھ ہیں. جہاں ہو) مفرد کیوں لائے گئے۔

جواب: چونکہ ہر ایک اپنی ڈیوٹی کا ذمہ دار ہے ایسا نہیں ایک کا کام دوسرا کرے جیسا کہ عتید کے لفظ سے توہم ہوتا تھا۔

سوال: صرف قول کی تخصیص کیوں حالانکہ کراماً کاتبین تو ہر عمل لکھتے ہیں

جواب: قول عام ہے اس کا اطلاق فعل پر بھی ہوتا ہے بدلالۃ النص۔

مسئلہ: کراماً کاتبین ہر عمل لکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کا بیماری کے وقت کراہنا (وغیرہ) بعض نے کہا کہ کراماً کاتبین وہ عمل لکھتے ہیں جس پر اجر ووزر (جزا و سزا) مرتب ہو یہی زیادہ ظاہر ہے جیسے حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا حسنات کا کاتب دائیں جانب اور سیئات کا کاتب بائیں جانب ہے اور دایاں بائیں کا امین و امیر ہے جب بندہ نیکی کرتا ہے تو دایاں اس کے عوض دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب بندہ برائی کرتا ہے تو دایاں بائیں سے فرماتا ہے سات ساعت انتظار کرے شاید تسبیح یا استغفار کرے۔

مسئلہ: بعض نے فرمایا کہ قضاء حاجت کے وقت فرشتے اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں ایسے ہی جماع (ہمبستری) کے وقت اسی لئے بیت الخلاء اور قضاء حاجت کے وقت بولنا سخت مکروہ ہے کیوں کہ فرشتے اس جگہ (بیت الخلاء) کے حاضری سے سخت نفرت کرتے ہیں کیوں کہ انہوں نے اس کی بات کو لکھنا بھی ہے۔

مسئلہ: قضائے حاجت والے کو اگر کوئی السلام علیکم کہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسے دل سے جواب دینا چاہیے زبان سے نہیں تاکہ فرشتوں کا لکھنا لازم نہ آئے اور وہ امور قلبیہ نہیں لکھتے اسی طرح اگر بیت الخلاء میں چھینک آئے تو الحمد للہ کہے تو بھی دل سے۔

مسئلہ: جماع کے وقت بھی بولنا مکروہ ایسے ہی اس وقت ہنسنا بھی مکروہ ہے ایسے مواقع پر زبان کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

حدیث شریف: اس کا اسلام بہتر ہے جو لایعنی باتیں ترک کرتا ہے۔ ۵

(۱) الٰہی ازصرفۂ زر میکنی
صرفۂ گفتار کن ارمیکنی

(۲) مصلحت نیست زبان زیر کام
تیغ پسندیدہ بود در نیام

ترجمہ (۱) بے وقوف ہے جو سونے کو خالص بناتا ہے اگر تبائے تو گفتگو کو خالص کر۔

(۲) تیری مصلحت کے لئے ہے یہ زبان تالو کے نیچے۔ تلوار نیام میں ہی بہتر رہتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے ملائکۃ اللیل والنہار (صبح وشام) تمہارے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ دن والے فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں رات والے تمہارے پاس رہتے ہیں۔ جب تم صبح کی نماز پڑھتے ہو تو دن والے فرشتے اُترتے ہیں اور تمہارے ساتھ صبح کی نماز پڑھتے ہیں تو رات والے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دن والے تمہارے پاس رہتے ہیں جب فرشتے اعمالنامہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتے ہیں تو کسی کے عمل نامہ کے اوّل و آخر میں نیکی ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے اے فرشتو گواہ ہو جاؤ میں نے بندے کے اوّل و آخر کی درمیانی کوتاہیاں معاف کر دیں۔ (کشف الاسرار)

حدیث شریف اپنی لثات کو ستھرا اور صاف رکھو۔

فائدہ : لثات لثۃ (بالکسر و فتح الثاء المخففۃ) کی جمع ہے وہ گوشت جو دانتوں کے اوپر ہے یعنی جہاں سے دانت پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں العمور وہ تھوڑا سا گوشت جو دانتوں کے درمیان ہے عمر (بفتح العین) کی جمع۔

شرح الحدیث اس گوشت (جگہ) کو ستھرا اور صاف رکھنے کا حکم اس لئے ہے کہ اس میں طعام وغیرہ پھنس کر نہ رہ جائے تاکہ بدبو پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہی تلاوت قرآن کا راستہ اور ملائکہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے یعنی انسان کے دو جبڑوں کے درمیان۔

حدیث شریف میں ہے کہ مایلفظ من قول الا لدیہ میں لدیہ سے اس کے دونوں جبڑے مراد ہیں۔ [1]

حدیث شریف : میں ہے کہ نقوا براجمکم براجم صاف ستھرے رکھو۔ براجم انگلیوں کے جوڑ اور وہ عقد گرہ جو انگلیوں کی پشتوں پر ہیں برجمہ (بفتحتی الباء والجیم وسکون الراء بینہما) انگلی کے جوڑ کی پشت کہ جس میں میل کچیل جمع ہوتی ہے گرہ کی پشت کو برجمہ کہا جاتا ہے اور وہ جوڑ انگلیوں کا جو گرہوں کے قریب ہے یعنی انگلیوں کا پورا اس معنی پر ہر انگلی کے دو براجم اور تین رواجب ہیں سوائے انگوٹھے کے کہ اسکا ایک برجمہ اور دو رواجب ہیں ان کی صفائی کا حکم اسی لئے ہے کہ انہیں میل نہ جم جائے تاکہ جنابت دور نہ ہو سکے کیونکہ میل چمڑے اور پانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

---

[1] : تفسیر القرطبی سورۃ البقرۃ ۱۲ :

جنبی انسان سے فرشتوں کی نفرت

جنبی انسان سے فرشتے دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ نہلئے (پاک ہو) حضرت مجاہد سے ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری نہ دی جب حاضر ہوئے تو آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کی۔

کیف آتیکم وانتم لا تقصون اظفارکم ولا تاخذون من شواربکم ولا تنقون براجمکم ولا تستاکون اس کے بعد پڑھا وما ننزل الا بامر ربک (سفینۃ الابرار)

ترجمہ، میں تمہارے ہاں کیسے آؤں تم تو ناخن نہیں کٹواتے اور نہ ہی مونچھوں کے بال لیتے ہو اور نہ ہی تم انگلیوں کے سوراخوں کو صاف رکھتے ہو اور نہ ہی مسواک کرتے ہو اور ہم تیرے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مونہوں کو خلال سے صاف ستھرا رکھو کیونکہ وہ دو فرشتوں (کراماً کاتبین) کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور ان کی سیاہی تمہاری تھوک اور ان کی قلمیں تمہاری زبان ہے اور ان پر کوئی شے اتنا سخت مکروہ نہیں جتنا تمہارے دانتوں کا بقایا طعام ہے[1]

نکتہ: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے جنب اور بے وضو کو اپنے گھر (مسجد) میں آنے سے روکا ایسے ہی اپنی کتاب کو ہاتھ لگانے سے۔ چنانچہ فرمایا

ولا جنبا الا عابری سبیل اور فرمایا لا یمسہ الا المطھرون۔

اور نہ ہی جنبی آدمی مگر راستہ طے کرنے والا اور اسے ہاتھ نہ لگائیں مگر پاک لوگ۔

باوجودیکہ یہ مباح امور ہیں تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ پلیدیوں اور حرام خوری اور شبہات میں ڈوبا رہتا ہے اس کے باوجود پھر بھی مدعی ہے کہ وہ خادم الٰہی (اسلام) ہے اور اس کا ذاکر شاکر بندہ ہے اور اسی کے تصور میں ڈوبا ہوا (سب غلط ہے صرف باتیں اور جھوٹے دعاوی ہیں)[2]

درس عبرت

بھائیو! قلب میں مباحات کے تفکرات ڈالنے سے ظلمت چھا جاتی ہے تو بتاؤ جس کا ہر قدم اور ہر فکر و تدبیر حرام ہیں غرق ہے جب مشک پانی کی رنگت اور ذائقہ ہی بدل دے تو اس سے وضو ممنوع تو جس پانی میں کتا منہ ڈبو دے اس کی پلیدی کا کیا حال ہوگا[3]

حدیث شریف

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بیت المقدس میں ہے جو ہر رات اعلان کرتا ہے کہ جو حرام کھائے گا اس کے نہ فرائض قبول ہوں گے نہ نوافل۔

---

[1] (اسئلۃ الحکم) [2]، الاسرار المحمدیہ ۱۲ [3]: (دریاق الذنوب لابن الفرح ابن الجوزی رحمۃ اللہ)

فائدہ : صرف نافلہ عبادت، اور عدل فرائض کو کہا جاتا ہے (احیاء العلوم)

مسئلہ : آیت میں دلیل ہے کہ کفار کی بھی علنامہ کی کتاب ہے اور اس پر بھی نگران (کراماً کاتبین) مقرر ہیں۔

سوال : کافر کی تو کوئی نیکی ہے نہیں تو پھر دائیں جانب والا فرشتہ کیا لکھے گا۔

جواب : پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ دائیں جانب والے فرشتے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ بائیں جانب والے فرشتے کا شاہد ہے کیوں کہ اسی کی اجازت سے ہی بائیں جانب والا فرشتہ لکھتا ہے تو اس معنیٰ پر کچھ بھی نہ لکھے تو بھی مذکورہ ڈیوٹی تو اس کے ذمہ ہے (بستان العارفین)

نکتہ : دائیں جانب والے فرشتے کی حاضری کافر کے ایمان کے احتمال کیلئے ہے کہ ممکن ہے وہ ایمان لائے تو وہ اپنی اصلی ڈیوٹی دے (یہی ظاہر ہے حال کے مطابق ہے)

فرشتے قبر کے مجاور اللہ تعالیٰ ہر مومن بندے پر دو فرشتے مقرر فرماتا ہے تاکہ وہ اس کے اعمال لکھیں جب وہ بندہ فوت ہو جاتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں یارب اب ہم کہاں جائیں اجازت ہو تو ہم آسمان پر آجائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آسمان پہلے ہی فرشتوں سے پُر ہے وہ تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں عرض کریں گے تو پھر ہم کہاں جائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی قبر پر قیامت تک کھڑے تکبیر وتہلیل کہتے رہو اور اس کا ثواب اس کے عملنامے میں لکھتے جاؤ۔

عجیب بندے بعض اکابر نے فرمایا اللہ تعالیٰ بعض مومن اہل برزخ کی مثالی صورت پیدا فرماتا ہے جو اس کی صورت میں وہ عمل کرتا رہتا ہے جس سے اسے دنیا میں زیادہ ذوق تھا پھر اس کا ثواب اسی کے لئے تا قیامت لکھا جائے گا۔

حکایت : حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی شکل وصورت کا ایک بندہ ان کی قبر میں نماز پڑھتا دیکھا گیا لوگوں کا گمان ہوا وہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ کوئی شخص تھا جو ان کے عمل کا عامل تھا جس کا ثواب ان کے نام جاتا تھا۔

فائدہ : ایسے ہی مثالی خیالات جو اہل برزخ کی صورت میں دنیا والوں کو خواب یا بیداری میں نظر آتے ہیں جب کوئی کسی کی مثال کا شخص دیکھے تو وہ یا تو فرشتہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس ولی اللہ کی شکل میں پیدا کرکے دکھاتا ہے یا کوئی مثالی صورت ہوتی ہے جو اس ولی اللہ کی صورت میں آکر لوگوں کی حوائج وضروریات بحکم الٰہی پوری کرتی ہے کیوں کہ اولیاء اللہ کی ارواح برزخ میں باہر کہیں نہیں جاتیں (واللہ اعلم) ہاں انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ دنیا وآخرت ہر دونوں طرف جھانکتی رہتی ہیں۔ (کتاب الجواہر للشعرانی)

حکایت صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کسی صحابی نے کسی قبر پر خیمہ نصب کیا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے تو اس جگہ سے سورۃ الملک کسی انسان سے پڑھتے سن کر بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا۔ سورۃ الملک مانعہ ہے یعنی نجات دہندہ ہے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہے[1]

سیر ارواح فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ بعض آثار ... ت کرتی ہیں کہ بعض ارواح زمین پر سیر کرتی ہیں جیسے صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما جیسے حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ:

ان لی دذیرین فی الارض ابا بکر وعمر

میرے زمین میں دو وزیر ہیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ جب تشریف لائیں گے تو اصحاب الکہف اور دیگر کاملین اولیاء کی ارواح ساتھ ہوں گی۔

فائدہ: نیز بعض روایات میں مشہور ہے کہ وہ بعض دن اور راتوں اور مہینوں میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے سیر کرتی ہیں لیکن ان کی تاویل کرنی چاہیے اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے قرب کی قدر نہیں جانتا تو وہ اپنے خصال ذمیمہ وافعال ردیہ کی وجہ سے مجھ سے بعید ہے اور میں بھی پسند نہیں کرتا کہ میں اس کا نگہبان ہوں بلکہ اس پر دو نگران فرشتے مقرر کرتا ہوں جو کچھ بولتا ہے وہ اسے لکھ لیتے ہیں کیوں کہ اس پر فرشتہ نگران ہر وقت تیار رہتا ہے وہی اس کی حرکات کی قلم اور اس کی نیت کی سیاہی سے اس کے قلب کے صحیفہ پر لکھتا ہے اگر اس کی حرکات شرعیہ اور نیت صاف ہوتی ہے تو اس کی کتابت نورانیہ ہوتی ہے اگر اس کی حرکات طبعیہ حیوانیہ اور اس کی نیت خواہشات و شہوات کے مطابق ہوتی ہے تو اس کی کتابت ظلمانیہ نفسانیہ آتی ہے اسی لئے بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔

کراماً کاتبین کا تبادلہ اور نگران فرشتوں کی تفصیل بعض نے کہا کہ اس میں اس کے کمال عنایت درحق بندگان کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے ہر بندے پر دو نگران مقرب فرشتے مقرر فرمائے تاکہ شب و روز اس کی حفاظت کریں جب انسان

---

[1] حل الرموز ۱۲:

بیٹھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے دائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے دوسرا بائیں جانب جب سوتا ہے تو ایک سر کی طرف دوسرا پاؤں کی طرف جب چلتا ہے تو ایک آگے دوسرا پیچھے۔ اس طرح ایک جوڑا دن کو ایک جوڑا رات کو۔ بعض نے کہا یہ کراماً کاتبین (اعمال کے لکھنے والوں) کے علاوہ ہیں بلکہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ ہر دن نیکی لکھنے والے تبدیل ہوتے رہتے ہیں مثلاً جس نے کل گذشتہ لکھا تھا وہ اور تھا اور جو آج لکھے گا وہ اور ہوگا اور برائی لکھنے والا تبدیل نہیں ہوتا نیکی والوں کی تبدیلی بندے کو نیکی کے گواہوں کی کثرت بڑھانے کے لئے اور برائی کے گواہوں کو گھٹانے کے لئے ہے بعض کہتے ہیں کہ برائیوں کے کاتبین بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں تاکہ برائی کے جاننے والے فرشتے کم ہو اور متفرق برائیوں کا علم متفرق فرشتوں کو ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور سکرات حق کے ساتھ آئے گی سکرۃ موت کی اس شدت اور سختی جو عقل کو بے جلنے والی ہے کیلئے استعارہ ہے۔

سوال: موت کو استعارہ بالکنایہ کیوں نہیں بنایا گیا پھر اس کے لئے تخیلاً سکرۃ کا اثبات ہوتا ہے۔

جواب: یہاں استعارہ تحقیقیہ زیادہ موزوں ہے۔

سوال: زمانہ ماضی سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ فعل زمانہ مستقبل میں ہوگا۔

جواب: تحقق اور نہایت قرب کی وجہ سے گویا وہ آ چکی اور موجود ہو گئی جیسے کہا جاتا ہے اتاکم الجیش جب کہ اس کے آنے وقت قریب ہو یا بالحق کی باتعدیہ کی ہے جیسے جاء الرسول بالخبر۔ قاصد خبر لایا یہاں بھی یہی معنیٰ ہے کہ سکرت موت کو لائی یعنی موت کی وہ شدت حاضر ہو گئی جو انسان کو سکران (نشہ والا) بنا دیتی ہے اس حیثیت سے کہ وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی عقل پر غالب ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس کی کتاب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے یا اس کی حقیقت اور حال روشن اس وقت ہوگا کہ بندہ سعادت مند ہے یا بدبخت (معاذ اللہ) یا باء ملابست کی ہے جیسے تنبت بالدھن میں یا ملابست کی ہے یعنی موت کی شدت حق کے ساتھ متلبس ہے اور اس میں حکمت ایزدی ہے اور مقصد اعلیٰ واحسن ہے بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ موت آئی اور حاضر ہوئی اللہ کے حکم سے وہ حق ہے۔

حکایت

ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی میں فتنہ سے محبت کرتا ہوں اور حق سے کراہت کرتا ہوں اور اس کی گواہی دیتا ہوں جسے میں نے دیکھا نہیں آپ نے اُسے قید کر دیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا کیوں کہ وہ فتنہ سے محبت کرتا ہے تو اس کی مراد مال و اولاد ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور جسے دیکھا نہیں اور اس کی گواہی دیتا ہے تو وہ اللہ کے واحد ہونے کی گواہی دیتا ہے جسے

ں نے دیکھا نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لولا علی لہلک عمر[1] اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

ذلک لسان حال سے اسوقت زبان قال نہ ہو گی یا ملائکہ موت کے کہیں گے اے انسان ما موصولہ ہے وہ امر جو تو دنیا میں منہ وتحید اس سے بھاگتا تھا۔

حل لغات حاد عنہ یحید حیدا سے ہے جب کوئی کسی شے سے اعراض کرے اور بھاگے یعنی اے انسان تو اس سے ڈر کر بھاگتا تھا اور اس سے کراہت کرتا تھا بلکہ تیرا گمان تھا کہ تجھ پر نازل نہ ہو گی کیوں کہ تجھے دنیا سے محبت تھی جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا : اولم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال کیا تم نہیں تھے قسمیں کھاتے تھے اور زبان سے تکبر کر کے اتراتے ہوئے جہالت و سفاہت سے کہتے تھے یا تم زبانِ حال سے ایسا کہتے تھے کہ اتنا بڑے اونچے اور مضبوط مکانات تیار کیے اور لمبی چوڑی آرزوئیں اور تمنائیں کیں اور تمہارے دل ذرہ بھر بھی دنیا سے رخصت ہونے کا خیال تک نہ کرتے تھے گویا تمہارا خیال ہی تھا کہ تمہیں زوال نہیں آئے گا جس طرح کہ تم حظوظ دنیویہ سے نفع اٹھا رہے تھے اس تقریر پر آیت کا خطاب اس انسان کو ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے بطریق التفات کے۔

فائدہ : طبعی طور ہر انسان کو موت سے کراہت و نفرت ہے۔ جس پر حدیث ذیل دلالت کرتی ہے

حدیث شریف[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکرات موت طاری ہوئی تو میں رونے لگی اور کہا ؎

من لا یزال دمعہ مقنعا

لا بدلوما انہ مہراق

ترجمہ : وہ کہ جس کے آنسو رکے رہے ایک دن لازماً وہ آنسو بہیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے افاقہ پایا تو فرمایا : بل جاءت سکرۃ الموت بالحق ذلک ما کنت منہ تحید بلکہ سکرات الموت حق کے ساتھ آئی ہے یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔

حدیث شریف بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال میرے گھر اور میرے گلے اور سینے کے درمیان ہوا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے تھوک اور آپ کے لب جمع فرمائے آپ کے وصال کے وقت (میرا بھائی) عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما میرے ہاں تشریف لائے ان کے پاس مسواک تھا اور میں

---

[1] روح البیان ص ۱۱۹ جلد ۹ بیروت۔ لبنان۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہارا دے کر بیٹھی تھی میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ میرے بھائی کی طرف دیکھ رہے تھے اس سے میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک چاہتے ہیں میں نے عرض کی یہ مسواک آپ کے لئے لے لوں آپ نے سر مبارک کے اشارہ سے فرمایا ہاں۔ میں نے بھائی سے مسواک لے لیا۔ آپ نے مجھ سے لے کر منہ مبارک میں رکھا تو سخت تھا میں نے عرض کیا اسے نرم بنا لوں آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ آپ کے سامنے پانی کا پیالہ رکھا تھا آپ اپنا ہاتھ مبارک اس میں ڈال کر چہرہ اقدس پر ملتے تھے اور فرماتے تھے لا الٰہ الا اللّٰہ للموت سکرات موت کی سختیاں ہیں پھر ہاتھ مبارک (دعا کیلئے) کھڑا کیا اور فرماتے تھے الرفیق الاعلیٰ رفیق بلند قدر نصیب ہو یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اور آپ کے ہاتھ مبارک نیچے آ گئے۔

فائدہ: زمخشری نے کشاف میں لکھا کہ یہ اشارہ حق کی طرف ہے اور خطاب فاجر کو ہے یہی ظاہر ہے کیوں کہ کلام فجار کے بارے میں ہے۔

حدیث قدسی شریف

حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللّٰہ نے فرمایا کہ حدیث قدسی شریف میں ہے۔ میں کسی شے کے متعلق توقف نہیں کرتا جو کرنے والا ہوں (اسے کر گزرتا ہوں) رددت بتشدید الدال میں اپنے ان ملائکہ کے بارہ میں تردد نہیں کرتا جو ارواح قبض کرنے جاتے ہیں۔ مثل اس کے جو میں توقف کرتا ہوں ارواح مومنین کے قبض کرنے میں مثلاً کہتا ہوں کہ فلاں مومن کی روح قبض کرو پھر کہتا ہوں ذرہ ٹھہر جاؤ بعض نسخوں میں رددت کے بجائے ترددت ہے لیکن چونکہ تردد ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہے اسی لئے اس کے نتیجہ کا مطلب لیا گیا ہے یعنی توقف (اس لئے کہ تردد دو چیزوں کے درمیان تحیر کا نام ہے) یہ وہ کرتا ہے جسے علم نہ ہو کہ ان دو کاموں میں کونسا بہتر ہے یہ اللّٰہ تعالیٰ کے نہایت محال اور اس کے شان کے لائق نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ میں اپنے کسی کام میں توقف نہیں کرتا مثل توقف مومن کی روح قبض کرنے میں اسمیں توقف کرتا ہوں اور اسے وہ کرامات اور نعمتیں دکھاتا ہوں جو میں نے اس کے لئے تیار کی ہیں یہاں تک کہ اس کا دل موت کی طرف مائل میرے دیدار کے شوق میں ہوتا ہے (یکرہ الموت) وہ موت سے کراہت کرتا ہے۔ یہ جملہ استینافیہ ہے اس سے کہ اسے اللّٰہ تعالیٰ تجھے اس امر توقف کیوں فرمایا کہ میرے بندہ کو توشدۃ مدت کا خیال ہے حالاں کہ موت تو لقائے ربانی کی طرف پہنچاتی ہے تو پھر وہ موت سے کراہت کرتا ہے تو کیوں۔ وانا اکرہ مساءتہ مجھے اس کی اس اذیت اور تکلیف سے جو اسے موت کی وجہ سے پہنچتی ہے ناگوار ہے ولا بدمنہ حالاں کہ وہ اسے ضروری ہے یعنی موت بندے کو لازم ہے کیوں کہ وہ ہر نفس کے لئے مقدر ہے۔ (شرح مشارق الانوار ابن الملک)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اگرچہ حالت موت بظاہر بندے کیلئے سخت نظر آتی ہے لیکن درحقیقت

باطن میں اسے وہ بڑی عزت، ونعم و نازمیں ہوتا ہے اور دوست سے ہر لمحہ اسے نئی خلعت نصیب ہوتی ہے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تحفۃ المومن الموت موت مومن کا تحفہ ہے۔

فائدہ : صاحب صدق کو موت سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

حکایت سیدنا امام حسین نے سیدنا امیر المومنین علی المرتضٰے رضی اللہ عنہما کو جنگ کا لباس پہنتے ہوئے دیکھ کر کہا یہ تو جنگیوں کا لباس ہے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹے تیرا باپ اس سے نہیں گھبراتا کہ وہ موت پر گرے یا اس پر موت گرے صدق موت کا زادراہ اور موت راہ بقا اور بقا سبب تعلق ہے جو بھی اللہ تعالٰی کا دیدار چاہتا ہے اللہ تعالٰی اس کی ملاقات چاہتا ہے۔

حکایت • حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نوے سال کی عمر میں نیزہ ہاتھ میں لیتے تو ان کا ہاتھ کانپتا تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا دنیا کا آخری کھانا پینا دودھ ہوگا آپ جب مرد صفین میں حاضر ہوئے تو نیزہ ہاتھ میں لیا تو آپ کو پیاس کی شدت محسوس ہوئی پانی مانگا تو آپ کو دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یاد آگیا (دنیا سے رخصت ہوتے وقت تیری آخری غذا دودھ ہوگی) فرمایا کہ لو میری سعادت کا دن آگیا دودھ پی کر میدان کارزار میں چلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ الیوم نلقی الاحبۃ محمداً وحزبہ آج محبوبوں کی ملاقات ہوگی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی مقدس جماعت سے[1]

مثنوی شریف میں ہے

(۱) ہمچنیں باد اجل با عارفان
نرم و خوش ہمچوں نسیم یوسفاں

(۲) آتش ابراہیم را دندان نزد
چون گزیدہ حق بود چو نش گزد

(۳) پس حال از نقلی عالم شادمان
وز بقایش شادمان ایں کو دکان

(۴) چونکہ آب خوش ندید آن مرغ کور
پیش او کوثر نماید آب شور

---

[1] صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم غیب کا تھا تبھی تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے دودھ کو یاد کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی سنایا۔

ترجمہ ۱ : یاد اجل عارفون کے لئے ایسے نرم وخوش ہے جیسے نسیم یوسف

۲ : ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے ایذار نہ دیا جب وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے تو پھرا نہیں آگ کب ستاتی۔

۳ : اللہ والے نقل عالم سے خوش ہوتے ہیں ان کی تیار پر پکے ہی خوش ہوتے ہیں ورنہ عقل والے تو راضی بہ رضا ہوتے ہیں۔

۴ : اندھے پرندے کو پانی اچھا نہیں لگتا تو اسے آب کوثر بھی کڑوا پانی محسوس ہوتا ہے

صاحب مثنوی قدس سرہ کی موت

صاحب مثنوی قدس سرہ کو جب سکرات الموت طاری ہوئی اور حضرت ملک الموت (علیہ السلام) کو دروازہ پر دیکھ کر فرمایا:

پیش ترا پیش تر جان من

پیک در حضرت سلطان من

ترجمہ ۱ : تیرے آگے اور بہت جلد میری روح حاضر ہے کیوں کہ یہ پیام حضرت سلطان کا ہے (تو میں حاضر ہوں)

ملائک الموت کی تعداد

علماء فرماتے ہیں کہ روح نکالنے والے چار فرشتے ہیں۔

(۱) روح کو دائیں پاؤں سے کھینچتا ہے۔

(۲) بائیں پاؤں سے

(۳) سیدھے ہاتھ سے

(۴) بائیں ہاتھ سے

پھر سب مل کر پوروں اور انگلیوں کے سروں سے نکالتے ہیں۔ مومن فرمانبردار کی روح ایسے نکلتی ہے جیسے شیشی سے پانی کے قطرات اور فاجر کی روح ایسے جیسے کانٹا تراؤں سے یہانتک کہ وہ خیال کرے گا کہ شاید اس کا پیٹ کانٹوں سے پر ہو گیا ہے گویا اس کی روح سوئی کے سوراخ سے نکالی جارہی ہے گویا آسمان زمین پر گر پڑا ہے اور وہ درمیان میں پسا جارہا ہے۔

سوال : اگر سکرات کے وقت میت کا یہی حال ہے تو پھر وہ درد سے چیختا چلاتا کیوں نہیں جب کہ معمولی درد سے انسان کتنا شور مچاتا ہے۔

جواب : مضروب (درد والم والا) اس لئے چیختا چلاتا ہے کہ اس کی زبان اور قلب میں قوت وطاقت ہوتی ہے لیکن میت (مردہ) سے باوجود شدت درد کے آواز ختم ہو جاتی ہے اسی لئے سنائی نہیں دیتی۔ اس لئے کہ سکرات کا درد انتہا پر پہنچ کر میت کے دل پر اثر انداز ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے بدن کے رونگٹے رونگٹے میں غلبہ پا کر ہر قوت کو ختم کر ڈالتا ہے اور ہر عضو بے جان ہو کر رہ جاتا

ہے ... یہ فریاد وزاری کی طاقت نہیں رہتی۔

صالح و طالح مرد حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ ہر میت ان ہر دو فرشتوں کو دیکھتی ہے جو اس کے محافظ (کراماً کاتبین) ہیں یعنی اعمالنامہ لکھتے ہیں اگر انہوں نے اس سے اچھی صحبت پائی تو کہتے ہیں جزاک اللہ خیر الجزاء اللہ تعالیٰ تجھے نیک جزا بخشے تونے ہمیں نیک مجلس میں بٹھایا اور عمل صالح میں پہنچایا اگر وہ میت بدعمل ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تجھ بُری جزا دے تونے ہمیں بری مجلس میں بٹھایا اور گندی باتیں سنائیں اسی لئے اس کی آنکھ کھل جاتی ہے یہاں تک کہ پھر وہ گویا دنیا میں نہیں لوٹے گی۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریغست فرمودۂ دیوزشت

کہ دست ملک بر تو خواہد نوشت

روا داری از جہل و ناپاکیت

کہ پاکان نویسند ناپاکیت

ترجمہ افسوس ہے کہ فرمودہ دیوزشت وہ کو پاک فرشتے کا ہاتھ تیرے اوپر لکھے گا

۱۲ تو یہ جائز رکھتا ہے کہ پاک لوگ تیری ناپاکی لکھیں۔

مرنے سے پہلے بہت سے خوش قسمت وہ ہوتے ہیں جنہیں سکرات کے اجزاء سے پہلے ملکوتی ملک نظر آنے لگ جاتا ہے وہ فرشتوں کو اپنے اعمال کی حقیقت میں دیکھتا ہے اگر اس کے اعمال نیک ہوں تو اسے وہ فرشتے حسین شکل میں نظر آتے ہیں اگر اعمال بُرے ہوں (معاذ اللہ) تو اسے ملائکہ قبیح اور ڈراؤنی صورت میں نظر آتے ہیں پھر اعمال کا حسن و قبیح ہی اس کے مراتب پر اثر انداز ہوتا ہے اعمال کا درجہ و مرتبہ جس طرح کا ہوگا نتیجہ اسی طرح کا ہوگا۔

مسئلہ: دنیا میں کوئی بشر بھی ملائکہ کو اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتا ہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل علیہ السلام اصلی سورت میں دو دفعہ نظر آئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے جب انسان دنیا سے آخرت کو جھانکتا ہے تو ہر ایک کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض کو خوف بڑھ جاتا ہے اس کو انجام کا علم اس وقت ہوتا ہے جب روح نکل جاتی ہے بعض وہ ہیں جنہیں روح کے خروج سے پہلے بعض اخروی امور منکشف ہو جاتے ہیں تو سکون نصیب ہوتا ہے اور اس کا دل محفوظ ہوتا ہے۔ ایسے خوش بخت انسان پر سکرات آسان ہوتی ہے اسی لئے وہ مرتے دم جان پہچان رکھتا ہے اور بلا تکلیف ا

درد و الم کے اس کی روح جسم سے نکلتی ہے وغیرہ وغیرہ اسی معنیٰ پر کسی نے کہا ہے

انا ان مت فالھوی حشو قلبی

و ابتدا الھوی بموت الکرام

ترجمہ : میں اگر مرا تو محبوب میرے قلب میں ہے اور محبت کی ابتدا بزرگوں کی موت پر ہوتی ہے۔

غوث پاک رضی اللہ عنہ کی موت کا حال سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض مشائخ سے منقول ہے کہ آپ پر جب نزع طاری ہوئی تو چہرہ اقدس زمین پر رکھ کر فرمایا یہی وہ حق ہے جس سے ہم حجاب میں تھے فرمایا وہ نار یعنی مراتب جس پر ہم دنیا میں تھے ان میں نقص تھا۔ کامل مراتب تو یہی ہیں جو بوقت موت نظر آرہے ہیں گویا موت کے وقت آپ کو تمام و کمال مراتب سے مکمل کر کے رخصت کیا گیا اور کامل و مکمل حال میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

ایک مولوی کی موت مولانا حمید الدین مرض الموت کے وقت سخت مضطرب تھے آپ سے پوچھا گیا کہاں ہیں آپ کے علوم و معارف فرمایا تم مجھ سے قلب اور احوال قلب کا پوچھتے ہو لیکن وہ تو غیر موجود ہے آپ کو وہ اضطراب اسی وجہ سے تھا۔

نکتہ : بعض باکمال لوگوں کے زندگی کے وقت خوب اور خوش گفتگو ہوتی ہے لیکن جب وفات کا وقت آتا ہے تو سخت تشویش میں ہوتے ہیں اور گفتگو کا قرینہ بدل جاتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب کوئی بیماری میں یا بڑھاپے میں پہنچتا ہے تو اس کی وہ حالت نہیں رہتی جو تندرستی اور جوانی میں تھی اور یہ حالت نزع تو ایسی حالتوں سے کئی گنا سخت اور بڑھ کر ہے۔ اسی لئے بعض موت کے وقت مقام قبض و ہیبت میں منتقل ہوتے ہیں

حکایت بعض دوستان خدا موت کے وقت ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے لمثل ہذا فلیعمل العاملون اسی طرح ہی ہے عمل والوں کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کریں۔

حکایت بعض بزرگ موت کے وقت روتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ افسوس اتنا طویل عمر ہم نے گنوا دی اور کچھ نہ کمایا۔ وہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقت تجلیات ربانی ان کے سامنے ہوتی ہیں۔

سبق : جب ارباب الاحوال کا یہ حال ہے تو فکر کیجئے تو کس باغ کی مولی ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی بعض علماء نے فرمایا کہ سکرات الموت احوال و اعمال کے مطابق ہوتی ہے ان کا حسن و قبح موت کے وقت ظاہر ہوتا ہے مثلاً غیبت کرنیوالے کے لب دوزخ کی قینچی سے کاٹے جاتے ہیں اور غیبت سننے والے کے کانوں پر جہنم کے انگارے ڈالے جاتے ہیں حرام کھانے والے کے آگے زقوم (کڑوا) درخت جہنم کا رکھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بندے کے اعمال

کا نتیجہ سکرات الموت کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

فائدہ: میت پر لحظہ بہ لحظہ سکرات کے جھٹکے لگتے ہیں (جسے ہچکی سمجھا جاتا ہے) یہانتک کہ روح قبض کی جاتی ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال (موت) کے وقت کیا فرماتے تھے

حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال (موت) کے وقت فرماتے تھے اللھم ھون علی محمد سکرات الموت اے اللہ! حضرت محمد (مصطفٰے) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سکرات الموت آسان فرما۔

سبق: عوام جو سکرات الموت اور اس کی ہولناکیوں سے اس لئے پناہ نہیں مانگتے (یعنی اس سے غفلت میں رہتے ہیں) کہ ان پر جہل کا غلبہ ہے شے کے وقوع سے پہلے اس کا ادراک یا نبوت کو حاصل ہوتا ہے یا ولایۃ کو یہی وجہ ہے کہ موت کے وقت عظیم خوف انبیاء علیہم السلام پر دیکھا گیا یا اولیاء کرام پر ؎

یا من بد پناہ اشتغل
وغرہ طویل الامل
الموت یاتی بغتۃ
والقبر صندوق العمل

ترجمہ: اے وہ شخص جو دنیا میں مشغول ہے اور اسے لمبی آرزو نے دھوکہ دیا ہے اچانک موت آئے گی اور قبر عمل کی صندوق ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

سپہر بر شدہ و پرویز نیست خون افشان
کہ ریزہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز ست

ترجمہ: آسمان سر پر آ گیا لیکن پرویز نے خون کے آنسو نہ بہلائے وہ سر کسریٰ اور پرویز کے تاج کے ٹکڑے پر خوش ہے۔

سبق: اے برادر آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کوئی بھی موت سے نہ بچا اور تو بھی نہ بچ سکے گا۔ موت ایک پیالہ ہے اور سب نے اس سے پینا ہے ؎

خانہ پُر گندم و یک جو نفرستادہ بگور
غم مرگت چو غم برگ زمستانی نیست

ترجمہ: گھر گندم سے پُر ہے لیکن قبر میں ایک جو تک نہ بھیجا موت کا غم تجھے سردی سے پتے جھڑنے کی مقدار بھی نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ (اور صور پھونکا جائے گا) اس سے نفخ ثانی مراد ہے یعنی وہ صور جو قبر سے اُٹھکر میدانِ حشر میں حاضر ہونے کے لئے پھونکا جائے گا اور صور پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں (تفصیل گذر چکی ہے)

ذٰلِکَ وہ وقت نفخ صور یہاں مضاف محذوف ہے یَوْمُ الْوَعِیْدِ وہ ایفاء الوعدہ کا دن ہے یعنی جس دن کا دنیا میں تمہیں وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا کہ وہ دن یقیناً آئے گا اور اس سے وعیدیں سنائی گئیں یا اس سے وتورع الوعید مراد ہے جب کہ وعید سے عذاب موعود مطلوب ہو۔

سوال : وعید کی تخصیص کیوں حالانکہ وہاں وعدبھی تو ہے۔

جواب : چونکہ اس کی ہولنا کی کا اظہار مطلوب ہے اسی لئے صرف اس کا ذکر کیا گیا یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کفار کے حالات سے ابتداء کی گئی ہے۔

(وَجَآءَتْ) اور میدانِ حشر میں اسی دن آئے گا کُلُّ نَفْسٍ تمام نفوس نیک اور بُرے مَعَهَا محلاً منصوب علی الحالیۃ ہے کیوں کہ لفظ کل کا مضاف الیہ معرفہ کے حکم میں ہے گویا کہا گیا ہے کل النفوس سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ چلانے اور گواہی دینے والا ہو گا۔ چلانے اور گواہی کے کوائف نفوس کے اعمال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوں گے یعنی ایک فرشتہ انسان کو میدان حشر کی طرف لے کر چلے گا اور ایک اس کے اعمال کا گواہ ہوگا اعمال اچھے تو گواہ اچھا اعمال بُرے تو گواہ سخت۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ کافر کا سائق جہنم کی طرف لے کر چلے گا اور اس کا گواہ اس کے بُرے اعمال کی گواہی دے گا اور مومن کا سائق جنت کی طرف لے کر چلے گا اور اس کا گواہ نیکی کی گواہی دے گا۔

فائدہ : کیا وہی کراماً کاتبین سائق وشہید ہوں گے یا یہ اور ہوں گے اس میں اختلاف ہے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ کیا وہ ایک فرشتہ ہو گا جو دونوں صفتوں کا جامع ہو گا گویا کہا گیا ہے کہ اس کے ساتھ فرشتہ ہو گا جو اسے چلائے گا اور اس کے اعمال بد کی گواہی دے گا۔

فائدہ : الواسطی نے فرمایا سائق اس کا حق اور اس کا شہید بھی حق ہے یعنی دنیا وآخرت میں اس کا ہونا حق ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بے شک تو تھا غفلت میں اس سے۔

حل لغات الغفلہ وہ معنیٰ جو حقیقت امور کی واقفیت سے انسان کو روکے۔ (المفردات) میں ہے بمعنی وہ سہو جو قلت تحفظ و تیقظ سے طاری ہو اب معنی یہ ہوا کہ انسان کو قیامت میں یا یوم النشور میں اور عرضِ الٰہی کے وقت بے شک تھا تو اے شخص دنیا میں اسی دن۔

کی ہولناکیوں سے غفلت میں تھا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس دن سے غافل تھا جو تجھ پر نازل ہونے والا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے انسان تم کفر کے انجام سے غافل تھے اور معین المعانی میں ہے من ھذا کا اشارہ سائق وشہید کی طرف ہے بعض نے کہا کہ یہ خطاب کافر سے ہے۔ بعض نے کہا کنت بکسر اتار ہے کیوں کہ نفس مؤنث ہے ایسے ہی آنے والے تمام خطابات یا خطاب ہر ایک کو ہے کیوں کہ کون ہے وہ جو آخرت سے غافل نہ ہو (انبیاء واولیاء کے سوا) فَكَشَفْنَا تو ہم نے ہٹایا اور اٹھا دیا عَنْكَ غِطَاءَكَ تجھ سے تیرا پردہ جو تیری آنکھ پر تھا۔

حل لغات

غطار سے وہ حجاب مراد ہے جو امور آخرت پر پردہ ڈالنے والا ہے یعنی غفلت اور محسوسات میں انہماک اور ان سے الفت اور صرف انہی پر نظر جمائے رکھنا المفردات میں ہے کہ غطاء وہ شے جو کسی دوسری شے کے اوپر ڈالی جائے جیسے لباس وغیرہ ایسے ہی الغشار پھر جہالت کے لئے استعارہ کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَكَشَفْنَا عَنْكَ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے شخص ہم نے تیری آنکھوں سے جہل اور غفلت کا پردہ ہٹایا جو سنتا تھا اب تجھے دکھلائے جائیں گے یعنی ان کی حقیقت کا تو ادراک کرے گا۔

فائدہ: الکواشی میں ہے غطار سے قبر مراد ہے یعنی قیامت میں انسان کو کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے قبر کی اندھیریوں سے نکالا فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ تو آج تیری آنکھ نافذ یعنی تیز ہے تو اسے آنکھوں سے دیکھے گا جس کا تجھے انکار تھا اور دنیوی زندگی میں اس کو بعید از قیاس سمجھتا تھا اب آنکھوں سے پردے دور کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی قیامت میں انسان کو کہا جائے گا کہ دنیا میں تو اخروی امور کا انکار کرتا تھا اب تجھ سے پردے ہٹ گئے تو انہی امور کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے لیکن اب اگر تو مان لے گا تو تجھے کوئی فائدہ نہیں یہ اس دیگر ارشاد گرامی کی طرح ہے فرمایا أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا کیسا بہتر سننے اور دیکھنے والے ہیں اس دن کہ وہ ہمارے ہاں آئیں گے۔

حل لغات

حدید اسی محاورہ سے ہے کہا جاتا ہے حددت السکین میں نے چھری تیز کی۔ اب من حیث الخلقۃ یا من حیث المعنیٰ اچھی شے کو کہا جاتا ہے جیسے بصر وبصیرۃ حدید یعنی آنکھ اور قلبی بصیرت تیز ہے یا کہتے ہیں ھو حدید النظر وحدید الفھم فلان تیز نگاہ اور تیز فہم ہے لسان حدید لسان صارم وماضی کی طرح یعنی فلان تیز زبان ہے یہ اس کے لئے بولتے ہیں جس کی گفتگو بہت مؤثر ہو لوہے کی طرح۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اگرچہ انسان کو عالم غیب وعالم حس پیدا کیا گیا ہے لیکن اگر وہ عالم شہادت میں ہے تو اس پر عالم حس کا غلبہ ہوتا ہے تو عالم محسوس

حواس ظاہرہ سے دیکھتا ہے باوجودیکہ اس کے اجناس مختلف ہیں لیکن وہ عالم غیب کے ادراک سے کوسوں دور ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جس کے پردے دل کی آنکھ سے ہٹا کر اس کی بصیرت کی تیز فرماتا ہے تو وہ رشدو ہدایت کو دیکھتا اور شر سے بچتا ہے یہ اہل ایمان ہیں یہی اہل سعادت ہیں اور بعض کے دل سے پردہ قیامت میں اُٹھے گا تو پھر اس وقت ایمان لانا ان کو فائدہ نہ دے گا یہی کفار ہیں یہی اہل شقاوت ہیں ؎

۱ : گرت رفت از اندازہ بیرون بدی
چو گفتی کہ بد رفت نیک آمدی

۲ : فراشو چو بینی در صلح باز
کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

ترجمہ ۱ : اگر تیری برائیاں حد سے زائد ہیں جب اتنا اعتراف کرتا ہے کہ یہ برا عمل ہے
۲ : عاجزی کر جب دیکھتا ہے کہ صلح کا دروازہ کھلا ہے ورنہ توبہ کا دروازہ اچانک بند ہو جائے گا۔

ملفوظات علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر پردے ہٹ جائیں تب بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہو گا ؎

۱ : حال خلد و جحیم دانستم
بیقین آنچنانکہ می باید

۲ : گر حجاب از میانہ بر گیرند
آن یقین ذرہ نیفزاید

ترجمہ ۱ : میں نے بہشت اور دوزخ کا حال جان لیا یقین سے جیسا کہ لائق ہے۔
۲ : اب اگر درمیان سے حجاب اٹھ جائیں تو ذرہ برابر بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہو گا۔

شرح ملفوظ علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ پردے جو اہل غفلت کے آخرت میں دور ہوں گے وہ اہل اللہ کے لئے دنیا میں ہوئے ہیں اور ان کے لئے آخرت کے دیکھنے والی بات آج منکشف ہے اسی لئے کہ وہ علم الیقین سے ترقی کر کے علم الیقین تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اسی دار دنیا میں اسی ترقی کی وجہ سے ان کا وقت خوشگوار بسر ہوتا ہے کیوں کہ وہ اسی دنیا میں ہی بہشت میں ہیں بلکہ ہر دن ان کے لئے درجات کی ترقی رہتی ہے۔

نکتہ : اس میں اشارہ ہے کہ اہل نار سے ان کی آنکھوں سے وہ پردے ہٹا دیئے جائیں گے جو

عین الیقین والعیان سے مانع تھے اور وہ ان کے ظاہر و باطن کے عرصہ دراز جہنم میں رہنے سے جاہل دینے سے ہوگا پھر وہ جمال دیکھیں گے جو عارفین اس دنیا میں دیکھا کرتے اس کے بعد عذاب کا خطرہ اُٹھ جائے گا اس لئے مشاہدہ یار کے وقت جلنا آسان ہوتا ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ زنان مصر یوسف علیہ السلام کے دیدار سے ہاتھ کاٹ رہی تھیں لیکن انہیں محسوس نہ ہو رہا تھا جب حسن یوسف کی تجلی کا یہ حال ہے تو پھر حسن حقیقی کے شہود کے بعد کیا حال ہوگا لیکن اہل نار کو اس مشاہدہ کے بعد احتراق کا احساس نہ سہی پھر بھی دیگر نعمتوں سے محروم رہیں گے جیسے کھانا پینا نکاح وغیرہ (اسے اچھی طرح سمجھ لو ورنہ جاہل صوفی کی طرح غلط باتیں کروگے)

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ قَرِیْنُہٗ اور اس کا ساتھی اسے کہے گا یعنی شیطان جو اس کو وسواس ڈال کر برائی کرا تا تھا۔

هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ یہی وہ جو میرے پاس اور میری ملکیت اور میری قدرت میں ہے حاضر جو اسے میں نے جہنم اغوا و اضلال (گمراہ کرنے) سے تیار کیا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا یہ اشارہ اس فرشتے کا ہوگا جو انسان کا نگران (کراماً کاتبین) ہے جو وہ اس کے عملنامے کی کتاب کی طرف اشارہ کرکے کہے گا یہ میرے پاس لکھا ہوا حاضر ہے تیار رہے اللہ کے ہاں حاضری کے لئے اگر وہ بندہ اہل ایمان اور جنتی ہے تو اس کی نیکیوں کی کتاب حاضر کی جائے گی کیوں کہ اس کی برائیاں مٹائی جا چکی ہوں گی اگر وہ کافر اور دوزخی ہے تو اس کی برائیوں کی کتاب پیش کی جائے گی کیوں کہ اس کی نیکیاں تو کفر کی وجہ سے ضائع ہو چکی ہوں گی۔

فائدہ: ما اگر موصوفہ ہو تو عتید اس کی صفت ہے اگر موصولہ ہو تو عتید اس سے بدل ہے یا خبر بعد خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ شیطان کی کسی وقت بھی اطاعت نہ کرے اور نہ ہی اس کے اغواء کی طرف متوجہ ہو کیوں کہ وہ تو دوزخ اور قہر جبار کی طرف بلاتا ہے۔

شب معراج میں بڑھیا سے ملاقات

مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج راستہ کے ایک کنارہ پر بڑھیا کو دیکھ کر فرمایا اے جبریل (علیہ السلام) یہ بڑھیا کون ہے عرض کی آگے چلئے آپ۔ جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا چلے تو ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے راستہ کے کنارہ پر کوئی بلا رہا ہے کہ اے (حضرت) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادھر کیجئے پھر آپ ایک جماعت پر گزرے تو انہوں نے آپ کو سلام عرض کیا کہ السلام علیک یا اوّل السلام علیک یا آخر" حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی آپ ان کو سلام کا جواب دیجئے آپ نے نہیں

سلام کا جواب دیا۔ اب جبریل علیہ السلام نے عرض کہ وہ بڑھیا دنیا تھی اس کی اب اتنی عمر رہ گئی ہے جتنا اس بڑھیا کی۔ اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور وہ جو آپ کو اپنی طرف بلا رہا تھا وہ ابلیس تھا اور جنہوں نے سلام عرض کیا وہ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) تھے۔

نکتہ : ابلیس کی تخلیق صرف دشمن و دوست کے امتیاز اور بد بخت اور نیک بخت کے افتراق کے لئے ہے انبیاء علیہم السلام پیدا فرمائے تاکہ نیک بخت ان کی اقتدا کریں اور ابلیس کی اشقیا (بالعدل) تاکہ ان کے درمیان امتیاز ہو کہ نیک بخت کون ہے اور بد بخت کون۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس دوزخ کا دلال ہے اور خلاف ورزی کرنے کا رہبر اور اس کی پونجی دنیا ہے جب اس نے دنیا کا فروں کو پیش کی تو انہوں نے پوچھا اس کی قیمت۔ کہا ترک الدین انہوں نے اس سے دین دے کر دنیا خرید لی کافروں نے کہا ہمیں اس سے کچھ مزہ تو چکھا دے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ یہ ہے کیا۔ ابلیس نے کہا اس کے لئے کوئی شے گروی رکھو انہوں نے اپنی آنکھیں اور کان شیطان کے ہاں گروی رکھ دیئے اسی لئے ارباب دنیا کی خبروں کی طرف کان لگاتے اور اس کی زینت پر لٹو ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے کان اور آنکھیں ابلیس کے ہاں گروی ہیں۔ اسی لئے شیطان نے سمع و بصر گروی لینے کے بعد انہیں دنیا کا ایسا مزہ چکھایا کہ اب انہیں زاہدوں سے نہ دنیا کا عیب سننا گوارہ ہے اور نہ ہی اس کے عیوب دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کے نقش و نگار اور اسباب پر فریفتہ ہیں اسی لئے کہا گیا ہے حبک الشیٔ یعمی ویصم۔ (محبت تجھے بہرہ اور اندھا کر دیتی ہے) بخلاف زاہدوں کے انہوں نے دنیا ترک کر دی اور اس سے مکمل طور منہ پھیر لیا لیکن دنیا سے رغبت کرنے والوں نے دنیا کو گلے لگایا اسی لئے ان کے دلوں میں دین کی باتیں اچھی نہیں لگتیں اور دنیا کی باتیں ان کو شہد و شیریں محسوس ہوتی ہیں۔

لطیفہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ مومن اپنے مولیٰ کی رعایت و حفاظت کی پناہ میں رہے کیوں کہ بھیڑیا نہ ہوتا تو بکریوں کے لئے چرواہے کی ضرورت نہ ہوتی۔

فائدہ : ابلیس نے ظلمت و خباثت سے پیدا فرمایا اسی لئے اس کی طبع عداوت کی خوگر ہے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت و عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلْقِیَا فِیْ جَہَنَّمَ اسے جہنم میں ڈالو۔ یہ اللہ کا خطاب سائق و شہید کو ہے۔ یا جہنم کے داروغہ فرشتوں میں کسی دو فرشتوں کو یا کسی ایک فرشتے کو جو دونوں صفتوں کا جامع ہے یا جہنم کے خازن کو پھر تثنیہ کا صیغہ دو فعل کے قائم مقام ہے جیسے تکرار کے لئے لایا جاتا ہے اس سے صرف تاکید مطلوب ہوتی ہے گویا اسے کہا گیا الق الق ڈال دے ڈال دے

دوسرے فعل کو حذف کرکے اس کے فاعل اور پہلے فعل کے فاعل کو تثنیہ کی ضمیر کی صورت میں لایا گیا ہے جیسے فعل اول سے متصل کیا گیا یا یہ الف نون تاکید کا عوض ہے اجراء الوصل مجری الوقف کے قبیل سے ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسے القین بھی پڑھا گیا ہے یعنی نون خفیفہ سے جیسے لنسفعن کہ جب اس پر وقف ہوگا تو اسے الف کے ساتھ پڑھا جائے گا (یعنی لنسفعا) اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ عرب کا دستور ہے کہ سفر میں اکثر دو ساتھی ہوتے ہیں اور یہ رفاقت کا ادنیٰ درجہ ہے اس لئے اکثر ان کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔

خلیلی وصاحبی قفا مداو اسعدا اے میرے ساتھی اور دوست ٹھہر اور مدد کر، ان کی عادت ہے تثنیہ کے صیغہ سے واحد کو مخاطب کرنا جیسے (امرؤ) القیس نے کہا ہے

۱ : خلیلی مرا بی علی ام جندب
لتقضی حاجات الفواد المعذب

۲ : الم ترانی کلما جئت طارقا
وجدت بہا طیبا وان لم تطیب

ترجمہ ۱ : اے میرے دو ام جندب کو حکم دو تاکہ وہ میری درد بھری دل کی مراد پوری کرے۔

۲ : کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب میں رات کو آتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اگرچہ وہ اس سے ناخوش ہے۔

بیت اول میں تثنیہ کا صیغہ اور بیت ثانی میں واحد کا صیغہ ہے۔

کل کفار : ہر وہ جو منعم اور اسکی نعمتوں کا زیادہ ناشکرا اور توحید کا منکر اور ایمان سے روگردان بعض نے کہا کفار وہ ہے جو دوسروں کو کفر کی ترغیب دے (عنید) حق سے عناد کرنے والا حق کو جان کر اس سے انکار کرنے والا۔ عناد قبیح ترین کفر کو کہا جاتا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا عنید بمعنی طاعت سے منحرف اور حضرت سدی رحمۃ اللہ نے فرمایا عنید عند سے مشتق ہے وہ ہڈی جو حلق میں پھنس جائے یا بمعنی خود بین اور المعاند خود بینی گویا یہ عندی کذا" سے ہے (عین المعانی)

المفردات میں ہے العنید بمعنی خود بین اور المعاند خود بینی پر فخر و نازاں العنود وہ جو اعتدال سے ہٹ جائے یعنی حق سے ہٹ جائے اور اسے جاننے کے باوجود رد کرے، مناع للخیر اور مال کو حقوق کی ادائیگی سے بہت زیادہ روکنے والا فرض (زکوٰۃ) ہو یا نفلی صدقات یعنی شر و امساک اس کی طبیعت بن چکی ہو جیسے کافر کو کفر الیسی عنید جس کا عناد طبیعت بن چکا ہو یا بمعنی جنس خیر کا بہت روکنے والا یہ کہ اس کے اہل کو پہنچے یعنی مال ان کے پہنچنے کو حائل ہو جائے اس معنیٰ پر المنع بمعنی عطیہ کا روکنا کہا جاتا ہے رجل مانع و مناع بمعنی بخیل کبھی اسے حمایت پر بھی بولتے ہیں اسی سے ہے مکان منیع بعض نے کہا یہاں پر

دلخیر بمعنی اسلام ہے۔

شان نزول یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی جب وہ اپنے بھتیجوں کو اسلام سے روکتا اور کہتا تھا جو مسلمان ہوا اسے زندگی بھر خیرو بھلائی (مال وغیرہ) سے محروم رکھوں گا حد سے تجاوز کرنے والا۔ الاعتداء سے ہے بمعنی حق سے تجاوز کرنا یعنی ظالم اور حق سے تجاوز کرنے والا اور اپنے اہل کا دشمن (مریب) اللہ تعالیٰ کے حق میں شک کرنے والا ایسے ہی دین میں اس معنی پر یہ نسبت کا صیغہ ہے بمعنی ذی شک وریب یعنی شک میں ڈالنے والا بعض نے بمعنی متہم کہا۔

الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنایا۔ یہ مبتدا متضمن بمعنی شرط ہے اور اس کی خبر فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ہے تو اسے عذاب شدید میں ڈالو یہ یا کل کفار سے بدل ہے اور فالقیاہ تکرار ہے تاکید کے لئے اور کفار میں اشارہ ہے کہ انہیں جہنم میں ڈالنا انہی صفات کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے لوگ حساب کے انتظار میں ہوں گے کہ جہنم سے ایک گردن نکلے گی جو کہے گی کہ میں تین شخصوں کے لئے مامور ہوں۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنانے والا

(۲) ناحق قتل کرنے والا

(۳) جبار و عنید

پھر لوگوں میں سے تینوں قسم کے لوگوں کو درمیان میں ایسے اٹھائے گی جیسے پرندہ زمین سے دانہ اٹھالیتا ہے پھر انہیں نار جہنم میں پھینک دے گی۔

فائدہ : تفسیر الفاتحہ الفناری میں ہے کہ حساب سے پہلے ایک آگ کی گردن نکلے گی اور لوگ حساب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے جو اپنے عرق میں غرق اور خوف سے ہراساں ہوں گے یہاں تک کہ دل پھٹنے کو ہوں گے تو اچانک وہی گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں اور فصیح زبان سے بولے گی اے میدان حشر والو میں تمہارے میں تین قسم کے لوگوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں یہ تین بار کہے گی ان تینوں میں ایک جبار عنید ہے۔ اسے صفوں میں سے ایسے اچک لیگی جیسے پرندہ تل کے دانے کو جب اس قسم کے لوگوں میں کوئی بھی میدان حشر میں نہ بچے گا پھر دوبارہ اعلان کرے گی کہ میں ان لوگوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے تھے انہیں بھی ایسے ہی اچک لے گی جیسے پرندہ تل کے دانے اٹھاتا ہے جب اس قسم کے لوگوں میں کوئی بھی نہ بچے گا پھر تیسری بار اعلان کرے گی کہ اے میدان حشر والو میں ان لوگوں

کے لئے مقرر ہوں جو اللہ کی تخلیق کی نقل اُتارتا ہے اس کے بعد تصویر کھینچنے والوں (فوٹوگرافرز) کو اچک لے گی۔

فائدہ : اہل تصادیر سے وہ فوٹوگرافرز مراد ہیں جو عبادت گاہوں کی تصویریں بناتے ہیں تاکہ ان کی پرستش کی جائے۔ یا ان مجسموں کی کہ جن کی پرستش کی جائے۔ العبدون ما تنحتون میں ہی مجسمہ سازی مراد ہے کیوں کہ وہ لکڑیوں اور پتھروں کے مجسّمے بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں اس کے بعد وہ فوٹوگرافرز رہ جائیں گے کہ وہ فوٹو پرستش کے لئے تو نہیں ویسے شوقیہ یا دوسرے مقاصد کے لئے (جیسے ہمارے عام فوٹوگرافرز اور تصویر کھینچنے والے) ان کو میدان حشر میں حکم ہوگا کہ جن کی تصویریں (فوٹو) بنائے تھے۔ ان میں روح پھونکو تاکہ وہ زندہ ہو جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکیں گے جیسے مصوّروں تصویر کھینچنے والوں (فوٹوگرافروں) کے لئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ مصوّر (فوٹوگرافر) میدان حشر میں کافی عرصہ ٹھہرے رہیں گے اس انتظار میں کہ نا معلوم ہمارے لئے کونسی سزا مقرر ہوئی ہے اور ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ عرق میں غرق ہوں گے[1]

تفسیر صوفیانہ آیت میں خواہشات اور دنیا کی طرف اشارہ ہے کہ جو ان کی پرستش کرتا اور انہیں معبود بناتا ہے اسے طلب دنیا پر حرص و غفلت کی سزا میں مبتلا کیا جائے گا۔

حضرت عطار رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

چشم گرسنہ سیر ز نعمت نمی شود

غربال را ز کثرت حاصل چہ فائدہ

ترجمہ : بھوکی آنکھ نعمت سے سیر نہیں ہوتی چھلنی کو کثرت اناج کا کیا فائدہ

تفسیر عالمانہ قَالَ قَرِیْنُہٗ اس کا ساتھی اسے کہے گا۔ واؤ عاطفہ درمیان میں نہیں لائی گئی کیوں کہ پہلا خطاب انسان کو تھا اس کے قرین (شیطان) سے اور اس سے متصل تھا دوسرا جملہ مستانفہ ہے جس میں اس نے مخاطب کے ساتھ اتصال کے بغیر اللہ تعالیٰ سے کلام کیا مثلاً کہا (ربنا) الخ ایسے ہی لا تختصموا آنے والی آیت میں واؤ کا نہ لانے کی بھی یہی وجہ ہے ایسے ہی ما یبدل القول الخ میں بھی واؤ عاطفہ نہ لانے کی بھی یہی وجہ ہے کہ سب ایک نہج پر

---

[1] : فوٹوکشی۔ تصویر بنانے کی تفصیل فقیر کے رسالہ "اسور التعزیر فی تصویر التصویر" میں ہے (اویسی غفرلہٗ)

ہیں (برہان القرآن) یعنی وہ شیطان جس نے کافر کو دنیا میں بہکایا تھا۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب کافر کو دوزخ میں ڈالیں گے تو کہے گا میرا اس میں کیا قصور جب کہ مجھ پر شیطان مسلط تھا اس نے ہی مجھے گمراہ کیا شیطان کو لایا جائے گا وہ آ کر اسکی تکذیب کرے گا اس گفتگو اور سوال محذوف پر "لاتختصموا" پر دلالت کرتا ہے۔ (ربنا) اے ہمارے پروردگار ما اطغیتہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا یعنی میں نے اسے گمراہی میں نہیں ڈالا۔ الطغیان بمعنی عصیان میں حد سے تجاوز ہونا (ولکن کان) لیکن وہ خود بخود (فی ضلال بعید) بعید گمراہی میں تھا۔ یعنی حق سے کوسوں دور تھا کہ اس کا حق کی طرف لوٹنے کا امکان نہ تھا۔ پھر میں نے اغوار اور دعوت سے بلا اجبار واکراہ گمراہی میں اس کی مدد کی جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون دوسری جگہ یہ بیان فرمایا کہ شیطان گمراہوں کو کہے گا۔ "وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی" اور تم پر کوئی غلبہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا۔

فائدہ: یاد رہے کہ شیطان کا اغوار اس پر اثر انداز ہوتا ہے جس کی اپنی رائے میں خلل اور فسق و فجور کی طرف مائل طریق حق سے بھٹکا ہوا اور حق تک پہنچنے میں کوسوں دور ہو۔

حدیث شریف میں ہے بے شک میں رسول ہوں میرے پاس کوئی ہدایت سپرد نہیں کی گئی یعنی میرا کام راہ بتلانا ہے آگے کسی کے لئے ہدایت پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے یعنی مفہوم انک لاتہدی من احببت کا ہے ورنہ آپ ہادی کس لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت کیلئے بھیجا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ انک لتہدی الی الصراط المستقیم (سورہ شوریٰ) بے شک تم سیدھے راستے کی ہدایت دیتے ہو۔ پھر فرمایا اگر ہدایت میرے سپرد ہوتی تو تمام دنیا والے ہدایت پر ہوتے (اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت کا اندازہ لگائیے کہ آپ کتنا کریم شفیق تھے کہ دنیا پر کسی کو گمراہ دیکھنا نہیں چاہتے۔

فائدہ: ابلیس کے ہاتھ میں بھی گمراہی نہیں اگر اس کے ساتھ میں گمراہی ہوتی تو کوئی بھی دنیا میں ہدایت پر نہ ہوتا وہ تو صرف گمراہی سے مزین ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت و گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔

قال (فرمائے گا) یہ سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور اس شیطان کو کیا کہے گا جس نے کافر کو گمراہ کیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

لا تختصموا لدی میدان حشر اور حساب و جزار میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے سامنے نہ جھگڑو کیونکہ اب جھگڑے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں بعض نے کہا کہ یہ جھگڑا کفار کا آپس میں ہو گا۔

سوال : یہاں جھگڑے سے رد کیا جارہا ہے دوسری آیت جھگڑے کا ثبوت ہے چنانچہ فرمایا انکم یوم القیمۃ تختصمون بے شک تم قیامت میں جھگڑو گے۔

جواب : یہ ظالم مومن کے لئے ہے جب کہ وہ آپس میں جھگڑیں گے تو ان کا جھگڑا سنا جائے گا اور کافروں کے جھگڑے کی نفی میدان حشر کے متعلق ہے اسی لئے آیت: انک ذلک لحق تخاصم اهل النار بے شک یہ حق ہے جھگڑا اہل نار کا کفار کا یہ جھگڑا جہنم میں ہوگا اور وہ جھگڑنا بھی "لاتختصموا" کے منافی نہیں اس طریقہ سے آیات میں تطابق و توافق ہے نہ کہ تخالف۔

وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ اور بے شک میں نے تمہاری طرف پہلے ہی وعید بھیجی تھی یعنی کتابوں میں لکھ دیا اور رسل کرام علیہم السلام سے کہلوایا کہ دنیا میں طغیان سے بچ کر رہو اب تمہاری مجھ پر کوئی حجت نہیں فلہذا نجات کے متعلق معمولی اُمید بھی نہ رکھو جس حال میں ہو اسی میں رہو گے اب تمہارا باتیں بنانا اور عذرداری کرنا کسی کام کی نہیں جملہ حالیہ ہے نہی کی تعلیل ہے اب معنی یہ ہوا کہ جھگڑا نہ کرو کیوں کہ تمہارے ہاں ثابت ہو چکا اور تم جان چکے کہ میں نے تمہیں وعید سنادی تھی جیسا کہ ابلیس کو کہا تھا کہ "لاملئن جہنم منک وممن تبعک منہم اجمعین" اے ابلیس میں تمہیں اور تیرے تابعداروں سے جہنم کو پُر کروں گا؛ اس کے باوجود تم نے ابلیس کی تابعداری کی اور حق سے منہ موڑا فلہذا اب جھگڑنا کیسا یہ جھگڑنے کا وقت نہیں یہ معنٰی اس لئے مقدر کیا گیا تاکہ حال بنانا صحیح ہو کیوں کہ حال کا ذی الحال کے قریب ہونا واجب ہے اور تقدیم الوعید دنیا میں اور اختصام آخرۃ میں ان کو آپس میں کوئی مقارنت نہیں۔ باء زائدہ یا تعدیہ کی ہے اور قدم بمعنی تقدم ہے۔

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ میرے ہاں قول یعنی وعد و وعید کی کوئی تبدیلی نہیں اب جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے یہ میرا وہ فیصلہ ہے جو میں نے ازل سے کر دیا۔ اب اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوگی۔

سوال : مجرموں کو معاف فرما دیتا ہے اگر ازل میں لکھا ہوتا تو پھر اب ان کی معافی کا کیا معنی۔

جواب : یہ بوجہ اسباب کے ہے جنہیں لکھ دیا تھا کہ اگر انہیں کام میں لائیں گے تو معافی ہو سکے گی تو یہ تبدیلی نہیں۔ علاوہ ازیں عفو کے دلائل وعید کو خاص کر دیتے ہیں یعنی وہ وعید قابل تبدیلی نہیں جو کافروں کے متعلق ہے اسی لئے وعید کافروں کے لئے عام ہے۔

مسئلہ : جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بعض علماء کا مذہب ہے کہ خلف الوعید اللہ تعالیٰ سے جائز ہے بخلاف وعد کے (کہ وہ ناجائز ہے) (شرح العضد) اسے حدیث شریف رد کرتی ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو کسی کام پر ثواب کا وعدہ ہے تو وہ ضرور پورا ہوگا اور کسی کو کسی برائی پر سزا کی وعید ہے تو پھر وہ اختیار میں چاہے سزا دے یا نہ اہل عرب اسے عیب نہیں سمجھتے اور نہ ہی

اور نہ اسے برا کہتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کرے تو بلکہ وہ اسے فضل وکرم سمجھتے ہیں بلکہ خلاف وہ ہے کہ وعدہ کرے
پھر اسے عمل میں نہ لائے جیسے کسی نے کہا ہے

وانی اذا وعدتہ او عدتہ
لمخلف ایعادی و منجز موعدی

ترجمہ: اور بے شک جب میں نے اسے ڈرایا یا وعدہ دیا تو میں ڈرانے کے خلاف کرسکتا ہوں لیکن وعدہ ضرور پورا کرتا ہوں۔

فائدہ: حضرت یحیٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا کہ الوعد والوعید حق، وعدو وعید حق ہے۔ وعدہ حق العباد علی العباد ہے اس کا وہ ضامن ہے کہ اگر وہ کام کریں تو وہ اسے ضرور پورا کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے ایفائے عہد کرنے والا اور الوعید اللہ تعالیٰ کا حق ہے بندوں پر مثلاً فرمایا یہ کام نہ کرنا ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا اسے بندوں نے کرلیا اب چاہے تو معاف کردے چاہے تو گرفت فرمائے کیوں کہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے شان کے لائق یہی ہے کہ عفو وکرم فرمائے کیوں کہ وہ غفور رحیم ہے لیکن مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا اس لئے کہ مشرکین کو جو وعید سنائی تھی اسے وہ کر گزرے گا۔ اس کے ماسوا جسے چاہے بخش دے اس سے ثابت ہوا کہ اہل ایمان کے حق میں وعید کے خلاف کرتا ہے لیکن اہل حقائق کا دیگر کلام ہے جو اپنے مقام پر مذکور ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی بلاد آزمائش سے معافی دے۔

وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور میں بندوں کے لئے ظلم کرنے والا نہیں اور بندوں پر گناہ کے بغیر ظلم کرنے والا نہیں۔

سوال: جب گناہ کے بغیر کسی کو عذاب نہ کرنا ظلم نہیں ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اہل سنت کے قواعد میں ہے تو پھر اس سے ظلم کی نفی کا کیا معنیٰ۔

جواب: کمال نزاہت کا بیان ہے کہ وہ ذات وہ ہے کہ اس کے متعلق ایسا تصور بھی محال ہے۔ صیغۂ مبالغہ اس معنیٰ کی تاکید کے لئے ہے کہ اس سے ظلم کا تصور کہاں۔

فائدہ: لفظ ظالم عبد (واحد) کے لئے اور ظلّام عبید (جمع) کے لئے آتا ہے اور یہ کمّاً مبالغہ کے لئے ہے نہ کہ کیفاً کے لئے۔

سوال: بعض نے فرمایا کہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس سے ظلم محال ہے لیکن جواز تو ثابت ہوتا ہے کیوں کہ نفی ظلّامیتہ کی ہے یعنی بڑا ظالم نہیں تو (معاذ اللہ) ظالم تو ہوسکتا ہے

جواب: محققین نے یہی اختیار فرمایا ہے کہ مبالغہ نفی پر مسلط ہے نہ قید پر جیسے کہا جاتا ہے۔

ما انا بکذوب ۔ میں جھوٹا نہیں ایسے ہی اس کا اصل بھی لیس بظالم تھا پھر اس کی نفی مبالغہ کی طرف منتقل ہوئی ہے تو مبالغہ نفی کی طرف منتقل ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے ظلم کی نفی ہے ۔ دوگنی تاکید کے ساتھ اگر نفی صیغہ مبالغہ پر داخل ہو یا بایں طور کہ ظالم کو اپنے معنیٰ میں دوگنا کیا گیا نفی کے بغیر اس کے بعد ہی اس پر نفی داخل ہوئی تو معنیٰ یہ ہوگا کہ ظلم کا دوگنا ہونے کی نفی کی گئی ہے اس سے اصل کی نفی لازم نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ تو مطلقاً ظلم سے منزّہ ہے خود فرماتا ہے میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام فرمایا ہے اور اپنے بندوں پر بھی فلہٰذا اے میرے بندو ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو اور فرماتا ہے میرا غضب اس پر سخت ہو جاتا ہے جو ایسے شخص پر ظلم کرتا ہے جس کا میرے سوا کوئی حامی کار اور مددگار نہیں ۔

فائدہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میری دو دعائیں ہیں ان میں سے ایک کی قبولیت کی امید رکھتا ہوں جیسے اس کی دوسری سے ڈرتا ہوں ۔

(۱) مظلوم کی دُعا کہ جس کی میں مدد کروں ۔

(۲) کمزور کی دعا کہ جس پر میں ظلم کروں ۔

حکایت سمرقند کے بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے دارالعلوم کے طالبعلموں سے امتحان خود لیتا اور بار بار ان کے تین درجے تھے (۱) اعالی (۲) اوساط (۳) ادانی (تھرڈ)

امتحان کیلئے مدرسین کے سوا دیگر ایسے علماء فاضل جو عدل و انصاف والے ہوں مقرر کرتا تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو کر کسی کا نمبر گھٹا بڑھا نہ دوں وہ اسے کفر فی الدین سمجھتا تھا ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں خواہی کہ فردا بری مہتری
مکن دشمن خویشتن کہتری
کہ چون بگذرد برتو این سلطنت
بگیرد بقہر آن گدا دامنت

ترجمہ ۱ : جب تم چاہتے ہو کہ کل سرداری لے جاؤ تو تم دشمن کو حقیر نہ سمجھو
۲ : کہ جب تجھ سے یہ سلطنت چھن جائیگی تو گدا دامن گیر ہو کر تجھے قہر و جبر سے پکڑے گا ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ بہشت میں اور یہ دوزخ میں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں اور یہ قول تبدیل نہ ہوگا یعنی جنتی کو جنت اور دوزخی کو دوزخ ضروری ہو گی اگر اس کے برعکس ہو جائے یعنی بہشتی دوزخ میں اور دوزخی دوزخ میں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا اسلئے کہ جنت دارالجمال اور وہ مومنین کا ٹھکانہ ہے اور نار دارالجلال اور کافروں کا ٹھکانہ ہے جیسے قلب اوصاف حمیدہ کا اور نفس اوصاف ذمیمہ کا مرکز ہے اسی لئے نفس کے اوصاف قلب کی جنت میں داخل نہ ہوں گے ایسے ہی اس کے برعکس اس کے نور و ظلمت کا اجتماع محال ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ
غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ
بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا
مَزِيْدٌ ۝ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ
هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ
شَهِيْدٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ
لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ
الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ
مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ اِنَّا نَحْنُ
نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ
عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ
يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ ع

ترجمہ: جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے کیا تو بھر گئی وہ عرض کرے گی کچھ اور زیادہ ہے اور پاس لائی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے کہ ان سے دور نہ ہوگی یہ ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ہر رجوع لانے والے نگہداشت والے کے لئے جو رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہے اور رجوع کرتا ہوا دل لایا ان سے فرمایا جائے گا جنت میں جاؤ سلامتی کے ساتھ یہ ہمیشگی کا دن ہے ان کے لئے ہے اس میں جو چاہیں اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے اور ان سے پہلے ہم نے کتنی سنگتیں ہلاک فرمادیں کہ گرفت میں ان سے سخت تھیں تو شہروں میں کاوشیں کیں ہے۔ کہیں بھاگنے کی جگہ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنایا اور تکان ہمارے پاس نہ آئی تو ان کی باتوں پر صبر کرو اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور کچھ رات گئے اس کی تسبیح کرو اور نمازوں کے بعد اور کان لگا کر سنو جس دن پکارنے والا پکارے گا ایک پاس جگہ سے جس دن چنگھاڑ سنیں گے حق کے ساتھ یہ دن ہے قبروں سے باہر آنے کا بیشک ہم جلائیں اور ہم ماریں اور ہماری طرف پھرنا ہے جس دن زمین اُن سے پھٹے گی تو جلدی کرتے ہوئے نکلیں گے یہ حشر ہے ہم کو آسان ہم خوب جان رہے ہیں جو وہ کہہ رہے ہیں اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں تو قرآن سے نصیحت کرو اُسے جو میری دھمکی سے ڈرے۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ اے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کو یاد دلانیے یہ ان سب کو مشتمل ہے جو یاد دلانے کے لائق ہیں اس دن نَقُوْلُ ہم کہیں گے اپنی عظمت سے لِجَهَنَّمَ جہنم کو یعنی دارالعذاب (اور اللہ پاک ہے) بعض گنہگاروں کو هَلِ امْتَلَأْتِ کیا تو پُر ہو گئی ان سے جو میں نے تجھ میں ڈالے ہیں اور میں نے اپنا وعدہ پورا کر لیا جیسا کہ کہا تھا " لاملئن جہنم اور میں جہنم کو پُر کروں گا اور بہشت و دوزخ ہر دونوں کو کہا تھا کہ تم دونوں کو پُر کروں گا یہ سوال اللہ تعالیٰ سے اپنی خبر کی تصدیق اور وعدہ کی تحقیق کے لئے اور اہل عذاب کی آگاہی اور تمام بندوں کو تنبیہ کے لئے ہے وَتَقُوْلُ اور جہنم کہے گی جواب دیتے ہوئے استفہام تاد ناً ہے تاکہ جواب سوال کے موافق ہو هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کیا کچھ اور ہے یعنی جن و انسان اور ۔ مزید مجید کی طرح مصدر ہے اس معنیٰ پر مفعول کا صیغہ کی طرح ہے یوم ظرف ہے فعل مقدر کے لئے جو مؤخر ہے یعنی وہ اس میں ایسے سنگین حالات اور ہولناکیاں ہوں گی جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔

فائدہ : اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ سوال وخطاب مبنی بر حقیقت ہے یا مجاز ہے بعض نے کہا مبنی بر حقیقت ہیں کہ دوزخ کو اللہ تعالیٰ اسی طرح بولنے کی طاقت دے گا جیسے انسان کے اعضاء کو یہی مختار مذہب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پہ قادر ہے اور جملہ امور آخرت کے چھوٹے بڑے دنیا کے امور سے مختلف ہیں لہٰذا ان کا ان پر قیاس نہ کیا جائے احادیث بھی ان کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں اسی لئے حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف عدول کی کوئی وجہ نہیں مثلاً حشر میں دوزخ کی آوازیں اور اس کا ہجوم لوگوں پہ اور اسے ملائکہ کا زنجیروں سے کھینچنا اور اس کا مومن کو کہنا کہ اے مومن مجھ سے جلد گزر جا اس لئے کہ تیرا نور میرے شعلے بجھا رہا ہے اور دیگر روایات دلالت کرتی ہیں کہ دوزخ میں حقیقی حیات ہے تو پھر تعجب کیوں دونوں داروں (جنت اور دوزخ) کے متعلق جو ان سے عجیب شانیں اور نادر افعال ظاہر ہوں گے بلکہ حقیقی حیات تو آخرت میں ہے بعض نے کہا کہ دوزخ کا سوال وجواب بطریق تمثیل و تخییل ہے تاکہ دوزخ کے امور کی ہولناکی مدنظر ہو یعنی اس کا ہول دل پہ اثر انداز ہو اور تنبیہ ہو یعنی اس کی یہ حیثیت ہے کہ اگر اس کو یہ کہا جائے گا تو وہ یہ کہے گی اور اس کا حال نطق (بولنے) جیسا ہے ۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں ؎

امتلا الحوض و قال قطني

مهلا مرديد اقد ملأت لبطني

ترجمہ : حوض بھر گیا اور کہا ٹھہر و رک جاؤ میرا پیٹ پُر ہو گیا ہے۔

یعنی دوزخ کی وسعت و پہنائی اور اس کے اطراف و اقطار کے باوجود جب اس میں جن و انس

فوج در فوج ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ بھر جائے گی یہاں تک کہ اب اس میں کسی شے کی گنجائش نہ رہے گی اور
نہ ہی بڑھائی جا سکے گی۔ اس تقریر پر استفہام تقریر کے معنی اور زیادتی کی نفی کے لئے ہے گویا وہ کہے گی کیا اب مجھ
میں کوئی ایسی جگہ ہے جو اسمیں گنجائش ہو یعنی کہے گی کہ میں پُر ہو گئی ہوں اور میرے متعلق جو تیرا وعدہ تھا وہ مجھے حاصل ہو
گیا اب اس مرحلہ میں ہوں کہ میرے میں سوئی کے برابر بھی جگہ نہیں یعنی میں پُر ہو گئی اب زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں
گویا اس سے ایک مثال کے طور پر کہا گیا کہ جہنم پُر ہو جائے گی یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے مطابق ہے فرمایا
انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین (اے عیسیٰ علیہ السلام کیا تم نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ)
یہ سوال بھی تقریر کا ہے نہ کہ استفہام کا ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوم فتح مکہ فرمایا ھل لقی
لنا عقیل داراً یعنی کوئی دار باقی نہیں رہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم کفار اور عاصیوں پر غیظ و غضب کے طور کہے گی
گویا وہ زیادہ سے زیادہ کفار اور عاصیوں کا مطالبہ کرے گی یا اس سے سوال اس کی زیادتی کی حقیقی استدعا کے لئے
ہے کیوں کہ وہ اتنا فراخ ہے کہ اسمیں جتنا مخلوق گرائی جائے گی تو اس میں ایسے نظر آئے گی جیسے انگشتری کا
حلقہ دریا میں۔ یعنی دوزخ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گی اور ڈالو اور ڈالو اللہ تعالیٰ اس میں کافروں کو ڈالے
گا تو پُر ہو جائے گی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ بتانا ہے کہ جہنم اتنا وسیع ہے کہ اس میں جتنا داخل ہوتے
جائیں گے پھر بھی اس میں بہت سی جگہ فارغ پڑی رہے گی۔

سوال: یہ تقریر تو "لاملئن جہنم" کے خلاف ہے کیوں کہ اس میں وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو پُر کرے
گا اور تمہاری تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جگہ ابھی بچ جائے گی۔

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ جہنم میں جوں جوں بندے ڈالے جائیں گے توں توں وہ کہتی جائیگی
ھل من مزید (کچھ اور) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک (واللہ اعلم) اس میں رکھے گا تو
دوزخ کا تمام حصہ ایک دوسرے سے مل جائے گا یعنی اس کا پُر ہونا مکمل ہو جائے گا اب سوال دفع ہو گیا۔

این قدم حق را بود کو را کشد
غیر حق را کہ گمان او کشد

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ قدم ڈالے گا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کیا معلوم کہ وہ کیسے ڈالے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حتیٰ کہ رب تعالیٰ یا رب العرش اپنا قدم اسمیں رکھے گا تو وہ کہے
گی قط۔ قط۔ مجھے کافی ہے مجھے کافی ہے (بس) تیری عزت کی قسم۔

حل لغات یزوی بزا معجمہ بصیغہ مجہول بمعنی یضم و یجمع یعنی پُر ہو کر ایک حصہ دوسرے حصے سے
مل جائے گا۔

حدیث شریف کا آخری حصّہ ہے کہ بہشت میں جگہ بچ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جسے جنت کے بقایا حصّہ میں ٹھہرائے گا۔

بہشت و دوزخ کا مناظرہ (حدیث شریف) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بہشت و دوزخ کا جھگڑا ہوگیا دوزخ نے کہا میرے میں بہت بڑے متکبر اور جابر لوگ آئیں گے اور بہشت نے کہا میرے میں نہایت ہی کمزور داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اے بہشت تو میری رحمت ہے تیرے ساتھ اپنے بندوں پر رحم فرماؤں گا جسے چاہوں گا اور دوزخ سے فرمایا اے دوزخ تو میرا عذاب ہے اپنے بندوں کو تیرے ساتھ عذاب دوں گا جسے چاہوں گا اور تم دونوں کو پُر کروں گا دوزخ میں جب جہنمیوں کو ڈالا جائے گا تو وہ کہے گی ھل من مزید (کیا اور کوئی ہے) تو بالکل پُر نہ ہو سکے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں اس میں رکھے گا تو وہ کہے گی قط۔قط (بس۔بس) اس وقت وہ پُر ہو جائے گی اور اس کا ایک حصّہ سمٹ کر دوسرے حصّہ سے مل جائے گا اور اپنی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ لیکن بہشت میں بچی ہوئی جگہ کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا

اللہ تعالیٰ کے قدم کی تحقیق (۱) القاموس میں ہے حتی یضع رب العزت فیہا قدمہٗ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے اشرار بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اور وہی اللہ تعالیٰ کے قدم ہیں دوزخ کے لئے جیسے اخیار لوگ اللہ تعالیٰ کے قدم ہیں جنت کے۔

(۲) قدم رکھنے سے اسے ہٹانا اور دفع کرنا مراد ہے یعنی دوزخ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا جو اسے زیادہ طلبی سے روکے گا جیسا کہ بحرالعلوم میں ہے کہ وضع القدم علی الشیٔ روکنے اور دفع کرنے کے لئے مثال دی گئی ہے

(۳) بعض نے کہا اسے اللہ تعالیٰ دوزخ پر جبروت سے اہانت کا کوڑا مارے گا اور دوزخی دو قسم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے (۱) گرمی شدید (۲) زمہریر (سخت سردی)۔

ابلیس کو عمومی عذاب زمہریر کا ہوگا کیوں کہ جس شے پر جس شے کا غلبہ ہوگا اس کو اس کے برعکس عذاب ہوگا کیوں کہ ابلیس کی اصل خلقت نار سے ہے اسی لئے اسے زمہریر سے عذاب دیا جائے گا۔

(۴) ابن ملک نے فرمایا کہ وضع القدم سے مراد اسے دفع کرنا اور اس کا جوش مٹانا ہے جیسے تم کہتے ہو وضعت اجلی علی فلاں یعنی میں نے اس پر قہر و جبر کیا۔

(۵) الکواشی میں ہے کہ قدم سے مراد وہ شے ہے جو سبقت کر جائے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے سبقت رحمتی علی غضبی میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی۔

(۶) بعض نے کہا کہ القدم ایک قوم ہے جس کا نام قدم ہے ایسے ہی الرجل سے لوگوں کی ایک جماعت مراد ہے اگرچہ اس کی وضع ٹڈیوں کی ایک کثیر جماعت کے لئے ہے لیکن بطور استعارہ لوگوں کی جماعت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ بعید از قیاس بھی نہیں۔

(۷) بعض نے کہا کہ اس سے بعض مخلوق کے قدم مراد ہیں اور اپنی طرف اضافت سے اس کی تعظیم مراد ہے جیسے فرمایا۔ فنفخنا فیہ من روحنا (تو ہم نے اس میں روح پھونکی) اس میں پھونکنے والے تو جبریل علیہ السلام تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

(۸) عین المعانی میں ہے کہ القدم قدیم کی جمع ہے جیسے ادیم کی جمع ادم ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جو پہلے تھے یا وہ لوگ جنہیں جہنم میں پہلے بھیجا۔

(۹) ایک روایت قدمہ (بکسر القاف) یعنی وہ قوم جو آدم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں تھی اور رجلی کا لفظ بھی مروی ہے یعنی لوگوں کی ایک جماعت۔

(۱۰) بعض نے کہا کہ قدم ایک جماعت ہوگی جسے اللہ تعالیٰ جہنم کے لئے پیدا فرمائے گا۔

فائدہ : قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہی تمام تاویلات سے زیادہ ظاہر ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اہل جنت کی جگہیں جہنم میں خالی ہوجائیں گی اور یہ بھی منقول نہیں کہ اس کے اہل انہی جگہوں کے وارث ہوں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ اپنے عذاب کے لئے جسے چاہے عذاب دے ہاں اہل جنۃ اہل نار کی خالی جگہوں کے وارث ضرور ہوں گے یہ جگہیں انہیں اس کے سوا ہوں گی جو انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے عطا ہوں گی اور انہیں کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے لئے جسے چاہتا ہے مخصوص فرماتا ہے یہ اس کے قول "سبقت رحمتی علی غضبی" میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی) کے نتائج سے ہے اسی لئے ان خالی جگہوں کیلئے ایک مخلوق پیدا فرمائے گا (جسے قدم سے تعبیر کیا گیا) جن کا ایسا مزاج ہوگا کہ اگر وہ بہشت میں اس مزاج کے ساتھ داخل ہوں تو بھی انہیں بہشت عذاب محسوس ہو اسی لئے ایسوں کو دوزخ کی خالی جگہوں میں رکھے گا۔

سوال : جب ان کا مزاج ناری ہے تو انہیں عذاب تو ہوگا نہیں پھر جہنم میں رکھنے کا کیا فائدہ۔

جواب : جہنم کو پُر کرنے کا وعدہ ہے اس میں یہ ضروری نہیں کہ عذاب بھی ہو یہ اس کی قدرت ہے کہ بندوں کو جہنم میں بھیجے اور انہیں عذاب بھی نہ ہو۔

فائدہ : بعض اکابر نے فرمایا کہ جہنم میں کوئی ایسے درکات نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مخصوص کر رکھے ہوں اور نہ ہی عذاب جو اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہو کیوں کہ ہم نے کوئی ایسی روایت نہیں دیکھی جس میں ہو -

اختص بنعمتہ من یشاءُ مخصوص عذاب جسے چاہے دے) جیسے ہم نے رحمت کے لئے پڑھا ہے۔ یختص برحمتہ من یشاء اپنی رحمت سے مخصوص فرماتا ہے جسے چاہتا ہے) خلاصہ یہ کہ اہل نار اپنے اعمال سے ہی عذاب پائیں گے دوسروں کے عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے۔ ہاں اہل جنۃ کو ان کے اپنے اعمال سے بھی نعمتیں نصیب ہوں گے دوسروں کے اعمال سے بھی جو یہ ایک خصوصی جنّت سے نوازا جائے گا

(اہل جنۃ کی تین جنتیں) اہل سعادت کو تین جنات نصیب ہوں گی۔

(۱) جنات الاعمال جیسے اہل شقاوت کو اعمال کی جہنم نصیب ہوگی۔

(۲) جنتہ الاختصاص

(۳) جنۃ المیراث یہ وہی ہے کہ جو درجات اہل نار کے نام نامزد تھے اب وہ تو اپنے اعمال کی نحوست سے دوزخ میں چلے گئے ان کے درجات اہل جنۃ کو بطور میراث نصیب ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیاً) یہ وہ بہشت ہے جو ہم متقی (پرہیزگار) بندوں کو وراثت کے طور عطا فرمائیں گے۔

فائدہ : یاد رہے جن و انس کے ہر فرد کے لئے بہشت میں اللہ تعالیٰ نے مقام مقرر فرمایا ایسے ہی دوزخ میں یہ بوجہ اس کے امکان اصلی سے ہے کیوں کہ قبل از وجود ممکن تھا کہ وہ ہمیشہ عدم میں رہتا یا اسے دولت وجود نصیب ہو اسی حقیقت پر اس میں نعمت کے قبول اور عذاب کے قبول کی ہر دونوں صلاحیتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولو شاء لھداکم اجمعین" اگر چاہے تو وہ سب کو ہدایت دے (اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک میں ہدایت کی صلاحیت ہے ایسے ہی گمراہی کی) یعنی تمام انس و جن دونوں ہدایت و گمراہی کی صلاحیت کو قبول کرنے والے ہیں لیکن ازل میں ایک بات طے کر لی اور اس کا علم ہر ایک کے لئے سبقت فرمایا اور اس کی مشیت کا نفاذ ہو چکا اب اس کے امر کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے حکم کو کوئی پیچھے ہٹا سکتا ہے

فائدہ : کسی آیت و روایت میں نہیں کہ ان اہل نار کے کوئی اور وارث ہوں گے جو بہشت میں چلے گئے اور ان کی جگہیں خالی ہو گئیں یہی اس کا عام فضل ہے کہ خالی جگہوں کا وارث اہل نار میں سے کسی کو نہ بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ناری اپنے اعمال سے ہی نار میں جائے گا۔ اور وہ جگہیں جنہیں اہل جنت چھوڑ گئے کہ اگر وہ ناری ہوتے تو وہ انہیں ملتے ان جگہوں کے لئے اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرمائے گا خود ان میں رہے گی لیکن وہ مخلوق ایسے مزاج کی ہوگی کہ اگر وہ بہشت میں ہوتی تو انہیں بہشت کی رہائش عذاب بن جاتی یہی مراد ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کی کہ دوزخ میں اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی قط ۔ قط۔ (حسبی حسبی) بس بس پھر اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

کیا تو بھر گئی ہے عرض کرے گی کچھ اور ہیں (یہی مراد ہے جو اوپر مذکور ہوا) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دونوں کو پُر کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ اسے مخلوق سے پُر کرے گا اور یہ بھی شرط نہ تھی کہ جو دوزخ میں داخل ہو گا اسے عذاب دے گا اور جو بہشت میں ہو گا اسے نعمتیں دے گا۔

جنۃ کی وسعت جنت بہ نسبت دوزخ کے زیادہ وسیع ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمینیں اس کی صرف چوڑائی ہیں تو اس کے طول کو خود سمجھ لیجئے۔ بہشت دوزخ کے لئے بمنزلہ محیط الدائرہ کے ہے اور نار کا عرض اس خط کی مقدار میں ہے جو ملک الکواکب الثابتہ کے دو قطر کے دائرہ کو جدا کرتا ہے کہاں دوزخ کی تنگی کہاں بہشت کی وسعت اس کی وسعت کا سبب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم سے جنات عطا فرمائے گا اسی اختصاص الٰہی کی وجہ سے بہشت وسیع بنائی گئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہشت میں ابھی کافی جگہ بچ جائے گی جس کے لئے اللہ نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو اس میں آکر بسیں گے یہی جنات الاختصاص ہے اسے دوسرے قدم سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم بہشت میں رکھے گا تو وہ پُر ہو گی یعنی یہی نئی مخلوق جو بہشت میں آکر آباد ہو گی جسے ہم نے جنات اختصاص سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ: یہ بھی اس کا خاص کرم ہے کہ دوزخ میں دوزخی صرف اپنے اعمال سے ہی داخل ہوں گے۔

سوال: قرآن میں ہے زدناھم عذابا فوق عذاب ہم انہیں بڑھائیں گے عذاب پر عذاب۔

جواب: ہاں یہ ائمہ مضلین (گمراہ کرنیوالے) کیلئے ہے مخصوص گروہ کا حکم عام نہیں ہوتا۔

اعجوبہ انقضائے مدت سزائے اعمال کے بعد وہی دوزخ دوزخیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درد و آلام کا احساس جاتا رہے گا باوجودیکہ وہ دوزخ میں ہوں گے اور دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے اس سے نہ نکلنے کا حکم ہے صرف ان سے وہ روح خالی کر لی جائے گی جو درد و آلام کا احساس کرتی ہے پھر نہ مریں گے نہ جئیں گے ایک ایسا گروہ بھی ہے کہ اسے عذاب و عمل کے درمیان مدت کی مقدار خیالی نعمت عطا فرمائے گا جیسے انسان خواب میں خود کو نعمتوں میں پاتا ہے تو وہ بھی خیالی نعمتیں ہیں ان کے اجسام کے چمڑے آگ کی جلن محسوس نہیں کریں گے کیوں کہ اس دوران ان سے آگ کے اثرات ان کے حق میں مفقود ہوں گے ان کا حال ان لوگوں کا ہو گا کہ جو دوزخ میں (دائمی رہنے کے) اہل نہیں تھے محض سزا کے طور بھیجا گیا تو وہ دوزخ میں پہنچتے ہی مر جائیں گے اسی لئے وہ آگ کے اثرات محسوس نہیں کریں گے (یہ تمام حدیث مکمل امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہے یہ بھی اس کا فضل و رحم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے کہ انسان کامل (ولی اللہ) دو قدم ہوتے ہیں۔ (۱) قدم الجلال (۲) قدم الجمال

پہلے سے دوزخ کو پُر کرتا ہے دوسرے سے بہشت کو۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ جہنم بالطبیعت اور نفس کا مقام ہے۔ یعنی نفس قدم جلال کا مظہر ہے اور جنۃ اہل روح اور سر کا مقام یعنی وہ قدم جمالی کا مظہر ہے اور اعراف اہل قلب کا مقام ہے کیونکہ اعراف و قلب کو آپس میں مناسبت ہے اس حیثیت سے کہ جیسے اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان برزخ ہے ایسے ہی قلب طبیعت و نفس اور روح و سر کے درمیان برزخ ہے اور انسان کامل کے لئے ایک نشاۃ جنانیہ روحانیہ اور ایک نشاۃ دینویہ جسمانیہ ہے اور بہشت میں مرتبہ روح و سر سے داخل ہوگا تو اس کی صورت طبیعیہ ونفسیہ نشاۃ عنصریہ کے ساتھ متعلق رہے گی اللہ تعالیٰ جہنم کو اس بقیہ کے ساتھ پُر فرمائے گی یعنی اس کی جلالیت کے مظاہر اسی سے ظاہر ہوں گے اسی سے انہیں پُر کرے گا یہاں تک کہ وہ کہے گی قط۔ قط۔ (بس بس) جب تک انسان میں یہ تجلی ظاہر نہیں ہوتی تو جہنم کہتی رہتی ہے "ھل من مزید" قدم الجبار سے بھی یہی مراد ہے (کذا فی الحدیث)

شیخ اکبر قدس سرہ کی تقریر

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے الفکوک میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خبر دی گئی ہے کہ وہ قدم جو جہنم میں رکھا جائے گا وہ اس عالم دنیا میں کاملین (اولیاء کرام) کے صورتوں میں موجود ہے کہ نشاۃ جنانیہ میں ان کی مصاحبت نہیں کرتا اسے قدم سے اس لئے کنایہ کہا گیا کہ اسے انسان کے ساتھ ایک شریف مناسبت ہے وہ اس لئے کہ قدم انسان کا صورۃً اعضاء کا آخری ہے ایسے ہی انسان کی صورۃ عنصریہ کا مطلق صورۃ انسانیہ کا آخری اعضاء ہے کیونکہ تمام عالم کی صورتیں مطلق حقیقۃ انسانیہ کی صورۃ کے اعضاء ہیں اور یہ نشاۃ (دنیا) آخری صورت ہے جس سے حقیقت ظاہر ہوتی ہے اسی سے ہی جملہ صورتیں ایسی قائم ہیں تم کہہ سکتے ہو کہ گویا وہ اعضاء کی طرح ہیں۔

دوسری تقریر شیخ اکبر قدس سرہ کی

فرمایا کہ جنت انسان کامل کے لئے گنجائش نہیں رکھتی (یعنی انسان کامل کی پہنائی و فراخی بہشت سے زائد ہے) انسان کامل کا جنت میں اتنا ہے جو جنت کے لائق ہے اور اسی طرح ہر عالم میں ہے جتنا اس عالم کے لائق اور وہ جو عالم حق سے استدعا کرتا ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق انسان سے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر انسان سے جہنم خالی ہو تو سرے سے جہنم رہے ہی نہ اسی طرف قدم جبار کا اشارہ ہے وہ قدم جو حدیث میں مذکور ہے۔

صاحب عرائس البیان رحمۃ اللہ کی تقریر

حضرت الشیخ روز بہان البقلی قدس سرہ نے عرائس البیان میں لکھا کہ جہنم جنۃ کی طرح اللہ تعالیٰ کی مشتاق ہے۔ اللہ تعالیٰ

اس کے شوق کو دیکھ کر تجلی خاص کے ساتھ اس پر قدم کے قہر کے سطوات کا بوجھ رکھتا ہے تو عظمت حق سے پُر ہو جاتی ہے وہ اسی عظمت سے لاشی ہو جاتی ہے اسی آن جہنمیوں کو خاص لطف نصیب ہو جاتا ہے جلال عظمت اور قدم قدیم کے انوار کی رؤیت سے اسی وقت اس کی آگ پھول گلاب کی طرح ہو جاتی ہے تو یونہی جیسے نفس کو کوئی شے سیر نہیں کر سکتی اور ہمیشہ زیادتی کی طلب میں رہتا ہے ایسے ہی اس کی وہ صورۃ جو دارالعذاب ہے بھی زیادتی کی طالب رہے گی تو وہ دونوں ایک ہی طریقے کے ہیں لفظ اور معنی کی طرح ہے یعنی نفس انسانی دنیا و شہوات کا حریص ہے جب اسے اس میں سے کچھ مل جائے پھر اس سے پوچھا جائے کچھ گزارا ہوا ہے وہ کہتا ہے کوئی اور بھی شہوات کی چیزیں ہیں تو دیدو یہی وجہ ہے کہ عام ابن آدم کے پیٹ کو مٹی ہی سیر کرے گی ؎

۱ آن شنیدستی کہ درصحرائے غور

پارسائے در افتاد از ستور

۲ گفت چشم تنگ دنیا دار را

یا قناعت پر کند یا خاک گور

ترجمہ:(۱) وہ تو تم نے سنا ہو گا کہ غور کے جنگل میں ایک نیک آدمی سواری سے گر پڑا۔

(۲) کہا کہ دنیا دار کی تنگ آنکھ کو یا قناعت پر کرے یا قبر کی مٹی۔

نکتہ: حرص انسانی حب الٰہی کا پوست ہے بلکہ عین محبت ہے جب وہ دنیا اور شہوات کی طرف متوجہ ہو تو اس کا نام حرص ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے قریب کی طرف متوجہ ہو تو اس کا نام محبت ہے جو حرص دنیا و شہوات میں جتنا بڑھتا ہے اتنا حب الٰہی سے کم ہو جاتا ہے اور جتنا حرص سے کم ہوتا ہے اتنا محبت میں بڑھتا ہے جب محبت کی آگ کے شعلے اٹھتے ہیں تو دنیا و آخرت کی محبوب اشیاء کے ڈالنے سے اس کے شعلے نہیں بجھتے بلکہ لکڑیوں کی طرح جل جاتی ہیں اور پھر اس کا بعض دوسرے سے ملتا ہے تو کہتا ہے۔ قط۔ قط، بس، بس (تاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ اور قریب کی جائے گی جنت (لغات) الازلاف بمعنی نزدیک کرنا لِلْمُتَّقِيْنَ متقین یعنی کفر و معاصی سے بچنے والوں کیلئے یہاں تک کہ وہ موقف (میدان حشر) سے اسے دیکھ رہے ہوں گے اور جو اس کے اندر قسم قسم کے بہترین چیزیں ہیں سب سے آگاہ ہو جائیں گے اس پر خوش ہوں گے کہ اب ہم اس کے اندر جا کر فائز ہوں گے

غَيْرَ بَعِيْدٍ نہ دور، یہ ازلاف کی تاکید ہے یعنی وہ جگہ دور نہ ہو گی یہاں تک کہ اسے آنکھوں سے دیکھیں گے داخل ہونے سے پہلے یعنی ایسی شے جو دور ہو جیسے تم کہتے ہو "قریب غیر بعید" وہ قریب ہے

. دور نہیں و عزیز غیر ذلیل وہ معزز ہے ذلیل و خوار نہیں وغیرہ وغیرہ ۔ وہ مثالیں جو تاکید کے لئے بولی جاتی ہیں ۔ غیر بعید کا منسوب ہونا علی الظرفیۃ یا حال موکدہ ہے یعنی حال کو نہا غیر بعید درانحالیکہ وہ بہشت دور نہیں ہوگی ۔ پس ازلاف بمعنی دیکھنے کے قریب کرنا اور غیر بعید دخول کو قریب کرنا تو پھر ان پر حساب دینا آسان ہو جائے گا بعض خوش قسمت تو وہ ہوں گے جن کا حساب ہوگا ہی نہیں ممکن ہے کہ اس کی تذکیر بوجہ مصدر کے وزن کی وجہ سے ہو کیوں کہ اس میں تذکیر و تانیث یکساں ہیں جیسے زئیر و صلیل یا جنۃ کو بستان کی تاویل میں لیکر غیر بعید لایا گیا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں خواص المتقین کے قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اجسامسے دنیا میں ہیں لیکن قلوب سے آخرت میں ہیں ۔ ؏ :

جنت نقد است اینجا عیش و عشرت و حضور

جنت قریب ہے یہاں عیش و عشرت و حضور ہے ۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ متقین کو بہشت ایسی قریب کی جائے گی جیسے دوزخ کو زنجیروں سے کھینچ کر میدان حشر میں جہنمیوں کے لئے لائی جائے گی بعض نے کہا کہ جنت کے قریب کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ جنتیوں کو اس کی طرف جانا آسان ہوگا اور متقین سے خواص حضرات مراد ہیں اور وہ تین قسم ہیں ۔

(۱) پیدل وہ حضرات جن کے بارے میں کہا گیا وسیق الذین اتقوا ربہم الی الجنۃ زمرا اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو جنت کی طرف ٹولیاں بنا کر چلایا جائے گا اور یہ عوام المومنین ہوں گے ۔

(۲) دوسرے وہ حضرات ہوں گے جو اپنی طاعات کی سواریوں پر سوار ہو کر بہشت کی طرف جائیں گے ۔ وہ طاعات حیوانوں کی صورت میں بنا دی جائینگی یہ خواص المومنین ہوں گے ۔

(۳) خاص الخاص وہ حضرات ہوں گے جنہیں بہشت قریب کر دی جائیگی انہیں جنت بعید نہیں بلکہ وہ بعید ہیں کہ ملیک مقتدر کے ہاں مقعد صدق میں ہوں گے یعنی ایسے لوگوں کو بہشت سے اونچے مقام میں رکھ کر بہشت قریب کر دی جائے گی اور انہی کے لئے کہا گیا کہ بہشت ان سے بعید نہیں ۔

تفسیر عالمانہ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ یہ وہ ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے رہے یعنی ان متقین کا یہ حال ہوگا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف یا ملائکہ کرام کی زبان سے کہا جائے گا جب جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا رہا یہ ہذا کا اشارہ ثواب کی طرف یا ازلاف کی طرف اور اس کا ہونا خبر کی وجہ سے ہے یا جنۃ کی طرف اشارہ ہے اور تذکیر لفظ ما کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مشار الیہ وہ مسمیٰ ہے کہ جس کے متعلق کسی لفظ کا کھٹکا نہیں جو

اس پر دلالت کرے چہ جائیکہ اسمیں تذکیر و تانیث کا وہم ہو اس لئے کہ تذکیر و تانیث تو عربی الفاظ کے احکام میں سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلما رای الشمس بازغۃ قال ھذا ربی جب سورج کو چمکتا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، اسمیں ہذا کا اشارہ شمس ہے اور وہ مؤنث ہے) ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی فلما رای المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہ جب مؤمنوں نے احزاب (گروہ دیکھے) تو کہا یہ وہی ہے جس کا ہمیں اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ دیا تھا یہاں پر بھی ھذا کا اشارہ احزاب کی طرف ہے جو جمع کا صیغہ اور ھذا اسم اشارہ واحد کا ہے ۔

فائدہ صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ اشارہ مقعد صدق کی طرف ہے اگرچہ بظاہر جنۃ کی طرف ہے لِکُلِّ اَوَّابٍ المتقین سے بدل ہے حرف جار کا اعادہ کر کے یعنی یہ ہر رجوع الی اللہ والے کیلئے ہے اسے اواب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اولاً شرک سے توحید کی طرف پھر معصیت سے طاعت کی طرف پھر (تیسری بار) خلق سے حق کی طرف رجوع کرتا ہے ۔

فائدہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اوّاب وہ ہے جو جس مجلس سے بھی اٹھے تو لازماً استغفار کرے المفردات میں ہے کہ اواب بمعنی تواب ترک معاصی و فعل الخیرات کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اسی لئے توبہ کو اوبۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

فائدہ : اوب و رجوع میں فرق یہ ہے کہ اوب رجوع کی ایک قسم ہے وہ یہ کہ اوب صرف اسی جاندار کے لئے کہا جائے گا جسے لوٹنے میں قوت ارادیہ ہو اور رجوع عام ہے کہ اس میں قوت ارادیہ ہو یا نہ ہو ۔ مثلاً آب اوبا وایابا وآیابا والمآب اس کا مصدر ہے اور اسم زمان و مکان بھی ہے ۔

حَفِيظٍ اپنی توبہ کو توڑنے سے حفاظت کرنے والا اور اپنے عہد کے لئے خلاف عہد پر نگرانی کرنے والا ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ درحقیقت ان متقین کے لئے جنہیں اواب حفیظ سے موصوف کیا گیا ہے مقعد صدق کا وعدہ ہے اور آب وہ شخص جو اپنے جمیع احوال میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی طرف رجوع نہ کرتا ہو حفیظ وہ جو اپنے جملہ سانس اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑے یعنی سوائے اسکی طلب کے اور کسی جگہ پر انہیں صرف نہ کرے اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو ۔

(۱) اگر تو پاس داری پاس انفاس
بسلطانی رسانندت ازیں پاس

(۲) ترا یک پند بس در ہر دو عالم
کہ بر ناید ز جانب خدا دم

ترجمہ: (۱) اگر تو انفاس (سانس) کی حفاظت کرے گا تو وہ تجھے سلطان یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچائے گا۔

(۲) دونوں جہانوں میں تجھے صرف ایک نصیحت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تیرا کوئی ایک سانس ضائع نہ ہو۔

فائدہ: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اوّاب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے رجوع رکھے کہ قلب میں اللہ کی طرف سکون ہو معمولی وسوسہ بھی اس کے دل میں نہ گھسنے پائے۔ اور حفیظ وہ جو طاعات و اوامر پر محافظت رکھے۔

فائدہ: حضرت محاسبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اوّاب وہ جو اللہ کی طرف دل سے رجوع کرے اور حفیظ وہ جو قلب کے رجوع الی اللہ پر نگرانی کرے کہ وہ اس کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو۔

فائدہ: حضرت دراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اوّاب حفیظ وہ ہے جو اپنے اوقات وخطرات قلبیہ اور الہامات کا محافظ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو دن کے پہلے حصے میں چار رکعت پر محافظت کرے وہی اوّاب وحفیظ ہے۔

تفسیر عالمانہ مَنۡ یہ اور اس کے بعد جتنا مَن آئیں وہ بدل ہیں۔ وہ جو خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ رحمان سے ڈر جائے۔

حل لغات الخشیۃ بمعنی وہ خوف جس میں کسی کی عظمت بھی دل میں ہو اور عین المعانی میں ہے کہ برائی اور اس کے موجب کی یاد سے دل کا کانپنا الواسطی نے فرمایا کہ خشیۃ خوف سے رقیق تر ہے کیوں کہ خوف عام کو ہوتا ہے جو سزا اور عذاب سے ڈرتے ہیں اور خشیۃ طبع میں اللہ تعالیٰ کی دوزخ سے ڈرنا یہ علماء کے لئے ہے ان کے باطن کی نظافت کی وجہ سے جسے خشیۃ نصیب ہوتی ہے اس سے انابت نہیں ہوتی اور جسے انابت نصیب ہوتی ہے اس سے تکالیف پر صبر کم نہیں ہوتا اور جس کو تکالیف پر صبر نصیب ہوتا ہے اسے رضا معدوم نہیں ہوتی۔

فائدہ: بعض نے فرمایا کہ انسان کو سب سے پہلے خشیۃ نصیب ہوتی ہے پھر اجلال پھر تعظیم پھر ہیبت پھر فنار۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ رحمٰن سے خشیۃ الفراق اور قہار وجبار سے خشیۃ العقوبۃ (بالغیب) غائبانہ: محذوف کے متعلق اور خشی کے فاعل سے حال ہے یا اس کے مفعول سے یا اس کے مصدر کی صفت ہے یعنی وہ خشیۃ جو غیب سے متلبس ہے بایں حیثیت کہ اس کے عقاب سے ڈرتا ہے درانحالیکہ وہ خود اس سے غائب ہے یا اس کے عقاب سے بعد غیب کے بعض نے کہا کہ وہ آنکھوں سے غائب ہے کہ کوئی اسے نہیں دیکھ

سکتا کیوں کہ اس کے لئے تو نہاں وآشکارا برابر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ بالغیب یعنی نور قلب سے شواہد حق کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس سے ڈرتا ہے اور رحمانیہ کا عنوان اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس کے عذاب سے ڈرنے کے باوجود اس کی رحمت پر امید رکھتے ہیں با اس لئے کہ انہیں علم ہے کہ اسکی رحمت وسیع ہے ان کے خوف کے باوجود وہ اپنی رحمت کو ان سے نہ روکے گا یا وہ اس کے ارشاد گرامی نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم میرے بندوں کو خبر دو کہ بے شک میں غفور رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی درد ناک ہے) کے موجب پر عمل کرتے ہیں یعنی خوف ورجا میں رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ اور لایا رجوع کرنے والا دل

سوال: دل کو انابت سے موصوف کیا گیا حالانکہ یہ صفت تو مکلف بندے کی ہے۔

جواب: اشارہ فرمایا کہ قلب کے بغیر رجوع بے کار ہے اور رجوع سے رجوع الی اللہ مراد ہے ساتھ اس کے جو اسے پسند اور جس سے وہ راضی ہو۔

حل لغات المفردات میں فرمایا کہ نوب بمعنی شے کا باری باری رجوع کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف انابۃ کا معنی ہے اس کی طرف رجوع کرنا توبہ واخلاص العمل سے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ قلب جو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرے اور ماسوی اللہ سے روگردان اور اس کی طرف مکمل طور متوجہ ہو۔

تفسیر عالمانہ اُدْخُلُوْهَا اس میں داخل ہو جاؤ یہاں فعل محذوف ہے یعنی انہیں کہا جائے گا جمع کا صیغہ باعتبار من کے معنیٰ کے ہے (کہ وہ بمعنیٰ جمع ہے) بِسَلٰمٍ محذوف کے متعلق ہے اور وہ ادخلوہا کے فاعل سے حال ہے یعنی بہشت میں داخل ہو جاؤں درانحالیکہ تم شامل ہو عذاب سے سلامتی اور زوال النعم اور حلول النقم سے سلامتی کے ساتھ یا تم پہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے سلام ہو۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ اس ممتد زمانہ کی طرف ہے جس میں مذکورا مور واقع ہوئے یَوْمُ الْخُلُوْدِ۔ وہ ہمیشگی اور جنت میں بقار کا دن ہے اس لئے کہ اس کی نا ابد کوئی انتہاء نہیں۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ الخلود بمعنی شے کا فساد کے عارض ہونا بری ہونا اور اس کا اس یہ ہمیشہ اسی حالت پہ ہونا جس پر وہ ہے ہر وہ شے کہ جس پہ تغیر وفساد دیر سے آئے اسے خلود سے موصوف کہتے ہیں جیسے اہل عرب کا قول الایام خوالد یہ ان کے طویل المیعاد ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ بقار دائمی کے لئے اور بہشت کے خلود کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اشیار اس حالت میں رہینگی جس پر وہ ہیں ان میں

کون وفساد عارضی نہ ہوگا۔

فائدہ : حضرت سعدی المفتی قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ مطلب بعید نہیں (واللہ اعلم) کہ سلامتی کے زمانہ کی طرف اشارہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ جس عذاب اور زوال النعم سے جو انہیں سلامتی نصیب ہوگی وہ ان کے لئے دائمی اور ہمیشہ ہے نہ یہ کہ انہیں کسی وقت کے دخلہ تک ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَاءُوْنَ ان کے لئے وہ ہے جو فنون مطالب سے جو چاہیں گے سوائے اس کے جس کی رکاوٹ کو حکمت تقاضا کرتی ہے یعنی وہ جو دنیا میں ہمیشہ نمیث تھی جیسے لو اطت وغیرہ وہاں ایسی خباثت کو نہیں چاہیں گے جیسے تفصیل گذری کہ اللہ تعالیٰ اہل جنۃ کو شہوت محال اور منہی عنہ سے بچائیگا۔ فِيْهَا يشاؤن کے متعلق ہے یا موصول سے حال ہے۔

فائدہ : حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں کہا جائے گا کہ تم دنیا میں کہا کرتے تھے کہ وہی ہوگا جو منظور خدا ہے اب جو تم چاہو گے وہی ہوگا کیوں کہ احسان کی جزا ر احسان ہی ہے۔

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ اور ہمارے ہاں نعمتوں کی تھوڑ نہیں وہ جو چاہیں گے وہی ملے گا اور وہ ملے گا جو ان کے تصورات میں نہ تھا اس میں وہ نہیں جو ایسی کرامات چاہیں گے جو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی دل میں کھٹکا کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے مانگتے اس نہج تک پہونچیں گے جہاں ان کی مشیت ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ بھی عطا فرماتا جائے گا پھر وہ بڑھ کر ایسی نعمتیں بخشے گا جو ان کے پاس نہیں جن کا انہوں نے سوال نہ کیا ہوگا اور نہ ہی وہاں تک ان کی آرزوں کی پہنچ ہوگی۔

اعجوبہ : بعض نے کہا کہ اہل بہشت پر بادل حور برسا کر کہے گا وہ کہیں گی ہم وہی مزید ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ولدینا مزید) اور ہمارے ہاں مزید ہے

حل لغات زیادہ لغت میں شے کے ساتھ دوسری وہ شے ملانا جو اس جیسی ہے۔

فائدہ : طرق مختلف سے مروی ہے کہ یہ زیادتی " نظر الی وجہ اللہ " ہے

اس میں اشارہ ہے انعام اور ان احوال کی طرف جن کا دنیا میں تصور تک نہ تھا۔

(دیدار یعنی) بعض نے کہا مختار مذہب یہ ہے کہ اس سے دیدار الٰہی مراد ہے کہ اہل بہشت بہشت میں جمعہ کے دن جمع ہوں گے تو جو کچھ مانگیں گے اللہ تعالیٰ وہی عطا فرمائے گا اور اپنے جلوہ دیدار سے بھی نوازے گا اور بہشت میں جمعہ کا نام یوم المزید ہے۔

حدیث شریف میں ہے بہشت میں وہ نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی فرد بشر کو ان کا تصور آ سکتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا اس سے مشاہدہ ذات مراد ہے دنیا میں جو طاعات کی ہوں گی ان کا اسی طرح آخرت میں نتیجہ نکلے گا جیسے دنیا میں کسی کام کا پھل ملتا ہے۔ آخرت میں یہ نتیجہ اسے نصیب ہو گا جسے اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے گا اس دنیا میں ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ طاعات و مجاہدات کریں تا کہ وہ ہمیں تجلیات و مشاہدات تک پہنچائیں۔

تفسیر صوفیانہ جو ہمارے وصال کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اسے جنت سے تعبیر کرتا ہے تو وہ بھی ہمارے ہاں پہنچے گا اور ہمارے ہاں پہنچے گا تو اہل جنت کی نعمتوں سے زائد ہو گا۔ جو چاہے گا پائے گا۔

حدیث قدسی مضمون مذکور حدیث شریف سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا من کان لی کنت له ومن کنت له یکون له ما کان لی جو میرا ہے میں اس کا ہوں اور جس کا میں ہوں تو جو میرا ہے وہ سارا اسی کا ہے۔

اور قرآن مجید میں ہے من کان یرید حرث الآخرۃ نزد له فی حرثه

سوال: دنیا میں تو زیادہ کا اطلاق راس المال پر زائد ہوتا ہے آخرت میں راس المال کہاں اور زیادتی کا کیا معنیٰ۔

جواب: آیت کریمہ میں موعود الجنۃ سے زائد انعام مراد ہے نہ کہ درجات الجنۃ کہ اس کے لئے راس المال تلاش کیا جائے اور یہ زیادہ بھی مزید علیہ کی جنس سے نہیں تا کہ اسے راس المال والی زیادتی کا خیال کر کے سوال اٹھایا جائے۔

فائدہ: اصل اور زیادتی کا ایک جنس ہونا ذیل کی حدیث سے ثابت ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ للہ صلوۃ ان اللہ زادکم صلوۃ الا وھی الوتر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز اور بڑھائی ہے اور وہ ہے وتر۔ یہاں مزید علیہ کی جنس سے ہے اور چونکہ فرائض کا ثبوت نص قطعی سے ہوتا ہے اور خبر واحد سے فرائض ثابت نہیں اسی لئے وتر کو واجب قرار دیا گیا اور زیادہ علی القرآن خبر سے نہیں ہو سکتا اسی لئے اسے وجوب تک محدود رکھا گیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی عطا کے لئے مزید علیہ کی تلاش کیسی جب کہ اس کی عطا کسی دنیوی جنس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی بلکہ وہ ایسی مناسبتوں سے بزرگ اور بالاتر ہے جیسے اس کی رضامندی کو "رضوان اللہ اکبر" کہا گیا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اس کا دیدار بہتر شے ہے جو عطیات بہشت میں نصیب ہوں گے ان پر مزید زیارت و دیدار الٰہی لدینا مزید کی تفسیر ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جلوہ خاص سے نوازے گا جب اہل جنت دیدار الٰہی سے سرشار ہوں گے تو بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے اس کے بعد ملائکہ کرام کو حکم ہوگا کہ انہیں بہشت میں لے جاؤ اب انہیں بہشت کا دو وجہوں سے راستہ نہ ملے گا۔

(۱) رؤیت الٰہی سے ان پر استغراق کا غلبہ ہوگا۔

(۲) جو انعامات دیدار الٰہی کے تجلیات انہیں نصیب ہوئے ہیں اب ان کو بہشت کا راہ سے بے خبری ہوگئی ہے اگر ان کو ملائکہ کرام بہشت کا راستہ نہ دکھائیں تو انہی اپنی منازل و درجات کو نہیں پہچان سکیں گے جب اپنی منازل میں واپس لوٹیں گے تو حوروں اور ولدان میں حسن کا اضافہ پائیں گے پھر ان سے پوچھیں گے تم میں یہ حسن وجمال کا اضافہ کہاں سے۔ وہ کہیں گے تمہارے حسن وجمال میں بھی تو اضافہ ہے تم جب گئے تھے تو کچھ اور تھے واپس آئے ہو تو کچھ اور ہو د اس سے مکمل طور راز سمجھ لے کہ دیدار الٰہی کو (لدینا مزید) کیسے کہا گیا کہ وہ کس طرح حسن وجمال اور علوم و کمال میں اضافہ کرتا ہے۔

فائدہ: دیدار الٰہی میں بقدر المال مختلف درجات ہوں گے۔

دیدار الٰہی کہاں ہوگا

بعض اکابر نے فرمایا کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ جنت سے اپنے دیدار کیلئے مقام الکثیب پر بلائے گا اور مقام کثیب وہ جنات عدن سے پُر از مشک ہے اور مقام پر منبر اور سریر (تخت اور کرسیاں اور دیگر اونچی جگہیں بنائی جائیں گی۔ دیدار الٰہی کا سنتے ہی اپنی استعداد کے مطابق دوڑیں گے بعض سواریوں پر ہوں گے بعض پیدل۔ یہ بھی طاعت وعبادت کے مطابق ہوگا بعض تیز رفتار بعض متوسط بعض بالکل آہستہ چلیں گے۔ یہ سب اسی کثیب پر جمع ہو جائیں گے ہر ایک اپنے مقام کی طرف جائے گا جس کا انہیں منجانب اللہ علم ہوگا کہ اس مقام و مرتبہ کے سوا کسی دوسری طرف جانا نہ ہو سکے گا جیسے بچہ لاعلمی کے باوجود صرف پستان کی طرف دوڑتا ہے یا جیسے مقناطیس کی طرف لوہا اگر دوسرے مقام کی طرف جانا چاہے تو بھی نہ جا سکے گا یعنی جہاں کا قصد کرے گا اگرچہ اسے دوسرے مقام سے عشق بھی ہو جائے تب بھی اپنے مرتبہ و مقام کے سوا اس کے مقصد اور آرزو کا منتہی اور ٹھکانا کہیں نہیں ہوگا بلکہ اسے اپنے مرتبہ و مقام کا ہی عشق ہوگا اور وہی اسے تمام مراتب و مقامات سے بلند و بالاتر محسوس ہوگا اگر ایسا نہ ہو تو وہ دار الم وتنغیض ہوگی یعنی غم و الم اور طبیعت منغض کرنے والی دار ہوگی پھر اسے جنت ونعیم کہنے کا کوئی جواز نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ ہر ایک اپنی منزل و مقام کا پابند ہوگا ؎

بعلم نظر کوشش جامی کہ نیست
ز تحصیل علم دگر حاصلے

ترجمہ: علم کی کوشش کر اے جامی اس لئے کہ تحصیل علم کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔

حضرت مغربی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

نخست دیدہ طلب کن پس آنگھے دیدار
ازانکہ یار کند جلوہ بر اولوا الابصار

ترجمہ: پہلے آنکھیں مانگ پھر دیدار۔ اس لئے کہ یار کا جلوہ آنکھوں والوں پر ہوتا ہے۔

حضرت جخندی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

باروئے تو چیست جنت و حور
ہر چیز نکو نماید از دور

ترجمہ: تیرے دیدار کے بالمقابل جنت و حور کیا شے ہیں جو بھی دور سے اچھی نظر آتی ہے وہ تیرے دیدار کے سامنے کچھ نہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا اور کتنا ہم نے ہلاک کیئے کَمْ یہاں تکثیر کیلئے اور خبریہ اور اہلکنا کا مفعول بہ ہے اور مِنْ قَرْنٍ اس کا ممیز اس کے ابہام کو بیان کرتا ہے قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ان سے پہلے کئی لوگ۔ قرن وہ لوگ جو ایک دوسرے کے بعد آئیں یعنی بہت سے لوگ جنہوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی تمہاری قوم سے پہلے یعنی کفار مکہ سے پہلے ہم نے تباہ کئے جو حسب الواقع هُمْ وہ اَشَدُّ مِنْهُمْ ان سے یعنی کفار مکہ سے زیادہ سخت تھے۔ بَطْشًا ازروئے قوت وہ عظیم تر تھے ازروئے جسم بھی جیسے قوم عاد و ثمود و فرعون اور جملہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ کَمْ کی صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ قرون ماضیہ میں جو نفوس متمرد (سرکش) تھے انہیں ہم نے تباہ کیا۔ اسمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اظہار ہے تاکہ خیر اور بھلائی کے قبول کرنے والے نفوس کو سبق حاصل ہو اور قلوب سلیمہ اس سے نصیحت پذیر ہوں

تفسیر عالمانہ

فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ تو وہ پھیلے شہروں میں۔

حل لغات: القاموس میں ہے نقب فی الارض النقب و نقّب کی طرح بمعنی زمین پر چلے اور نقب عن الاخبار بمعنی خبروں سے بحث کی یا ان کی خبر دی النقب دراصل پہاڑ میں سرنگ لگانے کو کہتے ہیں تاج المصادر میں ہے کہ التنقیب بمعنی رات کو راستوں پر گشت لگانا۔ المصادر میں

ہے شہروں میں جانا اب معنی یہ ہوا کہ شہروں میں انہوں نے سوراخ کیا اور پھاڑا یعنی راستے نکالے اور پاؤں میں روندا اور ان کے رہنے والوں کو تابع اور ان پر غلبہ کیا اور شہروں کے گرد و نواح پر تصرف اور زمین کے ہر کونے پر پہنچے موت کے خوف سے پہلی تقریر پر فا تاسببیہ ہے اس میں دلالت ہے کہ ان کی شدت گرفت نے انہیں سرکش بنایا اور تصرف اور جبر وقہر پر قدرت کی دوسری تقریر پر فاء محض تعقیب کی ہے اور نقب تنقیب کا اصل معنیٰ ہے "التنقیر عن الامر" کسی امر کا کھوج لگانا اس سے بحث کرنا اور اس کی طلب کرنا اسی لیئے کشف الاسرار میں ہے کہ وہ شہروں میں دور تک چلے گئے اور امور کا کھوج نکالا اور اسباب میں لگے رہے ۔

امراء القیس نے کہا ؎

لقد نقبت فی الآفاق

حتی رضیت من الغنیمۃ بالایاب

ترجمہ : میں نے ملکوں کے بڑے دورے کئے بالآخر واپس لوٹنے کو غنیمت جانا ۔

خلاصہ یہ کہ وہ لوگ شہروں میں پھیلے اور بہت دور تک پہنچے زمین کے کئی راستے طے کئے اور بڑے بڑے شہروں میں کاروبار چلائے اور دور کے سفر کئے بہت بڑے اموال اسباب کمائے اور فتح الرحمن میں ہے کہ وہ شہروں کے راستے طے کئے ۔ هَلْ مِن مَّحِيصٍ کیا ہے کوئی چارہ ۔

نقبوا کی واو سے حال ہے یہ وقع فی حیص بیص سے ہے بمعنی شدت میں گرا ۔

حل لغات حاص عن الحق سے ہٹ کر شدۃ ومکروہ امر میں گرا ۔ القاموس میں ہے المحیص یعنی المہرب (بھاگنے کی جگہ) یعنی شہروں میں چلتے چلتے کہتے پھرتے تھے کیا ہے کوئی بھاگنے کی جگہ یعنی کیا کوئی ان کے لئے امر الٰہی اور اس کے عذاب اور موت سے نجات کی جگہ محیص مبتدار اور اس کی خبر مضمر یعنی لہم ہے اور من زائدہ ہے اب معنی یہ ہوا کیا ہے ان کے لئے کوئی بھاگنے کی جگہ موت سے یا کوئی پناہ ہے قضائے الٰہی سے کہ جب فنا کا حکم نازل ہوا تو کوئی شے ان کی دستگیری نہ کر سکی ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جملہ مستانفہ ہو اور اس سے مراد نفی ہے یعنی دیکھو کہ کوئی ان کا موت سے نجات پا گیا یعنی نہ وہ نجات پا سکے اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا ملا ۔ پس اگر اہل مکہ اپنے اسی حال پر اصرار کرتے رہے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے لوگوں کا ہوا انہیں ڈر کرنا چاہیے ورنہ انجام ہلاکت اور نتیجہ عذاب ہوگا ۔

سبق آدم علیہ السلام کے ساتھ زمانہ نے وفا نہ کی نوح علیہ السلام بڑی عمر پانے کے باوجود موت سے نہ بچے خلیل علیہ السلام پر بھی بالآخر موت آئی سلیمان علیہ السلام کو بھی موت نے نہ چھوڑا تو پھر تم کس شمار میں ؎

۱۔ نہ برباد رفتے سحرگاہ وشام
سریر سلیمان علیہ السلام

۲۔ باآخر ندیدی کہ برباد رفت
خنک آنکہ بادانش وداد رفت

ترجمہ ۱: کیا صبح وشام سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر نہیں چلتا تھا
۲: بالآخر تم نے دیکھا کہ وہ برباد ہوا خوش ہے وہ جو دانش وانصاف سے دنیا سے رخصت ہوں۔

دیگر سبق محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی موت کے فرشتے نے دستک دی تو پھر تم کون ہو کہ بچ جاؤ۔ دیکھئے تمہیں اگر نوح علیہ السلام کی عمر اور قارون کا مال اور سلیمان علیہ السلام کا ملک مل جائے تب بھی موت کے جھٹکے سے نہ بچ سکو گے مثلاً کسریٰ کہ سات ہزار سال گزرے (یہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ کے دور تک حساب ہے آج تک تو کچھ مزید گزرا ہے) اس وقت سے لوگ سفر میں ہیں کئی لوگ آباء کی پشت سے امہات کے پیٹوں میں آئے پھر ارحام سے زمین پر پہنچے پھر زمین کے اوپر سے نیچے (قبروں) میں چلے گئے روئے زمین گورستان بن گئی نیچے والے (قبروں والے) حسرت میں اوپر والے (زندہ لوگ) حیرت میں ہیں کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے سر اٹھا کر آسمان سے پوچھ کہ تو نے کتنا بادشاہ دیکھے ان میں کوئی یاد بھی ہے ایسے ہی زمین پر نگاہ ڈال کر اس سے پوچھ کہ تو نے کتنا نازنین اپنے پیٹ میں ڈالے سہ

۱: سل الطارم العالی الذری عن قطینہ
نجا مانجا من بؤس عیشہ ولینہ

۲: فلما استوی فی الملک واستعد الوری
رسول المنایا تلہ لجبینہ

ترجمہ ۱: روح اپنے گھونسلے سے اڑ کر بہت بلندیوں پر پہنچا وہ اچھی اور بری معاش سے نجات پا گیا۔
۲: جب وہ ملک میں پہنچا اور مخلوق سے دور ہو گیا تو موت کے قاصد نے اسے (جسم) کو ماتھے بل گرایا۔

سہ
جہان اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

ترجمہ: اے عزیز یہ ملک ہمیشگی کا نہیں دنیا سے وفا کی امید نہیں۔

سبق: اے توقعات کا عاشق اے موت سے غافل جو کام کرنے کا ہے اس کا تو تجھے فکر نہیں جس

راہ پر چلنا ہے اس کا زاد (خرچ) تو تو نے جمع نہیں کیا دنیا کے شغل میں تو مست ہے لیکن موت کا ساز و سامان تیار نہیں کر رہا۔ اے مسکین موت تیرے درپے ہے اسے یاد کر تیرا اصل گھر قبر ہے اسے آباد کر۔ خواہ مخواہ دنیا کا سامان جمع کر رہا ہے۔ جو تیرے مال کا مستحق ہے اس سے تو روکتا ہے۔ تجھے کیسا طمع ہے کیا تو نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس وقت آنکھ کھلے گی جب ملک الموت آئیں گے تیری جان لے کر چلے جائیں گے تیرا گوشت چمڑا مٹی میں مل جائے گا تیرا مال لٹ جائے گا اگر کوئی نیکیاں ہیں تو تیرے سے تیرے خصم چھین لیں گے تیرے جسم کو کیڑے کھائیں گے۔ اگر اچانک موت کے وقت تیرا خصم (شیطان) ایمان چھین لے تو پھر تو کیا کرے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہوشیاروں اور ان لوگوں سے بنائے جو دین و یقین پر ثابت قدم ہیں اور انبیاء و صدیقین اور شہدا و صالحین کا رفیق بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی بے شک اس میں البتہ نصیحت ہے ذلک کا اشارہ ان کے قصے کی طرف ہے جو مذکور ہوا یا اس طرف ہے جو اس صورۃ میں عبارات و اخبار اور اہلاک القریٰ مذکور ہوا۔ ذکری بمعنی تذکرہ و وعظ لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اس کے لئے جس کا دل ہے۔ وہ دل جو سلیم ہے جس سے اس کا ادراک کرتا ہے جس کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور جن چیزوں میں تفکر لائق ہے اس میں تفکر کرتا ہے جسے یہ حاصل ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی تباہی کا موجب کفر ہی ہے اسی لئے وہ مشاہدہ آثار سے نصیحت دیئے بغیر کفر سے ہٹ جاتا ہے۔

قلب کی تحقیق

المفردات میں ہے کہ قلب انسانی کو اس کے کثرت تقلیب کی وجہ سے قلب کہا جاتا ہے اور قلب ان معانی سے عبارت ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں روح علم و شجاعت وغیرہ سے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس کے قلب یعنی علم و فہم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے عقل مراد لی ہے وہ اس لئے کہ عقل قلب کے قویٰ اور خدام میں سے ایک ہے۔ (کتاب الجواہر للشعرانی)

ظاہر ہے کہ جسے معمولی عقل حاصل ہے وہ نصیحت قبول کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افلا تعقلون حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ قلب سے مراد عقل ہے کیوں کہ انسان جو کچھ عقل میں لاتا ہے تو دل سے اسی لئے اسے قلب سے تعبیر کیا گیا۔

سوال: الاسئلۃ الاقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا "لمن کان لہ قلب" کیوں کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانوں میں قلب نہیں حالانکہ تمام انسانوں میں قلب کا ہونا ضروری ہے۔

جواب: یہاں قلب سے عقل مراد ہے کیوں کہ قلب عقل کا محل اور منبع (سرچشمہ) ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فانہ منزلہ علی قلبک" (تو اس نے اسے تیرے دل پہ اتارا) اور میں نے بعض مشائخ

سے فرماتے سنا کہ جس کے اندر وہ قلب ہے جس میں ایمان کا ٹھکانہ ہے تو دُکھ اور سُکھ میں نہیں بدلتا۔

فائدہ: تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جس کا دل زندہ ہے اور کشف الاسرار میں ہے کہ جس کا دل حقائق اخبار میں متفکر یا عقل بیدار از خواب غفلت ہے۔

حضرت شیخ شبلی قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآنی وعظ کیلئے وہ باخدا دل چاہیے جو آنکھ جھپکنے کی دیر تک بھی یادِ خدا سے غافل نہ ہو۔ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ یا ڈالے کان اس طرف جو اس کے سامنے وحی ناطق تلاوت کرے ساتھ اس کے جو اس پر جاری ہوا ہے جو اس طرح کرتا ہے وہ بڑے امور سے واقف ہو کر ان موجبات سے ہٹ جاتا ہے جو کفر کی طرف لیجانے والی ہیں۔

لفظ اَوْ مانعۃ الخلو کا ہے نہ کہ مانعۃ الجمع کا (یعنی دونوں ایک جگہ ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں یعنی لمن کان لہ قلب بھی ہو اور القی السمع بھی) کیونکہ القاء اسمع سلامۃ القلب کے بغیر بے فائدہ ہے جیسے فرمایا کہ "وَھُوَ" درانحالیکہ وہ کان ڈالنے والا) یہ فاعل سے حال ہے۔ **شَھِیْدٌ** حاضر ہے۔

رد وہابیہ دیوبندیہ[علہ] الشہید من الشہود بمعنی الشاہد ای الحاضر الخ یعنی شہید شہود سے ہے بمعنی الشاہد یعنی حاضر یعنی اپنے ذہن کو حاضر کر کے اس کے معانی سمجھے اس لئے کہ جس نے ذہن کو حاضر کر کے نہ سمجھا تو وہ گویا غائب ہے یا وہ اپنے صدق سے شاہد و حاضر ہے تو پھر قرآن کے ظواہر سے نصیحت حاصل کرتا اور اس کے زور اجر سے کو سُن کر کفر سے ہٹتا ہے۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَوْ تقسیم کے لیے ہے کہ متفکر یا تالی ہے یا سامع ہے یا فقیہ ہے یا متعلم یا اسے یوں کہا جائے کہ او تقسیم کرتا ہے کہ عالم وہ ہے اپنی استعداد کامل پر مضبوط ہے کہ تعلیم کے بعد اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے بشرطیکہ وہ بالکلیہ اسے قبول کر کے اس کے موانع زائل کر دے۔

تفسیر صوفیانہ عارفین میں سے بعض اکابر نے فرمایا کہ بے شک اس قرآن (جو امور متخالفہ مثلاً اللہ کے لئے تنزیہ و تشبیہ کا اثبات کرتا ہے) میں نصیحت ہے کہ وہ فی نفسہ حق ہے مختلف شئون میں متقلب ہونے میں اس کے لئے جس کا دل ہے دل کو اس لئے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ انواع صور و صفات متخالفہ میں اسے تقلب تجلیات کے اختلاف کی وجہ سے۔

سوال: لمن کان لہ عقل کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: اس لئے کہ عقل لغت و حقیقت میں یعنی قید ہے لغت میں تو یوں کہ اہل لغت کہتے ہیں عقل البعیر بالعقال کے رسی کے ساتھ اونٹ باندھا گیا یعنی اسے مقید کیا گیا و عقل الدواء البطن ای عقدہ

علہ: یہ عنوان فقیر اویسی غفرلہ نے اس لئے قائم کیا ہے کہ ہم نے حاضر و ناظر کا ثبوت آیات شہود سے پیش کیا ہے جس کا وہابیہ، دیوبندیہ فرقہ نے انکار کیا ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

یعنی دوا، نے پیٹ باندھا اور حقیقت میں عقل قید اس لئے ہے کہ عقل عاقل کو مقید کرتا ہے اس کے ساتھ کہ اس کی طرف اپنے فکر و نظر پہنچا دے۔

تو وہ گویا لغت واحد میں محصور ہو گیا اور حقیقت حصر سے انکار کرتی ہے اسی لئے کہ قرآن صرف اس کیلئے نصیحت نہیں جس کی ایسی عقل ہو جو اسے اس سے مقید رکھے جو اس کی طرف اسے فکر پہنچائے اور نہ ہی قرآن سے وہ نصیحت حاصل کرتا ہے ساتھ اس کے جو قرآن میں وہ آیات ہیں جو تنزیہ و تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں بلکہ وہ ان آیات کی تاویل کرے گا جو اس کے عقل و فکر کے خلاف ہیں مثلاً وہ آیات جو تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو عقل والے ہیں یہی ان اعتقادات جزئیہ تقییدیہ کے معتقد ہیں یہی لوگ دوسروں کو کافر اور انہیں لعنتی کہتے ہیں جو ان کی عقل و فکر کے خلاف ہیں۔

حق کی بات حق وہ ہے جو عارف کے ہاں ہے وہ یہ کہ قلب انواع صور و صفات میں متقلب ہوتا ہے۔ کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ وجود میں اس کے سوا اور ہے کوئی نہیں یہ موجودات کی صورتیں سب کی سب اسی کی صورت ہیں عارف کے نزدیک معرفت حق کے لئے جمیع صور دنیا و آخرت میں کوئی تخصیص نہیں وہ اپنے قلب متقلب کی معرفت کی وجہ سے کوئی تخصیص نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لمن کان لہ قلب" کیوں کہ اس کا قلب اشکال میں متقلب ہے تو وہ جانتا ہے کہ حق صورتوں میں متقلب ہے معرفت کی یہ وہ قسم ہے جس میں کسی کو انکار نہیں بشرطیکہ اسے تجلی و شہود سے حق کی معرفت، نصیب ہو یعنی اسے معلوم ہو کہ صورتیں اس کی تجلی ہے اور وہ ان سب میں مشاہدہ کرتا ہے درانحالیکہ وہ عین مقام الجمع میں مستقر ہے اس حیثیت سے کہ اس کے شہود میں تفرقہ کی صورتیں اسے کوئی شئے کسی طرف شاغل نہیں ہوتی وہ اہل ایمان اعتقادی جنہیں تجلی و شہود سے معرفت نصیب نہیں وہ ان کے مقلد ہیں جنہوں نے انبیاء و رسل (علیہم السلام) کی تقلید کی ان امور میں جن کی انہوں نے انہیں خبر دی وہ انہیں وہ دلیل عقلی کی طلب کے بغیر مان لیتے ہیں (جیسے ہم عوام (مسلمان) بخلاف ان کے جنہوں نے اصحاب افکار اور اخبار وارده کاشفہ عن الحق کے متاولین کی تقلید کرنے والوں کے کہ وہ انہیں ادلہ عقلیہ و ارتکاب احتمالات بعیدہ پر محمول کرتے ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے انبیاء و رسل علیہم السلام کی تقلید کا حق ادا کیا ہے (جیسے اولیاء کرام) "اولقی السمع" سے یہی حضرات مراد ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے ہی انبیاء و رسل علیہم السلام کی السنۃ مبارکہ سے اخبار سنی اور جو کچھ سنتے ہیں حضور قلب

سے سنتے ہیں اور اپنے حضرت خیال میں ان کی نگہداشت کرتے ہیں یعنی لائق بھی اسی طرح ہے کہ جو کچھ سُنے حضرت خیال میں اس کی پوری نگہداشت کرے اس طرح سے امید ہے کہ وہ تجلیات مشابہہ کے حصول میں کامیاب ہو جائے گا ایسا نہ ہو کہ وہ ان تجلیات کو بالفعل حاصل کرے اس کے بعد نگہداشت نہ کرے اسی لئے مذکور حکم سے بعض انبیا و رسل کے مقلدین خارج ہیں۔

انتباہ یاد رہے کہ اس شہود سے رویت بصری مراد نہیں بلکہ وہ جو مشاہدہ کمال کے مشابہ ہے اور مشاہدۂ کمال مشاہدہ صور متخیلہ (جو حضرت خیال میں ہیں) کا نام ہے اور جو نظر فکری کا مقلد ہے اس کے لئے ضروری نہیں وہی القی السمع وھو شہید کا مصداق ہو اصحاب فکر کے مقلد وہی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا اس لئے کہ متبوعین نے تابعین واقعہ کے خلاف کی دعوت دی تھی اور وہ غلطی سے ان کے پیچھے لگ گئے ان کی تابعداری کی سزا متبوعین کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے تابعین سے بیزاری کا اظہار کر دیا لیکن رسل کرام علیہم السلام کبھی بیزاری کا اظہار نہیں کریں گے کیوں کہ انہوں نے انہیں حق وصدق کی دعوت دی اور لوگوں نے ان کی تابعداری کی برکت سے متبوعین کے انوار کا عکس تابعین کو نصیب ہو گا اسی لئے متبوعین تابعین سے اظہار برأت نہیں کریں گے۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

فائدہ: لباب میں ہے کہ قلب مومن عرب ہے اور شہید مومن اہل کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔

فائدہ: شیخ ابوسعید خراز قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآن کے سننے کے وقت یہ تصور ہو کہ گویا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رہا ہے اس پر ذرہ آگے بڑھ کر یہ تصور کرے کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے سن رہا ہے پھر آگے ترقی کرے یہ تصور کرے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے سُن رہا ہے۔

فائدہ: شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ ارشاد مذکور صحیح اور اس کی تائید قرآن مجید میں لفظ شہید سے ہوتی ہے کیوں کہ شہید وہی ہوتا ہے جو بولنے والے سے براہ راست سنے کیوں کہ اس کی نقیض غائب ہے اور غائب مخبر (خبر دینے والے) سے سُنتا ہے اور حاضر خود متکلم سے۔

فائدہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن کو اتنا بار بار پڑھتا ہوں یہاں تک کہ خود متکلم (اللہ تعالیٰ) سے سنتا ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلب چار قسم ہے

(۱) قلب الیاس (نا امید)

(۲) قلب الکافر

(۳) قلب المقفول، (جس کے تالے بند ہوں۔) یہ منافق کا قلب ہے۔

(۴) قلب المطمئن، یہ مومن کا قلب ہے یہی وہ قلب سلیم ہے جو کونین کے تعلقات سے فارغ ہے یہی قلب المحبین والمحبوبین کا ہے یہی صفات جمال وجلال الٰہی کا آئینہ ہے۔

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن یعنی نہ زمین میں سماتا ہوں اور نہ آسمان میں لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا او لقی السمع وھو شھید اور جو دل ایسا نہیں تو اس کا کان ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سننے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے اظہار لطف وقہر سے عبرت حاصل کرسکے گا۔

فائدہ: حضرت ابن عطار نے فرمایا کہ وہ قلب جو عین التعظیم سے معائنہ کرے تو وہ پگھل کر ماسوی اللہ سے منقطع ہو جائے گا اور جو عین التعظیم سے معائنہ کرے گا تو اس کا دل نرم اور اچھا ہو جائے گا۔

فائدہ: قلب ایک گوشت کا لوتھڑا ہے یہی انوار کا محل اور جبار سے زوائد (انعامات) کا مورد ہے اسی سے ہی عبرت حاصل ہوتی ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے جسم کا امیر بنایا ہے اور فرمایا ان فی ذلک لذکری بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے قلب ہے اسی کو اپنے پروردگار کا اسیر بنایا اور فرمایا یحول بین المرء وقلبہ اور وہ مرد اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ قلوب کے کچھ مراتب ہیں

(۱) بعض قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور وہ اسی کے قیدی ہیں۔

(۲) بعض قلوب حیران ہیں۔

(۳) بعض قلوب جو اس کے شوق میں اڑتی ہیں۔

(۴) بعض قلوب اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والی ہیں۔

(۵) بعض قلوب اللہ تعالیٰ کی ذات میں صاحب الآمال ہیں

(۶) بعض فراق اور شدۃ اشتیاق میں گریاں کناں ہیں

(۷) بعض دار الفنار میں تنگ ہیں

(۸) بعض وہ ہیں جن کو راز داری سے خطاب کرتا ہے تو اس سے درد وآلام کا کڑوا پن دور ہو جاتا ہے

(۹) بعض اس کی طرف ہمت کرکے سیر میں ہیں۔

(۱۰) بعض اس کی طرف پہنچنے کی کوشش میں ہیں عزائم صدق سے۔

(۱۱) میٹھی غذاؤں میں اسکی خدمت میں مصروف ہیں۔

(۱۲) محبت و درد کے پیالے پیکر تمام بندوں بلکہ جملہ مخلوق سے علیحدہ ہو کر صرف اسی میں مستغرق ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قلب کی شرافت

دل کی بزرگی پر ذیل کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک لحظہ کا تفکر عبادۃ الثقلین سے بہتر ہے۔

فائدہ: جب بندہ درگاہِ حق میں آتا ہے لیکن اس کا دل شغل دنیا میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کی طاعت پر رسوائی کی لکیر کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں ہٹ جا یہاں سے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جس کا دل نماز میں حاضر نہ ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور جسے نماز میں درجۂ دیدار نصیب نہ ہو وہ اپنے مقصد میں تا حال ناکام ہے اور نہ ہی اسے نماز سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوگی کیوں کہ جس سے وہ مناجات کر رہا ہے اسے نہ دیکھا پس جو شخص وہ باتیں نہیں سنتا جو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نماز میں واردات غیبیہ ڈالتا ہے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کا ذکر "او القی السمع" میں ہے اور جو نماز میں اپنے پروردگار کے ساتھ نہیں اور نہ ہی اس سے کچھ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے تو وہ سرے سے نمازی ہی نہیں اور نہ ان لوگوں سے جن کا ذکر "او القی السمع وھو شہید" میں ہے۔ یعنی نماز کا ادنیٰ مرتبہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اگر کوئی نماز پڑھتے ہوئے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی اسے مشاہدہ روحانیہ یا رویۃ عیانیہ قلبیہ یا مثالیہ خیالیہ یا اس کے قریب کا وہ مرتبہ نصیب ہوتا جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ (ان تعبد اللہ کانک تراہ) (اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں ہو کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے) ایسے ہی نماز پڑھتے وقت کلام مطلق کو بغیر واسطہ روحانیت کے یا کسی واسطہ سے نہیں سنتا اور نہ ہی اسے وہ حضور قلبی نصیب ہوتا ہے جسے حدیث میں فرمایا گیا کہ فان لم تکن تراہ فاعلم انہ یراك اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو یقین کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے) تو وہ نمازی ہی نہیں اسے نماز صرف عذاب الٰہی و آخرت میں سے بچائے گی اور بس۔ کیوں کہ بندہ خوف الٰہی کے مطابق اپنے رب کے قریب ہوتا ہے اور اسی قرب کا نام حضور ہے ؎

نزدیکاں را بیش بود حیرانی
کایشاں دانند سیاست سلطانی

ترجمہ: نزدیک والوں کو زیادہ حیرانی ہوتی ہے کیوں کہ بادشاہ کی سیاست کو وہی خوب جانتے ہیں۔

فائدہ: وہ وزیر ہمیشہ بادشاہ سے خوفزدہ رہتا ہے جسے بادشاہ کی حضوری نصیب ہے نہ کہ وہ

دیں، شاہ کے جانوروں کا رکھوالا (دور رہنے والا) اس لئے کہ وزیر کا سینہ اسرار سلطانی کا خزینہ ہے اور خزانہ کی مہر کا ٹوٹنا خطرناک تصور کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز پڑھتے وقت آپ کے قلب اطہر سے ایسی آواز سنائی دیتی جیسے ہانڈی سخت آگ کی وجہ سے آواز کرتی (آپ کا یہ حال اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتا)

فائدہ: ازیز بمعنی جوش بعض نے کہا اس کی آواز المرجل بمعنی تانبے کی ہانڈی ہے

خوش نماز و نیاز کسے کہ از سر دارد
باآب دیدہ و خون جگر طہارت کرد

ترجمہ: وہ نماز و نیاز مبارک جو ادائیگی کے لئے آنکھ کے پانی اور جگر کے خون سے طہارت کرتا ہے۔

شیطان اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ راز دان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن شیطان کو دیکھا کہ وہ خوب رو رہا ہے میں نے پوچھا کہ اے ملعون تیرا رونا کیسا۔ کہا اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) لعنت کا دروازہ مجھ پر کھولا۔

(۲) اہل ایمان کا دل مجھ سے بند رکھا کہ جب مومن کے دل کی طرف رخ کرتا ہوں تو آگ سے جلایا جاتا ہوں۔

وحی داؤد علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی الٰہی آئی کہ اے داؤد (علیہ السلام) تیری زبان راز کی بازار کی دلال ہے اور اس کا دعویٰ دارا لملک کے ہاں ہے اور دین کا کوئی محل نہیں۔ ہاں دل محل راز ہے کہ اس میں سے ہی اسرار احدیت و ازلیت کی خوشبو آتی ہے۔

حکایت عزیز مصر نے برادران یوسف کو کہا کہ اپنا سامان وغیرہ اٹھا کر واپس چلے جاؤ کہ تم میں یوسف کی خوشبو نہیں۔

فائدہ: ان فی ذلک لذکریٰ کا یہی راز ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ "القی السمع" میں السمع کی حقیقت یہ ہے کہ جو انفس وآفاق کی باتیں ہیں وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے سنی سمجھی جائیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنی کتاب عالم کبیر میں پڑھتا ہے اور کبھی انسان کی ذات میں اسی لئے اسے اچھی طرح سن اور ہر وقت اپنے مالک کے خطاب کے لئے تیار رہ جہاں بھی ہو اور کان کے بوجھ یعنی بہرا پن سے محفوظ رہ کیوں کہ بہرا پن ایک آفت ہے جو کتاب کبیر سے

اللہ تعالیٰ کی تلاوت تجھے نہیں سننے دیتی کتاب کبیر سے قرآن مراد ہے اور انسان محل الجمع ہے اس کا جو عالم کبیر میں پھیلا ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بے شک ہم نے آسمانوں اورزمینوں (اور جو ان کے اندر ہے) پیدا کیا مخلوق کی تمام قسمیں فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (چھ دنوں میں) یعنی زمین دونوں میں اس کے منافع دو دنوں میں اور آسمان دو دنوں میں اگر وہ چاہتا کہ وہ ان سب کو آنکھ جھپکنے سے پہلے پیدا فرما دیتا لیکن اس میں ہمیں سبق ہے کہ دیر میں خیر ہے اور عجلت شیطان کا کام ہے سوائے چھ مقامات کے۔ چھ کاموں میں جلد بازی ضروری ہے۔

(۱) ادائیگی نماز میں جب وقت ہو

(۲) دفن المیت میں جب حاضر ہو

(۳) تزویج البکر میں جب بالغ ہو جائے۔

(۴) ادائے قرض میں جب وقت اور معیاد پوری ہو جائے۔

(۵) مہمان کو کھانا دینا جب آجائے۔

(۶) گناہ سے توبہ میں

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ کے مکانات کی وسعت ہو تو اسے دروازوں سے آنا چاہیے اور فعل کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے جس اسباب سے ہو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا گارہ اپنے دونوں ہاتھوں (قدرت) سے گوندھا پھر اسے برابر کر کے درست بنایا پھر اس میں روح پھونکی اور اسے اسمار کے علوم سے نوازا۔ ایسے ہی جملہ اشیار کو ترتیب و نظام سے پیدا فرمایا ورنہ وہ قادر ہے کہ آدم علیہ السلام کو ابتداء ہی سے ایسے بنا دیتا کہ گارے کی ضرورت ہوتی نہ دوسرے اسباب کی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے ارواح کے آسمان اور اشباح کی زمین اور جو ان کے اندر نفوس و قلوب و اسرار و سر الاسرار ہیں چھ دنوں میں پیدا فرمائے یعنی چھ مخلوقات میں سے چھ انواع اور یہ محصور ہیں ان میں جو ہم نے بیان کیا یعنی (۱) روح (۲) اشباح (۳) نفوس (۴) قلوب (۵) اسرار (۶) سر الاسرار۔

کوئی اور مخلوق ایسی نہیں جو ان چھ انواع میں داخل نہ ہو (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

تفسیر عالمانہ وَمَا مَسَّنَا اور نہیں پہنچی مجھے ان کے پیدا کرنے سے مِنْ لُّغُوْبٍ تھکان۔

حل لغات : امام راغب نے فرمایا لغوب بمعنی تھکان کہا جاتا ہے اتانا ساعیا لاغبا خائفا تعبا میرے پاس دوڑتا ہوا تھکا ہوا خوفزدہ اور تھکا ہوا آیا" القاموس میں ہے کہ لغب لغبا و لغوبا منع وسمع وکرم کی طرح اعیٰ اشد الاعیاء تھکا اور خوب تھکا تاج المصادر میں ہے اللغوب بمعنی ماندہ شدن تھکا ہوا ہونا و فعل یفعل فعولا فعلا ایضاً ضعیف لغت ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ نہ تھکا اور نہ رنج ہوا اگر ایسا ہو تو اس کے ضعف پر اور ضعف فساد پر دلالت کرتا ہے تو جب ہمارا یہ تصرف بغیر تھکان اور رنجش کے ہے اور تم تمام تصرفات کو دیکھ رہے ہو کہ میرا ہر شے پر برابر طور امر نافذ اور کامل تصرف ہے۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمیں کوئی تھکان نہیں پہنچی کیوں کہ یہ سب کچھ امرِ کُن سے پیدا کیا گیا جیسا کہ فرمایا کہ" وما امرنا الا کلمح البصر " اور نہیں ہمارا امر مگر ایسے جیسے آنکھ کا جھپکنا تو پھر اسے تھکان کا کیا معنیٰ اور وہ صمد ہے اسمیں آثار حدوث کا حادث ہونا ممتنع ہے۔

رد یہودیوں کا اسمیں جاہل یہودیوں کا رد ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کو اتوار سے جمعہ تک پیدا کیا تو پھر ہفتہ کے دن آرام فرمایا تھکان اتاری اور عرشِ معلےٰ پر لیٹ گیا پاک ہے اس کی ذات اس سے جو کہتے ہیں ھو علوا کبیرا کبیرا۔

فائدہ : اس امت میں جو فرقہ مشبّہ پیدا ہوا ان کا اصل ہی یہودی ہیں کہ اس فرقہ نے اپنے اصول انہی یہودیوں سے لئے۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے کہا کہ یہ آیت دوسری آیت اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموٰت والارض ولم یعی بخلقھن بقادر علی ان یحی الموتیٰ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائی اور وہ ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا اور وہ قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے) کی طرح ہے جیسا کہ آیت کا بعد اس پر دلالت کرتا ہے چنانچہ فرمایا فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ تو صبر کیجئے اس پر جو وہ کہتے ہیں یعنی جو کچھ مشرکین مرنے کے بعد اٹھنے کے متعلق کہتے ہیں وہ باطل باتیں جن کی بنیاد انکار و استبعاد ہے اس لئے کہ جو ذات ان آسمانوں اور زمینوں وغیرہ کو بلاکم و کاست پیدا کرسکتا ہے تو وہ انہیں اٹھانے پر بھی قادر ہے اور وہ ان سے بدلہ بھی لے سکتا ہے یا اس کے قائل یہود ہیں کہ وہ کفر بک رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تفسیر المناسبات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت پر یہ امور دلالت کرتے ہیں اور ان آسمانوں و زمینوں کے اندر کی اشیاء بھی مکمل طور اس کے سامنے ہیں اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمی وسعت پر بھی کہ وہ جس طرح دشمنان خدا کو ڈر سناتے ہیں ویسے ہی واقع ہو جاتا ہے اور

جس طرح محبوبانِ خدا کو خوشخبری سناتا ہے اسی طرح ہوتا ہے تو جب یہ بات ہے تو پھر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ "فاصبر" یعنی آپ کافروں وغیرہ کی تمام باتوں پر صبر کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ

اسمیں اشارہ ہے کہ نفوس کی تربیت صبر سے ہوتی ہے جو کچھ جاہل کہتے ہیں اس پر صبر ضروری ہے ان کی جملہ مکروہ اور ناخوشگوار باتیں سُننے سے نفوس کا صفات مذمومہ سے تزکیہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ذکر و تسبیح و تحمید پر بھی مداومت ضروری ہے۔

وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کیجئے ممکنات کے عجز اور خبر دینے کے خلاف کے عجز سے منجملہ ان کے مرنے کے بعد اٹھنے کی خبر بھی ہے کہ وہ اس سے جو یہ لوگ تشبیہ دیتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ تھک جاتا ہے معاذ اللہ) درانحالیکہ تم متلبس ہو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس پر جو اُسنے تم پر انعام فرمایا اصابۃ حق وغیرہ کا۔

فائدہ: حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الامالی میں فرمایا کہ حمد کو ہمیشہ تبیح سے ملانے میں راز یہ ہے مثلاً فرمایا وان من شی الا یسبح بحمد ربہ (کوئی شے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کہتی ہو۔ معرفت الٰہی دو قسم ہے۔

(۱) معرفۃ ذات (۲) معرفت اسماء وصفات اور ان دونوں کی معرفت ایک دوسری کو لازم ہے کہ ایک کا اثبات دوسری کے بغیر ناممکن ہے یاد رہے کہ اثبات الذات از مقتضائے عقل اور اثبات اسماء وصفات از مقتضائے شرع ہے عقل سے مسمّٰی (ذات) ثابت ہوا اور شرع سے بھی اور عقل میں اس ذات کا تصوّر نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے حدوث کے جملہ نشانات و علامات کی نفی نہ ہو اور وہ تبیح سے ہوسکتا ہے اسی لئے وہ مقدّم ہے کیوں کہ مقتضائے عقل مقتضائے شرع سے مقدم ہے اس لیئے کہ شرع منقول بعد حصول النظر والعقول کے بعد آئی ہے اور نظر پر عقول نے رہبری کی ہے اس کے بعد ہی ذات کا علم ہوا تو پھر اسمار کا علم ہوا اسی لئے تبیح کے بعد حمد وثنا لائی جاتی ہے اسی لئے ہم اس تسبیح کے مامور ہیں جس میں حمد بھی ہو۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ طلوع شمس سے پہلے اور غروب سے پہلے یہ دونوں وقت فجر وعصر سے موسوم ہیں اور ان کی فضیلت مشہور ہے۔ ان دونوں میں تسبیح بہت بڑی فضیلت رکھتی ہے اور سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ قبل طلوع الشمس و قبل غروبها اس میں تمام کی رعایت کی گئی ہے کیونکہ غروب شمس کا ہی ہوتا ہے جیسے طلوع بھی اسی کا وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ اور رات کے کچھ حصّے میں بھی تسبیح کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ "من اللیل" فعل محذوف کا مفعول ہے جس کا عطف سبح بحمد ربک پر ہے جس کی تفسیر فسبحہ کر رہا ہے اور من تبعیضہ ہے اور اس میں فعل مذکور ہی عمل

کرسکتا ہے اور فا فعل کو اپنے مابعد پر عمل کرنے سے نہیں روکتی جیسے سورۃ قریش (پ ۳۰) میں اس کی تفصیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: بعض مشائخ کبار نے فرمایا کہ قبل طلوع الشمس سے اول النہار اور قبل الغروب سے تا آخر النہار اور وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ کے تمام شب مراد ہے یعنی بقدر وسعت ہر وقت ذکر تسبیح و تحمید میں لگا رہنا چاہیے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے کہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض اولیاء ساہا سال سوئے اور ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ دوام ذکر و تسبیح نصیب ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین ھم علیٰ صلاتھم دائمون اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نماز پر مداومت کرتے ہیں۔

فائدہ: اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے قلب کی مداومت مراد ہے نہ کہ قالب (جسم) کی کیوں کہ اکثر اولیاء اللہ کو سوتے اور قیام اللیل کرتے ہر دونوں طرح دیکھا گیا جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی لیکن ایسے حضرات کے قلوب بیدار ہوتے ہیں اور نماز سے مراد توجہ الی اللہ ہے اسی لئے ایسے لوگ رات دن کے جملہ لمحات میں متوجہ الی اللہ رہتے ہیں وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ اور سجود کے بعد یعنی نمازوں کے بعد اور ان کے اواخر میں۔

حل لغات: ادبار دُبُر کی جمع ہے ادبرت الصلوٰۃ بمعنی انقضت الصلوٰۃ (نماز ختم ہو گئی) سے ہے۔

فائدہ: رکوع و سجود کو بھی صلاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ نماز کے بہت بڑے ارکان ہیں جیسے وجہ کو ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ اشرف الاعضاء ہے۔

فائدہ: تفسیر المناسبات میں ہے کہ "وسبح" اور تسبیح کیجئے درانحالیکہ تم متلبس ہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ قبل طلوع الشمس یعنی صبح کی نماز میں جو اس کے لائق ہے تسبیح و تحمید وغیرہ میں سے وقبل الغروب اور سورج کے غروب سے پہلے ظہر و عصر کی نماز میں اس وقت میں عصر کی نماز اصل اور ظہر اس کے تابع ہے۔ اور جب وہ وقت ذکر کیا گیا جو حب الہیٰ کے لئے محبوب تر ہے کیوں کہ وہ انتشار کا وقت ہے کہ وہ ضروری امور سرانجام دیتے ہیں کہ جن پر امور کا قوام ہے اور راحت جسمانیہ کے آرام کے لئے واپس لوٹنا ہے ایسے ہی کھانے پینے اور لہو و لعب اور انتشار کے بعد جمع ہونے اور مل بیٹھنے کیلئے علاوہ ازیں ان دونوں وقتوں میں مخلوق کے پھیلنے اور چلنے پھرنے اور پھر جمع ہونے میں دلالت ہے اس کے پیچھے ان اوقات کو بھی ملایا گیا جو راحت کے اوقات ہیں کہ جنہیں لیٹنا اور سونا ہے تو فرمایا ومن اللیل یعنی رات کے بعض اوقات میں فسبحہ

تو تسبیح کیجئے مغرب وعشاء وقیام اللیل کیجئے کیوں کہ رات خلوات کا وقت ہے اور اس میں مناجات کیلئے لذیذ تر ہے جب فرائض کا ذکر فرمایا کہ ان کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں تو انہیں ضمناً نوافل بھی مذکور تھیں لیکن صراحۃً ان کا ذکر ضروری تھا اسی لئے ان کے بعد "وادبار السجود" میں نوافل کا ذکر فرمایا السجود سے فرائض مراد ہیں جو کہ باب نماز میں مکمل ترین شے ہے فرائض کے بعد سنن و نوافل اور تسبیح قولی ہوتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ عبادت میں مشغول ہونا اپنے مالک سے طلب رحمت اور تسبیح پڑھنے میں گویا طلب نصرۃ ہے مکذبین پر اور نماز مدد کے لئے اور ازالہ تھکان کے لئے عظیم ترین تریاق ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ہولناک امر حائل ہوتا تو نماز میں مشغول ہو جاتے۔

حل لغات حزبہ الامر بمعنی نابہ واشتد علیہ او ضغطہ فلاں کو فلاں امر حائل ہوا اور اسے پریشان کیا اور فزع الیہ بمعنی لجاہ پناہ لی۔

تفسیر الخلفاء الراشدین سیدنا عمر وسیدنا علی رضی اللہ عنہما نے ادبار السجود نے صلوۃ مغرب کے بعد دو رکعت مراد لی ہے اور ادبار النجوم سے صلوۃ فجر سے قبل دو رکعت مراد ہے جمہور مفسرین کا بھی یہی مذہب ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صلوۃ مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعت پڑھی تو اس کی نماز علیین میں لکھی جائے گی۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فجر کی دو رکعت یعنی سنت صبح دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب اور فجر کی دو سنتوں میں سے پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکفرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

فائدہ: یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

مسئلہ: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وادبار السجود سے فرائض کے بعد زبان سے تسبیح پڑھنا مراد ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہی یہ کل ننانوے بار ہوا پھر سو پورا کرنے کیلئے کہا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر تو اس کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ برابر ہوں۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ دنیادار

ہم سے بازی جیت گئے یعنی درجات بلند اور نعیم مقیم سے سرفراز ہوں گے آپ نے فرمایا وہ کیسے عرض کی وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح جہاد کیا اور اپنے زائد مال سے خرچ کرتے ہیں جو ہمارے بس سے باہر ہے آپ نے فرمایا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تم پہلے لوگوں اور آنے والوں سے سب سے بازی لے جاؤ ہاں اگر وہ بھی اسی طرح عمل کرے گا جیسے تم کو بتاؤں تو انہیں بھی وہی مرتبہ ملے گا وہ یہ کہ ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہو (کشف الاسرار)

نکتہ از صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ صرف تین چیزوں کے بیان کرنے میں راز ہے وہ یہ کہ صحابہؓ نے سوال میں تین چیزوں کا ذکر کیا یعنی صلوٰۃ، جہاد، انفاق' اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین امور کا ذکر فرمایا اور آخری حدیث شریف میں دس بار فرمانے کا راز وہی ہے کہ آیت میں ہے کہ من جاء بالحسنہ فلہ عشر امثالہا (جو ایک نیکی کرے اسے دس کا ثواب ملے گا) اور ہر ایک ذکر (حمد۔ تکبیر۔ تسبیح) کو اسی طرح دوگنا کرنے سے اسماء الحسنیٰ کی تعداد کے مطابق ہو جاتا ہے یعنی ننانوے احادیث کو ملایا گیا تو ایک سو ہو گیا اور ایک عشرہ کا دوگنا کرنے کا یہی طریقہ اختیار کیا جائے تو ایک ہزار ہو جائے گا تاکہ اشارہ ہو اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء کی طرف اسی لئے تسبیح و تحمید و تکبیر کے زائد (یعنی تینتیس دفعہ) میں اعداد کے اصول کی طرف اشارہ ہے جنہیں ایک بار لا الٰہ الا اللہ ملانے سے پورا ایک سو ہو گیا اس طرح سے اصول اعداد کا اصول سے یعنی ایک سو سے اور فروع کا مقابلہ ایک ہزار سے ہو۔

سوال: اہل ثروت بھی تو یہ تسبیح و تہلیل و تکبیر پڑھتے ہیں تو پھر فقراء (مساکین) کو ان پر کوئی فضیلت نہ ہوئی۔

جواب: ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب فقیر خلوص دل سے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اور دولتمند بھی اسی طرح خلوص دل سے کہے تو دولتمند کا فقیر کے ساتھ مقابلہ نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ دولتمند اس کے ساتھ دس ہزار درم خرچ کرے ایسے ہی تمام نیکیوں کا حال ہے اس سے فقراء کی اغنیاء پر افضیلت ثابت ہوئی (الحمد للہ علیٰ ذلک)

مسئلہ: آیت نوافل کی فضیلت ثابت ہوئی۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو الدرداء کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عویمر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے اجتناب کرنا اور فرائض ادا کرنا اس طرح سے تم عاقل ہو گے پھر اعمال صالحہ کے زوائد ادا کرنا۔ اس طرح سے تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب

ہو جائے گا اور اس سے عزت بھی عطا ہو گی۔

حدیث شریف[۲] : نوافل کو اچھا کر کے پڑھو تاکہ تمہارے فرائض کی تکمیل ہو۔

حدیث شریف[۳] : مرفوع حدیث میں ہے نوافل مومن کا ہدیہ ہے جو وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف بھیجتا ہے تو چاہیے انہیں بہتر طریق سے ادا کرے۔

حدیث شریف[۴] : میں ہے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیجئے۔

حدیث قدسی[۵] : میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بندہ میرا قرب جتنا فرائض کی ادائیگی سے حاصل کرتا ہے اتنا اور کسی عبادت سے نہیں حاصل کرتا اس کے بعد اسے میرا قرب نوافل سے نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں۔

فائدہ : نوافل سے نماز کے نوافل کے علاوہ دوسری عبادات بھی مراد ہیں ان میں سلوک صوفیہ بھی ہے کہ اس سے سالک اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے کہ اس سے وہ حجابات مانعہ دور ہو جاتے ہیں جو اسے دیدار الٰہی سے روتے ہیں۔

فائدہ : امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرب الٰہی سے قرب روحانی مراد ہے کہ بندے کے دل سے جہل وطیش وغضب اور حاجات بدنیہ بقدر طاقۃ بشریہ کی میل کچیل دور ہو جائے اور بندہ اخلاق الٰہیہ جیسے علم وحکمت ورحمت سے متخلق ہو جائے۔

فائدہ : فتوحات مکیہ کے ترجمہ میں ہے کہ ادائیگی فرائض میں عبودیت اضطراری اور نوافل میں عبودیت اختیاری ہے اور نفل رکعت سے زائد کو کہا جاتا ہے اور خود انسان اپنے وجود کے لحاظ سے زائد ہے بروجود حق تعالیٰ اس لئے کہ اسے انسان تو نہ تھا لیکن وہ تھا تیرے وجود سے ایک وجود حادث (زائد) ہوا اس معنیٰ پر نفل سے تیرے وجود کی طرف اشارہ ہے کہ یہ زائد ہے اور عمل فرائض اشارہ بوجود حق تعالیٰ ہے کہ وہ اصل کلی ہے پس ادائیگی فرائض میں بندہ حق تعالیٰ کے لئے ہے اور ادائیگی نوافل میں برلئے خود ہے اس وقت کہ تو اس کے کام میں ہے لیکن جب نوافل ادا کرتا ہے تو اپنے کام میں ہے اسی لئے وہ تیرے سے محبت کرتا ہے اس محبت کا ثمرہ "کنت سمعہ وبصرہ" ہے لیکن اس سے اندازہ کیجئے کہ جب تو اس کے کام میں ہو گا یعنی ادائیگی فرائض میں تو پھر اس کی تیرے ساتھ کتنا محبت ہو گی اور وہ اس کا ثمرہ کیا ہو گا۔

مسئلہ : جس فریضہ میں کمی واقع ہو گی تو اس فرض کے بعد والے نوافل سے کمی پوری کی جائے گی۔

حدیث شریف : میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے فرائض پر نگاہ رکھو اگر مکمل ادا

کرتا ہے تو اسے کامل لکھو اگر ناقص ادا کرتا ہے تو دیکھو میرے اس بندے نے کوئی نوافل بھی پڑھے ہیں تو انہی نوافل
سے اس کے فرائض کی تکمیل کر دو۔

فائدہ : جب رکوع، سجود و دیگر افعال کہ ان کے سوا نماز نامکمل ہے ان کی ادائیگی نوافل سے فرائض
کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے فرائض کو نوافل کے درمیان رکھا ہے تاکہ فرائض میں کمی ہو تو نوافل سے تکمیل کی جاسکے۔

فائدہ : اکابر فرماتے ہیں جو چاہتا ہے کہ اسے وہ علم حق نصیب ہو کہ جس کے آگے پیچھے باطل نہ آسکے
تو وہ نوافل و طاعات کی کثرت کرے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ محبوب بنالے پھر وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اللہ
تعالیٰ سے حاصل کرے گا۔ ایسے ہی شرع کے جملہ احکام کی معرفت اسے اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوں گے نہ کہ عقل
سے اگر وہ نوافل و طاعات کی کثرت نہیں کر سکتا تو وہ اپنے رب تعالیٰ کی ان خبروں کی تقلید کرے جس کی اسکے
اولیاء نے خبر دی ہے یہ اس سے بہتر ہے جو عقل کی تقلید کرتا ہے۔

نوافل المشائخ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ ادبار السجود میں صلوٰۃ الرغائب
وصلوٰۃ براۃ وصلوٰۃ القدر وغیرہ داخل ہیں اس لئے کہ صلوٰۃ الرغائب مغرب کے
بعد شب جمعہ اولی از ماہ رجب پڑھی جاتی ہے اور صلوٰۃ البراۃ عشاء کے بعد پندرہ شعبان میں پڑھی جاتی ہیں
یہ نمازیں محققین مشائخ کی مستحسنات سے ہیں کیوں کہ یہ نوافل ہیں یعنی فرائض وسنن پر زائد ہیں یہ اس
تقدیر پر ہے کہ انکی اصل صحیح شرع میں نہ ہو اسی لئے اس نماز پر مشائخ کو کلام ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی
اصل ہے کیوں کہ اکثر قول ہے کہ یہ نوافل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی ہیں ان کا اصل صحیح شرع میں
ہے ہاں ان کا ظہور حادث ہے لیکن یہ حدوث ان کی اصالت میں نقصان دہ نہیں علاوہ ازیں مشائخ کرام کا
عمل اس کی سند کے لئے کافی ہے کیوں کہ وہ حضرات ذوالجناحین (دو پر والے) ہیں اور میں نے اس
موضوع پر ایک علیحدہ تصنیف لکھی ہے جو اپنے موضوع میں شافی ووافی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاسْتَمِعْ اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنیئے اسے جو تمہاری
طرف وحی کی گئی ہے احوال قیامت سے استمع کا مفعول حذف کر کے پھر اس
کی تفسیر یوم الخ میں اس دن کی ہولناکی اور خطرناکی کی طرف اشارہ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے حضور
سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ وہ سات دن ہیں یہ حضرت معاذ اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
اے معاذ توجہ سے سن جو میں تجھے کہوں اس کے بعد آپ نے اسے حدیث سنائی۔

حل لغات : السمع مسموع کا کان لگا کر ادراک کرنا السامع والمستمع میں فرق یہ ہے کہ مستمع وہ ہے

جو قصداً کسی شے کی طرف کان لگا کر نا سُنے اور سامع وہ ہے جس کے کان میں کوئی شے اتفاقاً پہنچے جس کے سننے کا قصد نہ ہو اس معنیٰ پر ہر مستمع سامع ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ (اس دن کہ پکارنے والا پکارے گا) دراصل ینادی المنادی تھا ایسے ہی ابو عمرو و نافع وابن کثیر نے پڑھا ہے المنادی بالیاء وہ فرشتہ جو صور پھونکے گا یعنی اسرافیل علیہ السلام اور النداء بمعنی نفخ اور اسے نداء سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا وہ خروج از قبور اور حشر کے لئے علم ہے اور وہ نداء کانوں میں ایسے پہنچے گی جیسے موذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے یا وہ آواز جو لشکر (فوج) کو کوچ کے وقت کانوں میں آتی ہے بعض نے کہا وہ حقیقی نداء ہو گی وہ (اسرافیل علیہ السلام) پتھر پر کھڑے ہو کر کانوں میں انگلی دبا کر کہیں گے۔ اے پرانی ہڈیو! اے ٹوٹے ہوئے جوڑو! اے ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو اور متفرق بالو تمہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے فیصلہ کے لئے ایک دوسرے سے جڑ جاؤ۔

بعض نے کہا کہ اسرافیل پھونکیں گے بعض نے کہا حشر کے لئے جبرائیل علیہ السلام اعلان کریں گے مِّن مَّكَانٍ قَرِيبٍ (قریب کی جگہ سے) آسمان کی طرف اور پتھر سے صخرہ بیت المقدس ہے اس لئے کہ بیت المقدس آسمان کو بہ نسبت دوسری زمینوں کے قریب تر ہے۔ بارہ میل یا اٹھارہ میل ہے یہی زمین کا وسط ہے جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا یا مکان قریب سے مراد یہ ہے کہ ان کی نداء سب کو برابر طور پہنچے گی اس معنیٰ پر وہ گویا سب کو قریب ہوں گے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اسے قریب اس لئے کہا گیا ہے کہ اسے ہر انسان اپنے کان سے سنے گا بعض نے کہا وہ آواز قدموں کے نیچے سے سنائی دے گی بعض نے کہا اپنے بالوں کی جڑوں سے سُنی جائے گی یہاں تک کہ ہر بال سے علیحدہ علیحدہ آواز ہو گی۔ شاید یہ آواز اعادہ کی اسی طرح ہو گی جیسے ابتدا رکن کی آواز تھی یوم الخ یہ یوم ینادی سے بدل ہے یسمعون سنیں گی ارواح یا بعض نے کہا کہ اس سے اجسام مراد ہیں اس لئے کہ انہیں چالیس سال میں تیار کر لیا جائے گا۔

عین المعانی الصَّيْحَةَ سنیں گے آواز کو یہ مرنے کے بعد اٹھنے کی آواز ہے یعنی نفخہ ثانیہ الصیحۃ اور الصیاح انتہائی طاقت ور آواز بِالْحَقِّ حق کے ساتھ یہ صیحۃ کے متعلق ہے اور اس سے حال ہے اور ظرف کا عامل وہ جس پر دلالت کرتا ہے ذٰلِكَ وہ روز يَوْمُ الْخُرُوجِ قبور سے نکلنے کا دن ہے اور یہ بھی قیامت کے اسماء میں سے ایک ہے اور یوم العید کو بھی یوم الخروج کہا جاتا ہے کیوں کہ اسے اس کے مشابہت ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس دن وہ لوگ وہ آواز سنیں گے جو حق سے متلبس ہے جو کہ وہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے قبور سے نکل کر حساب کیلئے حاضر ہوں گے اسکے بعد بہشت یا دوزخ۔

میدان حشر کا منظر کشف الاسرار میں ہے کہ جب یہ پکار پڑے گی تو مخلوق میں اضطراب پھیل جائے گا گوشت و پوست بوسیدہ اور ہڈیوں کے ریزے جو مٹی میں مٹی ہو چکے ہوں گے اور ذرہ ذرہ ہو کر ایک دوسرے سے جدا ہو چکے ہوں گے ان کے بعض مشرق میں اور بعض مغرب میں بعض جنگلوں میں بعض دریاؤں میں بعض کو بھیڑیے کھا چکے ہوں گے بعض پرندوں کا لقمہ بن گئے ہوں گے آواز سنتے ہی سب ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور ہر ذرہ اپنی جگہ سے اڑ کر اپنے اجزاء میں مرکب ہوں گے ہفت اقلیم از ابتداء آفرینش تا یوم قیام تک یکجا آئیں گے خود اکٹھے ہوں گے اور خود جڑ جائیں گے اپنی اصلی صورتوں میں تیار ہو جائیں گے اعضاء و اجزاء مرتب و مرکب ہوں گے ذرہ برابر کم و بیش نہیں ہوں گے کسی ایک کا بال دوسرے کو نہ لگے گا نہ اپنا بال اپنی غیر جگہ پر پیوست ہو گا وہ دن بہت بڑا ہیبتناک ہو گا وہ حشر و نشر کا دن ہے وہ خیر و شر کی جزا کا ہے ترازو و حساب کا اور کرسی قضاء کی سامنے ہو گی ہیبت کا فرش بچھا ہو گا تمام مخلوق ہیبت سے گھٹنوں بل آئے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وترى كل امة جاثية (تم تمام لوگوں کو گھٹنوں بل دیکھو گے) دوزخ غرائے گی اس نے فرمایا تكاد تميز من الغيظ قریب ہے کہ غیظ و غضب سے پھٹ جائے زبانیہ فرشتے مجرموں کو گرفتار کر کے چل رہے ہوں گے جیسا کہ فرمایا خذوه فغلوه ثم الجحيم صلوه اسے پکڑو اور اسے زنجیر سے جکڑو پھر اسے دوزخ میں داخل کرو ہر کس اپنے حال میں پریشان ہو گا۔ اپنے پرائے سے بیزار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لكل امرئ منهم يومئذ شان يغنيه ہر کس اس دن ایسے حال میں ہو گا کہ اسے کسی دوسرے کی خبر نہ ہو گی۔

تلاش مدینہ اور انوار مدینہ منقول ہے کہ روز محشر سب سے پہلے حضرت جبریل و حضرت میکائیل علیہما السلام زمین پر تشریف لائیں گے ابھی کوئی بھی اپنے قبور سے باہر نہیں آیا ہو گا ان حضرات کے ہاں براق اور پوشاک اور تاج ہو گا جو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لائیں گے۔ لیکن اس دن کی ہولناکی سے ایسے گھبرائے ہونگے کہ انہیں معلوم نہ ہو سکے گا کہ روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہے زمین سے پوچھیں گے تو زمین کہے گی میں خود گھبراہٹ میں ہوں مجھ سے نہ پوچھو مجھے اب یہ بھی خبر نہیں کہ میرے اندر کیا ہے اور کون ہے اور کہاں ہے۔ جبریل علیہ السلام مشرق و مغرب کا کونہ کونہ چھان ڈالیں گے لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکے گا اچانک دیکھیں گے کہ خوابگاہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انوار چمک رہے ہیں وہاں جبریل علیہ السلام پہنچیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزار سے باہر رونق افروز ہیں چنانچہ خود فرمایا انا اول من تنشق عنه الارض میں پہلا وہ ہوں کہ جس سے زمین پھٹے گی۔

اُمت کا غم خوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے اے جبریل (علیہ السلام) میری امت کا کیا حال ہے عرض کریں گے حضور ! آپ زمین سے باہر ہیں اور وہ ابھی زمین میں ہیں آپ پوشاک پہنیے تاج سر پر زیب فرمایئے اور براق پر سوار ہوں کمر شفاعت باندھ کر میدان حشر میں تشریف لے چلیئے امت بھی آجائے گی۔

سر بسجود ہو گئے نبی علیہ السلام حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدانِ حشر میں پہنچتے ہی سر بسجود ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے حق سے ندا آئے گی اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج کا دن خدمت (عبادت) کا نہیں بلکہ عطاء و نعمت کا دن ہے سجود کا دن نہیں سخا وجود کا دن ہے سر اٹھا سرورا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور شفاعت کا سہرا تیرے گلے میں ہے تو کہتا جا میں چھوڑتا جاؤں۔ اس لئے کہ تونے دنیا میں وہ کر دکھلایا جو میں نے کہا آج ہم آپ کو وہی دیں گے جو آپ چاہیں گے ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ تجھے تیرا رب وہ دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے سلسلۃ الذہب میں لکھا کہ ؎

۱ : سُوئیم انگن ز رحمت نظرے۔
باز کن بر رُخم ز فضل درے

۲ : لب بجنبان پے شفاعت من
منگر در گناہ و طاعت من

۳ : ماندہ ام زیر بار عصیان پست
رفتم از پائے اگر نگیری دست

۴ : رحم کن بر من و فقیری من
دست دہ بہر دستگیری من

ترجمہ ۱ : میری طرف رحمت کی نگاہ ہو، مجھ پر اپنے فضل سے دروازہ کھول دے۔
۲ : میری شفاعت کے لئے لب کو حرکت دے میرے گناہ اور طاعت نہ دیکھ۔
۳ : میں عاجز آگیا ہوں گناہوں کے بوجھ سے میں پاؤں پر گر جاؤں گا اگر تم امداد نہ کروگے۔
۴ : مجھ پر اور میری فقیری پر رحم فرما میری امداد کے لئے ہاتھ دے (مدد کر)

تفسیر عالمانہ انا نحن نحیی و نمیت (بے شک ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں) دنیا میں اس میں ہمارا کوئی شریک نہیں اسم لا کر پھر ضمیر کا تکرار محض

تاکید و اختصاص اور یہ کام اس کے انفراد کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ نطفہ مردہ کو ہم زندگی بخشتے اور پھر ان سب کو دنیا میں موت دیتے ہیں وَ اِلَیْنَا الْمَصِیْرُ اور ہماری طرف آخرت میں جزار کے لئے لوٹنا ہے نہ ہمارے غیر کی طرف نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک اسی لئے ہمارے ہاں پہنچنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ اوقات ذکر کے انقطاع کے بعد مراقبۂ قلوب کی طرف کہ وہ ہواتف الغیبیہ والھامات ربانیہ واشارات الٰہیہ مکان قریب سے سنیں اور مکان قریب سے قلب مراد ہے اس دن کہ نفوس جانب حق سے نصیحۃً سنیں جب کہ وہ اپنے صفات سے جلوہ گر ہوں گا وہ ظلمات بشریت سے نورِ روحانیہ وربانیہ کی طرف نکلنے کا دن ہے بیشک ہم ہی مردہ قلوب کو زندہ کرتے اور زندہ نفوس کو موت دیتے ہیں اور ہماری طرف اس کا لوٹنا ہے جس کا نفس مر جائے اور قلب زندہ ہو جائے۔

فائدہ: ایک حشر و نشر عام ہے وہ اجسام کا قبور سے نکل کر یوم نشور میں میدان حشر میں حاضر ہونا ہے دوسرا حشر و نشر خاص ہے وہ ارواح اخرویہ کا قبور اجسام دنیویہ سے نکل کر روحانی سیر و سلوک سے حیاۃ دنیا میں عالم روحانی کی طرف جانا اور یہ موت بالارادہ ہے کہ موت اضطراری سے پہلے (جو صورۃ حیوانیہ سے نکلتا ہے) صفات حیوانیہ نفسانیہ سے نکلنا تیسرا حشر و نشر اخص ہے وہ قبور انانیۃ روحانیہ سے ہویۃ ربانیہ کی طرف جانا جیسے موت دو قسم ہے اضطراری و اختیاری ایسے ہی ولادت دو قسم ہے — اضطراری وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس میں بندے کو کسی قسم کا دخل نہیں دوسری ولادت اختیاری وہ کسب سے حاصل ہوئی وہ وہی ہے جس کی طرف حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ ملکوت السمٰوٰت میں ہرگز داخلہ نہیں ہو سکتا جب تک انسان کی دو دفعہ ولادت نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ اس دن کہ لوگوں سے زمین پھٹے گی یہاں پر ایک تار محذوف ہے کہ یہ دراصل تتشقق تھا بمعنی تتصدع (پھٹیگی) تاج المصادر میں ہے کہ التشقق بمعنی چر جانا (پھٹ جانا) اب معنی یہ ہوا اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے کہ اس دن کو کہ زمین پھٹے گی اور لوگوں سے دور ہو جائے گی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے (سراعًا) تیز دوڑتے ہوئے۔ یہ مجرور سے حال ہے۔

حل لغات: سراعًا سریعہ کی جمع ہے السرعۃ بمعنی تیز دوڑنا بطئی کی نقیض ہے اس کا استعمال اجسام و افعال میں ہوتا ہے مثلاً سرع فہو سریع و اسرع فہو مسرع اب معنی یہ ہوا کہ اس دن

داعی کے بلانے پر تیز دوڑنے والے ہوں گے اس وقت دائیں بائیں بھی نہیں دیکھیں گے یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا مھطعین الی الداع سرجھکا کر تیز دوڑنے والے ہوں گے داعی کی طرف (ذلک) ان کا قبور سے زندہ کرنا حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ہمارے لئے آسان ہے ان کا قبور سے اٹھا کر جمع کرکے چلانا کہ ہم انہیں کہیں گے کُن تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ کفار کے قول کے بل برابر کا مقابل ہے انہوں نے کہا ذالک رجع بعید یہ واپس لوٹنا بعید ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا غلط کہتے ہیں بلکہ وہ بہت آسان ہے۔

فائدہ: حرف جارہ ومجرور کی تقدیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تخصیص کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ ایسی باتیں اس کے لئے آسان ہوتی ہیں جو انہیں جانتا اور ان پر ذاتی طور قادر ہو کہ اس کے آگے کوئی بات نہ آئے جیسے فرمایا کہ وما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ تمہارا پیدا کرنا اور تمہارا قبور سے اٹھانا ایک ہی نفس جیسا ہے نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ہم ان کی باتوں کو زیادہ جانتے ہیں یعنی ان میں جو مرنے کے بعد اٹھنے اور آیات ناطقہ کی تکذیب وغیرہ کرتے ہیں ان کی ایسی باتوں میں کوئی بھلائی نہیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی اور کفار کو تہدید ہے وَمَآ اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِجَبَّارٍ اور تم ان پر جبر کرنے والے نہیں کہ تشدد سے ان کو منوائیں یا جو چاہیں وہ منوالیں تم تو صرف نصیحت کرنے والے ہو جیسے فرمایا "انما انت مذکر (تم تو نصیحت کرنے والے ہو)" "لست علیھم بمصیطر" تم ان پر مسلط نہیں کہ انہیں مجبور کرکے منوالو۔

حل لغات: الجبر بمعنی کسی شے کی اصلاح جبر و تشدد سے اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہے الجبار یعنی وہ ذات جو بندوں کو اس پر مجبور کرے جو وہ چاہے۔ فَذَکِّرْ تو نصیحت کیجئے بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ہ قرآن کے ساتھ جو میرے وعید سے ڈرتا ہے یعنی جو قرآن کے مواعظ کو عظیم کیوں کہ ایسے لوگ اسی سے نفع حاصل کر سکتے ہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا فذکر فان الذکری تنفع المومنین نصیحت فرمائیے اس لئے کہ نصیحت اہل ایمان کو نفع دیتی ہے ان کے علاوہ ہم ان کو ان کے اقوال واعمال کے مطابق سزا دیں گے اور قسم قسم کے عقاب و عذاب میں مبتلا کریں گے جیسے فرمایا وما انت تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمٰن بالغیب اور تم ڈراؤ اسے جو ذکر کی تابعداری کرے اور رحمٰن سے غائبانہ ڈرے۔

حل لغات الوعید عذاب سے ڈرانا اور نفس عذاب کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے گزرا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ خاشعین کو اس کی عظمت سے اور خائفین کو اس کی کبریائی سے قرآن کے

ذریعے ڈرائیں کیوں کہ قرآن کے اہل وہی ہیں اور اہل قرآن ہی اہل اللہ (اولیاء اللہ) ہیں۔

انتباہ: یہاں وہ اہل قرآن مراد نہیں جو حدیث کے منکر ہیں جو خود تو اہل قرآن کہلواتے اور لکھواتے ہیں جیسا کہ وہ اس نام سے اہل اسلام کو ورغلاتے ہیں وہ گمراہ ہیں پرویزی اور چکڑالوی ہیں یہاں اہل قرآن سے اولیاء اللہ مراد ہیں اللہم اجعلنا ہم (اضافہ اویسی غفرلہ)

(یعنی) اہل قرآن اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں وہی حقائق خطاب کو جانتے۔ عبودیت کی صفت سے وہی قرآن کے ذریعے معاون خاص میں پہنچ کر حق کو حق کے ساتھ دیکھتے ہیں جہاں ان کے آگے حجاب نہیں اور قرآن کے ذریعے ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں۔

فائدہ: حضرت احمد بن ہمدان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن سے وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے ایمان و اسلام اور اپنے ہر نفس کے نگہبان ہیں یاد رہے کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ تخویف و انذار ان لوگوں پر موثر ہیں جو خائفین ہیں جو خائف نہیں وہ اسمیں کامیاب نہ ہوگا کیوں کہ آسمانی پرندہ پروں سے اڑتا ہے اور اس کا اڑنے کا انجام اس کا اپنا گھونسلہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ کا خطاب قلب سے ہے یعنی اے دل تو نفس اور اس کے صفات پر اپنے نفس کے ساتھ مسلط نہیں بلکہ ہماری مدد سے تو ان پر تسلط کر سکتا ہے اور قرآن سے یعنی اس کی دقیق معانی اور حقائق اسرار سے نصیحت کیجئے جو میری وعید سے ڈرتا ہے یعنی ان نفوس کو جو قرآنی نصائح اور اس کی وعید کے قابل ہیں کیوں کہ ہر نفس اس کے قابل نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: در خیر باز ست ہرگز و لیک
نہ ہر کس توانا ست بر فعل نیک

۲: کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

۳: ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقائق بباران نروید ز سنگ

۴: بکوششی نروید گل از شاخ بید
نہ زنگی بہ گرما بہ گردد سفید

۵ : نیاید نکو کاری از بدرگان
محالست دو زندگی از سگاں

۶ : تو ان پاک کردن زژنگ آئینہ
ولیکن نیاید زسنگ آئینہ

ترجمہ ۱ : خیر و بھلائی کا دروازہ کھلا ہے لیکن ہر کس کو نیک کام کی قدرت نہیں دی جاتی۔
۲ : جسے بھی سر میں خیال غلط ہے گمان نہ کر کہ وہ حق سنے۔
۳ : اسے علم و وعظ سے عار اور شرم آئے گی۔ پھول پتھر سے نہیں اُگتے۔
۴ : بید کی لکڑی سے کوشش کے باوجود گلاب پیدا نہ ہو گا نہ ہی زنگی غسلخانہ میں سفید ہو جائے گا۔
۵ : بداصل سے نیکی سرزد نہ ہو گی کتے سے سینا محال ہے۔
۶ : آئینے سے زنگ دور ہو سکتی ہے لیکن پتھر سے آئینہ تیار نہیں کیا جا سکتا۔

سورۃ قٓ کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ میں بہت زیادہ اوقات سورۃ قٓ پڑھا کرتے اس لئے کہ اس میں ذکر الٰہی اور اس کی ثناء ہے پھر بتایا گیا ہے کہ جو تمہارے دلوں پر وسواس ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے بلکہ اسے فرشتے لکھتے ہیں اور نہ صرف وسوسہ بلکہ ہر طاعت وعصیان لکھتے ہیں پھر اس میں موت اور سکرات کی تذکیر اور قیامت اور اس کے ہولناک حالات کی یاددہانی پھر بندوں کے اعمال کی شہادت اس کے بعد جنۃ و دوزخ کی تذکیر پھر مرا اٹھنے پر آواز سنانے اور اٹھنے اور قبور سے نکلنے کی خبر پھر نمازوں پر مواظبت کا بیان ہے۔

خطبہ کی ایک بدعت خطبہ کے آخر میں "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" (الآیۃ) پڑھنے کا ابتدار حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور تمام خطباء پر لازم کر دیا تا حال وہی بدعت جاری ہے[1]

---

[1] : (یعنی صاحب روح البیان رحمۃ اللہ کے زمانہ تک) بلکہ بفضلہ تعالیٰ تا حال ۱۴۰۸ھ ہر خطیب اسے پڑھتا ہے یہاں تک کہ دیوبندی وہابی بھی جو بدعت سے ڈراتے ہیں لیکن اس سے جسے نبی علیہ السلام اور اولیاء کرام کے کمالات سے تعلق ہو ورنہ وہ ہر قسم کی بدعت پر عمل کرتے ہیں بلکہ ان کا بدعات کے بغیر گزارہ ہی نہیں اور نبی علیہ السلام اور اولیاء کرام سے متعلق بدعات حسنہ سے چڑ کیوں یہ خود سوچیئے کہ کیوں۔ (اویسی غفرلہ)

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ ق پڑھتے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اذا الشمس کورت تا۔ ار حضرت ، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سورۃ النساء کا آخر یستفتونك فی النساء الخ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، ، سورۃ کافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھا کرتے (ذکرہ ابن الصلاح)

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے سورۃ قٓ کی تلاوت کی اللہ تعالیٰ اس پر تارات موت اور سکرات کے جملے آسان فرمائے گا۔

فائدہ: تارات بمعنی افاقات اور نسیان (مدہوشی وغیرہ) حواسی سعدی المفتی رحمۃ اللہ

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ فراغت اور سورۃ قٓ سے نقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا اس سورۃ کی تفسیر سے فراغت اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ کی مدد سے جمادی الاولیٰ کے اوائل میں ۱۱۰۱۴ھ میں ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ کی فراغت: بفضلہ تعالیٰ وکرمہ فقیر نے اس سورۃ قٓ کے ترجمہ سے ۴ جمادی الآخرۃ ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۸۸ء بروز یک شنبہ صبح دس بجے فراغت پائی۔

الحمد للہ علی ذلك وصلی اللہ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ،

بہاولپور ——— پاکستان

سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ

اس کی ساٹھ آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝
اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ
هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ
يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝
كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ
اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

ترجمہ: قسم ان کی جو بکھیر کر اُڑانے والیاں پھر بوجھ اٹھانے والیاں پھر نرم چلنے والیاں پھر
حکم سے بانٹنے والیاں بے شک جس بات کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور سچ ہے اور بے شک انصاف
ضرور ہونا آرائش والے آسمان کی قسم تم مختلف بات میں ہو

اس قرآن سے وہی اوندھا کیا جاتا ہے جس کی قسمت ہی میں اوندھا یا جانا ہو مارے جائیں دل سے تراشنے والے جو نشے میں بھولے ہوئے ہیں پوچھتے ہیں انصاف کا دن کب ہوگا اس دن ہوگا جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے اور فرمایا جائے گا چکھو اپنا تپنا یہ ہے وہ جس کی تمہیں جلدی تھی بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہیں اپنے رب کی عطائیں لیتے ہوئے بے شک وہ اس سے پہلے نیکوکار تھے وہ رات میں کم سویا کرتے اور پچھلی رات استغفار کرتے اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

تفسیر عالمانہ وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا واو قسمیہ ہے الذاریات اور اس کے مابعد جملہ صفات وہ ہیں جن کے موصوف محذوف ہیں اور یہ صفات اُن کے قائم مقام ہیں یہ دراصل والریاح الذاریات تھا ذروًا مصدر ہے اس کا عامل الذاریات ہے۔

حل لغات ذرت الریح الشی ذروًا و اذرتہ بمعنی ارتہ اَذْھَبَتْہُ ہوا نے شے کو اڑایا اور بیں اسے لے گئی تاج المصادر میں ہے کہ الذری بمعنی اڑانا اور الریاح سے وہ ہوا مراد ہے جو مٹی وغیرہ اڑائے اور دلنے کو گھاس (بھوسہ) وغیرہ سے علیحدہ کرے (کعب) (التفسیر الکاشفی) اعجوبہ: الاحبار نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ زمین سے صرف تین دن تک ہوا روک لے تو تمام زمین پر بدبو ہوگی۔

دوزخی بہشتی ہوا:۔ حضرت عوام بن حوشب نے فرمایا کہ جنوب کی ہوا بہشت سے آتی ہے تو اس کا گزر جہنم پر ہوتا ہے اُس کا غم جہنم کی وجہ سے اور اس کی برکات جنت کی وجہ سے ہیں باد شمالی جنت سے نکل کر دوزخ سے گزرتی ہے اسی لئے اس سے راحت جنت کی وجہ سے اور اس کا شر دوزخ کی وجہ سے ہے بعض نے کہا کہ باد شمالی جنۃ عدن سے نکل کر اس کی بہترین خوشبو لے کر ارواح صدیقین کو پہنچتی ہے۔

فائدہ: عبداللہ بن شداد سے ہے کہ ہوا روح اللہ سے ہے جب اسے دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے

اس کی خیر مانگو اور اس کے شر سے پناہ طلب کرو۔

علم غیب نبوی کا ثبوت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن سخت ہوا چلی یہانتک کہ سواروں کو سواریوں سے نیچے اتار پھینکا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

هذه ريح ارسلت لموت منافق فقدمنا المدينة فاذا راس من رؤس المنافقين قد مات (روح البیان ص ۱۳۶ ج ۹) [1]

یہ ہوا چلی ہے منافق کی موت کی وجہ سے جب ہم مدینہ پاک میں آئے تو سنا کہ ایک بڑا لیڈر منافق مرگیا ہے۔

ہوا کہاں سے آتی ہے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہوا کے ٹھکانے کرو بین (مقرب فرشتے) کے پروں کے نیچے ہیں وہ کروبین کرسی کے حامل ہیں تو ہوا وہاں سے نکل کر سورج پر آتی ہے پھر وہاں سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچتی ہے وہاں سے جنگلوں میں پھیل جاتی ہے صرف باد شمالی نبات النعش کی کرسی سے مغرب شمس کی طرف جاتی ہے۔

نعش کی تحقیق نعش کے چار ستارے مربع مستطیل کی شکل میں ان کے پیچھے تین ستارے ہیں انہیں بنات النعش کہا جاتا ہے اور صرف دلور کی ہوا مغرب الشمس سے آتی ہے مطلع سہیل کی طرف اور صرف جنوب کی ہوا مطلع سہیل سے مطلع الشمس کی طرف آتی ہے اور صرف صبا مطلع شمسی سے نبات النعش کی طرف جاتی ہے نہ وہ اس کی حد میں آتی ہے نہ وہ۔

آٹھ ہوائیں ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ریاح (ہوائیں) آٹھ ہیں چار عذاب کی ہیں چار رحمت کی وہ جو رحمت کی ہیں یہ ہیں

(۱) ناشرات (۲) مبشرات (۳) ذاریات (۴) مرسلات

اور وہ جو عذاب کی ہیں یہ ہیں:

(۱) عاصفات (۲) قاصف (۳) صرصر (۴) عقیم

---

[1] **فائدہ از اویسی غفرلہ** حدیث شریف سے ہم اہل سنت استدلال کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے درمیانی حجابات نہیں ہیں وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے ہاتھ کی ہتھیلی پر رائی کا دانہ اسے حاضر و ناظر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور علم غیب کلی سے بھی۔

فائدہ : ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ جو ہوائیں قرآن مین ریاح کے الفاظ سے مذکور ہیں۔

حدیث شریف : حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک قوم کو کھانے پینے اور لہو و لعب سے رات گزارے گی ان پر سزا یہ ہوگی کہ وہ بندر اور خنزیر سے مسخ ہو جائیں گے (معاذ اللہ) میری امت میں ایک قوم کو خسف و قذف کی سزا ملے گی ان کے سرود گانے میں مست ہونے اور شراب پینے اور دف وغیرہ بجانے اور ریشم کے پہننے کی وجہ سے اور میری امت میں ایک قوم کو زندہ ہوا اڑا لے جائیگی جیسے عاد کی قوم زیر و زبر ہوئی (الامتاع فی احکام السماع)

حل لغات : نسف بمعنی گھاس مکانات کا جڑ سے اکھیڑنا اور کسی شے کو ہوا میں اڑانا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اس باد صبا کی طرف اشارہ ہے جو نفحات الطاف کیلئے مشتاقین کے گریہ کو عزت کے آنگن میں لے جاتی ہے پھر وہ نفحات حق اسرار محبت کے مشام میں لاتی ہے جس سے وہ غلبات اللوعہ سے راحت پاتے ہیں اسی معنیٰ کو کسی نے اشعار میں بیان فرمایا ہے ؎

وانی لاستهدیٔ الریاح نسیمکم

اذا اقبلت من ارضکم بهبوب

واسأ لها حمل السلام الیکمو

فان هی یوماً بلغت فاجبی

ترجمہ ۱: ہوائیں تمہاری نسیم سے ہدیہ پاتی ہیں جب وہ تمہاری زمیں کی طرف سے آتی ہے

۲: میں ان کے ہاتھ تمہاری طرف سلام بھیجتا ہوں کبھی تو سلام پہنچیں گے اور تم اس کا جواب دینا

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا :

نسیم الصبح زرمنی ربی نجد وقبلها

کہ بوئے دوست می آید ازان پاکیزہ منزلها

ترجمہ ۱: اے باد صبا میرے سائیں کو مل کر آنا اور اس کی طرف سے کیوں کہ دوست کی منزل کی خوشبو خوب ہوتی ہے۔

حضرت کمال خجندی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: صبا ز دوست پیامے بسوئے ما آورد

بهمدمان کهن دوستی بجا آورد

۲: برائے چشم ضعیف رمد گرفتہ ما

زخاک مقدم محبوب توتیا آورد

ترجمہ ۱: صبا میرے دوست سے پیام لائی ہے پرانے یاروں سے دوستی بجالائی ہے۔

۲: میری آنکھ بیماری میں ضعیف ہوکر گرفتار ہے محبوب کے قدموں کی خاک لائی ہے کہ وہ سرمہ بناکر آنکھ درست کردں۔

فائدہ: بعض نے کہاکہ ذاریات سے وہ عورتیں مراد ہیں جو بہت زیادہ بچے جنتی ہیں کیوں کہ وہ بھی ہوا کی طرح بچوں کو چھوڑتی ہیں۔ یذرین (بضم الیاء بمعنی یذرون)

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اسی لطیف معنی کی وجہ سے اگلے الفاظ لائے گئے ہیں حاملات۔جاریات بایںمعنی کہ حاملات سے حاملہ عورتیں مراد ہیں اس سے بچے جننے والی عورت کی بانجھ عورت پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کالی عورت زیادہ بچہ جننے والی سفید بانجھ عورت سے بہتر ہے نیز لفظ سودا بچے جننے والی عورت کی سیادت مراد بھی ہوسکتی ہے جیسے حجر اسود کا سواد سیادت پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ اس کا اسود سیادت سے ہے۔

نکتہ: بچہ جننے والی عورت مظہر الآثار و مطلع الانوار ہے ایسے ہی وہ انسان جو زیادہ دین کے پیروکار بنائے یعنی انسان کامل (ولی اللہ) وہ مصدر کی طرح ہے افعال کے لئے اور انسان ناقص اسم جامد کی طرح کوئی صلاحیت نہیں رکھتا بسوائے اس کے کہ وہ آیت (دلیل) بنے دوسری آیات تکوینیہ کی طرح اس کی مثال لفظ انما ہے کیوں کہ وہ صرف حصر و تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور وہ بھی عمل کے رد کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بس (اس اشارہ کو سمجھ لے)

تفسیر عالمانہ

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ قسم بوجھ اٹھانے والوں کی۔

حل لغات: الوقر بالکسر اسی کا نام جسے اٹھایا جائے یہاں بارش مراد ہے اور الحاملات کا مفعول ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان بادلوں کی قسم جو بارش کو اٹھاتے ہیں۔

اعجوبہ: حضرت خالد بن معدان نے فرمایا کہ بہشت میں ایک درخت ہے جو بادل کے پھل دیتا ہے جب وہ پھل پکتا ہے تو کالا سیاہ ہوکر بارش کو اٹھاتا ہے اور سفید کچا ہوتا ہے اس میں بارش نہیں ہوتی اور حضرت کعب نے فرمایا کہ بادل بارش کی چھلنی ہے اگر بادل نہ ہو تو بارش خراب ہوجائے کہ زمین کو ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو۔

فائدہ: حضرت حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) بادل کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو فرماتے کہ اس میں تمہارا رزق ہے لیکن تم اس جرائم اور خطاؤں کی وجہ سے محروم ہوتے ہو۔

فائدہ : حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ بارش کے ہر قطرہ سے انگوری اور گھاس وغیرہ پیدا ہوتا ہے اور دریا میں بارش کے ہر قطرہ سے موتی بنتے ہیں بارش کے قطرات سے زمین کی زندگی ہے گویا بارش زمین کی روح ہے ایسے ہی الفیض الالٰہی انسان کی دل اور روح کی حیات ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ الطاف ربوبیۃ کے بادل مراحم ربوبیۃ کے بارش کو اٹھاتی ہے پھر وہ بارش اہل ایمان کے قلوب پر برستی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا قسم ہے آسانی سے جاری کرنے والوں کی یسرا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ان کشتیوں کی قسم جو دریاؤں میں آسانی سے اور آہستہ چلتی ہیں۔

فائدہ : حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ دریا زق۔ فرشتے کے ہاتھ میں جو وہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتا اگر وہ اس سے ایک لمحہ غافل ہو جائے تو وہ زمین پر پھیل کر اسے مٹا دے

حدیث شریف میں ہے کہ دریا میں یا غازی سوار سوار ہوتا ہے یا حاجی یا عمرے والا اس لئے کہ دریا کے نیچے آگ ہے۔ اور نار کے نیچے دریا ہے اور پھر دریا کے نیچے نار۔

فائدہ : حضرت کعب نے فرمایا کہ ہر رات دریا مخلوق کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے اے اللہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ خطاکاروں کو غرق کر دوں اللہ تعالیٰ اسے سکون کا حکم دیتا ہے جس سے وہ ساکن رہتا ہے۔

حکایت حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام سے دریا کے فرشتے کے متعلق پوچھا گیا تو دریا سے ایک جانور نکلا جو صبح سے نکلنے شروع ہوا دوپہر تک نکلتا رہا فرمایا یہ ہے لیکن ابھی اس کا آدھا حصہ باہر آیا ہے اس پر سلیمان علیہ السلام نے دریا کے فرشتے اور دریا سے پناہ مانگی

تفسیر صوفیانہ اس میں محبین محبوبین کے وجود کی کشتیوں کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے راستے عنایت کی ہواؤں کے چلنے کی طرف ہیں جو انہیں آسانی سے بحر توحید میں لے جاتی ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا امور کی تقسیم کرنے والوں کی قسم۔

حل لغات امر امور کا واحد ہے لیکن یہاں جمع کے معنیٰ میں ہے مفعولیۃ کی وجہ سے منصوب ہے المقسمات سے فرشتے مراد ہیں اور جمع مونث سالم کا صیغہ ملائکہ کے لئے بتاویل جماعات ہے یعنی ان فرشتوں کی قسم جو امور کو یعنی بارش اور رزق وغیرہ کی تقسیم کرتے ہیں۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ یہ فالمدبرات امرا کی طرح ہے۔

مدبرات فرشتے : حضرت عبدالرحمٰن بن سابط رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدبرات فرشتے چار ہیں۔

(۱) جبریل علیہ السلام (۲) میکائیل علیہ السلام (۳) اسرافیل علیہ السلام (۴) ملک الموت علیہ السلام بارش کے قطرات اور انگوریوں کے ملک الموت علیہ السلام قبض ارواح کے مدبر ہیں اور اسرافیل علیہ السلام ان کو وہ احکام پہنچاتے ہیں جو وہ ان کے معمور ہیں۔

ان امور کو ان فرشتوں کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ یہ ان امور کے ظہور

رد وہابیہ کے اسباب ہیں جیسے جبریل علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے فرمایا لاھب لک غلاماً زکیاً" تاکہ میں تمہیں پاک ستھرا بیٹا عطا کروں حالانکہ بچہ عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ جبریل علیہ السلام اس کے ظہور کے سبب ہیں اسی لئے اسے ان کی طرف منسوب کر دیا[1]

فائدہ: فالمقسمات کی فا قسم بیان کرنے کی ترتیب کے لئے ہے باعتبار ان کے درمیان میں تفاوت کے ولالت کرنے ہیں قدرت کے کمال پر یعنی بظاہر ان کی قسم یاد کرنا محلوف علیہ کی تاکید مقصود ہے محلوف علیہ کے مرنے کے بعد اٹھنا مراد ہے کہ اس کا وقوع تحقیقی ہے لیکن اصلی مقصود ان کی قسم یاد کرنے میں ان کی تعظیم و تکریم کا اظہار ہے اور ساتھ کمال قدرت کا بیان ابھی ہے جس سے محلوف علیہ یعنی مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال مطلوب ہے گویا یوں کہا گیا کہ جو ذات ان اشیاء کو ابتداً پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر وہ ان کے اعادہ پر کیوں قادر نہیں یہ اس طرح ہے کہ کوئی شخص اسے کہے جس نے اس پر انعام کیا ہے کہ "وحق نعمک الکثیرۃ انی لا ازال اشکرک" مجھے تیری بے شمار نعمتوں کی قسم بیشک میں تیرا شکر گزار رہوں گا۔

فائدہ: صورۃ قسم میں لانے میں نعمتوں کی تعظیم کی دلیل ہے اور ساتھ ہی استدلال ہے کہ ان نعمتوں کا ہمیشہ شکر کرنا چاہیے جب وہ ایسے ہے تو پھر مناسب ہوا کہ وہ امور پہلے لائے جائیں جو اس کی کمال قدرت پر زیادہ دال ہوں مثلاً ہوا کا ذکر پہلے فرمایا وہ بہ نسبت بادلوں کے زیادہ دال ہے کیونکہ ہوائیں بادلوں کی اسباب ہیں اور بادل بوجہ اپنی ماہیت میں غرابت اور کثرت منافع اور ان کی حامل ایک رقیق شے ہے زیادہ دال ہے بہ نسبت کشتیوں کے اور یہ تینوں چونکہ محسوسات سے ہیں اسی لئے ملائکہ

---

[1] ف: ایسے ہی ہر وہ جملہ امور جو ہم اہلسنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولیاء کرام کی طرف منسوب کرتے ہیں تو وہ بھی اسی ظہور امور کے اسباب کی وجہ سے ہیں لیکن وہابی دیوبندی فرقہ چونکہ انبیاء و اولیاء کے لئے دل سے کمالات کو تسلیم نہیں کرتے اسی لئے وہ ایسی نسبت کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

سے زیادہ دال ہیں کیوں کہ وہ حسّ سے غائب ہیں۔ علاوہ ازیں منکر (عجیب امر) ہے کیوں کہ جو چیز حس سے غائب ہو اس سے عموماً انکار کیا جاتا ہے اسی لئے بظاہر اس سے مکمل طور استدلال نہ ہو سکے گا۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تفاوت علی طریق تنزل ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی میں ہے" رحم اللہ المحلقین والمقصرین" اللہ تعالیٰ حلق اور قصر والوں پر رحم فرمائے۔ اسی طرح یوں بیان کیا جائے گا کہ ہوائیں قدرت دلالتِ الٰہی زیادہ ظاہر ہے بہ نسبت بادلوں کے اور بادل بہ نسبت کشتوں کے اور یہ تینوں ملائکہ کے جو ارزاق وغیرہ تقسیم کرنے والے ہیں کیوں کہ اس وقت گفتگو منکرین سے ہو رہی ہے اور ممکن ہے کہ وہ اس دلیل کا انکار کر دے پھر اسے کیسے زیادہ ظاہر دلیل کہا جا سکتا ہے بہ نسبت ان کے جو محسوسات سے ہیں صاحب الکشف نے بھی اس تقریر کو پسند فرمایا ہے یا اسے یوں کہا جائے کہ ہر پہلی سے دوسری دلیل ترقی پر ہے آخری دلیل زیادہ ظاہر ہے پھر اس میں منکر کے انکار کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا اس تقریر پر مقسمات امر پہلی دلیلوں سے فوقیت رکھتی ہے کہ روحانیت باوجود لطیف ہونے جسمانیات میں کسی طرح تصرف کرتی ہیں باوجودیکہ وہ جسمانیت کثیف سے کثیف تر ہیں اور جاریات بھی کچھ معمولی نہیں کہ اس میں قدرت کاملہ پر کتنا زبردست دلیل ہے کہ جاریات باوجودیکہ عناصر سے مرکب ہے اور پھر اس میں صفت باری کس طرح کارفرما ہے اور پھر دیکھنا یہ ہے کہ ہوائیں باوجودیکہ نہایت لطیف ہیں لیکن کتنا بڑی بوجھل اشیاء کو اٹھا کر نہایت تھوڑی دیر کہاں سے کہاں تک جا کر پھینکتی ہے جیسا کہ ہم زوردار ہواؤں کے چلنے کے وقت آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر حاملات کو دیکھئے کہ وہ اجزاء ہوائیہ اور مائیہ (پانی والی) سے مرکب ہے اور کچھ تھوڑے سے آگ اور مٹی کے اجزاء بھی ان میں ہیں اور ان میں آثار علویہ عجیب وغریب ہیں طرفہ یہ کہ یہ حاملات (بادل) ہوا کی امداد کے بغیر کام کر ہی نہیں سکتے (اس میں خوب غور و فکر کیجئے)

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ آیت میں ترتیب میں راز یہ ہے کہ ہوائیں ان بادلوں کے اوپر ہیں جو بارش کو اٹھانے والے ہیں اور یہ اس پانی کے اوپر ہیں جو کشتیوں کو اٹھاتا ہے اور وہ زمین کے اوپر ہے ظاہر یہ ہے کہ ان سب میں ملائکہ کی تدبیر کارفرما ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں اشارہ فرمایا کہ یہ امور اترتے تو آسمان سے ہیں لیکن ان کی تاثیر کا ظہور زمین پر ہے اور وہ اوپر سے نیچے والی شے میں ظاہر ہو رہی ہے اس سے ہی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ وقوع البعث (مرنے کے بعد قبور سے اٹھنا) حق ہے اس لئے کہ جو ذات تاثیرات علویہ کو زمین کے آثار میں ظاہر کرنے پر قادر ہے۔

دی بعث (قبور سے اٹھانے) پر بھی قادر ہے کیوں کہ یہ بھی آثار ارضیہ سے ہے (واللہ اعلم)

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ملائکہ مقربین اہل وصال وقیام کی تلاش میں آسمان سے زمین پر اترتے ہیں انواع امور لیکر یہی ان سے ان کے احوال پوچھتے ہیں کہ فراق ووصال میں ان کی کیفیت کیا ہے تو وہ کہتے ہیں ؎

بربکما یا صاحبی قفضیا لبیا
اسائلکما عن حالکم ناساً لا نیا

ترجمہ: تمہیں رب کی قسم اے میرے دوستو میرے پیچھے آؤ میں تم سے تمہارا حال پوچھوں تم میرا۔

تفسیرِ عالمانہ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ بے شک وہ جو تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ حق ہے) یہ جواب قسم ہے ما موصولہ اور عائد محذوف ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو تم بعث (مرنے کے بعد اٹھنے) اور حساب وثواب وعقاب کا وعدہ دیئے جاتے ہو حق ہے یعنی سچا اور درست جسمیں خلاف نہیں۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ وعدہ کو صدق سے موصوف کرنا عیشۃ راضیۃ کی طرح ہے کیوں کہ اسم فاعل مفعول بہ کی طرف مسند ہے کیوں کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وعدہ سچا اور عیش پسندیدہ ہے۔

فائدہ: اور ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ ہے وعدہ ذو صدق ہے اس لئے کہ یہ صیغہ نسبت کیلئے ہے جیسے تامر بمعنی کھجور والا ایسے ہی وعدہ صدق والا اسی لئے موعود صادق نہیں ہوتا بلکہ صادق وعدہ ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ما مصدریہ ہو بمعنی وعدکم یا وعیدکم (تمہارا وعدو وعید) کیوں کہ توعدون کے لئے یا وَعَدَ کا مضارع مجہول ہے یا رَاوُعَدَ کا دوسرا یعنی راوعد مقام کے لئے زیادہ موزوں ہے کیوں کہ کلام منکرین سے ہو رہا ہے۔

وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ (اور بے شک جزا واقع ہوگی) یعنی اعمال صالحہ کی جزار وہ لازماً ہوگی کیوں کہ جو ذات اتنا بہت بڑے عجیب امر پر قادر ہے طبائع کے مقتضی کے خلاف محسوس ہے تو وہ قادر ہے بعث (مرنے کے بعد اٹھنے) کے وعدے پر بھی۔

تفسیرِ صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مطیعین سے جنت کا اور تائبین کو محبت کا اور اولیاء کرام کو قربت کا اور عارفین کو وصال کا اور طالبین کو وجدان کا وعدہ فرمایا چنانچہ فرمایا جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے پائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ ضرور واقع ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کون بڑا ایفائے عہد کرنے والا ہو گا اور یاد رہے کہ

فاسقین کو وعید ہے نار کی اور گناہوں پہ اصرار کرنے والوں کو بغض کی اور اعداد کو بُعد اور جاہلین غافلین کو فراق کی اور بطالین کو فقدان کی۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے قسمیں کیوں یاد فرمائیں مومن تو صرف سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی بات ماننے کو تیار رہتا ہے اس کے لئے قسم کی ضرورت نہیں اور کافر کے لئے قسم کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ وہ تو سرے سے کوئی بات مانتا ہی نہیں۔

جواب : قرآن لغت عرب اور ان کی عادات پر اترا ہے اور ان کی عادت ہے کہ بات قسم سے ہو تو اسے موکد سمجھتے ہیں اور حکم کا فیصلہ شہادت سے کرتے ہیں یا قسم سے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح سے اپنی کتاب میں انہیں منوایا ہے تاکہ انہیں بعد کو حجت بازی کا موقع نہ ملے مثلاً کسی مقام پہ فرمایا شہد اللہ الخ اور قسمیں بھی یاد فرمائیں۔

فائدہ : قسم معظم اسماء کی ہوتی ہے اسی لئے اپنے نام کی قسمیں قرآن مجید میں سات مقامات پہ یاد فرماتی ہیں باقی قسمیں اپنی مخلوق میں جیسے اسی سورۃ میں ہے وغیرہ وغیرہ جیسے والتین والزیتون اور والصافات اور والشمس والضحیٰ واللیل وغیرہ وغیرہ۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی قسم کیوں یاد فرمائی حالانکہ غیر اللہ کی قسم سے خود روکا ہے جیسا کہ ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ خبردار بغیر دین اسلام کے کسی دوسرے دین کی قسم نہ کھانا مثلاً کہو کہ اگر ایسا ہوا تو میں دین اسلام سے بیزار ہوں۔ اگر کہدیا تو تجدید تجدید دین ضروری ہے۔ (احتیاطاً) غرضیکہ غیر اللہ کی قسم سے شرعاً ممانعت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی درجنوں قسمیں یاد فرمائی ہیں۔

جواب ۱ : یہاں غیر اللہ کی قسموں میں مضاف محذوف ہے یعنی دراصل ورب الذاریات ورب التین ورب الشمس تھا۔

جواب ۲ : اہل عرب ان اشیاء کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور انہی کی قسمیں کھاتے تو چونکہ قرآن انہی کے دستور پر اترا ہے اسی لئے ان کو سمجھانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

جواب ۳ : قسم اس کی ہوتی ہے جسے قسم کھانے والا شے کو معظم سمجھے اور اس کی بزرگی کا قائل ہو اور وہ معظم قسم کھانے والے سے مرتبہ میں بھی بلند ہو اگرچہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شے بلند نہیں لیکن کبھی اپنی ذات و صفات کی قسمیں یاد فرمائیں اور کبھی اپنی مصنوعات کی تاکہ یہ مصنوعات خالق و باری و صانع و حکیم پر دلالت کریں۔

جواب ۴ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ مصنوعات کی قسم صانع کی ذات کو مستلزم ہے کیوں کہ مفعول کا

ذکر فاعل کو لازم ہے اس لئے کہ مفعول کا وقوع فاعل کے بغیر محال ہے اسی لئے ان اشیاء کی قسم موزوں تھی۔

جواب ۵: وہ خود مالک ہے جس کی چاہے قسم یاد فرمائے لیکن بندوں کو ضروری ہے کہ وہ صرف اور صرف اسی کی قسم کھائیں۔

جواب ۶: بعض مشائخ نے فرمایا کہ قسم یا فضیلت کی وجہ سے ہوتی ہے یا ان کے منفعت کی وجہ سے اور مصنوعات (مخلوق) جن کی قسمیں یاد فرمائیں ان دونوں سے خالی نہیں ہیں۔ (واللہ ورسولہ الاعلیٰ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم)

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ قسم ہے۔

حل لغات: حبک حباک کی جمع ہے یا حبیکہ کی جیسے مثال کی مثل اور طریقہ کی طرق اور حبک سے وہ راستے مراد ہیں جو محسوس نہیں یعنی سوار جن راستوں پہ چلتے ہیں یا معقولہ مراد ہیں ان سے وہ راستے مراد ہیں جن پر اہل نظر چلتے ہیں جن سے وہ معارف حاصل کرتے ہیں جیسے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حُبک بمعنی راستے بعض انہیں وہ ہیں جو ستاروں وغیرہ سے طے ہوتے ہیں مثلاً کہکشاں ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں آسمان المجرہ سے پھٹیگا اور انہیں وہ ہیں جو بصیرت سے یہ راستے طے کرتے ہیں اس کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں "ان فی خلق السموات والارض الی قولہ، ربنا ما خلقت ھذا باطلاً" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ قسم ہے آسمان کی جو حسین اور درست مخلوق ہے۔

فائدہ: بتیان میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اَ سے ساتواں آسمان مراد ہے اسی کی اللہ تعالیٰ قسم یاد فرماتا ہے۔

اِنَّكُمْ بے شک تم اے اہل مکہ لَفِىْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ البتہ قول مختلف میں ہو یعنی قرآن میں اختلاف اور اس کے مخالف و متناقض ہو مثلاً کہتے ہو کہ وہ شعر ہے سحر ہے افترا ہے اساطیر الاولین پہلے لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں وغیرہ وغیرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہتے ہو کہ وہ شاعر ساحر مفتری اور مجنون ہیں (معاذ اللہ) اور قیامت کے بارے میں بھی تمہارے بعض تو قطعی طور اقرار کرتے ہیں اور بعض قطعی طور منکر ہیں بعض کہتے ہیں گمان پڑتا ہے کہ شاید ہو یہ ان کا تحیر اور یہ تمہاری سخت جہالت کا نشان ہے اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حبک سے استوار مراد ہو جیسا کہ ضحاک سے بھی یہی منقول ہے کہ کفار کی باتیں درست نہیں بلکہ متناقض و مختلف ہیں

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن

آسمان سے نازل ہوا ہے اور نبوت بھی آسمانی امر ہے انہوں نے اس سماوی امر میں اختلاف کیا اور کہا کہ یہ تو ارضی (زمین) کا معاملہ ہے جو مختلف ہے حالانکہ یہ ان کا گمان و خیال سراسر غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اس آسمان قلب کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ والی ہے انہیں فرمایا کہ اے طالبان صادق تم طلب کے بارے میں مختلف باتیں کرتے ہو تمہارے بعض ہمیں سے طلب کرتے ہیں وہ جو ہمارے ہاں ہیں قربات کے کمالات سے اور بعض تمہارے وہ ہیں جو ہمارے سے طلب کرتے ہیں جو ہمارے ہاں ہیں علوم و معارف سے اور تمہارے بعض وہ ہیں جو ہم سے طلب کرتے ہیں ہماری جمیع صفات۔ اگر تم نے طریقہ پر استقامت رکھی اور ثابت قدم رہے اور طلب جاری رکھی تو ہر قصد کرنے والا اپنے مقصد تک ضرور پہنچتا ہے یُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ

حل لغات افکہ عنہ یافکہ افکا بمعنی صرفہ و قلبہ قلّب رایہ اس نے اپنی رائے بدل ڈالی اور اسے پھیرا وغیرہ۔

(القاموس) میں ہے کہ رجل مافوک بمعنی وہ شخص جو حق سے ہٹ کر باطل کی طرف پھر جائے (المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ پھیرا جاتا ہے قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ جو پھیرا گیا اس لئے کہ ایسی روگردانی سے اور کوئی زیادہ خطرناک اور سخت تر روگردانی نہیں یعنی دوباقی دوسری روگردانیوں کو اس سے گویا کوئی نسبت نہیں اور مصدر کا معرفہ ہونا اپنے حقیقی معنی میں اور من عموم کیلئے ہے اب معنی ہوا کہ جو شخص ایسی حقیقی معروفیت سے موصوف ہوا تو وہ بالکل قرآن یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹایا گیا اور اسے یہ صفت لازم ہوگئی یہ عکس النقیض سے ہے یعنی جو قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہٹایا گیا تو وہ ایسی صفت سے موصوف نہ ہوا نتیجہ نکلا کہ جو اس روگردانی کا مغایر ہے تو وہ اس کا اس روگردانی سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ یہ روگردانی حد درجہ کی سخت تر اور سخت ہیبت ناک ہے۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو روگردان ہوا اللہ تعالیٰ کے علم اور قضا و قدر میں یعنی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان بالکتاب، و ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم ہے تو وہ یقینی محروم ہے ۔

دلہا محزون و جگر ہا خون است
تا حکم ازل در حق ہر کس چون است

ترجمہ : قلوب محزون اور جگر خون ہے اس لئے کہ نا معلوم تیرے حق میں ازل کا حکم کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ارباب الطلب کے ڈاکو بکثرت ہیں بعض تو وہ ہیں جو انہیں سرے سے طلب سے روکتے ہیں جیسے نفس و خواہشات نفسانی اور دنیا اور اس کی زینت اور اس کی شہوات اور اس کی باہ و نعمت طلبی تو ایسے ارباب طلب اپنے مقصد سے مکمل طور محروم ہوئے اور اسے خواہشات نفسانیہ سے ہلاک کر ڈالا اسی لیئے کہا جاتا ہے" نعوذ باللہ من الحور بعد الکور" ایسے لوگوں کے لیئے منادی عزت ندا دیتا ہے کہ بہت سے ان جیسے دنیا سے جدا ہوئے تو خالی ہاتھ گئے۔

تفسیر عالمانہ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ اٹکل والے مارے جائیں"

یہ ان پر بد دعا ہے جیسے " قتل الانسان ما اکفرہ" انسان پر خدائی مار ہو کیسا ناشکرا ہے واقعی یہ دراصل ہے تو قتل وہلاکت کی بد دعا لیکن یہ صفت کے قائم مقام ہے اس سے ان کی قباحت کی گئی ہے۔

حل لغات الخرص کسی غیر حقیقی بات کو فرضی بنا لینا اسی سے ہے، خرص شمار، کھجوروں کا اندازہ یعنی کھجور تمر کا کھجور رپہ تخمینہ ایسے ہی وہ بات جو نہ علم سے کہی جائے نہ غلبۂ ظن سے نہ سماع سے (جیسے اردو میں اٹکل پچو کہا جاتا ہے) بلکہ وہ اپنے گمان اور تخمین پر اعتماد کرتا ہے جیسے اٹکل بازوں کا اٹکل اور تخمینہ کا کام ہے جو ایسے طریقے سے بات کرے اسے جھوٹا کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا قول واقع کے مطابق ہو جیسے منافقین کو اللہ تعالیٰ نے جھوٹا کہا جب کہ انہوں نے گواہی دی کہ "نشہد انک لرسول اللہ" ہم گواہی دیتے ہیں بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا" ان المنافقین لکاذبون" بے شک منافق جھوٹے ہیں، خلاصہ یہ کہ جھوٹے اٹکل پچو اور تخمینہ اور گمان والوں کا کوئی اعتبار نہیں اسی لیئے ان کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مختلف باتیں کہنے والا کہا گویا کہا گیا ہے کہ خدا کی مار ہو ان اٹکل اور پچو سے بات کرنے والوں پر گویا یہ الف ولام عہدی ہے۔ اور اشارہ ان کی طرف ہے اور ان کے ہم نواؤں کاہنوں کی طرف۔

اَلَّذِیْنَ هُمْ وہ لوگ ہیں" ہم مبتدا اور اس کی خبر فِیْ غَمْرَةٍ ہے یعنی جہل اور گمراہی میں ہیں جو انہیں امر آخرت سے ڈھانپتا ہے اور بے خبر بناتا ہے۔

حل لغات الغمر بمعنی شے کا اثر زائل کرنا اسی سے ہے وہ پانی جو بہت زیادہ ہو جو جگہ کا نشان زائل کر دے اسے غمر اور غامر کہا جاتا ہے اس غمرہ سے مرد سخی اور تیز دوڑنے والے گھوڑے کو تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے انہیں غمر کہا جاتا ہے ایسے ہی سخی مرد اور تیز رفتار گھوڑے کو دریا سے تشبیہ دیتے ہیں اور الغمرۃ وہ پانی جو اپنے ٹھہرنے کی جگہ کو چھپا دے اب اس جہالت کی کہاوت بن گئی ہے جو جہالت والے کو بالکل چھپا دے اس کی طرف اشارہ کیا ہے " فاغشیناهم" تو ہم نے انہیں ڈھانپ دیا

اور شدائد کو بھی غمرات کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا غمرات الموت اور شاعر نے کہا ؎

قال العواذل فی غمرۃ

صدقوا ولکن غمرتی لا تنجلی

ترجمہ: ملامت گروں نے کہا کہ میں سختی میں ہوں انہوں نے سچ کہا لیکن میری شدت دفع نہیں ہوگی۔

سَاهُوْنَ غافل ہیں یہ خبر کے بعد خبر ہے اور یہ اور غمرہ ایک شے ہیں لیکن بعض نے فرق کیا ہے وہ اس طرح کہ غمرہ غفلت سے زائد ہوتی ہے اور سہو سے کم ہوتی ہے۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سہو بمعنی غفلت سے خطا کا ہونا[1] وہ دو قسم ہے

(۱) اس کے اسباب و موجبات انسان سے نہ ہوں جیسے جنون میں کسی کو گالی دینا۔

(۲) انسان خود اس کا موجب و مولد ہو جیسے شراب پی کر بلا قصد کوئی برائی کرنا۔

پہلا معاف ہے دوسرا معاف نہیں دوسرے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے کما قال "وھم فی غمرۃ ساھون۔"

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ خراصون وہی ہیں جنہوں نے مکہ کے اردگرد کے لوگوں کو تہ آنے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے لوگوں کو پھیرنے کی قسمیں کھا رکھی تھیں یعنی اہل مکہ نے مکہ کے اردگرد آدمی مقرر کر رکھے تھے کہ آنے والے لوگوں اور قافلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ جانے دیں جھوٹ موٹ بول کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصول فیض سے لوگوں کو محروم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو لعنت فرمائی ہے۔ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض لوگ ان کی باتیں مان کر واپس چل جاتے لیکن بعض نہیں مانتے تھے وہ مکہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض پاتے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو صرف دعویٰ کے گمان اور غرور سے دھوکہ میں ہیں وہ ملعون ہیں یعنی اہل طلب کے مقامات سے ہٹائے ہوئے ہیں اس لئے کہ انہیں سچی طلب نہیں کیوں کہ انہیں طلب ہوتی تو وہ ضرور پا لیتے جو دوسروں نے مراتب حاصل کئے۔

---

[1]: بہ معنیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بتانا گمراہی ہے کیوں کہ حضور غفلت اور خطا سے پاک ہیں آپ کے لئے عدم التفات کے معنیٰ میں ہوگا یا اسے صورۃً سہو کہا جائے گا۔

حکایت

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جمعہ کے دن وضو کر کے جامع مسجد کو گیا اور یہ میرا ابتدائی سلوک کا دور تھا مسجد پُر تھی اور خطیب صاحب منبر پر تشریف لے جانے والے تھے میں نے غلطی بلکہ بے ادبی اور گستاخی کی کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا صف اوّل میں پہنچ گیا ایک نوجوان جو نہایت حسین اور خوشبو سے معطر بیٹھا تھا میں اس کے دائیں بیٹھ گیا وہ کوئی صوفی منش تھا اس کا لباس اون کا (صوفیوں والا) تھا مجھے دیکھ کر فرمایا سہل کیا حال ہے میں نے کہا الحمد للہ خیریت سے ہوں اس کے حال پوچھنے پر میں متفکر ہو گیا کہ یہ صاحب میرے واقف بھی نہیں لیکن خیر و عافیت یوں پوچھی گویا میں اس کا گہرا دوست ہوں اسی حال میں تھا کہ مجھے پیشاب نے زور پکڑا بلکہ اس کی سوزش محسوس ہوئی اس نے مجھے سخت پریشان کر دیا یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ یہاں پر ہی پیشاب نہ نکل جائے اور دوبارہ لوگوں کو پھلانگنا بھی مناسب نہ سمجھا اور اس حالت میں بیٹھنا نماز نہ ہونے کا یقین تھا پھر اسی نوجوان نے مجھے فرمایا کیا آپ کو پیشاب کا تقاضا ہے میں نے کہا ہاں۔ احرام کی چادر جو اس نے جسم پر ڈالی ہوئی تھی اس سے مجھے ڈھانپ لیا اور فرمایا قضا حاجت سے فراغت پا کر جلد واپس آنا تاکہ نماز سے رہ نہ جاؤ بس کیا دیکھا کہ دروازہ کھل گیا ہے اور میں ایک باغ میں ہوں اور کوئی کہنے والا کہتا ہے اے بندہ خدا اس باغ میں داخل ہو جا اس میں داخل ہو کر ایک محل شاندار اور مضبوط اور اونچا دیکھا باغ میں کھجوریں ہیں اور دور سے بیت الخلاء نظر آیا میں وہاں گیا اس کا پانی شہد سے میٹھا تھا اندر جا کر قضائے حاجت سے فراغت پا کر وضو کیا سامنے ایک تولیہ لٹکا ہوا تھا اور مسواک بھی۔ میں نے نہ صرف وضو بلکہ غسل کیا اور تولیہ سے جسم صاف کیا پھر کسی نے پکارا کہ وضو وغیرہ کر لیا ہو تو آجاؤ اور کہو ہاں۔ میں نے کہا ہاں فارغ ہو گیا ہوں پھر کیا دیکھا کہ اس نوجوان نے احرام کا وہی حصّہ مجھ سے علیحدہ کیا جو اس نے مجھ پر ڈالا تھا پھر خود کو وہاں پایا جہاں بیٹھا تھا اور مجھے اٹھتا بیٹھتا آتا جاتا کسی نے دیکھا تک نہیں پھر میں اور حیران اور متفکر ہوا کہ نہ معلوم یہ کون ہیں اور کیا واقعی میں یہاں سے آیا گیا ہوں بھی یا نہ۔ اقامت ہوئی میں نماز کے لئے کھڑا ہوا لیکن اس نوجوان کا تصوّر کہیں نہیں جاتا تھا۔ فراغت کے بعد میں نے اس نوجوان کا دامن پکڑا اور اس کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ وہ ایک مکان میں داخل ہونے لگا مڑ کر دیکھا اور فرمایا اے سہل ابھی تک تمہیں اس کا یقین نہیں جو تم نے دیکھا میں نے کہا ایسے ہی ہے فرمایا تو پھر اندر آجایئے میں اندر گیا تو دیکھا وہی مکان ہے وہی باغ ہے وہی کھجوریں ہیں وہی غسلخانہ اور بیت الخلاء وغیرہ ہے جس تولیہ سے میں نے جسم پونچھا وہ بدستور وہیں ہے بلکہ جیسے اسے تر چھوڑ کر گیا تھا اسی طرح تر ہے میں نے کہا اٰمنت باللہ میرا اللہ پر ایمان ہے مجھ سے کہا اے سہل

جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اس کی ہر شے اطاعت کرتی ہے اللہ تعالیٰ کو تلاش کر دِ مل جائے گا اس سے میری آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں آنکھوں کو ملا آنکھیں کھولیں تو وہ نوجوان کہیں چلا گیا پھر دیکھا نہ وہ محل مکان ہے اور نہ باغ اس کے بعد مجھے تادم زیست حسرت رہی جو مجھ سے زندگی ضائع ہو گئی اس دن کے بعد پھر میں عبادت میں مشغول ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

يَسْئَلُوْنَ کفار سوال کے طور کہتے ہیں۔

اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ وہ دن کب ہے جس میں اٹھائے جائیں گے) یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے اس تقریر کے بعد اب سوال نہ ہوگا کہ ظرف حدث کے بغیر اور کسی کی خبر واقع نہیں ہوتا یہاں کیسے خبر واقع ہوا۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہاں زمانہ سے خبر دی گئی ہے یعنی کافر پوچھتے تھے کہ جزا کس دن واقع ہوگا اور ان کا یہ پوچھنا حقیقتہً معلوم کرنا مطلوب نہ تھا بلکہ مذاق کرتے ہوئے کہتے کہ اسے تو بہت جلد آنا چاہیے اے نبی علیہ السلام وہ دن کب آئے گا۔

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ اس دن وہ آگ پر جلائے جائیں گے یہ ان کے سوال کا جواب ہے اور یوم کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے جس پر سوال دلالت کرتا ہے فرمایا ہاں وہ دن تب واقع ہوگا جب وہ لوگ جہنم کی آگ پر جلائے جائیں گے اور وہ عذاب دیئے جائیں گے ایسے جیسے سونا آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں فتنت الشئ یعنی احرقت خبثہ میں نے شی کا کھوٹ جلایا تاکہ اس کا خلاصہ (اصل) ظاہر ہو اور چونکہ سراپا خبث (کھوٹ) ہے اسی لیئے سارا جل جائے گا یہ بھی ہے کہ مبتدا کی خبر محذوف ہے کہ دراصل ھو یوم ھم الخ تھا اور اس سے اس کا انجام مراد ہوا اس کا منصوب ہونا اس کے غیر متمکن کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے ہے۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ (چکھو اپنا فتنہ) یعنی انہیں کہا جائے گا یہی قول جب وہ عذاب دیئے جائیں گے اور کہنے والے دوزخ کے خازن (داروغے) ہوں گے یا یوں کہیں گے کہ چکھو اپنی تکذیب کی جزا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یہ فرمایا "ثم لم تکن فتنتھم" پھر نہ تھا ان کا فتنہ۔ یعنی کفر اور اس سے اس کا انجام مراد ہے۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دراصل فتنہ یعنی سونے کا آگ میں داخل کرنا ہے تاکہ خالص سونا ظاہر ہو جائے اور جو اس میں کھوٹ ہے وہ جل جائے ایسی انسان کو آگ میں داخل کرنے کو بھی کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ "یعنی چکھو اپنا عذاب اور کبھی

فتنہ عذاب کے ماحصل کو بھی کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الا فی الفتنۃ سقطوا" خبردار وہ فتنے میں گرے اور کبھی اسے آزمائش کے لئے بولتے ہیں جیسے "وفتنّاک فتونا" اور ہم نے تجھے خوب آزمایا "هذا الذی کنتم بہ تستعجلون" یہ وہی ہے جس کی تم جلدی کے طالب تھے یعنی یہ وہی عذاب ہے جو تم دنیا میں اس کی جلدی کا مطالبہ کرتے اور کہتے کہ "متی هذا الوعد" یہ وعدہ کیا ہے اور یہ تم استہزاءً کہتے (ترکیب) یہ جملہ مبتدا، خبر سے مل کر مقولہ ہے قول مضمر کا اور ھذا کا اشارہ اس فتنہ کی طرف ہے جو عذاب کے معنیٰ میں ہے یہ بھی جائز ہے کہ ھذا فتنتکم سے بدل بتاویل عذاب ہے الذی اس کی صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اہل مکر اور ان مدعیوں کی طرف اشارہ ہے جو حصول مقصد میں تاخیر پا کر پوچھتے ہیں اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ جزاء کا دن کب ہے وہ شب و دنیا کی ظلمت میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ جزا کا دن آئے تو جبروت کی عزت نے کبریا و عظموت اس دن وہ نار شہوات میں عذاب بعد وقطیعتہ میں عذاب دیئے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا اپنے اس فتنے کے عذاب کو چکھو جس نے تمہارے سلوک کی طلب پر ڈاکہ زنی کی تھی یہ وہی ہے جس سے تم طلب حق میں ملال کرتے اور مقصود یابی میں عجلت کرتے تھے

حکایت حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں اور میرا ایک ساتھی غار میں طلب حق میں تھے اور ایک عرصہ ہمیں وہاں گزر گیا اور اس خیال میں تھے کہ ابھی چند روز کے بعد ہم پر راہیں کھل جائیں گی ایک دن ایک شخص ذو ہیبت ہمارے ہاں تشریف لایا ہم نے سمجھا کوئی ولی اللہ ہے ہم نے پوچھا "کیف حالک" تیرا کیا حال ہے فرمایا اس کا کیا حال پوچھتے ہو جو اس تصور میں ہو کہ کل راہیں کھلیں گی یا پرسوں وغیرہ وغیرہ اے نفس کیوں اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں کرتا اس کی بات سُن کر ہم نے توبہ کی اس کے بعد ہم پر راہ کھل گئی۔

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ طلب حق کے راستہ میں عجلت بازی نہیں کرنی چاہیے بس خلوص سے کام میں لگا رہنا ضروری ہے انبیاء علیہم السلام کی رہبری کے مطابق جیسے مرشد کا حکم ہو۔ یہاں تک کہ سالک خود اپنے وجود سے ایسا چھٹکارا پائے اور حجابات اُٹھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے کمال فیض الوجود سے مشاہدہ نصیب ہو جائے ورنہ نفس کے اشاروں سے عمل صالح بھی اپنے وجود کے تصورات میں اضافہ ہی اضافہ ہو گا۔

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اند راہ
تا رہروان برہنمائی نمی رسند

ترجمہ: جنہوں نے راہ گم کیا وہ واقف نہ ہوں گے جب تک رہبر ان کی رہبری نہیں کریں گے۔

مرشد کے بغیر اس راہ کو طے کرنے کے لئے مرشد کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ مرید ضعیف ہے اور مرشد اس کے لئے مضبوط دیوار کی طرح ہے جیسے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مریدان ز طفلان بقوت کمند
مشائخ چو دیوار مستحکم اند

ترجمہ: مرید بچوں کی طرح ہیں جنہیں قوت سے ہی سہارا ملتا ہے مشائخ تو دیوار مضبوط کی طرح ہیں۔

حضرت صائب رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

بر هدف دستی ندارد تیرے زور کمان
ہمت پیراں جوانا نرا منزل می برد

ترجمہ: بے زور کمان والا تیر نشان تک نہیں پہنچ سکتا بزرگوں کی دعائیں ہی جوانوں کو منزل تک پہنچاتی ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے ہاں کا راہ خود دکھائے اور اپنی توفیق سے اپنے تک ہمیں خود پہنچائے بے شک وہ کریم ورحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ ان المتقین" بے شک وہ جو پرہیزگار ہیں یعنی کفر وعصیان اور جہل اور میل الی ماسوا المولیٰ سے بچنے اور ایمان وطاعت اور معرفت اور توجہ الی الحضرۃ العلیاء سے موصوف ہیں " فی جنات" ان باغات میں ہیں جن کی کنہ کوئی نہیں جانتا تنکیر تعظیم کا اور تکثیر کا بھی ہو سکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے " ان لہ لابلاً " بے شک اس کے اونٹ بہت ہیں) "وان لہ لغنما" بے شک اس کی بکریاں بہت ہیں اور عرب والے کھجوروں کو جنۃ کہتے ہیں " وعیون" اور جاری نہریں ہوں گی یعنی وہ نہریں جنہیں وہ خود آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے نہ یہ کہ وہ ان نہروں کے اندر ہوں گے

فائدہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متقی دنیا میں رضا کے باغات میں چلتا پھرتا اور لوگوں کے چشموں میں تیرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض نے فرمایا کہ ان کے دلوں کے باغات میں اور دنیا میں حکمت کے چشمے ہیں اور وہ فضل کے باغات میں اور کرم کے چشمے ہیں تو کل انہیں تجلیات و درجات نصیب ہوں گے آج وہ مناجات وقربات میں ہیں اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ لیں گے وہ جو انہیں پروردگار فرمائے گا یہ ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی انہیں جو اللہ تعالیٰ سے ثواب نصیب ہوگا اسے وہ قبول کریں گے اور وہ اس پر راضی ہوں گے مطلب یہ کہ جو کچھ انہیں

عطا ہوگا وہ نہایت اچھا اور پسندیدہ اور قبول کرنے کے قابل ہوگا اس میں نہ سخت ٹھنڈک ہوگی کیوں کہ بہتر اور اچھی شئے حد سے زائد ٹھنڈک کو قبول نہیں کرتی۔ اسی محاورہ سے ہے " ویاخذ الصدقات" اور وہ صدقات کو قبول کرتا ہے یہاں یاخذ بمعنی یقبل و یرضی ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ انہیں اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ اسے قبول کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں جب کہ ان پر اس سے گوناگوں الطاف ہوتے ہیں تو پھر جب وہ طاعت میں ہوتے ہیں تو پھر کل قیامت میں لیں گے جنت میں گوناگوں نعمتیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوں گی اس کے بعد اس عطا کی علت بیان فرمائی کہ وہ کیوں ایسے انعامات کے مستحق ہوں گے چنانچہ فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ بے شک وہ تھے جنت میں داخل ہونے سے پہلے دنیا میں۔ مُحْسِنِيْنَ نیکی کرنے والے كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ اور تھے رات کے وقت بہت تھوڑا سوتے

حل لغات: ہجوع بمعنی رات کو سونا دن کو سونے کا نام ہجوع نہیں ما زائدہ ہے تقلیل کے معنیٰ کی تاکید کے لئے ہے کیوں کہ یہ تقلیل کا فائدہ دیتا ہے جیسے" اکلت اکلاً ما" بہت نے بہت تھوڑا کھایا اور قلیلاً ظرف ہے اور یہجعون کانوا کی خبر ہے یعنی وہ رات کے وقت بہت کم سوتے تھے یا وہ مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل یہجعون ہجوعاً قلیلا الخ یعنی رات کے اوقات میں بہت کم سوتے تھے یعنی رات کو وہ اکثر اوقات نماز پڑھتے اور ذکر کرتے اور بہت تھوڑا سوتے بطال وکذاب اور ان غافل لوگوں کی طرح نہیں جو صبح تک سوئے رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض اہل اشارہ نے فرمایا کہ یہ اہل احسان کی طرف اشارہ ہے اہل احسان اہل محبت واہل مشاہدہ ہیں کیوں کہ وہ رات کو نہیں سوتے یہاں قلت سے عدم مراد ہے اور ان کے عدم النوم کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نوم العالم عبادۃ۔ عالم باعمل کی نیند عبادت ہے جو ہمیشہ عبادت میں ہو اسے نائم نہیں کہا جاتا۔

شان نزول: بعض نے کہا کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی (رضی اللہ عنہم) وہ رات کو مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھ کر مسجد قبا کو چلے جاتے جو مسجد نبوی سے (تخمیناً) دو میل ہے اور یہ سفر ایک گھنٹہ کا ہوتا۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ جب تک عشاء کی نماز نہیں پڑھتے نہیں سوتے لیکن یہ وقت دراز کرتے یعنی نماز عشاء تاخیر سے ادا کرتے۔

فائدہ: سیدنا جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مغرب و عشاء کے درمیان نہیں سوتا یہاں تک کہ عشاء کی نماز ادا کرے وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ رات کو کونسے وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے فرمایا آدھی رات میں لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ کسی نے فرمایا ؎

نرگس اندر خواب غفلت یافت بلبل صد وصال
خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداران رسد

ترجمہ: نرگس غفلت خواب میں لیکن بلبل بیداری میں کئی وصال پاتی ہے سویا ہوا اندھے کی مانند ہے دولت جاگنے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱: درد پشتم داد حق تا من زخواب
بر زجہم در نیم شب با سوز و تاب

۲: دردھا بخشید حق از لطف خویش
تا نخسپم جملہ شب چوں گاؤمیش

ترجمہ ۱: درد نے میری مدد کی کہ میں خواب سے بیدار ہوا اور آدھی رات میں سوز و تاب سے روتا رہا۔
۲: درد حق نے بخشا اپنے لطف سے تاکہ میں بھینس کی طرح تمام رات سوتا نہ رہوں۔

حکایت: حضرت داؤد بن رشید جو محمد بن حسن کے شاگردوں میں سے ہیں فرمایا کہ ایک رات کو میں اٹھا تو مجھے سردی نے پکڑ لیا میرے پاس کپڑے اوڑھنے کے نہ تھے کہ جس سے سردی دفع ہوتی اپنی غربت سے رو پڑا اور پھر سو گیا نیند میں میں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے دوسروں کو ہم نے سلا دیا اور تجھے اٹھایا تو تم روتے ہو۔ بیدار ہوئے تو پھر نہ سوئے۔

حکایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تعالیٰ کو کسی شاگرد نے کہا کہ آپ تمام شب جاگتے رہتے ہیں آپ نے فرمایا پہلے تو ایسے نہیں تھا لیکن اب میں نے ارادہ کر لیا کہ شب کو نہیں سوؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا جو کام نہیں کرتے اس پر لوگ دوست رکھتے ہیں کہ نہ کرنے کے باوجود ان کے لئے لوگ تعریف کریں میں نہیں چاہتا کہ میں ان لوگوں سے ہو جاؤں کہ کام بھی کریں لیکن مدح و ثنا کے خواہشمند رہیں اس کے بعد آپ نے تیس سال عشاء کی نماز سے صبح کی نماز ادا کی۔

توبہ کا سبب ایک ولی اللہ کا قصہ

حضرت الشیخ ابو عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری توبہ کا سبب ایک کبوتر کی بولی ہے جو وہ بوقت شب کہہ رہا تھا اے غافلو اٹھو اپنے رب کریم کی طرف وہ کریم بھی ہے اور رحیم بھی اور بہت بڑا اجر بخشتا ہے اور بہت بڑے گناہ معاف فرمادیتا ہے جب میں نے اس کی بولی سنی تو بے خود ہو گیا جب ہوش میں آیا تو دل کو حُب دنیا سے خالی پایا اندریں اثناء مجھے خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی تو مجھے حضور غوث اعظم الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضری کا فرمایا میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور خود کو آپ کے سپرد کر دیا یہاں تک کہ میں نے خیر و برکت کی جھولیاں بھرلیں۔

تفسیر عالمانہ

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور بوقت سحر وہ استغفار کرتے ہیں

حل لغات: السحر رات کا آخری چھٹا حصہ چونکہ صبح کی روشنی سے اشتباہ پڑتا ہے اسی لئے سحر کہا گیا جادو سے تشبیہ دے کر کہ اسمیں باطل کا حق سے اشتباہ ہوتا ہے یعنی وہ لوگ با وجود قلت منام اور کثرت تہجد بوقت سحر استغفار پر مداومت کرتے ہیں گویا انہوں نے ساری رات جرائم میں گذاری ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اپنی عبادت سے عجب نہیں کرتے بلکہ اپنی عبادت کو کسی شمار میں نہیں سمجھتے ؎

طاعت ناقص ما موجب غفران نشود
راضیم گر مدد علت عصیان نشود

ترجمہ: ہماری ناقص طاعت بخشش کا سبب نہ بنے گی میں راضی ہوں اگر علت عصیان مدد نہ کرے۔

فعل کی بنا اس ضمیر پر رکھنا جو تخصیص کے لئے مفید ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ وہی اس کا حق رکھتے ہیں کہ جو دائمی استغفار کی صفت سے موصوف ہوں گویا وہی ہیں بوقت سحر استغفار کرنے والے اور بس۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ تقدیم الظرف اہتمام اور رعایۃ فاصلہ کے لئے ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ رات کو کافی دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہ کر تھوڑی دیر آرام کرتے تو پھر سحر کے وقت اٹھ کر اس آرام کرنے کی کوتاہی پر استغفار کرتے

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ صبح تک عبادت میں مشغول ہونے کے بعد استغفار اسی لئے کرتے ہیں کہ گویا وہ عاصی ہیں خود کو حقیر اور ذلیل اور اپنی عبادات کو لاشی

اور حقیر سمجھ کر ؎

۱: عذر تقصیر خدمت آوردم
که ملازم طاعت استظہار

۲: عاصیان از گناہ توبہ کنند
عارفان از عبادت استغفار

ترجمہ: ۱: میں اپنی تقصیر خدمت کا عذر لایا ہوں کیوں کہ میرے ہاں طاعت کی کوئی طاقت نہیں۔
۲: گنہگار گناہوں سے توبہ کرتے ہیں عارفین عبادت سے استغفار
یعنی عارفین عبادت میں اپنی کوتاہی تصور کرتے ہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ استغفار کیا ہے آپ نے فرمایا کہ کہو
اللھم اغفرلنا وارحمنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم
ترجمہ: اے اللہ ہمیں بخش ہم پر رحم فرما ہماری توبہ قبول کر بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ایصال ثواب برائے مردگاں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کا مرتبہ بلند کرتا ہے تو بندہ پوچھتا ہے یا اللہ میرا یہ مرتبہ کیوں بلند ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کی ہے یعنی کہا ہے "رب اغفرلی ولوالدی"

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے سب سے محبوب تر وہ بندے ہیں کہ بوقت سحر استغفار کرتے ہیں یہ وہ بندے ہیں کہ میں بعض زمین کے حصے پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہوں تو ان استغفار کرنے والوں کی وجہ سے عذاب کو ہٹا دیتا ہوں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
ازمین دعائے شب و روز سحری بود

ترجمہ: ہر خزانہ سعادت جو اللہ تعالیٰ نے حافظ کو بخشا ہے یہ شب و روز کی سحرگاہ کی دعا کی برکت سے ہے۔

اور فرمایا ؎

در کوئے عشق شوکت وشاہی نمی خرند
اقرار بندگی کن ودعویٰ چاکری

ترجمہ: عشق کی گلی میں شاہی و شوکت کسی کام کے نہیں وہاں بندگی اور نوکری کا اقرار کر۔

مثنوی شریف میں ہے

۱: گفت آنکہ ہست خورشید راہ او
حرف طوبیٰ ہر کہ ذلت نفسہ

۲: ظل ذلت نفسہ خوشی مضجعست
مستعاران صفا را مہجعست

۳: گر ازین سایہ روئے سوئے منی
زود طاغی گردی وراہ گم کنی

ترجمہ: ۱: فرمایا کہ جس کا رہبر روشن ضمیر ہو اور اسے مبارک ہو جس کا نفس عاجز ہوا

۲: جس کا نفس ذلیل ہوا وہ بھی خوش قسمت ہے راہ صفا کی استعداد والوں کیلئے اچھی شے ہے

۳: اگر اس سایہ سے راہ طرف سرکشی کے لے جائے تو تم جلد تر طاغی اور گمراہ ہو جاؤ گے۔

فضائل تہجد و دعا صبحگاہی

کلبی و مجاہد نے فرمایا کہ "وبالاسحارھم یستغفرون" بمعنی یُصَلُّونَ یعنی سحر کے وقت نماز پڑھتے ہیں وہ اس لئے کہ یہ طلب مغفرت کا وقت ہے۔

حدیث شریف

جو رات کو بیدار ہوں یہ جوامع الکلم میں ہے اس لئے کہ کہا جاتا ہے "تعار من اللیل" بمعنی استیقظ فلان نیند سے آواز کرتے ہوئے بیدار ہوا (الصحاح) یہ بیداری اکثر مع گفتگو ہوتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ انسان کی یہ گفتگو تسبیح و تہلیل ہو اور یہ اس سے پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہو چنانچہ فرمایا تو بیدار ہو کر کہے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر الحمد للہ وسبحان اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ اس کے بعد کہے اللہم اغفرلی یا دعا مانگے یعنی اللہم اغفرلی، پچھلے کلمات سے متعلق ہے یا یہ علیحدہ نہیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہم اغفرلی ان کلمات کے اختتام پر یہی دعا مانگے تو اس کی دُعا مستجاب ہو گی یہ جزاء شروط مذکورہ پر مرتب ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کی دعا کی قبولیت یقینی ہے کیوں کہ احتمال ہوتا تو وہ تو اس دُعا غیر میں بھی ہے۔

فائدہ: اگر رات کو جاگنے والا یہ دعا نہیں مانگتا تب بھی اسے اس ذکر کا تو ثواب مل جائے گا لیکن حضور علیہ السلام نے اس کی اگرچہ تصریح نہیں فرمائی تب بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو وضو کرکے نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز قبول ہوگی فرائض ہوں یا نوافل یہ مقبولیت بھی یقینی ہے اور یہ بھی اسی ذکر پر مرتب ہوگی جو ابھی مذکور ہوا۔

حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص تجلیات سے ہر شب کو تہائی رات گزرنے کے بعد آسمان دنیا میں نزول اجلال فرماتا ہے تو اعلان فرماتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں ہے کوئی جو مجھ سے کچھ دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کروں اور ہے کوئی مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اس کا سوال پورا کروں کوئی ہے بخشش مانگنے والا تو میں اسے بخشوں۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو نماز تہجد پڑھ کر کہتے اللھم لك الحمد انت الحق ووعدك حق ولقاءك حق وقولك حق والجنۃ حق والنار حق والنبیون حق ومحمد حق والساعۃ حق اللھم لك اسلمت وبك آمنت وعلیك توكلت والیك انبت وبك خاصمت والیك حاكمت فاغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت المقدم وانت المؤخر لا الہ الا انت ولا حول ولا قوۃ الا بك۔

فائدہ : حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کونسی رات افضل ہے عرض کی میں نہیں جانتا ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بوقت سحر عرش الٰہی حرکت میں آتا ہے اور وہ حرکت میں نہیں آتا مگر تجلیات الٰہیہ کی کثرت کی وجہ سے جو کہ وہ تجلیات شب بیداروں کو نصیب ہوتی ہیں تو وہ ان سے خوش ہوتا ہے (جو ان کے طفیل اسے بھی تجلیات کا دیدار نصیب ہوتا ہے) ایسے ہی وہ تجلیات گناہوں سے رونے والوں اور اس وقت (سحر کے وقت) بخشش مانگنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں یا ان لوگوں کو معاف کرنے اور بخشش دینے اور دعاؤں کو قبول کرنے سے خوش ہوتا ہے یا تعجب کرتا ہے کہ بندے بھاگنے والے بھاگتے ہیں باوجودیکہ اسے کسی کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی ان بھاگنے والوں کو الطاف وکرم سے نوازتا ہے حالانکہ بندوں کو محتاجی تھی تو وہ خود اس سے الطاف وکرم طلب کرتے لیکن وہ طلب کے بجائے اس سے بھاگے تو بھی لطف وکرم سے نوازا۔ علاوہ ازیں وہ غفلت میں ہیں اور نیند میں مست، لیکن وہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خود بلاتا ہے کہ ہے کوئی بخشش مانگنے والا اور ہے کوئی توبہ کرنے والا اور ہے کوئی ندامت والا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی اس پہ تعجب کرتا ہے کہ بندے باوجودیکہ ایسے وقت میں غافل اور نیند میں ہیں اور ان کو محرومی میں کوئی کمی نہیں

رہی لیکن وہ انہیں برکتوں اور رحمتوں سے بھرپور فرماتا ہے یا اس لئے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ اپنی قضاؤ قدر کو جاری فرماتا ہے کہ کسی کو برکات تو کسی کو شرور۔

فائدہ : رات دوستوں کے لئے ہے کہ وہ مناجات میں مشغول ہوں اور عاصیوں کے لئے کہ وہ طالب نجات ہوں اور راتوں میں بیدار رہ کر اپنی غلطیوں کا احساس ظاہر کریں اور پریشان ہوں اور افسوس کھائیں یا عشاق اشتیاق و فراق کی باتیں کریں جیسے انہوں نے کہا ہے کہ ؎

۱ : کم لیلۃ فیک لا صباح لہا
افنیتہا قابضاً علی کبدی

۲ : قد غصت العین بالدموع وقد
وضعت خدی علی بنان یدی

ترجمہ ۱ : کتنا راتیں تھیں جن کی صبح نہ ہوئی میں نے انہیں جگر پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں پر کاٹا۔
۲ : آنکھیں آنسو بہاتی رہیں اور میرا چہرہ میرے ہاتھ کی انگلیوں پر۔

اور رات کی شب بیداری کمال انس اور روح کی راحت سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا ؎

سقی اللہ عیشا نفیسا مضی
زمان الہوی فی الصبی و المجنون
لیالیہ تحکی انسداد اللحا
ظ للعین عند ارتداد الجنون

ترجمہ : اللہ تعالیٰ مبارک عیش کے جام پلائے ورنہ خواہش کا دور بچپن اور جنون میں گزرا وہ راتیں آنکھوں کے پلکوں سے ملا کر گزر جاتی تھیں۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احیاء اللیل کا اس لیے حکم فرمایا کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کے ملنے والوں کے لئے زیادہ قریب ہے اور اس کی وہی طاقت رکھتا ہے جو صابر صادق یعنی ہر دکھ کو بسر و چشم اور بدل و جان قبول کرنے والا ہو۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رات کا اٹھنا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض فرمایا اور تم پر نہیں [اس کی وجہ وہی ہے جس سے وہابی دیوبندی چڑتے ہیں۔ جسے صاحب روح البیان صدیوں پہلے لکھ گئے (اویسی غفرلہٗ)] چنانچہ فرمایا کہ :

وذلك لانه روح العالم ومداره فكيف يكون الله ولی بخیل بنفسه وعلى الله متكاسل وبتكاسله يخرب العالم ويشتد جهل اهله كما ان الروح اختل الجسد وقواه[1]

ترجمہ : وہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کی روح ہیں اور آپ پر ہی کل عالم کا مدار ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست اپنے نفس سے پیار کیسے کر سکتا ہے اور وہ سُست بھی ہو تو کیوں اس کی سُستی سے جملہ عالم خراب ہو جائے گا بلکہ اس کے اہل سب کے سب جہل میں پھنس جائیں گے جیسے روح کے نہ ہونے سے جسم و قویٰ میں خلل پڑ جاتا ہے۔

اسی لئے اولیاء اللہ عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتے ہیں اور قاعدہ ہے جتنا بندے کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اتنا ہی تکلیف وغیرہ میں زیادہ مبتلا ہوتا ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

حکایت : حضرت الیاس علیہ السلام کے ہاں حضرت ملک الموت تشریف لائے تو آپ رونے لگے ملک الموت نے کہا آپ روتے کیوں ہیں اب تو آپ اپنے پروردگار کی خدمت حاضر ہوں گے آپ نے فرمایا میں روتا اس لئے ہوں کہ سردی کی راتوں میں اور گرمیوں کے دنوں میں اللہ والے نمازوں روزوں اور قیام کے مزے لوٹیں گے اور میں مٹی کے نیچے (قبر میں) ہوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ قیامت تک ہم نے تمہیں مہلت دیدی ہے تم بے شک شب بیداری اور قیام وصیام کے مزے لوٹو ۔ آپ کی اس خدمت (عبادت) سے میں بہت خوش ہوں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا :

دع التکاسل تغنم وقد جری

مثل کہ زادِ راہروان چستی وچالاکی

ترجمہ : سُستی چھوڑ وقت کو غنیمت سمجھ کیوں کہ مثال مشہور ہے کہ راہرووں کا زادِ راہ چُستی و چالاکی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ اور ان کے اموال میں حق ہے بہت زیادہ نصیبہ ہے جو وہ اپنے نفوس پر واجب کرتے ہیں یعنی اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں

---

[1] : (روح البیان ص ۱۵۷ ج ۹)

اور لازم قرار دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے اور عوام پر شفقت کرنے کے لئے اور حق سے وہ وجوب مراد نہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اموال پر واجب ہے ہماری تقریر سے وہ سوال دفع ہو گیا کہ جو شے بندے پر واجب ہے اور وہ اسے ادا کر رہا ہے تو پھر وہ مدح کا مستحق کیوں جب کہ اس نے تو فقراء کو وہی دیا ہے جو اس کے ذمے ضروری تھا ایسے ہی وہ بھی مدح کے مستحق نہیں جو غنی ہو کر زکوٰۃ ادا نہیں کرتے لیکن فقراء کو صدقات، خیرات نفلی دیا کرتے ہیں (یعنی مدح کے مستحق وہ ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقات وخیرات سے فقراء و مساکین کی خدمت کرتے ہیں)

لِلسَّائِلِ کے لئے ضرورتمند کی ضرور پوری کرنے کے لئے۔

(وَالْمَحْرُوْمِ اور محروم یعنی وہ جسے لوگ غنی سمجھ کر اسے صدقہ نہیں دیتے اور وہ بھی سوال نہیں کرتا اس معنی پر وہ صدقات وخیرات سے محروم ہو گیا۔

فائدہ: القاموس میں ہے المحروم بمعنی الممنوع من المال وہ جو مال سے روکا گیا ہے اور وہ جو جس کا مال نہ بڑھے (المفردات) وہ کہ جس پر رزق کی وسعت نہ ہو جیسے دوسروں کو وسعت حاصل ہے بلکہ وہ خیر و بھلائی سے ممنوع ہے۔

سوال: بحر العلوم میں ہے کہ یہاں سائل ومحروم کی تخصیص کیوں؟

جواب: اس لئے کہ ان لوگوں کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ اور وہ حقوق ہیں جو انسان پر لازم ہیں نفقات وغیرہ میں سے جیسے والدین کا نفقہ جب وہ فقیر ہوں ایسے ہی محرم لیسے جو بھوک سے مر رہا ہو ایسے ہی مسافر وغیرہ کا کھانا وغیرہ۔

حدیث شریف فقراء کی وجہ سے اغنیاء پر قیامت میں سخت خرابی ہو گی لے ہمارے پروردگار انہوں نے ہم پر ظلم کیا کہ ہمارے حقوق ادا نہ کئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا فقیر و آج میں تمہیں قریب اور اغنیاء کو اپنے سے دور کرتا ہوں اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ مال خرچ کرنا ضروری ہے اور یہ بھی حسن اخلاق سے ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ دوزخی چہ بہشتی چہ آدمی چہ ملک

بمذہب ہمہ کفر طریقت است امساک!

ترجمہ: دوزخی بہشتی اور آدمی و ملک مذہب کا مذہب ہے کہ امساک کفر ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

از زر دسیم راحتے برسان
خویشتن ہم تمتعی برگیر
چونکہ این خانہ از تو خواہد ماند
خشتے ز سیم و خشتے وزر گیر

ترجمہ : زر و سیم سے راحت پہنچا خود کو اور اس سے نفع اٹھا۔
چونکہ یہ گھر تجھ سے باقی رہے گا فلہذا اسے ایک اینٹ سونے سے دوسری چاندی سے تیار کر۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کے تین سو آٹھ کے اخلاق ہیں انہیں میں سے کسی ایک کے ساتھ (توحید شرط ہے) اللہ تعالیٰ کو ملا تو ضرور بہشت میں داخل ہوگا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ کوئی ایسا خوش قسمت بھی ہوگا جس کو وہ کامل اخلاق حاصل ہوں گے اور مجھ میں بھی انہیں سے کوئی ایک نصیب ہے یا نہ آپ نے فرمایا کہ تیرے میں تمام عادات موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب تیری سخاوت ہے۔

حکایت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ شبلی قدس سرہ نے اپنے مریدین کو توکل کا حکم فرمایا تین دن تک ان کے پاس کھانے کی کوئی شے میسر نہ آئی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسب کا حکم کس لئے فرمایا کماؤ اور کھاؤ جیسا کہ فرمایا **ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا و کلوا من رزقہ** وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے لئے زمین نرم بنائی تم اس کے کاندھوں پر چلو اور اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ ، ان میں سے ایک نے کمائی کا پروگرام بنایا لیکن بھوک نے اسے چلنے نہ دیا بڑی مشکل سے ایک عیسائی کی دکان کے قریب جاکر بیٹھے وہ دکاندار طبیب تھا اس نے فقیر کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ بھوکا ہے اپنے نوکر کو فرمایا اس کے لئے کھانا لا۔ فقیر نے دکاندار کو فرمایا میرے جیسے چالیس بیمار اور بھی ہیں۔ دکاندار نے کہا ان چالیس کو بھی کھانا کھلاؤ۔ نصرانی کا نوکر سب کا طعام لے کر چلا اور وہ درویش بھی اس کے ساتھ تھا جب طعام حضرت شبلی قدس سرہ کے درویشوں کے پاس پہنچا آپ نے فرمایا کھانے سے پہلے بدلہ اتار دو مل کر کھانا بھیجنے والے کے لئے خیر و بھلائی کی دعا کرو سب نے مل کر دعا کی دکاندار کو ان کے اس حسن اخلاق کا علم ہوا تو حضرت شبلی قدس سرہ کے ہاں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

فائدہ : اس سے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (احسان کی جزاء احسان ہی ہے) جیسے نصرانی حکیم (طبیب) نے طعام کھلایا تو حضرت شبلی قدس سرہ نے اس کے بدلہ میں دعا کر کے اسے دولت اسلام

سے نوازا یعنی بزرگوں کی دُعا سے اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو مقامات و کمالات اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائے اس میں طالبین صادقین کا حق ہے جب وہ اطراف عالم سے حاضر ہو کر اس کی طلب کریں تو ان کا حق بنتا ہے کہ ان میں صلاحیت ہے تو انہیں بھی راہ سلوک پہ لگا دو ۔ محروم سے مراد وہ ہے جو ان مقامات و کمالات کی قدر وقیمت نہیں جانتا لیکن جب وہ غریب اس کی طلب میں آتے ہیں تو پھر اللہ والوں کے ذمہ کرم ہے کہ اپنے فیض وکرم سے ان کی خالی جھولی بھر دیں (جیسے حضور غوث پاک اور دیگر ایسے اولیاء کرام نے چوروں کو ابدال بنایا) اسی کا نام ہے دین کی خیر خواہی کیوں کہ اولیاء کرام بمنزلہ طبیب کے ہیں اور المحروم بمنزلہ مریض کے تو طبیب پر لازم ہے کہ وہ مریض کی خاطر داری کرے اور اس کی نبض صحیح طریق سے دیکھے اس کی بیماری کی مکمل تشخیص کرے اس کے آنے والے خطرات پر نظر ڈالے پھر اسے ان سے بچنے کی تدابیر بتائے اور ایسے ادویہ سے اس کا علاج کرے جن سے اسے نفع ہو اور اس کا مرض زائل ہو اور وہ مکمل طور صحتیاب ہو جائے (تاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ اور زمین میں یقین والوں کے لئے آیات (نشانیاں) ہیں ۔ الایقان بمعنی بے گمان ہونا ۔ یعنی دلائل واضحہ ہیں صانع کے وجود وعلم وقدرت وارادت وحدۃ اور اس کی بہت زیادہ رحمت پر کہ اسکی رحمت عام ہے مثلاً زمین کو دیکھو کہ وہ بچھے ہوئے فرش کی طرح ہے اور اس میں مختلف راستے ہیں جنمیں مختلف ملکوں میں پہنچنے کے لئے آسانی ہے اور اس پر سیاح آرام سے چل پھر کر کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتے ہیں اس میں نرم ٹکڑے بھی ہیں اور پہاڑ بھی اور اس میں دریا بھی ہیں اور جنگل بھی اور قطعات ملے جلے بھی اور جاری نہریں بھی اور عجیب وغریب کانیں بھی اور یہ بہترین انگوریاں اگاتی ہے گوناگوں درخت پیدا کرتی ہے رنگ اور بو اور مزہ میں مختلف قسم کے پھل فروٹ اور پھول نکالتی ہے اس پر جانور پھیلے ہوئے ہیں جو اپنی ترتیب وسلیقے سے رہتے ہیں اور انسانوں کے منافع ومصالح اسی میں رکھے ہیں کہ کن چیزوں سے تندرست رہ سکتے ہیں اور کن چیزوں سے بیمار ہوتے ہیں سب کام مصلحتوں اور حکمتوں سے زمین پر موجود ہیں ۔

فائدہ : کلبی نے فرمایا کہ گذشتہ صدیوں کے آثار قدیمہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت اور نصیحت کے موجبات واسباب ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ زمین وہ ہے جو کل بوجھ اٹھاتی ہیں ایسے ہی عارف موتن (یقین کرنے والا) ہر ایک کا بوجھ اٹھاتا ہے جو ایسے بوجھ سے ثقالت کرتا ہے یا اس سے دور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف چلاتا ہے اسی لئے وہ اپنی غیبت (غیب ہونے) عن الحقیقۃ و مطالعہ حق بہ عین تفرقہ میں رہتا ہے لیکن اہل حقائق اسی صفت سے موسوف نہیں ہوتے۔ بعض وہ زمین کے حصے ایسے ہیں جنپر گندگی اور کوڑا کرکٹ ڈالو تب بھی اس سے خوشبودار گل گلاب اور رنگارنگ پھول پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی عارف کامل کا حال ہے کہ ہر قسم کے ظلم وجفا برداشت کرتا ہے لیکن پھر بھی خلق خدا کو خوشبو (دعاؤں) سے نوازتا ہے۔ زمین کے بعض ٹکڑے وہ ہیں جن پر سیم و تھور نے ڈیرے جمائے ہوتے ہیں اسی لئے وہ زمین کھیتی باڑی اور مکانات کی تعمیر سے محروم ہوتی ہے ایسے ہی بعض انسان ایمان سے محروم ہوتے ہیں کہ ان کے قلوب بمنزلہ سیم و تھور والی زمین کے ہیں ان کو ایمان واسلام کی دعوت دیکر جدوجہد کرنا ایسے ہے جیسے سیم و تھور والی زمین میں بیج ڈال کر ضائع کیا جائے۔

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ کی تقریر دلپذیر حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ گندم کا بہتر بیج سیم و تھور والی زمین ڈال کر ضائع نہ کر یعنی حقائق کا بیان جو قلب کی اور روح کی غذا ہے بمنزلہ گندم کے بہترین بیج کے ہے اور جسم بمنزلہ زمین کے ہے فلہذا یہ بیج اس جسم میں نہ ڈال یعنی ایسے حقائق اس جسم (شخص) کو بیان نہ کر جو سیم و تھور کی طرح بیکار ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حقائق کے قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے یعنی وہ جو جمیع اشیاء میں حق مشاہدہ نہیں کرتے۔

فائدہ: حقائق البقلی میں ہے کہ آیات الارض سے اس کی ذات وصفات کا مرآت الاکوان میں ظہور مراد ہے جیسے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے لئے ظاہر ہوا۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام پر مصیصہ میں جلوہ ظاہر ہوا۔

فائدہ: المصیصہ (بکسر المیم) ایک شہر کا نام ہے جو طرسوس والسیس کے نزدیک بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ یا جبال مکہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوہ ظاہر ہوا۔

فائدہ: کیا نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا کہ

جاء اللہ من سینا واستعین بساعۃ واشرق من جبال فاران

ترجمہ: اللہ کا جلوہ سیناء سے آیا (اور میں اسی گھڑی کے وسیلہ سے مدد مانگتا ہوں) اور وہ فاراں سے چمکا۔

فائدہ: فاران سے جبال مکہ معظمہ مراد ہیں القاموس میں ہے الفاران سے جبال مکہ مکرمہ مراد ہیں جن کا ذکر تورات میں ہے انہیں سے ایک جبل بکر بن القاسم ہے۔

تفسیر عالمانہ وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں میں آیات ہیں اس لئے عالم کائنات کی کوئی ایسی شے نہیں جس کی نظیر نفوس میں نہ ہو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ انسان عالم کبیر کا نمونہ ہے اسی لئے اسے عالم صغیر کہا جاتا ہے اس کی تطبیق مع تفصیل ہم نے سورۂ حم السجدہ کی آیت سنریھم آیاتنا فی الآفاق میں ذکر کر دی ہے علاوہ ازیں انسان اپنی ساخت میں منفرد ہے مثلاً اس کی ہیئات ناصفہ اور مناظر بہیہ اور ترکیبات عجیبہ اور اس کے افعال بدیعہ کا تمکن اور اس سے صنائع مختلفہ کا راستنباطا اور اسمیں کمالات متنوعہ کا استجماع دیکھ لیجئے۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے زمین میں انواع حیوانات و اشجار و جبال و انہار کے عجیب دلائل ہیں ایسے ہی " و فی انفسکم" ان کے لئے آیات ہیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت و تدبیر و ارادہ پر دلالت کرتے ہیں اس تقریر پر تخصیص کے بعد تعمیم ہو گئی کیوں کہ انفس الناس زمین میں سے ایک ہیں گو یا کہا گیا کہ موحدین عاقلین کے لئے زمین پر عموماً اور تمہارے نفوس میں خصوصاً ان کے لئے آیات ہیں کیوں کہ ہر عاقل کے لئے منظور رفیہ سے قریب تر اس کا اپنا نفس ہے یا اس کی اپنی اولاد ایسے ہی اس کا باطن و ظاہر بھی صانع کے وجود پر واضح دلائل ہیں ایسے ہی اپنے وجود کی ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا پیدائش سے لے کر وفات تک بھی وجود باری تعالیٰ کے واضح دلائل ہیں۔ کسی بزرگ نے فرمایا۔

ففی کل شیٔ لہ آیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر شے دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے۔

فائدہ: اس لئے کہ ہر شے اپنے جسم اور روح سے ایک ہے اس کے کثرت اجزاء و اعضاء کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ ہر عدد (کتنا ہی بڑا ہو) اسے وحدۃ سے موصوف کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ عشرۃ واحدۃ ومأۃ واحدۃ علاوہ ازیں ہر جسم کا منتہیٰ وہ جُزء ہے جو لا یتجزی ہے (کہ اس کے بعد اس کی تقسیم محال ہے) جسے نقطہ کہا جاتا ہے (نتیجہ نکلا کہ ہر جسم (کثرت اجزاء و اعضاء کے باوجود) واحد ہے۔ ایسے ہی الف کہ یہ مرکب ہے تین نقطوں سے یا پانچ یا سات سے ایسے ہی تمام حروف و افعال ترکیبہ کا حال ہے (ثابت ہوا کہ کل شے سے مراد ہر جسم ہے۔)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان جمیع صفات حق کا آئینہ ہے اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے خود کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ لیکن ہر انسان خود کو نہیں پہچان سکتا جب تک کہ کمال کو نہ پہنچے اور اس کمال یہ ہے کہ نفس کو کامل مکمل صاف شفاف آئینہ بنا دے یہاں تک کہ وہ صفات حق کے تجلی کے قابل ہو جائے پھر اسی آئینہ ہو جانے پر نفس کو پہنچائے گا اور رب تعالیٰ بھی اس آئینہ میں جلوہ گر ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق" عنقریب ہم انہیں اپنی آیات آفاق اور ان کے نفوس میں دکھائیں گے یہاں تک انہیں ظاہر ہو گا کہ بیشک وہ حق ہے ؎

جہان مرآت حسن شاہد ماست

فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ جہاں ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اسی لئے اے مخاطب ہر ذرہ سے اس کے چہرے کا مشاہدہ کر۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو) یعنی تو کیا تم آنکھوں سے دیکھ کر بصیرت سے نہیں دیکھتے ہو حتیٰ کہ عبرت پکڑو اور صانع کی صنعت پر دلیل پکڑو اور نقش سے نقاش پر استدلال کرو ایسے ہی اسکی صفات پر۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ استفہام بمعنی امر ہے یعنی نظر عبرت سے دیکھو اور صفت باری تعالیٰ کے کمال کے علامات کا مشاہدہ کرو اور حقائق سلمی میں مذکور ہے کہ جو ان آیات کو اپنے نفس میں نہیں دیکھتا اور صفحۂ وجود میں آثار قدرت کا مطالعہ نہیں کرتا تو اس نے حظ زندگانی ضائع کر دیا بلکہ زندگی سے اس نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ؎

۱: نظرے بسوئے خود کن کہ تو جان دلربائی

مفگن بخاک خود را کہ تو از بلند جائی

۲: تو ز چشم خود نہانی تو کمال خود چہ دانی

چو دُر از صدف بروں آ کہ تو بس گران بہائی

ترجمہ ۱: خود کو دیکھ کہ تو دلربا جان ہے خود کو مٹی میں نہ ڈال کیوں کہ تو بلند جگہ کا فرد ہے

۲: تو اپنی آنکھ سے پوشیدہ ہے پھر تو اپنے کمال کو کس طرح جان سکے گا۔ صدف سے موتی کی طرح باہر آ پھر تو اپنی قیمت کا اندازہ کر۔

فائدہ : حضرت واسطی نے فرمایا کہ عوام کو عرفان نصیب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال سے ان کے لئے فرمایا " وفی انفسکم افلا تبصرون" اور خواص سے اس کی ذات سے ان کے لئے فرمایا " الم تر الی ربک" کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔

بحر علم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ٹھاٹھ

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا :

سلونی عما دون العرش فان ما بین الجوانح علم جم ھذا لعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی فمی ھذا ما رزقنی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فوالذی نفسی بیدہ لو اذن للتوراۃ و الانجیل ان یتکلما فاخبرت بما فیھا لصدقانی علی ذلك ،

ترجمہ : " عرش سے نیچے تمام چیزوں میں سے جو چاہو پوچھو میرے اندر بے شمار علوم امانت رکھے ہوئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب مبارک میرے منہ میں ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا اسی ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر توراۃ انجیل میں بولنے کی اجازت ہو تو میں ان کی تمام خبریں دوں تو وہ خود میری تصدیق کریں گی"۔

مجلس میں ایک یمانی تھا اس نے کہا کہ اس مرد نے (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) لمبا چوڑا دعویٰ کیا ہے میں اسے اسی مجلس میں رسوا کروں گا وہ کھڑا ہو گیا اور کہا :

یا علی اسال

اے علی میرا ایک سوال ہے فرمایا پوچھ لیکن سمجھنے کے لئے عناد اور ضد نہ کرنا اس نے کہا آپ نے ہی مجھے جوش دلایا ہے بھلا بتائیے آپ نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا میں اس رب کی عبادت کرتا ہی نہیں جسے میں نہ دیکھوں اس نے کہا وہ کیسے۔ آپ نے فرمایا اسے آنکھیں مشاہدۂ عیان سے نہیں دیکھتیں ہاں قلوب حقیقۃ الایمان سے دیکھتی ہیں میرا رب واحد لاشریک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں وہ فرد ہے اس کی کوئی مثل ہے اسے نہ مکان حاوی ہے اور نہ اسے زمان گھیرے ہوئے ہے اسے حواس ادراک نہیں کر سکتے اور نہ وہ قیاس میں آسکتا ہے یہ سن کر یمانی بے ہوش ہو کر گرا جب اسے ہوش آیا تو کہا میری توبہ آئندہ میں عناد اور ضد سے سوال نہ کروں گا۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کی کہانی

کسی نے خواب میں سیدنا معروف کرخی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حور و قصور جنت سے منہ پھیر کر عرش کو ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے ہیں دیکھنے والے نیک بزرگ (ولی اللہ) نے رضوان جنت سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں فرمایا یہ معروف کرخی ہیں جو اللہ کے اشتیاق میں فوت ہوئے تو رب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف دیکھنے کی اجازت بخشی ہے۔

فائدہ : یہ وہی دیکھنا ہے جسے ہم دنیا میں بصیرت (قلب) سے دیکھتے ہیں لیکن یہ بھی یاد رہے کہ " من کان فی ھذا اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ" جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے

انتباہ دنیا کو آنکھ سے دیکھنا محال ہے کیوں کہ جب (موسیٰ علیہ السلام) نے آنکھ سے نہ دیکھا تو باقی کون ہے دیکھنے والا (سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں کہ دیکھنے کی قابلیت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اور کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ ہاں ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسم کی آنکھ سے دیدار اس لئے نصیب ہوا کہ آپ نے دنیا کی حد سے خارج کے علاقہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا یعنی عرش سے ماوریٰ اور عرش عالم طبعی اور عالم ارواح کی ملاقات گاہ ہے (اور آپ نے تو وہ دیدار لامکان میں پایا) نہ وہاں کسی کو پہنچ ہے نہ دیدار ہوسکتا ہے۔

فائدہ : عوام کا دیدار مرتبہ علم میں اور خواص کا مرتبۂ عین میں اور ان کے بھی توحید میں مراتب ہیں کسی کو افعال سے کسی کو صفات سے کسی کو ذات وغیرہ وغیرہ۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ مرتبہ علم میں سے ترقی کر کے مرتبہ عین میں پہنچے اور استدلال سے شہود اور حضور تک پہنچنے کی جد وجہد کرے۔

تفسیر عالمانہ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ آسمان میں ہے تمہارا رزق یعنی تمہارے رزق کے اسباب آسمان میں ہیں یہاں مضاف محذوف ہے اسباب سے سورج چاند اور باقی ستارے مطالع ومغارب کا اختلاف مراد ہے تاکہ جن ان فصول کا اختلاف مرتب ہوتا ہے جو حصول ارزاق کے مبادی ہیں جیسا کہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ترجمہ : ۱ : ابر و باد و ماہ و خورشید و فلک کام میں ہیں تاکہ تو روٹی ہاتھ میں لے کر غفلت سے نہ کھائیں۔

۲ : یہ سب تیرے لئے سرگرداں اور فرمانبردار ہیں یہ انصاف کی شرط نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار نہ ہو۔

یا آسمان میں ہے تمہارے رزق کی تقدیر اور ابن کیسان نے کہا آسمان کے رب کے ذمہ کرم تمہارے رزق ہیں جیسے فرمایا "ولاصلبنکم فی جذوع النخل" تمہیں کھجوروں کے اوپر سولی چڑھاؤں گا یعنی جیسے اس آیت میں فی بمعنی علی ہے ایسے آیت ہذا میں فی بمعنی علی ہے) وَمَا تُوعَدُوْنَ اور وہ جو تم وعدہ دیئے جاتے ہیں ثواب کا کیوں کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے عرش کے نیچے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب' یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام وعدے کئے ہیں خیر و شر اور ثواب و عقاب اور سختی و نرمی وغیرہ کے وہ آسمان میں مقدر ہیں۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ عقاب اور اس کا امر آسمان سے آتا ہے جیسے چنگھاڑ، پتھراؤ، آگ اور طوفان وغیرہ جو سابقہ امتوں پر واقع ہوا۔

فائدہ : تبیان میں ہے کہ وہ تختی میں لکھا ہوا جو چوتھے آسمان میں ہے فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ تو قسم ہے آسمان اور زمین کے رب تعالیٰ کی' اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم یاد فرمائی ہے اور لفظ رب میں تربیتہ بالرزق کا بیان ہے۔ اِنَّهٗ بے شک وہ جو تم وعدہ دیئے جاتے ہو یا وہ امر جو آیات بالا میں مذکور ہوا اور رزق وغیرہ یہ ہٗ اسم اشارہ سے مستعار ہے۔ لَحَقٌّ البتہ حق ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ابن آدم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا انکار کیا تو اس نے قسم یاد فرمائی اپنی ذات کی تو بھی تصدیق نہ کی۔

فائدہ : اگر اس سے یہودی رزق کا وعدہ کرے اور قسم کھائے تو وہ اس کے وعدہ اور قسم پر اعتماد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے غارت کرے وہ رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر کیوں اعتماد نہیں کرتا۔

سیدنا اویس قرنی اور ہرم بن سنان رضی اللہ عنہما

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے حضرت ہرم بن سنان رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ مجھے کہاں رہنے کا حکم فرماتے ہیں شام کی طرف اشارہ فرمایا پوچھا وہاں وجہ معاش کا کیا بنے گا آپ نے فرمایا ان قلوب پر افسوس ہے کہ ان میں شک مل گیا ہے ایسے لوگوں کو نصیحت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

مِثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ٥ (ایسی باتیں بے شک تم بولتے ہو) یعنی جیسے تمہیں شک نہیں اس میں جو تم زبان سے کہتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ اس کی حقیقت میں بھی شک نہ کرو۔ اس کا منصوب ہونا علی الحالیتہ ہے حق کی ضمیر مستکن سے یا وہ مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل انہ الحق حقا مثل نطقکم کیوں ابہام سے بھرپور ہے اسی لئے وہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود بھی نہیں سمجھا

جاتا اور ما زائدہ ہے یا شے کے معنیٰ میں ہے جب کہ اس کا ما بعد اسکی صفت ہو ساتھ تقدیر مبتدا کے کہ دراصل هو انکم تنطقون تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بولنے کی طاقت دی ہے کہ تم اس کی قدرت سے بولتے ہو تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ تمہیں روزی پہنچائے گا۔ جیسے تمہارے ساتھ اس کا وعدہ ہے اور بولنے سے تمثیل اس لئے دی کہ وہ صرف انسان سے مخصوص ہے اور اس کی خصوصی صفت ہے۔

مسئلہ : آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل چاہیے اور اسباب کی تلاش بھی ضرور ہے اسی لئے اسباب کو دیکھنے کا اشارہ ہے اگر وہ محل التحقیق میں ہوتے تو انہیں آسمان وزمین کا حوالہ نہ دیتا کیوں کہ آسمان لوہے کا ہوتا زمین تانبے کی ہوتی تو نہ آسمان سے بارش آتی نہ زمین سے انگوری اُگتی۔

رزق اولیاء کے ہاتھ میں تمام بندوں کا رزق اولیاء اللہ میں کسی ایک ولی اللہ کامل کی گردن میں ہوتا ہے اور اسے اس کی پرواہ بھی نہیں کیوں کہ وہ عالم وسائط (وسائل) سے نکلکر وسائط (وسائل) کے مالک تک پہنچ چکا ہے (یعنی ولی اللہ رزق الٰہی کا وسیلہ ہے اس کے صدقے سے مخلوق خدا کو رزق ملتا ہے (فافہم و لا تکن من الوہابیین)

فائدہ : اللہ تعالیٰ اسباب کے ذریعے یہ کام کرتا ہے اسباب کی اسے محتاجی نہیں (وہ ہر احتیاج سے منزہ و مقدس ہے) اگر اسباب نہ بھی ہوں تب بھی وہ رزق پہنچانے پر قادر ہے کیوں کہ وہ ہر کام امر کن سے کرتا ہے اور ملک وملکوت اسی کے قبضہ میں ہیں یہ وہ بڑا عظیم مقام ہے جب اس مقام پر نفوس قلق و اضطراب سے محفوظ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فتاح ہے وہ دائرہ فتوح میں ہمیں داخل فرمائے۔

حکایت جناب اصمعی فرماتے ہیں کہ میں جامع مسجد بصرہ کی طرف سے جمعہ کے بعد روانہ ہوا تو راستہ میں مجھے اعرابی ملا اس کے ہاں اونٹ بکثرت تھے اور چرانے والوں نے ان کے گھاس وغیرہ سے اسے بے نیاز کر رکھا مجھے دیکھ کر پوچھا آپ کون ہیں میں نے کہا بنی اصمع سے ہوں فرمایا کہاں سے آرہے ہیں میں نے کہا بیت اللہ سے جہاں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے فرمایا مجھے کچھ قرآن سنائیے میں نے سورۃ والذاریات پڑھی جب میں وفی السماء رزقکم تک پہنچا تو فرمایا ٹھہریئے ایک اونٹنی ذبح کی اور اسے تمام لوگوں پر تقسیم کر کے تیر کمان اور تلوار اٹھائی اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور چل پڑا جب میں ہارون الرشید کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوا۔ میں طواف کر رہا تھا تو ایک دھیمی آواز میرے کانوں میں پہنچی مڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا جسکا جسم نہایت کمزور اور رنگ زرد ہو گیا مجھے دیکھ کر السلام علیکم کہا

اور فرمایا وہی سورۃ سنایئے جب میں اسی آیت " و فی السماء رزقکم " تک پہنچا تو سن کر بے ہوش ہوگیا ہوش میں آکر فرمایا بے شک ہمارے پروردگار نے جو ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے پھر فرمایا کچھ اور سنایئے میں نے یہ آیت " فورب السماء و الارض انہ لحق " پڑھی وہ سنتے ہی چیخا اور کہا ،

یا سبحٰن اللہ من ذا الذی اغضب الجلیل حتی حلف لم یصدقوہ بالقول حتی الجاوہ الیمین ۔

اے پاک ذات کون ہے جس نے جلیل کو غضب ناک کیا یہاں تک کہ اس نے قسم یاد کی پھر بھی اس کی انہوں نے قول سے تصدیق نہ کی یہاں تک کہ اسے قسم پر مجبور کر دیا ۔"

یہ تین بار کہا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توکل و اعتماد کا سوال کرتے ہیں ۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ
الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝
فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝
فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ
فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝

ترجمہ :- اے محبوب کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی جب وہ اس کے پاس آکر بولے سلام کہا سلام ناشناسا سے لوگ ہیں پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے ان کے پاس رکھا کہا کیا تم کھاتے نہیں تو اپنے جی میں ان سے ڈرنے لگا وہ بولے ڈریئے نہیں اور اسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی اس پر اس کی بی بی چلاتی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا اور بولی کیا بڑھیا بانجھ انہوں نے کہا تمہارے رب نے یونہی فرمادیا ہے اور وہی حکیم داناہے ۔

تفسیر عالمانہ

هَلْ اَتٰىكَ حدیث ضیف (پڑھی کیا تمہارے ہاں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی بات نہیں آئی) واقعہ کی رفعت شان کا اظہار ہے کیوں کہ اس استفہام کا معنی تعجب و تشویق ہے اس کے سننے کے لئے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب واقعہ کی عظمت شان مطلوب ہو اور تنبیہ ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از خود نہیں بلکہ بذریعہ وحی معلوم کیا ہے کیوں کہ آپ تو امی تھے خط لکھنا نہیں سیکھا اور نہ کسی سے تعلیم پائی ہے اور نہ ہی مورخین کے ساتھ نشست و برخاست فرمائی ہے۔ ایسا سے نبوت کا اثبات مطلوب ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ استفہام تقریری ہے معنی یہ ہے کہ بے شک تمہارے ہاں واقعہ آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے ہاں واقعہ نہیں آیا تو ہم تمہیں خبر دیتے ہیں۔

حل لغات

الضیف مصدر ہے ضافہ بمعنی نزل (اترا) اسی لئے اس کا مفرد و جمع کے لئے برابر طور استعمال ہوتا ہے جیسے زور وصوم اور کبھی جمع ہو کر بھی آتا ہے جیسے اضیاف وضیوف، وضیفات۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دراصل ضیف بمعنی میل ہے کہا جاتا ہے "ضفت الی کذا و اضفت کذا الی کذا" میں اس کی طرف ایسے مائل ہوا اور ضیف وہ ہے جو تیری طرف مائل ہو اور اس کا تیرے ہاں اترنا ہو اور اب عرف میں ضیافۃ مہمانی کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

مہمانانِ ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ مہمان تھے انہیں جبرئیل ومیکائیل و زرقائیل علیہ السلام تھے اور انہیں ضیف اس لئے کہا گیا کہ وہ مہمانوں کی وضع میں آئے اسی لئے انہیں ابراہیم علیہ السلام نے مہمانی پیش کی یا اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے گمان میں مہمان تھے (المکرمین) معزز یہ ضیف کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم تھے عصمت و تائید و اصطفاء و قربت اور انبیاء علیہ السلام کے ہاں سفارت کی وجہ سے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "بل عباد مکرمون" بلکہ وہ مکرم بندے ہیں یا وہ مکرم تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک بوجہ خدمت کے اس لئے کہ آپ نے خود اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے خود ان کی خدمت کی اور ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آئے اور نہایت عجلت سے ان کی خدمت میں کھانا پیش فرمایا یا اس لئے کہ وہ معزز مہمان تھے کہ ابراہیم خلیل پیغمبر علیہ السلام نے ان کی تکریم کی اور قاعدہ ہے مکرم انسان کا مہمان بھی مکرم سمجھا جاتا ہے۔

مہمان نوازی کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی تعظیم و تکریم کرے۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم یہی تھی کہ آپ ان کو طلاقۃ الوجہ سے ملے اور فوراً طعام

پیش فرمادیا اور خود خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ آنے والے مہمانوں کی تعظیم کیجئے اور ان ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ بھنی ہوئی بکری تیار فرمایئے پھر وحی آئی کہ مہمانوں کی تعظیم کیجئے آپ نے ان کے لئے بیل تیار کیا پھر وحی آئی کہ مہمانوں کی تعظیم کیجئے آپ نے ان کے لئے اونٹ ذبح کیا پھر وحی آئی کہ مہمانوں کی تعظیم کیجئے آپ حیران ہوئے پھر سمجھے کہ مہمان کا اکرام کثرت طعام سے نہیں بلکہ اس کی تعظیم یہ ہے کہ ان کی خدمت خود کرو چنانچہ ان کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اب وحی آئی کہ اب آپ نے مہمانوں کی تعظیم کی ہے۔

وعظ خاص بعض حکماء نے فرمایا کہ مرد کو اگرچہ بادشاہ ہو اس سے عار نہیں کرنی چاہیے کہ وہ مہمان اور باپ اور استاد کی خود خدمت کرے اور خدمت صرف طعام کھلانے کا نام نہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

(۱) شنیدم کہ مردیست پاکیزہ بوم
شناسا و رہرو در اقصائے روم

(۲) من و چند سالوک صحرا نورد
برفتیم قاصد بدیدار مرد

(۳) سر و چشم ہر یک ببوسید و دست
بتمکین و عزت نشاند و نشست

(۴) زرش دیدم و زرع و شاگرد و رخت
ولے بے مروت چو بے بر درخت

(۵) بخلق و لطف کرم رو مرد بود
ولے دیگدانش قوی سرد بود

(۶) ہمہ شب نبودش قرار و ہجوع
ز تسبیح و تہلیل و مارا ز جوع

(۷) سحرگہ میان بست و در باز کرد
ہمان لطف دوشینہ آغاز کرد

(۸) یکے بُد کہ شیریں وخوش طبع بود
کہ با ما مسافر دران ربع بود

(۹) مرا بوسہ گفتہ بتصحیف ده
کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

(۱۰) بخدمت منہ درست بر کفش من
مرا نان ده و کفش برسر بزن-

ترجمہ : (۱) میں نے ایک مرد پاکیزہ خصلت کا نام سُنا ہے ۔ کہ وہ عارف وسالک اقصائے روم میں تھا
(۲) ہم چند سالکین اسکی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ۔

(۳) اس نے سب کے ہاتھ و پاؤں چومے اور نہایت عـزّت واحترام سے بٹھایا ۔

(۴) میں نے اسکی زرو زراعت اور خدام واسباب دیکھے ۔لیکن اسکی بے مروتی بھی بیحد تھی ۔
(۵) خلق ولطف وکرم سے بھرپور تھا ۔لیکن دانائی دیگر اسکی نہایت سرد تھی ۔

(۶) تمام شب بیدار اور بیقرار رہا اسے تو تسبیح وتہلیل سے اور ہمیں بھوک سے بیقراری رہی ۔
(۷) صبح اُٹھتے ہی اُسی طرح عزت احترام سے پیش آیا جیسے کل پیش آیا تھا ۔

(۸) وہی ایک تھا ۔ کہ شیرین کلام اور خوشی خلق تھا جو اسی جگہ پر ہمارے پیش آیا ۔
(۹) میں نے اسے کہا کہ بوسہ کا معاملہ الٹ دے اسی لئے کہ درویش کو توشہ بوسہ سے بہتر ہے ۔

(۱۰) احتراماً میرے جوتے پر ہاتھ رکھنے کی بجائے مجھے کھانا دے اگرچہ اس کے ساتھ میرے سر پر جوتا مارے

تفسیر عالمانہ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْہِ جب، ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے یہ ظرف حدیث کے متعلق ہے اب معنی یہ ہوا کہ کیا تمہارے پاس ان کی بات آئی ہے ان کے ابراہیم علیہ السلام پر داخل ہونے کی فَقَالُوْا سَلٰمًا آتے ہی کہا السلام علیکم یعنی ہم آپ کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں فا اشارہ ہے اس طرف کہ آداب دخول میں کمی نہ کی بلکہ داخل ہوتے ہی السلام علیکم کہا قَالَ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا سَلٰمٌ تم پر سلام ہو یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے حرف عطف کا ترک جملہ استئنافیہ کے اظہار کے لئے ہے گویا کسی نے کہا ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کے سلام پر کیا جواب دیا فرمایا کہ انہوں نے بھی سلام علیکم کہا یعنی ان کے سلام کا بہتر طریق سے جواب دیا اس لئے کہ ان کا تحیہ جملہ فعلیہ سے تھا جو حدوث پر دال ہے اور جملہ فعلیہ سلامًا کے منصوب ہونے سے معلوم ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کا جواب جملہ اسمیہ سے ہے جو دوام السلام اور اس کے ثبات پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اس کا مرفوع ہونا اس پر دال ہے۔ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ یہ لوگ غیر واقف ہیں۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں نکرت الرجل (بکسر الکاف) نکرا وانکرتہ واستنکرتہ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی پہچان نہ ہو اس کا مجرد ومزید افعال و استفعال ایک ہی معنی میں ہیں اس کا اصل یہ ہے کہ قلب پر اس شے کو لایا جائے جس کا اسے تصور نہیں اور یہ بھی ایک قسم کا جہل (بےخبری) ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فعرفہم وھم منکرون" تو یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا اور وہ جاہل تھے (المفردات) یعنی ابراہیم علیہ السلام نے دل میں خیال فرمایا اور انہیں محسوس نہ ہونے دیا کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے یہ تو ہر ایک کے غیر واقف ہیں فنکرھم کا معنی ہے کہ خود ابراہیم علیہ السلام نے ان کو غیر واقف محسوس فرمایا کہ ان کا ہر ایک ایک دوسرے کا غیر تھا یعنی وہ ایسی اوضاع و اشکال میں تھے جو عام لوگوں کی اوضاع و اشکال کے خلاف محسوس ہوتے تھے حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے سلام علیکم کہنے کا اس وقت عجیب طریقہ تھا اور نہ ہی وہ طریقہ اس علاقہ میں مروج تھا کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام ایسے لوگوں میں رہتے تھے جن کی ملاقات کے وقت کا تحیہ کچھ اور تھا کیوں کہ وہ کافر تھے وہ ایک دوسرے کو ملاقات کے وقت مسلمانوں کی طرح السلام علیکم نہیں کہا کرتے تھے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم کون لوگ ہو تمہارے جیسے تو ہمارے میں نہیں بتاؤ تو سہی تم کہاں سے آئے ہو۔ عرض کی ہم آپ کے مہمان ہیں فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ تو آپ اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

حل لغات "راغ الی کذا ای مال الیہ سرا" چپکے سے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا چپکے سے

متوجہ ہونا راغ میں ضروری ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمانوں سے چھپکر گھر والوں کے ہاں چلے گئے کیوں کہ میزبان کے آداب میں سے ہے کہ وہ طعام کے لئے جلدی کرے کہ مہمان کو خبر نہ چلے تاکہ مہمان میزبان کو نہ روکے یا اس سے معذرت کر دے یا اسے انتظار کرنا پڑے۔

حکایت کسی ایک بزرگ کے ہاں مہمان تشریف لایا آپ نے اپنے مرید سے اس کے لئے کھانا لانے کا اشارہ فرمایا مرید نے طعام لانے میں دیر کی شیخ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ کھانے پر ایک چیونٹی مصروف تھی جب تک وہ خود نہیں ہٹی میں نے طعام اٹھانا مناسب نہ سمجھا شیخ نے مرید کو آفرین فرمائی شیخ و مرید کے اس واقعہ سے ان سے ایک بڑے باکمال بزرگ مطلع ہوا تو فرمایا مرید کی تحسین کی اس نے تو بہت بڑی غلطی کی ہے اسے تو مہمان کے لئے کھانا بہت جلد لانا چاہیے تھا کیوں کہ مہمان کا چیونٹی سے زیادہ حق ہے مرید پر لازم تھا کہ چیونٹی کو دسترخوان سے نیچے گرا دیتا اور جلدی سے مہمان کا کھانا لاتا۔

فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِيۡنٍ تو لایا بچھڑا بھنا ہوا) فا فصیحہ ہے ان جملوں کی وضاحت کر رہی ہے جو محذوف ہیں بار تعدیہ کی ہے۔

حل لغات العجل گائے کا بچھڑا اسے اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ جونہی بڑا ہو کر پورا بیل یا گائے ہو جاتا ہے تو اس کے بچھڑے ہونے کے تصورات ذہن سے اتر جاتے ہیں اور سمین اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سمن کے جنس اور اس سے پیدا ہونے کی وجہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موٹا بچھڑا بھون کر لائے۔ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيۡهِمۡ تو اسے ان کے قریب کر دیا یعنی حسب عادت ان کے آگے رکھا تا کہ کھائیں لیکن انہوں نے نہ کھایا جب آپ نے ان کو کھانا نہ کھاتا دیکھا تو قَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ فرمایا کیا کھاتے نہیں ہو ان کے نہ کھانے پر آپ نے ایسے فرمایا اور کھانے کی ترغیب دلائی۔

فائدہ : مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اسے قیمت دیئے بغیر نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کھانا کھاؤ اور اس کی قیمت دو عرض کی قیمت کیا ہے فرمایا کھانے سے پہلے پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جب فراغت پاؤ تو کہو الحمد للہ اس سے ملائکہ حیران ہوئے لیکن کھانا پھر بھی نہ کھایا۔ فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ تو ابراہیم علیہ السلام نے محسوس فرمایا۔

حل لغات الوجس بمعنی صوت خفی الایجاس کی طرح اور وہ جی میں ہی ہوتا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے دل میں محسوس کیا خِيۡفَةً خوف اور گمان کیا کہ شاید یہ دشمن ہیں کوئی شر لائے ہیں کیوں کہ جسے شر و ضرر کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ اسکا طعام نہیں کھاتا

فائدہ: عین المعانی میں ہے "من لم یاکل طعامک لم یحفظ ذمامک" جو تیرا کھانا نہیں کھائے گا تیری عزت محفوظ نہیں رکھے گا۔

ازالہ وہم مذکورہ بالا تقریر دہابیوں دیوبندیوں کی تائید کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو خوف ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ دشمن ہوں حالانکہ وہ تو فرشتے تھے اور فرشتے انبیاء علیہم السلام کے دشمن نہیں ہوتے تلہذا آپ کو علم نہ ہوا اور اہلسنت کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا تو اس کا جواب صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ صدیوں سال پہلے لکھ گئے کہ

یقول الفقیر یخالفہ سلامہم فالمسلم لا یلاو ان یکون من اھل السلام وقیل وقع فی نفسہ انھم ملائکۃ ارسلوا للعذاب (روح البیان ص۱۶۲ ج۹)

فقیر کہتا ہے کہ یہ اس کے خلاف ہے کہ ان کا السلام علیکم کہنا دلیل تھا کہ یہ سلامتی والے ہیں (پھر ڈر کا ہے کا) بعض نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں آ گیا کہ یہ فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے ہیں"۔

قَالُوْا کہا جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کا خوف محسوس کیا لَا تَخَفْ خوف نہ کھائیے ہم تو اللہ کے رسل ہیں۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بچھڑے پر پر لگائے تو کھڑا ہو کر چلنے لگا اور اپنی ماں (گائے) کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا اس سے ابراہیم علیہ السلام نے پہچانا اور ان سے بے خوف ہوئے۔

وَبَشَّرُوْهُ اور انہوں نے آپ کو خوشخبری سنائی اور سورۃ والصافات میں ہے کہ "وبشرناہم" اور ہم نے ملائکہ کے واسطے سے خوشخبری سنائی بِغُلٰمٍ بچے کی یعنی اسحاق علیہ السلام کی غلام اٹھتی ہوئی جوانی والا جس کی تازہ مونچھیں نکلیں "الکہل" اس کی نقیض ہے یا ولادت سے لے کر جوانی تک کے درمیانی عرصہ والے کو غلام کہا جاتا ہے۔ (قاموس)

عَلِیْمٍ علم والا جب بالغ اور جوان ہو گا بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے سوائے اسحاق علیہ السلام کے اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ اور متوجہ ہوئی اس کی بی بی۔ جب ان سے یہ خوشخبری سنی تو اپنے گھر کو روانہ ہوئی اس وقت وہ ایک کنارہ پر کھڑی تھیں اور انہیں دیکھ رہی تھیں۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کی طرف روانہ ہوئیں جبکہ وہ اس وقت اپنے شوہر گرامی کیساتھ

مہمانوں کی خدمت میں تھیں جب انہوں نے بچے کی خوشخبری سنائی تو حیا وشرم سے ان سے علیحدہ ہو کر چلی گئیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اقبال الی الاہل فرمایا ادبار عن الملائکہ نہیں فرمایا، کذا قال سعدی المفتی رحمۃ اللہ (تفسیر کبیر) اس کے ساتھ "قال کذلک قال ربک" مناسب نہیں جب کہ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے گھر پر تھیں جب خوشخبری سنی تو ملائکہ کی طرف آئیں فِیْ صَرَّةٍ فرماید میں اقبلت سے حال ہے۔

حل لغات الصرۃ بمعنی چیخنا (آواز سخت) کہا جاتا ہے۔ "صر یصر صریرا" بمعنی "صوّت" زور سے بولا، اسی سے صریرالباب دروازے کی زوردار آواز یعنی نے صرۃ سے مراد ویلی ہے بی بی جلتے ہوئے کہتی تھیں اوہ یا ویلتی یا ممکن ہے کہ بی بی رو پڑی ہو۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ بی بی جاتے وقت کہتی تھی۔ اللیلاد۔ اللیلاد یہ کلمہ ان کی عادت پر تھا کہ جب عظیم الشان بات سنتے تو کہتے اللیلاد۔ اللیلاد صرۃ (کسی ایک جماعت کا دوسری جماعت سے ملنا جیسے بکریوں کا ریوڑ وغیرہ گویا ایک برتن میں جمع ہوئے بعض نے آیت میں یہی مراد لیا ہے مثلاً کہا کہ بی بی عورتوں کی جماعت میں گئی جو آپ کے گھر پر تھیں حالانکہ اس سے قبل وہ خدمت کے لئے ملائکہ کے پاس تھیں۔ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا تو اس نے اپنا ماتھا ٹھوکا۔

حل لغات الصک بمعنی چوڑی شے کے ساتھ کسی شے کو مارنا کہا جاتا ہے صکہ یعنی اسے چوڑی شے سے سخت مارا یا عام مارنا مراد ہے۔ (قاموس)

اب معنی یہ ہوا کہ بی بی نے خود کو طمانچہ مارا حیا و شرم سے اس لئے کہ حیض کے خون کی حرارت محسوس کی۔ بعض نے کہا کہ بی بی نے اپنی انگلیوں کے پورے ماتھے پر مارے جیسے تعجب کرنے والا تعجب کے وقت ایسے کرتا ہے اور یہی عورتوں کی عام عادت ہے جب کوئی نئی بات سنیں یا دیکھیں تو ماتھے پر انگلیوں کے پورے مار دیتی ہیں۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ تو طمانچہ منہ پر مارا جیسے تعجب کے وقت عورتوں کی عادت ہے۔

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ اور کہا میں بڑھیا اور بانجھ ہوں۔ عاقر وہ عورت جو بچہ جننے کے قابل نہ رہے یعنی بی بی نے فرمایا کہ میں جوانی میں بچہ نہ جن سکی تو اب بڑھاپے میں کیا جنوں گی حالانکہ اس وقت میری ننانوے سال عمر ہے۔

عجوز کی وجہ تسمیہ عجوز کو اس لئے عجوز کہا جاتا ہے کہ وہ اب بہت سے امور کی سرانجامی سے عاجز ہو جاتی ہے اور العقیم العقم سے ہے بمعنی الیبس خشک ہو جانا

ایساکہ اثر کو قبول نہ کرے اور عورتوں میں عقیم وہ عورت جو مرد کا پانی (مادہ منویہ) قبول نہ کرے۔

القاموس میں لکھا ہے کہ العقم (بالفم) وہ پانی (منی نطفہ) جو رحم پر پڑے تو وہ بچہ بننے کے لئے قبول نہ کرے۔ معین المعانی میں ہے العقیم وہ عورت جس کی رحم کا وہ راستہ بند ہو جائے جہاں نطفہ ٹھہرتا ہے۔ اسی سے الداء العقام ہے وہ بیماری جس سے تندرستی کی امید ختم ہو جائے اسی سے العاقر ہے وہ عورت جو حاملہ نہ ہو سکے اور رجل عاقر بمعنی وہ مرد جس سے بچہ کی پیدائش کی امید ختم ہو جائے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا بچہ جننے کے قابل نہیں رہی تھیں اور نہ ہی آپ سے اس سے قبل کوئی بچہ پیدا ہوا نہ بچپن میں نہ عنفوان جوانی میں اب تو بوڑھی ہو گئیں اور سن ایاس تک پہنچ گئیں اسی لئے بی بی نے ان کی خبر کو بعید از قیاس سمجھ کر متعجب ہوئیں اور یہ استبعاد و تعجب از راہ عادت تھا ورنہ حاشا کلا بی بی رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہرگز ہرگز شک نہ تھا۔ قَالُوا كَذٰلِكِ انہوں نے اسی طرح یعنی جس طرح کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری سنائی ہے قَالَ رَبُّكِ تیرے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم تو صرف اسے بیان کرنے اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے خبر سناتے آئے ہیں ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے كذلك کا کاف منصوب المحل ہے اس لئے کہ صفت ہے قال ثانی کے مصدر سے یعنی ہم جو خوشخبری سنا رہے ہیں اے بی بی اسے بعید از قیاس نہ سمجھ اور نہ ہی اس سے تعجب فرما۔ کیوں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہم نے اسی طرح آپ لوگوں کو خوشخبری سنا دی ہے اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ بے شک وہ حکیم علیم ہے اسی لئے اس کا ہر قول و فعل محکم مضبوط اور پختہ ہوتا ہے سے

۱ ؛ کسے کو بکار تو دانا بود

برانجام او ہم تو انا بود

۲ ؛ بجز درگہش رو مکن سوئے کس

مراد دل خویش از جوئے ولبس

ترجمہ ؛ ۱: وہ جو تیرے کام کو جانتا ہے وہ تیرے کام کی تکمیل کے لئے بھی قادر ہے۔

۲ ؛ اس کی درگاہ کے سوا کسی کی طرف منہ نہ کر دل کی مراد اس سے تلاش کر اور بس

حکایت

مروی ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام نے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اپنے گھر کی چھت دیکھئے ادھر دیکھا تو چھت کے شہتیر پر پتے اور پھل اُگے ہوئے نظر آئے تب بی بی کو یقین ہو گیا۔

فائدہ: یادرہے کہ یہ گفتگو نہ صرف بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ ہوا جس کی تفصیل ہم سورۂ حجر میں بیان کر آئے ہیں۔ اور پھر اسے سورۂ ھود میں بھی ذکر کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نا امیدی نہیں چاہیے کیوں کہ اس نے جو مقدر فرمایا وہ ہو کر رہے گا اگرچہ دیر کے بعد ایسے ہی بی بی مریم رضی اللہ عنہا کا درخت بھی بھولا پھلا جب کہ وہ بھی بظاہر نا اُمید تھیں جیسے تفصیل سورۂ مریم میں گزری ہے بہت سے حضرات بڑھاپے میں علم کی دولت سمیٹنے لگے تو وہ جوانوں سے بازی لے گئے ابتدا سے محروم تھے بلکہ بڑھاپے میں کامیاب رہے ان کے بعض حضرات یہ ہیں۔ ابراہیم بن ادہم فضیل بن عیاض، مالک بن دینار قدست اسرارہم یہ حضرات احوال عارضیہ سے فطرت اصلیہ سے دور ہو چکے تھے لیکن جب عنایت ایزدی نے ان کی مدد فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ کر قرب عطا فرما دیا تو ان کی فطرت پر جو پردے حجابات تھے وہ ہٹ گئے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر عجز کا الزام لگاتا ہے وہ کافر ہے۔

ازالہ وہم: صوفیہ کرام کا مقولہ مشہور ہے کہ "الصوفی بعد الاربعین بارد" صوفی چالیس سال کے بعد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں کیوں کہ اکثر یہی ہے کہ چالیس سال کے بعد یبوست اور برودت کے غلبہ سے صوفی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ زندہ کرتا اور مارتا ہے وہی بچپن کے مارے ہوئے کو بڑھاپے میں زندہ کر سکتا ہے اور جسے بچپن میں زندگی بخشتا ہے تو اسے بڑھاپے میں بھی مار سکتا ہے ایسے ہی جس کا نفس جوانی میں زندہ ہے اُسے بڑھاپے میں مارنا آتا ہے ایسے ہی جس کا دل بچپن میں مردہ تھا وہ بڑھاپے میں اسے زندہ کر سکتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے بہت بڑے فیض وعطا کی اُمید رکھتے ہیں۔

ھذا آخر ما رقمہ قلم الفقیر القادری ابی الصالح محمد فیض احمد الاویسی رضوی غفرلہ ربہ القوی بجاہ حبیبہ النبی الامی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وعلی جمیع اولیاء امتہ وعلماء ملتہ بفضلہ تعالیٰ وکرمہ پارہ نمبر ۲۶ کے ترجمہ سے ۱ جمادی الآخر ۱۴۰۸ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۸۸ء بروز اتوار صبح دس بجے فراغت پائی۔ بہاولپور۔ پاکستان۔ الحمد للہ علی ذلک والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فہرست مضامین تفسیر فیوض الرحمان پ ۲۶

مضمون	صفحہ
رکوع اول عربی سورۃ الاحقاف	۳
ترجمہ رکوع مذکور و تفسیر ختم	۳
تفسیر وما خلقنا السموات والارض الآیۃ	۵
تفسیر والذین کفروا عما انذرو (الآیۃ)	۸
تفسیر قل ارائتم ما تدعون الآیۃ	۱۱
تفسیر ومن اضل ممن یدعو (الآیۃ)	۱۳
تفسیر واذا حشر الناس الآیۃ	۱۴
تفسیر واذا تتلیٰ علیہم (الآیۃ)	۱۷
کرامت و جادو کا فرق۔ اولیاء کی عقیدت بھی ولایت ہے	۱۹
تفسیر قل ما کنت بدعاً من الرسل (الآیۃ)	۲۰
وما ادری ما یفعل بی الخ پر وہابیوں دیوبندیوں کے سوالات کے جوابات	۲۱
علم غیب ذاتی اور عطائی کا ثبوت	۲۳
تفسیر قل ارائتم ان کان من عند اللہ (الآیۃ)	۲۴
حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ	۲۷
اولیاء سے محبت بھی عبادت ہے رد وہابیہ	۲۹
آیات عربی رکوع وقال الذین کفروا الخ	۲۹
رکوع مذکور کا ترجمہ	۳۰
تفسیر وقال الذین کفرو (الآیۃ)	۳۱
تفسیر ومن قبلہ کتاب موسیٰ (الآیۃ)	۳۳
تفسیر ان الذین قالوا ربنا اللہ (الآیۃ)	۳۵
ولی کامل کی شان اور عالم بے عمل اور خصوصیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۳۶
واقعہ خضر و موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام	۳۷
تفسیر ووصینا الانسان بوالدیہ الآیۃ	۳۸
مدت حمل در شکم میں احناف کی دلیل	۳۹
استدلال امام اعظم رحمۃ اللہ و مسائل حمل	۴۰
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ اور آپکی عزت و عظمت	۴۳
اوتاد کی تعریف	۴۵
ماں باپ کو راضی کرنے والے شخص کا انعام	۴۶
تفسیر والذی قال لوالدیہ (الآیۃ)	۴۸
یوسف علیہ السلام کو تنبیہ	۵۰
تفسیر وان جاہداک علیٰ ان تشرک بی (الآیۃ)	۵۲
تفسیر ویوم یعرض الذین کفروا (الآیۃ)	۵۳
حضور علیہ اسلام کا اختیار	۵۶
رکوع واذکر اخا عاد الخ	۵۷
رکوع مذکور کا ترجمہ و تفسیر واذکر اخا عاد (الآیۃ)	۵۸
ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا منسب نامہ	۵۹
ہندوپاک میں آدم علیہ اسلام کا آنا	۵۹
اعدائے اولیاء کی علامت	۶۱
قوم عاد کے عذاب کا نمونہ	۶۴
تفسیر ولقد مکناہم (الآیۃ)	۶۶
حضور علیہ السلام کا قصاص دینا	۶۹
رکوع ولقد اہلکنا ما حولکم الخ	۷۰
ترجمہ رکوع مذکور و تفسیر آیت ولقد اہلکنا الخ	۷۱
انبیاء اولیاء سے وسیلہ اور وہابیہ کے وہم کا ازلہ	۷۳
تفسیر واذ صرفنا الیک (الآیۃ) اور جنات کا مذہب	۷۴
جنات حضور علیہ السلام کی خدمت میں	۷۵
جنات کی دوسری حاضری	۷۸
کفار و مسلمان جنوں کی غذا اور ابلیس کی علامات	۷۹
تفسیر قالوا یقومنا (الآیۃ)	۸۰
تفسیر ومن لا یجب داعی اللہ (الآیۃ) اور	
حضور علیہ السلام اور ملائکہ کرام	۸۳
حضور علیہ اسلام تمام ملائکہ کے نبی ہیں	۸۴
معتزلہ و اہلسنت کے مذہب کی تفصیل	۸۶
آکام المرجان کی تحقیق در دخول جنات فی الجنۃ	۸۸
مذاہب اور بعد کے استدلات در بارہ جنات	۸۹
تفسیر اولم یروا ان اللہ الذی الخ	۹۱
امام کسائی نے علم نحو بڑھاپے میں پڑھا	۹۱
حیات کی اقسام (فائدہ)	۹۳
حکایت رابعہ بصری	۹۴
آسانی ولادت کے عملیات و تعویذات	۹۸
تعویذ لکھنے کی دلیل	۹۹
سورۃ محمد شریف کا پہلا رکوع عربی	۱۰۱
سورۃ محمد شریف کا ترجمہ مع تفسیر	
آیۃ الذین کفروا الخ	۱۰۲
دعائے نبوی اور حق کے معانی و مطالب	۱۰۴
موسیٰ علیہ السلام کا سوال اللہ تعالیٰ کا جواب	۱۰۵
بشر حافی رحمۃ اللہ کو زیارت مصطفیٰ صلی اللہ وسلم	۱۰۶
اولیاء سے عقیدت و اتباع کا فائدہ	۱۰۶
تفسیر وما اذا لقیتم الذین کفروا (الآیۃ)	۱۰۷
تفسیر والذین قتلو (الآیۃ)	۱۱۱
فضائل شہداء	۱۱۲
تفسیر یا ایہا الذین آمنو (الآیۃ)	۱۱۳
نصرت کے اقسام	۱۱۳
تین وجہوں سے مسالک ڈگمگاتا ہے	۱۱۴

تفسیر ذالک بانہم کرہوا (الآیتہ) ۱۱۵
تفسیر ذالک بان اللہ مولی الآیتہ ۱۱۶
حضرت زید بن ثابت کی کرامت ۱۱۲
رکوع عربی ان اللہ یدخل الذین ۱۱۸
رکوع مذکور کا ترجمہ ۱۱۹
تفسیر آیت ان اللہ یدخل الذین الخ ۱۲۰
حکایت سیدنا اویس رضی اللہ عنہ ۱۲۲
بھوک کے فوائد ۱۲۳
تفسیر وکاین من قریتہ الخ ۱۲۵
تفسیر افمن کان علی بینتہ الخ ۱۲۶
شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۷
تفسیر مثل الجنتہ التی الخ ۱۲۷
تفسیر ولہم فیہا من کل الثمرات الخ ۱۳۲
تفسیر امنہم من یستمع الیک ۱۳۵
تفسیر فقد جاءت اشراطہا الخ
وعلامات قیامت ۱۳۷
تفسیر واستغفر لذنبک الخ اور ذنب کا معنی ۱۳۹
حضور علیہ السلام کی حالتیں تین ہیں ۱۴۰
حضور علیہ اسلام کو استغفار کا حکم تعلیم امت
کے لئے تھا ۱۴۳
حضور علیہ اسلام اللہ کے راز دان ۱۴۴
توحید بیکار جب تک رسالت کی شہادت نہ دی جائے ۱۴۵
توحید ورسالت کے نکتے ہی نکتے ۱۴۶
کوئی بے علم جاہل ولی اللہ نہیں ہو سکتا ۱۴۸
رقص کی تردید اور حاشیہ پر دلایت
اویس رضی اللہ عنہ کا نکتہ ۱۴۸
نفس کو بیدار کرنے کا طریقہ ۱۴۹
ظالم کا بیڑا غرق اور رزق میں وسعت اور عرش کی سیر ۱۵۰
فضائل لا الہ الا اللہ ۱۵۲
رکوع ویقول الذین امنوا الخ مع ترجمہ ۱۵۳
تفسیر ویقول الذین امنوا الخ ۱۵۳
تفسیر فاولی لہم الخ ۱۵۵
تفسیر فہل عسیتم الخ ۱۵۷
محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
گستاخ کی سزا ۱۵۹
تفسیر افلا یتدبرون القرآن الخ ۱۶۰
بغداد میں تین بشر نامی تھے اور بشر حافی کی کہانی ۱۶۱
تفسیر ان الذین ارتدو (الآیہ) ۱۶۲
فاجر کی قبض روح کا ہولناک منظر ۱۶۳
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازہ کا حال ۱۶۵
رکوع عربی ام حسب اللہ الذین فی قلوبہم الخ ۱۶۵
رکوع عربی مذکور کا ترجمہ اردو
تفسیرات آیت ام حسب الذین فی قلوبہم ۱۶۶
حضور علیہ السلام منافقین کا حال جانتے تھے ۱۶۷
سچے جھوٹے مرید کو مؤمن (ولی) فراست سے جانتے ہے ۱۶۹
تفسیر ولنبلونکم حتی نعلم المجاہدین (الآیتہ) ۱۷۱
غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند اور
تفسیر ان الذین کفروا الخ ۱۷۲
رد المعتزلہ والخوارج اور امام شافعی وحبیب
عجمی رحمہما اللہ ۱۷۳
تفسیر وان تؤمنوا وتتقوا الخ ۱۷۹
حضور علیہ اسلام کے علم غیب کو دیکھکر کافر
مسلمان ہو گیا ۱۸۱
تفسیر وان تتولو یستبدل الخ ۱۸۲
اہل فارس کی فضیلت وشیخ سعدی رحمتہ علیہ
کی بزرگی ۱۸۳
سورتہ الفتح کا شان نزول ۱۸۵
سورۃ الفتح کا رکوع اول عربی مع ترجمہ ۱۸۶
تفسیر انا فتحنا لک فتحا مبینا الخ ۱۸۷
تحقیق الحدیبیہ اور خواب نبی علیہ السلام ۱۸۸
معجزہ چشمے لہرائے اور دریا بہے ۱۸۹
وہابیوں کا اعتراض اور ہمارے جواب اور
جاسوس نبوی ۱۸۹
صحابہ کرام کی جان نثاری اور حدیبیہ کو کوچ ۱۹۰
کنویں میں چشمہ آب لگادیا معجزہ ۱۹۰
حدیبیہ میں صحابہ کرام کا نمونہ ادب ۱۹۱
عروہ کی رپورٹ اور اسکا مسلمان ہونا
حضرت عثمان مکہ گئے ۱۹۲
علم غیب نبوی کا ثبوت اور حضرت عثمان
کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹۳
کفار نے حضور علیہ اسلام کے لئے پابندی لگائی آج
نجدی لگا رہے ہیں (حاشیہ) ۱۹۳
شہادت عثمان غنی کی خبر اور وہابیوں کی تردید ۱۹۴
بیعت الرضوان کے صحابہ کی فضیلت اور کفار مکہ واہل
اسلام میں مدبھیڑ ۱۹۵
کفار مکہ کی صلح کی پیشکش اور مسلمانوں میں اضطراب ۱۹۶
صلحنامہ حدیبیہ کا مضمون ۱۹۶
صلح کی شرائط اور حاشیہ پر دلیل کہ یا محمد
مٹانے والے کون ۱۹۷
صلحنامہ کے بعد اور تبرک بال مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم
۱۹۸
معجزہ برکت طعام اور پیالہ پانی کا رحمت کا پرنالہ ۱۹۹
فضائل سورۃ الفتح اور طعام آگے رکھ کر فاتحہ کا ثبوت ۱۹۹
مکالمہ نبی علیہ اسلام وفاروق اور تردید شیعہ ۲۰۰

تفسیر یغفر لک اللہ الخ	٢٠٢
تفسیر ما تقدم من ذنبک الخ	٢٠٣
حدیث وسیلہ از آدم برائے فخر آدم علیہ اسلام	٢٠٥
لغزش نہ تھی ناز تھا (حاشیہ)	٢٠٥
آیت مذکورہ کی تفسیر امام ابن العربی	٢٠٦
امان شعرانی و درس عبرت	٢٠٧
آیت مذکور کی تفسیر صوفیانہ	٢٠٧
تفسیر ویتم نعمتہ علیک الخ	٢٠٩
احکام کی ترتیب یعنی پہلے توحید پھر رسالت الخ	٢١١
سکینہ تین قسم ہے	٢١٢
تفسیر وللہ جنود السموات والارض الخ	٢١٣
تفسیر لیدخل المؤمنین الخ	٢١٧
عقیدہ صحابی در علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم	٢٢٠
تحقیق الدائرہ	٢٢٢
تفسیر وللہ جنود السموات الخ	٢٢٣
انا ارسلناک شاہدا الخ	٢٢٥
تورات میں حضور علیہ اسلام کی فضیلت	٢٢٥
رد وہابی کے اس عقیدہ کا کہ حضور علیہ اسلام کو اپنی نبوت قبل از وقت علم نہ تھا	٢٢٢
نماز پنجگانہ کا ثبوت	٢٢٧
تیرے صدقے یا رسول اللہ دعویٰ علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم	٢٢٧
جملہ مخلوق پر حضور علیہ اسلام شاہد (حاضر)	٢٢٩
نبی علیہ اسلام نور اور نور کرم	٢٢٩
ہر امتی حضور علیہ اسلام کی نگاہ میں اور ہر نبی ولی ہے	٢٣٠
نبی علیہ اسلام نور من نور اللہ ہیں	٢٣١
تفسیر ان الذین یبایعونک الخ اور حاشیہ پر امام احمد رضا بریلوی کی تفسیر	٢٣٢
اولیاء اللہ کی شان از حدیث قدسی	٢٣٣
من تو شدم (اللہ جل جلالہ صلی علیہ و آلہ وسلم کا تعلق	٢٣٥
آئینہ جمال اور مظہر کمال	٢٣٥
نائب خدا اور خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	٢٣٦
سبحانی ما اعظم شانی کا جواب	٢٣٦
بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی نہیں	٢٣٦
وہ سجدہ کیجئے جو سر کو خبر نہ ہو	٢٣٧
تفسیر فمن نکث الخ	٢٣٧
چاہ کندہ را چاہ در پیش	٢٣٨
بیعت والوں کے شرائط بیعت کی اقسام	٢٣٩
مرشد کے بے ادب کا انجام بد	٢٤٠
بیعت کا ثبوت از احادیث مبارکہ	٢٤٠
عورتوں کو مرید کرنے کا طریقہ صحابیات کو تبرک کی طلب	٢٤٢
برے پیروں کی مذمت اور حاشیہ پر بھی	٢٤٣
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سچا پیر	٢٤٣
جسکا پیر نہ ہوا سکا پیر شیطان ہے تعلیم نبوی اور صحابہ کرام	٢٤٣
ولی اللہ کعبہ سے افضل اور شریعت و طریقت	٢٤٦
امام اعظم نے امام ابو یوسف کا امتحان لیا	٢٤٦
تین سو ساٹھ پیچ شاگرد کو سکھائے پھر بے ادب ہو گیا	٢٤٨
بدعت کی تعریف اور اسکی مثالیں	٢٤٩
خرقہ پوشی کا ثبوت حسن بصری نے حضرت حضرت علی سے خرقہ پایا	٢٥٠
منکرین خرقہ حسن بصری کے متعلق تصانیف (حاشیہ)	٢٥٠
رکوع عربی سیقول لک المخلفون الخ	٢٥١
ترجمہ اور تفسیر سیقول لک المخلفون الخ	٢٥٢
عرب و اعراب کا فرق	٢٥٣
تفسیر قل فمن یملک الخ	٢٥٥
قرآنی آیات کی برکات	٢٥٦
تفسیر بل ظننتم الخ	٢٥٧
تفسیر و من یومن باللہ الخ	٢٥٨
تفسیر سیقول لک المخلفون اذا انطلقتم الخ	٢٦
حسد کی تحقیق	٢٦١
تفسیر قل للمخلفین الخ	٢٦٣
خطائے اجتہاد پر اجر و ثواب کا ثبوت	٢٦٦
تفسیر لیس علی الاعمی الخ	٢٦٧
رکوع لقد رضی اللہ عن المؤمنین عربی	٢٧٠
ترجمہ رکوع مذکور	٢٧١
تفسیر آیت اور رضی اللہ عن المومنین	٢٧٢
بیعت کس لئے اور فضائل اصحاب الشجرہ	٢٧٣
بخشش کا پروانہ اور روئے زمین میں افضل صحابہ	٢٧٣
فضائل بیعت الرضوان کی تفصیل	٢٧٣
شیعوں کے اعتراضات کے جوابات	٢٧٣
سوال شیعہ اور جواب اویسی	٢٧٨
حضور علیہ اسلام کی موت اور اسکے جوابات	٢٧٩
شجرہ رضوان کہاں اور وہابیوں کے بہتان کے جوابات	٢٨٠
جوابات از صاحب روح البیان مع حاشیہ اویسی	٢٨٢
دیوبندیوں وہابیوں کا خدشہ کا مدیوں پہلے قلع قمع	٢٨٢
تفسیر اثابہم فتحا قریبا	٢٨٣
غزوہ خیبر اور اسکی وجہ تسمیہ	٢٨٦
غزوہ خیبر کی تیاری	٢٨٧
فاتح خیبر علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور مرحب کا مقابلہ	٢٨٨
فدک اور اسکی تفصیل	٢٩١
بی بی صفیہ کا خواب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا پہرہ	٢٩٢
ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو انعام اور بریلوی مسلک کی تائید	٢٩٣
یزید سے بڑھ کر ہے وہ جو مزارات کا دشمن ہے	٢٩٣

حضرت ابوایوب کا وصال اور حقہ و تمباکو نوشی ۲۹۳
یزید کو امیر المؤمنین کہنے والوں کا رد (حاشیہ) ۲۹۴
مونچھیں کاٹنا اور حبشہ کے مہاجرین ۲۹۵
قیام تعظیمی پر اعتراض کا جواب اویسی ۲۹۵
ام حبیبہ سے نکاح معجزہ شجر اور بکری کے گوشت میں زہر ۲۹۶
سات بیماریوں کا ایک علاج یہودیہ کا زہر کا اقرار ۲۹۷
زہر خورانی پر وہابیہ کے اعتراض کے جوابات اویسی (حاشیہ) ۲۹۸
یہود کی جلاوطنی از فاروق اعظم ۲۹۹
تفسیر واخریٰ لقد ولا علیہا الخ ۳۰۱
یہودیہ مسلمان ہو گئی اور یہودیوں کے امتحانات (حاشیہ) ۳۰۱
فتوحات کی تفصیل اور قسطنطنیہ دار الخلافہ ۳۰۳
غزوہ حنین اور اسکے اسباب اور لشکر اسلام ۳۰۴
حنین کا داخلہ اور عارضی شکست ۳۰۵
غنائم حنین کا شمار اور تفسیر ولو قاتلکم الذین کفروا الخ ۳۰۶
تفسیر وھو الذی کف ایدیکم الخ ۳۰۹
خالد سیف اللہ کب بنے ۳۰۹
انوکھی جنگ ۳۱۰
قصہ فتح مکہ اور زوجہ ابوسفیان کا خواب ۳۱۲
قریش کی ندامت اور انکی مشاورتی کمیٹی ۳۱۳
لشکر نبوی کی تعداد اور فوج کے جھنڈے، ہجرت حضرت عباس اور ابوسفیان جاسوس ۳۱۴
ابوسفیان کا اسلام اور اسکا گھر دار الامان اور اسلام کا جھنڈا ۳۱۵
شوکت اسلام کا نظارہ بادشاہ نہیں نبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۶
تین سو ساٹھ بت شکنی ۳۱۷
کعبہ کے اندر داخلہ اور فوٹو مٹادئے اور کعبہ کی دعا ۳۱۸
بیعت نبوی اور قیام مکہ معظمہ ۳۱۹
تفسیر ھم الذین کفروا وصدوکم الآیۃ ۳۲۰
تفسیر لو تزیلوا لعذبنا الذین الآیۃ ۳۲۳
تفسیر اذ جعل الذین کفروا الآیۃ ۳۲۴
حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف ۳۲۷
حجاج کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حق گوئی ۳۲۹
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت ۳۲۹
خیانتی شاگرد کا واقعہ ۳۳۰
رکوع عربی لقد صدق اللہ رسولہ الخ مع ترجمہ ۳۳۱
تفسیر آیت لقد صدق اللہ رسولہ الخ ۳۳۲
حضور علیہ السلام کا ایک خواب اور آیت مذکور کا شان نزول ۳۳۲
تبرک کا ثبوت اور تقسیم تبرک از حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳۵
اولیاء اللہ کے قصے ۳۳۷
عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳۰
ازلی نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۳۳۱
شرح الحدیث تردید وہابیہ وغیرہ ۳۳۱
انا من نور اللہ حدیث سے رد وہابیہ ۳۳۲
انا محمد و احمد و ابو القاسم اور نام محمد صلی اللہ وسلم کی برکت ۳۳۳
لکھنے رسم محمد و احمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۳۳۳
حکایت رابعہ اور میلاد شریف کا ثبوت رد وہابیہ ۳۳۵
ثبوت قیام و سلام عند المیلاد ۳۳۶
حاشیہ پر حوالہ جات در فوائد میلاد شریف ۳۳۶
نذرانہ محبت و خلوص (حاشیہ) ۳۳۷
محافل میں انوار کی بارش اور مغفرت (حاشیہ) ۳۳۸
بدعت حسنہ کا ثبوت ۳۳۹
دولت دیدار برکت میلاد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳۹
میلاد شریف کا استدلال از قرآن و حدیث ۳۴۹
میلاد شریف کی برکات اور میلاد میں پہلی تصنیف (حاشیہ) ۳۵۱
تفسیر والذین معہ الآیۃ ۳۵۱
تورات میں فاروق اعظم کے اوصاف (رضی اللہ عنہ) ۳۵۲
ماتھے کے داغ وہابیوں کی نشانی ۳۵۳
قدرتی ماتھے کا داغ اور امام زین العابدین ۳۵۵
تفسیر و ذلک مثلھم فی التوراۃ ۳۵۷
تحقیق انجیل ۳۸۵
سادات ادری ۳۵۹
حق چار یار (رضی اللہ عنہم) ۳۶۰
فضائل صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ۳۶۰
عشرہ مبشرہ بالخصوص چار یار رضی اللہ عنہم ۳۶۱
شیعہ برادری کی خبر نبوی اور شیعہ کا رد ۳۶۱
ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم ۳۶۳
دو آیت قطب سے دعاء مستجاب فضائل سورۃ الفتح ۳۶۳
سورۃ الحجرات کا رکوع اول عربی ۳۶۳
سورۃ الحجرات کا اردو ترجمہ مع تفسیر
یاایھا الذین آمنو ۳۶۵
آیت اول سورۃ حجرات کے چار شان نزول ۳۶۷
گستاخی کی سزا اور فضیلت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۳۶۸
تفسیر لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ۳۷۰
عباس رضی اللہ عنہ کی اونچی آواز کی شان ۳۷۳
شہید بولتا اور سب کچھ جانتا ہے اور مردہ کی وصیت ۳۷۳
صحابہ نے اسطرح عمل کیا جیسے شہید نے فرمایا ۳۷۵
ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے قصہ سے چند سنی استدلات اویسی ۳۷۵
حبط اعمال کے اقسام ۳۷۶
شان رسالت کی نزاکت ادب تعظیم رسول اللہ صلی اللہ وسلم ۳۷۷
ذکر بالجہر و بالسری کا راز صحابہ کی رمز شناسی ۳۷۸
زائرین گنبد خضراء کو ہدایت اویسی (حاشیہ) ۳۷۸
بے ادبی و گستاخی کی نحوست ۳۸۱
تفسیر ان الذین یغضون اصواتھم الخ ۳۸۲

تفسیر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۳۸۳
صحابہ کی گستاخیاں از شیعہ (حاشیہ) ۳۸۳
فرمودہ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ ۳۸۴
تفسیر ان الذین ینادونک الخ ۳۸۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر سے کس نے پکارے ۳۸۶
شان نزول آیت مذکور (حاشیہ) ۳۸۶
حضور علیہ السلام کا علم غیب ۳۸۷
واقعہ سریر نبی القمر ۳۸۸
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آداب رسول صلی اللہ وسلم (حاشیہ) ۳۸۹
آداب معیت (رفاقت) عوام عرب و ترک ۳۹۱
شفاعت کا منظر اور اسکی احادیث مبارکہ ۳۹۳
تفسیر یا ایہا الذین آمنوا ان جاء کم الخ ۳۹۴
تفسیر واعلموا ان فیکم رسول اللہ الخ ۳۹۷
تفسیر و کرہ الیکم الکفر والفسوق الخ ۳۹۹
شیخ اکبر اور ایک بے عمل عالم (حکایت) ۴۰۱
تفسیر وان طائفتان الخ ۴۰۲
لقمان حکیم کی حکمت ۴۰۳
آیت مذکورہ کا شان نزول اور منافق بے ادب کا قصہ ۴۰۴
تفسیر فان فارت فاصلحوا الخ ۴۰۷
شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰۹
ارشاد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ در تردید شیعہ بے وفا ۴۱۱
جنگ جمل و صفین کے متعلق ہدایات از (اویسی غفرا) حاشیہ ۴۱۰
تفسیر انما المؤمنین اخوۃ الخ ۴۱۱
خلت واخوت کا فرق ۴۱۲
اخوت نبی و دینی کا فرق نبوی نسب تین قسم ہے ۴۱۳
قرابت نبوی معنوی اولیا کرام قرابت صوری معنوی خلفاء ۴۱۴
حقوق اخوت دینی کی تفصیل ۴۱۵
رکوع عربی یا ایہا الذین لا یسخر قوم الخ مع ترجمہ اردو ۴۱۸
تفسیر یا ایہا الذین لا یسخر الخ ۴۱۹
معروف کرخی رضی اللہ عنہ کے نام لینے سے حل مشکلات ۴۲۱
قبر معروف دعا کے مستجاب ہونے کا تریاق ہے ۴۲۲
آیت کے تین شان نزول ۴۲۲
تفسیر ولا تلمزوا انفسکم الخ ۴۲۵
لعنت و کفر جس پر کرو اگر وہ مستحق نہ ہو تو قائل پر پڑتی ہے ۴۲۵
تفسیر ولا تنابزوا بالالقاب الخ ۴۲۸
کسی کو غلط اور گندے القاب دینے پر شرعی سزا ۴۳۰
تفسیر یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا الخ ۴۳۳
رد قادیانی و ناصبی و شیعہ خوارج و معتزلہ ۴۳۴
تفسیر ولا تجسسوا الخ ۴۳۹
حضرت جبرئیل علیہ السلام کے تین محبوب عمل ۴۴۰
تفسیر ولا یغتب بعضکم الخ ۴۴۳
آیت کا شان نزول اور گلہ گو کا قصہ ۴۴۵
پانچ آدمیوں کے روزے (معنوی طور ٹوٹ جاتے ہیں) ۴۴۷
پہلا گلہ گو ابلیس روز گلہ غیبت کے فقہی مسائل ۴۴۸
تفسیر یا ایہا الناس انا خلقنا کم الخ ۴۵۰
آیت کے دو شان نزول ۴۵۰
تفسیر ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم الخ ۴۵۲
بعض گدی نشینوں اور پیر زادوں کا رد (حاشیہ) ۴۵۳
آیت مذکورہ کی تفسیر صوفیانہ ۴۵۵
تفسیر قالت الاعراب الخ ۴۵۶
ابو منصور ماتریدی کے مذہب کی تائید ۴۵۹
انما المؤمنون الذین آمنوا الخ ۴۶۱
تفسیر قل اتعلمون اللہ الخ ۴۶۳
تفسیر یمنون علیک الخ ۴۶۵
تفسیر ان اللہ یعلم غیب السموات الخ ۴۶۷
غیب پر ایک اعتراض کا جواب از اویسی (حاشیہ) ۴۶۷
بدعت حسنہ پر عمل سے دعا مستجاب ۴۶۹
قرآن پاک کی منزلوں پر تلاوت پر دعا مستجاب ۴۷۰
قرآن پر نقطے حجاج نے لگوائے (بدعت) ۴۷۰
اعراب کی بدعات اور ابتدائی اعراب کی علامات خلیل کی بدعت کا تا حال عمل ۴۷۱
وہابیوں دیوبندیوں کے ایک غلط قاعدہ کی تردید (حاشیہ) ۴۷۱
ایک اور بدعت اور بدعت کے مفتیوں کو اویسی کا انتباہ (حاشیہ) ۴۷۲
کئی بدعات اور خط عربی کا پہلا موجد ۴۷۳
سورہ ق کا پہلا رکوع عربی مع ترجمہ اردو تفسیر ق ۴۷۴
ق میں شان حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا نور اول ۴۷۶
جبل قاف ۴۷۷
زلزلہ کا موجب اور کوہ قاف کے عجائبات ۴۷۹
ملائکہ کی تخلیق ۴۷۹
آسمانی سیری کیسی آنکھوں کی بینائی میں اضافہ اور ابدال کا ایک قدم ۴۸۰
قطب الاقطاب اور ملائکہ کی ڈیوٹی چاندی کی زمین ۴۸۱
قیامت کی زمین اور تفسیر والقرآن المجید الخ ۴۸۲
تفسیر قد علمنا ما تنقص الخ ۴۸۳
رد الوہابیہ در عقیدہ حیات الانبیاء ۴۸۴
حضرت خضر کا عجوبہ اور ابلیس کی جوانی ۴۸۵
تقریر غزالی اور بایزید بسطامی رحمہما اللہ ۴۸۶
تقریر شیخ اکبر رضی اللہ عنہ ۴۸۷
بل کذبوا بالحق کی تفسیر ۴۸۷
حلاج منصور رحمۃ اللہ کی حقانیت ۴۸۹
مولانا رومی کے والد مرحوم کی کہانی اور تفسیر افلم ینظروا الخ ۴۹۰

دور حاضرہ کی سائنس اور اسکے غلط نظریہ کی تردید ۴۹۱
اولیاء کے طفیل دنیا قائم ہے ۴۹۱
تفسیر وانبتنا فیہا من کل زوج (الآیتہ) ۴۹۱
تفسیر ونزلنا من السماء ماء (الآیتہ) ۴۹۳
تفسیر کذبت قبلہم قوم نوح الآیتہ ۴۹۶
حنظلہ بن صفوان علیہ السلام ۴۹۷
تبع حمیری کا تفصیلی واقعہ (حاشیہ) ۴۹۸
تفسیر افعیینا بالخلق الاول (الآیتہ) ۵۰۲
کعبہ کا طواف اولیاء کرام کو ۵۰۵
رکوع عربی ولقد خلقنا الانسان الخ مع ترجمہ اردو
تفسیر آیات اول ۵۰۶
شب و روز میں وساوس کی تعداد ۵۰۷
تقریر وحدۃ الوجود از بایزید بسطامی تفسیر اذ یتلقی الآیتہ ۵۱۲
تفسیر یا یلفظ من قول (الآیتہ) ۵۱۳
جنبی انسان سے فرشتوں کی نفرت ۵۱۶
قبر کے مجاور فرشتے اور عجیب بندے ۵۱۷
کراماً کاتبین کا تبادلہ اور نگران ملائکہ کی تفصیل ۵۱۸
تفسیر وجاءت سکرۃ الموت (الآیتہ) ۵۱۹
صاحب مثنوی رحمہ اللہ کی موت اور موت کے ملائکہ کی تعداد ۵۲۳
صالح و طالح مرد کی کہانی ۵۲۴
غوث پاک رضی اللہ عنہ اور ایک مولوی کی موت ۵۲۵
جیسی کرنی ویسی بھرنی ۵۲۵
نبی علیہ السلام نے بوقت وصال کیا فرمایا ۵۲۶
تفسیر ونفخ فی الصور (الآیتہ) ۵۲۷
تفسیر وقال قرینہ الآیتہ روز شب معراج بڑھیا کی ملاقات ۵۳۰
تفسیر القیا فی جہنم الآیتہ ۵۳۱
تفسیر قال قرینہ لا تختصموا (الآیتہ) ۵۳۳
رکوع عربی یوم نقول لجہنم الخ مع ترجمہ اردو ۵۳۹
تفسیر یوم نقول لجہنم (الآیتہ) ۵۴۰
بہشت و دوزخ کا مناظرہ اور اللہ تعالیٰ کا قدم ۵۴۲
جنت کی وسعت ۵۴۵
شیخ اکبر و دیگر صوفیہ کرام رحمہم اللہ کی تقریر قدم کے بارہ میں ۵۴۶
تفسیر وازلفت الجنتہ (الآیتہ) ۵۴۷
تفسیر ھذا ما توعدون (الآیتہ) ۵۴۸
تفسیر من خشی الرحمان بالغیب (الآیتہ) ۵۵۰
تفسیر ادخلوہا بسلام الآیتہ ۵۵۱
تفسیر لہم ما یشاؤن فیہا (الآیتہ) ۵۵۲
دیدار الٰہی کہاں ہوگا ۵۵۳
تفسیر وکم اہلکنا قبلہم من قرن الآیتہ ۵۵۵
تفسیر ان فی ذلک لذکری الآیتہ ۵۵۸
وہابیہ لفظ شہید سے بھی حاضر و ناظر ۵۵۹
قلب چار قسم ہے ۵۶۱
حدیث قدسیہ لا یسعنی عرش الخ ۵۶۲
قلب کی شرافت ۵۶۳
شیطان اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ۵۶۴
تفسیر ولقد خلقنا السموات (الآیتہ) ۵۶۵
تفسیر فاصبر علی ما یقولون الآیتہ ۵۶۷
تفسیر الخلفاء الراشدین (رضی اللہ عنہم) ۵۶۹
نوافل المشائخ اور تفسیر واستمع یوم الآیتہ ۵۷۲
میدان حشر کا منظر اور انوار مدینہ ۵۷۳
امت کا غمخوار صلی اللہ علیہ وسلم سربسجود ۵۷۵
تفسیر انا نحن نحیی الآیتہ ۵۷۵
تفسیر یوم تشقق الارض الآیتہ ۵۷۶
سورۃ ق کی فضیلت اور خطبہ کی بدعت ۵۷۹
سورۃ ذاریات کا رکوع اول عربی مع ترجمہ ۵۸۱
تفسیر آیت والذاریات ذروا اور بہشتی دوزخی ہوا ۵۸۲
علم غیب نبوی اور ہوا کہاں سے آتی ہے اور آٹھ ہوائیں ۵۸۳
تفسیر فالحاملات وقرا ۵۸۵
تفسیر فالجاریات یسرا و مدبرات فرشتے ۵۸۶
ان ما توعدون صادق ۵۸۹
تفسیر والسماء ذات الحبک ۵۹۱
تفسیر قتل الخراصون ۵۹۳
ولی اللہ نے کرامت دکھائی ۵۹۵
تفسیر ذوقوا فتنتکم (الآیتہ) ۵۹۶
تفسیر ان المتقین الآیتہ ۵۹۸
تفسیر وبالاسحار ہم (الآیتہ) ۶۰۱
ایصال ثواب اہل اموات ۶۰۳
فضائل تہجد و آہ صبحگاہی ۶۰۳
تفسیر وفی اموالہم حق الآیتہ ۶۰۶
تفسیر وفی الارض آیات الآیتہ ۶۰۹
تفسیر وفی انفسکم الآیتہ ۶۱۱
بحر علم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۶۱۳
یا علی اسال الخ ۶۱۳
حضرت معروف کرخی کا ناز ۶۱۴
تفسیر وفی السماء رزقکم الآیتہ ۶۱۴
سیدنا اویس قرنی و ہرم بن سنان رضی اللہ عنہما ۶۱۵
رزق باذن اللہ اولیاء کے ہاتھ میں ۶۱۶
رکوع عربی ھل اتاک حدیث الخ مع ترجمہ اردو ۶۱۷
تفسیر ھل اتاک حدیث ضیف ابراہیم ۶۱۸
مہمان نوازی کی فضیلت ۶۱۸
تفسیر اذ دخلوا علیہ الآیتہ ۶۲۱
تفسیر قالوا لا تخف الآیتہ ۶۲۳
تفسیر فصکت وجہہا الآیتہ ۶۲۴
صوفی بعد چالیس سال کے بار دیے کا مطلب ۶۲۶

تمت الفہرست